

امیر اللہ حزب اللہ

سیر جناب ابوبکرؓ سے محمدؐ کا سید محمدؐ صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ

تصنیف

ڈاکٹر عبد الغنی

ادارہ حزب اللہ - جلالپور شریف

عَلَىٰ سَائِلِي

فَإِنَّ عِزَّ اللّٰهِ هُوَ الْعَلْبُورُ

عَلَىٰ سَائِلِي

عَالِي جَنَابٍ تَقَدَّسَ بِأَجَابَتِي تَشْرِيْعِي قَامِعٍ بِدَعْوَتِي، وَأَقْبِ اسْمِي
حَقِيقَتِي مَا بَرَّرْتُ مَعْرِفَتِي آيَةِ مَنْ آيَاتِ اللّٰهِ، جَنَابِ ابْنِ الْبَرَكَاتِ
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْحَاجَّ حَضْرَتِ سَيِّدِي مُحَمَّدٍ فَضْلٍ ثَنَاهُ صَاحِبِ الْأَزَلَّةِ
شَمْسِ بَدَايَاتِهِمْ لِأَمَّةِ سَجَاوَدِ نَشِيْنِ جَلَالِ پُورِ شَرِيفِ (بِهَلْمِ)

و

عِزُّ اللّٰهِ

(حَالًا زِنْدِكِي، تَعْلِيْمَاتٍ وَكِرَامَاتٍ وَسِيْرٍ وَحَسِيْبٍ)

مَوْلَانَا

ڈاکٹر محمد عبدالغنی ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی، پروفیسر گورنمنٹ کالج بہاولپور

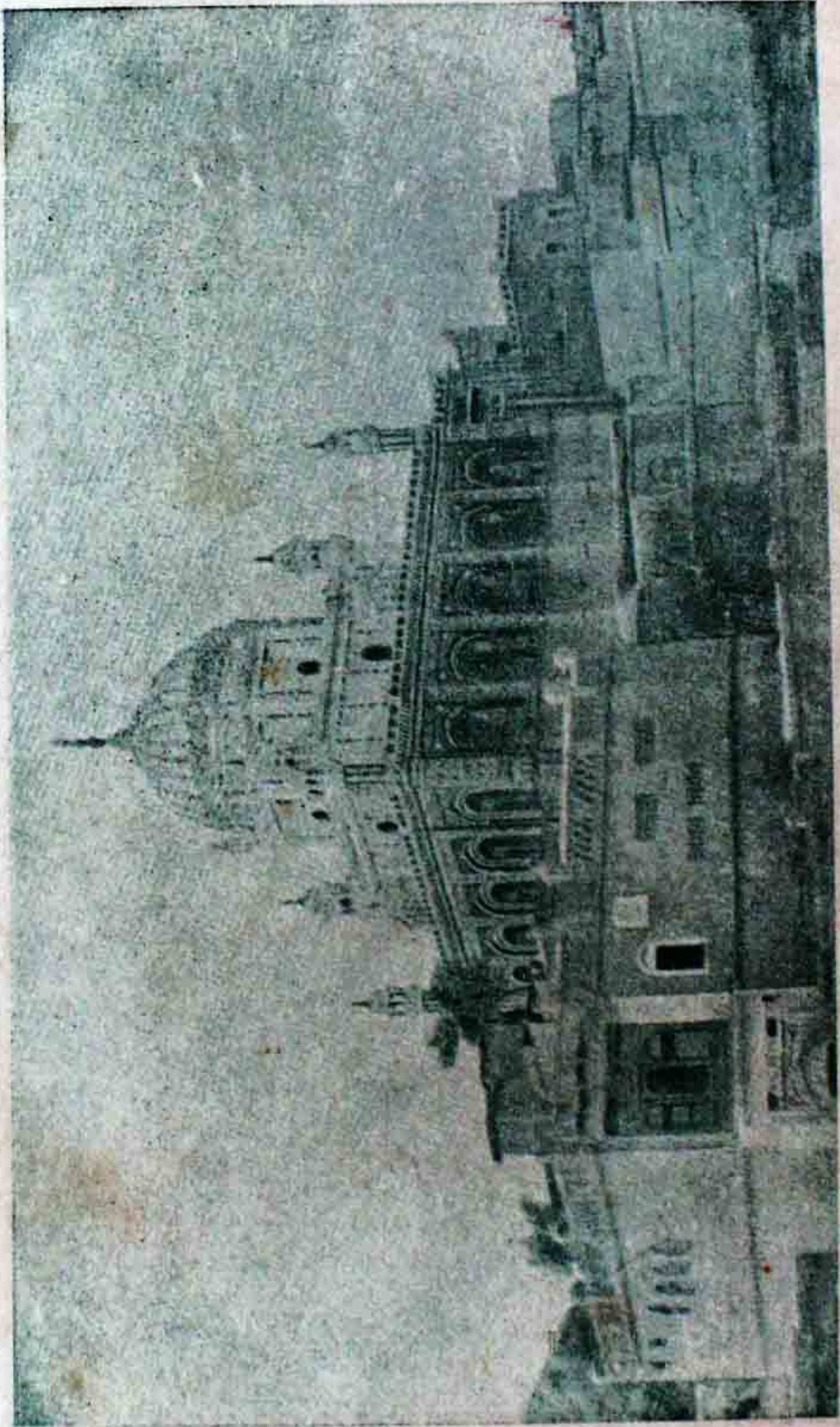
شائع کر رکھا ادارہ عِزُّ اللّٰهِ جَلَالِ پُورِ شَرِيفِ ضلع جہلم

(بجملہ حقوق بحق ادارہ عِزُّ اللّٰهِ محفوظ)

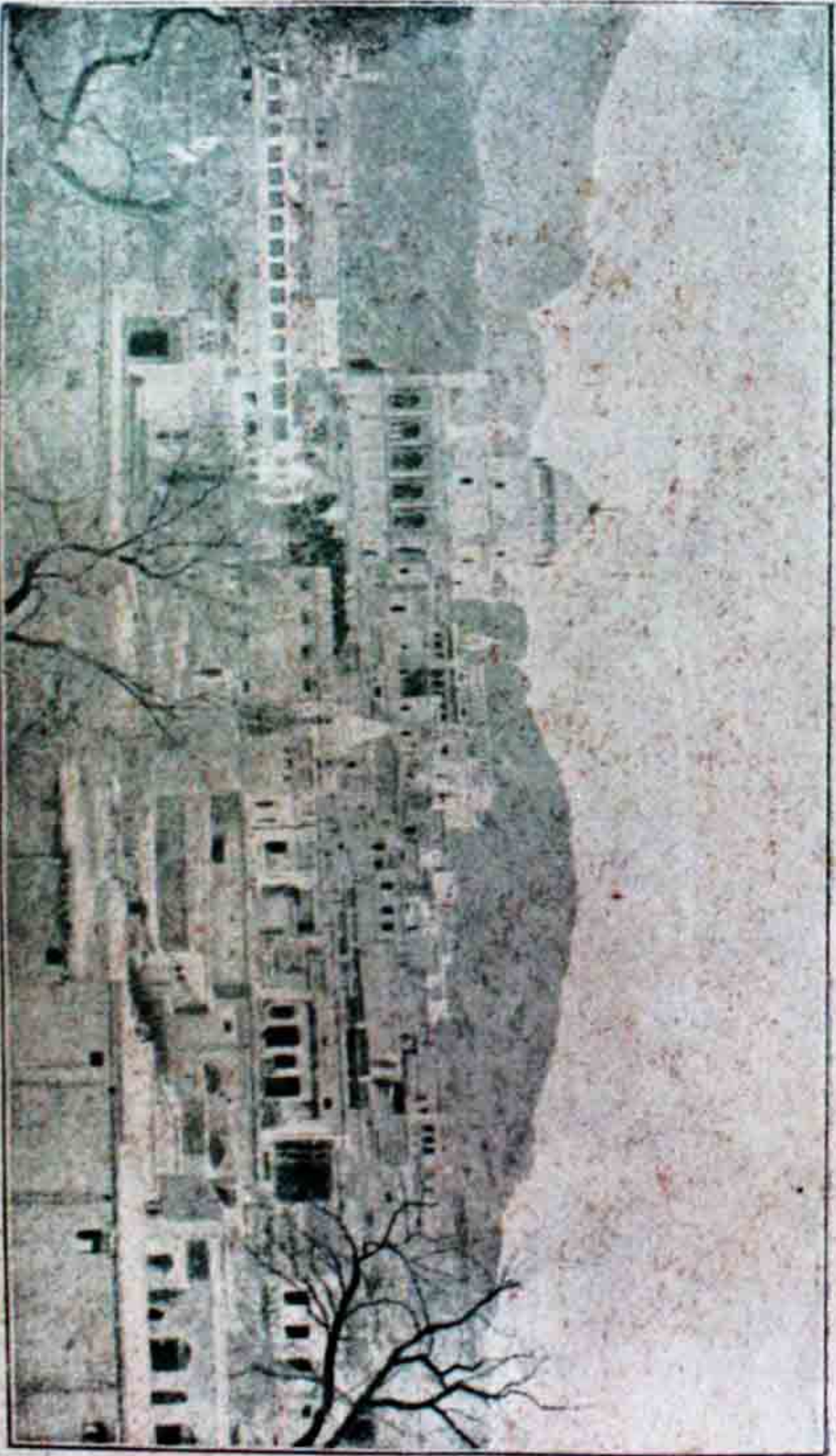
ہدیہ سپاس

اس کتاب مبارک کے سلسلہ میں حافظ نذر حسین صاحب شافعی کی خدمات بھی بیک وقت قابل قدر ہیں۔ ذکر حبیب تصنیف ہوئی اس کا روح پرور مقدمہ حضرت امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی مبارک قلم سے خود لکھا۔ اس کے ایک ایک لفظ کو بالاستیعاب دیکھا۔ حکم اصلاح فرمائی۔ مضامین اور مطالب کی اضافہ فرمایا۔ لیکن آپ کی مسلسل علالت اور تقاہت بدنی کے باعث یہ کتاب شرف حاصل نہ کر سکی۔ خوش قسمتی سے حافظ صاحب دینی تفقہ بھی رکھتے ہیں۔ حسب قلم بھی ہیں اور اپنی خانہ دانی روایات کے مطابق عقیدت اور سبب مندی کے جوہر گرانمایہ کے بھی مالک ہیں نظر ثانی کیلئے حضور نے انہیں منتخب فرمایا اور الحق انہوں نے یہ فریضہ بڑی خوش اسلوبی اور بیک وقت قریزی سے انجام دیا۔ کوئی لفظ اور کوئی معنی ایسا نہیں جو ان کی ناقدانہ نگاہ سے نہیں گزرا۔ اس کے بعد کتاب کی کتابت اور طباعت کا بطاہر لائیکل مسئلہ پیدا ہوا جو خوش نصیبی سے حافظ صاحب لاہور چھاپخانہ میں اپنے فرض منصبی انجام دے رہے تھے۔ اپنی قیام گاہ اور شہر لاہور کے درمیان انہوں نے تمازت آفتاب اور باد و باران کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جتنے چکر لگائے ان کا شمار آسان نہیں۔ اور پھر کاروباری لوگوں سے جس ہوشمندی کے ساتھ انہوں نے معاملہ طے کئے یہ انہی کا حصہ ہے۔ الغرض کتاب کی تصنیف و ترتیب و طباعت تکمیل کے ہر مرحلہ پر حافظ صاحب نے ایسی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں کہ ان کے بغیر قارئین کرام کے ہاتھوں تک اس بابرکت اور حسین جمیل کتاب کا پہنچنا امر محال تھا۔ راقم الحروف صرف اپنی طرف سے بلکہ تمام برادران طریقت کی جانب سے ان کرامت میں ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرنا ایک خلائقی فرض سمجھتا ہے۔

(مکلف)



روضہ شریف حضرت خواجہ غریب لواز جلاپوری رحمۃ اللہ علیہ لوزر اللہ مرقدہ



جلالپور شہر میں کاغذ خانہ

میکنم با هزار عجب و نیاز
بدین خواجہ فریب نواز

ہمارا مقصد وحید اس گئے گزرے زمانے میں اسلام کو فروغ دینا ،
مسلمانوں کا مستقبل سدھارنا اور انہیں کفر زار ہند میں عزت و آبرو کے ساتھ رہنے کے قابل بنانا ہے

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلامی اور قومی ضروریات کی تکمیل کے لئے
ہم اپنی سب قوتیں بروئے کار لائیں۔ اور ساری طاقتیں فرج کر دیں۔

ہم نے لازوال اور ہمہ نام کا نشان کارناموں سے تاریخ کو بنانا ہے۔

آپ بیک وقت دونوں قسم کے جہاد شروع رکھیں۔ بالسیف بھی اور
بالنفس بھی تاکہ ایک طرف تمہاری خارا شگاف تلوار اعدائے دین کو تمہارے سامنے سرنگوں
کرے۔ اور دوسری طرف تمہاری بے نفس صداقت و رحمانیت لوگوں کے دلوں کی اقلیم کو فتح کرے

وقت ہی مبارک ہے اور گھڑیاں وہی سعید جو خداوند تعالیٰ کی یاد میں بسر ہوں۔

اگر میرے منہ سے ایک بات بھی کام کی نکلی ہے تو خدارا اس پر عمل کیجئے۔ ہماری
مصیبتیں اچھی باتیں نہ کہنے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ان پر عمل نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

امیر الشہزاد نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ تمہیں بلاخون لومہ لازم عقیبہ کر دی

خداوند کریم کی فوج کے سپاہیو! بگل بچنے والا ہے۔ مستعد اور تیار ہو جاؤ!!
اور امیر کے احکام کی انتظار میں گوش بر آواز!!!

فرمودت عالیہ حضرت امیر عزم الشہزاد

قدوة السالكين زبدة العارفين محي الدين ثانی سیدنا و مولانا حضرت ابوالبرکات الحاج
سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ



زمانہ و جد کماں اب بھی انکے طوف میں ہے جو کوہِ دو شہت کبھی تیری جلوہ گار ہے؟

(بشکریہ مصوفی محمد مصطفیٰ صراف حیدرآباد)
marfat.com

بسم الله تعالی

بسم الله تعالی
الحمد لله رب العالمین
والصلاة والسلام
على من لا نبي بعده

عبدلہ بک
۱۸ جمادی الاول
غزیرہ کلا

مدت کتب

درہ ہونے کے بعد چھ ماہ تک
۵:۰۰ تقریباً رہا۔

انہی ناموں

تقریباً ۱۸۰ کتب حاصل رہیں۔
جس میں ۵۰ کتب ایسا لکھا ہے جو
اب تک اب تک

کتابت ہوئی ہے

اب جو اس میں ان اہل کتب سے
حاصل ہوئے ہیں ان کے
ادراک حضور میں
حافظی ہی عذرا ہے

دوسرے نامیں

عزیز بن علی
حیف بن علی
عزیز بن علی

مکتوب گرامی حضرت امیر حزب اللہ بنام شاد فاروقی

فہرست مضامین

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|------------------------------------|------|---------------------------------------|
| ۱۹۷ | ایام ولیعہدی | | |
| ۲۱۷ | مسند نشینی | | پیش لفظ |
| ۲۳۳ | روحہ شریف کی تعمیر | | مقدمہ |
| ۲۳۶ | روحہ شریف کے فیوض و برکات | | فاتحہ الکتاب |
| ۲۴۹ | لنار شریف کے دیگر حالات | | باب اول: عہد طفولیت اور آغاز شباب |
| ۲۵۴ | دنیا سے اسلام پر ادبار کی گھٹائیں | | حضرت اعلیٰ کا زمانہ (ولادت اور تعلیم) |
| ۲۶۴ | تحت کابل کے خلاف انگریزی کی سازشیں | ۲۵ | حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد |
| ۲۶۶ | قتلہ ارتداد | | (آغاز شباب) |
| | باب چہارم: تحریک حزب اللہ | | باب دوم: سفر نامہ حجاز و بلاد اسلامیہ |
| ۲۷۷ | آغاز کار | ۴۱ | جلالپور شریف سے ممبئی |
| ۲۹۴ | سالانہ دورے | ۷۴ | بحری سفر |
| ۳۱۶ | عرس مبارک کے اجتماعات | ۸۴ | ملک مصر میں ورود |
| ۳۳۷ | حزب اللہ اور رفتارِ زمانہ | ۱۱۱ | سفر بیت المقدس |
| | باب پنجم: حزب اللہ اور پاکستان | ۱۲۶ | سفر شام |
| ۳۹۱ | آزادی حاصل کرنے کا نسخہ | ۱۴۹ | حجاز مقدس کا سفر |
| ۳۹۶ | ہندو کے نزدیک آزادی کا مطلب | ۱۹۲ | مراجعت وطن |
| ۳۹۸ | پاکستان کا تصور | | باب سوم: مجاہدانہ گرجبوشی سے پہلے |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|--|------|--|
| ۵۰۱ | حضور کی علالت | ۲۰۰ | قرارداد پاکستان |
| ۵۱۲ | خاندانی حالات | ۲۰۳ | مشابہ پاکستان پر امیر حزب اللہ کا اشتراک عمل |
| ۵۱۵ | حضور کے برادران گرامی | ۲۱۰ | ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں حزب اللہ کا کردار |
| ۵۲۰ | حضور کے ماموں صاحب | ۲۲۰ | تخلیق پاکستان میں حزب اللہ کی خدمت |
| ۵۲۸ | اولاد امجاد | ۲۲۵ | حکومت الہیہ - حزب اللہ کا نصب العین |
| ۵۲۸ | حضور کے خلفائے مجاز | ۲۲۸ | تقسیم ملک کے بعد خوئی و ظاہر |
| ۵۳۳ | جامع مسجد حیدری کی تعمیر | ۲۳۲ | جہاد کشمیر اور جماعت حزب اللہ |
| ۵۳۶ | لنگر شریف کے اجتماعات | ۲۳۷ | لال قلعہ پر پاکستان کا جھنڈا |
| ۵۵۱ | حضور کی موجودہ حالت | ۲۳۹ | حزب اللہ اور اشتیاق پاکستان |
| ۵۵۹ | باب ہفتم: سیرت و شخصیت حضور کی حقیقت مستورہ | ۲۴۵ | جمعیت المشائخ |
| ۵۶۵ | ذات حق سے تعلق | ۲۵۱ | قائد اعظم کی رحلت |
| ۵۶۷ | مجاہدین اسلام اور امیر حزب اللہ | ۲۵۲ | بھارت کے حالات |
| ۵۶۸ | اعلام کلمۃ اللہ | ۲۶۸ | مسئلہ کشمیر |
| ۵۷۳ | جمہوری نظام علیٰ منہاج النبوة | ۲۷۱ | دستور پاکستان |
| ۵۷۴ | جہاد کی تبلیغ | ۲۷۷ | لیاقت علی خاں کی شہادت |
| ۵۷۶ | اسلوب تحریر | ۲۷۸ | برسر اقتدار طبقہ سے توقعات کا بطلان |
| ۵۷۷ | تقریر | ۲۸۲ | پاکستان کی خارجہ پالیسی |
| ۵۷۹ | تاثر | ۲۸۷ | اسلام اور اشتراکیت |
| ۵۸۲ | تربیت کا طریق | ۲۹۱ | تحریک ختم نبوت |
| ۵۸۷ | شان کی زندگی، ایمان کی موت | ۲۹۴ | تحریک حزب اللہ پر عبرانی نظر |
| | | | باب ہشتم: خاندانی حالات و متفرقات |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|---|------|--------------------------------|
| ۵۱۷ | مقصد کرامات | ۵۱۶ | خوش ذوقی و خوش اخلاقی |
| ۵۱۸ | فقہ و تصوف کے متعلق اہل مغرب کا منہ لفظ | ۵۱۹ | ایک بنو اور نیک بنو |
| ۵۲۱ | فقہ و تصوف پر اپنیوں کے اعتراضات | ۵۹۰ | تخلیق پاکستان میں کردار |
| ۵۲۳ | جلالپور شریف کے تصوف کی نوعیت | ۵۹۳ | منتہائے مقصود |
| ۵۲۶ | حضور کی کرامات | ۵۹۷ | بحیثیت قائد |
| | باب نہم: حضورؐ کے غیر فانی مقالات | ۵۹۷ | خلوص و لائیت اور استغنا |
| ۷۳۹ | خدائی آواز | ۶۰۱ | حضورؐ کا فلسفہ زندگی |
| ۷۴۷ | تذکار ربیع الاول | ۶۰۷ | بنیادی حقیقت |
| ۷۶۷ | معراج النبیؐ پر ایک فلسفیانہ نظر | | باب ششم: خارق عادت |
| ۷۷۴ | کوٹہ کی ہولناک تباہی اور بربادی | | و کرامات۔ |
| ۷۸۲ | حکومت الہیہ | ۶۰۷ | مراتب سلوک بچنے میں طے ہوئے |
| | باب ہفتم: حصہ نظریہ | ۶۰۸ | لا تعداد کرامات |
| ۸۷۱ | مختلف نیاز مندوں کی نظائیں | ۶۱۰ | کرامت کا ظہور از خود |
| ۸۷۹ | ضمیمہ | ۶۱۱ | معجزہ و کرامت سے انکار کا جواب |

نوٹ: صفحہ ۵۸ کے ذیلی نوٹ میں لال قلعہ کے بعد

”۱۹۷۴ء پڑھیں“

(۲) صفحہ ۳۳۷ پر دوسری سطر لیبل پڑھئے :-

”روزنامہ سیاست لاہور اور جناب ایڈیٹر منجبتہ وار ترجمان گجرات“

| | |
|------------------------------|--------------------------------------|
| نام کتاب | امیر عبداللہ |
| طابع | شاد فاروقی |
| ناشر | ادارہ عبداللہ |
| پریس | نقوش پریس اردو بازار لاہور |
| صفحات | ۹۳۲ |
| تعداد | پانچ ہزار ۵۰۰۰ |
| قیمت قسم اعلیٰ کرنا فلی کاغذ | پندرہ روپیہ -/۱۵ |
| قیمت ادنیٰ نیوز کاغذ | تیرہ روپیہ -/۱۳ |
| اشاعت | اول |
| تاریخ اشاعت | جمادی الاول ۱۳۸۵ھ بمطابق ستمبر ۱۹۶۵ء |

پیش لفظ

حضرت امیر حزب اللہ کے حالات مبارکہ کو قلمبند کرنے کا خیال ۱۹۶۱ء میں عرس مبارک کے موقع پر بعض مقتدر پیر بھائیوں کے دل میں پیدا ہوا۔ بڑا نیک خیال تھا۔ حضور نے مسلمانوں کے ترقی کے لئے جو مجاہدانہ کوششیں دکھائی ہیں اور جس طرح آپ نے ایک ہی مقصد کو لے کر طویل عرصہ تک ہزاروں میل کا سفر طے کیا اور ایک ایک گاؤں میں بڑی فصاحت و بلاغت اور سوز و دل کے ساتھ اپنا پیغام پہنچایا ہے۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ فی الواقعہ حصول پاکستان کے لئے سازگار فضا پیدا کرنے اور اس کے قیام کو ممکن الوقوع بنانے میں جو حصہ آپ نے لیا ہے وہ اس عہد کا کوئی مصلح یا رہبر قوم نہیں لے سکا اسی طرح استحکام پاکستان کے لئے آپ نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ اپنی جگہ پر بینظیر ہے۔ اس تمام داستان کو تاریخ کی روشنی میں حقائق اور واقعات کو سامنے رکھ کر بیان کرنا ضروری تھا۔ علاوہ بریں رفتار زمانہ کے ساتھ اپنے خیالات کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے آپ نے جو رسائل اور مقالات تحریر فرمائے اور جو خطبات ارشاد فرمائے ادبی اور علمی لحاظ سے ان کا پایہ اس قدر بلند ہے۔ اور وہ اس قدر بصیرت افروز ہیں کہ کم از کم ان کے مطالب کا خلاصہ تیار کر دینا از بس لابدی تھا۔ تاکہ آئندہ نسلیں ان سے مستفیض ہوتی رہیں۔ ان امور کے علاوہ احیائے اسلام، اصلاح تصوف اور اسلامی معاشرہ کی تطہیر کے لئے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ آپ زور سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان کا تذکرہ نہ کرنا قدرنا شناسی کے مترادف ہوتا۔ ان تمام کارناموں کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ

کے سجادہ نشین کی حیثیت سے لشکر شریف کی بہتری اور پیر بھائیوں کی بہبودی کے لئے اپنی ذمہ داریوں سے آپ جس طرح عہدہ برآ ہوئے ہیں اس کو دیکھ کر ہر کہ و مرہ کی زبان سے اَحْسَنَت کی صدا بلند ہوتی ہے۔ اس کا بیان اور بھی زیادہ اہم تھا۔

مندرجہ بالا تمام امور کے زیر نظر آپ کے حالات زندگی کا مرتب کرنا ہر لحاظ سے مستحسن اور مفید تھا۔ لیکن اس مبارک کام کو انجام دینے میں کئی مشکلات حائل تھیں۔ علالت کی وجہ سے حضور اس طرح رہنمائی نہیں فرما سکتے تھے جس طرح "ذکر حبیب" کی ترتیب کے وقت آپ نے فرمائی تھی۔ پھر "ذکر حبیب" کی ترتیب کے وقت بڑا مواد موجود تھا۔ رسالہ "صوفی" کے تمام پچھے موجود تھے۔ ان سے ضروری معلومات باسانی حاصل کی جاسکتی تھیں۔ ایک وقت موزوں مصنف کے نہ ملنے کی وجہ سے بھی تھی۔ چنانچہ "ذکر حبیب" کے نامور مصنف عمرفی محمد الدین صاحب کو پیر بھائیوں کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے بجاطور پر فرمایا کہ اب کون ہے جو اس گراں ذمہ داری پر پورا اترے گا۔ اس لئے ان مشکلات کے باعث یہ کام معرض التوا میں پڑتا نظر آتا تھا۔ حالات یہ تھے تو حضور کے خادم خصوصی محترمی قاضی غلام فرید صاحب نے اس ناچیز کو فرمایا کہ تم تیار ہو جاؤ۔ اپنی کوتاہیوں کا اس بندہ ناچیز کو اچھی طرح سے احساس تھا۔ بالخصوص قلب کی وہ پاکیزگی جو ایسے ولی کامل، مجدد دین اور مجاہد حق کے حالات کو معرض تحریر میں لانے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اس کے اپنی بد اعمالی اور غفلت شعاری کے باعث سینہ محروم تھا۔ اس لئے دل میں ندامت پیدا ہوتی تھی اور سوچتا تھا اس کام کو سرانجام دینے کا بیڑا کیوں اٹھایا جائے جس کے لئے وہیں شرط ملائکہ کی سی ظہارت نفسی ہے۔ مزید برآں علمی انداز کی تصنیف و تالیف کا تجربہ رکھنے کی

بنا پر اس بات کا بندہ کو اچھی طرح سے علم تھا کہ حضور کی ولادت باسعادت کے وقت سے لے کر موجودہ زمانہ تک جس قدر معلومات درکار ہوں گی ان کا ملنا ممکن نہ ہوگا۔ اس علم نے تامل میں اور اضافہ کیا۔ لیکن اس مرحلہ پر ایک خاص خیال اہل میں پیدا ہوا جس نے ہمت افزائی کی۔ دل نے کہا حضور کی ذات اس قدر بابرکتا ہے کہ قلم کو اشارہ ہو جائے تو دیکھتے دیکھتے ایک ضخیم کتاب تصنیف کرے۔ یہ تو ذرہ نوازی ہے اور سعادت ازلی کا ثبوت کہ ایک سیاہ کار کو موقع عطا فرمایا جا رہا ہے

۵۔ وادحق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داداوست

چنانچہ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی بندہ مستعد کار ہو گیا اور قاضی صاحب سے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے جان و دل سے کوشش کی جائیگی عین ممکن ہے کہ اس مبارک کام کے ساتھ نسبت اس ناچیز کو بھی انسان بنا ڈالے اور دنیا عاقبت میں سرخروئی کا ثبوت مندرجہ بالا شعر میں جس شرط قابلیت کا ذکر ہے قاضی صاحب کا انتخاب غالباً اسی کا اظہار تھا۔ یہ عین داد الہی اور حضور کی غریب نوازی تھی کہ اس مقدس کام کیلئے ارشاد ہو رہا تھا۔ اسے یہ ناچیز حضور کی خاص کرامت سمجھتا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اکتوبر ۱۹۴۹ء کے رسالہ مخزن لاہور میں بندہ کا ایک مقالہ شائع ہوا جس کا عنوان تھا میرزا عبدالقادر بیدل پر اپنے عہد کے اثرات پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری بندہ کو بعد میں ملی ہے۔ یہ مقالہ اس سے پہلے لکھا گیا تھا۔ پاک ہند کے اہل قلم نے اس کو بڑا سراہا۔ اسی لئے بندہ نے اسے رسالہ سے علیحدہ کر کے ۷ جون ۱۹۵۰ء کو حضور کی خدمت میں بھیجا اور عرض کی کہ ازراہ ذرہ نوازی دعا فرمائیں کہ ناچیز لشکر شریف کے حقیقت پرور مصنف اور خدا دوست ادیب کی اسامی پر فائز ہو جائے۔ اپنی بد اندامی اور قامت کی تباہ کا پورا پورا احساس دل میں موجود تھا لیکن اس کے باوجود خلعتِ زیبا حاصل کرنے کی آرزو پیدا

ہوئی تھی۔ معلوم نہیں کہ یہ آرزو کیوں پیدا ہوئی۔ اور نہ ہی یہ خیال آیا کہ
برکریمال کار ہاڈشواریت

اظہار آرزو کے بعد بندہ تو بھول گیا مگر معلوم ہوتا ہے حضور نے اسی وقت فیصلہ فرما
دیا۔ حضور کے تصرف باطنی سے ایک سال کے اندر اندر ریسرچ کے لئے دو صد
روپیہ ماہانہ کا وظیفہ مل گیا۔ یونیورسٹی میں دو سال تحقیق و ترقی کے بعد انجام کار ۱۹۵۶ء
میں پی ایچ ڈی کی ڈگری مل گئی۔ اور اسی سال کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے
تعییناتی بھی ہو گئی۔ پانچ سال مزید گزر گئے۔ اور وہ وقت آ گیا جب غالباً ذہن
اور قلب اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو گئے تھے جس کے لئے گیارہ سال
پہلے عرض کی گئی تھی۔ اور جسے یہ غفلت شعار اپنے ذہن سے بالکل اتار چکا تھا۔
لیکن وہ بات حضور کی ذات کریم کو اچھی طرح یاد تھی۔ اور اسی کیلئے حضور نے اس
توجہات باطنی سے کام لے کر تربیت کے انتظامات فرماتے رہے تھے۔ ان حقائق
کی روشنی میں کہنا بجا ہے کہ قاضی صاحب موصوف کی زبان پر فرمائش کے الفاظ
در اصل حضور نے القاء فرمائے تھے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ
جب ۱۹۶۲ء کے آغاز میں حضور کی عدم موجودگی میں بندہ لنگر شریف سے کتاب
ہذا کے لئے ضروری مواد لینے گیا تو سب سے پہلے جو چیز ہاتھ لگی وہ جون ۱۹۵۰ء کا
مٹھاٹوانہ ضلع سرگودھا سے لکھا ہوا بندہ کا محولہ بالا عرضہ تھا جسے اس وقت مقالہ
کے ساتھ منسلک کر کے حضور کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ گویا۔ آپ فرماتے تھے
کہ آج تمہیں اس اسامی پر مقرر کیا جا رہا ہے۔ جس کے لئے کوئی بارہ سال پہلے تو نے
نے درخواست کی تھی۔ اس وقت التماس ان الفاظ میں کی گئی تھی :-

یقین ہے کہ اس ذرہ بے مایہ پر حضور کی نگہ کرم اسے اختر تا بندہ بنا
کر دنیوی اور اخروی حسنات کا مایہ دار بنا دے گی۔

ذرا بے مایہ پر حضور کی کس قدر نوازش تھی !!! اس سے یہ عریضہ منسلکہ مقالہ اور
 اور ڈاک کے لیے مستعملہ لفافہ کے ساتھ بندہ نے اپنے پاس بطور ثبوت محفوظ کر لیا ہے
 اس جملہ معترضہ کے بعد آپ اصل بیان کی طرف عود فرمائیں۔ عرس مبارک کے لیے
 کے بعد تیاری شروع کر دی گئی۔ پیر بھائیوں سے خطوط اور اخبارات کے ذریعے اور موقع ملنے
 پر زبانی بھی التماس کی گئی کہ ضروری مواد ہم پہنچا جائے۔ جیسا کہ پیشتر ازیں اشارہ کیا جا
 چکا ہے لنگر شریف سے رسالہ صوفی کے پرچے، ضروری اخبارات اور حضور کے خطبات
 اور مراسلات مل گئے۔ صوفی شیر محمد صاحب قائم گدھی نشین اور منشی محمد عالم صاحب
 محرر خصوصی نے بہت کچھ چیزیں مہیا کر دیں۔ مگر پھر بھی بہت سے خطبات نہ مل سکے
 حضور کے بہت سے مقالات کا پتہ نہ چل سکا۔ آپ کے سفر حج کی روئداد نہ مل سکی
 اسی طرح آپ کی زندگی کے اور بہت سے حالات کے متعلق بے خبری کا اظہار کیا گیا
 ذہن تحقیق و تفتیش کا عادی ہو چکا تھا۔ بہت سی درمیانی کڑیاں مفقود تھیں۔ اس لئے
 بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس موقع پر صوفی محمد شفیع
 صاحب اختر نے رسالہ صوفی کے بعض پرچوں اور حضور کے خطبات اور مقالات
 کا ایک مجموعہ لا دیا۔ اس میں حضور کے سفر حج کے حالات بھی موجود تھے جو رسالہ
 صوفی میں قسط وار چھپتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ اختر صاحب ایک
 روز نامہ مجھ بھی لائے جس میں وہ حضور کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ درج کرتے
 رہے تھے۔ ان چیزوں کے ملنے سے یک گونہ تسلی ہو گئی۔ لیکن جب ان کو بھی
 نظر غائر دیکھا گیا تو بہت سے مقامات پر خلا نظر آیا اور جو کڑیاں اب بھی معدوم
 تھیں ان کی وجہ سے دل سخت متروک ہوا۔ حضور کی خدمت میں عرض کی گئی
 آپ نے فرمایا۔ سب کچھ تیرے اپنے اندر موجود ہے یہ حضور کی کرامت ہے
 کہ اس کے بعد کھنے بیٹھنا تھا تو حقائق و واقعات خود بخود دل پر وارد ہونے

لگ جاتے تھے۔ یا پھر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جاتی تھی کہ فوری ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔ اور بعض اوقات تو سمجھ نہیں آتی تھی۔ اس قدر معلومات کو کس طرح سمیٹا جائے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کتاب کا نام امیرِ عرب اللہ بھی خود حضور نے تجویز فرمایا۔

صوفی محمد شفیع صاحب اختر کے علاوہ اور صاحبان نے بھی معلومات بہم پہنچا کر اس کتاب کی تیاری میں بندہ کا ہاتھ بٹایا۔ ذکرِ حبیب، رسالہ صوفی اور کتاب مستطاب فاطمۃ الزہرا سے بھی بڑی مدد ملی ہے۔ اس استفادہ کا ذکر مناسب مقامات پر کر دیا گیا ہے۔ ان تینوں منابع کے لئے بندہ مکمل دین صاحب ایڈیٹر صوفی کا بڑا ممنون ہے۔ ان کی بڑی خوشنصیبی ہے کہ لنگر شریف کی اس تصنیف میں بھی ان کا حصہ ہے۔ ضلع جھنگ سے حضرت امیرِ عرب اللہ کے خلیفہ مجاز صوفی خضر حیات صاحب اور صوفی طفیل احمد صاحب فائق نے اپنی معلومات تحریرِ رسمی شکل میں ارسال فرمائیں اور ان سے مختلف مقامات پر مدد لی گئی ہے۔ فقیر محمد شفیع صاحب حیدری نے بھی حضور کے کشف کرامات اور ملفوظات وارشادات لکھ کر بھیجے جو بڑے مفید ثابت ہوئے۔ حضور کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ اور ان سے ہر شخص اپنی اپنی اقتاد طبع کے مطابق فیضیاب ہوا ہے اس لئے مختلف ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کی بنا پر اس تصنیف میں بڑی جامعیت اور معنویت پیدا ہو گئی ہے۔ جب اس تصنیف کو ترتیب دیا جا رہا تھا تو بندہ کے پاس وقتاً فوقتاً اپنے علم دوست برادرِ طریقت حافظ نذر حسین شاد فاروقی صاحب بھی تشریف لاتے رہے۔ اور مفید مشورے دیتے رہے۔ ذکرِ حبیب میں ان کے والد مرحوم مولانا حافظ عبدالمجید صاحب ساکن کرطی شریف کی زبانی بعض بڑے قیمتی ملفوظات درج ہوئے ہیں شاد فاروقی صاحب حضرت امیرِ عرب اللہ کے استاد گرامی مولانا عبدالرحیم کے بھتیجے ہیں۔

لہذا ان کی وساطت سے حضور کے ان خطوط کے مطالعہ کا موقع مل گیا جو آپ نے مکسنی
میں حضرت مولانا کی خدمت میں روانہ فرمانے تھے۔ پہلا خط ۱۸ نومبر ۱۹۰۲ء کا ہے۔
جب کہ آپ کی عمر مبارک ابھی صرف آٹھ سال تھی۔ مضمون یہ ہے :-

مکرمی غریب نواز جناب مولوی صاحب۔ از جانب شہزادہ سید محمد فضل شاہ
بعد سلام سنت وادانے آداب واضح رکنے شریف ہو کہ برائے مہربانی
جلدی تشریف لادیں۔ اور بخار کا آرام ہے۔ اور مولوی نیک عالم صاحب
آگے ہیں، باقی ہر وجہ کی خیریت ہے۔ از طرف سید مہر شاہ سلام نیاز۔ سبق کا ناغہ نہ ہو
یہ خط اپنی تفسیر آپ ہے۔ پڑھیں اور داد دیں۔ کس درجہ کی مہربانی کا اظہار ہے۔ تمام خطوط
آپ کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ جوں جوں خط بہتر ہوتا گیا اور علم بڑھتا گیا ہے خطوط کا
آئینہ انکاسی کرتا رہا ہے۔ آپ نے فارسی زبان میں بھی مولوی صاحب مرحوم کو مراسلے بھیجے
ہیں۔ فارسی کا پہلا مراسلہ ۱۹۰۲ء کا ہے اور یہ مضمون رکھتا ہے :

آرزو دارم کہ روئے آنجناب و مبدوم سازم چو مثل آفتاب
غریب نواز امروز بروز دوشنبہ ۳ بفروردیس مردوم فوت شدہ اند خیر مرضی مولا
از ہما اولیٰ دعای فرمائید کہ اللہ صاحب زیں بلاسی امان و ہر۔ زیادہ آداب۔ از
محمد مہر شاہ و کرم شاہ سلام نیاز۔ الراقمہ محمد فضل شاہ بروز دوشنبہ ۱۰ صفر ۱۳۲۵ھ
اس خط میں اس و بانی طاعون کا ذکر ہے جو ۱۹۰۲ء میں زور شور سے پھیلا تھا۔ یکم اپریل
کے مراسلہ میں اس کی شدت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے :

دیر ز بروز پنجشنبہ ہشت مردوزان مردہ اند۔ بیماری بسیار زور گرفته است۔ اور
خانہ من ہم آمد است بجز خداوند کریم و جناب حضرت صاحب بیچ ملی و ماوی
نماندہ است مردمان اہل ہنود جلد مردمان اہل اسلام اند کہ بیرون شہر رفتہ اند۔

۱۔ بعض خطوط میں سازم کا لفظ نہیں ہے۔ لیکن بجا پناشہ ہو اور بعد میں اصلاح کر لگائی ہو۔

اس بیماری کے دوران میں حضرت خواجہ مغریب نواز رحمۃ اللہ علیہ تمام اہل خانہ ،
والا تبار اور ویشول کے ساتھ لنگر شریف میں ہی قیام پذیر رہے۔ باقی تمام لوگ کے بعد چلے
شہر سے باہر چلے گئے۔ حضرت اعلیٰ کو خداوند کریم کی قدرتوں اور عنایتوں پر کتنا محکم ایمان
تھا۔ اس ایمان کی برکت دیکھئے۔ لنگر شریف کا کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ فرد مرض طاعون میں مبتلا نہ
ہوا۔ ۱۱ اپریل کے مراسلے میں ہمارے خور و سال مروج مرض کی ہلاکت خیر لیل کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں

ابن جا بیماری بزرگ شور است بیچ فرق نیست بست بست مردم ہر روزے میں
دعاے خیر فرمائید کہ اللہ تعالیٰ اس بلائے ناگہانی را رفع دفع سازد و قریباً ۳۵۰
۱۰۰ (صد پنجاہ) مردمان مردہ اند و قریباً ۲۰۰ مردم بیمار ہستند۔ مردمان جوانان
مردہ اند۔ تا دم تحریر در لنگر شریف خیریت است۔ شاہ جی صاحب در سیال شریف
نہ رفتہ اند محمد نیر شاہ و محمد کریم شاہ و محمد محمود شاہ بخیریت ہستند و سلامی
گویند۔ مردمان تنگ آمدہ اند۔ بیچ بلجا و ماوی نامادہ است بخیریت جناب
میال صاحب داب۔ جناب حضرت صاحب جناب شاہ جی صاحب بخیریت ہستند
بقلم خود محمد فضل شاہ عفی عنہ از جلا پور شریف بروز جمعرات۔

۱۹۰۱ء کے تقریباً تمام مراسلہ جات فارسی زبان میں لکھے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے
ان دنوں فارسی نظم و نثر کا مطالعہ بالاہتمام جاری تھا۔ تمام خطوط سے اس محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے
جو اس سعادت مند ہونہار شاہنشاہ کو اپنے نیک سیرت اور شفیق استاد سے تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے
بعد اسے لکھے گئے ہیں اور بعض سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ریل نامہ پیام کا سلسلہ بلا ناغہ جاری رہتا
تھا اور تمام چھوٹی بڑی خبریات بھی آگاہ کیا جاتا تھا۔ کائنات تباہی اور بے تکلفی کی یہ انتہا ہے۔ مثلاً یکم اپریل
کے مراسلے میں درج ہے :

حاجی شکم بندہ بخیریت است۔ می میر جناب مانی صاحب برائے غلام علی شاہ در خانہ او ہستند

۱۳ اپریل اور ۱۵ اگست ۱۹۰۱ء کے مراسلات میں علی الترتیب اشعار عنوان کے طور پر درج ہیں :

الہی نخت تو بیدار باوا: ترا دولت ہمیشہ یار باوا: گل اقبال تو دم شگفتہ: پچھتم و ششم نخت باوا
 تازین کستی موموم نشان خوابد بود سر مبار قدمت سجد کنناں خوابد بود
 اور ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۳ء کے خطوط میں تو صرف یہ اشعار تحریر کر دیئے گئے ہیں اور صرف انہی
 سے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا ہے:

ہمیں تو سرات دن حساب ہمارا دھیان نہتا کبھی ہم بھی تمہیں اے بند پرور یاد آتے ہیں؟
 فراموشی از میں جانب محال است و زان جانب نمی دایم چه حال است
 ان خطوط سے حضور کی سیرت پر کس قدر روشنی پڑتی ہے۔ پندرہ سولہ سال کا سب سے
 ذوق و شوق سے تعلیم جاری ہے۔ اپنے استاد سے بے پناہ عقیدت ہے۔ دل اور دماغ کی عالی
 صلاحیتوں کا اظہار ہو رہا ہے۔ طبیعت میں خلوص اور محبت کا وہ جذبہ ہے جو بعد میں پینکے
 عشق ملت کی صورت اختیار کر گیا۔ ابھی تک یہ یادہ توجہ درس نظامیہ کی طرف ہے۔ ہم ان تمام معلوما
 کے لئے جناب شاد فاروقی کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر پیر بھائی بھی وقتاً فوقتاً کچھ
 نیکے معلومات بہم پہنچاتے رہے۔ ان تمام کا ذکر مناسب مقامات پر کر دیا گیا ہے۔

حضرت امیر عبدالقادر غلامی نے جس طرح زندگی بسر فرمائی ہے۔ اسے تاریخ پاکستان
 میں خاص مقام حاصل ہے اور جوں جوں زمانہ گزے گا۔ انشاء اللہ حضور کے کارناموں کی تاریخی
 اہمیت بڑھتی چلی جائے گی۔ اس بات کے زیر نظر ہم نے اس کتاب کی علمی حیثیت کو قائم رکھنے کیلئے پوری
 پوری کوشش کی ہے۔ کوئی واقعہ تحقیق کے بغیر درج نہیں کیا۔ ہر واقعہ کو عہد حاضرہ کی تاریخ کی روشنی
 میں جانچا گیا ہے۔ اس سے معلوم کرنا آسان ہو گا کہ حضور کا کردار بلند اپنے عہد میں کیا اہمیت رکھتا

تھ یہ عقیدت اب بھی موجود ہے۔ چنانچہ تمام عوارضات جسمانی اور کہولت کے باوجود آپ مولوی صاحب مرحوم کے بھائی مولانا حافظ
 محمد علی کی فوٹو کی پر اظہار تعزیت کے لئے ۱۹۶۳ء کو کڑی شریف شریف لے گئے۔ اور اپنے استاد محترم کے مزار پر بھی فاتحہ خوانی
 فرمائی۔ کبھی آرم پل میں شعا لکھ کر جو کچھ اظہار خیال فرمایا تھا۔ اس پر اب بھی قائم ہیں، وہی شہادتی، مستقل مزاجی اور پختہ خیالی
 کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ صوفی شہد شفیق اختر نے بیان فرمایا کہ ایک بار ایک مولوی صاحب نے حضور کے سامنے کہا میں کہہ رہی
 جا رہی ہوں حضور نے جوش میں کرپوسے سات با کڑی شریف، کڑی شریف فرمایا۔ اور اہل محفل پر ٹیپ بشیر طاری ہوئی۔

ہے۔ آپ نے انیس سال کی عمر میں بلا واسطہ کا سفر اختیار فرمایا تھا۔ بظاہر عہد طفلی تھا لیکن اپنے
 ہر مرحلہ پر ایک مؤرخ، مجاہد اور مصلح کا زاویہ نگاہ اختیار فرمایا۔ اس لئے آپ کے سفر نامہ کی علمی
 حیثیت میں گرانقدر اضافہ ہو گیا۔ ہم نے اسی لئے ایک علیحدہ باب میں بالاختصار درج کر دیا ہے
 اور بعض نکات کی توضیح کے لئے بڑی مستند کتب الہ کو استعمال کیا ہے جن میں برٹش میوزیم لندن کے
 مخطوطات کی فہرست پروفیسر ہٹی کی عربوں کی تاریخ، اینگریک انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم مرزا غلام
 قہر، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا عمر ابو النصر کی تاریخ خلفائے محمد، سید امیر علی۔ سپرٹ آف
 اسلام۔ اور پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران شامل ہیں۔ پاکستان کی جدوجہد کے
 سلسلہ میں اگرچہ مضمون کے اپنے مقالات اور مراسلات پر ہر جگہ بھر دیا گیا جاسکتا تھا کیونکہ
 آپ نے ہمیشہ حقائق کو سامنے رکھ کر قوم کے لئے راہ عمل تجویز کیا ہے۔ لیکن پھر بھی کانگریس اور مسلم لیگ کے
 نقطہ ہائے نگہ سے باخبر رہنے کیلئے اس عہد کی مختلف تاریخوں کو ہم نے زیر مطالعہ رکھا۔ اس
 ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تصنیف آزادی ہند خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ امید ہے
 کہ ہماری اس کوشش کے زیر نظر اس کتاب کو اہل علم ایک مستند تصنیف تسلیم کریں گے۔
 کتاب لکھتے ہوئے ایک خاص احساس ہر لفظ میں روح کی طرح کار فرما رہا۔ بہت سی
 کے فلسفہ تاریخ کے سب سے بڑے ماہر جناب ٹائن بی اپنی معرکہ الآراء تصنیف مطالعہ تاریخ میں
 برکسان کے حوالے سے بوضاحت لکھتے ہیں کہ زوال پذیر اور کم نام اقوام میں اولیائے کرام کا
 کردار ہمیشہ ایک حیات آفریں دور کے آغاز کا موجب بنتا ہے جس کی وجہ سے تہذیب انسانی
 میں ایک عجیب العقول اور عہد آفریں انقلاب رونما ہو گیا۔ ایک جوڈیاک نے ایک مخصوص علاقہ میں
 مامور ہو کر اس طرح قم باذن اللہ کہا کہ رکا ہو ا کاروان حیات پھر پارہ ہو گیا۔ آپ اس
 کتاب یعنی امیر حزب اللہ میں اس حقیقت کے مبارک اثرات ہر جگہ محسوس فرمائیں گے۔ حضرت
 امیر حزب اللہ کے متعلق یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ آپ نے مجاہدانہ عزائم سے کام لے کر خطرات زمانہ کا
 مروانہ وار مقابلہ کیا۔ سینوں کو تھی انگوں سے مامور کیا۔ مردہ قلوب میں ایک عجیب غریب

ترپ پیدا کی اور طوفانوں کا مقابلہ کر کے شمع اسلام کو روشن رکھا جس سے مسلمانوں کو نئی بصیرت حاصل ہوئی۔ اور خطہ پاکستان میں مسلمان نئی راہوں پر گامزن ہو گئے۔

امیر حزب اللہ کی ترتیب اور تدوین کے دوران میں ایک اور حقیقت کا احساس روز بروز قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کے روحانی فیوضات کا بندہ ذاتی طور پر عرصہ دراز سے قائل تھا۔ لیکن جیسے اس مبارک تصنیف کے کام میں مصروف ہوا۔ آنجناب سے ایک خاص قلبی رابطہ محسوس ہونے لگا۔ روئے النور پر حاضری ہوتی تو اپنا مادی وجود بس مفقود ہی ہو جاتا اور وجود معنوی ابھر کر بصد عجز و نیاز اپنے آپ کو حضور کے سامنے موجود پاتا۔ اور ساری فضا شفقت و مروت کی تاثیر سے بھر پور نظر آتی روضہ انور کے فیوضات کا ذکر کرتے ہوئے بندہ نے ۶ مئی ۱۹۶۲ء کا ایک واقعہ درج کیا جب جلالپور شریف حاضر ہونے پر بندہ کے ساتھی شیخ منور دین کی آنکھوں کے سامنے پالکی شریف کی بجائے خود حضرت اعلیٰ مصطفیٰ پر جلوہ افروز نظر آئے۔ دراصل حضور فرما رہے تھے۔ تیری نیامندی کو ہم بہ نگاہ تحسین دیکھتے ہیں۔ اسی لئے تیرے ساتھی کی روحانی ضیافت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اللہ اللہ کس قدر غریب نوازی تھی!!! اس کے بعد اس بندہ ناچیز کے لئے روضہ انور ایک زندہ وجود کی حیثیت اختیار کر گیا۔ یعنی جلالپور شریف میں پتھر پتھر انسان مستقل طور پر ایک روحانی تجربہ سے دوچار رہتا تھا۔ ذرہ نوازی کی انتہا تھی۔

بہانی خویش می دم بہ نیمی جوئی ارود اگر خواجہ کرم ساز وہاں بے بہا گرد

ذہن میں مطالب اور معانی کا د فور بھی اسی وجہ سے تھا۔

ستر نبی اور از حق کیوں نہ میان میں سب کے سب؛ سر رہے میری آنکھ میں خاک جلالپور کا

فیوض وافرہ کے اسی احساس کی بنا پر ایک بار یہ شعر از خود روز زبان ہو گیا تھا۔

بطنی سے گھٹا جو گھٹی تھی میری آنکھ میں تھی؛ ہاں اس کا ابر جلالپور ہی ہے آج بھی برسا کرتا ہے۔

ان تمام باتوں نے واضح کر دیا کہ حضرت اعلیٰ نور اللہ مضجوعہ کو ہر وہ چیز عزیز ہے جس کے

ساتھ حضور کے پیار سے پوتے اور فرزند روحانی حضرت سید محمد فضل شاہ مدظلہ العالی کا تعلق ہے اور چونکہ اس کتاب میں ان کے محامد و محاسن بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب بھی خواجہ غریب نواز کو سید عزیز مزید برآں ان تمام امور سے یہ بات بھی اہم نشرح ہو گئی کہ اس کتاب میں جو خوبی موجود ہے وہ اس خانوادہ عالیہ کے اپنے انوار کی بدولت ہے۔ اور کسی کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔

جلالپور شریف کے لنگر عالیہ سے تعلق رکھنے والی یہ تیسری تصنیف ہے پہلی نجات محبوب سے جس کے مصنف صوفی نور عالم ہیں۔ فارسی زبان میں ہے۔ اور اس میں حضرت اعلیٰ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان مجالس کا تذکرہ ہے جس میں صوفی صاحب کو شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے مطالعہ اس طرح پتہ چلتا ہے جیسے ان مجالس میں ہم بندگان عصیاں کا رہی شامل ہیں اور فیوض حیدری سے اول معمول کر رہے ہیں۔ دوسری کتاب ذکر حلیب ہے۔ یہ تعارف کی چندال محتاج نہیں اور تیسری تصنیف بذالعینی امیر عرب اللہ ہے۔ یہ تینوں کتابیں جس پیر بھائی کے پاس موجود ہوں اسے رہنمائی کیلئے ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز نے جو پیغام حق سنایا تھا۔ وہ برابر بڑی آن بان کے ساتھ برگ بار لارہا ہے۔ حضرت امیر عرب اللہ مدظلہ العالی نے اس میں طہ سبقت پیدا کر دی ہے۔ طالبان رشد و ہدایت اس کے ثمر ہائے شیریں و روح پرور سے بیشک ہمیشہ کیلئے کطف اندوز ہوتے رہیں۔ اس پیغام حق کی صدائے بازگشت انشاء اللہ دور دور تک سنائی دے گی اور زیادہ سے زیادہ لوگ اسے سن کر اپنی دنیا و آخرت سنوارتے رہیں گے۔ حضرت امیر عرب اللہ آید اللہ بنصرہ العزیز نے امت مسلمہ کے کاروانِ حفتہ کو صدائے الرحیل سے اس طرح جاوہ پیمانے منزل کر دیا ہے کہ اب مستقبل بعید تک اس کا سفر جاری رہے گا۔ آپ بھی ذرا اگلے ابواب میں اس صدائے الرحیل کو سنیں اور جاوہ پیمانہ ہو کر برق رفتاری دکھائیں ہم نے بہت دور جانا ہے۔

جہلم ۱۵ مئی ۱۹۶۳ء

بندہ ناچیز عبد الغنی عفی عنہ

مقدمہ

اسلام میں روحانی زندگی یا تصوف کا آغاز کس طرح ہوا اور کب ہوا؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب نہایت ضروری ہے۔ اور اہم بھی۔ لیکن جو اب سے پیشتر ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ تصوف یا روحانی زندگی ہے کیا اور اس کی صحیح تعریف اور فی الواقع حقیقت کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ "تصوف" ایک نہایت جامع نام ہے جس کی تعلیم کا مقصد و منشا اور جس کے ریاضات و مجاہدات کا مضمون نظر "تزکیہ نفس" اور "تصفیہ قلب" ہے۔ اور چونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض و غایت میں انہی دونوں امور کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ بنا بریں اگر ہم یہ کہیں کہ تصوف کی ابتداء اور روحانی زندگی کا آغاز ابتداء سے اسلام اور عنفوان انسانیت سے تعلق رکھتا ہے تو یقیناً حقیقت پر مبنی ہوگا۔ اور اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اولین انسان یعنی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز اور تصوف کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور بعد کے آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام اور رسول عظام اور ان کی اہم کے صدیقین، شہداء اور صالحین نے اس کو ایک تدریجی ارتقا عطا کیا ہے۔ اور حضور ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تکمیل کے آخری مراحل تک پہنچایا ہے۔ حضور انور کی بعثت کے لئے جب خلیل اللہ اور ذبیح اللہ نے کعبۃ اللہ میں رب کعبہ کے حضور عرض کی تھے تو مبعوث ہونے والے رسول کی صفات میں جو اس کے فرائض منصبی کا درجہ رکھتی تھیں۔ یہ گزارش بھی

ساتھ ہی کی گئی ہے کہ۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ، جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنئے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ اور تلامذت آیات و تعلیم کتاب و حکمت کے مطابق ان کی تربیت کر کے انہیں پاک کر دے۔

خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور کی مرقومہ بالا صفات کے ساتھ بعثت کو اپنے بے پایاں احسان میں شمار فرمایا ہے جو مومنین پر کیا گیا ہے۔ حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو: نسائم الجمعۃ دل کی پاکیزگی اور طہارتِ نفس کی یہی صورت ہے جسے حدیث میں "احسان" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب سائل (جبریلؑ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے بارے میں سوال کیا کہ: مَا الْاِحْسَانُ؟ تو حضور نے جواباً ارشاد فرمایا کہ: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْتَ كَانَتْ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ جیسے اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ یہی حدیث احسان مختلف راویوں سے جداگانہ الفاظ کے ساتھ مروی ہے، گو مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ لیکن الفاظ کے تغیر نے احسان کے مفہوم میں بہت زیادہ وسعت پیدا کر دی ہے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمام روایات کو یہاں بیان کر دیا جائے

محولہ بالا روایت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہی الفاظ کے ساتھ باری تغیر ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں: فَاِنْ لَّا تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ یحییٰ بن یعمرؓ اس حدیث کو یوں بیان فرماتے ہیں: اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَاَنْتَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّا تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ یعنی تو اللہ سے اس طرح ڈر جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکا تو وہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے، ابن عمرؓ سے یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے۔ اَنْ لِّعَمَلٍ لِلّٰهِ كَاَنْتَ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ

ان لَمْ تَرَءَ فَإِنَّهُ يَبْرَأكَ: یعنی تو اللہ کے لئے اس طرح (خلوص و محبت سے) عمل کرے جیسے وہ تیری آنکھوں کے سامنے ہو۔ اور اگر تیری نظر اس کے مشاہدہ سے عاری ہے تو (یہ یقین بختم رکھو) کہ وہ تجھے ضرور دیکھتا ہے۔

ان سب روایات کے مجموعہ سے "حدیث احسان" کی ترتیب یوں قرار پاتی ہے:

الإحسان: ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك عمر بن الخطاب
 الإحسان: ۰ ۰ ۰ ۰ فان لا تراه فانه يراك ابن عباس
 الإحسان: ان تخشى الله كأنك تراه فان لا تكن تراه فانه يراك یحییٰ ابن عمر
 الإحسان: ان تعمل لله كأنك تراه فانك ان لم تراه فانه يراك ابن عمر

احسان کا یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے ماخوذ ہے: بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ط ایک دوسرے مقام پر بھی یہ لفظ (مُحْسِن) انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے: وَمَنْ أَحْسَنَ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ط اسی موضوع پر ایک حدیث پڑھئے جو محمولہ بالا احادیث اور آیات کریمہ کا باہمی ربط ظاہر کرتی اور تشریح پیش کرتی ہے: ابن حبان نے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے حدیث احسان سننے کے بعد میں نے پوچھا کہ: فَإِذَا فَعَلْتُ ذَلِكَ فَنَا مَا مُحْسِنٌ؟ یعنی جب میں اس ارشاد پر عمل پیرا ہو جاؤں تو کیا میں محسن بن جاؤں گا؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ "نعم" ہاں پھر تم "محسن" ہو جاؤ۔

کیفیت احسان کے حصول کے بعد

اس کیفیت کے حصول اور حقیقت کے وجدان کے بعد بندہ اپنے مولا کو

اگر پورا ہی العین (آنکھوں سے) نہیں دیکھ سکتا تو پورا ہی القلب (دل کی آنکھوں سے) ضرور مشاہدہ دیدار سے مشرف ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے حضور اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو پڑھئے۔ فرمایا: "اجیعوا بطونکم واطعموا اکبادکم، واعرفوا اجسادکم لعل قلوبکم تترون اللہ عیاناً فی الدنیا، لذت فاقہ سے آشنا بنو، پیاس کی سبر آزمائی سے اپنا جگر مانوس بنا اور اپنے جسم (مکلف لباس سے) عاری رکھو تو تمہارے دل اسی دنیا میں اللہ کو عیاناً دیکھ سکتے ہیں۔"

احسان کی یہی مقام تصون کا دوسرا نام ہے کہ بندہ جب اپنے مالک کی ذات کو عیاناً اپنے اعمال و افعال اور کردار کا محاسب و نگران پاتا ہے تو "تہذیب نفس" اور "ماسبہ قلب" میں وہ ادنیٰ ترین لغزش کے امکان کو بھی مد نظر رکھ کر اطاعت انبیاء کے باوجود پرگامزن ہوتا ہے۔ اور "رضائے مولا" کو فی الواقعہ "ازیمہ اولیٰ" سمجھتا ہے اور اس کے حصول کے لئے جان و دل سے وہ ہمیشہ کوشاں رہتا ہے، معروف میں فرائض سے لے کر نوافل تک کی پابندی کو وہ ضروری قرار دیتا ہے اور اس کی مداومت سے وہ تقرب الی اللہ کے منازل کی طے کرتا ہے تو ارشاد ربانی: ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کے حسب مصداق وہ بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اور مولائے کریم اس سے محبت فرماتا ہے۔ جب وہ اس مقام پر فائز ہوگا ہوتا ہے تو پھر قلب ماہیت کی ایک حیرت انگیز نرالی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے ایک قدسی حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:-

ولایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل میرا بندہ نوافل تک کی مداومت سے میرا
حتیٰ احبہ فاذا احببته فکنت سمعہ قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا
الذی یجمع بہ وبصرہ الذی یبصر محبوب بن جاتا ہے پس میں جب اس سے

بہ ویدہ الذی (التی) بیبطش بہا
ورجلہ الذی (التی) یمشی بہا
فی یسمع وہی یبصر وہی بیبطش
وہی یمشی۔

{ صحیح بخاری - کتاب الرقاق باب التوضیح }
{ مع الفتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۵ }

محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کے
کان بنتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس
کی آنکھیں بنتا ہوں جن سے وہ دیکھتا
ہے، اس کے ہاتھ بنتا ہوں جن سے وہ
پکڑتا ہے۔ اور اس کے پاؤں جن سے وہ
چلتا ہے۔ پس وہ (بندہ) مجھ ہی سے
سنتا ہے، مجھ ہی سے دیکھتا ہے، مجھ سے
پکڑتا ہے اور چلتا ہے“ یعنی میری جسمی
نگرانی اور قدرت کے تحت اس کے حواس
کام کرتے ہیں۔

اپنے بندہ پر مولائے کریم کے کرم کی یہی انتہا ہے جو اُسے مقام "عبودیت"
کے ساتھ مقام "محبوبیت" بھی عطا کرتی ہے۔ جبکہ اس کا فعل خدا کا فعل اور اس کا
قول، قول خدا تصور ہوتا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ قرآن از لب پیغمبر است

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
فیضانِ تربیت و نظر سے روحانیت کے یہ بلند و بالا مقامات طے کئے اور جذبہ
اطاعت و انقیاد اور خلوص و محبت اور جاں نثاری و فداکاری نے انہیں شانِ
محبوبی پر فائز المرام کر دیا۔ قرآن نے ان کے فعل کے فعل حق ہونے کی پر زور
شہادت دی:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ
تم نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے قتل
کیا ہے۔

حضور کو فرمایا: ومارحیت اذ رمیت ولكن الله رمى ط جب آپ نے سٹھنی بھینکی تھی تو وہ رکنکریاں آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے بھینکی تھیں " جذبہ شہادت سے مرشاد ہو کر صحابہؓ نے حضور کے دست حق پرست پر بیعت کی تو لقد رضی اللہ عن المؤمنین کے ابدی سرٹیفکیٹ رضا مندی سے انہیں اللہ نے سرفراز فرمایا اور محمد رسول اللہ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا اور فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ حضور کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ید اللہ فوق ایدہم۔ سابقہ کتب و صحائف انبیا میں اسی مضمون کا مفہوم ان الفاظ میں ادا کیا گیا: یا بن آدم انا اللہ لا الہ الا انا، اقول لشیئ کمن فیکون، اذ لعی اجعلک تقول لشیئ کمن فیکون۔ اے ابن آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں جس چیز سے کہتا ہوں "ہو جا" وہ ہو جاتی ہے۔ تو پھر میری منزل برداری کر میں تجھے بھی ایسا ہی بنا دوں گا کہ تو جس چیز سے کہے گا کہ "ہو جا" وہ ہو جائے گی۔ مشہور اسلامی مفکر اور فارسی ادب کے "بابا" شیخ سعدی نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

تو ہم گردن از حکیم داد پیچ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو پیچ

حقیقت یہ ہے کہ اس مقام پر فائز ہونے کے بعد زبان وہ زبان نہیں رہتی ارادہ وہ ارادہ نہیں رہتا بات وہ بات نہیں رہتی، کام وہ کام نہیں رہتا، بلا تمثیل جا ب میں دریا اور دانہ میں خرمن کا مٹا نظر آتا ہے ذرہ میں سورج اور قطرہ میں سمندر کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لب جنس میں آتھیں مگر بولتا ہے کوئی اور، ہاتھوں کو حرکت ہوتی ہے مگر کام کرتا ہے کوئی اور، حرکت ادھر سے ہوتی ہے برکت اُدھر سے ہوتی ہے۔ زبان اس کی ہوتی ہے، بات اس کی ہوتی ہے۔ کام اس کا ہوتا ہے۔ کرامات اس کی ہوتی ہے۔

الغرض یہ ہستی بے بود محض ایک استعارہ رہ جاتی ہے اور وہ حسن

غیر محسوس اور جمال بے پیکر جو ہر لمحہ نحن اقرب کا ترانہ بلند کرتا ہے اور ہو معکم
 این ما جنتہ کی صدائے دلنواز سنا تا اور ونحن اقرب الیہ منکم کا نغمہ جان فزا
 سامع نواز بناتا ہے۔ تمام جوارح و جوارح پر محیط ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت واقعہ کی
 تشریح و توضیح حضرت صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان حقائق افروز
 کلمات میں ملے گی: من کان لله کان الله له —

تصوف کے متعلق ہم نے یہاں تک جو کچھ عرض کیا ہے۔ اس کی تائید و تصدیق
 میں قرآن حکیم کی آیات بینات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی ارشادات سے
 استشہاد کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان کے لئے کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ
 کی تائید کے بغیر کوفیات خواہ کتنے ہی دل نشین انداز میں کیوں نہ بیان کی جائے (ایمانیات
 کے بارے میں) ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس معاملہ میں ہم عقل پر نقل کو نہ صرف
 ترجیح دیتے ہیں بلکہ اس کی اساس و بنیاد قرار دیتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں
 چونکہ عقلیات کی جلوہ نمائی کچھ زیادہ نمایاں ہونے لگی ہے اور ہر بات کو عقل کی عینک
 لگا کر سائنسی نقطہ نگاہ سے جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے لہذا ضروری معلوم
 ہوتا ہے کہ ہم بھی اس مسئلہ (تصوف) پر ایک اچھٹی ہوئی سائنٹیفک نظر
 ڈالتے چلیں۔

سائنسی نظریہ سے تصوف پر ایک نظر

کائنات کے اس جذبہ انقیاد و اطاعت اور ایشار و قربانی کو مد نظر رکھ کر جو قدرت نے تمام مخلوق کو فطرۃً (اللہ مستہم) ودیعت کیا ہے۔ اور اس کی تخلیق کا مقصد اور ضابطہ حیات قرار دیا ہے، یہ کہ:

”ہر ادنیٰ مخلوق اعلیٰ مخلوق کی خدمت و اطاعت کے لئے اپنی تمام قوتوں کو صرف کر دے۔ یہاں تک کہ ضرورت پر اپنی جان کی قربانی بھی دے ڈالے۔“

اگر ہم اس مسئلہ پر غور کریں تو اس نقطہ نگاہ اور قانون فطرت (NATURE LAW) میں ہمیں اس مذکورۃ الصدر حقیقت نمائی اور جلوہ زرائی کا تماشاً نظر آئے گا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مخلوق خداوندی کو تین حصوں پر منقسم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) جمادات (۲) نباتات (۳) حیوانات۔ سب سے ادنیٰ درجہ جمادات کا ہے، اس سے اونچا نباتات کا۔ اور سب سے بلند حیوانات کا۔ پھر حیوانات کے اعلیٰ درجہ میں انسان کو شرف فضیلت حاصل ہے۔ یہی شرف اسے ”اشرف المخلوقات“ کا لقب عطا کرتا ہے۔ اب اس فطرتی جذبہ کے مطابق ”جمادات کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے سے اعلیٰ درجہ یعنی ”نباتات“ کے لئے اپنی تمام قوتوں کو صرف کر ڈالے۔ چنانچہ ہمارا روزمرہ کام آج ہے کہ جمادات اپنے اس فرض منصبی کو بہ احسن طریق سرانجام دیتی اور اپنے مقررہ ضابطہ حیات کو پورا کرتی ہے۔ یہی کیفیت نباتات کی ہے اور اسی طرح حیوانات کی ادنیٰ قسم اپنی اعلیٰ قسم یعنی انسان کے لئے اسی صورت میں یہ خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ انسان سے بلند و بالا اور اعلیٰ ہستی صرف ”رب العالمین“ کی ہے۔ اس لئے مشاہدہ

نقطہ نظر اور کائناتی نظام حیات نیز تقاضے فطرت کے عین مطابق انسان کے لئے بھی یہ لازم قرار پاتا ہے کہ اپنی تمام تر قوتوں اور توانائیوں کو اپنے سے مافوق ہستی کی اطاعت و فرمانبرداری اور انقیاد و بندگی کے لئے وقف کر ڈالے۔ اور ضرورت پڑنے پر اپنی جان کی قربانی بھی پیش کر دے۔

قلب ماہیت

ہم دیکھتے ہیں کہ جب جمادات اپنی قوتوں کو نباتات کی خدمت میں صرف کرتی ہیں۔ اور وہ زمین (جماد) کی قوتوں اور توانائیوں کی خوراک حاصل کر کے نشوونما پاتی ہیں تو نباتات سے خادمانہ تعلق قائم ہونے کے بعد جماد (مٹی) میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوتا ہے جسے ہم "قلب ماہیت" کا نام دے سکتے ہیں۔ جب کہ نباتات کی خدمت میں ارضی جوہر اور خاک کی توانائیاں نباتی کیفیت و مزاج میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور خوشنما پودے زمردیں سبزہ زار اور تیار و درخت اور خوش رنگ خوش بو پھول کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اسی قلب ماہیت کا نظارہ آپ کو نباتات و حیوان میں بھی نظر آئے گا۔ جب کہ خوراک کی صورت میں نباتات و حیوان کے اندر پہنچ کر اس کی قوت میں اضافہ کا باعث اور اس کی تحلیل جسم کا نعم البدل بن جاتی ہے، گویا حیوان میں پہنچ کر نباتات بہ صورت حیوان تبدیل ہو گئی۔ اور اس کا گوشت پوست، اعصاب وغیرہ کا کم و کیف اسی خورش کا نتیجہ ہے جو نباتات سے حاصل کی گئی تھی۔

اب ذرا آگے نظر بڑھائیے تو یہی صورت آپ کو حیوان اور انسان میں بھی دکھائی دے گی۔ اگر نباتات، حیوانات اور انسان کے جوہر کا سائنسی تجزیہ کیا جائے تو بالترتیب "جمادی" "نباتی" اور "حیوانی" ہوگا۔ اسی حقیقت کو مولانا نے رومن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

آمدہ اول بہ استلیم "جھاڑ" از جھادی در نہایتی "اوقت" اور
 در نہایتی چوں بہ حیوان "اوقت" نامدش حال نہایتی بیچ یاد
 سالہا اندر نہایتی عمر کرد و ز جھادی یادنا و رد او نہ بہ
 جز بہاں میلے کہ دارد سوئے آل خاعدہ در وقت بہار و ضمیراں

تصوف ، معرفت
احسان ، طریقت

انسان سے اعلیٰ ترین اور بلند و برتر مہستی
 اس کے خالق و مالک رب العالمین کی ہے
 اب اگر حضرت انسان اپنی تمام قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری
 کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ اور اپنے اعمال و افعال اور جذبات و خیالات کو اس کے
 احکام و قوانین کے مکمل تابع کرتا ہے۔ اس طرح کہ اس کی تمام حرکات سکونات "القدر"
 کے رنگ میں رنگی جاتی ہیں، تو قدرت کا فطرتی عمل (NATURE'S BIOLOGICAL ACTION)
 جو سابقہ مخلوق یعنی جھاڑ، نبات اور حیوان میں کار فرما رہا ہے۔ یہاں اس بات
 کا متقاضی ہے کہ انسان کی بھی قلب ماہیت ہو۔ اور — تخلقوا باخلاق
 اللہ کے مطابق اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اخلاق بے مثال کا عکس بلکہ جلوہ
 نظر آئے اور اتصفوا باوصاف اللہ کے حسب مصداق، اس کی ذاتی صفات
 رب العالمین کی صفات بے ہمتا کا رنگ اختیار کریں۔ اور یہی صورت حال
 ہے جسے احسان، تصوف، سلوک، معرفت، طریقت، حقیقت اور روحانی
 زندگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ
 اس مقام پر ایک سوال، اعتراض یا
 شبہ کا وارد ہونا یقینی نظر آتا ہے جس کا ازالہ بھی ساتھ کے ساتھ ہی کر دینا ضروری

معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہ :- جس طرح مذکورہ تشبیحات، جماد و نبات وغیرہ میں
 "قلب ماہریت" کے عمل نے جماد کو نبات میں اور نبات کو حیوان میں اور حیوان
 (یعنی مویشی) کو انسان کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی
 اس عمل پیرائی کا یہ تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ انسان اب خدا کی صورت میں تبدیل
 ہو جائے۔ یا خود خدا انسان کی شکل میں منشاء ہو کر سامنے آئے (تصوف کے
 "وحدۃ الوجودی" نقطہ نظر کے مطابق مرقومہ بالا منطقی و فلسفیانہ ترکیب، وحدۃ الوجود
 کے اثبات کے لئے ایک اہم دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور "عین ذات" وغیرہ کے
 بکھیروں میں الجھا کر اس کو بڑے وزن دار الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت
 سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں اور نہ تصوف سے اس کا کوئی واسطہ، یہ اصطلاحات
 اشراقیت، بیدانیت اور باطنیت کی گھڑی ہوئی ہیں۔)

لیکن یہ سوال اس تمام صورت واقعہ میں ایک اہم بنیادی حقیقت کو
 نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جماد تا انسان میں ایک
 جنسی اشتراک اور جوہری وحدت پائی جاتی ہے، جسے ہم تخلیق، خلقت یا پیدائش
 کہتے ہیں۔ اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے یہ سب اقسام جماد، نبات، حیوان
 وغیرہ) ایک ہی جنس اور نوع سمجھی جائیں گی جن کی جبلت و جوہر میں مخلوق ہونا
 قدر مشترک ہے، کہ۔ در آفرینش زیب جوہر اند۔ ایک جنس کا اپنے ہم جنس
 میں حلول کر جانا یا تحلیل و جوہری عمل کے تحت اس کی شکل میں جلوہ گر ہونا بعد از
 ہم اور خلافت قانون فطرت نہیں ہو سکتا جس طرح کہ امثلہ بالا میں اس کی وضاحت
 موجود ہے۔

انسان جسے "عالم صغریٰ" کے لقب سے ملقب
عالم صغریٰ کیا گیا ہے، جو اپنی ذات میں خود ایک چھوٹی سی

دنیا واقع ہوا ہے۔ اور جس کا قفس عنصری ان تمام قوتوں کا مرکب ہے جو کائنات کی تعبیر حیات اور تدبیر عمل میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی عناصر اربعہ خود اس کی ذات بھی ان تمام مراحل یعنی جماد تا حیوان سے گذر کر اپنی ہیئت کذالی تک پہنچتی ہے انسان کی خلقت کے یہ انقلابات "ذہباً" اور "حکماً" دونوں طرح سے ثابت ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے :-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سَلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ
 جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً فِي قَوَارِرٍ مُّعِينٍ ۖ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ
 عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمَضْغَةَ عِظَامًا
 فَكُنُوسًا الْعِظَامِ رِجْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَارَكَ
 اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

"اور بے شک ہم نے انسان کو خلاصہ خاک (جماد) پیدا کیا، پھر ہم نے اس کو ایک معین مقام میں نطفہ بنایا۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کی پھٹکی بنایا، پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا بنایا، پھر ٹہریاں بنائیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھایا (یہ قوت نمو کی منزل ہے۔ جو نبات میں پائی جاتی ہے) پھر ہم نے اس کو ایک دوسری مخلوق (یعنی حیوان سے بالاتر) بنایا۔ (مومنون)

فلسفہ حال کے مطابق بھی یہ ترتیب صحیح ہے۔ ڈارون (DARWIN) کی تھیوری (THEORY) کے مطابق انسان پر جمادی، نباتی، حیوانی سب حالتیں گذر چکی ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ ڈارون روح انسانی کا قائل نہیں اس بنا پر وہ انسان کو جداگانہ برتر مخلوق نہیں سمجھتا۔ بلکہ حیوانات ہی کی ایک نوع خیال کرتا ہے جس طرح ہاتھی، گھوڑا، شیر، بندر، وغیرہ۔ اکبر الہند آبادی کے ذہین و دور رس دماغ نے ڈارون کے اس عقیدہ کے ساتھ مشہور صوفی منصور کے نعرہ انا الحق

کا تعابُل کر کے ایک عجیب اور لطیف نکتہ پیدا کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ
 کہا منصور نے "خدا ہوں میں" ڈارون بولا "لوزنا ہوں میں"
 سُن کے کہنے لگے "مرگے کی دست" فکر ہر کس بہت در ہمتِ اوست
 یعنی "وانائے غرب" کی ذہانت و فطانت کو "دیوانہ" شرق کے احساس برتری و بلند
 نظری نے شکستِ فاش دے دی۔

ڈارون بے چارے کی ذہنی نشوونما چونکہ "تشکیلی ماحول" اور مخلوق پرستی
 کی فضا میں ہوئی تھی اس لئے اس کی نظر "بندرت" سے آگے نہ بڑھ سکی۔ منصور خدا پرست
 تھا۔ اور توحید کی ہمتا تہذیب و تمدن میں پروان چڑھا تھا۔ بنا بریں دیوانگی میں بھی
 اس کی نظر خدا سے ادھر نہ رُک سکی۔ **وللہ در قابلہ**
 دروشتِ جنوں من جبریل زبوں صید یزدال بہ کند اور اے ہمتِ مردانہ

ڈارون کی تھیوری مولانا روم | یہاں تفہیمِ طبع اور وسعتِ معلومات کے
 کی مُبیینہ تھیوری کا نامکمل چہرہ ہے لئے یہ عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ کہ
 ڈارون نے تو اس دور میں مندرجہ بالا نظریہ کو شکوک و شبہات کے بکھڑیوں میں
 الجھا کر بالکل غیر یقینی طور پر بہ صد مشکل اس صورت میں پیش کیا ہے کہ اس زنجیر کی
 کئی کڑیاں درمیان سے غائب ہیں جس سے اس نظریہ کے بدیہی طور غیر یقینی ہونے
 اور بواہن کا ثبوت ملتا ہے لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ آج سے کئی
 دور (صدیاں) پیشتر عارفِ روحی نے اس نظریہ کو بڑے واضح اور یقینی انداز
 میں علمی سائنسی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

صد ہزاراں حشر ویدی اے عنود تا کنوں ہر لحظہ از بد وجود
 از "جمادی" بے خبر سوئے نما "وز نما" سوئے "حیات و ابتلا"

باز سوئے عقل و تمیزاتِ خوش باز سوئے "خارج این پنج و شش"
 در فنا ہا این بختا ہا دیدہ بر بقائے جسم چوں چفسیدہ؟
 تازہ می گیر و کہن رائے سپار کہ ہر اسالت فزوں است از سہیل
 یعنی تم تو ابتدائے وجود سے اس وقت تک سینکڑوں قسم کے حشر و کبھی چکے
 ہو، پہلے تم "جماد" تھے۔ پھر تم میں قوت نمود پیدا ہوئی (نباتی) پھر تم میں جان
 آئی (حیوانی) پھر عقل و تمیز، پھر حواس خمسہ کے علاوہ اور حواس (باطنی) حاصل
 ہوئے (یعنی حیوان سے بالاتر۔ انسانی) جب فناؤں میں تم نے اتنی بقا میں دیکھی
 ہیں تو پھر اس جسم کی بقا پر کیوں جان دیتے ہو۔ اور اس سے چٹے ہوئے ہو انبیا
 کو اور پرانا چھوڑ دو۔ کیوں کہ تمہارا ہر نیا سال پانچ سال سے بڑھیا اور خوب ہے۔
 لیکن اس قدر یقینی لہجہ میں ابن آدم کی یہ ارتقائی کیفیت بیان کرنے کے باوجود
 مولانا ڈارون کی طرح بہکے نہیں ہیں بلکہ صراطِ مستقیم پر چلے ہیں اور حقیقی منظر
 کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اور فلسفہ کی بھول بھلیاں
 میں انہوں نے سراغ منزل پا کر اس کی صحیح طور پر نشان دہی فرمائی ہے۔
 گر بدایں حالت ترا بودے بقا کے رسیدے مرترا این ارتقا
 چوں دوم از اولیت بہتر است پس فنا جوئے و تبدیل زاپست
 یعنی اگر تمہاری وہی حالت رہتی تو یہ ترقی کیونکر نصیب ہوتی؟ جب دوسری
 ہستی پہلی سے بہتر ہے تو فنا کو ڈھونڈو اور انقلاب کنندہ (اللہ) کی عبادت کرو
 بات ذرا طویل ہو گئی ہے۔ اصل مدعا یہ عرض کرنا تھا کہ خود انسان پر بحیثیت "عالمِ شعرا"
 کے جب یہ کیفیتیں (جماد تا حیوان) گذرتی اور وارد ہوتی ہیں تو یہ اس امر کا بلکہ ہی او
 حتمی ثبوت ہم پہنچاتی ہیں کہ انسان بھی (بائیں ہمہ عز و تکریم و شرف) دیگر موجودات
 عالم کی طرح ایک تخلیق شدہ (عادت) چیز ہے۔ اور جوہر و جبلت کے لحاظ سے

ان میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن ذات باری تعالیٰ میں اور انسان میں "ما بہ الا شتراک" کوئی چیز بھی نہیں کیونکہ وہ خدا ہے اور یہ بندہ وہ خالق یہ مخلوق، وہ رب یہ مرلوب، یہ عبد وہ معبود، وہ بے کفو و شریک جس کی نہ مثالی نہ مثیل، نہ ضد نہ بند، ذات میں یگانہ، صفات میں یکتا، اول، آخر، ظاہر، باطن، ازلی، ابدی، حقی و قیوم، بھلا انسان بیچارے کی اس ذات پاک سے کیا نسبت!

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہاں قطرہ و سمندر اور ذرہ و سورج کی تشبیہی نسبت روا نہیں اور ذات و

صفات میں اشتراک و اشتمال کسی صورت میں بھی زیبا نہ ہوگا۔ اور —

فنا فی اللہ، بقا باللہ کے مدارج طے کر لینے کے بعد بھی:

من تو شدم تو من شدمی، من تن شدم تو جاں شدمی

تا کس نہ گوید بعد ازیں، من و گیرم تو و گیرم

کے شاعرانہ تخیل کی یہاں گنجائش محال اور تصور ناممکن ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان بابو قدس سرہ العزیز کے یہ قول:

ساکنان طریقت خبردار ہو جائیں کہ خدا تعالیٰ مکان و زمان (مثیل و

تشبیہ) سے منزہ ہے (جہت و طرف سے پاک ہے) نہ وہ مشرق

میں ہے نہ مغرب میں نہ جنوب میں نہ شمال میں، نہ تحت و فوق

میں، نہ کسی کی قبیل و قال میں، نہ خط و خال میں، نہ چاند میں نہ سورج

میں، نہ آب و گل میں، نہ خاک و آتش میں نہ صورت و جمال میں

نہ تقویٰ و پارسائی میں، نہ گدا گروں کے خرقة میں، بلکہ وہ ان سب

سے پاک و منزہ ہے۔ لیس کمثلیہ شیعی۔ (عین الفقر)

آدم بر سر مطلب

بات سے بات پیدا ہوتی چلی گئی۔ اور ذوق بیان میں داستان کچھ طویل ہو گئی گو یہ طوالت ناگزیر تھی۔ گفتگو ”مقام احسان کے بارے میں ہو رہی تھی۔ اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بندہ کو جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو وہ حدود و ثغور سے ماورائیت پا کر آفاقیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس کا قول و فعل بھی اسی جذبہ سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور اس کا دل صحیح معنوں میں ”عرش رحمان“ بن جاتا ہے جو بے پناہ وسعتوں اور لامحدود انتہاؤں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ تنگ نظری و کوتاہ نظری سے وہ ہزاروں کوس دور ہوتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اس حقیقت کی یوں نقاب کشائی فرمائی گئی ہے:

لا یسعی ارضی ولا سماوی و لکن یسعی قلب عبد المومن

”زمین و آسمان کی وسعتوں میں میری سماوی ناممکن ہے۔ لیکن مومن بندے

کا دل میرے انوار و تجلیات کی آماجگاہ ہے۔“

تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں اور ہماری چشم تصور اس حقیقت کا مشاہدہ کر سکتی ہے جبکہ فتح مکہ کے موقع پر محسن انسانیتؐ کے دشمن اور اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے مشرکین مع اپنے معاذین کے آنحضرتؐ کی بارگاہ نبوت میں پیش ہوتے ہیں۔

۱۔ اس مضمون میں ہم نے تصوف کے دو مخصوص پہلوؤں کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے :-

۱۔ ”ناسوی اللہ سے عدم امید و بیم“ یعنی ۔

موجد کہ برپائے ریزی زرش پڑو گریخ ہندی نہی بر سرش = امید ہر اسش نہ باشد ز کس :- بہمن است بنیاد توحید پس

۲۔ ”وسعت قلب“ یعنی :- کفر است در طریقت ما کیستہ داشتن :- آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

ہمارے نزدیک تصوف کے یہ اہم ترین پہلو ہیں جو فی الحقیقت ”جزو اعظم“ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (شاد)

تاریخ کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسے معاندین اور خونیں دشمنوں کو جنہوں نے اپنے انتقام و عداوت کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو۔ اپنے ہاتھوں خاک و خون میں تر پانا چاہئے، انتقامی جذبات کا تقاضا یہ چاہتا ہے کہ انسان نما درندوں کو نہ صرف ختم کر دیا جائے بلکہ ان کے اہل و عیال کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن ایک مومن کامل کے دل کی آواز کہتی ہے:-

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مروی احسن الی من اسما
الہامی نعمات اس آواز کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

لا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ اذ فح بالتی ہی احسن
اور چشم آفتاب یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ مردِ مومن جسے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں پر مکمل اختیار حاصل تھا کہ جو سلوک ان سے چاہتا رو رکھتا۔ انھیں یہ نعمت
جاں فزا سنا کر حیات جاودا عطا کر دیتا ہے:

لا تشریب علیکم الیوم اذ ہوا انتم اذ لقلقاء ط

”جاؤ تم آزاد ہو۔ تمہیں کچھ بھی نہیں کہا جائے گا۔“

تاریخ ہمارے سامنے ایسا ہی ایک اور عجیب نظارہ پیش کرتی ہے۔ جبکہ حضور ^{الذ}
(فداہ ابی واقعی) دشمنوں کے زغے میں گھر جاتے ہیں وہ تار پڑ توڑ چلے کرتے ہیں۔ حضور زخمی ہو کر گڑھے میں گر جاتے ہیں۔ جذبات کے مشتعل ہونے اور غصے کے بے قابو ہو جانے کا اس سے بڑھ کر کوئی نازک مقام نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسے موقع پر بھی آپ کا قلب پاک گھبراہٹ، غصے، تنگی، خفگی اور اشتعال کی آلائشوں سے بالکل صاف نظر آتا ہے جس کا اظہار آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ان محبت بھرے الفاظ سے ہوتا ہے:-

اللہم اهد قومی فانہم لا یعلمون ط

گنتے پیارے الفاظ ہیں، کس قدر پُر لطف و عا ہے۔ نشانِ رات و رحمت کا کیا

حسین امتزاج ہے۔ اور کیا ہی اثر انگیز کلمات ہیں جن سے اللہ کا محبوب اپنے مولا کی صفت انتقام کو لبھاتا ہے! اللہ نے سبح فرمایا:

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“

صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تصوف

مرد مومن اور عارف باللہ کا دل چونکہ شہنشاہ کائنات کی جلوہ آرائیوں سے منور و معمور ہوتا ہے اس لئے اس میں غیر کی گنجائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، احسان کا یہی وہ بلند مقام ہے جس پر فائز ہونے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مرتدین اسلام اور مانعین زکوٰۃ کے درمیان گھرا ہوا دیکھ کر بھی ہم اطمینان و استقلال اور وقار و عظمت کا پیکر عظیم پاتے ہیں۔ اور اس موقع پر آپ کا تاریخی کردار یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اس شخص کا تعلق ایک ایسی لازوال اور غالب الکلی ہستی سے ہے جس کا بن جانے کے بعد انسان خوف ماسوا سے مومن ہو جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دنیا کی عظیم سلطنت سے ہم ٹکراتے ہوئے دیکھتے اور اسے پالش پاش کرتے ہوئے پاتے ہیں، جلال فاروقی کے سامنے نہ صرف شکوہ روم و سطوت ایران ہی ہمیں سرنگوں نظر آتی ہے۔ بلکہ دریا اور پہاڑ بھی سجدہ ریز و کھائی دیتے ہیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے درمیان محصور ہو جاتے ہیں، چالیس شبانہ روز بے آب و دانہ گذر جاتے ہیں، تمام قوت و اقتدار کے ہوتے ہوئے آپ محض فلتہ آرائی اور فساد سے بچنے کے لئے رضائے مولا کے سامنے سکون روح اور اطمینان قلب سے سرخم کر دیتے ہیں تا آنکہ آپ کی منگلو مانہ شہادت کا لہزہ خیز موقع پیش آتا ہے۔ اور

ذوالنورین خندہ پیشانی سے ہمیں موت کا استقبال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
 نشانِ مرد مومن باتو گوئم چومرگ آید تبسم بر لبِ اوست
 علی المرتضیٰؑ کے فرق مبارک پر ابنِ ملجم کی تلوار پڑتی ہے، وار نہایت مہلک
 ہے۔ لیکن کسی ہائے وائے کے بجائے آپ کی زبان سے فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ
 کے ولولہ انگیز بیعت آمیز تاریخی کلمات سنائی دیتے ہیں۔

صرف خلفائے راشدین ہی نہیں بلکہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو
 حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر کیمیا اثر نے اسی رنگ میں رنگ دیا تھا اور اسی بارہ
 محبت سے سرشار بنا دیا تھا کہ ماسوی اللہ کے خوف ورجا سے وہ حضرات بالکل مستغنی
 ہو چکے تھے۔ یہی کیفیت تھا جس نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو امیر معاویہؓ جیسے
 جلیل القدر سلطان کو ان کے خلاف سنت فعل پر سختی سے ٹوکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یزیدی
 جانشینی کے معاملہ میں حضرت عبداللہ نے حضرت امیر کو واضح الفاظ میں فرمایا کہ :
 ”یزیدی کی جانشینی محمد رسول اللہ اور آپ کے خلفاء کی سنت نہیں ہوگی۔ بلکہ قیصر و کسرے
 کی سنت قرار پائے گی کہ ایک قیصر مرا تو دوسرا قیصر اس کا جانشین بن گیا۔ اور ایک
 کسری چل بسا تو دوسرا کسرے تخت نشین ہو گیا!“

فقرو درویشی کے اس بیکر جلال کے سامنے امیر معاویہؓ بہم جاہ و جلال اور شکوہ
 و عظمت دم مارنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ اور کھسیانے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ”فقیر شبیری“
 کی جبر یزیدی سے کشمکش و تصادم تاریخ اسلام کا ایک قابلِ غرا موش و الم ناک لیکن
 تابناک باب ہے۔ عبداللہ بن زبیر کا وقت کی سب سے بڑی حکومت سے بلے بارود کا
 ہونے کے باوجود رزم آرا اور پنچہ آزما ہونا اور اس کی بنیاد تک کو ہلا کے رکھ دینا
 آخر دولتِ فقر کا کرشمہ نہیں تو اور کونسے نام سے ہم یاد کریں گے! مروانیوں کے
 جبر و استبداد اور امریت و مطلق العنانی کے مقابلہ میں طاندان نبوت کے رضا کار

سرفروشوں کا دم خم یقیناً باوہ معرفت کی سرمستی و سرخوشی کی نمایاں مثالیں ہیں۔

امان دین و ائمہ مجتہدین

عباسی سلطنت کے ابتدائی دور میں ملوکیت کی نازک مزاجی اور نخوت و پندار کا عالم کسی تاریخ دان سے پوشیدہ نہیں، بات پروان زبان کھتی ہے۔ کہہ کر شاعر نے تو اپنے معشوق کی ستم کوشی میں یقیناً مبالغہ سے کام لیا ہوگا۔ لیکن عباسی خلفاء کے دربار میں اس شاعرانہ خیال کو حقیقت کا جامہ پہنایا جاتا تھا جس کی وسیوں بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔ عباسی خاندان کے جابر و قاہر اور مطلق العنان فرمانرواؤں کے جبر و استبداد اور مفسدانہ عزائم کے مقابلہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال عزم و استقلال، اور عزیمت و جلال، نیز امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب و غریب متصاوانہ کشمکش فقر و سلطنت کا نرالا تصادم اور پوریائے درویشی و تخت سلطانی کا انوکھا مقابلہ ہے جو حیرت انگیز بھی ہے اور سرور انگیز و بہجت خیز بھی اسی عباسی حکومت کے معتزلانہ عقائد کو امام احمد بن حنبل نور اللہ مرقدہ نے نہ صرف چیلنج کیا۔ بلکہ بالآخر تاج شاہی کو پائے فقر پر جھکا کر چھوڑا اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے علم کو علی رؤس الاشہاد و معاندین و مخالفین اور حاسدین کے علیٰ ارجح بلند فرمایا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ یہ واقعات پڑھتے ہیں تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں۔ ان کے مرعوب ذہن ان غیر العقول حقائق کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہو پاتے تو وہ ان سراپا حقائق و داستانوں کو محض افسانہ اور کورانہ عقیدت کا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ اور اس پر

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند“ کی پھیلتی چست کرتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ غلط فہمی محض حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہے، وہ مقام فقر و تصوف اور احسان و معرفت کی جلو آرائیوں اور ضیاء پاشیوں سے بے خبر ہیں، وہ اللہ کریم کی اس نعمت عظمیٰ کے موعودہ حصول کو نہیں جانتے کہ **هَنْ كَانِ لِلّٰهِ كَانِ اللّٰهُ لَهٗ**۔ بندہ جب اللہ کا بن جاتا ہے تو خدا بھی اس بندہ کا ہو جاتا ہے، اپنے مولائے حقیقی کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری اور انقیاد و غلامی اسے **”عبدا“** سے **”عبدا“** کے بلند مقام پر فائز کر دیتی ہے۔

عبد دیگر عبدا چیز سے دیگر

لانکہ اسے بشارت و نوید جائفرا سے سرفراز کرتے ہیں۔ **تتنزل علیہم الملائكة ان لا تخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنة التي كنتم توعدون** ہن اولیاءکم فی الحیوة الدنیا والآخرۃ۔ اور اسے اپنی دوستی و معیت کا بھرپور یقین دلاتے ہیں۔ سروش غیب کے الہامی نعمات اور روح پرور صدائیں اس کی سامعہ نواز بنتی ہیں۔ مال و منال اور مناصب و اقتدار اسے قطعاً متاثر و مرعوب نہیں بنا سکتے۔ اور خوف و حزن کی پرچھائیں بھی اس کے قلب حق آگاہ نہیں پرکتی۔

آں کس کہ ترا بخواست جاں اچہ کند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی و بہر دو بہانش بخششی
دیوانہ تو بہر دو جہاں را چہ کند

دنیا اور اہل دنیا سے بے نیازی

شہباز طریقت سلطان ابراہیم ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب آپ نے دولت فقر و تصوف کے حصول کی خاطر تخت شاہی کو پائے استحقاق سے ٹھکرا دیا۔ اور قبائے سلطانی تیار کر کلیم درویشی زیب تن فرمائی تو ایک روز موسم سرما میں آپ ایک ساتھی کے ساتھ دسوپ میں بیٹھ کر گڈڑی سے جو میں دیکھ رہے

تھے، آپ کا ساتھی ایک دم مُسکرا اٹھا۔ آپ کے استفسار پر اس نے پُرسرت
 لہجہ میں بتایا کہ "بادشاہ وقت آپ کی خدمت میں آرہا ہے۔ اُسے آنا دیکھ کر میں
 اپنی مسرت بھری مسکراہٹ کو نہ روک سکا" آپ نے افسردگی سے جواب دیا "اُوہ تو
 یہ بات ہے! میرا خیال تھا کہ تم نے کوئی جوں پکڑ لی ہے" گویا جوں پکڑنے پر مسکراتے
 تو ایک بات بھی تھی۔ آخر بادشاہ سلامت کی تشریف آوری بھی کوئی مسرت کی بات
 ہے؟ اللہ اکبر! غور کا مقام ہے اللہ کے بندوں کی نظر میں دنیا اور اسکے متوالے کس قدر
 بے قدر و وقعت ہیں۔ ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ۔ صحابہ کے ہمراہ حضور
 کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک کٹا بکری کا بچہ مرا پڑا تھا۔ حضور نے
 فرمایا۔ "اسے ایک درہم میں کون خریدتا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا حضور! اس مردار
 اور بے کار چیز کو کون خریدے گا۔ فرمایا "اللہ کی قسم! خدا کے نزدیک تمام دنیا اس سے
 بھی کم قیمت اور بے وقعت ہے۔" جب اللہ کے ہاں دنیا اتنی بے قدر و قیمت ہے تو
 اللہ کے وہ بندے جو تخلقوا باخلاق اللہ کی صفت سے متصف ہوں۔ ان کی نگاہوں
 میں اس کی کیا قیمت ہوگی؟

آئیے آپ کو ایک اور درویش خدا مست کا واقعہ سناؤں جس سے بادشاہ
 وقت نے وصیت کی فرمائش کی تو اس نے جواباً ارشاد فرمایا "سلطان معظم! آپ کہیں جنگل
 پالو ووق بیابان میں راستہ بھٹک جائیں، پیاس نے آپ کی جان پر بنا رکھی ہو، ایک
 شخص آپ کو ایک پیالہ پانی نصف سلطنت کے عوض دینا چاہے تو آپ کیا کریں گے؟
 بادشاہ نے جواب دیا "میں وہ پیالہ نصف بادشاہی کے عوض بخوشی قبول کروں گا۔ جبکہ جان
 سے جہان ہے" فرمایا درست ہے۔ اب فرمائیے کہ آپ کا پیشاب بند ہو جاتا ہے۔ اطباء
 اور حکام کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ کسی صورت میں بول جاری نہیں ہوتا۔ اتفاقاً
 ایک حاذق طبیب آتا ہے اور آپ سے علاج کے عوض آدھی سلطنت کا مطالبہ کرتا ہے

اور اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین دلانا ہے، اس صورت میں آپ کا رد عمل کیا ہوگا؟
 بادشاہ نے بے ساختہ جواب دیا "نصف سلطنت طبیب کے حوالے کر کے پیشاب کے
 اخراج کو میں اس عذاب میں مبتلا رہ کر مرنے پر یقیناً ترجیح دوں گا" درویش یہ جواب
 سن کر مسکرا اٹھا۔ کیونکہ تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ فرمایا "بادشاہ سلامت! غور
 فرمائیے کہ ایسے حکومت و سلطنت کو جس کی قیمت ایک پیالہ پانی اور دو چار چلو
 پیشاب ہو قابل فخر سمجھ کر اس پر اترنا۔ اور نشہ اقتدار میں بدست ہو جانا کسے عقلمند
 اور ذمی ہوش انسان کا کام ہو سکتا ہے؟ بادشاہ سر جھکائے خاموشی سے ان اثر
 انگیز الفاظ کی معنویت پر غور کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے،
 درویش کی وصیت نے دنیا کی حقیقت اس کے سامنے پورے طور پر کھول کر رکھ
 دی تھی! -

پیران پیر حضرت خواجہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک واقعہ سنئے!
 آپ کی خدمت میں سلطان سنجر نے دس ہزار اثرفیوں کے ساتھ چپاس دیہات کی جاگیر کا
 سرکاری پروانہ بھی روانہ کیا اور عریضہ میں لکھا "آپ کے مدرسہ و خانقاہ کے اخراجات
 کی کفالت کے لئے تعاون و اعلیٰ البر والتقویٰ کے مطابق یہ حقیر بدیہ ارسال خدمت
 کر رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ قبول کیا جائے گا" شاہی قاصد نے یہ تمام چیزیں جناب
 غوث پاک کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے شاہی تحریر اور مراسلہ کو پڑھا اور اس کا فی البدیہہ
 جواب ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد درول اگر بوہوس ملک سنجر
 زان کہ کہ یا قتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیم رفت بہ یک جوئی خرم
 سلطان سنجر! تم کس خیال میں ہو جس شخص کو نغان نیم شبی و آہ سحر گاہی کی لازم و
 حاصل ہوگی وہ تمہارے پورے ملک کو بھی جو بھر قیمت بدلے خریدے پر تیار نہیں ہوگا!

”کفرزار ہندوستان میں وحانیت کے علم بردار“

کفرزار ہندوستان میں جبکہ یہاں کی تمام تر سیاسی قوتیں بُت پرست راجاؤں اور
 مشرک اقوام کے ہاتھ میں تھیں ”سلطان الہند“ خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی
 رحمۃ اللہ علیہ کا یہاں ورود ہوتا ہے۔ بت پرست راجاؤں سے نہ صرف سیاسی طور پر پی
 آپ کی پرورد مخالفت کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے روحانی پیشواؤں کو بھی آپ کے مقابلہ میں لا
 کھڑا کرتے ہیں۔ لیکن حضرت خواجہ تن تنہا اپنی باطنی قوتوں اور فقر و روحانیت کی
 لازوال طاقت سے ان پر غلبہ حاصل کرتے ہیں۔ اور ہزاروں دیوتاؤں کے پجاریوں
 کو اللہ وحدہ لا شریک کے پرستار بناتے ہیں، درہ خیبر سے اس کھاری تک کلمہ لوحید
 کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اسی بنا پر تاریخ نے آپ کو ”سلطان الہند“ کے لقب سے ملقب
 کیا ہے۔

آپ کے جانشینوں نے آپ کی زریں روایات کو جس تابناکی و برائی سے دنیا
 کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ ارباب فکر و نظر سے مخفی نہیں۔ اور ہندوستان کی زمین
 کا چہ چہ شہادت بدایا ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے دہلی
 کو روحانیت کی برکات سے اس طرح مالا مال کیا کہ وہ ”بائیس خواجہ کی چوکھٹ“
 کہلائی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاک پٹن کو روحانی انوار و تجلیات
 سے بھر پور فرمایا۔ آپ کے نامور خلیفہ سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین نے
 دہلی میں اپنے دادا پیر کے نصب العین کو کچھ اس طریق سے اپنایا اور اسے اجاگر فرمایا
 کہ آپ کا آستانہ خواص و عوام کا مرجع بنا، آپ نے انبیرہ خلائق سے کنارہ کشی کرنی
 چاہی۔ مگر ایک درویش خدامست نے یہ کہہ کر آپ کو مخلوق میں شامل رہنے کی

ہدایت کی۔

آن روز کہ ماہ شدی نہی انستی کا نگشت نمائے مردماں خواہی شد
 آپکو مرجع خلائی اور آپ کی روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر وقتی اقتدار نے اپنے
 لئے خطرہ محسوس کیا۔ اور شہنشاہ ہند سلطان قطب الدین خلجی کو اپنے دربار میں حضرت
 کے طلب کرنے کی سوچھی سلطان دہلی کا پیغام سلطان روحانیت کو پہنچا۔ آپ نے
 سلسلہ کی سنت کو مد نظر رکھتے ہوئے دربار میں حاضری سے انکار کر دیا۔ آپ کے
 انکار نے غضب سلطانی کے لئے جلتی پتیل کا کام کیا۔ جبین اقتدار پر شکمن ہو گئی، بادشاہ
 چیخ اٹھا۔ ”ہم اُسے (نظام الدین کو) ضرور بلوایں گے۔ زندہ نہ آئے گا تو اسکی لاش
 ضرور ہمارے دربار میں پہنچے گی۔“

دنیا میں تین ”ہٹ“ مشہور ہیں، سخن کے سامنے دنیا کی تمام تدبیریں بیکار
 ثابت ہوتی ہیں۔ اور تمام کوششیں ”سعی لا حاصل“ بن جاتی ہیں (۱) راج ہٹ
 (۲) تریا ہٹ (۳) بالک ہٹ۔ پھر راج ہٹ اپنے ہمہ گیر اثرات کے پیش کن میں وقت
 رکھتی ہے۔ قطب الدین جیسے ذی شان و شوکت اور ضدی بادشاہ کی راج ہٹ کے
 اثر نے جو الفاظ اس کی زبان سے نکلوائے تھے۔ ان کے پورا ہونے میں بھلا کس
 کو شک ہو سکتا تھا۔ بادشاہ کی زبان سے جب یہ الفاظ نکل رہے ہوں گے تو دربار
 سناٹے میں آگیا ہوگا۔ درباری ملے اور وزراء متحرا اٹھے ہوں گے، جلال بادشاہی سے
 محلات بھی شاید کانپ اٹھے ہوں گے۔ فضا نے ایک جھرجھری لی ہوگی۔ اور
 نظام الدین اولیاء کی خون میں نہائی ہوئی لاش سب نے چشم تصور سے تخت شاہی
 کے قریب تڑپتی دیکھی ہوگی۔

بادشاہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ حضرت خواجہ تک پہنچے ہیں آپ کے
 حقیقی جاں نثار اور زہی خواہ آپ کو بل کے بل ضدی بادشاہ کی بند پوری کرنے کا

پرنذو مشورہ دیتے ہیں۔ حضرت مسکراتے ہوئے اٹھ کر شان بے نیازی سے ٹہلنے لگتے ہیں، زبان فیضِ ترجمان پر یہ شعر جاری ہوتا ہے:

اے رو بہک چرانہ نشستی بجائے خویش پابا شیر پنجہ کردی و دیدی سترائے خویش
تاریخ بتاتی ہے کہ رات کے سناٹے میں قطب الدین خلجی کا اپنے محبوب غلام
خسرو خاں کے ہاتھوں بے دردانہ لیکن غیر متوقعانہ قتل آپ کے اس ارشاد کی حرف
بہ حرف تصدیق کرتا ہے۔ اور بے چارمی لومرطی نے شیر سے پنجہ آزمائی کا واقعہ مزہ
چکھ لیا۔

غیاث الدین تغلق نے علماء رسو اور بد باطن امرا کے بہکاوے میں آ کر سلطان
الاولیاء سے خدا واسطے کا بیر بنا لیا۔ اور آپ کی روحانی سلطنت کو سیاسی بکھیر لیا
سے ملوث کرنے کا چلتا ہوا حربہ استعمال کرنا شروع کیا۔ بادشاہ بنگالہ کی مہم سے
کامیاب ہو کر واپس دہلی آ رہا تھا کہ اسے حضرت کو وہاں سے نکلنے کا خیال آیا۔ اور
اس نے طغزیہ انداز میں حضرت خواجہ کو تحریر کیا ”آپ سلطان الاولیاء ہیں۔ اور میں
سلطان الہند ہوں۔ دو بادشاہوں کا ایک شہر میں قیام ناممکن ہے۔ لہذا میرے
دہلی پہنچنے سے پیشتر آپ کا وہاں سے نکل جانا نہایت ضروری ہے“ سلطان الاولیاء
کو بادشاہ کا حکم نامہ پہنچا، کاتب نے پوچھا جواب میں کیا لکھوں؟ فرمایا لکھ دو۔
”ہنوز دہلی دور است“ اور فی الواقعہ غیاث الدین کے لئے دہلی ہمیشہ کے لئے دور
ہو کر رہ گئی۔ کاتب تقدیر نے آپ کی تحریر پر مہر تصدیق ثبت کر دی، آپ کا یہ تاریخی
فقہہ زبان و ادب میں محاورہ بن گیا۔ اور کون زبان دان ہوگا جو اس کے تلمیحی پس منظر
سے واقف نہیں ہوگا!

احسان و تصوف کے اسی بلند مقام پر فائز المرامی حضرت شاہ ابو علی قلندر
نور اللہ مرقدہ سے ”شاہ ہند“ کے نام یہ حکم لکھوانے کا موجب بنتی ہے۔ جب کہ اس کا

ایک نظام گورنر رعایا پر بے پناہ مظالم توڑتا ہے۔

بازگیر این عاملے بد گوہرے ورنہ بخشم ملک تو با و گیرے
الفاظ کے تیور دیکھئے اور انداز بیان کی شان بے نیازی کا بہ غور مطالعہ کیجئے تو آپ
اقبال کے ہم نوا بن کر پکار اٹھیں گے:۔

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے! خراج کی جو گد ام ہو وہ سروری کیا ہے!

فی الحقیقت یہی "فقر شبیری" ہے جو رشکِ ہزار سلطانی و میری ہے (اللہم از قناطرتہ)

محمد رسول اللہ (فداہ امی و ابی و دوی) نے اپنے غلاموں کو اسی دولتِ فقر سے مالا مال کیا۔ اور
"صبغة اللہ" میں ایسا رنگا کہ پھر اس پر کوئی رنگ بھی غالب نہ آسکا۔

تاریخ اسلام کے اوراق پلٹ کر دیکھئے تو آپ کو روحانی برکات سے بھر پورا
دولتِ فقر سے مالا مال حضرات کی طولِ طویل فہرست نظر آئے گی۔ جس میں کروڑوں

قرنانِ مومن" — عزیمت و استقلال کے پیکر، شانِ صمدیت کے مظہرِ کامل شامل
ہیں، اور اس "سلسلۃ الذہب" کی یوں کڑی سے کڑی ملتی جلی گئی ہے کہ چودہ
صدیوں کے طویل دور میں آپ کو اس میں کہیں بھی خلل نظر نہیں آئے گا۔

الفِ اَوَّلُ الْفِ ثَانِي

خلفائے راشدین کے مبارک و مسعود زمانہ کے بعد الفِ اَوَّلِ میں اگر آپ کو
حسینؑ ابنِ علیؑ، عبداللہ ابنِ زبیرؑ، امام مالکؑ اور امامِ اعظمؑ، حسنؑ مثنیٰؑ اور زبیرؑ
شہید، احمد بن حنبلؑ اور جنید و عطار و رومیؑ اور محی الدین عبدالقادر جیلانیؑ،
معین الدین چشتیؑ اور قطب الدین بختیار کاکیؑ، فرید الدین گنج شکرؑ اور نظام الدین اولیاؑ،
شہاب الدین سہروردیؑ اور بہاؤ الدین ذکریا طناتیؑ و تاج گنج بخش لاہوریؑ ابو علی قلندرؑ

پانی پتی، امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم، جیسے بطل جلیل، ارباب ہمت و عزت
 شہبازان طریقت و معرفت اور پیکران حریت و استقامت اور صاحبان عزم و استقلال
 نظر آتے ہیں، جن کی شان استغناء و تخت قیصری اور تاج فقہوری کو پاؤں کی ٹھوکروں
 سے پامال کرتی ہے، جن کے بادۂ توحید کی سرستی کو دنیا کی کوئی ترشی بھی نہیں ٹکڑی
 تو "الف ثانی" کے آغاز ہی میں ہمیں سلسلہ نقشبند کے گل سرسبد حضرت
 شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولوالعزم صوفی باصفا اور عالم بے ریا
 بھی نظر آتے ہیں جو عزیمت و استقامت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ شاہان با
 شکوہ کی بے راہ روی اور گمراہانہ طرز عمل کو چیلنج کرتے ہیں ان کی گردن جہانگیر جیسے
 عظیم بادشاہ کے سامنے بھی جھکنے کو تیار نہیں ہوتی۔ وہ اپنی بے مثال شان و عزیمت
 کے سامنے اقتدار کی اکڑی ہوئی گردن کو جھکنے کے لئے مجبور کر دیتے ہیں۔

پھر حضرت العلامة ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نور اللہ مرقدہ کو کون بھول سکتا ہے
 جن کے فیض تربیت نے اورنگزیب کو "محمی الدین عالمگیر" بنا دیا۔ آپ کے درویش
 اور قلندر منش استاذ مکرم ملا کمال کاشمیری بھی اسی سلسلہ انذیب کی ایک نمایاں
 کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر مجدد الف ثانی اور
 ملا عبدالحکیم جیسے بیسیوں نامور، اولوالعزم اور شریعت و طریقت کے مجمع البحرین
 بنا کر پیدا کئے جو تاریخ کے آسمان آفتاب ہمتاب بن کر جلوہ افروز ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہم
 اگر مضمون کی طوالت کا اندیشہ نہ ہو تو اس "حکایت لذیذہ" کو دراز تر بنایا جاسکتا
 ہے۔ یہ تو ان اسمائے گرامی کا ایک محدود حصہ ہے جو قوتِ حافظہ کی وساطت سے
 ارتجالاً زبیر رقم کئے گئے ہیں۔ ورنہ قہن کے ذخیرہ میں ابھی بہت سی نامور ہستیاں
 محفوظ ہیں جن کے تذکارِ خیر کو مجبوراً قلم انداز کر رہا ہوں۔
 ہمارا مضمون نامکمل رہے گا۔ اگر ہم تصوف و روحانیت کے تاجدار اور شریعت

طریقت کے علمبردار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ذکر خیر نہ کریں
 جنہوں نے ملت اسلامیہ کے مہبوط و سقوط اور تعطل و جمود کے دور میں حریت
 لہر اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا حیات انگیز نغمہ سنایا۔ اور تمام مسلمانان عالم اور بالخصوص
 سلامیان ہند کے ماؤت اذہان اور مہرہ قلوب میں جذبہ ایمانی کی روح دوڑادی
 آپ کے قابل قدر نسبی فرزندوں نے آپ کے لائحہ عمل کو نہ صرف اپنایا۔ بلکہ آگے بڑھایا
 اور آپ کے روحانی فرزندوں نے اسے مزید ارتقا عطا کر کے آگے چلایا۔

مجددِ حشری

شاہ ولی اللہ کے ہم عصر حضرت مولانا فخر الدین چشتیؒ ہیں۔

جنہوں نے سجادہ درویشی پر خانقاہ میں بیٹھ کر وہی کارہائے نمایاں انجام دیئے جو
 شاہ ولی اللہ نے حلقہ درس و تدریس میں انجام دیئے تھے۔ مولانا فخر الدین سلسلہ
 چشتیہ نظامیہ کی قابل فخر مستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے اس سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ
 کا اہم ترین کارنامہ سرانجام دے کر اس کے برکات و فیوض اور اثر و نفوذ کا دائرہ دورہ
 خیبر سے راس کھاری تک وسیع کر دیا۔ آپ نے مولانا نور محمد بہارویؒ کو خلعتِ خلافت
 سے سرفراز فرما کر ریگزار بہاولپور میں بھیجا جنہوں نے روحانیت کے انوار و تجلیات
 سے وہاں کے ذرے ذرے کو معمور و منور فرمایا۔ اور اپنی خانقاہ میں بادۂ توحید و
 معرفت کے متوالوں کے لئے ”مینخانہ وحدت“ آباد کیا۔ جہاں سے حضرت غلام فریدؒ اور
 شاہ محمد سلیمان تونسویؒ جیسے مردان کامل بادۂ توحید سے سرشار ہو کر نکلے، جن کے
 فیضانِ نظر نے لاکھوں فساق و فجار کے قلوب و صدور میں محبوب حقیقی کی لگن پیدا کی
 اور عشق حقیقی کی رنگن چٹا کر انہیں ولی کامل بنا ڈالا۔

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مقتدر خلفاء میں حضرت خواجہ شمس الدین

سیالوی نور اللہ مرقدہ کا شمار ہوتا ہے۔ جن کے حلقہ ارادت سے صاحبزادہ محمد امینؒ

پیر مہر علی شاہ گولڑوی جیسے طریقت و شریعت کے مجمع البحرین والہستہ تھے، حضرت خواجہ سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت سیالوی کے محبوب ترین خلیفہ تھے، جنہوں نے خالوادہ چشتیہ کی مخصوص روایات کے مطابق شریعت و طریقت کے نفاذ اور اشاعت دین کے سلسلہ میں نمایاں خدمات سر انجام دیں، استغنا و استقامت اور صبر و ضبط میں آپ لاثانی تھے۔ آپ کے انہیں نمایاں اوصاف نے آپ کو فقرو معرفت کی دنیا میں وہ بلند مقام عطا کیا تھا کہ جس کی مثال اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ہزاروں جرائم پیشہ لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی، سینکڑوں فاسق و فاجر انسانوں نے آپ کے فیضِ صحبت سے استفادہ کر کے دینداری و تقویٰ کی زندگی اختیار کر لی۔ کئی ڈاکو، چوروں اور بدکاروں کو آپ کی نظرِ کیمیا اثر نے ولی کامل بنا ڈالا۔

حضرت امیر حزب اللہ

حضرت خواجہ جلالپوری کے محبوب اور آپ کے تربیت یافتہ عزیز پوتے حضرت خواجہ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ "امیر حزب اللہ" آپ ہی کے تذکارِ خیر اور سوانحِ حیات پر مشتمل ہے۔ ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔ حذر زبیریت پیرے کہ "مردِ غوغا" نیست۔ اقبال کی اس تعبیر کی صحیح تصویر حضرت امیر حزب اللہ ایدۃ اللہ بنصرہ ہیں۔ جنہاں موصوف آغازِ شباب ہی سے امتِ مرحومہ کی اصلاح و تنظیم کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے سفرِ حجاز و ممالکِ اسلامیہ کے دوران ملتِ اسلامیہ کے تذلل و نکبت کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا تھا۔ اور اسے پوری سیاست کا "صید زبوں" بننے کے بعد عیسائیت کی "انتقامی یلغار" کا شکار ہوتے ہوئے ہر جگہ بہ چشمِ خود ملاحظہ کیا تھا۔ ان تلخ حقائق کے انکشاف نے آپ کی حساس اور ذہین طبع کو بہت زیادہ متاثر کیا، چنانچہ

آپ نے حجرہ خالقہ کو چھوڑ کر "میدان سیاست" میں کود پڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور مختلف مواقع پر ملت کے ہمدرد رہنماؤں کے دوش بدوش آگے بڑھے۔ سب سے پہلے مجاہدانہ کام کیا۔ آپ تحریک خلافت میں بھی شامل ہوئے اور اس کے جلسوں میں اپنی آتش نوانی کے جہر دکھائے۔

تحریک حزب اللہ

قوم کی بے رہروی، اخلاقی انحطاط، اقتصادی تنزل، روحانی پستی، سیاسی بے شعوری، اسلام اور تعلیمات شرعیہ سے بیگانگی اور ہم چوسم و گیر عیوب و نقائص نے جناب ابوالبرکات کو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ ایک منظم تحریک کے بغیر محض انفرادی کوششوں سے ملت اسلامیہ کی اصلاح و تنظیم ایک امر محال و ناممکن ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۲۴ء میں حضرت خواجہ جلالپوری کے بیسویں سالانہ عرس پر حاضرین کے سامنے اپنے دروول کا اظہار کیا جس کو شرف پذیرائی حاصل ہوا، اور ۳۰ نومبر ۱۹۲۴ء کو "حزب اللہ" کا قیام عمل میں آیا جس کے امیر بہ اتفاق رائے آپ ہی منتخب ہوئے۔ "قیام حکومت اللہ" حزب اللہ کا حقیقی نصب العین قرار پایا۔ ملت کی افسردہ ذہنیت اور ٹھٹھڑے ہوئے قلوب کو گرم کرنے اور فعال بنانے کے لئے جناب امیر حزب اللہ نے مسلسل اکتیس سال (اپریل ۲۸ تا اگست ۶۵۸ ھ فاج) مختلف علاقوں کے دورے کئے گھر گھر یہ پیغام پہنچایا، اور دعوت جہاد و عزیمت سے فرزند ان توحید میں ایک تازہ روح پھونکی اور اس طرح آپ نے بیسویں صدی کے دور الحاد اور طغیان و فساد میں "حقیقی تصوت" فقیر شیری، اور "مقام احسان" کے حقائق کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ امیر حزب اللہ اسی اجمال کی تفصیل ہے جسے ہمارے محترم دوست ڈاکٹر ملک عبدالغنی کے قلم حقیقت رقم نے شرح و بسط کے ساتھ نہایت سگفتہ انداز بیان اور محبت و عقیدت کی زبان میں زیب تحریر کیا ہے۔

بندہ شاد فاروقی ۱۰ مارچ ۱۹۶۵ء لاہور بھادونی

فاتحہ کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

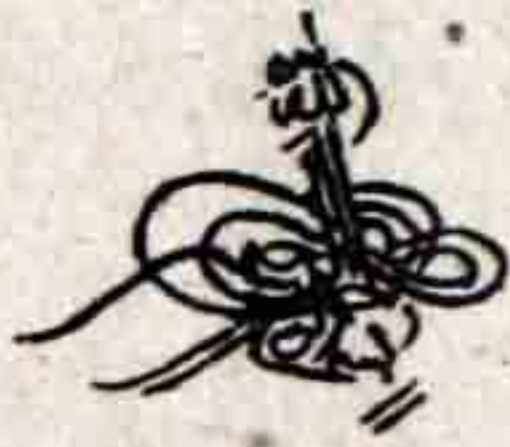
الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام
على رسوله سيدنا ومولانا وحبيبنا وشفيعنا محمد واله واصحابه
واتباعه واشياعه اجمعين

أَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفِرْقَانِ
الْحَمِيدِ اعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ
عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ
مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا
يَفْقَهُونَ ۗ أَلَسْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا
فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ
يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

(حضرت امیر مزیبؓ اپنی اکثر تقاریر کا افتتاح اس خطبہ سے فرمایا کرتے تھے)

عہدِ طفولیت

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
 سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگشٹ میں



بَابِ اَوَّل

حَالہ

عہدِ طفولیت اور آغازِ شباب

وہ نور جو فاران کی چڑھیوں پر چمکا تھا۔ اور جس کی تابانی نے ظلمتکدوں کو اجالوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ بڑی آفتاب کے ساتھ جلالپور شریف کی بلندیوں پر از سر نو اپنی خوشامی نگار با تھا۔ وہی پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں تھیں، وہی انوار تھے، تاریکیاں دور ہو رہی تھیں، انوار پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ دلوں کے اندھیروں کو دور رکھنے کی تمنا رکھنے والے انبوہ دار انبوہ اس مقام پر جو رشک سعد طور بنا ہوا تھا حاضر ہو رہے تھے۔ اور آفتاب عالم فرور یعنی خواجہ غریب نواز حضرت شیخ حیدر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے سامنے حسین عقیدت خم کرتے تھے۔

عقیدت

افتخارِ اولین و آخستین آل شہید و جمال فقر و دیں
آپ کا وجود اطہر مہبط انوار الہی تھا۔ یہ وجود پاک فقر کے لئے باعثِ زیب و
زینت تھا۔ اور دین کیلئے خوشامی اور آرائش کا موجب۔ حسن و خوبی کے اس مرقع

بے نظیر کی زیارت کیلئے لوگ گروہ در گروہ پہنچ رہے تھے۔ مبارک گھڑیاں تھیں۔ سعید
ایام تھے۔

یہ انیسویں صدی عیسوی کے اختتام کا ذکر ہے۔ چودھویں صدی ہجری
عشرہ اول ختم ہو چکا تھا۔ محبوب سبحانی خواجہ غریب نواز حضرت سید حمید علی شاہ
صاحب نور اللہ مرقدہ طمانیت قلبی کی اس نعمت عظمیٰ کو بدرجہ اتم حاصل کر چکے تھے
جس کی بشارت قرآن مجید میں مومنین قانتین کو دی گئی ہے۔ لیکن بعض واقعات
آپ کے لئے غلش دل اور سوہان روح کا باعث بنے ہوئے تھے۔ پہلے حضور کی
والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا جن کی شفقت اور مبارک سیرت نے انہیں منازل عرفان
طے کرنے میں مدد دی تھی۔ پھر آپ کے خلیف اکبر سید بدیع الزمان شاہ رحمہ اللہ
۱۲۹۵ھ (مطابق ۱۸۷۸ عیسوی) کو عین عالم جوانی میں داغ مفارقت دے
گئے۔ اور ان کے بعد تیرھویں صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی خواجہ شمس العارفین یعنی
حضور کے مرشد طریقت جن سے آپ کو بے انتہا محبت اور عقیدت تھی وصال فرما گئے
یہ جانکاہ صدمے تھے اور اگرچہ آپ نے صبر و تحمل کے دامن کو بڑی خوبی سے تھامے
رکھا۔ مگر اس کے باوجود آپ کے سینہ میں دل تھا اور دل میں احساس۔ اس لئے
دل میں ایک کسک سی موجود رہتی تھی۔ علاوہ بریں حضور کے خلیف ثانی حضرت خواجہ
سید محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ المعروف شاہ جی کوتاہل اختیار کئے کافی عرصہ
ہو چکا تھا مگر ابھی تک اولاد زینہ حاصل نہیں ہوئی تھی۔ پہلی شادی کی۔ دو صاحبزایاں متولد
ہوئیں مگر اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں۔ اب دوسری شادی تھی۔ بنا بریں حضرت مجاہد
سبحانی کے دل میں گوبر مراد دیکھنے کی آرزو تھی۔ درگاہ احسن الخالقین میں دعا کیلئے
ہاتھ اٹھتے تھے۔ نگاہیں عرش الہی پہنچتی تھیں اور فضل کر و کار تلاش کرتی تھیں۔ آخر
دو ساعت سعید آئی۔ دعائیں قبول ہوئیں اور چار جمادی الاول ۱۳۱۲ھ (مطابق

نومبر ۱۸۹۴ء کو حضور کے نبیرہ بلند اختر متولد ہوئے۔

خزاں کے طول سے دل کی کلی بڑھائی جاتی تھی۔ بہار میں کو جلو میں لے کے وہ محشر فرام آیا

اس پھول جیسے پیارے نو مولود کو دیکھ کر حضرت قبلہ عالم نہایت مسرور ہوئے

سارے صدمے دور ہو گئے۔ تمام افراد خاندان و فور مسرت سے الحمد خواں تھے۔

والبسگان درگاہ عالیہ کی مسرت کا کیا کہنا۔ قبلہ عالم سے نام رکھنے کی درخواست کی

گئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ کل نام تجویز کیا جائیگا۔ رات خواب میں بشارت ہوئی

فضل شاہ، کرم شاہ، مہر شاہ۔ رحمت الہی جوش میں تھی۔ تین نبیروں کی نوید

ملی چنانچہ مولود مسعود کا نام سید محمد فضل شاہ رکھا گیا۔

صاحبزادہ صاحب کی والدہ ماجدہ راجہ سیف علی خاں جاگیر دار و رئیس اعظم

پنڈ واد خاں کی دختر نیک اختر تھیں۔ ان کے اختر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے

کہ وہ حضرت خواجہ محبوب سبحانی طالب اللہ مضجعہ کی بہو بنیں۔ ان کی شادی حضرت

خواجہ محمد مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی جو بلند فطرتی، اعلیٰ دماغی، جرات

و ہمت، جمال و جلال اور جذب کامل کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے۔ اور پھر آپ

کی گود اس شاہزادہ کی ولادت باسعادت سے ہری ہوئی جس نے آگے چل کر

بدر طریقت، چشم و چراغ ملت اور مجاہد کبیر بننا تھا۔ ان کی خوش نصیبی میں کیا

شک ہو سکتا ہے۔ خاندان راجماں میں وہ نجم درخشاں تھیں۔ دو دو مان سادات تھے

میں اکرماتہ ناباں بن گئیں۔ اپنی سیرت پاک کی تمام صفات کاملہ سے کام لیکر انہوں

نے اپنے لخت جگر صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کی پرورش اور تربیت

شروع کر دی۔ خادمان میں ہاتھ بٹانے کو موجود تھیں۔ حضرت مانی صاحبہ یعنی قبلہ

صاحبزادہ صاحب کی دادی اماں بڑی شفقت اور محبت سے نگرانی فرماتی تھیں

حضرت محبوب سبحانی کی نگہ پر تاثیر علیحدہ معجزہ نمائی میں مسرور تھی۔ مولود مسعود

شیرپاک پنی سبے تھے اور ساتھ ساتھ روحانی غذا بھی حاصل کرتے جاتے تھے۔ اس طرح چار سال گزر گئے اور صاحبزادہ صاحب نے چلنا پھرنا، شیریں گفتار سے کام لینا اور حرم پاک سے باہر آنا شروع کر دیا۔ قبلہ محبوب سبحانیؒ ان کو دیکھتے تھے اور باغ باغ ہو جاتے تھے۔ مگر ان دنوں ایک نہایت ہی زہرہ گداز واقعہ رونما ہوا۔

صاحبزادہ سید محمد قائم الدین شاہؒ حضرت محبوب سبحانی کے فرزندِ ثالث تھے۔ ان کا نام حضرت سیالوی نے رکھا تھا۔ روحانی فیض بھی انجناب سے پایا۔ بیعت خواجہ اللہ بخش تونسوی سے تھی۔ فقہ، صرف اور نحو کی تعلیم مولوی حافظ نور عالم صاحبؒ سکندہ کرمی شریف سے حاصل کی تھی۔ کم عمری کے باوجود بڑے کمالات کے مالک تھے۔ ان کے اوصاف حمیدہ کو دیکھ کر تمام لوگ ان کے سجدہ گردیدہ تھے۔ بڑے دوست پرور، سخاوت پرست اور غریب نواز تھے۔ ان کا وجود سراپا وجود تھا۔ صاحب جمال بھی تھے۔ یعنی فی الحقیقت حسن صورت اور حسن سیرت کے اعتبار سے یوسف ثانی تھے۔ ۱۳۱۲ھ (مطابق ۱۸۹۶ء) میں حضرت محبوب سبحانی نے ان کی شادی آکوہار شریف سید جن شاہ صاحب کے یہاں بڑی مصوم و عام سے رچائی تھی۔ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کی ولادت سے لیکر اس وقت

۱۰ حضرت مولانا الحافظ نور عالم صاحب نور اللہ مرقدہ سولینا قاضی احمد الدین قدس سرہ کرمسالوی (چکوال) کے نامور شاگرد تھے۔ حضرت قاضی صاحب حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور تلامذہ میں سے تھے۔ اپنے مدرسے سے فراغت کے بعد دہلی میں آئے۔ ۱۸۵۵ء کی جنگ آزادی میں آپ کو ملازم بنا کر پارہ جولان دی گئی۔ پھر پھل چلا کر لایا گیا اور آٹھ مہینے تیرا بنایا بیچ کر سخت سائیتیں دی گئیں۔ آپ نے جیل سے چند دیگر حضرات کے ساتھ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور کچھ عرصے تک روپوش رہ کر حالات کی سازگاری پر اپنے وطن بلوچ (کرمان) پہنچ کر درستی پس کلسلہ شروع کیا جو آخری وقت تک جاری رہا۔ اور بڑے بڑے متبحر علماء وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ بانی دیوبند مولانا محمد قاسم کے استاد مولانا محمد یعقوب اور شاہ محمد اسحاق کے نامور تلامذہ میں سے تھے۔

رحمہم اللہ - ش - ف

ایک چار سال کا عرصہ خواجہ غوث نواز محبوب سبحانی نے کینے سکونج اطمینان کا زمانہ تھا۔ مگر
 ان کے صبر و استقامت کی آزمائش کے لئے غم و اندوہ کا ابھی ایک اور چکر باقی تھا۔ صاحبزادہ
 سید محمد قائم الدین شاہ کو معمولی سی بیماری لاحق ہوئی۔ محبوب تھے اس لئے علاج معالجہ کے
 لئے غیر معمولی تدابیر اختیار کی گئیں۔ مرض بڑھتا چلا گیا اور آخر ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ
 (مطابق ۱۸۹۸ء) کو عشاء کے وقت آپ کی روح پر فتوح رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔
 کہیں قریب حضرت محبوب سبحانی تشریف فرما تھے۔ اور تسبیح پڑھ رہے تھے جب اس
 سانحہ ہوش ربا کی اطلاع ملی تو حالت اضطراب میں تسبیح ہاتھ سے گر پڑی۔ اِنَّا لِلّٰهِ
 وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ محل میں تشریف لے گئے اور سر بسجود ہو کر کہنے لگے
 ”الہی! تیرا بڑا شکر ہے۔ بڑا احسان ہے۔ میں تیری رضا پر راضی ہوں“ گواہ نکھیں شہید الم
 سے سرخ ہو رہی تھیں۔ مگر زبان مبارک پر حمد و سپاس کے کلمات جاری تھے۔ صاحبزادہ
 مرحوم کو پہلے جانب غرب کو ٹھہری میں دفن کیا گیا۔ پھر چند روز کے بعد صندوق وہاں سے
 نکال کر ان کے اپنے زیر تعمیر سنگلے میں دفن کیا گیا۔ سنگ مرمر کا مقبرہ بنوا کر اس پر مٹلا اور
 مذہب نقش و نگار سے گلکاری کرائی گئی جو اس وقت بھی قائم ہے۔ فریضہ مغرب، نوافل اور
 ختم خواجگاں کے بعد حضور کا یہ معمول تھا کہ صاحبزادہ صاحب مرحوم کی قبر پر بیٹھ کر دیر تک
 مراقبہ فرمایا کرتے تھے۔ سوتے ہوئے ان کے مزار مبارک کی طرف پاؤں نہیں کرتے تھے
 اور فرمایا کرتے تھے۔ اب ہمارے دل میں ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ حق تعالیٰ صاحبزادہ
 صاحب مرحوم کو عاقبت میں خوشحال اور بآرام رکھیں۔ شعرا اور اہل علم نے تواریخ
 فتیدگی تصنیف کیں، مرثیے کہے۔ مولوی عبداللہ میر پوری کی تاریخ ”مناظر حق بود“
 بڑی مختصر اور مؤردون تھی۔ مندرجہ ذیل قطعہ بھی بڑا برجستہ ہے۔

لہ مولانا محمد رفیع پورکے مری کا عربی کا یہ قطعہ صاحبزادہ صاحب مرحوم کے مقبرہ کے دروازہ پر کندہ ہے۔

سید شہاب جواد قائم الدین الحسن
 قد مضی فی شبہ رجب شو جنتا العدن

رحمتہ اللہ علی روح منوط بالمنن

قال فی تاریخہ شیخ ملوٰی بالعزن،

پسر حیدر کہ بود فخر نام
بسر رفت سوئے دار سلام
از سر لاله رضوان گفت
قائم الدین بجلد کرد مستام

۱۳۱۶ھ

یہ بیان نسبتاً طویل ہو گیا ہے۔ مگر اس کا خاص مقصد تھا۔ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب اگرچہ کم سن تھے مگر اس حادثہ فاجعہ نے اپنے اثرات ان کی طبیعت پر چھوڑے سید قائم الدین مرحوم جو دوسروں کے لئے سرتاپا شفقت تھے۔ اپنے پیارے بھتیجے سے کس قدر محبت کرتے ہوں گے۔ اور جب صاحبزادہ صاحب موصوف نے اپنے شفیق اور کریم چچا کو تقدیر الہی کے سامنے ساکت و صامت اور دوسروں کو سوگوار اور اشکبار دیکھا ہوگا تو ان کے معصوم دل کی کیا حالت ہوتی ہوگی اس وفات حسرت آیات سے وہ جذبہ غم سے پہلی بار آشنا ہوئے۔ وہ ایک عام دل و دماغ کے خورد سال بچے نہیں تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ اس لئے ان کی طبیعت نے دیر پا اثر قبول کیا۔ انہیں پہلی بار یہ پتہ چلا کہ دنیا میں راحت کے ساتھ رنج اور مسرت کے ساتھ اندوہ لازم ہے۔ زندگی ہم د امید، خوف ورجا اور حزن و تشاومانی سے مرکب ہے۔ صحت مند زندگی یا سیت پسندی اور رجائیت کے درمیان کوئی ہموار راہ ڈھونڈنے کا نام ہے۔ مسرت ضروری ہے۔ مگر انسان کے لئے غم اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ جذبہ غم صالح راہوں پر پڑ جائے تو عجیب و غریب کارنامے دکھاتا ہے۔ لاریب کبھی میں ان گہرے مطالب تک رسائی ناممکن ہوتی ہے۔ مگر ذہین طبیعتوں میں عالم طفلی کے باوجود ان کا احساس ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ صاحبزادہ قبلہ دروغم سے متعارف ہو گئے جو بعد میں وسعت پذیر ہو کر درد قوم اور غم ملت کی صورت اختیار کر گیا۔

جو نہی قبلہ صاحبزادہ صاحب کی عمر اس قابل ہوئی آپ کی تعلیم شروع ہو گئی۔

حضرت اعلیٰ خواجہ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادگان والاتباء کی تعلیم کو بجد اہمیت دیتے تھے۔ لنگر شریف کا وسیع کتب خانہ اس بات کا شاہدِ عادل ہے۔ وہاں صرف نسخہ

حادثہ کے اثرات

تعلیم و ترقی

کی ایک ایسی قلمی کتاب موجود ہے جس پر سید بدیع الزمان شاہ مرحوم، سید مظفر علی شاہ
 مرحوم اور سید قائم الدین شاہ مرحوم کے ایام طالب علمی کے علیحدہ علیحدہ دستخط موجود
 ہیں۔ سید بدیع الزمان شاہ صاحب نے تو اپنے اسم گرامی کے ساتھ "بادشاہ" کا لفظ
 بھی شامل کیا ہوا ہے۔ اور یہ حضرت اعلیٰ کے زمانہ طالب علمی کی سنت ہے حضور اپنا
 مبارک نام "حیدر شاہ بادشاہ" لکھا کرتے تھے۔ صاحبزادگان کی تعلیم کیلئے ہمیشہ بڑے
 فاضل اور نیک سیرت علماء مامور ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے بلند اختر نیرہ کی تعلیم کیلئے
 بھی حضرت محبوب سبحانی نے بڑے اعلیٰ انتظامات کئے۔ صاحبزادہ صاحب نے
 قرآن مجید حافظ اللہ دین ساکن چاک شیر محمد سے ختم کیا۔ حفظ کرنا بھی شروع کیا تھا مگر
 بیمار پڑ گئے۔ علاج معالجہ ہوا۔ مقوی دماغ ادویات استعمال کرانی گئیں قدرت کو
 منقولہ نہیں تھا۔ حفظ کرنا ترک کر دیا گیا۔ پھر مولانا عبدالرحیم صاحب کن کڑی سے سکندر نام تک
 فارسی اور کتب عربیہ و نحو اور فقہ میں شرح و قایہ تک عزلی پڑھی۔ مولوی صاحب مرحوم اس
 سلسلہ میں ملا جلا کر آٹھ سال سے زائد عرصہ جلالپور شریف حاضر رہے۔ بڑے متوجع
 اور پارہ ساز بزرگ تھے۔ شریعت محمدیہ پر دل و جان سے عامل۔ جب آپ رخصت پر
 جاتے تو خود حضرت قبلہ عالم درس تدریس کے کفیل ہوتے تھے۔ حضرت اعلیٰ سیرت
 کو ایک خاص سانچے میں ڈھانکنے کیلئے بھی کوشاں تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے
 صاحبزادہ صاحب موصوف کو مندرجہ ذیل شعر لکھ کر دیا۔

بہائی خویش می نام بریمی جو می آرند اگر موی کرم ساز و بہائم بے بہا گردو
 حضور کی ظاہری اور باطنی شاگردی کا یہ وہ شرف تھا جس پر صاحبزادہ صاحب کے
 جس قدر فخر ہوتا ہے۔ یہ شریعت اور طریقت، فقر اور دین اور علم و عمل کا ایسی حسین
 شاہ صاحبزادہ صاحب قبلہ کے موری عبدالرحیم صاحب کے نام خطوط میں ہی شعر میں تصریح کر کے لفظ اول
 کی بجائے خواجہ استعمال کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عین پینے میں آپ کی عین عقیدت حضرت اعلیٰ کے
 سامنے جھک گئی تھی۔

اور روح پرور امتزاج تھا کہ کسی شاگرد کو کیا نصیب ہوگا۔

صاحبزادہ صاحب قبلہ کے پدیس آپ کے برادر اصغر صاحبزادہ سید محمد مہر شاہ بھی تھے جن کی ولادت ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ (مطابق ۲۹ جنوری ۱۸۹۷ء) شنبہ کے روز ہوئی تھی۔ سید محمد مہر شاہ صاحب تعلیم کی طرف زیادہ مائل نہیں تھے۔ مولوی صاحب نے دو ایک بار حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض بھی کی حضور نے ارشاد فرمایا۔ مولوی صاحب ان کے متعلق زیادہ متفکر نہ ہوں۔ نواب کم تعلیم پاتے ہیں۔ ایک بہادر س اور بھی تھے اور وہ کھجکی ضلع سرگودہ علاقہ سون سکیر کے قاضی عبدالرب ہیں۔ قاضی صاحب کا بیان ہے کہ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب تو بڑے ذوق شوق اور انہماک سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اکثر اوقات ہماری مدد اور رہنمائی بھی فرمایا کرتے لیکن نواب صاحب (صاحبزادہ سید محمد مہر شاہ کو بعد میں سرکار انگریزی نے نوابی کا خطاب دیا۔ جو دراصل آپ کو اپنے جدِ اعلیٰ نے عطا فرمایا تھا) اور میں کھیل کود میں زیادہ مصروف رہا کرتے تھے۔

صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب بھی ورزش کی خاطر کھیل کود میں مصروف رہتے تھے اور اس کا وجہ زیادہ یہ تھی کہ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ خود کھیلنے اور وہ ورزش کرنے کی ترغیب اور تحریص دلیا کرتے تھے۔ پیر امیر شاہ صاحب ساکن پیر کھار اراوی ہیں کہ ہم عمری کے باعث وہ بھی کھیل کود میں آپ کے ساتھ ساتھ شامل ہوا کرتے تھے۔ مقابلہ کے وقت دونوں بھائیوں کی یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ امیر شاہ میرا ساتھی بنے۔ لیکن خاطر داری کیلئے صاحبزادہ محمد فضل شاہ صاحب خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ گویا شروع ہی سے آپ کو اپنی بزرگی کا احساس تھا اور پھر حسرت و جلالک اور پھر تیلے قریشی سید محمد مہر شاہ کے ساتھی بنتے غشی خوشی محمد صاحب خادم لنگر شریف نے بتایا کہ بچپن میں حضور کرکٹ کے زبردست کھلاڑی تھے۔ اس طرح وجود جسمانی کی نشوونما اور تربیت کیلئے کھیلنے اور کودنے کا اہم باقاعدہ موقع ملتا تھا۔ مگر آپ کا اصل مشغلہ تحصیل علم تھا۔

اتباع، اولیاء اللہ سے تو تسل اور اولیاء الشیطان سے انقطاع ہوا کرتا تھا۔ ان کی تعلیم ایسے سادہ، مؤثر اور دلنشین الفاظ میں ہوا کرتی تھی کہ عامی سے عامی اور فاضل سے مسترشد کیساں مستفیض ہوا مستفید ہو سکتے تھے۔ زبان کو کبھی بہوردہ کوئی سے ملوث نہ ہونے دیا۔ کبھی اپنی بڑائی ظاہر نہ کی۔ علوتشان و مرتبت کے باوجود ہمیشہ اپنے آپ کو مسکین اور رویش سمجھا۔ ورع و اتقا میں وہ پابندی تھی کہ مکلف ہونے کے بعد آخری وقت تک ایک نماز بھی قضا نہ کی۔ ضبط اوقات کی وہ پاسداری تھی کہ اوراد و وظائف کی ادائیگی میں کوئی بڑے سے بڑا مانع بھی حارج نہ ہو سکا۔ ہر ولعزیزی کی وہ نشان تھی کہ مخالفین اور حاسدین بھی تو صیف و ستائش میں رطب اللسان تھے۔

ان توصیفی کلمات کو دیکھیں تو تمام کے تمام مطالب قرآنی پر مشتمل ہیں۔ دوسرے الفاظ میں صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے قرآنی تعلیم کا نہایت ہی پاکیزہ اور پسندیدہ زندہ نمونہ دیکھا۔ ان کی خوش نصیبی نے بیسوی صدی عیسوی کے آغاز میں انہیں وہ مبارک منظر دکھا دیا جو زمانہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر دیکھا تھا۔ انہیں تعلیم سے فرصت ملتی تو محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ باطنی فیوض حاصل کرتے اور زائرین دربار عالیہ اور مشتاقان دیدار ولایت کے ساتھ حضور کے ملفوظات سے مستفیض ہوتے۔ نفحات المحبوب اور ذکر حبیب میں بہت سے ملفوظات آپ کی زبانی درج ہوئے ہیں۔ آپ حضرت اعلیٰ کی زبانی اولیاء کرام کی کرامات، عربی، فارسی اور اردو کے مقولے اور اشعار، آیات و احادیث اور عارفانہ نکات سنتے اور ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔

حضرت اعلیٰ کو صاحبزادہ صاحب کے بے انتہا محبت تھی۔ ذکر حبیب میں مولیٰ

حضرت اعلیٰ کی محبت

عبدالرحیم صاحب استاد صاحبزادگان کا ایک بیان درج ہے۔ اس میں مولوی صاحب کہتے ہیں کہ محبوب سبحانی صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کو جس نظر سے دیکھتے تھے اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ بس یہ حالت تھی کہ

میان عاشق و معشوق رمزیت کرانا کا تبیں راہم خبر نیست

مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ عرصہ دراز تک جلاپور شریف میں مقیم رہے مگر حضور ان پر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب کی خوشنودی میں حضرت صاحب کی خوشنودی تھی۔ حضور نے بار بار مولوی صاحب کو فرمایا آپ فضل شاہ کو خوش رکھیں اور تعلیم دیں۔ خدا کو علم ہے کہ اس میں کیا حکمت تھی۔ راقم آٹم کے دادا مولوی سید مرحوم کا بیان ہے کہ جب کبھی حضرت اعلیٰ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا حضور فرماتے سید رسول ہمارے خالوالہ میں بس فضل شاہ ہی ہیں۔ خواجہ محبوب سبحانی صاحبزادہ صاحب کی معمولی سی تکلیف سے بھی پریشان ہو جاتے تھے۔ ایک بار آپ کو بخار ہوا حرم پاک سے التماس ہوئی کہ دعائے خیر فرمائی جائے۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی اور سیکھ ہی ارشاد فرمایا۔ اتفاق ہونے پر اطلاع دی جانے۔ کچھ دیر بعد خادم نے آکر اطلاع دی کہ بخار زیادہ ہو گیا ہے۔ آپ نے پھر دعا خیر فرمائی۔ تیسری بار خادم نے آکر عرض کی کہ بخار اور بھی شدت پکڑ گیا ہے۔ حضرت اعلیٰ رخ پریشان ہو گئے۔ اور صرف یہی فرمایا بے نیاز ہے ہمارا کیا بس چلتا ہے۔ اس مفوضا مبارک کے بعد جلد خوشخبری ملی کہ صاحبزادہ صاحب کی طبیعت بحال ہو گئی ہے۔ چنانچہ حضور نے کلمہ شکر ادا کیا۔ حضرت اعلیٰ ہی طرح صاحبزادہ صاحب کی ظاہری اور باطنی بیبودی کی طرف ہر وقت متوجہ رہتے تھے۔ جو لوگ جانتے ہیں کہ چشتی بزرگوں کا فیض نگاہ میں ہوتا ہے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان ساری توجہات کا اثر صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ پر کیا ہوا ہو گا۔ پیارے لہرتے طبیعت کی پوری آمادگی کے ساتھ حصول فیض میں مصروف تھے۔ اور کرم جہ نزرگوار کھلے

۱۔ بزانی میان اللہ و رب کون تزلزل و کھوال

دل سے مستفیض فرما رہے تھے۔

حضرت اعلیٰ کی مبارک شخصیت کا ایک اور بھی شاندار پہلو ہے جس نے صاحبزادے صاحب کی طبیعت پر مستقل اثر چھوڑا۔ حضور کو ملت اسلامیہ کے مسائل سے بڑی بھرپور تھی۔ اور آپ مختلف ممالک اسلامیہ کی بیبودی کیلئے دعا گو رہتے تھے۔ بارہا اپنے ترکی مصر، ایران، افغانستان وغیرہ ممالک کے متعلق اس طرح ذکر فرمایا جس نے واضح کر دیا کہ آپ اعلیٰ درجہ کی سیاسی بصیرت کے مالک ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں یورپی ممالک اور روس پھری ہوئی بھڑوں کی طرح یکے بعد دیگرے ترکی کو زک پہنچانے کے درپے رہے۔ ترکی کو یورپ کا مرد بیمار کہا جاتا تھا۔ سلطان عبدالحمید کا زمانہ (۱۸۷۶ عیسوی تا ۱۹۰۹ عیسوی) سلطنت عثمانیہ کے لئے بڑی آزمائش کا دور تھا۔ کریٹ، آرمینیا، مقدونیہ میں ترکوں کے خلاف بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ روس، فرانس، برطانیہ، یونان سازشوں میں شریک تھے۔ ترک خلافت اسلامیہ کے محافظ اور علمبردار تھے۔ ان کی وجہ سے اسلامی دبدبہ قائم تھا۔ اس لئے ان کے اس دور ابتلا میں اضطراب کی ایک لہر تمام دنیا سے اسلام میں پھیل گئی۔ ۱۸۹۷ء کے قریب داراپور ضلع جہلم کے محلہ راجہ عبداللہ خان حج کو گئے تو سات ہزار حجاج اور زائرین کے ساتھ مدینہ منورہ سے حصول شہادت کیلئے عازم قسطنطنیہ ہو گئے۔ خلیفۃ المسلمین نے کہا کہ خدا کے فضل سے ترک قوم ابھی ایسی حالت زبوں کو نہیں پہنچی کہ بوڑھے اور کمزور حجاج کی اعانت اور دستگیری کو بھی مقننات سے تصور کرے۔ یہ کہہ کر انہوں نے حجاج کی درخواست کو بعد از ادائے شکر یہ مسترد کر دیا۔ ان سے فقط لشکر اسلام کی فتح و نصرت کے لئے دعا کی درخواست کی اور مجاہدین کے اس گروہ کو نہایت عزت و توقیر سے شاہی مہمان بنایا اور کافی عرصہ مراحم خسروانہ کا مورد بنائے رکھا۔ راجہ عبداللہ خاں داراپور جب

حضرت اعلیٰ کی خصوصیت کا تذکرہ

سلطان اور حجاج کا ایک وقت

۱۰۰ صفحات المحبوب ص ۹۵-۹۶۔ ذکر حبیب ص ۹۴ رسالہ صوتی۔ عرس نمبر۔ فروری ۱۹۷۰ء ص ۳۳-۳۵

واپس لوٹا تو خواجہ محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات عرض کئے اور خلیفۃ المسلمین کے عدل و انصاف اور شریعتِ نوائے اسلام کے احترام کی بڑی تعریف کی۔ حضرت محبوب سبحانی نے اپنی مجالس میں بار بار خواجہ عبدالقادر خاں کی زبانی ان واقعات کا ذکر خیر نہایت ذوق شوق سے بیان فرماتے اور بعد از اس سلطنت عثمانیہ کے تحفظ و بقا اور یورپ کی دستبرد سے اس کاموں و مصنون رہنے کیلئے خاص طور پر دعائے خیر فرماتے۔ چنانچہ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے حضور کی زبانی یہ حقیقت پرورد اور جوش انگیز ذکر بلا واسطہ ایک سے زیادہ دفعہ سنا۔

اسی طرح افغانستان کا قصہ تھا۔ برطانیہ اور روس ہر دو چاہتے تھے کہ یہ اسلامی ملک ان کے قبضہ میں آجائے۔ یا کم از کم ان کے حلقہ اقتدار میں شامل ہو جائے۔ اور جیسا کہ عہد زوال کے مسلمان حکمرانوں کا عام قصہ ہے۔ افغانستان میں بھی کوئی بالغ نظر اور بلند ہمت بادشاہ تخت پر قابض نہ ہوا۔ ۱۸۴۹ء میں امیر کابل محمد یعقوب خاں نے ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کے عوض نہ صرف یہ کہ اپنی خارجہ پالیسی پر برطانوی سیادت قبول کر لی۔ بلکہ وڑھ خیر قبضہ کا حق بھی انگریزوں کو دے دیا۔ اور افغانستان اور ہندوستان کے درمیان کوئی حد بندی بھی نہ کرائی۔ بعد ازاں امیر عبدالرحمن خاں (۱۸۸۰ء - ۱۹۰۱ء) نے جب دیکھا کہ انگریزوں نے حدود کے متعین ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ بلوچستان کی طرف چھن تک میل بنالی ہے۔ خوب کھنگر تعمیر کرائی ہے۔ اور وڑھ کرم پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو برطانیہ کی توسیع سلطنت کے ارادوں سے خائف ہو کر ۱۲ نومبر ۱۸۹۳ء کو ایک معاہدہ کیا جو معاہدہ ڈیورنڈ کہلایا۔ اور اس طرح چترال سے لے کر بلوچستان تک ہندوستان اور افغانستان کے درمیان سرحدیں متعین ہو گئیں۔ افغانستان نے سالہا سال کی کشمکش کے بعد ۱۱ مارچ ۱۸۹۵ء کو روس کے ساتھ بھی پامیر سرحد کا فیصلہ کر لیا۔ امیر عبدالرحمن خاں کی وفات کے بعد

جب ۱۹۰۱ء میں اس کا بیٹا امیر حبیب اللہ خان تخت نشین ہوا تو انگریزوں نے مناسب سمجھا کہ سابقہ معاہدوں کی تصدیق کرائی جائے۔ گفت و شنید ہوتی رہی چنانچہ حکومت ہند نے ۱۹۰۵ء میں سر لیویس ڈین کی سرکردگی میں ایک زبردست وفد کا بل روانہ کیا۔ یہ دراصل روس کی ان تازہ سرگرمیوں کا جواب تھا جن کا سلسلہ ۱۹۰۰ء سے جاری تھا۔ مسلمان ہند کے دل میں انگریزوں کی نیت کے متعلق بڑے شبہات پیدا ہو گئے۔ یہ خطرہ عام محسوس کیا جانے لگا کہ افغانستان کی آزادی کا خاتمہ ہونے والا ہے۔

برطانیہ کے رویے
اسے مسلمانوں
میں شبہات

ان حالات کا ذکر جب حضرت اعلیٰ خواجہ محبوب بسینی جیسے ہوا تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ افغانستان کی عزت کو بچائے۔ مہربان اسرار نے اسی وقت یہ سمجھ لیا کہ افغانستان کو اب کوئی خطرہ نہیں۔ علاوہ یہی کہ جب ۱۹۰۶ء میں امیر حبیب اللہ خان سیر و سیاحت کے لئے ہندوستان آیا تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ ہر روز امیر مذکور کی بخیر و سعادت مراجعت اور شکرِ مفسدین سے محفوظ رہنے کے لئے دعا فرماتے۔ اور اخبارات سے اس کے حالات سیاحت کو غور اور تعمق سے سنتے۔ ان امور سے پتہ چلتا ہے کہ حمایتِ اسلام اور صیانتِ مسلمین کا جو ہر حضور کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کا وجود اطہر جس طرح دینی اور روحانی اعتبار سے اپنے مبارک اثرات ادھر ادھر پھیلا رہا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کے سیاسی استحکام کا احساس بھی دلوں میں بڑی شدت سے پیدا کر رہا تھا۔ برتر روحانیت والے افراد کا وہ خطرات کے وقت اقوام و بطل میں اس طرح بیداری کی روح پھونک کر محیر العقول انقلابات کا پیش خیمہ بنا کرتے ہیں۔ اور ان کی روحانیت کئی اعتبار سے معجز ثابِت ہوتی ہے۔

حضرت اعلیٰ کا
خدا پر حمایت
اسلام

ظاہر ہے کہ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کو اپنا ماحول ایک عجیب و

غریب پہلو دار جذبہ سے سرشار کردہ ہاتھا۔ اس جذبہ کے عناصر اربعہ روحانی ارتقاء، احیاء اسلام کی تڑپ، دردمندت اور سیاسی شعور تھے۔ حضرت اعلیٰ نور اللہ مرقدہ کے طفیل صاحبزادہ صاحب اپنے ارد گرد مختلف قسم کے مناظر دیکھ رہے تھے۔ اور ان کے کانوں تک عجیب سامع نواز اور وجد آفرین وازینہ پہنچتی تھیں۔ آپ کے والد ماجد سید مظفر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فن تعمیر کے سلسلہ میں خدا داد ذہانت کا اظہار فرما رہے تھے۔ اور لنگر شریف کی مضبوط اور خوبصورت عمارت سرعت سے تعمیر ہو رہی تھیں۔ لنگر جاری تھا اور خواص و عوام، اپنے پرانے بلا امتیاز صبح و شام بڑا اچھا کھانا کھا رہے تھے۔ جو انہیں اپنے گھروں میں بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ پیر بھائی جوق در جوق حاضر ہوتے تھے۔ ان میں علماء اور فضلاء بھی ہوتے تھے۔ اور صوفیاء اور اتقیاء بھی، امیر بھی اور غریب بھی۔ ایک کشش تھی جو ہندوستان کے گوشے گوشے سے تمام کو کھینچ لارہی تھی۔ وہ گوہر مقصود جس کو حاصل کرنے کے لئے ہر ایک کا دامن مراد ترستا رہتا ہے اور آندو میں بے قرار رہتی ہیں۔ جلالپور شریف کی چوٹیوں پر اپنی آب تاب دکھا رہا تھا۔ حضرت اعلیٰ رحم کی سنت میں کلاہ چارتر کی سر پر پہنے، سفید لباس کے اوپر ٹل کا دوپٹہ زیب تن کئے، جیوا اور شرم کی تصویر مقدس اور نورانی چہرے کیلئے، اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا میں بلند کرتے نازین حاضر ہو رہے تھے۔ فضا بروقت ذکر الہی سے معمور تھی۔ شام کے وقت ہر گوشے سے کچھ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ پھل رات تہجد طمان سبوح و تہلیل کا غلغلہ بلند کرتے تھے سنت نبوی صلعم کا احیاء اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔ یہ ماہول تھا جس میں صاحبزادہ محمد فضل شاہ صاحب نے اپنا بچپن گزارا۔ عرس شریف کے مواقع آتے۔ نیاز مندوں کا ہم نغیر موجود ہو جاتا۔ قوالیاں ہوتیں وجد و کیف کے مناظر ہوتے، بے خودی اور سرشاری کی کیفیات ہوتیں، قرآن خوانی ہوتی۔

محمل کی طرف سے
اس کے
صاحبزادہ

گوہر مقصود
اور
اس کی یاد

درد و سلام پڑھا جاتا۔ اور اس طرح یہ محفلیں پھر بپا ہونے کے لئے نخی و خوبی اختتام پذیر ہوتی تھیں۔ فیضیاب ہونے والے نیاز مند اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے تو وہاں مشعل نور بن کر ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں کو دور کرتے تھے۔ اس ناچیز نے حضرت محبوب سبحانیؒ کے غلام اپنے جد بزرگوار، مولوی سید رسول مرحوم کو اچھی طرح دیکھا۔ ان کے متعلق ایک باخبر بزرگ نے کہا کہ ان کی زندگی میں "تو" یعنی ان کا گاؤں مکہ بنا ہوا تھا۔ سبحان اللہ یہ ان لوگوں کا حال تھا جو اس خوانِ نعمت کے زکّہ رُباتھے۔ اس سے آپ اس روحانی انقلاب کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو علامانِ حید کی بدولت ملک کے گوشہ گوشہ میں روٹنا ہو چکا تھا۔

روحانی انقلاب

صاحبزادہ صاحب موصوف کی تربیت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے حضرت محبوب سبحانیؒ نے اپنے سفرِ آخرت سے پہلے سفرِ سیال شریف اختیار فرمایا۔ یہ سفر ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) کو شروع ہوا اسکے پچھلے ساٹھے تین ماہ بعد آپ کا وصال ہوا۔ آپ دس سال بعد اچانک عازم سیال شریف ہوئے تھے۔ صاحبزادہ صاحب کی عمر ۱۴ سال تھی۔ سید محمد مظفر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر حضرت اعلیٰ نے صاحبزادہ صاحب کو بیعت فرمایا تھا۔ اور اس سفر سے پہلے خرقہ خلافت بھی عطا فرما دیا تھا۔ اب مقصود یہ تھا کہ تکمیلِ تربیت ہو اور حضرت خواجہ شمس العارفین قدس سرہ العزیز سے وہ فیوضاتِ باطنی دلائے جائیں جو صاحبزادہ صاحب نے اس دربارِ مقدس سے حاصل کرنے تھے۔ یہ سفر براعتبار سے غیر معمولی تھا۔ ظاہراً اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ منت پوری کی جائے جو صاحبزادہ صاحب کی ولادت سے پہلے مانی گئی تھی۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے سید مظفر علی شاہ کے ہاں اولادِ زینہ نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت حضرت اعلیٰ نے دعا مانگی تھی۔ بارِ الہی میرے فرزند کو بیٹا عطا ہو ہم اسے اپنے ساتھ سیال شریف لے جائیں گے۔

روحانی تربیت کی تکمیل

حضور جلالپور شریف سے ۲۰ صفر کو روانہ ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب قسبلہ
 کے علاوہ مولوی عبدالرحیم صاحب، راجہ بہادر خاں چک جانی والے اور بعض دیگر
 نیاز مند آپ کے ہمراہ تھے۔ رات چک جانی قیام فرمایا۔ اگلے روز بہن پور شریف لے
 گئے۔ وہاں سید غلام شاہ مرحوم کے روضہ پر فاتحہ پڑھا۔ روضہ کی مرمت کے لئے مسٹر
 امام بخش بہن پوری کو ارشاد فرمایا۔ اور اس غرض کے لئے کافی رقم عطا فرمائی۔ ابتدائی
 ایام میں سید غلام شاہ مرحوم حضرت اعلیٰ رحمہ کے ساتھ بڑی مروت سے پیش آئے
 تھے۔ اور حضور احسان شناسی کا ثبوت لے رہے تھے۔ ریل پر سوار ہو کر آپ
 خوشاب پہنچے۔ راستہ میں ہر اسٹیشن پر معتقدین کا انبوه کثیر موجود ہوتا تھا۔ روپے ہتیرنی
 اور نقد جان نذر ہوتے تھے۔ خوشاب سے کشتی کا سفر شروع ہوا۔ سفردریا میں بھی لوگ
 بلا اطلاع کناروں پر زیارت کے لئے جمع ہو جاتے تھے اور کرم فرمائی سے کام لیتے
 مولوی عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ اس سفر میں میں نے وہ عجائبات دیکھے جو انسانی
 عقل و فکر سے باہر ہیں۔ سیال شریف کے سامنے والے پتھن سے آپ کشتی سے اتر
 پٹے۔ عشاء کا وقت تھا۔ تاریکی کی وجہ سے ہم راستہ سے بھٹک گئے۔ دو تین میل
 کا سفر تھا۔ راستہ میں نشیب و فراز اور کانٹے تھے۔ لیکن حضرت اعلیٰ جو ش عقیدت میں
 پاپیادہ شریف لے جاتے تھے۔ کم عمری اور نفاست طبع کے باوجود صاحبزادہ سید
 محمد فضل شاہ صاحب بھی ساتھ چل رہے تھے۔ عملاً درس و یا جارہا تھا۔ کہ سیال شریف
 کے سفر میں جو صعوبت اور تکلیف بھی پیش آئے اُسے خندہ پیشانی اور جذبہ تسلیم و
 رضا سے برداشت کیا جائے۔ اور اسے موجب برکت و سعادت سمجھا جائے۔
 سیال شریف سے موٹے درویش لیمپ روشن کئے حضور کے استقبال کے لئے
 آ رہا تھا۔ وہ بھی راستہ بھول گیا۔ آپ سیال شریف پہنچے تو چونکہ عرس مبارک کا
 موقع تھا۔ زائرین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اٹھ پڑا۔ صاحبزادہ سیال سعد الشاہ

سیال شریف
کا سفر

سفر جلالپور
لاہور سے
مشاہدات

جو جذبہ ایمانی

صاحبزادہ میاں عبداللہ صاحبان چھڑیاں لے کر لوگوں کو منتشر کرتے اور راستہ بناتے تھے۔ مگر بقول صاحب نجات المحبوب :-

”مخلوق بسبب کثرت چوں آب دریا بہر متواصل می شد“

خواجہ محمد دین صاحب حضرت ثانی بھاری اور کمزوری کے باوجود دوسرے کا سہارا لے کر محبوب سبحانی رح کے استقبال کے لئے تشریف لے آئے۔ حضرت خواجہ سید محمد مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گولڑوی بھی عرس مبارک میں شریک ہوئے تھے۔ وہ جب سیال شریف سے رخصت ہونے لگے تو محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے دعائے خیر کے طالب ہوئے اور زبان مبارک سے یہ الفاظ کہے۔

”میں نیاز مند ہوں“

حضرت ثانی استقبال کے لئے آئے ہیں

جس حال و کیف سے حضرت محبوب سبحانی رح نے خواجہ شمس العارفین رح کے روضہ اقدس پر حاضری دی وہ بیان سے باہر ہے۔ اندر صرف حضور اور صاحبزادہ صاحب قبلہ تھے۔ عجز و انکسار اور خلوص و انقیاد کا تازہ ترین روح پرورد اظہار تازہ الطاف و عنایات کا مقتضی تھا۔ اور جنہاں حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی اور گرم گسٹری کا علم ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کو دولت فقر سے کس طرح مالامال کیا گیا ہوگا۔ اس موقع پر ذکر حبیب کے حوالے سے ہم اس خلوت خاص کا ذکر کرتے ہیں جس میں خواجہ شمس العارفین نے حضرت محبوب سبحانی رح کو باطنی فیوض سے نوازا تھا۔ مرشد طریقت اور شہباز فقر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ کسی قسم کی گفتگو نہ ہوئی شیخ نے اپنے محبوب مرید نظر ڈالی اور مرید کا رنگ بدلنے لگا۔ پہلے زرد ہوا پھر سفید ہو گیا۔ پھر کچھ ایسا تغیر ہوا کہ ایک ایک لمحہ کے بعد حالت دگر گوی ہونے لگی۔ آخر کار اصل حالت عود کر آئی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کمالات صوری و معنوی سے آراستہ نظر آنے لگے۔ اس کے بعد خواجہ شمس العارفین نے

شیخ غریب نواز اقدس کے حاضری

خلوت تازہ

فرمایا۔ شاہ صاحب اب بھی راضی ہوئے یا نہیں۔ اور حضرت محبوب سبحانیؒ آدھے بجائے۔ روضہ اقدس میں آج پھر خلوت خاص تھی۔ وہی خواجه شمس العارفینؒ تھے وہی محبوب سبحانیؒ۔ اور وہی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا ایلینہ محبت و دلنوازی۔ لیکن آج مقصود ایک اور شہباز کو فضائے لاہوت میں پرواز کے لئے پروا عطا کرنا تھا۔ الغرض ۲۴ صفر المظفر ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) کو صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی نورانی خلعت خاص سے نوازے گئے۔ اور سفر سیال شریف کا حقیقی مقصد بھی یہی تھا۔

اسی سفر کا بروایت مولانا عبد المجیدؒ کرمی شریف و تصدیق حضرت امیر حزب اللہ واقعہ ہے کہ کوٹ گل کے رُوسا نے حضرت کو اپنے ہاں لے جانے کا پروگرام تجویز کیا اور یہ اہتمام کیا کہ جس بنگلہ میں آپکے ٹھہرانا چاہتے تھے۔ اسے بمعہ اس کے پائین باغ کے اس کے مالک نے آپ کے نام بیہ کر دیا۔ اس طرح دیگر حضرات نے بھی بیہ بیہ کہیں۔ جن کا مجموعہ رقبہ دس مربع ہو گیا۔ ایک ہزار نقد روپیہ جمع کیا۔ جب آپ کشتی سے اترے تو تمام لوگوں کو کنارے پر منتظر پایا۔ آپ حسب معمول وہاں کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ ان لوگوں نے اپنی عرض پیش کی اور تمام پروگرام بھی بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ غرض ملاقات ہوتی ہے۔ سو یہاں ہو چکی اب گاؤں جا کر مکانوں اور دیواروں کو تو دیکھنا نہیں! لوگوں نے پھر عرض کی "حضرت ضرور تشریف لے چلیں۔" فرمایا "آپ کے گاؤں میں دوسرے لوگوں کے پیرو مرشد تو آتے ہوں گے؟" عرض کیا "جناب وہ تو سال میں دو بار تشریف لایا کرتے ہیں" فرمایا پہلے تم ان لوگوں سے کہا کرتے ہو گے کہ تمہارے پیرو مرشد نے وصول کرنے تمہارے سروں پر آن سوار ہوتے ہیں لیکن دیکھو تمہارے پیرو نہیں آتے۔ میرے لئے جانے سے تم یہ تقاضا بھی گنوا دو گے۔" ان لوگوں نے پھر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا:۔ نعم الامیر علی باب الفقیر و بیس الفقیر

علی باب الامیر: پھر فرمایا دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے دروازوں پر نہ لے جائے! اس کے بعد دعا نے خیر فرمائی اور ان سب رؤسا کو رخصت کر کے خود میاں شریف کو روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ آپ کے شان استغناء و استقامت کو واضح کرتا ہے۔ جو تمام صوفیا کا بالعموم اور اہل حقیقت کا بالخصوص معمول رہا ہے۔ اب ایک دوسرا واقعہ پڑھئے۔

واپسی پر پھر کوٹ گل نزد میاں شریف کے رؤسا نے درخواست کی کہ حضور ازراہ کرم ان کے گھر تشریف لے چلیں۔ آپ نے پھر انکار کیا تو ان لوگوں نے یہ درخواست حضرت سجادہ نشین سیالوی کی خدمت میں پیش کی۔ آپ بنیائی سے معذورتھے۔ اور سخت کمزور تھے۔ اس کے باوجود چار پائی پر خواجہ محبوب سبحانی کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ حضور نے فرمایا ایک بار پہلے حضرت خواجہ شمس العارضیؒ نے ہمدی خاں کی دعوت پر پنڈ داد سخاں جانے کے لئے ارشاد فرمایا تھا۔ اور اب دوسری بار آپ کوٹ گل بھیج رہے ہیں۔ چنانچہ محبوب سبحانی تشریف لے گئے اور اس طرح صاحب جزا وہ صاحب کوٹلا تعلیم دی کہ فقر کی حقیقی شان استغناء اور استقامت میں ہے۔ لیکن اگر امر ہو جائے تو پھر قریب بہ قریب جانا بھی میں فقر ہوتا ہے۔ آپ کوٹ گل سے عصر کے وقت سلا نوالی سلیشن پر پہنچے۔ عشاء کے بعد ٹرین پر سوار ہوئے۔ اور صبح منڈی بہاوالدین اترے۔ وہاں تشنگان جمال سراپا انتظار تھے۔ چاشت کے وقت آپ کا ورد لپ اور یا ڈھوک گوبرا میں ہوا۔ دریا کو عبور فرمایا۔ جلالپور شریف سے ادھر گھنڈر کے کنارے سید محمد مظفر علی شاہ صاحب آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ انہوں نے حضرت محبوب سبحانیؒ کی قدمبوسی کی بغل میں لے کر گھوڑے سے اتارا اور چار پائی پر بٹھایا۔ صاحب جزا وہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سید محمد مظفر علی شاہ کی قدمبوسی کی۔ اور

الاعمال خیر الادب

واپسی پر پھر کوٹ گل میں حضرت شمس العارضیؒ

سید محمد ہر شاہ اور سید کرم شاہ صاحبان اپنے برادر اکبر سید محمد فضل شاہ کے قدموں
ہوئے۔ اور ہر تصدیق ثابت کر دی کہ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب اب
سیال شریف کی زیارت سے مشرف ہو کر آئے ہیں بالکل اور ہیں۔

صاحبزادہ صاحب کی عمر اب چودہ سال تھی۔ عہد شباب تھا۔ ظاہری اور
باطنی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ آپ کے برادر اصغر صاحبزادہ سید محمد ہر شاہ بھی جوان
تھے۔ اس لئے حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز نے اپنے وصال سے کوئی ڈیڑھ ماہ پہلے
مناسب سمجھا کہ دونوں صاحبزادگان کی شادی جلد ایک ماہ کے اندر اندر چادریں
بڑے بھائی کی نسبت سید نواب شاہ صاحب و حضرت اعلیٰ کے بھانجے اور داماد
کی دختر کی سے ہو چکی تھی۔ اور چھوٹے کی سید نواب شاہ صاحب و حضرت اعلیٰ کے
نواسے کی ہمشیرہ سے۔ مگر نواب شاہ صاحب اور سید نواب شاہ صاحب آگے
نہ ہوئے۔ سید مظفر علی شاہ صاحب بھی ان کے ہم نوا تھے۔ حضرت اعلیٰ نے اصرار
فرمایا۔ مگر انہوں نے وقت کی کمی کی بنا پر معذرت خواہی سے کام لیا۔ انہیں کیا علم
تھا کہ حضرت محبوب سبحانیؒ اپنے سفر آخرت کی تاریخ حق تعالیٰ سے مقرر کر چکے
ہیں۔ اور رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچنے کے لئے بیتاب ہیں۔ حضرت محبوب سبحانی اس
فرض سے اس لئے عہدہ برآ ہونا چاہتے تھے کہ صاحبزادہ قائم الدین شہر حرم کی کشتی
کے موقع پر بعض ایسی باتیں ہو گئی تھیں جو نامشروع تھیں اور جن کی وجہ سے
آپ کا خیال تھا کہ شادی بابرکت نہیں رہی تھی۔ اور صاحبزادہ صاحب وفات پا
گئے۔ اس لئے آپ نے تاکید فرمائی کہ شریعت کے مطابق عقد و نکاح پر اتنا کیا جائے
اور تکلفات سے پرہیز کیا جائے۔ یہ گویا وصیت تھی۔

صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کے حضرت اعلیٰ کی بے پایاں محبت کا
مزید ثبوت حضور کی رحلت کے وقت بھی ملا۔ حضور کو معمولی سی علالت ہوئی۔

وفات کے ایک روز پہلے بھی صاحبزادہ صاحب کی شادی کا ذکر جاری رہا۔ آخری لمحات میں انہیں اور باقی اہل خانہ کو بٹا بھیجا۔ حضرت مانی صاحبہ نے عرض کی "آپ نے ہمیں کیوں یاد فرمایا ہے" حضور نے فرمایا: "کیا اس وقت آپ لوگوں کو ہمارے پاس نہیں آنا چاہتے تھے"۔ یہ کہہ کر حضور نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ حضرت صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب بیٹھ کر تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ حضور نے تین مرتبہ دعائے خیر فرمائی۔ مانی صاحبہ نے فرمایا "اپنی اولاد کے لئے دعا کیجئے" حضور مسکرائے اور معنی خیز انداز سے صاحبزادہ صاحب کی طرف دیکھا۔ گویا فرما رہے تھے کہ جب یہ موجود ہیں تو پھر کیا کمی ہے۔ اس کے بعد کچھ پڑھ کر حضور نے چاروں طرف دم فرمایا۔

آپ کا وصال ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو پیر کے دن قبل از ظہر ہوا۔ آپ کے سایہ شفقت میں اپنے اور پرلئے، رشتہ دار اور عقیدہ مند، ہندو اور مسلمان یعنی لا تعداد لوگ اطمینان اور مسرت کے ایام گزار رہے تھے۔ اس سایہ کے اٹھ جانے سے ان تمام پر جو گزری وہ بیان سے باہر ہے۔

ہمارے مخدوم اور مطاع سید محمد فضل شاہ مدظلہ العالی کی تو زندگی حضرت اعلیٰ کے دیدار و نظر شفقت سے تھی۔ اس کے بغیر وہ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اگر آپ نے کم عمری کے باوجود پوری طرح صبر و تحمل سے کام لیا۔ مگر آپ کے قلق و اضطراب کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ نفحات المحبوب اور ذکر جلیب میں درج ہے کہ ایک رات آپ بے حد پریشان ہوئے۔ اسی عالم میں حضرت محبوب سبحانی کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے۔ عرض کی مجھ سے کیا تصور سرزد ہوا ہے کہ حضور اپنے دیدار فیض انہاد سے مشرف نہیں فرماتے۔ اس رات آپ نے خواب میں دیکھا۔ ایک مقام ہے جو نہ کبھی دیکھنے میں آیا نہ سننے میں۔ اس کی جمیل اور جلیل عمارات کا کیا کہنا آپ نے پوچھا۔ یہ کس کی ملکیت ہیں۔ ایک شخص نے جواب دیا۔ کیا آپ کو علم

وصال حضرت

حضرت صاحبزادہ صاحب
کی پریشانی اور غم میں
اعلیٰ حضرت سے ملاقات

نہیں۔ یہ خواجہ غریب نواز حضرت محبوب سبحانی کا مسکن ہے۔ اندر جا کر دیکھا تو حضور غالبچہ پر جلوہ افروز تھے۔ سر پر زین دستار تھی۔ کجواب اور اطلس کا لباس آپ کے وجود اطہر سے چمک نکلتا تھا۔ جا کر قد مبوسی کی اور بے اختیار سوتے حضور نے فرمایا۔ خیر تو ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے عرض کی۔ جب حضور نے فراموش فرمادیا تو خیریت کیا معنی رکھتی ہے۔ بندہ سے کیا تفسیر ہوئی کہ اب سابقہ الطان و عنایت نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ ہم آپ کو بھولے نہیں۔ بلکہ ہر وقت ہمارا خیال آپ کی طرف ہے۔ پھر فرمایا ہم فوت نہیں ہوئے۔ زندہ ہیں اور لوگوں کی حاجات دعائے خیر سے بر لاتے ہیں۔ مظفر شاہ کو کہیں فکر نہ کریں۔ ہر کام میں ہم ان کے ساتھ شریک ہیں۔ اگرچہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ مگر آپ کے تمام کام دیکھ رہے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب نے پوچھا حضور اس مقام کا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا **النجیح** یہیں ہمارا مسکن ہے۔

خواب میں حضرت اعلیٰ کی زیارت کا سلسلہ جاری رہا۔ **الفحات** محبوب میں دو اور خوابوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ خواب اس قلبی تعلق کا ثبوت ہیں جو حضرت اعلیٰ اور صاحبزادہ صاحب کو ایک دوسرے سے تھا۔ یہ تعلق جسم اور جان کا تعلق تھا۔ اور اس میں مرور ایام سے افزونی ہوتی رہی۔ صاحبزادہ صاحب کی حیات بالغ آیات کو جو عظمت اور اہمیت حاصل ہوئی اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے وجود میں حضرت اعلیٰ کے روحانی تصرفات کا فرما تھے۔ اور مرج البحرین نے فی الواقعہ مجمع البحرین کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اسی لئے حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ مدظلہ العالی کے فیوض میں وہ ہمہ گیری پیدا ہو گئی جسے دیکھ کر دنیا گشت بدندان ہے۔

باز شہاب

اب صاحبزادہ والانتبار کا آغاز شہاب تھا۔ روحانیت کے کمال نے

آپ کی خورد سالی اور صغریٰ کو کتاب توں عطا کی تھی۔ اب عزم و ہمت، جو انہوں نے
 اور جرات و بسالت نے آپ کے عہد شباب کو فروغ عطا کیا۔ حضرت اعلیٰ
 کے وصال پر سید مظفر علی شاہ رحمت اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت اعلیٰ قدس
 سرہ العزیز نے اپنی زندگی میں انہیں خلافت عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے
 ثانی صاحب قبلہ جمال و جلال اور بلند می عزم کے لحاظ سے لاثانی تھے۔ صاحبزادہ
 سید محمد فضل شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی ان صفات سے بھی کسب فیض کیا
 آپ کے عزائم میں جو شان پیدا ہوئی۔ دنیا داروں کی کج کلاہی کو جس شان سے نپا کر
 سے آپ نے عمر بھر دیکھا اور لشکر شریف کی تعمیرات کے سلسلہ میں جس اعلیٰ ذوق و
 حُسن خیال اور وسعت قلب کا آپ نے اظہار فرمایا۔ یہ سب اپنے والد ماجد
 کی مبارک شخصیت کا حسین پر تو تھا۔ تعمیرات کا جاری رکھنا خاندان عالیہ
 کا وظیفہ تھا۔ جس کے متعلق حضرت اعلیٰ وصیت فرما گئے تھے۔

خواجہ محبوب سجانی کے وصال کے بعد اولین ضرورت یہ محسوس ہوئی کہ
 آپ کے حالات طیبہ اور آپ کے ملفوظات مبارکہ کو محفوظ کیا جائے۔
 اور آپ کی یادگار قائم کی جائے۔ آپ کی زندگی میں آپ کی اجازت سے صوفی نور عالم
 جہلمی نے آپ کے ملفوظات فارسی زبان میں قلمبند کرنے شروع کئے تھے
 یہ تصنیف اب مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت اور
 صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب زاد اقبالہ کے حسب الارشاد اسے
نفسات المحبوب کے نام سے ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء کو ساڈھوڑہ
 سے طبع کرایا گیا۔ اس میں صاحبزادہ صاحب کا کئی بار ذکر خیر آیا ہے۔ حضرت
 اعلیٰ کے وصال پر آپ کے خواب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان امور سے کتاب
 کی تکمیل اور طباعت میں آپ کی ذاتی دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ گویا چودہ سال

ایک شاندار
 عالی کارنامہ

کی عمر میں آپ نے ایک شاندار علمی کارنامہ انجام دیا۔
 صوفی نور عالم صاحب کو حضرت اعلیٰ ارم سے بیعت کا شرف اور رمضان المبارک
 ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ء) کو حاصل ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سید مظفر علی شاہ صاحب
 عہد طفولیت میں مولوی گل احمد مرحوم سکنہ اللہ سے تعلیم پاتے تھے۔ صوفی صاحب
 نے اپنی بیعت کا حال بڑے اثر انگیز پیرائے میں درج کیا ہے۔ اور ماہ ذی قعدہ
 ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) سے ملفوظات شروع کئے ہیں۔ اور حضرت اعلیٰ ارم کے وصال
 اور حالات تدفین تک جلد بیانات بڑی عمدگی سے بیان کئے ہیں۔ ایک ایک لفظ
 سے عقیدت اور نیاز مندی مترشح ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ پیش لفظ میں کہا جا چکا ہے۔ اس
 طرح معلوم ہوتا ہے کہ انسان خواجہ محبوب سبحانی رحم کی مجالس میں موجود ہے۔ حضور
 کا نورانی چہرہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ کبھی لُجہ توحید میں استغراق ہے۔ اور
 ہر ایک دم بخود ہے۔ اور کبھی حضور اپنے ارشادات عالیہ سے نیاز مندوں کو مستفیض
 فرما رہے ہیں۔ آیات قرآنی احادیث نبوی اور عربی کے بر محل مقولے ہیں۔ عربی، فارسی
 پنجابی کے اشعار ہیں۔ جن کا تعلق اسرار معرفت اور رموز طریقت سے ہے۔ کبھی نیاز مندوں
 سے گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر صوفی صاحب مغفور کے روز بیعت سے شروع کریں تو
 اس مبارک کتاب میں کم و بیش بہتر روز کے ملفوظات قلمبند ہوئے ہیں۔ بعض ایام کے
 ملفوظات دوسروں کی زبانی بھی درج کئے ہیں۔ اور کئی روز دو دو تین تین
 جلسوں میں بھی ہوئی ہیں۔ صوفی صاحب نے اپنے خیال کے مطابق چھیا سٹھ مجالس کا
 ذکر کیا ہے۔ کتاب کا مکمل نام **احیاء القلوب فی لقیات المحبوب** ہے
 اور فی الواقعہ اسم بامسمیٰ ہے۔

حضرت اعلیٰ ارم کی یادگار کے طور پر صوفی محمد الدین صاحب نے منڈی بہاؤ الدین سے
 رسالہ صوفی کا اجرا کیا۔ صوفی صاحب موصوف کا اصلی وطن بہاولپور تھا۔

تھا۔ مگر یہ گاؤں دریائے چناب تکین بار بہانے گیا۔ اور صوفی صاحب سراسیمہ اور بے خانماں پھرتے پھرتے حضرت اعلیٰ خواجہ محبوب سبحانی رح کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اپنی دردناک کہانی سنائی۔ طلب امداد کیلئے سلسلہ چشتیہ نظم کر کے لائے تھے۔ دروانگیز لہجے میں پڑھا۔ حضور بڑے متاثر ہوئے۔ تین برس تین بار دعائے خیر فرمائی۔ بیعت فرمایا۔ منڈی بہاوالدین ایک رشتہ دار کے ہاں قیام تھا۔ یہ سلسلہ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد کایا پلٹ گئی۔ ملک صاحب بہت بڑے زمیندار بن گئے۔ منڈی میں صوفی منزل کے نام سے ان ایام میں ایک کوٹھی بنوائی۔ سرمنزل مکان علیحدہ تھا۔ مرشد کامل نے بڑی کشادہ دلی سے دستگیری فرمائی تھی۔ اس لئے جس خلوص اور نیاز مندی سے انہوں نے رسالہ صوفی کا اجراء بطور یادگار کیا۔ اس کا اندازہ باسانی لگایا جاسکتا ہے۔

اس رسالے میں حضور کے ملفوظات چھپتے تھے۔ آپ کی کرامات کا ذکر ہوتا تھا۔ شعراء کی نظمیں ہوا کرتی تھیں۔ اولیائے کرام کے تذکرے ہوا کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ کے اثر انگیز واقعات بیان کئے جاتے تھے۔ ایک نہایت ہی پاکیزہ اور بیدار اسلامی روح تھی۔ جسے اس رسالہ کے ذریعے اسلامیان ہند کے قلوب میں منتقل کیا جاتا تھا۔ خواجہ محبوب سبحانی کی سیرت پاک کا تذکرہ جدید طریقہ بیان کے ساتھ بڑے مؤثر پرلہ میں بار بار مختلف مقالہ نگار اس عمدگی سے کیا کرتے تھے کہ تعلیمات اسلامیہ کا پتھر سامنے آجاتا تھا۔ معارف قرآنی بے نقاب ہو جاتے تھے۔ تعلیمات قرآنی کی تعبیر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی تھی اور اب بھی ان مقالات کو پڑھا جاتا ہے۔ تو ہم عبدالقادر سیدل کے ہمنوا ہو کر اٹھتے ہیں۔

وصف این طائفہ تفسیر کلام اللہ ہست

ادیبوں میں ماسٹر محمد حسین بی۔ اے۔ انسپکٹر ڈاکخانجات اس لحاظ سے ممتاز

نظر آتے ہیں۔ ان کا قلم عقیدت میں ڈوب کر معجز نگار بن گیا ہے۔ شعراء شکر لکھنا عاشق حسین سیلاب وراثی اکبر آبادی کو درجہ امتیاز حاصل ہے۔ سرکار حیدر می میں انہیں توفی الوافہ وہ مقام حاصل ہے جو سرکار مدنی میں حسان بن ثابت کو حاصل تھا۔ ایک ایک شعر میں جوش عقیدت ابل رہا ہے۔ انہوں نے متعدد نظمیں کہیں یہاں نمونے کے طور پر صرف ایک شعر درج کیا جاتا ہے

نقشہ فردوس ہے تصویر بیت اللہ ہے؛ پیر حشاشہ کی درگاہ کیا درگاہ ہے
انہی خصوصیات کی بنا پر رسالہ صوفی بہت جلد ہندوستان کے تمام رسالوں سے زیادہ پھینے لگا۔ اور جب صوفی محمد الدین صاحب نے ذکر حبیب کو مرتب کیا تو کافی مواد ان کے پاس موجود تھا۔

رسالہ صوفی کے متعلق یہ بیان ایک تو اس امر کے اعتراف کے طور پر تھا کہ اب تصنیف منیف یعنی امیر حزب اللہ کو مرتب کرتے ہوئے بھی اسے بطور ماخذ استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے ایک اور خاص مقصد بھی ہے جو ہماری تمام تحریرات کا محور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مخدوم اور ممدوح صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے آغاز کار ہی سے اس رسالہ میں اپنے مقالات شائع کرانے شروع کر دیئے تھے آپ کا اولین مقالہ ذکر حبیب کے عنوان سے ۱۹۱۰ء کے پرچہ میں چھپا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال تھی لیکن آپ نے ایک مہتمم بالشان کام کا بار اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ یہ اس غیر معمولی عزم و ہمت کا ثبوت تھا جو آپ کی جلیل شخصیت کا جزو اعظم ہے۔ آپ نے حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز کے حالات لکھنے شروع کئے تھے۔ یہ ایسا کام تھا جسے انجام دینے کے لئے دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیت اور عظیم

لہ ممکن ہے اس سے پہلے بھی کوئی چھپا ہو۔ مگر ناچیز کو دستیاب نہیں ہوا۔ ذکر حبیب کے عنوان سے آپ کے مزید مقالے ۱۹۱۱ء میں جنوری، فروری اور مئی کے پرچوں میں ہی چھپے۔

فنی اور ادبی قابلیت کی ضرورت تھی۔ لیکن عظمت عمر کے ہر دور میں عظمت و آغوش ہوتی ہے۔ اس لئے آپ نے اطمینان دل کے ساتھ عظیم کام شروع کر دیا۔

رسالہ صوفی کے اس پرچہ میں آپ کا ایک اور مقالہ "عشق" کے عنوان سے چھپا

نشا ادیب

سبحان اللہ۔ کیا مقالہ ہے۔ اس ادیب خرد سال کے ایک ایسے لفظ پر کہنہ مشق اور کلام کی تحریرات قربان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ اگر آپ اپنی مسترد صفائی باطن سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو صرف علم و ادب کے لئے وقف کر دیتے تو

آپ اس صف میں نظر آتے جہاں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں۔ اس مقالہ میں عشق مجازی اور عشق حقیقی کے درمیان امتیاز کر کے عشق مجازی کی مثالیں

یسی مجنوں، شیریں فرہاد اور یوسف زلیخا کے قصوں سے دیتے ہیں۔ اور سعدی، ہفلی حافظ اور جامی کے بر محل اشعار سے توضیح فرماتے ہیں۔ نغمۃ الیمن کی وہ حکایت بھی

عشق بوری

درج فرمائی جو مشہور عرب شاعر اصمعی کی زبانی بیان ہوتی ہے کہ کس طرح جذبہ محبت سے بیتاب ہو کر ایک نوجوان نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا تھا۔ عربی کے

چھ اشعار اردو کے ترجمہ کے ساتھ درج فرمائے ہیں۔ آخری شعر ہے ۷

هنياً لأبواب النعيم نعيمهم وللعاشق المسكين ما يتجرع

نعمت والوں کو نعمتیں مبارک ہوں اور بیچارے عاشق کو عشق کا گھونٹ

عشق حقیقی کے مدارج فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، بقا باللہ اور فنا فی اللہ بیان کیے گئے

عشق حقیقی

ہیں۔ محبت شیخ کے سلسلہ میں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ العزیز کے

ایک مرید کی مثال پیش کی ہے۔ جسے متعجب ہو کر نواب بہاولپور دیکھنے گیا تھا۔

اسی ضمن میں بابا فرید الدین گنج شکر کا ذکر فرمایا ہے۔ جنہوں نے سخت آزمائش میں پڑ

کر ثابت کر دیا تھا کہ اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی رحمۃ اللہ علیہ

کے بغیر ان کا جنت میں رہنا دوزخ سے بھی بدتر ہے۔ فنا فی الرسول کی مثال حضرت

ابو بکرؓ قرنی اور حضرت بلال کے حالات سے دی ہے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات سے یہ اقتباس دیدنی ہے۔

جب رسول مقبول صلعم نے وفات پائی اور اس دنیا سے ناپائیدار سے عالم عقبیٰ کی طرف مراجعت فرمائی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا برا حال ہوا اور سخت غم و اندوہ لاحق ہوا جس کا بیان قلم نہیں لکھ سکتا پتھروں سے سر ٹکراتے، دیباؤل میں غوطہ کھاتے، خودکشی کرتے لیکن تقدیر کے بغیر کس طرح فوت ہوتے، گھبرا کر مین کی طرف چلے گئے۔ اور وہاں کچھ مدت سرگروان و پریشیاں حال رہے۔ آخر خیال آیا کہ ہمارے محبوب سرور کائنات فخر موجودات صلعم تو مدینہ شریف کی مبارک مٹی میں مدفون ہیں۔ اور میں مین میں پھرتا ہوں۔ فوراً چل پڑے۔ مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ نے وقت پر اذان دینے کی درخواست کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار پر مجبوراً اذان دینی شروع کی۔ جب الشاکر کہا تو سب مدینہ گونج اٹھا۔ سب نے خیال کیا کہ رسول مقبول صلعم زندہ ہو گئے ہیں۔ تبھی تو حضرت بلال اذان دے رہے ہیں۔ جب اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ ز بان سے نکالا تو عجیب حالت طاری ہو گئی۔ شہر میں شور مچ گیا۔ تمام کے دل میں اس درد بھری آواز کا ایسا اثر ہوا کہ شمع کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ جب اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ کے لفظ "مُحَمَّد" پر پہنچے تو وہم سے زمین پر گر پڑے۔ اور اذان مکمل نہ ہو سکی۔

فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے تحت تصریح فرمائی ہے کہ انسان خواہ کیسا ہی کامل ہو ہر وقت فنا فی اللہ نہیں رہ سکتا۔ کسی نہ کسی وقت بقا باللہ کی طرف ضرور عود کر آتا ہے! او

پھر پہلے رسول اکرم کا وہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ کس طرح ایک بار حضرت فاطمہؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ کھٹکھٹانے پر اندر سے آواز آئی۔ کون ہے۔ عرض کی۔ آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ۔ بدلائی کہ خداوند بیٹے بیٹیوں سے پاک ہے۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ - اللَّهُ الصَّمَدُ - لَمْ يَلِدْ - وَلَمْ يُولَدْ - وَكَمْ يَكُنْ لَكُمْ كُفُورًا أَحَدًا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سخت متحیر اور مشوش ہوئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ آپ کب سے یہاں کھڑی ہیں؟ حضرت فاطمہؑ یہ محبت بھرے الفاظ سن کر رو پڑیں۔ اہد عرض کی کہ آپ نے میرے دروازہ کھٹکھٹانے کے جواب میں اس طرح مجھے اپنی فرزندگی سے خارج کر دیا ہے۔ اپنے ہنس کر فرمایا کہ اس وقت ہماری ذات خداوند کریم کی ذات میں محو تھی۔ خداوند کریم نے سچ فرمایا ہے کہ میں بیٹے بیٹیوں سے پاک ہوں۔ در نہ میں محمدؐ تو ویسے کا ویسا آدمی ہوں اور بیٹے بیٹیوں کے رکھنے سے انکار نہیں کر سکتا۔ تب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تشفی ہوئی۔ اس کے بعد حضرت بایزید بسطامیؑ کا سُبْحَانِي مَا أَعْظَمَ شَرَانِي وَاللَّهِ بِرَأْسِهِ بَيَان فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ دوبارہ یہ الفاظ کہنے پر جب آپ کے شاگردوں نے تلواریں چلائیں تو وہ خود تو لبو لہان ہو گئے۔ مگر آپ بال بیگانہ ہوا۔ پھر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بیان فرمایا ہے شاہ منصورؑ کے انا الحق کہنے پر اگر ذرا تامل اور تاخیر سے کام لیا جاتا تو دم ضرور اپنی عبودیت کے معترف ہو جاتے۔ اقتتام پر فراق یوسفؑ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی حالت سے اپنے نقطہ نگاہ کی تائید فرمائی ہے۔ اور گلستانِ سعدیؒ سے یہ شعر نقل کئے ہیں۔

مکی پر سید زانم کہ کردہ فرزند
کہ ای روشن گہر پیر خرد مند
زمهرش بوی پیراہن شمیمیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی

سہ سبحان اللہ سے اور ہر مخلوق میں شامل اور ہر شے سے حاصل ہے خواہ اس برزخ کبریٰ میں ہے عون مشرق کا

بازید بسطامی
بازید بسطامی
بازید بسطامی

بگفت احوال ما برق جہانست دے پیدا و دیگر دم نہانست
 گہی بر طارم اعلیٰ نشینم گہی پر پشت پائے خوردنہ بینیم
 اگر درویش بر حالی بسانندی سر دست از دو عالم بر فشانندی

مقالہ کی آخری سطوح میں فرمایا ہے۔ کہ اور بہت سی باتیں اس موقع پر یاد آگئی ہیں۔ لیکن خیر الکلام ماقبل و دل پر عمل کر کے ختم کرتا ہوں۔ اور بارگاہ ایزدی میں نہایت مؤدبانہ طور پر استدعی ہوں کہ مجھے اور جملہ مسلمانوں کو اپنا ذوق و شوق عطا فرمائے اور اور اپنے عشق کا ایک ذرہ ہمیں بھی عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اہل نظر ذرا غور فرمائیں یہ ایک سولہ سال کے نوخیز اور نومشتق ادیب کا مقالہ ہے لیکن مطالب اور معانی میں وہ فطرت موجد ہے جو صرف اذہان نابغہ کے حصہ میں آیا کرتی ہے فنا اور بقا کے سلسلہ میں ایک ایسی دقیق تصریح فرمائی ہے جس تک سائنس بڑے غور و فکر کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن حضرت اعلیٰ خواجہ محبوب سبحانیؒ کی تربیت اور اپنی غیر معمولی ذہانت کی بنا پر آپ ایک ہی جست میں تمام بلندیوں کو پھانڈ گئے تھے۔

عشق کی اک جست نئے لٹے کر دیا قصہ تمام اس زمین و آسمان کو سیکراں سمجھا تھا میں

آپ کا ایک اور مقالہ "عقل" کے متعلق ماہ نومبر ۱۹۱۱ء کے رسالہ صوفی میں شائع ہوا۔ یہ موضوع بھی اہم تھا۔ عقل کی وجہ سے انسانی علوم و فنون اور ایجاد و اختراع کا ذکر کر کے تمام مخلوقات پر انسانوں کی نفیست آپ تو اضع اور علم کی بنا پر ثابت فرماتے ہیں۔ اور یہ شعر نقل کرتے ہیں۔

از بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شو تا گل بر وید رنگ رنگ

عشق والا مضمون پورے آٹھ صفحات پر حاوی ہے۔ اور طبیعت پھر بھی سیر نہیں ہوئی لیکن عقل کے متعلق شذرہ صرف ایک صفحہ میں سما گیا ہے۔ اور اس کے یہ حقیقت الم نشرح ہو گئی ہے کہ عقل کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی آپ کا شعرا

زندگی عشق تھا۔ اس لئے عقل کے سلسلہ میں تو اضع اور علم کا ذکر فرما کر آپ نے عقلمندی کو بھی عشق کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔

ان مقالات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اعلیٰ کے وصال کے بعد بھی صاحب صاحب حصول علم میں مصروف تھے۔ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صاحب صاحب کی تعلیم بے حد عزیز تھی۔ مولوی فیض الحسن صاحب ان دنوں بھی آپ کو عقلیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اور ممکن ہے عقل و عشق کے مابعد الطبیعیاتی موضوعات کی طرف اسی لئے آپ کی توجہ منعطف ہو رہی ہو۔ "قرآن کریم" کے عنوان سے مولوی فیض الحسن صاحب کا ایک مقالہ بھی جون ۱۹۱۰ء کے رسالہ "صوفی" میں چھپا تھا۔ یہ پرچہ ہے جس میں قبلہ صاحبزادہ صاحب کا "عشق" کے موضوع پر مقالہ شائع ہوا تھا۔ اگرچہ استاد اور شاگرد کا مقابلہ کرنا موزوں نہیں۔ مولوی صاحب کے علم و فضل کا کیا علوم عقلیہ کی مہارت کی بنا تھا۔ اٹھانے میں انہیں بد طولی حاصل ہے۔ لیکن صاحب والاتباع کے مقالہ میں ادب کی جو چاشنی، جذبہ اور خلوص کی جو گرمی، اور خیالات کی جو رفعت موجود ہے وہ نادر الوجود ہے۔ یہ فرق حقیقت میں قال اور حال پر مبنی ہے۔ ایک طرف تو قال تھا۔ اور دوسری طرف حال اور جہاں حال تھا وہاں جذبہ عشق رسائی پہلے ہو چکی تھی۔ اور عقل بھی اب پہنچ رہی تھی۔

اور باتوں کے علاوہ مولوی اور صاحبزادہ صاحب کے انداز تحریر میں بنیادی فرق کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مولوی صاحب پرانے درس نظامی کے تعلم یافتہ تھے اور صاحبزادہ صاحب زمانہ کے جدید رجحانات سے بھی روشناس ہو رہے تھے۔ اسلامیان ہند کو اب جدید ادب اور وکی چاشنی سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا تھا۔ بالخصوص ۱۸۵۷ء کے بعد سر سید احمد اور ان کے رفقاء نے اردو نثر کی طرز قدیم کے مطابق مرصع اور مقفیٰ نہیں رہنے دیا تھا۔ بلکہ اسے سادگی و پُرکاری

روانی کا جوہر عطا کیا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی نے اسے صاف، سادہ، شگفتہ اور فصاحت سے لبریز زبان بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر نذیر احمد کی بے نظیر تصانیف اور عبیدالحلیم شریک کے تاریخی ناولوں نے اسے سلیس و با محاورہ بنا دیا تھا۔ اور سلاست و روانی عطا کی تھی جس سے خیالات بڑی روانی اور جوش سے بیان کئے جاسکتے تھے۔ ان سب کے بعد ابوالکلام آزاد آئے جنہوں نے اردو کو فصیح و بلیغ اور علمی انداز کے ساتھ نطقِ عربی اور شکوہ ترکمانی عطا کیا۔ صاحبزادہ صاحب موصوف ان تمام ادبی تحریرات و نگارشات کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ ان کے کتب خانہ میں اس وقت بھی عبدالحلیم شریک کے مشہور و معروف رسالہ "دلگداز" اور ابوالکلام آزاد کے شہرہ آفاق اخبار "الہلال" کے پرچے محفوظ ہیں۔ اسلامی ہند کے بعد کے مشہور ہفتہ وار اور ماہانہ رسائل مثلاً "پینا" میں ابوالکلام آزاد کی تحریرات چھپتی تھیں۔ "اصلاح" جو سید سلیمان ندوی اور عبدالمجاہد ریادوی کی ادارت میں لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا۔ اور سید سلیمان ندوی کی ادارت میں شائع ہونے والی ادارت المصنفین اعظم گڑھ کا رس "معارف" ان تمام کے پرچے بھی ان کی لائبریری میں موجود ہیں۔ قبلہ صاحبزادہ روزانہ اخبارات کا مطالعہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے نہ صرف یہ کہ آپ حالاتِ حاضرہ سے پوری طرح آگاہ ہو رہے تھے اور بانجبر بلکہ جدید اردو کا مطالعہ کر کے اور اپنی عربی فارسی کی تعلیم سے فائدہ اٹھا کر آپ ایک خاص اندازِ تحریر بھی اپنا رہے تھے جس میں اگرچہ کئی اور نامور ادیبوں کے اسالیب کے اثرات نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کی

سہ یہ وہ معرکہ آرا رسالہ ہے جس کی جلدوں میں سے حاصل کر کے شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور نے مضامین شریک کی آٹھ جلدیں شائع کرائی تھیں۔

سے نسبتاً غیر ہم رسالہ مثلاً خطیب وہلی، تصوف و اسرار تصوف لاہور اور "الفیض" امرتسر کا ذکر بالا راہہ نہیں کیا گیا۔ ان کے پرچے بھی موجود ہیں۔

تکمیل دراصل ان کی اپنی شخصیت نے کی تھی۔

برادرانِ طریقت جب صاحبزادہ صاحب کے مقالات کو پڑھتے تھے تو ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی۔ وہ صدمہ جو انہیں خواجہ محبوب سبحانی کے وصال سے ہوا تھا اس میں تسکین اور راحت کے اثرات نمودار ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی ولی آرزو اور تمنا تھی کی جلالپور شریف کا آستانہ عالیہ اپنی شانِ جلال کے ساتھ ابلا باوتک قائم رہے۔ جب تک عالم کا وجود پایا جاتا ہے۔ یہ درگاہ مقدسہ سرچشمہ رشد و ہدایت اور منبع علم و عرفان بنی رہے۔ اور کشت زار دین و شریعت اس کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے سرسبز و شاداب رہے۔ برادرانِ طریقت جب دیکھتے تھے کہ صاحبزادہ صاحب قلم کے وجودِ مسعود سے انکلتنائیں پوری ہو رہی ہیں۔ تو وہ بے حد مسرور ہوتے تھے۔ وہ لوگ حضرت اعلیٰ سے مستفیض ہونے لگے۔ ان کے قلوب پاکیزہ تھے۔ ان کی نگاہیں قدسی صفات تھیں۔ ان کے قلوب کو جس غذا کی ضرورت تھی اور ان کی نگاہیں جن مناظر کو دیکھنا چاہتی تھیں وہ انہیں صاحبزادہ صاحب قبلہ کی وجہ سے میسر تھے۔ آپ کی فطرت میں پاکیزگی تھی۔ قلب نور معرفت سے معمور تھا۔ زبان پر علم و عرفان کے تذکرے تھے۔ سیرت خلق محمدی کا پرتولنے ہوئے تھی۔ دل میں عجیب و غریب دل لے تھے۔ اس لئے جن لوگوں نے حضرت اعلیٰ کی زیارت کی تھی وہ صاحبزادہ صاحب کی زیارت کر کے سب کچھ حاصل کر لیتے تھے۔ گوہر انوار کے ایک برادر طریقت نور الدین رقمطراز ہیں :-

صوفیائے کرام حکمائے اسلام ہیں اور حکیم صحیح معنوں میں وہی ہو سکتا ہے جو حقائق اشیاء سے باخبر ہو اور ہر ایک چیز کی تہ کو پہنچے اس بنا پر حقیقی معنوں میں صوفی کے لقب سے وہی شخص ملقب ہو سکتا ہے جو اسلامی شریعت کے اسرار و غوامض اور حقائق بوجہ احسن جانتا ہو۔

جن اصحاب کو صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کے نادر و بے بہا مضامین "رسالہ صوفی" میں بڑھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس حقیقت کے آئینہ ہیں کہ صاحبزادہ صاحب اسرار و غوامض شریعت میں مہارت تاقدر رکھتے ہیں اور اس بنا پر آپ بفضل الہی ایک کامل صوفی ہیں اور کیوں کہ نہ ہو آپ والد ماجد سلمہ اللہ تعالیٰ اور جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے اظلال و آثار بفضلہ تعالیٰ آپ کی ذات ستورہ صفات میں ظاہر و ہویدا ہیں۔"

اللہ اللہ حضور کے متعلق یہ رائے ان ایام میں ظاہر کی گئی جب آپ کی عمر صرف انیس برس تھی۔ آپ عین عالم شباب میں اسلامی شریعت کے اسرار و رموز کے ماہر ہو چکے تھے۔ صوفی کامل تھے اور حکیم اسلام۔

اس باب کے مطالب ختم کرنے سے ہم ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ کو تاریخ اسلام سے بڑی دلچسپی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف اور عبدالحلیم شرر کی تحریرات نے اس ذوق کی تربیت میں بڑی مدد دی تھی۔ علاوہ بریں جلالپور شریف سے چند میل کے فاصلہ پر قصبہ ڈنگہ میں بھی ان ایام میں ایک مؤرخ اسلام موجود تھے۔ ان کا نام صوفی کریم الہی تھا۔ صوفی صاحب اسلامیہ سکول راولپنڈی میں مدرس تھے۔ اپنے معمولی مقام کے باوجود ان کے عزائم بلند تھے۔ حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز سے شرف بیعت حاصل تھا۔ ذکر جلیب میں حضرت اعلیٰ کی شان میں ان کی ایک نظم بھی درج ہے۔ جس کے بعض اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

رسالہ صوفی ماہ اکتوبر ۱۹۳۳ء اس رسالہ کی فائل سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ نور الدین بڑے باذوق

ہندگ تھے۔ اور اسلامی موضوعات کے متعلق ان کے مضامین پچھتر ہوتے تھے۔ ۱۱

ای پادشاہ ہر دو جہاں پیر دستگیر

تو واقعی زر مرز نہاں پیر دستگیر

نور محمدی ز جبین تو آتش کار

وصفت بروں وہم گماں پیر دستگیر

ویدم چوروی پاک تو گفتم ہماں نفس

شیخ بزرگ قطب زماں پیر دستگیر

دستم بدست گیر تو ای دستگیر عام

کن دستگیری مثل شہاں پیر دستگیر

صوفی صاحب مرحوم نے تاریخ اسلام لکھی تھی۔ ایک اور شاندار تاریخ بھی

آپ نے تصنیف کی جس کا نام خالد بن ولید ہے۔ اس کتاب کو بڑی شہرت حاصل

ہوئی۔ اور جس طرح لوگوں نے شبلی نعمانی کی تصنیف الفاروق دھڑا دھڑا خریدی

تھی۔ اس کی بھی بڑی قدر دانی ہوئی تھی۔ راقم نے صوفی صاحب کی تاریخ اسلام

قبلہ صاحبزادہ صاحب کے کتب خانہ میں دیکھی ہے۔ حضرت اعلیٰ کی ملت اسلامی سے

گہری دلچسپی نیز کتب تواریخ کے مطالعہ اور اخبارات و رسائل کے ذریعے ہمارے

جواں سال ممدوز ملت مرحومہ کے مسائل حاضرہ، مسلمانوں کی عظمت رفعت اور ان

کے شاندار کارناموں سے آگاہ ہو رہے تھے۔ اور جہاں آپ مسلمانوں کی علم پروری اور

معرفت نوازی کے بستائش گو تھے۔ وہاں ان کی جہاد کوشی اور معرکہ آرائی کے بھی

مداح تھے۔ اور وہ کچھ دیکھنا چاہتے تھے اس کی حقیقت ایک دعا سے یہیں معلوم

ہوتی ہے۔ جو آپ نے اپنے ایک مقالہ کے اختتام پر مانگی۔ درگاہ الہی میں

عرض کرتے ہیں:-

اے خدا اسلام، آشوکت ہماری منظر آنکھوں کو دیکھنی نصیب کیب۔ تیرا

برگزیدہ مذہب، سے جلیب کا چید مسلک خود مسلمانوں کی بلے اعتنائی

سے زوال پذیر ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر اصلی

لے یہ مقالہ رسالہ صوفی بابت دسمبر ۱۹۱۱ء میں اسلامی حقیقت کے عنوان سے چھپا۔ اس وقت آپ کی

عمر، اس سال تھی۔ اس سال آپ کے یہ مقالے بھی اس رسالہ میں چھپے۔ عنفوان شباب اور اکتالیس سال

عبادت، عالم کے تغیرات کا عظیم الشان انقلاب، الطینان قلب، عقل۔ ۱۱۔

مسلمان جن کے دلوں میں تیری اور تیرے حبیب پاک کی محبت مسکن
 لزیں ہو۔ معدوے چند باقی رہ گئے ہیں۔ ہمارے ٹھنڈے دلوں میں شوق
 کی آگ بھڑکا اور ہمیں اسلام کا حقیقی جان نثار بنا۔ ہمیں جنوں مذہب
 میں مجنوں کر دے۔ تاکہ ہم یہ شعر پڑھیں سے

نو بہار است و جنوں چاک گریب ماں مدے
 آتش اقا و بدل جنبش و اماں مدے

اور تیرے حبیب کے مذہب کی اشاعت میں تن من دھن خرچ کر
 دیں۔ مخالفین اسلام کے حملات جو ہر وقت ہم پر واقع ہوتے رہتے
 ہیں۔ ان کے روکنے کے قابل ہو جائیں۔ اسے خدا تو بڑا کار ساز
 ہے۔ تیرے احاطہ قدرت سے بعید نہیں کہ پھر ہماری قوم میں
 خالد جیسے جو انور، عمر بن عبدالعزیز جیسے عادل، حضرت عمرؓ جیسے
 مدبر پیدا ہوں۔ اسے خدا تیری شان کبریائی سے دور نہیں کہ ہمارے دلوں
 میں بلالؓ و اویسؓ جیسی محبت بھڑک اٹھے۔ اور تیرے حبیب کی
 محبت کے جذبات سے ہمارا سینہ آتش اشتیاق سے شعلہ زن
 ہو۔ الہی میری دعا قبول فرما۔ کیونکہ خود تیرا سچا وعدہ ہے کہ :-

”الذُّعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ“

سبحان اللہ کیسی پاکیزہ دعا ہے۔ فقرات آب کوثر سے دھل کر
 نکلے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تحریر ایک سترہ سالہ نوجوان کی ہے۔ جس
 کا دل پُر آرزو پھر شجر اسلام کو بڑی آن بان کے ساتھ ثمر بانے رنگارنگ
 سے لدا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ جامعیت آپ کو اور کہاں نظر آئے گی۔ کیا
 اس صاحبِ زمانہ والا گہر کی باقی ساری زندگی اس دعا کی مفصل اور

مکمل تفسیر نہیں؟ ————— آپ صفحات آئندہ کا
مطالعہ اسی نقطہ نگاہ سے کریں! -



بیبا! بیبا! کہ اگر شوق دیدار سے واری
پہ پہ جلوہ ایست کہ در محل سیمینیت
(رشاد فاروقی)

سفرنامہ حجاز و بلاد اسلامیہ

کہیں شہنم، کہیں کوہر، کہیں تارا، کہیں شہک
 نام کیا کیا نہ مرے درد جگر نے پائے

باب دوم

سفرِ محببت

جلالپور شریف سے ممبئی تک

صاحبزادہ صاحب کی طبیعت میں بچپن ہی سے استقامت کا مادہ موجود تھا۔ سیر و تفریح سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ آپ کے احباب جب بلاد و امصار کی تعریف کرتے اور وہاں کے قابل دید مقامات کی ستائش کرتے تو شوق کی بجائے آپ کے دل میں تنفر پیدا ہوتا تھا۔ آپ نے جلوت پر جلوت کو ترجیح دے رکھی تھی۔ اگر چہ اراد مند کی وجہ سے آپ کو جلوت سے جلوت میں آنا پڑتا تھا۔ لیکن آپ کی حقیقی لطف اوقات تہائی میں نصیب ہوتا تھا۔ عرصہ سے آپ کے دل میں کعبۃ اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے اور وضع نبویؐ کی زینہ سعید کا شوق تھا۔ اماکن مقدسہ کی زیارت سے مشرف

۱۰ آپ کا سفر نامہ رسالہ صوفی میں چھپا تھا۔ گوشمیش کی گئی ہے کہ آپ کے اپنے الفاظ میں اس سفر کا ذکر کیا جائے اس لئے یہ سمجھیں کہ حضورؐ کی دینی زبان مبارک سے ساری داستان سن رہے ہیں۔ ۱۱
۱۲ اس ضمن میں حضورؐ کی اس نعت کا مطالعہ کیا جائے جو حصہ انکم کے آغاز میں درج ہے۔ ۱۰

ہونے کو جی چاہتا تھا۔ مگر فوراً ایک خیال برقی رو کی طرح دل میں کھٹک جاتا تھا

ایسے عالی درباروں میں گنہگاروں کی کیسے رسائی ہو سکتی ہے ۵

صلاح کار کجا و من خراب کجا بہ میں تفاوت راہ از کجا ستا کجا

اشتقاق وید اور جذبہ انکسار کے درمیان اس طرح کش مکش ہو رہی تھی کہ رحمت الہی

یکایک جوش میں آئی مسبب الاسباب نے سبب بہم پہنچا دیئے۔ فقال لما یزید

نے از خود حالات میں موافقت پیدا کی یعنی مقرب القلوب نے دور دراز سفر کرنے

کا ارادہ طبیعت میں پیدا کر دیا۔ اور سفر کو اختیار کئے بغیر کوئی مفر نظر نہ آیا۔ سچ ہے۔

۵ حلقہ در گردنم افگند دوست می بردہر جا کہ خطی خواہ است

ظاہری سبب اس طرح بنا کہ شعبان ۱۲۳۱ھ کی بارہ یا تیرہ تاریخ تھی حضور

کے بعض احباب جمع ہوئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی محمد ہر شاہ صاحب کے دانتوں

کی خرابی کا تذکرہ ہوا۔ لاہور سے علاج کرانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ یہ رانے دی

گئی کہ کوہ مری ایک اچھا قابل ڈاکٹر ہے۔ اس سے علاج کرایا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی

مشورہ دیا گیا کہ صاحب سید محمد فضل شاہ صاحب بھی ساتھ تشریف لے جائیں۔ ماہ

رمضان المبارک اگست کے مہینہ میں آ رہا تھا۔ کوہ مری علاج کرنے کے بعد سفر کشمیر

اختیار کیا جائے۔ وہاں ماہ صیام با آرام بسر ہوگا۔ کسی قسم کی تشنگی اور تکلیف محسوس

ہوگی۔ آپ نے ہاں میں ہاں تو ملا دی مگر بات پسند خاطر نہ تھی رات کو سوئے۔

ایک خواب دیکھا۔ جس کا مکمل اظہار تو آپ نے نہ فرمایا۔ بہر حال یہ بات ضرور معلوم ہو

گئی کہ حضور سرور کائنات مفر موجودات رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ منورہ طلب فرمایا ہے۔ یہ خواب اس سفر کا محرک

اصلی بنا آپ نے احباب کو بتا دیا کہ ہم مناظر کشمیر سے لطف اندوز ہونے

کے لئے نہیں جائیں گے۔ بلکہ مدینہ منورہ کا سفر اختیار کریں گے۔ اور وہاں خواجہ شیر

کے حضور عرض کریں گے۔ سہ

یہ وہ سربے جس ستر کی تر سے دتکے سائی ہے

یہ وہ دل ہے کہ جس دل میں تری الفت سائی ہے

حضور نے اپنے والد ماجد قبلہ ثانی رحمہ صاحب کی خدمت میں اپنا اشتیاق ظاہر کیا اور اجازت طلب کی۔ قبلہ حضرت صاحب پہلے تو متعجب ہوئے۔ مگر بعد میں بطیب خاطر اجازت عطا فرمادی۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب قبلہ نے اس مبارک سفر کے لئے تیاری شروع کر دی اور رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ مطابق اگست ۱۹۱۳ء کے رسالہ صوتی میں ایک مضمون بعنوان "خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں" طبع کرایا۔ اس میں اپنے سفر کے مالہ و ماغلیہ پر روشنی ڈالی اور آپ نے واضح فرمایا کہ انیس سال کی عمر میں احباب سے مفارقت، غریب الوطنی اور پُر از تکالیف و مصائب سفر آپ کیوں اختیار فرما رہے تھے۔ اور کیوں آپ کی زبان پر یہ مصرعہ تھا۔

بہرحقہ باوا بارگشتی در آب انداختیم

آپ سفر حج پر ۱۲ شوال المبارک ۱۳۳۱ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو نیشنل کے روز گھر سے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ دس آدمی تھے جن میں سے آپ کے علم نقیہ کے استاد مولوی محمد سعید صاحب، ملک محمد دین صاحب ایڈیٹر "صوتی" مستری فضل الدین صاحب رئیس اعظم بہرن پور، حکیم مولوی اللہ دین صاحب سکندھلوال اور سید امیر حسین شاہ صاحب سکندھلوال پور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ کے برادران عزیز سید محمد مہر شاہ، سید محمد کرم شاہ اور سید محمود شاہ صاحبان آپ کو لاہور تک پہنچانے کے لئے ساتھ ہوئے۔ راجہ محمد اکرم خان سپرنٹنڈنٹ کیمپو بھی ایک ہفتہ کی رخصت لیکر دہلی تک ہمراہ تھے۔ آپ نے عید الفطر کے دوسرے روز روانہ ہوا تھا مگر آپ کو الوداع کہنے کے لئے برادران طریقیت دو تین روز

پہلے سے آنے شروع ہو گئے اور خاصہ اجتماع ہو گیا۔ مفارقت کا صدمہ ہر ایک کے لئے بیتاب کن تھا۔ علی الصبح پہلے گھر والوں کو روتا پھوٹا۔ بعد ازاں شہر سے باہر نصف میل کے فاصلہ پر اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی پابوسی کی اور جناب مدوح کو اشکبار اور بے قرار دیکھ کر بچشم گریاں اور دل بریاں مخلص ہوئے۔ تین چار سو آدمی کا میل مضطرب دریا تک ساتھ رہا۔ بعض کو وہاں سے رخصت کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ڈیڑھ سو آدمی سلیشن تک جانے کے لئے تین کشتیوں پر سوار ہو گئے۔ کشتی نے دریا کے کنارے کو پھوڑا تو ایک بوڑھے پیر بھائی اللہ بخش نامی نے صدمہ مفارقت سے بیتاب ہو کر نعرہ لگایا اور دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ہمراہیوں میں سے ایک نے غوطہ لگا کر بدقت و دشواری کنارے والے لوگوں کی امداد سے اسے باہر نکالا۔ ایک کشتی میں قوالوں نے غزل گانی شروع کی جس میں جدائی اور فراق کا ذکر تھا۔ دریا کی طغیانی، کشتی کی روانی اور قوالوں کی غزل خوانی سے لطف پیدا ہو رہا تھا۔ کہ ناگاہ آپ کی کشتی میں دو برادرانِ طریقت نمود ہو کر رقص کرنے لگے۔ اور دریا میں کودنے کو دوڑے مگر ہمراہیوں نے پکڑ لیا۔ وہ پھر بھی گرفت سے نکل نکل جاتے تھے۔ اس لئے آپ کی طبیعت سخت منقص ہوئی اور قوالی بند کرادی گئی۔ آدھ گھنٹہ کے قریب ایسی بے کلی رہی کہ الامان۔ مفارقت کا صدمہ علیحدہ تھا اور ان کا گر کر ڈوب جانے کا خطرہ علیحدہ۔ آپ نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی روح سے استمداد کی درخواست کی۔ حضور کے روحانی تصرف اور خدا کی عنایت سے دونوں کا جوش فرو ہوا۔ پھر وہی دوسرے کنارے پر پہنچ کر ان میں سے ایک اللہ اکبر کہہ کر دریا میں کود پڑا۔ جسے ملائح نے فوراً اچھل کر پکڑ لیا۔

قوالی اور
وہ بھول

دریا کے کنارے بہت سے برادرانِ طریقت چالیس پچاس گھوڑیاں لئے آپ کے خیر مقدم کیلئے تیار تھے۔ موضع گڑھی گوہر جان کے ایک راسخ الاعتقاد پیر بھائی نے

خدا بخش خاں ذیلدار نے کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ اور بڑی فراخ دلی اور شوق سے تین چار سو آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ منڈی بہاوالدین کے ریلوے سٹیشن پر جانے سے پہلے آپ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر "صوفی" کے مکان پر تشریف لے گئے جہاں انہوں نے مشروبات کا انتظام کیا ہوا تھا۔ سٹیشن پر خلقت کا بڑا ہجوم تھا۔ کھوے سے کھوا پھلتا تھا۔ راستہ کے سٹیشنوں پر بھی پیر بھائی قدم بوسی سے شرفیاب ہوتے رہے۔ اور لالہ موسیٰ کے جنگشن پر تو جہلم اور اس کے مضافات کے پیر بھائیوں کا بڑا بھاری ازدحام موجود تھا۔ گجرات اور وزیر آباد کے سٹیشنوں پر بھی بہت سے ارادتمند آگئے جنہوں نے حضور پر پھول برسائے۔ برادر طریقت شیخ رحیم بخش تاجر حرم کے اصرار پر آپ نے گوجرانوالہ شب باسٹی منظور فرمائی تھی۔ وہاں سینکڑوں لوگ چشم تھے حضور کے ٹرین سے اترتے ہی پھولوں کی بارش شروع ہو گئی اور جس فتن پر آپ سوار ہوئے وہ پھولوں سے بھر گئی۔ ہجوں کی دلفریب آواز اور لوگوں کے نعرانے مسرت بڑے لطف انگیز اور طرب خیز تھے۔ معززین شہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی اقتدا میں شام کی نماز کئی سو آدمیوں نے باجماعت پڑھی۔ نماز کے بعد شیخ نور الدین تاجر حرم نے بڑی پُراثر اور فصیح و بلیغ تقریر کی جو تصوف کی حقیقت اور اہمیت پر مشتمل تھی۔ اس میں سے ایک اقتباس باب اول کے اختتام پر درج کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد خان بہادر مولوی محبوب عالم نے مختصر مگر نہایت ہی رقت آمیز اور درد انگیز تقریر کی اور جلسہ اس دعا پر ختم ہوا کہ صاحبزادہ قبلہ جو ماسوا اللہ کو چھوڑ کر محض اللہ کے پورے ہیں۔ حج بیت اللہ بلکہ حج رب البیت سے فائز ہو کر بخیریت اپنے وطن مالوہ کو مراجعت فرما ہوں۔ تمام نے متفق اللفظ ہو کر کہا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسَلَامَتِ رُوی و بَا ز آئی

لگے روز بروز جمعہ آپ لاہور پہنچے۔ اس سے پہلے لاہور کو بجائے خود آپ نے

منشی بہاوالدین
اور لالہ موسیٰ
ہجوم نمازیوں

گوجرانوالہ
میں جب تھے

لاہور میں

اپنے ضلع کا صدر مقام جہلم بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اپنے دو روزہ قیام کے دوران
میں عالم جہلم کے اصرار پر آپ نے لاہور کے قابل دید مقامات دیکھے۔ آپ بازار حکیمان میں
علاؤ الدین ٹھیکیدار کے مکان پر فزوکش ہوئے تھے۔ جو ہوا دار اور فراخ تھا۔ اور حکیم
محمد کاظم نے آپ کے لئے ہانگ رکھا تھا۔ نماز جمعہ آپ نے فجر اسلام شہنشاہ
اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۹ - ۱۷۰۷ عیسوی) کی یادگار شاہی مسجد میں ادا فرمائی
آپ اس کی عالیشان عمارت، کشادہ صحن، خوشنما مربع تالاب اور بلند و بالا میناروں
سے بڑے متاثر ہوئے۔ گرمی تھی۔ اس لئے آپ مینار پر نہ چڑھ سکے۔ اس کے بعد
شائقین کے اصرار پر آپ جہانگیر (۱۶۰۵ - ۱۶۲۷ عیسوی) کا مقبرہ دیکھنے کیلئے تشریف
لے گئے۔ ان دنوں دریائے راوی پر کشتیوں کا پل تھا۔ راستہ کی تنگی کے باعث گاڑیاں
نے فٹن کو بڑی احتیاط سے عبور کرایا۔ کوئی ایک سو کے قریب ہمراہی تھے۔ چند
منتخب افراد کے بغیر باقی سارے اجباب ٹرین پر سوار ہو کر شاہدہ پہنچے۔ مقبرہ کو دیکھ
کر خدا کی قدرت یاد آئی اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش دل پر ثبت ہو گیا۔ جہانگیر صیبا سطر
و جبروت شہنشاہ پتھر کے تعویذ کے نیچے ساکت و صامت پڑا تھا۔ اور سکوت کا
یہ عالم کہ کوئی متنفس نظر نہیں آتا تھا۔ - صرف در بان باہر محافظت کر رہا تھا۔ بڑا عبرت
انگیز منظر تھا، عمارت کی بندی، شان و شوکت اور صنعت دیکھ کر ہر ایک مبہوت
رہ گیا۔ آپ مینار پر چڑھے اور وہاں سے دریائے راوی اور ریلوے کا پل دیکھا۔ قابل
نظارہ تھا۔ شاہی مسجد کے صرف تین مینار نظر آتے تھے۔ ایک مینار درمیانی مینار
کے پیچھے اوجھل ہو گیا تھا۔ یہ مغل انجینری کا حیرت انگیز کوشش تھا۔ تہا زت آفتاب کے
باعث واپسی کا ارادہ ٹرین پر ہوا۔ اس لئے فٹن والے کو با د امی بلوغ پہنچنے کی فہمائش
کی گئی جہاں سے سیدھے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانے کا ارادہ تھا۔ ٹرین
کے آنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ اس دوران میں آپ نے مقبرہ نور جہان دیکھا

اگرچہ لارڈ کرزن کی حکومت نے اسے عمارتِ قدیم میں داخل کر کے شکست و ریخت کا کھٹکا نہیں رہنے دیا تھا۔ تاہم بے رونقی کے آثار نمایاں تھے۔ آپ تہہ خانہ میں بھی گئے۔ گو وہاں خنکی تھی مگر اندھیرے میں ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ گاڑی آنے پر آپ بادامی باغ پہنچے۔ فتن تیار تھی۔ سوار ہو کر آپ حضرت وانا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر گئے۔ فاتحہ خوانی کی۔ قریب کی ایک مسجد میں فریضہ نماز ادا کیا پھر ٹھنڈی سڑک پر سیر کے لئے نکلے۔ لانس ہال کے قریب ایک سفید قطعہ اراضی پر مغرب کی نماز ادا کی۔ اونچلی کی روشنی میں انارکلی کا چکر لگاتے ہوئے اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔

اگلے روز نماز کے بعد امداد و وظائف پڑھ کر آپ اپنے ساتھیوں کی معیت میں فٹنوں اور ٹانگوں پر شمالا مار تشریف لے گئے، عمدہ بارہ دری، کٹہرے کے نیچے آبشاریں، وسطی تالاب اور جابجا فوارے لطف انگیز تھے۔ آپ نے باغ کی خوب سیر کی اور اس بات سے متعجب ہوئے کہ باغ میں چار بارہ دریاں ہیں۔ اول ہر ایک بارہ دری سے زمیوں سے نیچے اتر کر پانچ درمیانی حوصل کی سیر ہوتی ہے۔ اس حساب سے بالائی حصہ نچلے حصے سے کہیں بلند تر ہو جاتا چاہئے۔ لیکن باغ کے ارد گرد چکر لگانے سے مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ اندر شیب فراز ہیں۔ زمانہ حال میں بھی فون تعمیر درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ لیکن آج کل کی ناپائیدار اور ظاہر ٹیپ ٹاپ والی عمارتوں کے مقابلہ میں آپ پرانی نادرات زمانہ عمارت کی صناعتی سے حیرت زدہ تھے۔ ان دنوں یہ باغ محض سبزہ ناز تھا۔ اور گھاس کی کٹائی ہوتی رہتی تھی۔ البتہ کچھ گیلے راستوں پر کنارے کنارے رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ شمالا مار باغ شاہان سلف کی ایسی یادگار ہے کہ اگر اس کی نگہداشت ہوتی رہے تو صد ہا سال تک سیاحوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتی رہے گی۔ گو یا سنہ ۱۹۱۳ء کے دورِ غلامی میں آپ کی نگاہیں پکے رہی تھیں کہ ایک ماہ

جب مشرق و مغرب کے بادشاہ، ان کی بیگمات اور دیگر اکابر عالم اسے دیکھنے کیلئے آئیں گے۔ اور باغ اس طرح دلہن کی مانند آراستہ اور پیراستہ ہو گا کہ شاہانِ مغلیہ کا دور نگاہوں کے سامنے پھر جائیگا۔

واپسی پر آپ چڑیا گھر پہنچے۔ منتظمین نے شکایت کی کہ بے زبان جانوروں کو خورا کھ ملتی ہے۔ آپ کی طبیعت ان محبوب جانوروں کی بے قراری اور حالتِ زار کو دیکھ کر پریشان ہو گئی اور جلد باہر نکل آئے۔ پھر عجائب گھر تشریف لے گئے جہاں مختلف قسم کی بے جان چیزیں دیکھیں اور صنایعوں کی ہنر مندی اور کاریگری پر وہ انحقا سے شہود میں آئی۔ تصویروں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ بتوں کا بھی طومار تھا، پرانے پتھر پرانی تلواریں، ڈھالیں غرض بہت سی نایاب چیزیں دیکھیں۔ اگرچہ سفر حج تھا۔ مگر آپ چڑیا گھر اور عجائب گھر دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ قدرت کے دلچسپ مناظر اور اہل ہنر کی دستکاریاں دیکھ کر ان سے سبقت حاصل کرنا اہل بصیرت کے نزدیک مجرم نہیں ہوتا اور اصل سفر حج ذمہ داری اور روحانی دونوں اعتبارات سے آپ کی تعلیم کو منازل تکمیل پر پہنچا رہا تھا۔ وہاں سے آپ چیف کورٹ تشریف لے گئے۔ سنا ہوا تھا کہ لاہور کی قابل ہمد عمارت میں چیف کورٹ کو بھی خاص امتیاز حاصل ہے۔ لیکن شاہی عمارت کی پختگی، مضبوطی اور ویر پائی کے مقابلہ میں آپ کو اس کی کچھ ہستی نظر نہ آئی۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ انگریزی عہد کی عمارتوں میں یہ ممتاز ہے۔ چونکہ ستمبر کی تعطیلات کی وجہ سے کورٹ بند تھا۔ آپ اجلاس نہ دیکھ سکے۔

آپ اپنی قیام گاہ پر مراجعت فرما ہونے تو خلیفہ تاج الدین احمد پلیڈر چیف کورٹ، مولوی محرم علی چشتی اور کرم الہی صاحب پلیڈر یکے بعد دیگرے ملاقات کے لئے آئے۔ گاڑی رات کے ساڑھے آٹھ بجے روانہ ہوئی تھی۔ اسباب تیار کر کے آپ آدھ گھنٹہ پہلے پہنچ گئے۔ پنجاب کے اس مشہور اور بے نظیر جکشن پر خلق

لاہور کے بعض
حضرات نے

لاہور سے واپس

کا از حد ہجوم تھا۔ ہر ایک نفسی نفسی میں مشغول نظر آتا تھا۔ آپ کے ساتھ اسبار کی بہت تھی۔ زائرین بھی بکثرت آئے ہوئے تھے۔ پلیٹ فارم کے ٹکٹ لینے میں دقت پیش آئی۔ بعض احباب نے میاں میر کے ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر آنے کی راہ نکالی۔ گاڑی کی روانگی کے وقت احباب اقارب کی مفارقت کا صدمہ ناقابل برداشت ہو گیا۔ عزیزوں سے جدائی کا غم ایک پہاڑ تھا جو دل پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے بہت تھک گیا، صبر سے کام لیا۔ رونے والوں کو تسلی دی۔ مگر آخر زمام اختیار خود اپنے ہاتھوں سے بھی نکل گئی۔ اور اپنے عزیز بھائیوں کو گلے لگا کر اور احباب سے دوبارہ ہاتھ ملا کر بچشم گریاں اور دل برباں ہو گیا۔ سلام لیتے ہوئے لاہور کے اسٹیشن کو چھوڑا۔ اور اپنی ریزرو سیٹوں پر لیبل لگا کر آپ اور آپ کے سیکنڈ کلاس میں سفر کرنے والے دوسرے مسافری یعنی راجہ محمد اکرم خان سپرنٹنڈنٹ اور مستری فضل الدین ٹھیکیدار آرام سے سو رہے۔

دہلی میں
مدد

صبح کی نماز کے وقت بمبئی میل دہلی کے اسٹیشن پر پہنچی۔ ایک شنبہ تھا اور شول مطابق ۷ ستمبر ۱۹۱۳ء تاریخ تھی۔ آپ کو پتہ چلا کہ جن سہراہمیوں کے پاس براہ راست بمبئی کے ٹکٹ تھے انہیں ریلوے والوں نے رائے ونڈ والی چھوٹی لائن پر بھیج دیا تھا۔ آپ متشوش ہوئے۔ کیونکہ جن کو آپ اپنی گرہ سے خرچ دیکر ساتھ لے چلے تھے ان کے پاس پیسے نہیں تھے اور سامان کی ریلوے رسید بھی آپ کے پاس رہ گئی تھی۔ دہلی میں ہوٹلوں کے ایجنٹ وامن گیر ہو گئے۔ لیکن آپ نے راجہ محمد اکرم خان کو ساتھ لے کر کارونیشن ہوٹل کو پسند فرمایا اور ساتھیوں کو بلا کر وہاں بستر جمایا۔ اگلے صبح فرارخ او ہوا اور تھے۔ اور ملازم بھی اکثر مسلمان تھے۔ دھوپ اور گرمی کی وجہ سے آپ نے فیصلہ فرمایا کہ سورج ٹھلے دہلی کی سیر کو نکلیں گے۔ البتہ ایک موٹر والے سے اسی وقت آمدورفت کے بیس روپے طے کر لئے گئے۔

ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ پانچ آدمی موٹر پر سوار ہو گئے۔ آدھ گھنٹے میں

ہمالیوں (۱۵۳۰-۱۵۵۶ عیسوی) کے مقبرے پر پہنچے۔ یہ مقبرہ پرانی عمارتوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ گو اس پر ہینار نہیں۔ مگر روضہ بڑا عالیشان بنا ہوا ہے۔ ارد گرد شاہی خاندان کی مزاریں ہیں۔ باوجودیکہ عمارت کو تعمیر ہونے سے صد ہا سال منقضی ہو چکے ہیں۔ پھر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کاریگر ابھی عمارت مکمل کر کے باہر نکلا ہے۔ ہمالیوں جیسا باکڑو فر اور خاندان مغلیہ کا ایک جلیل القدر رکن نہایت کس میر سی کی حالت میں صد ہا من پتھروں کے نیچے مدفون ہے۔ سنگ مرمر اور سنگ ٹوٹا جو افراط یہاں ہے وہ مقبرہ جہانگیر میں نہیں۔ عمارت گورنمنٹ کی حفاظت میں ہے اور مرمت ہوتی رہتی ہے۔ یہاں سے عبرت حاصل کرتے ہوئے آپ موٹر پر سوار ہو کر حضرت خواجه نظام الدین اولیاء محبوب الہی (وفات ۱۳۲۴ عیسوی) کی بارگاہ کی طرف عازم ہو گئے۔ دس منٹ میں وہاں پہنچے۔ مزار منظر کھڑے تھے۔ پہلے سنگ مرمر کی مسجد میں نماز عصر ادا کی۔ پھر ایک مزار کو لے کر خواجہ صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے۔ حسب توفیق قدوسی اور دعائے مانگی۔ پھر ملک الشعراء خاقانی، ہند امیر خسرو علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۲۴ھ) کے مرقد اللہ پر گئے۔ وہاں طبیعت از حد مخلوظ ہوئی۔ امیر خسرو کی قبر سے ابھی مستانہ اور البیسی کیفیات ظاہر ہو رہی تھیں۔ نفحات محبوب میں صاحبزادہ صاحب نے اپنے جہاں حضرت محبوب سبحانی خواجہ پیر حسین شاہ کے یہ ملفوظات پڑھے ہوئے تھے:

”ہنوز از قبر امیر خسرو صاحب جوش عشق و محبت چنان ظہور کند کہ زیار کندگان
راتاثر عشق مغلوب کند۔“

اور اب آپ نے اس تاثیر عشق کو خود اپنے قلب میں محسوس کیا تھا۔ اس کے بعد ہمراہیوں کے ساتھ موٹر پر آپ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی رحمۃ اللہ علیہ

کے مزار اقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں ایک بوڑھے میاں نے چرب زبانی سے کام لینا چاہا مگر آپ اپنی مرضی سے پہلے حضرت نضر الدین دہلوی (۱۷۱۶ء - ۱۷۸۵ء) کے مزار اقدس کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ انہی سے چشت اہل بہشت کا فیض پنجاب میں پھیلا تھا۔ اور ہوتے ہوتے اشعہ انوار نبوت جلالپور شریف پہنچی تھیں۔ پھر حضرت قطب الہند کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ بارش ہو رہی تھی۔ حضرت کی مزار پر شامیانہ تنا جوا تھا۔ اور اس سے پانی ٹپک ٹپک کر رہا تھا۔ اللہ اللہ ابرجت کے چھینٹوں سے دربار معطر ہو رہا تھا۔ وہاں توفیق کے مطابق کچھ نذر کی اور سلطان مغلیہ کی بنائی ہوئی دو مسجدوں کو دیکھا۔

اس کے بعد آپ قطب صاحب کی لاٹ تشریف لے گئے۔ پہلے لوبہ کی لاٹ دیکھی اور مسجد کے کھنڈرات ملاحظہ فرمائے سلطان قطب الدین ایبک (۱۲۰۶ - ۱۲۱۰ء) نے جو داغ بیل ڈالی تھی۔ افسوس کہ فلک ناہنجار کی کج رفتاری نے اسے تمام نہ ہونے دیا۔ اور سلطانی ارادہ زمانہ کے منحوس ہاتھوں ملیا میٹ ہو گیا۔ صوفی فطش سلطان شمس الدین التمش (۱۲۱۱ - ۱۲۳۶ عیسوی) نے تکمیل کرنی چاہی مگر

”مادرِ خیر الیم و فلک چھ خیال“

وہ بھی داغ حسرت لئے ہوئے چل گیا۔ کھنڈرات میں صاحبزادہ صاحب قبلہ نے عجیب بات دیکھی۔ یہ آپ کی قوت مشاہدہ کی تیزی اور باریک بینی پر دلالت کرتی ہے۔ پتھروں کے اوپر آیات قرآنی کندہ تھیں۔ مگر بعض گڑے ہوئے پتھروں کے پیچھے بتوں کی شکلیں کھدی ہوئی تھیں۔ ایک واقعہ کار نے بتایا وہاں دراصل ایک بڑا بھاری بت خانہ تھا اور لوبہ کی لاٹ اسی مندر کا مرکز تھی۔ غیر قطب الدین ایبک نے اپنی جہان بینی اور سبکدوشی سے کام لے کر اسی مندر کو الٹا

۱۷ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد اول کے صفحہ ۸۲ پر درج ہے کہ قطب الدین ایبک نے ستائیس مندروں کو مسالے سے ایک سجد تمیز کرانی جس کا یہ مندر اور مذکورہ کتاب اسلامی تھے ۱۷

کر مسجد کی دیوار قائم کی اور رائے پتھورا کی قائم کر وہ لاٹ کو مزید مستحکم اور بلند کر کے اسے مسجد کا ایک مینار بنانا چاہا اور اسی مینار کے مقابل ایک اور مینار کی بنیاد ڈالی۔ لیکن بھی پاس کی ایک منزل بھی تیار نہیں ہوئی تھی کہ سلطان رگڑائے عالم جا ورائی ہو گیا۔ اس کی تکمیل بعد میں سلطان شمس الدین التمش نے ۳۲ — ۱۲۳۱ عیسوی میں کرانی اور اپنے بزرگ اور پیشوا حضرت خواجہ قطب الدین تختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی پر اس کا نام قطب صاحب کی لاٹ یا قطب مینار رکھا۔ ۲۰

جس وقت صاحبزادہ صاحب قبلہ اپنے ساتھیوں کی معیت میں قطب صاحب کی لاٹ کے قریب پہنچے تو سورج مغرب ہو چکا تھا اور تاریکی پھیل رہی تھی۔ دربان دروازہ بند کر کے جا رہا تھا۔ اس نے تاریکی، برسات اور سانپوں کا تذکرہ کر کے پہلے تراشے مگر آپ نے اسے انعام دینے کا وعدہ فرمایا اور وہ لائین روشن کر کے آپ کو اوپر لے گیا۔ پہلی منزل میں ہی دم پھوٹنے لگا۔ مگر آپ نے تکان کے احساس سے بے نیاز ہو کر اوپر چڑھنا جاری رکھا۔ زبان پر یہ شعر تھا:

مشکل نبیت کہ آساں نشود مرد باید کہ ہر اس سال نشود

آخر بہ ہزار دقت اور دشواری آپ اوپر پہنچے۔ وہاں نیچے نظر ڈالنے سے ڈر لگتا تھا لاٹ کی پانچ منزلیں ہیں پہلی اور دوسری ہر ایک ۴۲، تیسری کی ۶۲، چوتھی کی ۷۸ اور پانچویں کی ۱۵۵ سیڑھیاں ہیں بالفاظ دیگر ۳۷۹ زینے طے کر کے لاٹ پر رسائی ہوتی ہے صاحبزادہ صاحب کے حساب کے مطابق چونکہ ایک زینہ ۸ پانچ بلند تھا اس لئے لاٹ کی اونچائی تقریباً ۲۷۸ فٹ ہوئی۔ واپسی پر کسی قسم کی تھکاوٹ محسوس نہ ہوئی۔ سید صاحب کے مقبرے کے پاس آپ نے نماز مغرب ادا کی۔ واپس اپنے مستقر پہنچے تو سخت تکان محسوس ہو رہی تھی۔ کھانے اور نماز عشا سے فارغ ہو کر آپ سو رہے اس طرح کہ عمر بھر ایسی میٹھی

۲۰ انسائیکلو پیڈیا جلد اول ص ۸۳۔ تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی ص ۵ ص ۱۵۱

نہیں نہ سونے ہوں گے۔

اگلی صبح یعنی ۶ شوال المکرم ۸ ستمبر دو شنبہ کو مرغ سحر نے خواب شیرویں سے جگایا مولوی حکیم اللہ دین اور سید امیر حسین شاہ کو آپ نے بمبئی روانہ فرمادیا تاکہ وہاں ریلوے اسٹیشن سے اسباب پھرائیں اور آگے جانے والے ہمراہیوں کو تسلی دیں۔ ہونٹ کے لازم نے شاہی قلعہ میں داخلہ کے پاس لانے میں دیر کر دی اس لئے دس بجے تک احباب کی طرف خطوط نویسی ہوتی رہی۔ پہلے آپ ٹراموے پر سوار ہو کر جامع مسجد پہنچے۔ دہلی کی جامع مسجد لاہور کی شاہی مسجد کے مقابلہ میں آپ کو بہت خوبصورت اور نئی نویلی نظر آئی۔ البتہ جامع مسجد لاہور کا صحن زیادہ وسیع تھا آپ نے مسجد کا گوشہ گوشہ دیکھا۔ سنگ مرمر کا فرش اور اس پر سیاہ پتھر کی مصلیٰ نکالیں نہایت خوشنما معلوم ہوتی تھیں۔ ۸۰۷ مصلیٰ شمار میں آئے۔ عمارت اور اس کے میناروں و دونوں شاہی مسجد لاہور سے زیادہ اونچے تھے۔ ان دونوں ایک شخص مینار سے جھانکتا ہوا گر پڑھا اس لئے اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ سقف میں قیمتی جھاڑ ٹٹک رہے تھے۔ لاہور کی شاہی مسجد بھی خوبصورتی میں کم نہیں تھی۔ مگر بے دین اور متعصب سکھوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اور انہوں نے مسجد کا فرش اکھیر اکھیر کر ساتھ ہی رنجیت سنگھ کی سادھو کاٹھ کی مدد سے مسجد جو کوشش ہاں مغلیہ کے قبضہ تصرف سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ آئی اور انہوں نے قیمتا مسلمانوں کے پاس فروخت کر دی۔ اس لئے یہ اصل حالت پر قائم رہی۔ فرصت کی کمی کی وجہ سے آپ ہیامش نہ کر سکے۔ وہ آپ کا ارادہ تھا کہ شاہی مصلیٰ وسعت معلوم کی غرض سے ان مشہور عمارت کا مفصل حال لکھا جائے۔

مسجد سے باہر آ کر آپ نے پاپیوہ خواجہ حکیم اللہ جہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۸۶۹ عیسوی کے حوالہ سے پرشاد بیانیہ حاصل کیا۔ خواجہ صاحب گنبدی تھے اور چٹا خضریٰ کے نیچے تمام فرما ہیں۔ جہاں سے کی لڑائی سوانی اسٹیشن دھرم پور

ممدوح کو کبیدہ خاطر نہیں بناتی۔ شاید ظاہر میں خیال کریں کہ کسی کو جناب کے روضہ کی تعمیر کا خیال نہیں گذرا۔ اس لئے مزار مبارک گنبد سے خالی ہے۔ لیکن صاحب جزا وہ صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں جہاں تک ان کے اور اک کی رسائی ہے آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ خواجہ صاحب فانی فی اللہ اور باقی باللہ کے مدارج پر پہنچے ہوئے تھے۔ اگر جسم خاکی زمین پر بلائیے زینت رہا تو کیا ہوا۔ ان کی ذات تو خدا کی ذات میں گم ہوگی۔ اس لئے روضہ کا تعمیر نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو ہمایوں اور جہانگیر کے مقبروں پر اُتو بولتے ہیں۔ اور یہاں جو زائر آتا ہے سر نیا زخم کر کے دست بستہ فاتحہ پڑھتا ہے۔ پھر ان میں سے افضل کون ہوا۔

مباروں مانگرم و متال را مادرول را بنگرم و حال را

وہاں صرف سیاح وارد ہوتے ہیں۔ اور اچھے شہدے بھی جاتے ہیں۔ مگر یہاں زائر لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ اور وہی اند آئے کی عہدات کر سکتے ہیں جو عقیدت مندی اور اخلاص رکھتے ہوں۔ یہ دلوں کے مالک تھے اور اب بھی ہیں۔ اور وہ بیچارے چند روزہ حکومت کر کے ختم ہو گئے۔ یہ الفاظ تحریر فرما کر قبلہ صاحب جزا وہ صاحب نے غریب نواز خواجہ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا ذکر کیا ہے۔ حضور نے فرمایا تھا کہ بادشاہ کے ماتھے، عالم کی زبان اور فقیر کے دل پر اسم اعظم کندہ ہوتا ہے۔ بادشاہ اور عالم مرتے ہیں تو اسم اعظم بھی ساتھ ہی مدفون ہو جاتا ہے۔ بخلاف اہل اللہ کے جو زندہ جاوید ہیں اور ان کا دل اسم اعظم کے نور سے ہمیشہ جگمگاتا رہتا ہے۔ واللہ در من قالہ

نندہ جاوید ہیں تیغ محبت کے قلیل یہ شر ٹھنڈے نہ ہوں کبچھکتا و شہما

خواجہ صاحب کی مزار کی زیارت سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور پہنچاتے ہیں۔ قلعہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر قلعہ بند ہو چکا تھا۔ اور محافظ نے چار بجے کھلنے کا وقت بتایا۔ آپ کو افسوس رہا کہ جامع مسجد سے پہلے قلعہ دیکھتے تو وقت بچ جاتا۔ اس لئے نماز ظہر سے

سے فارغ ہو کر آپ پھر ہوٹل سے لال قلعہ دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور بھی بہت سے نو وارد سیاح آئے ہوئے تھے۔ ایک گائڈ نے رہنمائی کا کام انجام دیا۔ آپ فرماتے ہیں قلعہ کی اندرونی حالت بہت سی اصلاح طلب تھی۔ گورنر ملٹن کی باریکیں شاہی عمارت کے سامنے نہایت بھدی اور بے محل معلوم ہوتی تھیں۔ پہلے آپ دیوان عام میں گئے سنگ مرمر کی جو افراط وہاں دیکھنے میں آئی اس کی نظیر نہیں۔ چھت پر دیواروں پر سنہری نقاشی ہے۔ جا بجا پانی کی نہریں بنی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور فوارے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ پانی کا نشان تک نہ تھا۔ ایک دیوار پر چلی حروف سے لکھا ہوا نظر پڑا۔

اگر فردوس بر روئے زمین است بہمن است بہمن است بہمن است

صاحبزادہ صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شعر اس وقت تو مناسب حال ہوگا۔ اب فردوس تو بجائے خورد وہاں ہو کا عالم ہے اور سنسان مقام۔ ایک سیپ کی جالی دیکھی جس کے پیچھے بیگمات بیٹھ کر دربار کا معائنہ کرتی تھیں۔ اس پر لکھا ہوا تھا کہ سپاس لاکھ روپے کی لاگت سے تیار ہوئی ہے۔ مکان کے اندر دیواروں پر جواہرات لگے ہوئے تھے۔ جس وقت شمع روشن کی جاتی تھی تو سارے جواہرات جگمگ جگمگ کر اٹھتے تھے۔ گائڈ نے بتایا کہ جس وقت شاہی بیگمات اس کے اندر بیٹھتی تھیں تو جواہرات کی چمک ان کے قیمتی کپڑوں اور زیورات پر پڑتی تھی۔ اور عجیب شعاعیں پیدا ہوتی تھیں۔ حضور صاحبزادہ صاحب نے بھی بعض ٹکڑے دیکھے جو باقی تھے۔ ایک شخص نے دیا سلائی روشن کی اور مکان میں جواہرات کی چمک صریح نظر آنے لگی۔

پھر آپ شاہی حمام میں گئے۔ تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل میں سرد پانی ہوتا تھا۔ دوسری میں شیر گرم اور تیسری میں خاصہ گرم۔ مکانوں میں بھی علیٰ انہذا القیاس بہت تفاوت تھا۔ تیسری منزل میں ساتھ ہی ایک تخت پوش رکھا ہوا تھا جس پر شاہانِ مغلیہ نماز ادا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں انہوں نے (فضول) عمارتوں اور نایاب یادگاروں پر بیٹھ

روپیہ خرچ کیا اور مال لٹایا وہاں مذہبی فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہ کی۔ کسی زمانے میں عمارت کے نیچے دریائے جمنا کا گند تھا۔ گراب دو تین کوٹھڑیوں کا پھل گیا ہے اور نیچے خندق نظر آتی ہے کئی ایک بھروسے ہیں جہاں سے بادشاہ جھانک کر رعایا کی معروضات سنتے تھے عمارت کو بنے صد ہا سال گزرے مگر ابھی تک سے

”آثار پدیدست صنادرید عجم را“

قلعہ کی استواری، ناقابل تسخیر دیواریں، شاہی عمارتیں، ایک دفعہ انسان دیکھ کر مرعوب ہو جاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے سے

”شہیدہ کے بودماند دیدہ“

بعداً حضور عا جزا وہ صاحب نے موتی مسجد میں فریضہ عمارت کیا۔ نام کی موتی مسجد تھی۔ جتنے لعل و جواہرات تھے وہ انگریزوں نے اکھیڑ لئے تھے۔ بعض ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے اس وقت باقی تھے۔ اور اپنی چمک دکھانے کے لئے کھول کر رکھے تھے۔ مسجد باہر کی طرف سے تو اور مکانات کے مشابہ ہے۔ لیکن اندر کی طرف سے اس میں بڑا سا خم پڑا ہوا ہے۔ باہر تو خوبصورت عمارت کی ہم آہنگی اور یک رنگی کو ملحوظ رکھ کر سیدھی دیوار قائم کی گئی ہے مگر اندر قبلہ کی سمت ٹیڑھا پن دیا گیا ہے۔ اس کے بعد عجائب گھر میں گئے وہاں بہت سے بادشاہوں کی تصویریں ہیں اور ساتھ ہی روحانی حکمرانوں یعنی اہل اللہ مثلاً خواجہ اجمیری، خواجہ قطب، خواجہ فرید شکر گنج اور خواجہ نظام محبوب الہی

سے راقم مرتب نے لال قلعہ ۱۹۶۵ء میں دیکھا۔ آرائش جمال کیسے خام کا جو عطر بیز کمرہ مخصوص تھا اس کے دو انے پر مندرجہ ذیل شعرا اس طرح اندر کی طرف درج ہے کہ بادشاہ بن سنور کر نکلتے تھے۔ تو نگاہ از خود اس پر پڑتی تھی

سے عزم سفر مغرب و ہند در مشرق ای راہرو پشت بہ منزل ہشتاد

علاوہ بریں کہتے ہیں کہ جس روز شاہ جہاں پہلی دفعہ تخت طاؤس پر جلوہ افروز ہوا تو تقریر کی کہ جب کبھی بادشاہ کو اس قدر جلالت و منزلت حاصل ہوئی ہے انہوں نے خدائی دعویٰ کیا ہے۔ یہ سن کر حاضرین دربار (بقیہ صفحہ کے نیچے)

کی تصاویر دیکھنے میں آئیں۔ لیکن سب خود ساختہ ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں
 پرانی طرز کا اسلحہ بھی الماریوں میں رکھا ہوا تھا۔ مرور زمانہ نے اُسے نقصان نہیں پہنچایا
 یہی معلوم ہوتا ہے کہ اب سانچہ سے تیار ہو کر نکلا ہے۔ زرہ بکتر، خود، ڈھالیں، تلواریں
 بھرت تھیں۔ کچھ پرانے سکے بھی تھے۔ وہاں سے نکل کر آپ دیوان خاص میں شریف
 لے گئے۔ یہ عمارت دیوان عام کی طرح وسیع نہیں مگر خوشنما زیادہ ہے۔ تخت کے رکھنے
 کی جگہ اب تک قائم ہے۔ بہت اونچا چبوترہ بنا ہوا ہے۔

تخت گاہ کے سامنے میزان لٹک رہا تھا۔ اور عدل کی طرٹ اشارہ کرتا تھا۔
 بادشاہ ضرور معدلت گستر تھے۔ مگر قبلمہ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں ان کے دل
 نے اس وقت یہی کہا ہے

تو کے بشنوی نالہ داد خواہ بہ کیواں برت کلمہ خواب گاہ

انہی فضول خرچیوں، عیاشیوں، رنگ رلیوں نے تو سلطنت مغلیہ کے
 تناور درخت کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا
 بِاَنْفُسِهِمْ۔ گو جہاں انہوں نے اپنے محلات اور قلعوں کی تعمیر میں روپیہ پانی کی طرح
 بہایا۔ وہاں مسجدوں کی عمارتیں بھی عالیشان تیار کر آئیں۔ مگر یہ سب اسراف تھا۔ فضول
 خرچی تھی۔ اسلام کی سطوت مسجدوں کے میناروں سے ظاہر نہیں ہوتی۔ رسول خدا بانی امت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمر فاروق رضی
 اللہ عنہ کے دور میں کنسی گنبد والی مسجد تیار ہوئی۔ لیکن اسلام کا جو عجب، جو اقتدار، جو
 ہیبت اس وقت تھی اب باوجودیکہ بڑے بڑے شہروں میں مساجد کے برفیاب مینار نظر آتے ہیں اور
 بڑے مشہور جاناں دیو سیاح بھی نہیں دیکھ کر انگشت بندنوں کو جاڑیں۔ مگر جو اسلام کا حال ہے وہ محتاج تفسیر

تھی کہ شاہ جہان بھی اب فراغ اور نمار وہ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ مگر اس نے کہا آپ سب گواہ ہیں
 کہ اس جلالت شان کے باوجود میں خدا کا عاجز بندہ ہوں۔ یہ کہا اور تمام کے سامنے سر بسجود ہو گیا۔ اور
 اپنی عبودیت کا علی رؤس الاشہاد اعلان کیا۔ ۱۱

دبیان نہیں - خیر ۷
فکر ہر کس بقدر ہمتِ اوست

ان بیچاروں نے شاید یہ سمجھ رکھا ہو گا کہ ہم ابدالآباد تک دنیا پر حکومت کریں گے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ایسی سی مستحکم عمارتیں تعمیر کرائیں۔ مگر:

اِيْمَانَكُمْ نُؤَاتِي بِدَارِ خُلُوكُمْ الْمَوْتُ وَتَوَكَّلْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ

آخراپنے ارادے دل میں لئے ہونے اپنی آرزو میں خاک میں ملتی دیکھ کر چل بے
۷ گیا حسن خوبانِ دل خواہ کا ۔ رہے گا سدا نام اللہ کا

عبرت اور حسرت دل میں لئے ہوئے صاحبزادہ صاحب اپنے ہوٹل میں تشریف لائے۔ ہوٹل کے وافر منظر سے آپ بڑے متاثر تھے۔ یہ دہلی کے مشہور بارونق اور خوبصورت بازار چاندنی چوک کے درمیان تھا۔ رات کو نو بجے اجمیر تشریف کی طرف میل ٹرین نے جانا تھا۔ آپ اسباب باندھ کر اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے راجہ محمد اکرم خان بادل ناخواستہ رخصت ہوئے۔ ان کی چھٹی ختم ہو گئی تھی۔ ورنہ بیٹھی تک ساتھ چلنے کا ارادہ تھا۔ چھوٹی لائن، تنگ گاڑی اور درجہ دوم کے مسافروں کی کثرت کے باعث آپ کو ابتدائے سفر میں تکلیف ہوئی۔ لیکن دو ایک آدمیوں کے اترنے کی وجہ سے جگہ مل گئی۔ اور خوب مزے کی نیند آئی۔

صبح بیدار ہوئے تو مٹی سے سارا بچھونا بھرا پڑا تھا۔ آنکھیں گرد آلود ہو رہی تھیں۔ نماز کے وقت گاڑی جے پور پہنچی۔ بعض شائقین کے اصرار پر آپ وہاں اتر پڑے۔ فریضہ صبح ادا کرنے کے بعد گاڑیوں پر شہر تشریف لے گئے۔ پہلے رام باغ دیکھا۔ مصنوعی شعلہ کی سیر کی۔ ساون بھادوں واقعی اسم باستی تھے۔ درختوں اور بیلوں کے اوپر فوارے لٹک رہے تھے۔ ایک کے کھولنے سے سب رواں ہو جاتے تھے۔ اور مصنوعی بینہہ برسنے لگ جاتا تھا۔ باغبان نے آپ کو فواروں کا لطف دکھایا۔ وہاں سے آپ عجائب گھر تشریف لے گئے۔ اس کی عمارت بہت بلند، نہایت خوبصورت

چلیں

اور قیمتی ہے۔ سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا ہے۔ چار پانچ منزلیں ہیں نیچے کی تین منزلیوں میں دنیا کے عجائبات شیشے کی الماریوں میں قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ بالائی دو حصے تفریح گاہ کا کام دیتے تھے۔ جے پور کا عجائب گھر ہندوستان بھر میں بے نظیر مانا گیا ہے۔ اور واقعی جو عجائبات اور نایاب اشیاء وہاں دیکھنے میں آئیں ان کا عشرِ عشیر بھی لاہور کے عجائب خانے میں نہیں تھا۔ خصوصاً جے پور کی تیار شدہ تصویریں اور برتن بہت ہی قابل قدر تھے۔ پتیل کے برتنوں پر نقاشی کا کام بہت ہی قابل تعریف تھا۔ جے پور والوں کی صناعتی اور کاریگری کا سکہ تمام دیکھنے والوں کے دل پر بیٹھ گیا۔ ایک بات نقص والی بھی دیکھنے میں آئی۔ کوئی کمرہ کوئی الماری خالی نہ تھی جس میں جاندار چیزوں کی تصویریں نہ رکھی ہوں۔ گویا عجائب خانہ دراصل بتِ خاشا تھا۔ عقل و شعور سے خالی بت پرست لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹک کر فانی اعنام اور خداوند تعالیٰ کی ذاتِ مقادس میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ وہاں سے آپ چڑیا گھر تشریف لے گئے جو عجائب گھر کے ساتھ اسی باغ میں واقع تھا۔ یہ بھی لاہور کے چڑیا گھر سے بہت اچھا تھا۔ طرح طرح کے جانور پالے گئے تھے۔ لاہور میں کوئی شیر نہ تھا۔ جے پور میں چھ سات مختلف الائوان شیر محبوب تھے۔ قسم قسم کی چڑیاں اور ملک ملک کے بندر قلابازیاں کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ اور بھی بہت سے جانور تھے۔ مگر آپ ایک سرسری نظر ڈال کر شہر کو چل دیئے۔

جے پور کا شہر سارے ہندوستان میں خوبصورت مشہور ہے۔ بازار صاف ستھرے اور فراخ ہیں بازاروں میں ایسی کوئی چیز پکانے کا حکم نہیں جس سے دھواں اٹھے۔ صفائی کا انتظام اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے سب سے بڑھ کر آپ بازاروں کی یک نگی سے محو حیرت ہوئے۔ جو بازار سرخ پتھر کا بنا ہوا تھا وہ اخیر تک اسی رنگ کا چلا گیا۔ اور جو سفید تھا وہ منتہا تک سفید۔ ہائی کورٹ اور چیف کالج کی عایشان عمارتیں دیکھنے میں آئیں۔ دکانیں بھی

بڑے قریبے سے بھی ہوئی تھیں۔ لیکن لوگ بد شکل اور گنوار تھے۔ ان کو دیکھ کر افسوس ہوا
اور زبان پر یہ شعر آگیا ہے

حلو اگدھوں کو دیکھے لوزینہ گاؤ کو اور بین جا کے بھینس کے آگے بجائیے

خصوصاً ان کا طرز تکلم، طریق معاشرت اور لباس نہایت نفرت انگیز تھا۔ خدا کی
قدرت بقول سعدی ہے

اگر روزی بدانش برفسزویے ز ناداں تنگ تر روزی نبودے

نباواں آپنجاں روزی رساند کہ دانا اندراں حمیران بماند

شاہی محلات کو دیکھنے کا شوق تھا۔ لیکن گاڑی کا وقت قریب تھا۔ آپ سٹیشن
پر تشریف لے گئے۔

اجمیر شریف تک آپ کا سفر آرام رہا۔ اگرچہ اٹالین کمپنی بمبئی سے پورٹ سعید
جانے والے سٹیمر پر نشستوں کے لئے خط و کتابت ہو چکی تھی۔ مگر چونکہ آپ ارادہ
تھا کہ پہلے مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف تعیاً کی زیارت سے مشرف ہو
کر فریضہ حج کی ادائیگی کے وقت مکہ معظمہ پہنچ جائیں جسے پور سے آپ نے کمپنی کو ایک
تاکیدی مار روانہ فرما دیا کہ دو سیکنڈ کلاس اور دس تھرڈ کلاس سیٹیں خالی رکھیں۔ رستہ
میں شراب سے مخمور ایک کرانی آپ کے مقابل کی سیٹ پر آ بیٹھا۔ اگلے اسٹیشن سے وہ
ایک عیسائی عورت کو بھی لے آیا۔ اور دونوں باہم فحش باتیں کرنے لگے۔ آپ کی طبیعت
سخت گھبرائی۔ تار کھینچنے کا خیال تھا۔ مگر مستری فضل دین نے کہا اگلے اسٹیشن پر کارڈ کو
کہیں گے۔ مگر خدا کے فضل سے اگلے اسٹیشن پر وہ دونوں اتر گئے۔ آپ عیسائی تہذیب
کے اس مظاہرہ سے سخت متفر ہوئے۔ اجمیر شریف کے اسٹیشن پر دو بزرگ صورت
مزاوروں نے اپنی غیب دانی، طلاقت لسانی، شیریں زبانی اور ڈرافٹانی سے آپ کے
مطیع و منقاد کرنا چاہا کسی ہمسفر یا آپ کے پیشرو ساتھیوں سے انہوں نے آپ کا علیہ

مبارک، حضرت خواجہ محبوب سبحانی کا اسم گرامی اور سیال شریف کا ذکر معلوم کر لیا
 تھا۔ مگر آپ ان کے بھروں میں نہ آئے۔ انہیں باہم دست و گریبان چھوڑا اور دو فٹنوں
 پر اسباب اور ساتھیوں کو لے آپ اسلامیہ ہوٹل کو چل دیئے۔ دیر ہو رہی تھی۔ نماز
 عشاء، اجتماع اور فرمائی اور روضہ اقدس پر صبح حاضری کا ارادہ لے کر سو رہے۔
 صبح نماز ادا کر کے آپ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد النور پر حاضر ہونے
 کے لئے تیار ہوئے۔ رات والا ایک مزا اور آگیا۔ آپ کے استفسار فرمانے پر اس
 نے بتایا کہ مزاروں کے گیارہ سو گھر خانہ شماری میں آئے ہیں جو سب خواجہ غریب نواز
 رحمۃ اللہ علیہ کی خیرات کھاتے ہیں اور خوشحال ہیں۔ بہت سی جاگیر ہے۔ نواب مہاراجے
 بلا امتیاز ہندو مسلم سب خواجہ صاحب کی درگاہ پر حاضر ہو کر بڑی مقدار میں نذریں دیتے
 ہیں۔ بعض مزاروں اور سول کے اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ تاہم وہ اپنا حصہ
 برابر لیتے ہیں۔ آخر آپ مزار صاحب کے ہمراہ گلیوں میں سے گذرتے درگاہ پڑھنے
 عمارت کی علوشان کا کیا کہنا۔ بڑے بڑے متمرّد اور سرکش وہاں پہنچ کر خطابے سے سر نیاز
 خم کر دیتے ہیں۔ پہلے آپ مزار صاحب کے کہنے پر ایک سجادہ نشین کی خدمت میں
 بیٹھے۔ انہوں نے آپ کے سفر کے لئے دعا خیر کی۔ پھر آپ نے ایک حاشیہ نشین کے کہنے
 پر روضہ اقدس کی نذران کے آگے پیش کی۔ اس کے بعد آپ بلا اجازت ہی اٹھ کر روضہ
 شریف کے اندر داخل ہوئے۔ ہندوستان کے بدر منیر، اسلام کے معین، دین
 کے مجدد، خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سبز چادر تانے بیٹھی نیند سو رہے تھے۔ مزار سے
 انوار اور تجلیات کا ظہور تھا۔ اور یہی معلوم ہوتا تھا کہ سارا مکان نور سے بھرا ہوا ہے۔ ایسا
 لطف اور سرور پیدا ہوا کہ

ذوقِ این می نشا سی بخدا تانہ چشتی

فاتحہ کے بعد استماعی۔ بہت آدمی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی روح اطہر

سے استمداد کے لئے جانی کے اندر ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے۔ اور مطالب کی براری اور حواج کے پورا ہونے کے لئے التجا کر رہے تھے۔ باہر قوالوں نے غزل خوانی شروع کی ہوئی تھی۔ صاحبزادہ صاحب کی طبیعت میں از حد انشراح اور روح کو انبساط ہوا۔ قبر بوسی کے بعد آپ باہر آئے۔ ایک مزا اور نے طواف کیلئے کہا آپ نے فرمایا قسمت میں ہے تو کعبۃ اللہ کا طواف جا کریں گے۔ حسب توفیق مسکین اور مستحق اشخاص میں خیرات بانٹ کر اور خواجہ صاحب کے چشمہ، سنگ مرمر کی مسجد، مجلس خانہ اور خواجہ بزمیر کی مشہور دیگوں کو دیکھتے ہوئے آپ اپنے ہوٹل پر مراجعت فرما ہوئے۔ مزا اور کو حق الخدمت عطا فرمایا اور اسٹیشن پہنچ کر بوقت نوبت صبح گاڑی پر سوار ہو گئے۔

طواف تکرار کیجئے
لاکھوں سے

مبئی میں چند روزہ قیام

احمد آباد گجرات سے ہوتے ہوئے اگلی صبح آپ مبئی پہنچے۔ وہاں آپ حاجی نور شاہ صاحب ہمدانی مالک کارخانہ خضاب لاجواب کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ جو در سے آپ کے رشتہ دار تھے۔ مرید نہیں تھے۔ انہوں نے مہمانی کا وہ حق ادا کیا جو مدت العمر یاد رہا۔ ان کا اخلص اور برتاؤ مریدوں سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ آپ وہاں پنجشنبہ ۹ شوال ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۱۳ء کو وارد ہوئے اور چار شنبہ ۱۵ شوال ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۱۳ء تک قیام فرما رہے۔ مبئی جیسے شہر میں بارہ تیرہ آدمیوں کو چھ سات روز تک مہمان رکھنا، وسیع اور ہوادار مکان میں ٹھہرانا اور پر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرنا ہر ایک کام نہیں۔ شاہ صاحب آپ کو اپنا انتظام کرنے ہی نہ دیتے تھے۔ دلی تپاک سے انہوں نے آپ کو اپنا گویہ بنا لیا۔ آپ ان کے بڑے ممنون ہوئے۔ اور زیر بار احسان۔ آپ نے دعا فرمائی

۵ حَمَاكَ اللَّهُ يَمُنُّ شَرَّ النَّوَابِيَا جَزَاكَ اللَّهُ فِي الدَّارِ الْخَيْرِ

حدیث نبوی: مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ۔ اس حدیث پاک



صاحبزادہ والاگریڈ محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی بیٹی میں سفر حج کے موقع پر
(بشکرۃً قاضی غلام فریدی صاحب)

پر صاحب جزا وہ قبلہ عمل پیرانہ ہوتے تو اور کون ہوتا۔

شاہ صاحب موصوف کا مکان ہے۔ جسے ہسپتال کے پاس تھا۔ بمبئی میں مکانا دو منزلہ، سہ منزلہ، بلکہ ہفت منزلہ بنائے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کا مکان پانچ منزلہ تھا۔ حضور کو شاہ صاحب نے تیسری منزل پر جگہ دی۔ آپ کے گمشدہ ہمراہی بھی وہاں مل گئے تھے۔ اور ملک محمد الدین۔ ایڈیٹر "صوفی" بھی ۱۳ ستمبر کو آئے جو لاہور سے واپس چلے گئے تھے۔ اور اب پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ مکان پر سے نیچے ٹرا ہو کر کاجنکشن نظر آتا تھا۔ چاروں طرف سڑکیں گزرتی تھیں۔ اور صبح پانچ بجے سے لے کر رات کے بارہ بجے تک وہ رونق، وہ آمد و رفت، لوگوں کی چیخ پکار اور گاڑیوں اور ٹریوسے کی کھڑکھڑاہٹ رہتی تھی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ قبلہ صاحب جزا وہاں کے لئے عظیم شہروں کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ مگر جس طرح اب تک سفر کے دوران میں آپ کے ذہن رسا نے ہر نئی چیز کا جائزہ بڑی وقتِ نظر سے لیا تھا اور تغیر پذیر ماحول پر آپ کے شخصی تاثرات بڑی سرعت سے غالب آئے تھے۔ اب بھی اسی طرح ہوا۔ مکان کی تیسری منزل سے آپ اردگرد کے مناظر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا کرتے تھے خصوصاً رات کے وقت بجلی کی روشنی عجب بہار آفریں معلوم ہوتی تھی۔ شاہ صاحب اپنی فٹن پر آپ کو سیر کراتے، اپنے احباب سے ملاقاتیں کراتے اور ضیافتوں میں لے جاتے تھے۔ ایک دن آپ کو بمبئی سے بیس بائیس میل کے فاصلہ پر سٹیشن بلاڈ کے قریب اپنے بنگلہ پر لے گئے جہاں شاہ صاحب عیال و اطفال سمیت موسم گرما بسر کیا کرتے تھے۔ سٹیشن کے نزدیک ہی ان کا بھدانی باغ موجود تھا۔ باغ تو معمولی تھا۔ مگر مکان بہت عمدہ تھا۔ دو منزلیں تھیں۔ نہایت صاف اور بمبئی کے تنگ تاریک مکانات کے مقابلہ میں اچھی سمیع اور ہوادار ایک دن شاہ صاحب حضور کو دعوت پر اپنے ایک دوست خواجہ اسمعیل کے ہاں لے گئے جہاں خواجہ قوم کے ایک معزز فرد سلیمان پیر کو الوداعی پارٹی

دی جا رہی تھی۔ سلیمان حج پر جا رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خواجہ قوم میں سے کوئی آدمی اس عمر میں حج کو چلا ہو۔ اس سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جہاں بمبئی کے باشندے متول میں بڑھے ہوئے ہیں وہاں بے دینی اور فرائض کی عدم ادائیگی میں بھی ممتاز ہیں۔ میمن آباد خواجہ قوم کے کوئی تین چار سو معزز افراد شامل ہوئے۔ اکثر بے دین دکھائی دیتے تھے البتہ بعض میمن صاحبان کی لمبی ڈاڑھیاں دیکھ کر ان کے متعلق دل میں نیک گمان گزرتا تھا۔ ورنہ اصل حال تو عالم الغیب جانتا تھا۔ کھانا بہت ہی پر تکلف تھا۔ ایک وقت کا کھانا آپ نے خواجہ فضل کریم ساکن پنڈوا دن خاں کی دعوت پر ان کے مکان پر جا کھایا۔

بمبئی میں آپ کو چھ سات روز اس لئے گزارنے پڑے کیونکہ سٹیمروں پر نشستیں حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ حضور کے ایک معتقد عبداللہ میاں کھنڈانی کا جہاز لاوا ۱۳ ستمبر کو جدہ روانہ ہو رہا تھا۔ کرایہ بھی معمولی تھا۔ کفایت شعاروں نے آپ کو ترغیب بھی دی۔ مگر آپ پورٹ سعید اور شام کے رستے پہلے مدینہ منورہ چلا تے تھے۔ اس جہاز کے ذریعے آپ کا ارادہ پورا نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے ناوار اور کم خرچ ہنگاموں کو اس پر بھیج دیا۔ اول اپنے کٹنایسے جہازوں کی تلاش شروع کر دی جو پورٹ سعید جاتے تھے۔ جدہ کی نسبت یہ راستہ قابل ترجیح تھا۔ حاجیوں کے مخصوص جہازوں کو لوگوں کو بھوکھلا کر ٹھونس ٹھونس کر بھرا جاتا تھا۔ اس لئے ان دنوں عموماً آرام پسند اور متوسط طبقہ کے مسافران جہاز پورٹ سعید کا آرام وہ سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ دو روز اس لئے دیر ہو گئی کہ پارسیوں کا تہوار تھا۔ اور سب دفاتر بند تھے۔ اٹالین کمپنی کا سٹیمر آپ کو نہ مل سکا۔ کیونکہ اس میں صرف درجہ دوم کی نشستیں خالی تھیں۔ درجہ سوم کی کوئی نشست خالی نہیں تھی آخر کار سورت کے رہنے والے ایک دلال سید ورنے پانچ روپے فی ٹکٹ دلالی لے کر آپ کو انگریزن کے اولیپیا نامی جہاز پر دس ٹکٹ لے دیئے۔ جس نے ۱۶ ستمبر کو

روانہ ہونا تھا۔

دلال اور حاجی

دلالوں کی وجہ سے آپ کو بڑا تلخ تجربہ ہوا۔ بمبئی میں حاجی کا لفظ نہایت حقارت سے پکارا جاتا تھا۔ اور ہر ایک چاہتا تھا کہ امان مقدسہ اور عربین شریفین کے زائروں کی کھال تک اتار لی جائے۔ دوکاندار حاجی کو اس طرح طبع آلودنگاہوں سے دیکھتے تھے کہ نام پڑتے ہی چار آنے کی چیز کی قیمت بڑھا کر ایک روپیہ کر دیتے تھے۔ دلال تو بالکل قصاب تھے۔ جو بے چارے حاجیوں کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ کئی ایک سادہ لوح اپنی ساری پونجی دلالوں کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ مکہ معظمہ کے معلموں کے یہ لوگ سکے بھائی تھے۔ محافظ حجاج کی بھی دلالوں سے ساز باز نظر آتی تھی۔ ایک دلال محبوب علی نامی نے آپ کی طرف سے مایوس ہو کر پولیس کو اطلاع کر دی۔ اس لئے پولیس کا ایک سپاہی ایک دلال کو پکڑ کر آپ کے ہمراہیوں کے پاس لے آیا۔ اور پوچھا کہ کیا اسی نے آپ کو پورٹ سعید کا ٹکٹ لے دیا ہے۔ جب کہ جہاز کو جدہ کے بغیر اور کسی رستہ سے جانے کی اجازت نہیں۔ آپ کو نہایت فکر اور تردد لاحق ہوا کہ کہیں رنگ میں بھنگ نہ پڑ جائے۔ مگر بحمد اللہ وہ آپ کا دلال نہیں تھا۔ اس لئے آپ کے ہمراہیوں نے کہا یہ ہمارا دلال نہیں اور بلا ٹکٹ گئی۔ آپ نے سفر نامہ لکھتے ہوئے اہلی غرض ہی مد نظر رکھی تھی کہ مسافرین جہاز کو ان تمام لوگوں کی عیاریوں سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

بندر حاجی

بحری جہاز کی ٹکٹوں کے لئے آتے جاتے یا ایسے فرصت کے اوقات میں حضور نے بمبئی کے قابل دید مقامات کو بھی دیکھا۔ حاجی نور شاہ کی فٹن پر بمبئی کے خوشنما بازاروں میں سے گذرتے ہوئے آپ بندر حاجی علی شریفین لے گئے۔ اور سمندر کا منظر دیکھا۔ اور بھی بہت سے شائقین سیر و تفریح میں مشغول تھے۔ وہاں سمندر کے بیچ میں حاجی علی صاحب کب مزار ہے۔ صدیوں سے یہ عمارت پوہی کھڑی ہے۔ سمندر

کی موجوں کا تلاطم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور پہنچائے بھی کیسے۔

اگر گیتی سراسر بلا گیسو چراغ مقبلہ لالہ ہرگز نہیں

حاجی علی بسند سے واپس آتے ہوئے آپ کی فٹن ایک موٹر سے ٹکرائی۔ محافظ حقیقی نے حفاظت فرمائی۔ فٹن کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ البتہ موٹر کا ایک سپرہیہ ٹوٹ کر الگ جا پڑا۔ اور یورپین جو اس پر موجود تھے نیچے کود پڑے۔ ۱۰ شوال مطابق ۱۲ ستمبر جمعہ کی نماز کیلئے آپ ٹراموئے پر سوار ہو کر جامع مسجد مبسوطی میں گئے جو مارکیٹ کے قریب ہے۔ جمعہ پہلے ادا ہو چکا تھا۔ نماز پڑھ کر آپ نے مسجد دیکھی۔ دو منزلہ عمارت تھی۔ اگرچہ دینداری کی طرف لوگوں کی کم توجہی اور عدم رجحان کی شکایت عام تھی۔ لیکن مبسوطی کے مسلمان مسجدوں کی آرائش اور زینت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ جامع مسجد کی وسیع اور عالیشان عمارت اپنی نظیر آپ ہے۔ گو اس میں وہ پائیداری اور شان و رفعت نہیں تھی جو شاہی مسجدوں میں دیکھنے میں آئی تاہم عوام الناس کی ہمت قابل داد تھی جنہوں نے کمال دریا دلی سے روپیہ لگا کر ایسی بے نظیر عمارت بنائی۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ کو بتایا گیا کہ ان دنوں مسجد کی ملحقہ دکانوں کی آمدنی بیس ہزار روپیہ ماہوار تھی۔ اور مسجد فنڈ میں کئی لاکھ روپے جمع تھے۔

اسی روز یعنی ۱۲ ستمبر کو عصر کے وقت نور شاہ صاحب پہلے تو آپ کو فٹن پر ایک پارسی بیرٹر کے پاس لے گئے۔ اور جہاز میں نشستوں کے حصول کے لئے اس سے گفت و شنید کی اور بعد میں ایک گراؤنڈ میں لے گئے۔ جہاں کرکٹ کا میچ ہو رہا تھا۔ ہندو اور یورپین لوگوں کا مقابلہ تھا۔ اس سے ایک روز پہلے پارسیوں اور مسلمانوں کا میچ ہوا تھا اور مسلمان جیت گئے تھے۔ مسلمانوں نے اب فاتح ٹیم سے کھیلنا تھا۔ ہزار ہا تما شبین میچ دیکھ رہے تھے۔ صد ہا معززین کرسیوں پر متمکن تھے۔ مختلف درجوں کے ٹکٹ تھے۔ دور دور تک جال تنا ہوا تھا۔ اس کے باہر بھی شائقین ہزاروں کی تعداد میں کھیل دیکھ رہے

تھے۔ زیادہ تعداد انگریزوں اور پارسیوں کی تھی۔ کئی ایک شوقین اپنی اپنی موٹروں، ٹنوں، موٹر سائیکلوں اور سائیکلوں پر کھڑے تھے۔ آپ نے بھی چار منٹ فٹن ٹھہرائی۔ اور پھر اپالو بندر پر چلے گئے۔ جہاں صد پارسی اور پارسنیں آزادانہ سیر و تفریح میں مصروف تھے اور بیسیوں فٹنیں اور موٹریں کھڑی تھیں۔ سمندر کا نظارہ قابل دید تھا۔ جس طرف نگاہ جاتی تھی پانی ہی پانی نظر آتا۔ گھاٹ بہت عمدہ بنا ہوا تھا۔ وہاں تھوڑی دیر سیر کر کے مغرب کی نماز آپ نے ایک فٹن کی آڑ میں ادا فرمائی۔ اور پھر شاہ صاحب کے اصرار پر تاج محل ہوٹل دیکھنے کیلئے تشریف لے گئے، جو اپالو بندر کے ساتھ بنا ہوا ہے۔ ہوٹل کی سرفراک عمارت قابل دید تھی۔ اندر صد ہانگ اکل و شرب میں مصروف تھے۔ جس میں زیادہ عنصر پارسیوں کا تھا۔ وہاں شاہ صاحب موصوف نے قبلہ صاحبزادہ صاحب کو بھی کلمفی ملانی کھلائی۔ ہوٹل کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ بجلی کی روشنی نہایت دلفریب تھی۔ ملازم چست و چالاک تھے۔ لیکن ہر طبقہ کا وہاں گذر نہیں تھا۔ متوسط طبقہ اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے شاہ جہان ہوٹل بہتر تھا۔ کیونکہ کرایہ دس روپے کمرہ کی بجائے تین روپے یومیہ تھا۔ باقی اخراجات بھی کم تھے۔ اور ملازم سب کے سب مسلمان تھے۔

آپ نے مشہور اخبار ٹائمز آف انڈیا کا دفتر دیکھا۔ ہزار ہا کمپازٹرز (الفاظ اور عبارات کو ترتیب دینے والے) اخبار ٹائپ کر رہے تھے۔ اور ہر طرف انواع و اقسام کی مشینیں دکھائی دیتی تھیں۔ آپ نے گھڑیوں کے مشہور کارخانہ ویسٹ اینڈ ولچ (West End Watch) کی بھی سیر کی یعنی بمبئی کا شہر آپ کو دنیا سے جدید اور اس کی ایجادات و اختراعات سے متعارف کرارہا تھا۔ آپ گودی پر بھی گئے اور بڑے شوق سے سیٹروں کو دیکھا۔ ہمایوں، زینزل، لاوا، اولپیا وغیرہ کئی سیٹر دیکھے۔ کسی پر جرتھیل کے ذریعے سامان لاداجا رہا تھا۔ کسی سے اتارا جا رہا تھا۔ اور

کسی کو صاف کیا جا رہا تھا۔ اٹالین اور انگریزوں کے دفتر دیکھے اور ان کا طریق کار معلوم کیا۔ اپنے بڑے اشتیاق سے ہندوستان کی دو مشہور ریڈیو بی بی اینڈ سی آئی اور جی۔ آئی پی کا مقام اتصال بھی دیکھا۔ گویا نئے زمانہ کی ہوا بھی اور اس کے حیرت انگیز امکانات آپ کے رعبے تھے۔ اور دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے تھے۔

آپ رانی باغ دیکھنے کیلئے بھی تشریف لے گئے۔ جہاں جانب خانہ اور چڑیا گھر میں کوئی خاص قابل ذکر بات نظر نہ آئی۔ جے پور کے منیجر صاحب خانہ اور ہندوستان بھر میں بے مثال چڑیا گھر کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہ تھی۔ دوڑو بس لاہور کے جانب خانے اور چڑیا گھر کے لگ بھگ تھے تاہم بعض شائقین انہیں نہایت اشتیاق سے دیکھ رہے تھے۔ پتہ ہے۔

حدائق بہشتی را دوزخ بود اعلان اور دُنیاں پُرس کہا عوان بہشت

جس روز آپ شاہ صاحب کا بنگلہ دیکھنے گئے تھے حضرت مریم علیہا السلام کا عرس تھا۔ اس لئے عیسائیوں کی عام آمدورفت تھی۔ گاڑیاں آدھ آدھ گھنٹہ کے بعد روانہ ہو رہی تھیں۔ شاہ صاحب کے ایثار آپ نے عرس دیکھا۔ رجا کی سر منزل عمارت خوشنما اور بلند تھی۔ نیچے نظر ڈالنے سے سمندر کا نظارہ بڑا دلکش نظر آتا تھا۔ مکان زائرین سے کچھ کچھ بھرا تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی مطلقاً تصویر کے سامنے مومی شمعیں روشن تھیں۔ دو تین پاکیزہ صورت پادری سیاہ لباس پہنے دکھا پڑھ رہے تھے۔ دوسرے حاضرین فونو گراف کے ساتھ گیت گارہے تھے۔ بکوت کا وہ عالم تھا کہ ہزاروں زائرین میں ایک بھی بات نہ کرتا تھا۔ پادری حضرت مریم کی تصویر کے سامنے بار بار بڑے تزلزل اور انگساری سے جھکتے اور سجدہ کرتے تھے۔ ان کی آواز کے ساتھ فونو گراف کا زبردست ڈراما پڑا پڑا سرا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن تعریف

مریم علیہا السلام

الاشیاء باضدادھا۔ کجا اسلام کی سادگی اور بے ریا عبادت اور کہا
یہ تصنع اور بناوٹ، کجا خدائے واحد کی پرستش اور کجا یہ بت پرستی سے
سہ فزہی چیزے وگرا تا س چیرے دیگر است

آپ چار پانچ منٹ اوپر کی منزل میں کھڑے رہے۔ دعائے خاتمے پر زائرین
نے حضرت مریم کی تصویر کے آگے نذر پیش کی۔ عموماً موسم تباہیاں پیش کی جاتی تھیں۔ بعض
بعض نے نقد نذرانہ دیا۔ صاف نظر آتا تھا۔ تصویر فرضی اور مصنوعی ہے۔ شیر خوار حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو ہاتھ میں اٹھایا ہوا تھا۔ اوپر کی منزل میں دیواروں کے ساتھ مختلف
تصویریں تھیں۔ کہیں حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھائے جا رہے تھے۔ کہیں ان کے
ہاتھوں میں میخیں گاڑی گئی تھیں۔ اور کہیں حضرت مریم برہنہ سرور رہی تھیں۔

جمع سے باہر نکلے تو ایک عجیب سا نمہ جاں فرسا نظر پڑا۔ ایک ڈرائیور اس
جمع عظیم میں بے خوف و خطر تیز رفتاری سے موٹر چلائے آ رہا تھا۔ ایک معزز عیسائی
اس کے نیچے آگیا۔ اگرچہ خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اسے بچا لیا مگر زائرین نے
دھول دھپوں سے ڈرائیور کا وہ پلین نکالا کہ تو بہ ہی بھلی۔ رستہ میں گداگر عجیب حدیث کنائی
کے ساتھ دست سوال دراز کر کے مختلف کلمات دھراتے ہوئے بھیک مانگ رہے
تھے۔ گاڑی پر سوار ہو کر آپ اسٹیشن ماہم شریف پر اترے۔ ایک میل کے فاصلہ پر
حضرت فقیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک تھا۔ وہاں فاتحہ پڑھا۔ حسب توفیق نذر
دی۔ بیٹی کے ہمین بھی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مزادلوں نے حضرت
مرحوم کے حالات سے لاطمی کا اظہار کیا۔ اس رات گلبرگہ شریف کے سجادہ
نشینوں میں سے سید قاسم چشتی آپ کی ملاقات کیلئے آئے۔ اچھے قابل اور بقی آ
ہم تعلیم یافتہ تھے اور بیٹی میں قیام پذیر تھے۔ ان سے مختلف موضوعات پر تبادلہ
ہوتے رہے۔

۱۳ شوال مطابق ۱۵ ستمبر کو آپ اسمعیلیوں کے امام حسن علی شاہ آغا خان اول کے روضہ دیکھنے کے لئے گئے۔ سید نور شاہ صاحب اور مستری فضل الدین آپ کے ساتھ تھے۔ اندر جانے سے دربان مغل ہوا۔ صرف شیعہ حضرات آغا خانوں کو اندر جانے کی اجازت تھی۔ لیکن شاہ صاحب اُسے باتوں میں لگا کر سب کو اندر لے گئے۔ بہت سے زینے طے کرنے کے بعد روضہ آیا۔ بڑی عالیشان عمارت تھی۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق ہمایوں کے مقبرہ کے بغیر اور کوئی مقبرہ اتنا بلند نہیں۔ قبر درمیان میں ہے۔ دیواروں پر تصاویر آویزاں تھیں۔ ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ علیہم کی تصاویر تھیں۔ مگر فرضی اور خود ساختہ معلوم ہوتی تھیں۔ آغا خان سوم، اس کے باپ علی شاہ اور اس کے دادا حسن علی شاہ کی تصاویر بھی تھیں۔ ویسے تو روضے کا کام سادہ تھا۔ لیکن اس کے اوپر سونے کا کلس تھا جس پر ۷۵ ہزار روپے خرچ ہوئے تھے۔ اندر مزار

۱۷ حسن علی شاہ (۱۸۰۰ تا ۱۸۸۱ عیسوی) ایران کے بادشاہ فتح علی شاہ قاجار کے داماد تھے۔ ان کے کرمان کے موروثی حکمران۔ محمد شاہ ایران سے جنگ ہوئی اور شکست کھا کر بلوچستان کے رستے ہندوستان پہنچے اور ممبئی میں سرکار برطانیہ کے زیر سایہ پناہ گزیں ہوئے۔ انہیں اپنے آباؤ اجداد پر ناز تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ سید الشہداء کے حرم محترم شہزادوں کے ذریعے ساسانی بادشاہوں سے بھی سلسلہ ملتا تھا۔ ان کے آباؤ اجداد مصر کے حکمران رہے تھے۔ ان کے بنو قاطم کہلاتے تھے۔ اسمعیلیوں کے روحانی پیشوا تھے۔ اور زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ مختلف مواقع انہوں نے انگریزوں کی بڑی مدد کی۔

۱۷ آغا خان سوم کا نام آغا سلطان محمد شاہ (۱۸۷۷ - ۱۹۵۷ عیسوی) تھا۔ ان کا روضہ مصر میں دریائے نیل کے کنارے اسوان بند کے قریب ایک گاؤں میں ہے۔ یہ بھی زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ اور اسلامیان ہند کے بڑے خیر خواہ۔ انہوں نے اپنے پوتے شہزادہ کریم کو اپنا جانشین مقرر کیا جو موجودہ آغا خان ہیں۔

کے اوپر بھی مٹلا کس تھا۔ بتایا گیا کہ یہ بالکل ٹھوس سونے کا بنا ہوا ہے۔ وہاں سے آپ ایک ایسے چوک میں گئے جس سے سات راستے مختلف سمتوں کو نکلتے تھے۔ بیچ میں کھڑے ہو کر نظر ڈالنے سے ساتوں کے سات بازار آنے جانے والے لوگوں سے کچھ کھینچ دکھائی دیتے تھے۔ اگلے روز یعنی ۱۶ ستمبر کو رات کا کھانا تناول کرنے کے بعد شاہ صاحب آپ کو سمندر کا منظر دکھانے کیلئے چو پائی پر لے گئے۔ اس کا بندر سمندر کے کنارے سے تھوڑا سا مٹا ہوا ہے۔ چاندنی رات تھی بحر منہ کی سطح اور اس کی امواج کھلے آسمان کے نیچے چاندنی میں عجیب طور پر سحر آفرین نظر آتی تھیں۔ دیگر شائقین بھی سیر و تفریح کے لئے گئے ہوئے تھے۔

آپ اب ممبئی کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے۔ لاہور سے لے کر ممبئی تک تمام شہروں کو آپ نے بنظر غائر دیکھا تھا۔ کلکتہ کے حالات بھی آپ نے لوگوں کی زبانی سنے اس ایک ہی سفر میں کم عمری کے باوجود اپنی خداداد ذہانت، وقت نظر، ذوق علم اور شوق تفتحص و جستجو کی بنا پر آپ ہندوستان بھر کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہو چکے تھے۔ برصغیر کی تاریخ، اس کا جغرافیہ، اس کی عمرانی اور معاشی حالت اب آپ کی نگاہوں کے سامنے کھلی ہوئی کتاب کی مانند موجود تھی۔ شاید ہی کسی نوخیز سیاح نے اس تیزی اور مستعدی سے حالات کا جائزہ لیا ہوگا جو لیس سیزر (۱۰۲ تا ۴۴ ق۔ م) سے جب پارلیمنٹ کے ارکان نے اس کی فتوحات کی داستان سننی چاہی تو وہ کھڑا ہو گیا۔ تین نہایت ہی مختصر اور سادہ فقرات میں اس نے اپنی ساری داستان سنا دی۔ ان فقرات کے اختصار اور بے ساختہ پن نے بتا دیا کہ فتح و نصرت نے کس سرعت سے اس کے قدم چومے تھے۔ اس نے کہا۔ "میں آیا۔ میں نے دیکھا اور میں نے فتح کیا"۔ تمام سن کر دم بخود رہ گئے۔ ہمارے صاحبزادہ صاحب قبلہ بھی ایک ہی نگاہ میں تمام دنیائے عالم کو فتح کر چکے تھے۔

میں آیا میں نے دیکھا اور میں نے فتح کیا

رسالہ صوفی میں طبع شدہ اپنے عشق و اے مضمون سے وہ لامکان کے حدوں میں پہنچ گئے تھے۔ اور اپنے اس مبارک سفر کی بدولت وہ مکان اور اس کے مکینوں کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہو رہے تھے۔ تمام شہروں کا مقابلہ کر کے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بمبئی کا شہر تمول، خوبصورتی، رونق اور کثرت آبادی کے لحاظ سے واقعی ہندوستان کا سرتاج ہے۔ اور اگرچہ کلکتہ کی آبادی بمبئی سے زیادہ ہے۔ لیکن بمبئی جیسے دلکش مناظر وہاں نہیں اور نہ وہاں کے لوگ ہی اس قدر فارغ البال ہیں۔

بمبئی میں چند روزہ قیام سے آپ کی طبیعت بحری آب ہوا سے اچھی طرح مانوس ہو چکی تھی۔ یہ شہر ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ جو پل کے ذریعے برصغیر ہند سے ملا ہوا ہے۔ آپ نے اپنا سامان تیار کر لیا تھا۔ اور دلال کے کہنے پر بندلوں پر لیبل بھی لگائے تھے۔ تاکہ سیکنڈ اور تھرڈ والوں کے اسباب میں امتیاز ہو سکے۔

مکرمی سفر

۱۵ شوال ۱۳۳۱ھ بروز چہار شنبہ مطابق ۷ اکتوبر ۱۹۱۳ء آپ کا اولیٰ پیمانہ روانہ ہو رہا تھا۔ آپ صبح سویرے بیدار ہوئے۔ غسل فرمایا۔ کپڑے بدلے۔ اور اسباب لے کر ہرا بیوں کے ساتھ جہاز کی گودی میں پہنچ گئے۔ آپ کا کمرہ درجہ دوم کی بجائے درجہ زائد (Extra class) کہلاتا تھا۔ دو سیٹیں تھیں۔ ایک فالتو نشستگاہ تھی۔ بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے کا انتظام موجود تھا۔ مگر رنج حاجت کیلئے درجہ سوم کے پاخانہ میں جانا پڑتا تھا۔ غسل خانہ کا بھی کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ آپ کو افسوس ہوا کہ اگر دلال کے ذریعے وقت پر پتہ چل جاتا تو

آپ درجہ اول کی سیدٹ لے لیتے۔ ویسے آپ کا کمرہ اگرچہ اتنا وسیع نہیں تھا۔ لیکن تنگ بھی نہیں تھا اور بڑا آرام دہ تھا۔ گودی کے ایک کمرے میں ڈاکٹر نے پہلے درجہ اول اور درجہ زائد کے مسافروں کا طبی معائنہ کیا اور ٹکٹ دیئے۔ بعد میں باقی مسافروں اور آپ کے ہمراہیوں کا طبی معائنہ ہوا۔ الحمد للہ آپ کے ہمراہی سارے تندرست تھے۔ سب کو ٹکٹ مل گیا۔ دو ایک مسافر بیمار تھے۔ ڈاکٹر کے حکم سے پولیسنگ ان غریبوں کو بیک بینی و دو گوش گودی سے باہر نکال دیا۔ ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد آپ جہاز پر سوار ہو گئے۔ اب سامنے بے پایاں سمندر تھا۔ اور اس کے جاں فرسا طوفان۔ مگر ایک بلند مقصد کی خاطر آپ ان سب کے بے خطر ہو چکے تھے۔

دیں دیکھئے بے پایاں دین طوفانِ جاں فرسا دل افگندیم بسم اللہ مجھو ہا و مڑسہا
قبلہ ثانی صاحب کے حرب ایما، منشی غلام محمد لائل پوری مہبئی تک آپ کے
ہمراہ آئے تھے۔ سیٹ پر سوار ہونے سے پہلے انہیں رخصت کر دیا گیا۔ آپ نے
کچھ پیغامات دیئے۔ اور گھروں میں درجہ بدرجہ سلام اونیاز عرض کرنے کی فہمائش
کی۔ سید نور شاہ صاحب نے بڑے تپاک سے آپ کو الوداع کہا۔ بھولوں
کا ہار آپ کے گلے میں ڈالا اور اسے نیک شگون سے تعبیر کیا۔ آخر سیٹ پر چل پڑا۔ آہستہ
آہستہ ساحل دور رہنے لگ گیا۔ اگرچہ دیار حبیب کی محبت آپ کو کشاں کشاں
لئے جا رہی تھی۔ مگر وطن سے جدائی بھی طبیعت پر افسردگی طاری کر رہی تھی۔
آپ اپنے وطن کے ساحل کو محسوس کر رہے تھے۔ زبان پر بسم اللہ
مجڑہا و مڑسہا جاری تھا۔ خاموش نگاہیں کچھ دیر تک دور رہتے ہوئے ساحل
کو دیکھتی رہیں۔ آپ زبان حال سے کہتے رہے

دردیوارِ پھرستک نظر کرتے ہیں۔ خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

جہاز میں درجہ سوم کے ۵۶ مسافر سوار تھے۔ درجہ اول کی ۶۴ نشستوں میں سے صرف پندرہ پڑھیں۔ جہاز کی رفتار ۱۳ میل فی گھنٹہ تھی۔ آپ کو ایک ہمراہی خواجہ سراج الدین نے بتایا کہ یہ جہاز نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور حاجیوں کے جہازوں کے مقابلہ میں اس میں کہیں بڑھ چڑھ کر آرام ہے۔ اس پر ۱۶ یورپین طالب تھے۔ اور ساٹھ ستر کے قریب ویسی۔ جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ باقی عیسائی تھے۔ مختلف مذہب ملت کے لوگ جہاز پر سوار تھے۔ کچھ شافعی تھے۔ کچھ مالکی، کچھ واڈوی بوہرے۔ ایک یہودی بھی تھا۔ نماز ادا کرتے وقت تمام فرقوں کے مسلمان علیحدہ علیحدہ جماعت کا انتظام کرتے تھے۔ آپ بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ علیحدہ نماز باجماعت ادا فرماتے۔ آپ کو نماز جمعہ پڑھنے کا شوق تھا۔ مگر آپ کے استاد مولوی محمد سعید صاحب اور حکیم مولوی اللہ دین صاحب نے فتویٰ دیا کہ یہاں جمعہ جائز نہیں۔ آپ کے اور اور وظائف آغاز سفر سے جاری تھے۔ پہلے دو روز آپ بفضلہ تعالیٰ تندرست رہے۔ مگر بعد میں درد شکم ہوا جو اسہال آنے پر رفع ہو گیا۔ البتہ زکام دو تین روز جاری رہا۔ ایک ماہ سوہ، مضمی کی شکایت پیدا ہوئی اور حکیم اللہ دین صاحب نے دوا دی۔ آپ دعا مانگتے رہے۔ **اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ كُلِّ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ** زیادہ تکلیف خود حکیم اللہ دین صاحب کو ہوئی۔ دوران سفر اسہال، قے اور بخار کی وجہ سے وہ سخت علیل رہے۔ اور حضور کو سخت فکر لاحق رہا۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ بشاشت مفقود تھی۔ پڑے پڑے طبیعت آگتا جاتی تھی۔ مگر دل میں ذوق و شوق بدستور موجود تھا۔

درجہ منزل
.....

درجہ منزل لیا کہ خطر ہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی
سفر میں کبھی بوندا باندی ہوتی تھی اور ابرمجیط رہتا تھا۔ کبھی ہوا بند ہو جاتی

تھی۔ اور جس اور گرمی کا زور ہو جاتا تھا۔ البتہ رات کو خنکی ہو جاتی تھی۔ ہوا کے تنداؤ تیز بھونکے چلتے تھے۔ سمندر میں مد و جزر رہتا اور تلاطم اور توج کے وقت پانی اڑ اڑ کر جہاز کے اندر آتا تھا۔ اور نیند سے چونکا دیتا تھا۔ سیمرتہ و بالا ہوتا۔ طبیعت بے چین ہو جاتی اور زبان پر از خود یہ شعر رواں ہو جاتا تھا۔

شب تار یک و بیم موج و گردابی چندیں حمل بجا دانند حال ماسکساران ساحلہا
 ناپیدا کنار سمندر میں احساس تنہائی کے باعث ہر اس سیمر کو مسافر شوق سے
 دیکھا کرتے۔ جو دور افق پر دکھائی دیتا یا قریب سے ہو کر گزرتا۔ بعض جہاز بڑے خوبصورت
 ہوتے تھے۔ مثلاً جرمنی کا واچ فلس نامی بار برداری کا جہاز جو کلکتہ جا رہا تھا۔ ایسا
 خوش منظر تھا۔ کہ سب لوگ دیکھنے کو جمع ہو گئے۔ رات کو گزرنے والے جہازوں کی
 سے جگمگا رہے ہوتے تھے۔ آسٹریلیا سے مارسیلز جاتا ہوا ڈاک کا ایک سیمر
 ایک رات آپ کے سیمر سے بالکل قریب ہو کر گذرا۔ اندھیری رات میں نہایت
 ہی خوشنما معلوم ہو رہا تھا۔ ریل کی طرح کمروں میں جا بجا برقی روشنی چمکتی نظر آتی
 تھی۔ مختلف رنگوں کے قمقمے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ سارے مسافر اس
 تیز اور سبک رفتار سیمر کو نہایت شوق سے دیکھنے لگے جو منٹوں میں نظر سے
 اوجھل ہو گیا۔ آپ نے سمندر میں بڑی بڑی مچھلیاں دیکھیں جو تیزی سے تیرتی تھیں
 بحر احمر میں آپ نے عظیم الجثہ مچھلیاں دیکھیں جو بھینسے سے کم نہیں تھیں۔

جب بحر ہند کے عین وسط میں تھے جہاں سمندر ڈیڑھ میل یا چھ ہزار فٹ
 عمیق ہے تو ایک روز آپ نماز ظہر پڑھ کر بیٹھے تھے کہ دریلے تخیل میں مستغرق
 ہو گئے۔ آپ سوچنے لگے کہ ایک روز تھا جب سمندر کا نام سن کر جی گھبراتا تھا۔
 مگر اب اشتیاق رہنما ہے اور خیال وصل مونس و دمساز۔ اس شوق نے اس قدر
 جری اور دلیر بنا دیا ہے کہ سمندر کا تلاطم اور توج خوفزدہ نہیں کر سکتا۔ کسی کی یاد نے

بے قرار کر رکھا ہے۔ یار و اختیار، خویش و اقربا سے منہ موڑ چکے ہیں۔ گھر والوں کو روتا چھوڑ کر غریب الوطنی پر کمر بستہ ہیں۔ لوگ متحیر تھے۔ انہیں کیا ہوا۔ کیوں گھر کے عیش و تنعم سے کنارہ کش ہو کر دیوانہ وار رُوبصر اہو چکے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

نوبہار ست و جنوں جاگ گیاں مدے آتش افتاد بجان جنبش و اماں مدے
 مگر آپ بزبان حال معترضین کو کہہ رہے تھے "معذور دارمت کہ تو اور اندیدہ"
 کلی والے شہنشاہ کے دربار میں جب کسی کی طلبی ہو اور اس مقناطیسی کشش کا
 پھندا اس کے گلے میں پڑ چکا ہو جو سلطان کو نارس، صہیب کو روم اور بلال کو حبش سے
 کھینچ لایا تھا۔ تو کوئی ظاہری رکاوٹ اس کے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ ڈوبنے کا
 خوف ڈاکوؤں کا ہراس، رہزن کا کھٹکا، لٹا سمند شوق کیلئے تازیانے کا کام دیتا
 ہے اور مسافر حجاز سے

"یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید"

پڑھتا ہوا دیار محبوب کی طرف بھاگا جاتا ہے۔ آپ کو شہنشاہی دربار سے بلاوا
 آیا تھا۔ اور سے

"وحشت گے فت استینم کہ تم"

حضرت وحشت نے آپ کو خواب شیریں سے بھنچھوڑ بھنچھوڑ کر بیدار کیا تھا۔ اس عالم
 استغراق میں آپ چند لائی ابدار اور در شہوار نوک قلم پر لٹے۔ اور ان کی چمک دمک
 سے دوسروں کو محظوظ کرنے کے لئے انہیں مدیر صوفی کے حوالے کر دیا کیونکہ
 "حلوا ہنایست تنہا بخورد"

اس ذہنی اور قلبی کیفیت کے دوران میں بار بار دل سے یہ سوال ابھرتا تھا

یہ تاثرات صوفی بابت نومبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئے۔ ہم نے بھی انہیں سے نو لکیر حاصل کیا۔

ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اب تک سفر کی ہنگامہ آفرینی اور دیگر مصروفیتوں نے خلوت کے مواقع میسر نہیں آنے دیئے تھے۔ لیکن اب جبکہ وسیع اور عمیق سمندر کی سطح پر آپ کا جہاز ایک ننھے سے نقطے کی طرح موجود تھا۔ وہ خلوت نصیب ہوئی جس کے آپ دلدادہ تھے۔ اب ذوق و شوق اور قلب و روح کا رابطہ براہِ راست اپنے محبوب سے قائم ہو چکا تھا۔ دل سے سوال اٹھتا تھا ہم کہاں جا رہے ہیں۔ تو زبان حال فوراً پکار اٹھتی تھی۔

مسافر چلے ہیں بسوئے مدینہ بسی بنے ماغول میں بچے مدینہ

آپ اس شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہو رہے تھے جس کی غلامی بڑے بڑے کجگلابوں کے لئے مایہ ناز ہے۔ جس کی بارگاہ میں بڑے بڑے مغرور، خود پسند اور اکڑ باز سر نیاز خم کر کے بڑے عجز و نیاز کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ وہ قسیم جو در قسیم تھا جس کے مٹھی بھر فدائیوں نے قیصر و کسریٰ جیسے اپنے عالی نسب آباؤ اجداد پر ناز کرنے والے بادشاہوں اور تاجداروں کی ٹڈی دل افواج کو تیرغ کر دیا تھا۔ اور اسلامی سطوت و میبیت کا سکہ چارواںک عالم میں بٹھا دیا تھا۔ آپ اس اُمّی لقب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ جس نے عرب کے فصحاء اور بلغاء کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ اور صرف ایک سورہ اِنَّا اعْطَيْنَاكَ الْكُوْنُ ثَمَّ مَقَابِلَهٗ مِیْن لَّا كَر اہیں یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وَاللّٰهُ مَا هٰذَا كَلَامٌ الْبَشَرِ۔ آپ اس بے شک اور علم پر دارِ توحید کے روضہ اقدس کی خاک کحل البصر بنانے کے لئے جا رہے تھے جس نے لات و عزّیٰ جیسے معبودوں کو خاک میں ملا دیا تھا اور ادیان سابقہ کی کتب منسوخ کر کے مشعل ہدایت، قاصح اساس ضلالت قرآن کریم اور فرقان حکیم کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جس کی کرنیں اقصائے عالم میں پھیل گئیں اور شرک و جہالت کی پوٹنگھور گھٹائیں مطلع پر چھا رہی تھیں۔ ضیاع عالم تاب سے یک دم کافور

ہو گئیں۔ بلیبل شیراز نے کیا خوب کہا تھا۔

یتیمے کہ ناکر وہ دستراں دست کتب خانہ چند ملت بشت

نہ ازلات و عزی بر آورد گرد کہ تورات و انجیل فسوخ کرد

آپ اس راجہ کی نگری میں جا رہے تھے جس نے اپنے قدم میمنت لزوم سے
عرب جیسے بے برگ و گیاہ رنگستان کو بڑے زرخیز اور آباد علاقوں پر فضیلت
عطا کر دی تھی۔ اور اپنی پاکیزہ تعلیم سے عرب کے وحشی، غیر مہذب اور نا تعلیمات
گنواروں کو دنیا کی بڑی متمدن اقوام سے ممتاز کر دیا تھا۔ ان حقائق کو ذہن میں لا کر
آپ بے ساختہ کہہ اٹھتے تھے۔

تمام اہل دنیا کے شہروں کی وقعت نہیں ذرہ بھر و بروی مدینہ

حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنا سرمایہ زندگی بنانے اور
اپنی خلوت کو انہی روح پرور خیالات سے آباد کئے آپ بحر ہند کی سطح پر جانچ بچ
بڑھ رہے تھے۔ اور سوچتے جاتے تھے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ محمد عربیؐ کی امت اپنے
اسلاف کرام کے کارناموں کو پھر سے دہراوے۔؟

جہاز کے محافظ رسد وغیرہ (Passage) نے آپ کو بتایا کہ جہاز عدن

نہیں ٹھہرے گا۔ اس لئے آپ نے ہندوستان کے ٹکٹوں کا مصری ٹکٹوں سے تباد
کر لیا۔ چہار شنبہ ۲۳ شوال المکرم مطابق ۲۵ ستمبر آپ کا جہاز عدن سے دس
میل کے فاصلہ پر گزرا۔ لائٹ ہاؤس کے کچھ دھندلے سے نشانات نظر پڑے
بارہ بجے کے قریب جزیرہ پیرم آیا جو انگریزوں کے ماتحت ہے۔ سامنے لائٹ
ہاؤس تھا۔ شمال کی طرف بڑے بڑے پہاڑ تھے۔ تمام مسافر عرش پر چڑھ کر منظر
دیکھنے لگے۔ آبادی دیکھ کر ہر ایک کے چہرے پر مسرت کے آثار نمایاں تھے
ایک انگریز نے قلعہ والوں سے جھنڈی سے گفتگو کی۔ جہاز پر جھنڈے اور

امتیاز می نشانات بلند کئے گئے۔ رفتار کم کر دی گئی۔ اجازت ملنے پر سیٹمراپنی پوری رفتار سے چلنے لگا۔ ایک انگریزی کمپنی کا جہاز پیرم کے قریب لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ وہ بھی ساتھ چل پڑا۔ دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے خوب مقابلہ رہا۔ وہاں سے قبلہ شمال کی طرف تھا۔ آپ نے شمال کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔ باب المندب سے سیٹمرا کترا کر نکلا۔ اس کا معنی ہے باگہ یہ عربوں نے یہ نام اس لئے رکھا تھا کہ نیچے پانی کی تہہ میں پہاڑیاں ہیں اور ان سے جہاز ٹکرا جانے کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اس روز بہت سے سیٹمرا بمبئی جاتے ہوئے نظر آئے اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے بھی دکھائی دیئے۔ جن میں مرغابیاں بکثرت تھیں۔ پرندوں کا وجود آبادی کے قریب ہونے کا ثبوت تھا عصر کے وقت شہر محض نظر پڑا۔ جو مشرق کی طرف ہے۔ اور ملک یمن کی مشہور بندگاہ ہے۔ غروب آفتاب کا منظر بڑا دلکش تھا۔ سورج کا عکس پانی پر پڑ رہا تھا۔ اور پانی سانپ کی طرح لہرا رہا تھا۔ اگلی صبح جبل الطیر کا سلسلہ دیر تک نظروں کے سامنے رہا۔ ان پہاڑوں کے چاروں طرف سمندر بڑا گہرا ہے۔ جہاز لنگر بھی نہیں ڈال سکتے۔ اس لئے سرکاری ملازم رات کو پہاڑوں پر بڑی تیز روشنی کرتے ہیں۔

دوشنبہ ۲۷ شوال المکرم مطابق ۲۹ ستمبر بحیرہ تسلیم سے گزرتے ہوئے تین بجے بعد از دوپہر آپ بندر سویز کے قریب پہنچے۔ سیٹمرا بہت آہستہ چلنے لگا۔ بندر دکھائی دیا تو تمام مسافر جھٹ جھٹ پر چڑھ گئے۔ اور آبادی کو نعمت غیر متوقفہ تصور کر کے محو نظارہ ہو گئے۔ سیٹمرا بندر سے نصف میل کے فاصلہ پر لنگر انداز ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک فرانسسی ڈاکٹر چھوٹے سے اگنیوٹ پر ہلالی نشان والا سلطانی جھنڈا لگائے آیا۔ جو سیڑھی کے ذریعے سیٹمرا پہنچا اور جہاز کے تمام عملہ اور تمام مسافروں کا بلا استثنا طبی معائنہ کیا۔ ایک بنگالی بیچارے

کے بشرے سے آثارِ علالت نمایاں تھے۔ ڈاکٹر نے اسے سویز اتر جانے کا حکم دیا۔ اس کا ہمراہی انگریزی بولنے میں بڑی قدرت رکھتا تھا۔ اس کی منت زاری، عاجز و الحاح اور سیٹم کے ڈاکٹر کی سفارش سے بڑی رو و قدح کے بعد وہ غریب بچہ مہی میں جو دو بیمار گودی سے نکل گئے تھے۔ وہ بھی اسی بنگالی کے ساتھی تھے۔ ایک تو بنگال کے باشندے بالعموم ویسے بھی نحیف لاغر اور سقیم ہوتے ہیں۔ دوسرے غالباً حج کے لئے وہ آتے ہیں۔ جو از کار رفتہ ہوں۔

در جوانی تو بگردن شیوہ پیغمبر بیت وقت پیری گر گن ظالم می شود پر پیریز گا
فرنج ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد دوکاندار لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر پہنچ گئے اور مختلف اشیا بیچنے لگے۔ صاحبزادہ صاحب قبدا نے بھی کچھ انگریز خریدے سیٹم دو گھنٹے کے قریب وہاں کھڑا رہا۔ آپ نے بہت سے خطوط احباب اور اہل وطن کے نام لکھ رکھے تھے۔ وہ آپ نے جہاز کے منتظم عمومی (Secretary) کے حوالے کر دیئے۔ تاکہ سویز سے پوسٹ کرانے۔ اتنے میں آپ کا رفیق سیٹم بھی بندر پر پہنچا۔ جو آپ کے سیٹم کے ساتھ تک دو میں مصروف رہا تھا اس کا بھی اسی ڈاکٹر نے معائنہ کیا۔

عصر کے وقت آپ کے سیٹم نے لنگر اٹھایا اور سویز کی آبادی کے قریب سے گذرنا ہوا نہر سویز میں داخل ہوا۔ کنارے کا نظارہ قابل دید تھا۔ ساحل پر بنے ہوئے قونصل خانوں کی عمارتیں بہت نفیس دکھائی دیتی تھیں۔ شہر کا منظر بھی بہت دل خوش کن اور دیدہ زیب تھا۔ ایک ریل گاڑی جو قاہرہ سے سویز کو آرہی تھی قریب سے گذری۔ شام کے وقت سیٹم کی اگلی طرف ایک بڑا گیس پمپ روشن کیا گیا جس کی روشنی دور تک جاتی تھی۔ اتنے میں ایک فرنج

ملاح کشتی پر سوار ہو کر سٹیمر کے قریب آنے اور بعد کشتی و ملازمین سٹیمر پر سوار ہو گئے۔ اور کپتان سے چارج لے کر پورٹ سعید تک سٹیمر کو لے جانے کی ذمہ داری اٹھائی۔ نہر سویز سے سٹیمر کو صرف واقع کار عبور کر سکتے ہیں۔ کیونکہ پانی بہت کم ہے اور سٹیمر کے دھنس جانے کا خوف رہتا ہے۔ اسی واسطے ان ایام میں خدیو مصر کے سٹیمر نہر میں کشت لگاتے رہتے تھے۔ جو مشینوں سے مٹی نکال نکال کر کنارے پر ڈالتے رہتے تھے۔ اور نہر کی گہرائی قائم رکھتے تھے۔ رات کے وقت کئی ایک سالن سے آئے۔ بعض اوقات وہ لنگر انداز ہو جاتے تھے۔ اور کبھی آپ کا سٹیمر نہر کے کنارے پر تار چلی گئی ہے اور نزدیک نزدیک نہر کے اندر سٹیمروں پر تار کے اسٹیشن ہیں۔ ان کے ذریعہ سٹیمروں کی آمد و رفت کا نظام قائم رہتا ہے۔ اگلے اسٹیشن کو اطلاع دی جاتی ہے کہ فلاں سٹیمر آ رہا ہے۔ آگے سے جواب آئے کہ لنگر انداز ہو جائے تو سٹیمر لنگر کرتا ہے۔ ورنہ مقابل سے آنے والا سٹیمر ٹھہر جاتا ہے۔ رات کو صاحب زادہ صاحب قبلہ بھی چھت پر گئے۔ بڑا دلکش سین تھا۔ مقابل سے آنے والے ہر سٹیمر کی اگلی طرف ایک بڑا سا کیسی لمپ روشن تھا۔ جس کی روشنی آنکھوں کو چند ہی دیتی تھی۔ اور نہر بقعہ نور نظر آتی تھی۔

رات آپ کی طبیعت بے چین رہی اور بدن ٹوٹا رہا۔ علی الصبح خانہ سے فارغ ہو کر دوانی پی۔ غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ پورٹ سعید آپ نے سٹیمر سے اترنا تھا۔ چودہ روز اس میں سفر کیا تھا۔ ہمارے بیوں کو اسباب کے بندوبست میں اس طرح مصروف ہونا پڑا جیسے گھر چھوڑنا ہے۔ چونکہ نہر میں سٹیمر کو کئی بار لنگر انداز ہونا پڑا تھا۔ اس پورٹ سعید پہنچنے میں دیر لگ گئی۔ اور آپ نے روٹی سٹیمر پر ہی کھالی۔

ملکِ مصر میں ورود اور سیاحت

ساڑھے دس بجے کے قریب پورٹ سعید کا خوش منظر بندر دور سے نظر پڑا۔ تمام مسافر بڑے خوش تھے۔ بیٹھ کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ مچھلیاں پکڑنے والے چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر اپنے شکار میں مصروف تھے۔ ایک بیٹھ کر پورٹ لاد جا رہا تھا۔ جو سمندر کے پانی کو خشک کر کے نکالا جاتا ہے۔ اس کے بہت سے کارخانے پورٹ سعید میں ہیں۔ بیٹھ کر لنگر انداز ہوا تو مسافر کو کو لے جانے کے لئے ملاح کثیر تعداد میں اپنی اپنی کشتیاں کھیتے ہوئے پہنچ گئے۔ پور میں لوگ بیٹھ کر کے یورپین ملازموں سے ملاقات کے لئے آئے۔ ایک ہنگامہ سا بپا ہو گیا۔ ملاح جبراً اسباب کھینچ کھینچ کر اپنی کشتیوں میں ڈالتے تھے۔ مگر آپ نے ہمت مردانہ سے کام لیا۔ ملاحوں کو عربی میں مخاطب فرماتے رہے۔ آخر سلطان بابا نامی ایک ملاح سے تصفیہ ہوا۔ فی آدمی ایک روپیہ دے کر آپ کشتیوں پر سوار ہوئے۔ اوزنخور اور کسٹم کے غلے سے پیٹتے ہوئے انگریز ریٹا نامی ایک ہوٹل میں جا ٹھہرے۔

آپ نے بندر کو بڑا خوشنما پایا۔ قسم قسم کے بیٹھ کر کے چھوٹی چھوٹی کشتیاں لگا رہی تھیں۔ بلند اور خوبصورت دو منزلہ سے منزلہ عمارتیں نہایت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ خصوصاً فرانس کا سفارتخانہ بہت خوبصورت بنا ہوا تھا۔ جب آپ فریضہ عصر ادا کر چکے تو ہمراہیوں کے اصرار پر پورٹ سعید کے نظر پرورا اور دلکش شہر کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ شہر چھوٹا سا تھا مگر نہایت صاف ستھرا۔ عمارات نہایت اعلیٰ درجہ کی بنی ہوئی تھیں۔ اور سب منزلہ سے بہت منزلہ تک تھیں۔ انگریزی دکانیں ایسی بسیجی ہوئی تھیں کہ باہر سے بھی جانے

کا دھوکا ہوتا تھا۔ بازار خط مستقیم میں واقع تھے۔ خال خال فنڈیں بھی نظر آتی تھیں۔ بیٹے جیسی افراط نہیں تھی۔ بازاروں میں گھوڑا آرام چلتی تھی۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ اس کی نسبت پیدل چلنا بہتر تھا۔ یہ شہر آپ کو جسے پورہ کی نسبت زیادہ خوبصورت نظر آیا۔ جو چیز جسے پورہ میں نہیں تھی وہ بھی یہاں موجود تھی یعنی باشندے خوش پوش اور مہذب تھے۔ پورٹ سعید کا ڈاکخانہ بے نظیر تھا عمارت عالی شان، ایک علیحدہ کمرے میں مسافروں کے لئے کرسیاں بھی ہوتی تھیں۔ میز لگا ہوا تھا اور مسلم روایات موجود، جس کا جی چاہتا تھا خط آرام سے لکھ کر لیٹر بکس میں ڈال دیتا تھا۔ آپ نے بھی چند ایک خطوط وہاں بیٹھ کر تحریر فرمائے اور وطن بھیجے۔ تمدن کے لحاظ سے تمام کے تمام باشندے مغربی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کا ماہرہ الامتیاز صرف ترکی ٹوپی تھا۔ ورنہ شکل و شباهت، لباس، اطوار میں نصاریٰ اور مسلمانوں میں کوئی معتد بہ فرق نہیں تھا۔ آپ کو ترکی لباس میں ملبوس تین ہوشیار پوری ملے۔ گفتگو کرنے پر معلوم ہوا کہ بے تکی ہاتھتے ہیں۔ اور ناقابل اعتبار ہیں۔

نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔ اس لئے آپ جلد واپس ہوٹل میں تشریف لائے۔ ایک سیٹم بیروت جا رہا تھا۔ مگر چونکہ آپ کو بیت المقدس کی زیارت کا شوق دامنگیر تھا۔ آپ نے اس پر جانا پسند نہ فرمایا۔ حالانکہ اسے آپ کے واقف کار شیخ عبدالعزیز گجراتی بعد اہل و عیال جا رہے تھے۔ جنہوں نے یافہ سے مدینہ طیبہ ریل گاڑی کے ذریعے جانا تھا۔ شیخ صاحب نے ہی آپ کو یہ راستہ اختیار کرنے کی رائے دی تھی۔ جمعہ، سنیچر اور اتوار کو بھی سیٹم روانہ ہونے والے تھے۔ سلطان بابا ملاح نے آپ کو مشورہ دیا کہ سنیچر والے سیٹم پر تشریف لے جائیں۔ مگر آپ نے اگلے روز یعنی بدھ وار یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء کو قاہرہ جانے

کا فیصلہ کیا۔ دو آدمیوں کے متعلق طے ہوا کہ سامان کی حفاظت کے لئے پورٹ سعید ہی رہیں گے۔ نماز عشا ادا کرنے کے بعد آپ سو رہے۔

رات کھٹلموں نے آپ کو آرام نہ کرنے دیا۔ صبح غسل فرمایا۔ چلنے نوش کی اور اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جسے عربی زبان میں محطہ کہتے تھے۔ عالی شان

عمارت تھی۔ ریلوے لائن نہ تو ہندوستان کی بڑی لائنوں کی طرح ساڑھے پانچ فٹ چوڑی تھی۔ اور نہ ہی اجمیر لائن کی طرح پونے تین فٹ۔ بلکہ ان کے بین

بین۔ پورٹ سعید سے قاہرہ تک درجہ سوم کا کرایہ تین روپے بارہ آنے تھا۔ اور سیکنڈ کلاس کا نور و پے پونے سات آنے۔ سات بجکر پانچ منٹ پر گاڑی

روانہ ہوئی۔ بریک سے انجن تک گاڑی کے بیچ بیچ رستہ تھا۔ اس لئے بلا ٹکٹ سفر کرنے والوں کی پڑتال بے حد آسان تھی۔ گاڑی میں لیٹنے کی جگہ نہ تھی۔ ٹراموں

کی طرح نشستیں بنی ہوئی تھیں۔ پورٹ سعید سے اسمبلی جینریشن تک ریل نہر سویز کے کنارے کنارے گئی۔ کئی سٹیمر آ جا رہے تھے۔ ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل

نہر سویز کا اسٹیشن ہے۔ منظر نہایت دلکش اور فرحت بخش تھا۔ رستہ میں کئی ایک مصریوں سے تباؤ لہ خیالات ہوا۔ ایک مجسٹریٹ سے سیاسی امور پر

بھی گفتگو ہوئی درجہ سوم میں آپ کے ساتھیوں سے ایک مسافر نے ذکر کیا کہ وہ غازی انور پاشا کے ماتحت جنگ طرابلس میں لڑتا رہا ہے۔ سال ۱۹۱۱ء میں

ہوس ملک گیری کی بنا پر اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا تھا۔ یورپ کے اور ممالک بھی اس ساز باز میں شریک تھے۔ یہ جنگ ۱۹۱۲ء تک رہی۔ ترکی کیلئے

سخت آزمائش کا وقت تھا۔ مسلمانان ہند کے ولوں میں تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ ترکی کے خیور اور جری سپہ سالار انور پاشا نے بڑی بہادری سے

مقابلہ کیا۔ اس بنا پر بالخصوص ہندی مسلمانوں کے دلوں میں انور پاشا سے

پورٹ سعید
قاہرہ تک

بہت عقیدت تھی۔ ان کے خیال کے مطابق اس بینک جرنیل کے مجاہدانہ کارناموں نے قرونِ اولیٰ کی پائیدار کردی تھی۔ اور ان کے دلوں میں امید پیدا ہو گئی تھی کہ ممکن ہے اس کی شمشیر برائے ان کی غلامی کی زنجیریں بھی کاٹ کر رکھ دے۔ علامہ اقبال نے اسی جنگِ طرابلس کے ایک واقعہ کو نظم کیا تھا۔ ایک لڑکی فاطمہ مجاہدین کو بانی پلاتے پلاتے شہید ہو گئی تھی۔ علامہ مرحوم نے یہ ورد انگریز نظم جب لاہور کے ایک جلسہ میں پڑھی تو یہ مطلع ہے:

فاطمہ تو آبروئے ملت مرحوم ہے ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

سننے ہی مجمع شدتِ درد سے بے اختیار ہو گیا اور رونا، چیخنا شروع کر دیا یہ تمام واقعات ابھی ذہنوں میں تازہ تھے۔ ایک سال ہی تو گذرا تھا۔ اس لئے حضور کے ہمراہیوں نے جب سنا کہ انور پاشا کا ایک ساتھی ہمسفر ہے تو وہاں میں مزید حالات معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ گئے اور سیکنڈ کلاس سے آپ کو ترقمانی کے لئے لے آئے۔ وہ گنوار آدمی تھا۔ آپ کی فصیح عربی نہ سمجھ سکا تاہم پتہ چلا کہ اس کی باتیں اصلیت سے معرا ہیں۔ وہ بن غازی کے معرکوں کو اور نہ کی لڑائی سے تعبیر کرتا تھا۔ اور طرابلس کو بن غازی بتاتا تھا۔ ایک بچے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ کہ آپ کی ڈاک گاڑی ۱۳۶ میل کا سفر بس پانچ گھنٹے میں طے کر کے قاہرہ پہنچ گئی۔ رستہ میں ۲۶ اسٹیشن تھے۔ اور ڈاک ہونے کی بنا پر بعض

سے اور نہ پر سلطان مراد اول نے ۱۳۴۵ء میں قبضہ کیا تھا۔ یہ شہر بلقانی ریاستوں سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسری جنگِ بلقان کے بعد ۲۹ ستمبر ۱۹۱۳ء کو ترکی اور بلغاریہ کے درمیان معاہدہ قسطنطنیہ ہوا۔ جس کی بنا پر اور نہ ترکیوں کے پاس رہ گیا۔ یہ معاہدہ جس روز ہوا صاحبزادہ صاحب قبلہ بند سویز پر پہنچے تھے۔ یعنی آپ کے سفرِ حجاز کے ایام بھی پُر آشوب تھے اور فضا میں ترکیوں کی اولوالعزمی کے چرچے پائے جاتے تھے۔

سٹیشنوں پر نہیں ٹھہری تھی۔ سفر نامے میں آپ نے تمام سٹیشنوں کے نام درج فرمائے ہیں۔

قاہرہ جنکشن پر آپ کو ہوشیار پور کا ایک لڑکا نظام الدین آہلا۔ سلطان بابا نے اسے پورٹ سعید سے تار کے ذریعے اطلاع دی تھی۔ یہ لڑکا چرب زبانی سے کام لے کر سیاحوں اور نوواردوں کو گانڈکے طور پر مصر کے قابل دید مقامات اور زیارات پر لے جاتا تھا۔ قاہرہ میں ہوٹل کو لوکنڈہ کہتے ہیں سلطان بابا کے مشورے کے مطابق آپ پہلے لوکنڈہ خضریہ میں گئے۔ لیکن وہاں تعفن اور بدبو سے دماغ چھٹتا تھا۔ اس لئے آپ نے دو تین اور ہوٹل دیکھے۔ اور آخر کار لوکنڈہ کلوب المصری کو پسند فرمایا۔ ایک رات کے لئے ایک آدمی کا نچلے کمرے میں ایک روپیہ ڈیڑھ آنہ، اوپر والے کا پندرہ آنہ اور سب کے بالائی کمرہ کا ۱۲ آنے کرایہ تھا۔ آپ نے اتنا فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپکے چرمی بیگ کم ہے۔ اس میں ضروری کتابیں، پارچاٹ اور کچھ مختصر سا سامان تھا۔ آپ کو کپڑے بدلنے کی از حد ضرورت تھی۔ اس لئے آپ سخت متروک ہوئے۔ خضریہ ہوٹل والوں سے پوچھا گیا۔ انہوں نے بالکل لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر دو آدمی مذکورہ بالا نظام الدین کے ساتھ سٹیشن پر گئے۔ وہاں سے بیگ مل گیا۔ ریلوے والوں نے لاوارث سمجھ کر اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ صرف ایک روپیہ بارہ آنے محصول دینا پڑا۔

ظہر کی نماز تو آپ نے آتے ہی پڑھ لی تھی۔ عصر پڑھنے کے بعد آپ اپنے ہوٹل کے قریب مزار سیدنا حسینؑ دیکھنے کے لئے گئے۔ مزار مبارک کی مسجد بہت عالی شان بنی ہوئی ہے۔ نیچے قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ عمارت بہت

سہ دس العش۔ التایبہ۔ الکتاب۔ العنظر۔ البلاح۔ الغفران۔ الاسمعیلیہ۔ لفیشر۔ ابوسور

الحمر۔ القضا حسین۔ القل الکبیر۔ ابوحماد۔ ابوالاخصر۔ الزقازیق۔ الزنکلون۔ الجدیدہ۔ مینا القبع
نیت یزید۔ شبنجہ۔ بنھا۔ سند منور۔ طبع۔ قما۔ قلیوب۔ شبرا۔

بلند ہے۔ ایک کونہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے
آپ مزار کے اندر گئے تو اتنا درجہ کی رقت طاری ہوئی اور آنسو نکل پڑے۔ مزار
کا کٹھرا کئی دھاتوں سے بنا ہوا ہے اور جالی میں سے مزار مبارک کی زیارت کی جا
سکتی ہے۔ صد ہا لوگ زیارت کے لئے حاضر تھے۔ آپ نے فاتحہ پڑھا۔ کچھ نذرانہ دیا اور
پھر شہر دیکھنے چلے گئے۔ راستہ میں ایک افغان مسمی غلام نقشبند کمال ملائی ہوئے۔ جو
وہاں سر مرہ فروشی کرتے تھے۔ بڑے اخلاص اور مروت سے پیش آئے۔ اور گرجوشی سے
آپ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اور آپ اس گرامی اور وطن معلوم کر کے دو تک آپ کے
ساتھ چلتے گئے۔ ایک جگہ انہوں نے گاڑی بانوں کے ساتھ اگلی صبح مشہور زیارات پر لے
جانے کے لئے اجرت مقرر کی۔ واپسی پر ایک مسجد میں آپ نے نماز مغرب ادا کی۔
امام صاحب اور مقتدی سب شبانہی المذہب معلوم ہوتے تھے کیونکہ انہوں نے ہاتھ
بھی کھولے ہوئے تھے۔ اور رفع یدین بھی کرتے تھے۔ شہر خوبصورت اور بارونق نظر آیا
ہر ایک نے کوٹ بتلون پہن رکھا تھا اور ڈاڑھی صاف تھی۔ لوگ آپ سب کے
چہروں پر ریش دیکھ کر متعجب ہوتے تھے۔ اور جدھر جاتے آپ پر انگلیاں اٹھتی تھیں
رستہ پر ایک وکان سے آپ نے کھانا کھایا۔ کیونکہ کھانا پکانا ہوٹل والوں کا دستور

۱۰ روایت ہے کہ حضرت امام حسین کا سر مبارک یزید نے بے شمار ریشمی خلائوں میں لپیٹ کر ایک ہستی صندوق
میں رکھ دیا تھا۔ اموی خلیفہ سلمان ابن عبدالملک (۱۵ تا ۱۷) عیسوی نے جب شام کے بیت المال کا جائزہ لیا
تو بے شمار نوادرات کے نیچے یہ صندوق ملا۔ اسے کھولنے پر سر مبارک برآمد ہوا۔ حضرت امام کی شہادت (۶۱ عیسوی)
سے ۳۵ سال بعد کا یہ واقعہ ہے۔ بے شمار لوگوں نے حضور کے مقدس چہرے کی زیارت کی اور پھر علماء کے
شہرہ سے جامع ازہر کے سامنے سر مبارک کی تدفین عمل میں آئی۔ محرم کی دسویں تاریخ کو در زاد، سفدانی
عملہ اور دیگر اعلیٰ حکام کی موجودگی میں اہل مصر مزار مبارک کی زیارت کرتے ہیں۔ اور کعبۃ اللہ کے خلاف کی
طرح ہر سال قیمتی غلاف چڑھاتے ہیں۔ یہ غالباً قدیمی کی روایت ہے۔ لیکن پروفیسر تھی ایبن حجر کی روایت ہے
تہذا ازہر نے حضور کا سر مبارک آپ کی ہمشہر حضرت زینب کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے کہا میں نے اس میں دفن کرایا

نہیں تھا۔ کھانا بے مزہ اور خللات مذاق و طبیعت تھا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر آپ سو رہے۔

لگے روز یعنی یکم ذی قعد مطابق ۲ اکتوبر بروز پنجشنبہ آپ علی الصباح حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے بعد زیارات سے مشرف ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ گاڑی والے منتظر کھڑے تھے۔ سات کو انہوں نے فی گاڑی بائیس قرش دینے والے سات آنے، لینے کئے تھے۔ لیکن اب چالیس قرش مانگنے لگے۔ مشکل اٹھائیس قرش فی گاڑی اجرت مقرر ہوئی اور گائیڈ کے ہمراہ آپ اٹھا و آئی

زیارت کی

جن میں بعض آپ کے ہمسفر بنگالی بھی تھے۔ پہلے سید زینب بنت علیؑ تھے۔ وہاں حضرت زینب بنت علیؑ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار ہے۔ جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ بہت بڑی عمارت ہے۔ سات ہی ایک عالیشان مسجد ہے پیل کا کٹہر انہایت خوشنما بنا ہوا ہے۔ یہ مقبرہ عباس اولؑ کے ۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں تیار کرایا تھا۔ زائرین کا ہجوم تھا۔ باہر سائلوں کی بھی وہ کثرت تھی کہ دامن بچا کر لے جانا مشکل تھا۔ فاتحہ خوانی کے بعد آپ سیدنا زین العابدین کو چل پڑے جہاں بتایا جاتا ہے کہ حضرت زین العابدینؑ ابن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار ہے عمارت اچھی خوش وضع ہے۔ باہر ایک کتبہ پر حسب ذیل اشعار درج تھے۔

لحمہ خفانی پاشا الاوحد فضل بہ قد سال کل مسو

وکفا و فخر ان من خیراته اتحاف زین العابدین بمعبد

مولی لعمران المساجد مولع لیغوز بالذسعار یوم الموعد

ولذاک ناداۃ القبول مؤکفاً بشراک قد اکت ابدع مسجد

کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمارت ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء کو تعمیر ہوئی۔ بعد

۱۸۶۸ تا ۱۸۵۴ء عیسوی ہے۔ یہ محمد علی پاشا کا لڑکا تھا اور اسی کی شاہد بہ تخت نشین ہوا۔

صاحبزادہ صاحب سیدہ سکینہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بڑا اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ حضرت امام حسین کی بیٹی ہیں۔ تعمیر کی تاریخ اس قطعہ سے نکلتی ہے۔

معقودۃ القنت لله صیغتها تستوجب الشکر عند الله والناس

قد یح ہمتہ منیشہا مورخۃ من بعض طبیبنا حسنا لعباس

ساتھ ہی ایک نہایت خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔ جس کی چھت اور دیواروں

پر نہایت خوشنما نقش و نگار ہیں یہ خدیو عباس حلمی پاشا کی تعمیر کردہ ہے۔ اور بالکل نئی

معلوم ہوتی تھی۔ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں مسجد کی تکمیل ہوئی۔ نیچے قالین بچھے

ہوئے تھے۔ وہاں سے آپ سیدہ رقیہ کو گئے۔ قبر کے باہر لکڑی کا کٹہرا تھا۔

جس میں سیدپ کا کام نہایت بھلا دکھائی دیتا تھا۔ یہ عمارت پرانی معلوم ہوتی تھی۔

مزاروں نے بتایا کہ یہ رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی اور حضرت امام حسین

اور سیدہ زینب کی ہمیشہ ہیں۔ پھر آپ سیدہ نفیسہ بنت بنت حضرت حسن کے

مزار پر گئے۔ جو عباس اول نے ہی ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اس

پر بھی یہی تاریخ کندہ ہے جو سیدہ سکینہ کے مزار پر تھی۔ مندرجہ ذیل اشعار

۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۴ء تک۔ جب قبل صاحبزادہ صاحب قاہرہ میں تھے تو عباس حلمی پاشا خدیو مصر تھے۔ ان کا عہد سلطنت

۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۴ء تک۔ آپ سیدہ نفیسہ بنت حسن ابن زید ابن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے اسحاق سے ہوا تھا۔ آپ ایسی مقدس سزا

مطہرہ تھیں کہ جب ۱۳۲۲ھ میں امام شافعی رح فوت ہوئے تو نماز جنازہ آپ نے ہی پڑھائی۔ آپ کا

انتقال رمضان المبارک ۳۰۸ ہجری میں ہوا اور قاہرہ میں مدفون ہوئیں۔ آپ کے شوہر نعش مبارک

مدینہ منورہ لے جانا چاہتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام نے خواب میں فرمایا نفیسہ اہل مصر کیلئے

باعث رحمت ہیں۔ یہیں رہنے دو۔

قابل توجہ نظر آئے ہ

شکوت الی ذوی التعریف عالی وضعفی من مہمات بسیہ
فقالوا ذہب لصاحبہا لعالی تفشک ہمتہ الکبریٰ لغیہ
فانا کنا تسعی الیہا اتسائل غیرہا وہی الریئہ
اس کے باہر عباس علمی پاشا نے ویسے ہی مسجد تیار کرا دی ہے جیسی سیدہ سکینہ کے
مزار کے قریب تھی۔

مذکورہ بالا مزارات کا ثبوت تاریخی طور پر نہیں ملتا۔ خیر سر نیاز خرم کر کے فاتح
پڑھنا ضروری تھا۔ اور حضور نے پڑیا کیونکہ نام کی تعظیم مسلمانوں کا شیوہ رہا ہے۔ اور
رہنا چاہئے۔ اس موقع پر اپنے سفر نامہ میں قبلہ صاحبزادہ صاحب حضرت سیالوی
علیہ الرحمۃ کا وہ واقعہ بالتفصیل بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ایک سفید ریش شخص نے
اپنے آپ کو سید ظاہر کر کے خاصی امداد حاصل کی تھی۔ اور جب آپ کو پتہ چلا
کہ یہ تو فلاں گاؤں کا مصلیٰ تھا۔ آپ مدت میں اس کی تکریم کے لئے کھڑے ہوئے اور
امداد بھی کی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ بھائی ہم نے تو سید کے نام کی تکریم کی ہے
یہیں اس سے کیا سروکار کہ حقیقت میں سید ہے یا نہیں۔

وہاں سے آپ امام لیث تشریف لے گئے۔ امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ
کی عمارت بھی پرانی ہے۔ مزاروں نے بتایا کہ تابعی تھے۔ باہر ایک قطعہ لٹکا
ہوا تھا جس پر یہ شعر مندرج تھا ہ

قف علی الباب خاضعا واحسن الظن ولا تجرأ

فہو بئ الجرب لقضاء الحوائج

ساتھ ہی امام موصوف کے فرزند شعیب اور ان کے خادم کی قبریں علیحدہ
بنی ہوئی ہیں۔ بعد ازاں آپ کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار
۱۔ حضرت امام شافعی ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ آپ شافعی استفتاء، جلال علم، وبقیہ منہ کی ہے

پر حاضری کا شرف حاصل ہوا یہ مقبرہ بھی بہت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ گویا
 سے کہنگی کے آثار نمودار تھے۔ لیکن اندر کی آرائش اور زیب زینت کا کیا کہنا
 جالی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اور نقش و نگار سے پُر تھی۔ ساتھ ہی ملکہ شمس اور سلطان
 شمس عبدالحکیم کی قبریں ہیں۔ دوسری طرف حضرت محمد بن ابابکر الصدیق اور
 ان کے اولاد و احفاد کی قبور ہیں۔ پھر آپ نے حضرت عائشہ النبویہ کے مزار
 پر شرف باریابی حاصل کیا۔ جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی
 بیان کی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی ایک مدرسہ تھا جہاں چھوٹے چھوٹے لڑکے تعلیم
 حاصل کر رہے تھے۔

زیارات سے فارغ ہو کر آپ قلعہ میں تشریف لے گئے۔ پہلے محمد علی پاشا
 خدیو مصر کی عالی شان اور بے نظیر مسجد دیکھی۔ برطانی خوبصورت اور اعلیٰ پایہ کی
 عمارت تھی۔ خصوصاً اندر کی طرف دیکھنے سے تو عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ عمارت
 کی بلندی اور پختگی عجیرت بنا تی تھی۔ دیواریں، فرش اور ستون سب سنگ مرمر
 کے تھے۔ اوپر اعلیٰ درجے کی مینا کاری اور نقش و نگار تھے۔ نیچے بڑے قیمتی فلین

(بقیہ صفحہ ۹۴) وقار و تمکین، عزیمت و استقامت اور روحانی منزلت کی وجہ سے یکتائے روزگار تھے۔
 ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ چابہ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کو قاہرہ کے باہر قبرستان قراۃ الشغری
 میں دفن کیا گیا جو جبل مقطم کے پاس ہے۔

لے ملکہ شمس اور سلطان شمس کے متعلق کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ قاہرہ میں ایک جگہ شہر شمس (Hammam) ہے۔
 جسے عرب میں شمس کہتے ہیں۔ ممکن ہے ان کا آپس میں کوئی تعلق ہو۔ ۱۱۵۸ء امام جعفر صادق اپنے بھائی
 اور کمال روحانی کی وجہ سے شہور ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے استاد تھے۔ ۱۱۶۹ء میں ابتداً
 میں قبا کو کا تاجر تھا۔ تیس سال کی عمر میں البانیہ کی فرج میں کماندار ہوا۔ ترکوں اور مملوکوں کی سازشوں
 میں دخل دینا رہا۔ فریب ہی سے لوگوں کا خاتمہ کر کے مصر کا گورنر بنا سلطان نے نظام منظر کرنی لیکن ترکوں کی
 سیاسی شکست سے فائدہ اٹھا کر ان سے لڑائی کی۔ ۱۲۱۱ء میں خدیو ان مصر کے سلسلہ کا بانی بنا ۱۲۱۸ء میں فوت ہوا۔

نہایت قرینے سے پچھے ہوئے تھے۔ چھت پر بجلی کے ۱۷۳۲ قمقے تھے۔ علاوہ یہیں
 موم کی پچھتر بتیاں بتوری جھاڑوں میں لٹک رہی تھیں۔ باہر خوشنما و ضو خانہ تعمیر کیا گیا
 تھا۔ مسجد کے ایک گوشہ میں محمد علی پاشہ خدیو مصر کا مزار تھا۔ جس کے باہر پیکل کا
 خوبصورت کپڑا لگا تھا۔ اور یہ اولوالعزم پادشاہ نہایت کس پرسی کی حالت میں پڑا سوتا تھا
 پتہ چلا ویسے تو یہ مسجد صرف میرگاہ کا کام دیتی ہے۔ البتہ ماہ رمضان کی ستائیسویں کو
 یہاں اچھی رونق ہوتی ہے۔ اور تمام شمعیں اور قمقے روشن ہوتے ہیں۔ صاحبزادہ حسد
 کے خیال کے مطابق دہلی کی جامع مسجد استحکام اور کھٹگی کے لحاظ سے شاید ہی اس کے
 ہم پتہ ہو۔ ورنہ عمارت کی بلندی اور خوبصورتی اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی۔ دراصل
 یہ مسجد عباسی پاشا خدیو مصر کے زیر تصرف تھی اور اس کی دیکھ بھال کا بڑا اہتمام تھا۔
 اور دہلی کی مسجد عامۃ الناس کے زیر قبضہ ہے۔ اور اس کی مرمت صرف شاہان مغلیہ
 کے زمانے میں ہوتی ہوگی۔ مسجد سے باہر اگر آپ نے چاہے یوسف بھی دیکھا۔ جسے
 زندان یوسف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ نیچے بھی اترے۔ مومی شمعیں روشن کی گئیں
 آپ نے نیچے پتھر پھینکا بہت دیر کے بعد اس کے پانی میں گرنے کی آواز آئی۔ جس سے
 پتہ چلا کہ کنوئیں کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔ واپسی میں دربان نے ایک ایک تعریفی پانچ
 پیسے) فی کس وصول کیا اور چھپے ہوئے کارڈ دیئے جن پر درج تھا کہ یہ کنوئیں
 میں گئے تھے۔

سنہ حضرت یوسف مصر میں پہنچے تو درمیانی بادشاہی خاندانوں (۲۱۰۰ ق م - ۱۵۸۰ ق م) کا زمانہ تھا۔ چودھویں شاہی
 خاندان کے ایام میں شام اور فلسطین سے کسبوس لوگ حملہ آور ہو کر بالائی مصر پر قابض ہو گئے۔ انہی کے عہد میں حضرت
 اور بعد میں ان کے افراد خاندان مصر پہنچے لیکن حضرت یوسف کو کنعان کے ایک کنوئیں میں بھائیوں نے پھینکا تھا۔ اس لئے
 سفر نامہ صادم کی یہ تحریر زیادہ قرن قیاس ہے کہ یہ کنواں دراصل صلاح الدین ایوبی سے منسوب ہے۔ ان کا نام
 ملک التاہر السلطان صلاح الدین یوسف ہے۔ اس لئے یہ چاہا یوسف کہلاوا۔ ۱۰

(بقیہ ماہر مکتبہ) سلسلہ کا آخری حکمران شاہ خانیق تھا۔ جو ۱۹۳۱ء میں تخت نشین ہوا۔ اور انقلابی حکومت کے

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب زہنی جماعت کے ساتھ ایک مقام پر گئے۔ جہاں سے سارا شہر نظر آتا تھا۔ یہ خوبصورت شہر کئی میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور منتہائے نظر تک آبادی چلی گئی ہے۔ بہت ہی خوش کُن نظارہ دیکھنے میں آیا ایک پہاڑی پر نیپولین بونا پارٹ کا قلعہ بنا ہوا ہے۔ نیپولین مصر میں آیا تو ایک سال اور ایک ماہ قیام پذیر رہا۔ انہی ایام میں یہ قلعہ بنا ہوگا۔

اس کے بعد آپ فٹنوں پر سوار ہو گئے اور جامع ابن العاص کے قریب سے گزرے۔ حضرت عمر ابن العاصؓ نے مصر عہد فلوقی میں ۶۳۹ عیسوی میں فتح کیا تھا اگرچہ عمارت کہنہ تھی۔ مگر اس کی تاریخ تعمیر سے پتہ چلتا تھا کہ فتح مصر سے تقریباً ۲۸۵ سال بعد تعمیر ہوئی اور بنانے والے نے عقیدت کی بنا پر جناب موصوف سے منسوب کر دی ہوگی۔ وہاں سے آپ شہر میں جامع رفاعی کو آئے جو امام رفاعی کے نام پر

سلا جزیرہ کارسیکا کے ایک وکیل کا لڑکا جو اپنی عالی ہمتی، جوش کردار، بے پناہ فطنت و ذہانت اور بلند و برتر شخصیت کے باعث فرانس کا شہنشاہ بنا۔ اور جس نے اپنی پلے در پلے فتوحات سے یورپ میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ ۱۷۶۹ عیسوی میں پیدا ہوا اور ۱۸۲۱ عیسوی میں جزیرہ سینٹ پینا میں فوت ہوا۔ ۱۷۹۹ء میں مصر پر حملہ آور ہوا۔ جنگ اہرام میں مملوکوں کو شکست دی۔ اور قاہرہ پر قابض ہو گیا۔

سے سید احمد کبیر رفاعی الحسینی دم۔ تاریخ ولادت ۱۵ رجب المرجب ۵۱۳ھ تاریخ وفات ۵۷۸ھ بہت بڑے عالم، بڑے صاحب کمال ولی اور عالم تصوف تھے۔ بران المویذ علم تصوف پر آپ کی تصنیف ہے۔ آپ کے ہزاروں خلفاء تھے۔ حقیقتاً مندوں کا تو کوئی شمار نہیں تھا۔ بصرہ کے قریب قصبہ ام عہیدہ میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ اور زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ آپ کی ایک کلامت بڑی شہرت رکھتی ہے۔ ۵۵۵ ہجری میں حج کے موقع پر سکار رسالت پناہ کے روز منہ مقدس پر حاضر ہوئے باواز بند عرض کی۔

السلام عليك يا جدی

وعليك السلام يا ولدی

گنبد خضرا سے فہم اندا آئی۔

مبارک خضرا سے فہم اندا آئی۔

مشہور ہے۔ مسجد کے ایک کونے میں امام رفاعی کے اجداد میں سے سید ولد بھی
 الانصاری اور دوسری طرف سید نارفت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزار
 ہیں۔ یہ مسجد ۳۵ سال کے عرصہ میں تعمیر ہوئی تھی۔ خدیو مصر عباس حلمی پاشا کے والد
 توفیق پاشا (۱۸۴۹ - ۱۸۹۲ عیسوی) نے اسے اپنے زمانہ میں تکمیل کو پہنچایا تھا۔
 صاحبزادہ صاحب قبلہ کا خیال ہے کہ یہ مسجد محمد علی پاشا کی قلعہ والی مسجد سے بڑی ہوگی
 البتہ اس میں سنگ مرمر کی وہ افراط نہیں تھی جتنی محمد علی پاشا کی مسجد میں تھی۔ صاحبزادہ
 صاحب اکتوبر ۱۹۱۳ء میں قاہرہ میں تھے۔ عباس حلمی پاشا ۱۹۱۴ء میں فوت ہوا۔
 مگر جامع رفاعی کے ایک طرف اس نے اپنی قبر بنوا دی تھی۔ اور اس کے بالمقابل
 باغ بھی لگوا دیا تھا۔ اس کے بعد آپ جامع سلطان حسن گئے۔ چھ سو سال کہنہ
 عمارت تھی در دیوار سے شکستگی کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں۔ ایک طرف توپ کے
 گولوں کے نشانات بھی تھے۔ جو اعرابی پاشا نے تنگ آکر شہر پر پھینکے تھے۔ مگر مسجد
 محفوظ رہی تھی۔ عباس حلمی پاشا خدیو مصر نے اس کی مرمت کا کام شروع کرایا ہوا تھا
 ان زیارات کے بعد آپ اپنے ہوٹل کلوب المصری میں تشریف لے گئے۔
 قطن والوں نے کرایہ لیتے ہوئے بڑا شور و غل مچایا۔ مقرر اٹھائیس قرش ہوا تھا مگر

البقیہ حاشیہ ۱۹۱۴ء میں ہی امام صاحب پر وجد طاری ہو گیا۔ اور بحالت گریہ عربی زبان میں دو اشعار پڑھے
 جن کا مطلب تھا کہ دوری کی حالت میں اپنی روح روضہ اہلہ کے طواف کے لئے بھیجتا تھا۔ اب دلت دیدار اصالتاً
 حاصل ہے۔ اپنا مبارک ہاتھ دیکھئے۔ تاکہ میں اسے بوسہ دیکر عزت حاصل کروں۔ قبر النور سے نورانی ہاتھ
 نکلا اور امام صاحب نے بوسہ دیا۔ چونکہ حج کے ایام تھے تقریباً تیس ہزار عاشقان جمال محمدی وہاں موجود تھے۔ وہ سب
 سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور کی سامعہ نواز اور روح
 نوا بھی سنی۔ زائرین میں شیخ عبدالقادر جیلانی رح، شیخ عدی، اور حضرت شیخ عبدالرزاق حسینی الواسطی جیسے
 جمیل القدر بزرگ بھی تھے۔ ۱۳۵۰ھ قاہرہ کی سب سے زیادہ خوبصورت مسجد ہے جو تقریباً ۱۳۵۱ھ میں مملوک حکمران
 حسن تعمیر کرائی تھی۔ سلطان حسن کی مہرانی کا شمار ۱۳۵۱ھ تا ۱۳۵۶ھ عیسوی اور دوسرا ۱۳۵۶ھ تا ۱۳۶۱ھ عیسوی

آپ نے صرف ایک روز میں اس قدر زیارات اور تاریخی عمارات دیکھی تھیں۔ اس سے
ان عسزائم کا پتہ چلتا تھا جو اس جو اس سال شاہراہ کے درمیان میں برق
انگن تھے۔

اگلے روز یعنی ۲ ذی قعدہ مطابق ۳ اکتوبر بروز جمعہ آپ علی الصباح گاؤں
کے ہمراہ شہر کی گشت لگاتے عتبۃ الخضر آگئے۔ وہاں سے ٹرام پر سوار ہوئے
اور مصر قدیم کا ٹکٹ لیا۔ پندرہ منٹ میں ٹرام وہاں پہنچی۔ جس کے پہلے دریائے نیل
کے کنارے کھڑے ہو کر آپ نے دریا کی سیر کا لطف اٹھایا۔ ان دنوں دریا میٹروپولیٹن
کئے ہوئے تھا۔ تاہم اس کا پاٹ نصف میل کے قریب ہو گا۔ مصر کے سامنے اس
پر چھیل تھے۔ جن پر سے آدمیوں، گاڑیوں اور ٹراموں کا بکثرت گذر ہوتا تھا۔ مین پل
تو کشتیوں کے تھے جو غالباً دریا کی طغیانی کے وقت اکھیر لئے جاتے ہوں گے اور
تین اچھے مستحکم اور بہت فراخ تھے۔ جن پر سے تین چار گاڑیاں بیک وقت گزر سکتی
تھیں۔ بیچ میں ٹراموں اور گاڑیوں کا راستہ تھا۔ اور اطراف پر لوگوں کے چلنے کا
وہاں سے آپ مصر قدیم کی پرانی عمارتوں کا ملاحظہ کرتے اور عبرت انگیز منظر
دیکھتے جامع عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ میں گئے جو عبرت کا نمونہ بن رہی تھی بالکل
غیر آباد اور سنسان پڑی تھی۔ مسجد کوئی زیادہ فراخ نہیں تھی۔ ممکن ہے پہلے
خوبصورت ہو کر اس وقت تو مروہ ایام سے بالکل بھدی بن چکی تھی۔ سنگ مرمر کے
ستون پہچانے نہیں جاتے تھے۔ اوپر سے سفیدی اڑ چکی تھی اور اس طرح معلوم ہوتا
تھا کہ بالکل معمولی بد رنگ پتھر ہے۔ اللہ اللہ یہ وہی مسجد تھی جس میں اسلام کا نعرہ
اللہ اکبر سر زمین مصر میں پہلی دفعہ بلند ہوا تھا۔ اور یہ مسجد اس جہاد کبیر سے منسوب
تھی جس نے بڑی شجاعت اور مردانگی سے کام لے کر اپنی شمشیر خارا شکاں سے
ملک مصر پر قبضہ کیا تھا۔ اور یہاں اسلامی پرچم لہرایا تھا۔ بنا بریں صاحبزادہ

صاحب قبلہ کی نظروں میں جامع محمد علی پاشا اپنی عظمت اور علو شان کے باوجود
 جامع ابن العاص کے ایک ستون کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس میں عجمی
 تکلفات کی آن بان تھی۔ اور اس میں عرب کی سادگی۔ وہ ایک ایسے حکمران
 کی تعمیر کردہ تھی جس کی تلوار اپنے بھائیوں کا گلا کاٹنے میں مشہور تھی اور جس کی بغاوت
 نے سلطنتِ ترکی کا رہا سہا اقتدار اور رعب بھی گنوا دیا تھا۔ اور جس کا خمیازہ
 ترکی بھگت رہا تھا۔ اور یہ مسجد مقدس اسلام کے ایک ایسے فدائی اور رسول اللہ
 کے ایک ایسے صحابی کی وجہ سے معرض وجود میں آئی تھی جس نے مصر جیسے بڑے
 پرست ملک میں نعرہ توحید بلند کیا تھا اور جس کا اثر اس ملک میں کچھ نہ کچھ اس
 وقت تک بھی باقی تھا۔

قبلہ صاحبزادہ صاحب رقم طراز ہیں کہ شاید کوئی معترض یہاں انگشت نمائی
 کرے اور کہے کہ عمر بن العاص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرفداری
 میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے۔ مگر منصف مزاج
 جانتے ہیں کہ وہ مقاتلہ ذاتی اغراض پر مبنی نہیں تھا۔ بلکہ ایک مسئلہ اجتہادِ
 میں دونوں حضرات کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اور بڑھتے بڑھتے لڑائی
 تک نوبت پہنچ گئی۔ اگر کوئی ذاتی عناد ہوتا تو جب قیصر روم نے اپنے سیاست
 کے جتلانے پر خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
 کی طرف پیغام بھیجا کہ میں آپ کی امداد کے لئے دل و جان سے حاضر ہوں اور
 جتنی فوج آپ کو مطلوب ہو بھیجنے پر کمر بستہ تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے
 دندان شکن اور معقول جواب نہ دیتے۔ انہوں نے قیصر روم کو کہلا بھیجا کہ اگر تم
 حضرت علی سے مقابلہ کرو گے تو ان کی فوج میں سب سے پہلے جو شخص میدان میں آئے
 گا وہ معاویہ ہوگا۔

اور اس کا بینا رہی دستبرد زمانہ سے پیوند خاک اور پامال ہو چکا تھا۔ اور اس کے بروج مشیدہ اب صرف سیرگاہ اور الوالابصار کے لئے عبرت کا مرقع تھے۔

العظيمة لله - فراعنة کی ان مٹیوں کو دیکھ کر طبیعت بڑی خائف ہوئی اور حصول عبرت کی غرض بدرجہ اعلیٰ تکمیل کو پہنچی۔

العظيمة لله

عجائب گھر سے قبلہ صاحبزادہ صاحب ٹرام پر عقبۃ الخضر اپنے اور وہاں سے فٹن لے کر جامع ازہر گئے۔ خطبہ جمعہ ہو چکا تھا۔ مگر جلد وضو کر کے آپ دوسری کھیت میں شامل ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مسجد دیکھی۔ بڑی فراخ تھی پندرہ ہزار طلباء کو گیارہ سو معلم مسجد میں ہی تعلیم دیتے تھے۔ اور پھر بھی مسجد میں بہت سی جگہ خالی رہتی تھی۔ متعدد علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مختلف امصار قبلا د کے طلبہ وہاں مقیم تھے۔ جمعہ کے باعث آپ تدریس و تعلیم نہ دیکھ سکے۔ تاہم استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ پہلے کی نسبت بیت العلوم کا انتظام اچھا تھا۔ آپ دو ایک طالب علموں سے علمی چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ کہ مسجد کے ایک طرف شور و غل بپا ہوا۔ الجزائر کی طرف کے ایک طالب علم نے ذاتی رنجش کی بنا پر اپنے ہم وطن استاد کا گلا چھری سے کاٹ ڈالا تھا۔ آپ وہاں سے اپنے ہوٹل پر تشریف لے گئے۔ کرایہ وغیرہ کا تصفیہ کیا۔ بعض ساتھیوں کو تو آپ نے اسٹیشن پر بھیج دیا مگر خود دو کو ہمراہ لے کر مصر جدید دیکھنے کے لئے ٹرام پر تشریف لے گئے اعلیٰ انتظام کی وجہ سے آپ کو مصر کی ٹرام بڑی دلفریب نظر آئی۔ ہر طرف مقروہ ٹرہونے جاتی تھی وہلی اور میٹے کی طرح جا بجا اترنے چڑھنے کا جھگڑا نہیں تھا۔ رفتار مسافر گاڑی سے بھی زیادہ تھی۔ ایک گھنٹے میں آپ مصر جدید پہنچے۔ صرف لونا پارک قابل دید تھی۔ جہاں کھیل تماشے ہوتے تھے۔ انتظام قابل ستائش تھا۔ ہر فلک عمارات تھیں۔ ابھی عمارت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور آبادی کم تھی۔ آپ نے خیال

کیا کہ جب یہ شہر آباد ہوگا تو بڑا ہی خوش وضع ہوگا۔ وہاں سے آپ ٹرام پر سوا ہو کر سیدھے اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ مولوی ابو سعید صاحب اور امرتسر کے ایک رزمی امام الدین جو وہاں دوکان کرتے تھے الوداع کہنے کے لئے موجود تھے۔ قاہرہ کاریلوے اسٹیشن لاہور سے مشابہت رکھتا تھا۔ اور مستقف تھا آپ پلیٹ فارم پر کھڑے تھے کہ چند گوبے سپاہی شراب سے مخمور قریب سے گزرے اتنا پشناپ بک رہے تھے۔ ایک شاید کچھ اوروں جاتا تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا کیا ہندی ہو۔ اور پھر مذاق کے طور پر زور سے قہقہہ لگایا۔ آپ کو بڑا غصہ آیا۔ چاہا کہ لاٹھی کے دو ایک وار رسید کریں مگر بے وطنی، مسافرت، مداخلت پولیس اور معاملے کے بڑھ جانے کے خیال سے خاموشی اختیار کر لی۔

گاڑی چھ بج کر بندرہ منٹ پر چلی۔ آپ مولوی ابو سعید صاحب کے مرخص ہوئے فوجی گورنر میں سے شاید کچھ ولایت جا رہے تھے۔ باقی ہوائے تودیع آئے ہوئے تھے۔ گاڑی کی روانگی کے وقت انہوں نے طوفان بدتمیزی بپا کیا۔ رخصت ہونے والے گورنر کے سینکڑوں دوسرے ڈبلوں میں بیٹھے اور ان پشناپ راگ اللہ شروع کیا۔ آپ کے ڈبے میں ایک فرانسسیسی پادری بھی سوار تھا۔ اور مصرعین رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے عربی میں گفتگو کر سکتا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا:

هَذَا تَهْدِيْبُ النَّصَارِي؟

وہ بیچارہ بڑا اثر مندہ ہوا اور اٹھ کر ان گدھوں کو سمجھانے لگا۔ مگر ان کے سر شراب کا جھوٹ سوار تھا۔ جو صرف ترش کلمات سے کیسے اتر سکتا تھا۔ انہوں نے اُلٹا عربی پادری کو آڑے ہاتھوں لیا اور بے نقط سنائی شروع کیں۔ وہ غصے سے لال پیلا ہو کر لاجول پڑھتا ہوا اپنی سیٹ پر واپس آ گیا۔ اعلانیہ شراب نوشی اور اس کے نتائج قبیلہ کو دیکھ کر صاحبزادہ صاحب کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے فرمایا کاش

حکومت برطانیہ اس ام النجاشٹ کے خلاف کوئی قانون نافذ کر دے۔

مصر کو خیر باد کہتے ہوئے آپ کو اس کے عیوب و نقائص اور محاسن و
ماثر پر نظر ڈالنا ضروری نظر آیا۔ آپ نے اس کی دورخی تصویر کو سامنے رکھا
سفر حج اختیار کرنے سے پہلے آپ نے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا تھا

مصری تصویر
کا رخ

کل ایک شہید بارگاہ نبی پر روئے کہ یہ ہاتھا پڑا کہ مصر ہندوستان کے مسلم بھائی ہیں
مگر آپ کا خیال تھا بے دینی، ملت کشی اور احکام الہی کی خلاف ورزی کے لحاظ

سے مصر والوں کی نسبت ہندی مسلمانوں کی حالت زیادہ المناک تھی لیکن
مصر کی قابلِ رحم حالت کو دیکھ کر ہندوستانی مسلمانوں کی وقعت آپ

کے دل میں بہت بڑھ گئی اور آپ کی نظروں میں ہندوستان کے کلمہ گو
مصر کے مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ دیندار، متبع شریعت، احکام شرع پر عمل پیرا

اور خداوند کریم کے فرمانوں کی عدم تعمیل سے خائف دکھائی دینے لگے۔ ہندوستان
کے بعض شہروں میں جہاں علانیہ شراب فروشی اور شراب نوشی ہوتی ہو

گی۔ میخواروں کے ذلیل ترین گروہ میں مسلمان بھی خال خال نظر آتے ہوں گے
مگر پھر بھی وہ اس ام النجاشٹ کو چھپ کر منہ ملاتے ہوں گے تاکہ مسلمانوں

کی سوسائٹی میں بدنام نہ ہوں۔ اور آزادی کے باعث اگر کہیں مذہبی احکام
کو پس پشت ڈال کر ہندوستانی مسلمان علانیہ شراب نوشی کا ارتکاب کرتے بھی

ہوں گے تو پھر بھی مصر جیسا اندھیر کہیں نہیں ہوگا۔ جہاں شراب کو شیر باد سمجھ
لیا گیا ہے۔ اور غروب آفتاب سے لے کر نصف شب تک بڑی کثرت سے

شراب خانے مسلمانوں سے معمور اور یہ تہذیب یافتہ "لوگ مخمور نظر آتے ہیں اس
کے باوجود مصری مسلمانوں کو دعویٰ تھا کہ وہ اسلام کے جاں نثار اور فدائے

ملت ہیں۔ ایک مصری جنٹلمین نے اثنائے گفتگو میں صاحبزادہ صاحب قبلہ سے

کہا آپ ہماری شراب نوشی سے متعجب نہ ہوں۔ ہمارے نزدیک شراب حلال
طیب ہے۔

لباس میں بھی بچے بوڑھے تک ہر ایک نے نصرانیوں کا اتباع ضروری سمجھ
لیا تھا۔ وہی کوٹ پتلون کالر، ٹائی، ترکی ٹوپی بھی ماہر الاقویاء نہیں تھی۔ کیونکہ قاہرہ
میں عیسائی اور یہودی بھی اسے استعمال کرتے تھے۔ علاوہ بریس ٹاڑھیوں
چٹ۔ یہودیوں کی طرح مونچھیں بڑھی ہوئی۔ سر پر انگریزی وضع کے بال، طرز تکلم
طرز معاشرت انگریزوں جیسا۔ امیر و غریب، امام اور مقتدی ہر صبح استرے
سے ڈاڑھی صاف کرنے کا عادی۔ اسٹریٹوں میں نصرانی اور مسلمان میں امتیاز
کرنا ناممکن تھا۔ صاحبزادہ صاحب اور آپ کے ساتھیوں کے چہرے بڑے ڈاڑھیوں
دیکھ کر انگلیاں اٹھتی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ نووارکس مرز بوم کے ہیں۔ بعض
نے تو آپ کو عیاذ باللہ یہودی سمجھا اور آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔
۵۔ اگر اسلامی زمین است کہ مصری دار وائے اگر ازیں امروز بود فرمائے

اب جلس لطیف کا حال سنئے جغرافیائی قرب کی وجہ سے سرزمین مصر
میں یورپ کی ہوا چل رہی تھی۔ اس لئے عورتیں بھی متاثر تھیں۔ کھلے منہ بازاروں
میں پھرنا۔ دوکانداروں سے غایت بے تکلفی سے لین دین کے معاملات طے کرنا،
ہر راہنڈر کی طرف گھور گھور دیکھنا، اپنے پرانے سے ٹھوکر مار کر چلنا مصری عورت
کا خاصہ نظر آیا۔ برقعہ پہنا جاتا تھا۔ مگر کیسا۔ رخسار بالکل برہنہ۔ ناک پر پتیلی کی یا سہی
حسب توفیق ڈبیرہ، منہ پر پتیلی سی جالی جس میں سے دانت وغیرہ صاف نظر آتے
تھے۔ کوچہ گردی میں طاق۔ تعجب آتا تھا کہ جب سحر سے رات بارہ بجے تک عورتیں
بازاروں اور گلیوں میں مروں کی نسبت زیادہ تعداد میں مٹر گشت کرتی رہتی تھیں
کھانا کہاں سے کھاتی ہوں گی۔ ایک دو ہندوستانیوں اور ایک مصری کی زبانی

ان کی عفت و عصمت کے بھی المناک افسانے سننے میں آئے۔

بد معاہلی بھی اہل مصر کا شعار بن چکا تھا۔ خصوصاً ہندی زاہرین کو دوکاندار سے لے کر گاڑیبان تک حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اس کے مال اسباب کو پھین لینے پر ہر ایک کمر بستہ نظر آتا تھا۔ گاڑیبان بد زبان، بے اعتبار اور غدار تھے۔ بعض بشری النفس ستند روزگار ہندوستانی بھی اپنے نام کے کارڈ چھپوا کر عقل کے اندھے اور ناواقف غریب الدیار ہموطنوں کو چکنی چٹری باتوں سے لوٹنے پر آمادہ رہتے تھے۔ بھیک مانگنے والوں کی بھی افراط تھی۔ مزارات پر توسلین کا وہ ہجوم اور ازدحام ہوتا تھا کہ پناہ بخدا۔ دور سے ہندوستانیوں کو دیکھ کر باگی بابا (حاجی بابا) پکارنے لگ جاتے تھے۔ اور کپڑے تک اتار لینا چاہتے تھے۔ حکومت مصر اس طرف سے بالکل غافل تھی۔

اب تصویر کا دوسرا رخ لیجئے۔ بائیمہمحبوب مصری بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ پولیس تو قابل تعریف حد تک خوش اخلاق تھی۔ رستہ پر متعین سپاہیوں سے صاحبزادہ صاحب قبلہ نے کئی بار رہنمائی کے لئے کہا۔ اور انہوں نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے اور بعض اوقات طبع اور لالچ کے بغیر ساتھ چل کر راستہ بتایا۔ حالانکہ ہندوستانی پولیس کے آدمی تو اپنے تئیں فرعون کا باپ سمجھتے ہیں۔ اور کبر و نخوت کے پتلے نظر آتے ہیں۔ مصری لوگ مہمان نواز بھی تھے۔ آپ جب اہرام دیکھنے جا رہے تھے تو ایک مصری ملازم ٹرام پر ساتھ سوار ہوا۔ وہ اپنے گاؤں کو جا رہا تھا جو دریائے نیل کے بائیں کنارے واقع تھا۔ اس نے مجھ کو کیا کہ وہاں پر ہمارے ہاں مقیم ہوں۔ علاوہ بریں لوگ نماز کے بڑے پابند تھے۔ جمعہ کے روز آپ کے باقی ہمارے میلوں نے جامع سیدنا حسینؑ میں پندرہ بیس ہزار آدمی نماز جمعہ میں شریک دیکھے۔ ان میں بیشتر تعداد یورپین نامہمحبوں کی تھی۔

تصویر کا دوسرا
رخ

جامع ازہر میں فریضہ جمعہ ادا کرتے ہوئے آپ نے بہت سے بے ریش مسلمان
 دیکھے۔ تہذیب شائستگی کے اعتبار سے بھی مصریوں کا پایہ بڑا بلند تھا۔ گفتگو
 میں ادب احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ بدیہ اٹھ کر قبول کرتے تھے۔ اور انکار بھی
 بڑی تعظیم سے کرتے۔ استفسار کیا جاتا تھا تو تمام امور کا جواب بڑی خوش مزاجی
 سے دیتے تھے جو اندہ طبقہ میں اخبار بینی کا شوق عام تھا۔ جنگ کی خبروں سے عوام
 الناس بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ان محاسن کو دیکھ کر صاحب جزا وہ صاحب قبلہ نے کہا
 کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیاں بھی خوبیوں میں تبدیل کر دیں۔ اور ان کے ساتھ
 ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین
 رستہ میں ایک مصری جنٹلمین سے بعض سیاسی امور پر گفتگو ہوتی رہی اور
 وہ تعجب انگیز طریقہ سے ہندوستان کے حالات دریافت کرتے رہے۔ ہندوستان
 میں مسلمانوں کی چھ سات کروڑ تعداد سن کر خوش بھی ہوئے اور متعجب بھی۔ صاحبزادہ
 صاحب کے ہمراہی پادری نے بھی کچھ سوالات کئے۔ اور مصری صاحب نے
 ان کی ترجمانی کی۔ پادری چونکہ فرانسیسی تھے۔ یہ سن کر انگریزی اقتدار ہندوستان
 میں بہت زیادہ ہے اور فرانس کو کوئی جانتا بھی نہیں، ان کے بشرہ سے بلال کے
 آثار نمودار ہوئے۔ انہوں نے تین چار اعتراضات بھی کئے۔ جن کا مناسب الفاظ
 میں دندان شکن جواب دیا گیا۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ مسلمانوں کی اتنی تعداد
 کے باوجود انگریز کیسے مسلط ہو گئے۔ جس کا جواب یہ دیا گیا کہ ملک کی حفاظت
 فوج پر منحصر ہوتی ہے۔ اور رعایا تو جس کی لاشی اس کی بھینس، محض عضو معطل
 ہوتی ہے۔ اسلامی جیوش و عساکرافسروں کی عیش پرستی اور بے التفاتی سے
 امام طلب ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ فوجی حواریت ان کے وجودوں سے جاتی ہی
 آپس میں خوار جنگیوں نے انہیں تباہ کر دیا۔ آخر نوبت بایں جا رسید کہ انگریز

جنہوں نے پہلے تجارت کا جال پھیلا رکھا تھا۔ ملک گیری کی صورت اختیار کر کے ظاہر ہوئے۔ اور حکمت عملی سے بلا مقابلہ و مجاہد سلطنت ہند پر قابض اور متصرف ہو گئے۔

گاڑی ساڑھے دس بجے کے قریب پورٹ سعید پہنچی۔ سلطان بابا کے ایک فرستادے سٹیشن پر موجود تھے۔ وہ صاحبزادہ صاحب کو مشورہ دینے لگے۔ کہ اس وقت سلطانی ہوٹل میں چلنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ وہاں کافی جگہ خالی پٹی ہے۔ اور الگزنڈریا کا لوکنڈہ مسافروں سے کھچا کھچ بھرا پڑا ہے۔ مگر وہ امر جانے سے مانع ہوئے۔ ایک تو اسباب الگزنڈریا میں پڑا تھا۔ دوسرے آپ کے جو آدمی پیچھے اسباب کی حفاظت کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں سات کھانا تیار رکھے کی فہمائش کی ہوئی تھی۔ لہذا آپ الگزنڈریا میں پہنچے۔ کھانا تیار تھا۔ اور جگہ بھی کافی مل گئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ سلطانی ہوٹل کے ایجنٹ تھے۔ اور مسافروں کو پھنسا پھنسا کر اس طرف لے جاتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے چند لمحات کے لئے آپ نے قاہرہ کے سفر سے حاصل ہونے والے فوائڈ کے متعلق غور فرمایا۔ مصر کے اس تاریخی شہر کے تمام قابل دید مقامات آپ کی نگاہوں کے سامنے پھرنے لگ گئے آپ نے محسوس فرمایا کہ فراعنہ کے وقت سے لے کر اس وقت تک مصر کی ساری ساری تاریخ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ مصر میں اسلامی فتوحات بنو فاطمہ کا عہد حکومت، ممالیک کے ایام۔ پنولین اعظم کی آمد خدیوان مصر کا زمانہ یعنی تاریخ کے ان تمام ابواب کی تدوین گویا آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوئی۔ آپ کو اس امر کا اچھی طرح احساس ہوا کہ مصر کی سیاحت سے معلوم

پہلے سعید
میں

لے ذکر حبیب میں آپ کے اسکندریہ تشریف لے جانے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مگر سفر نامہ میں کہیں درج نہیں
اسکندریہ قاہرہ سے شمال کی طرف بحیرہ روم کے کنارے مصر کی بڑی خوبصورت بندرگاہ ہے۔ اس کا ایک
حصہ بالکل یورپی طرز کا ہے۔ جہازوں کی رہنمائی کے لئے روشنی کے مینار ہیں۔ سکندر اعظم نے اسے ۳۳۲
ق م میں آباد کیا تھا۔ خلیفہ ثانی کے عہد میں ۶۴۲ء کو یہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ یہاں حضرت دانیال اور نوح

میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر آپ نے عشاء کی نماز پڑھی اور آرام فرمایا۔

سفر بیت المقدس

۳ ذیقعد ۱۳۳۱ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء بروز شنبہ علی الصباح بیدار ہو کر صاحب زادہ صاحب نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ دو ہراہمیوں کو جہاز کا ٹکٹ لینے کے لئے ارسال فرمایا۔ کھانا کھا کر اسباب کا بندوبست کیا۔ ملک روس کا ایک ڈاک والا سٹیمر یافتہ کو جا رہا تھا۔ اس کے ٹکٹ مل گئے۔ تھرڈ کے چار روپے تیر گئے اور سیکنڈ کے چودہ روپے چھ آنے خرچ ہوئے۔ سلطان بابا نے چھکڑے پر سنا لہوا کر بندر پر پہنچوایا۔ وہاں بخور گھر میں ہر ایک آدمی کو جانے کا حکم ہوا۔ بخور سے تو سب محفوظ رہے۔ لیکن تھرڈ والوں سے ڈیڑھ روپیہ اور سیکنڈ والوں سے آٹھ آنے مصری صحتہ کا کاغذ ویکر وصول کئے گئے کشتیوں پر سوار ہو کر سٹیمر پر آئے۔ جہاں مال جبر ثقیل سے لاوا جا رہا تھا۔ اسباب چڑھایا۔ دو گھنٹہ کے قریب سٹیمر کھڑا رہا۔ اور پورٹ سعید کا خوش منظر بندر نظروں کے سامنے رہا۔ شام کے وقت جہاز نے لنگر اٹھایا۔ جہاز کے جتنے ملازم تھے چند ایک تیلیوں کو مستثنیٰ کر کے سب روسی تھے۔ اور انگریزی زبان سے محض نابلد۔ اس لئے کسی سے تبادلہ خیالات نہ ہو سکا۔ بلکہ جہاز کے متعلق بعض امور مستفسرہ کا جواب بھی دے سکے۔ اور "روس" "روس" کہہ کر اپنی بے علمی کا اظہار کیا۔ ہاں ایک مصری جنٹلمین مسٹر محمد منیب نامی سے جو مولائے عبد الحفیظ سلطان مراکش کا سکریٹری و قین صدر روپے ماہوار پر طنجہ میں ملازم تھا۔ اور مصری عمل سے شمولیت حاصل کرنے کے لئے براستہ حیفادینہ منورہ جا رہا تھا۔ بہت سی باتیں ہوتی ہیں

وہ ملک محمد الدین صاحب سے انگریزی اور قبلہ صاحبزادہ صاحب کے عربی میں گفتگو کرتے رہے۔ بہت پاکیزہ خیال اور مہذب انسان تھے۔

رات کا کھانا حضور نے خلافِ قانون خود جہاز پر پکوا یا۔ اس جہاز میں بھی ہر ایک مسافر کو کھانا باورچی خانہ سے پکوانا پڑتا تھا۔ اور سب باورچی عیسائی تھے رات کو حرکت زیادہ رہی کیونکہ بحیرہ روم کا طلاطم مشہور ہے۔ اور جہاز بھی ڈاک کا تھا جو بہت تیز رفتاری سے چلتا تھا۔

۴ روز بعد بروز یکشنبہ صبح کی نماز سے آپ فارغ ہو بیٹھے تھے کہ یازہ کا شہر نظر آنے لگا۔ آخر آٹھ بجے کے قریب جہاز بندر سے ایک میل کے فاصلہ پر لنگر ڈال دیا۔ بیسیوں ملاح کشتیوں کو کھیتے ہوئے آپہنچے۔ اور سیر بھی لگتے ہی اوپر چڑھ آئے۔ اور مسافروں کا اسباب بے ترتیبی سے پھینکنے لگے۔ پہلے تو صاحبزادہ صاحب نے لک کمپنی کے ایک ایجنٹ سے معاملہ ٹھہرانے کی نسبت سوال و جواب کئے مگر پھر اس بات سے باخبر ہونے کے باوجود کہ درویش نامی ملاح بہت گراں فیس لیتا ہے۔ اور پہلے درجے کا طماع ہے دیدہ و دانستہ آپ اس کے پنجے میں محسوس کئے کیونکہ باقی سب کشتیاں درویش کے زیر تعلق تھیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لک کمپنی کی فیس بھی اس کی بیان کردہ اجرت سے زیادہ تھی۔ آپ کے ہمسفر مسٹر محمد منیب مصری نے بھی آپکے مشورہ دیا کہ نصرانی پر مسلم کو ترجیح دیں۔ اسباب ایک بڑی کشتی پر اتارا اور خود بھی اس پر سوار ہو گئے۔ یافہ کا سمندر طلاطم میں بہت مشہور ہے اور بندر کے قریب تو ایسا تموج ہوتا ہے کہ الامان کشتی کبھی تو آسمان سے باتیں کرتی تھی اور کبھی تحت الثریٰ چلی جاتی تھی۔ آپ کی طبیعت نہایت چکرائی بعض ہمارا ہیوں کو تو قے تک نوبت پہنچی۔ آخر خدا خدا کر کے بندر پر پہنچے۔ جہاں معلوم نہیں کس چیز کی بو تھی۔ جس سے آپ سب کا دماغ پھٹنے لگا۔ درویش نے آپ کے

ساتھ فی کس مبعہ اسباب جہاز تک آمد و رفت کے لئے ایک مجیدی یعنی دو روپے آٹھ آنے مقرر کئے۔ اور اسباب کی حفاظت کے پانچ روپے یومیہ لینے کئے۔ جو آپ نے مجبوراً قبول کئے۔ تھوڑی دیر اس کے مکان پر ٹھہرے۔ بازار سے کھانا منگایا۔

یافہ سے صرف دو گاڑیاں بیت المقدس کو جاتی تھی۔ ایک صبح کے آٹھ بجے اور ایک دو بجے۔ اس لئے تعجیل سے کام لیا گیا۔ سٹیشن قریب ہی تھا۔ وہاں پہنچ کر درویش کی رائے پر واپسی ٹکٹ خرید کئے۔ تھوڑے چھ روپے چار آنے اور سیکنڈ کے اٹھارہ روپے چار آنے صرف ہوئے۔ آرام کے لئے لوگ عموماً اس لائن پر واپسی کے ٹکٹ لیتے تھے۔ مصر میں تو قرش سے لین دین تھا۔ اس ملک میں مجیدی نصف مجیدی، ربع مجیدی اور متک = دو پیسے سے حساب ہوتا تھا۔ افرنجی گنی یعنی انگریزی پونڈ کی ریزگاری لینے سے چھ آنے کا خسارہ پڑتا تھا۔ عبد الحمید نامی افغان جو یافہ میں تسبیح فروشی کا کام کرتا تھا۔ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں بیت المقدس جا رہا تھا۔ باتوں باتوں میں صاحبزادہ صاحب کا شناسا ہو گیا۔ اس نے بھی سیکنڈ کا ٹکٹ لیا ہوا تھا۔ راستہ میں اس سے فارسی میں تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ اچھا شریف مزاج اور سلیم الطبع انسان تھا۔ بیت المقدس یافہ سے ۹۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور حسب ذیل اسٹیشن راستہ میں تھے۔

یافہ، لد، رملہ، دیرابان، تبیر، قدس شریف

چونکہ اسباب حاجی ویش کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اور صرف معمولی سا ساتھ تھا اس لئے راستہ میں کوئی وقت پیس نہ آئی۔ آپ آرام بیٹھے گئے۔ یافہ اور لد کے درمیان سنگترہ کے بے شمار درخت دیکھنے میں آئے۔ اکتوبر کا مہینہ تھا۔ پھل پکا ہوا تھا۔ اس لئے دور سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ جنگل میں آگ لگا دی گئی ہے۔

اور ہزاروں شعلے اٹھ رہے ہیں۔ راستہ میں حضرت صالح علیہ السلام کی مزار مبارک بھی دیکھی۔ ریل سے روضہ کی عمارت نظر آتی تھی۔ صاحبزادہ صاحب کے وہاں سے ہی فاتحہ پڑھ کر بخش دیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہاں سے قریب ہی ایک جگہ پر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نزول فرمائیں گے۔ مگر صاحبزادہ صاحب کو یہ امر قابل تسلیم نظر نہ آیا۔ دیر بان میں دونوں گاڑیوں کا کراس ہوتا تھا۔ اس سے آگے پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا اور ریل کی حفاظت کے لئے پٹری کے برابر دیوار چینی ہوئی تھی۔ ریل عجیب طرح کے چکر لگاتی تھی۔ اور سانپ کی طرح بل کھاتی جاتی تھی۔ کہیں دائیں طرف پہاڑ تھا اور بائیں طرف غار۔ اور کہیں اُسکے برعکس۔ تبتیر سے آگے ریل نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ اس لئے آہستہ آہستہ جارہی تھی۔ آدمی بھی اس سے تیز چل سکتا ہوگا۔ انگوڑ کی ہزار ہا خود رو بیلین اور انار زیتون کے درخت جا بجا نظر آتے تھے اور بہت ہی خوشنما معلوم ہوتے تھے۔

یافہ سے ہی عبدالحمید افغان نے شیخ ابراہیم حسن انصاری شیخ الحرم کے نام تاروے دیا تھا۔ شیخ صاحب دیر بان ہی استقبال کے لئے پہنچ گئے تھے۔ اس لئے قدس شریف کے سٹیشن پر اتر کر صاحبزادہ صاحب ان کے ساتھ چل پڑے۔ کراچی کی فٹنیں موجود تھیں۔ مگر ادب کے خیال سے آپ نے پاپیادہ چلنے کو ترجیح دی۔ آپ ایک ہوٹل "الترلانگی" نامی میں ٹھہرے جو ایک یہودی کے زیر قبضہ تھا۔ بڑی تلاش کے باوجود مسلمانوں کا کوئی ہوٹل نہ مل سکا۔ مغرب کی نماز ادا کر لی گئی تو شیخ ابراہیم صاحب نے کہا کہ اس وقت صرف باب المحطہ سے داخل ہو کر مصلیٰ النبی میں دو رکعت نماز ادا کر دیں اور واپس چلے آئیں۔ صبح خلیل الرحمن جائیں اور شام کو واپس آکر استراحت کریں۔ اگلے روز آپ کو بیت المقدس کے تمام زیارات سے جو شہر کے اندر اور باہر ہیں مشرف کرایا جلٹے گا۔ چنانچہ آپ شیخ صاحب کے

ہمراہ چل پڑے اور باب الحطۃ سے داخل ہوئے۔ معلم صاحب نے دعا پڑھائی اور
سیدھے مصیٰ النبی صلعم میں پہنچے جو ایک تہہ خانہ میں واقع ہے۔ وہاں دو رکعت
نفل ادا کئے۔ باہر آکر حرم کے اندر ہی عشاء کی نماز ادا کی۔ حوض کوثر کا پانی پیا۔ مشہور
ہے کہ قیامت کے روز حوض کوثر یہاں ہوگا۔ اس کے بعد معلم صاحب کے ایسا پر
آپ واپس چلے آئے۔ اور قریب کی ایک اسلامی دکان سے روٹی کھائی اور ہوٹل
میں پہنچ کر لیٹے بیٹھے۔

اگلی صبح یعنی ۵ ذیقعد مطابق ۶ اکتوبر بروز دو شنبہ خلیل الرحمن جانا تھا
جہاں ابراہیم خلیل اللہ کا مزار مقدس ہے۔ شیخ ابراہیم صاحب انصاری نے
رات کو ہی گاڑیوں کا انتظام کر دیا تھا۔ ناہوار اور نشیب فراز والی راستہ تھا جس
پر سہ اسپہ فٹنیں جاسکتی تھیں۔ بیٹے کے تین بوہرہ ہمسفر نائین اور گاڈ کو شامل
کر کے کل پندرہ آدمی بنتے تھے۔ پانچ آدمیوں کے لئے ایک فٹن کے حساب سے تین
فٹنیں لی گئیں۔ ایک کا کرایہ تیرہ روپے تھا۔ قریب کے بازار سے راستہ کے لئے
بڑے ارزاں عمدہ انار اور انگور بھی خرید لئے۔ شیخ ابراہیم نے اپنے قائم مقام کے
طور پر ایک لڑکے مسمیٰ خلیل کو ساتھ بھیجا تھا۔ راستہ پہاڑ کو کاٹ کر بنایا گیا ہے
جا بجا چکر آتے تھے اور گاڑیوں کی نہایت حزم و احتیاط سے گاڑی چلاتے تھے۔

راستہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت راحلہ رضی اللہ
عنہا کی قبر آئی۔ جہاں کے متولی یہودی اور مسلمان دونو تھے۔ فاتحہ پڑھا گیا۔ اور
بیت اللحم کے قریب سے گزرے۔ جہاں بزم انصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے
ولادت ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تالاب بتایا جاتا ہے۔ صاحبزادہ
صاحب کو وہاں جانہ سکھنے کا افسوس رہا کیونکہ مولد عیسیٰ کو عیسائیوں نے ایک
عظیم نشان گرجا کی شکل میں تبدیل کیا ہوا ہے۔ بیت المقدس اور خلیل الرحمن کے

درمیان راستہ سے نصف میل کے فاصلہ پر حضرت سیدنا یونس علیہ السلام کا
 مزار واقع ہے۔ وقت کی کمی کے باعث آپ فخر باریابی حاصل نہ کر سکے۔ دو روز سے
 یہی فاتحہ پڑھتے ہوئے آگے نکل گئے۔ راستہ میں ایک دیہاتی عورت سے بلا توک
 دو پیسے فی سیر کے حساب سے انگور خرید لیے گئے۔ سانس ہمراہیوں نے خوب
 جی بھر کر کھائے۔ اور دیر تک اس ارزانی پر متحیر رہے۔ اپنے ملک میں ایک یا دو ٹیڑھ
 روپے فی سیر کے حساب سے فروخت ہوتے تھے۔ بارہ بجے کے قریب آپ خلیل الرحمن
 پہنچے۔ ۲۳ میل کا سفر پانچ گھنٹے میں طے ہوا تھا۔ راستہ میں گرد و غبار نے اڑاڑ
 کر نئے منہ اور کپڑوں کو گرد آلود کر دیا تھا۔ ایک ہوٹل میں گئے۔ کپڑے جھاڑے، منہ
 نہر صاف کیا۔ قیمت سے پانی لے کر وضو کیا۔ اور زیارات کے لئے تیار ہو گئے۔
 گائیڈ کے ہمراہ پہلے آپ مسجد انبیا گئے۔ آگے ظہر کی نماز تیار تھی۔ نماز
 باجماعت ادا کی پھر امام کے ساتھ جو معلم بھی تھے آپ سیدنا خلیل اللہ ابراہیم
 علیہ السلام کے مزار اطہر کی زیارت کیلئے گئے جہاں طبیعت میں بہت ہی رقت اور
 درو پیدا ہوا۔ اور ابوالانبیاء کے روحانی فیوض سے آپ نے حظ وافر اٹھایا
 ساتھ ہی حضرت کی زوجہ محترمہ السیدہ سارہ رضیٰ کی قبر ہے۔ پھر آپ نے سیدنا اسحق
 علیہ السلام اور ان کی زوجہ سیدہ رفیقہ رضیٰ کی زیارت سے آنکھوں کو منور کیا۔ بعد ازاں
 سیدنا یعقوب علیہ السلام اور ان کی زوجہ معصومہ سیدہ رائقہ رضیٰ کے مزارات
 کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد سیدنا یوسف علیہ السلام کے مزار
 کی زیارت کی۔ وہاں خود بخود ماہ کنعاں کی محبت آپ کے دل میں موجزن ہو گئی
 اور دیر تک وہاں کھڑے ہو کر ایک عجیب لطف سے حلاوت اندوز ہوتے رہے
 حسن اتفاق سے یوسفی دربان بھی نہایت حسین تھا :

فَتَبَدَّلَكَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِفِينَ ۝

رسول اکرم کے قدم مبارک کا نشان بھی ایک متقل مکان میں موجود تھا۔ آپ نے غار الانبیا بھی دیکھی جہاں کئی ہزار پیغمبروں کی قبور ہیں۔ شیخ ابراہیم صاحب نے بیت المقدس سے آپ کو چند مطبوعہ کاغذات دیئے تھے کہ ان کی خانہ پوری کر کے اپنے مطلب کی تشریح کے بعد غار میں ڈال دینا یہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے استدا اور استدعا کیلئے تھا۔ مگر یہ طریقہ مستحسن نظر نہ آیا۔ اور آپ نے صرف دعا پر اکتفا کی۔ مسجد کے باہر بہت بڑا قبرستان ہے۔ جہاں صد ہا اولیاء اللہ اور مقربان الہی مدفون بتائے جاتے ہیں۔ قریب جا کر آپ نے فاتحہ خوانی کی۔

زیارات سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے معلم صبا کی خدمت کی۔ وہ جاہل آپ کو دعائیں پڑھاتے رہے تھے۔ اور محل صلوة بتاتے رہے تھے۔ کچھ رقم وہاں کے مقیم درویشوں میں بھی بانٹی گئی۔ مصر کی طرح سائیلین کی وہاں بھی کثرت تھی۔ زائر کو زیارت کا لطف نہیں آتا تھا۔ خدام توجہ اور وصول کرتے تھے۔ آپ بیچ کر نکل آئے۔ مگر بیچارہ خلیل پھنس گیا۔ جسے انہوں نے خوب زد و کوب کیا۔ مسجد کے باہر ایک جم غفیر آپ کی طرف بھی جھپٹا۔ مگر ایک پولیس مین نے آپ کی فریاد کے بغیر ہینڈ سے خوب خبر لی ایک دکان سے روٹی کھائی۔ قصبہ ہونے کی بنا پر دکانوں میں عجیبی تکلفات نہیں تھے مگر کباب وغیرہ بہت لذیذ کچے ہوئے تھے۔ اور ارزال بھی تھے۔ چونکہ واپس بیت المقدس پہنچنا ضروری تھا اور راستہ پر خطر بتایا جاتا تھا۔ اس لئے گاڑیوں کے اصرار پر آپ جلدی ہی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ چھوٹے چھوٹے یہودی لڑکے دعائیں دیتے ہوئے ساتھ دوڑ پڑے۔ گائیڈ نے بتایا ان کا یہی وظیرہ ہے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ بائوس ہو کر انہوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ ایک ہمارے کو قد سے خراش بھی آئی۔ آپ کی گاڑی پر بھی پتھروں کی بوچھاڑ ہوئی۔ مگر صرت خلیل الرحمن کے ادب کے زیر نظر آپ نے ان شریر اور بے خوف بچوں کو راہ راہ راست پر لانے کے لئے گوشمالی نہ کی۔

واپسی پر آپ سیدنا یونس علیہ السلام کی قبر مبارک پر بھی جانا چاہتے تھے۔ مگر سورج نصف رستہ پر ہی غروب ہو گیا۔ بمشکل عشاء کو آپ واپس اپنے ہوٹل پر پہنچے، ۴ میل کا سفر ایک دن میں طے کیا۔ رات آپ نے بے آرامی سے گزاری۔

۶ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۹۱۳ء بروز جمعہ شنبہ آپ نے بیت المقدس کی زیارات دیکھیں۔ صبح کی نماز کو کتدہ میں ہی ادا کی۔ شیخ ابراہیم صاحب بھی آگے تھے۔ انہیں ہمراہ لیا اور ان کے ارشادات بمجاہد عا میں پڑھتے ہوئے۔ آپ حرم میں داخل ہوئے۔

پہلے آپ نے صخرۃ اللہ کی زیارت کی۔ صخرۃ اللہ ایک بادامی رنگ کا پتھر ہے جو بہشت سے زمین پر خداوند کریم نے بھیجا تھا۔ صخرۃ اللہ میں ایک جگہ انسان کی زبان جیسی میٹھ رکھتی ہے۔ منقول اور تحقیق شدہ بات ہے کہ شب معراج رسول اکرم صلع نے اس پتھر کو فرمایا: - السلام علیکم یا صخرۃ اللہ اور صخرہ نے عرض کیا وعلیکم السلام یا رسول اللہ۔ جس جگہ سے آواز نکلی وہاں زبان کا نشان موجود ہو گیا۔ اس صخرۃ اللہ کے نیچے چار مصیٰ ہیں۔ ایک مصیٰ وہ ہے جہاں حضرت صلعم نے لیلۃ المعراج نماز ادا کی۔ ایک مصیٰ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ صخرۃ اللہ کے عین وسط میں اتنا سوراخ ہے جس میں سے جسم سے جسم آدمی بھی بلا وقت نکل سکتا ہے۔ اسی سوراخ سے حضرت رسالت مآب صلعم کا صوت الی السماء ہوا ہے۔ صخرۃ کی نسبت مشہور حکایت ہے کہ پہلے ہوا میں معلق تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت اس کی زیارت کے لئے آئی۔ نیچے ایک عمیق کنواں تھا۔ عورت حاملہ تھی۔ اتفاقاً اس کی نظر کنوئیں کو نیچے پڑی اور وہ کے مارے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور بچہ کنوئیں میں گر پڑا۔ عورت نے اوپر سے آواز لگائی۔ نیچے سے بچہ نویا ہوا۔ عورت محبتِ مادری کے تفتان سے کود پڑی۔

اتفاقاً شیخ محی الدین ابن عربی وہاں موجود تھے۔ شیخ مدوح ہمارے صوفیائے کرام کے ممتاز رکن ہیں۔ اور تصوف کے جو رموز و لکات انہوں نے حل کئے ہیں۔ وہ انہیں کا حصہ ہیں۔ وہ یہ تماشاً دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ماں بیٹے کی بہت تلاش کرائی مگر بے سود۔ آخر انہوں نے کنوئیں کو ڈھانپ دیا اور صخرۃ اللہ کے نیچے ایک دیوار چن دی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ نے بھی وہاں دو رکعت نفل ادا کئے۔ اور دعا مانگی۔

بعد ازاں آپ اس مسجد میں گئے جو کعبۃ اللہ کے نام سے موسوم ہے اور جسے عبدالملک بن مروان (۶۵ تا ۸۶ ہجری) نے بصرہ زر کثیر تعمیر کرایا تھا۔ دیواریں سرب مطلقاً اور مذہب ہیں۔ اور بہت ہی قیمتی عمارت ہے۔ کروڑوں روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔ انسان دیکھ کر مبہوت رہ جاتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں وہاں بہت حظ حاصل ہوا۔ مسجد کے اندر آپ نے دو نفل ادا کئے۔ باہر آ کر خدام کی کچھ نذر کی جسے شیخ ابراہیم نے آپ کی موجودگی میں مناسب طریقہ پر بانٹ دیا۔ آپ نے سید ناداؤد علیہ السلام کی خود ساختہ لوہے کی شمع دیکھی جو لوہے کی بنی ہوئی ہے اور غالباً یہ آنجناب کا معجزہ تھا۔ کہ آپ کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔

چہل عنایت قادر و قیوم کرو درگاہ داؤد آہن موم کرو

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۱۷ھ مطابق ۱۱۶۵ء کو اندلس میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں دوسرے صوفیائے کرام کے علاوہ انہیں ایک مقدس خاتون فاطمہ بنت الوبیہ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہر شے میں تجلیات الہی دیکھا کرتی تھیں شیخ اکبر جو دمشق میں ۲۸ ربیع الثانی ۶۳۸ھ مطابق ۱۲۴۰ء کو فوت ہوئے اور صالحیہ کے مشہور قبرستان میں دفن ہوئے۔ جہاں آج بھی آپ کی مزار مرجع خلایق ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف فقرات مکیہ اور فصوص الحکم ہیں۔ جن سے مشرق و مغرب نے کئی کئی فائدہ اٹھایا ہے۔

مسجد کے دو دروازے دکھائے جو ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ ایک باب التوبہ اور دوسرا باب الرحمتہ کے نام سے موسوم ہے۔ ان دونوں دروازوں کے پیچھے ایک وادی ہے جس میں یہود و نصاریٰ کے قبور ہیں۔ اسے وادی جہنم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ معلم صاحب نے بتایا کہ قیامت کے روز اسی مکان پر دوزخ ہوگا۔
 اللَّهُمَّ نَجِّنَا مِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ اُوپر پل کا نشان بنا ہوا ہے۔ جو بہت دور تک چلی گئی ہے۔

زاں بعد آپ مسجد اقصیٰ میں آئے۔ جو حضرت عمر ابن الخطابؓ کی تعمیر کردہ ہے اس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک محراب منسوب ہے۔ ایک سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے نام سے مشہور ہیں۔ ساتھ ہی ایک منبر ہے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے دن شانہ میں خطبہ پڑھا تھا۔ اسی مسجد میں ایک محراب دکھایا گیا جس میں چالیس صحابہؓ نے نماز پڑھی ہے۔ ساتھ ہی حضرت زکریا علیہ السلام کا محراب ہے۔ بئر الوعد سے صاحبزادہ صاحب نے پانی پیا۔ اس کے متعلق معلم نے بتایا کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک صحابی اس کنوئیں کے نیچے اتر گیا۔ اسے بائیں ہاتھ ملا۔ جہاں سے وہ ایک باغ میں داخل ہوا۔ خوب جی بھر کر سیر کی اور واپسی پر ایک پتہ توڑ لایا۔ حضرت عمرؓ نے یہ حکایت سنی تو پتہ لے کر محفوظ کر لیا کہ اگر سوکھ گیا تو بات بے بنیاد ہوگی۔ مگر بہت دنوں کے بعد دیکھا تو پتہ ویسے کا ویسا ہی ہوا تھا۔ معلم نے یہ بھی ازراہ انصاف کہا کہ بیت المقدس کی زیارت کے متعلق بہت سی بے اصل باتیں مشہور ہو گئی ہیں۔

پھر سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدنا زکریا علیہ السلام کے محراب دیکھے گئے جن کا ذکر قرآن مجید میں بصرحت موجود ہے۔

معلم صاحب نے ایک آدمی حکومت کے پاس مسجد اقصیٰ کے زیریں حصہ کی چابی لانے کے لئے ارسال کیا ہوا تھا۔ اس کی انتظار میں صاحبزادہ صاحب کو ایک آدھ گھنٹہ صرف کرنا پڑا اس کے ساتھ ایک پولیس کا آدمی آیا جس نے اپنے ہاتھ سے قفل اتارا۔ اور آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سپرٹھیوں سے اتر کر بنائے سلیمانی میں داخل ہوئے۔ یہ مسجد حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے تعمیر کرائی تھی۔ اور واقعی عمارت کی بھنگائی، پتھروں کی گراں باری، بڑے بڑے ستونوں کی موجودگی، جو ایک ایک پتھر کے بنے ہوئے ہیں، یہ ثابت کر رہی تھی کہ ایسی تعمیر انسانی قدرت و طاقت سے خارج ہے۔ تین ہزار تین سو ستون ہیں۔ بعض ستونوں کے حلقے بنے ہوئے ہیں۔ جو جنات شرارت کرتے تھے۔ انہیں ستونوں سے باندھ دیا جاتا تھا۔ پھر صاحبزادہ صاحب مسجد داؤد میں گئے جس کے اندر داؤد علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محراب ہیں۔ پھر مہر عیسیٰ پر پہنچے جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے پرورش پائی تھی۔ معلم صاحب کے ایما پر سارے ہمراہی باری باریلنگ میں تبرکاً لیٹے۔ مگر صاحبزادہ صاحب کو یہ بات قرین صواب معلوم نہ ہوئی۔ اور ان کے اصرار پر بھی آپ دراز نہ ہوئے۔ اور بھی زیارات داخل حرم تھیں۔ مگر وقت کی قلت کی وجہ سے الوداعی دعا پڑھ کر آپ باہر آ گئے۔

آگے شیخ ابراہیم صاحب نے گاڑیوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔ پہلے سیدہ مریم علیہا السلام کے مزار کی زیارت کو گئے۔ چالیس زینے اتر کر ایک کلیسا میں داخل ہوئے۔ برقی قلموں کی وجہ سے اندر بڑی روشنی تھی۔ یونان کے عیسائی زیارت میں مصروف تھے۔ گو اس وقت مسلمانوں کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی مگر صاحبزادہ صاحب بلا اجازت ہی اندر چلے گئے۔ اور فاتحہ پڑھ کر واپس آئے۔ وہاں سے

فلتوں پر سوار ہو کر جبل الطور کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ طور سینا نہیں بلکہ طور تیسرے
بے بڑی چڑھائی کے بعد جہاں گھوڑوں کے سُم اُکھڑا کھڑا جاتے تھے۔ آپ سیدنا سلمان
فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار پر پہنچے۔ وہاں فاتحہ پڑھا۔ وہاں قریب ہی حضرت عیسیٰ
علیہ السلام نے صعود الی السماء فرمایا تھا۔ اس مبارک پہاڑ پر ستر ہزار شہداء کے
مزارات ہیں۔

وہاں سے واپس آ کر دو میل فاصلہ پر سیدنا علامہ الدین عامری رضی اللہ عنہ
کے مزار پر حاضر ہوئے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرقہ میں سے ہیں۔ چار دیواری کے اندر
چار قبور تھیں۔ ایک خود ان کی اور تین بزرگ ان کی اولاد میں سے مدفون ہیں۔
اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر شرف
باریابی حاصل کیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی نسبت رسول اکرم صلعم نے فرمایا تھا کہ جو
شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ عکاشہ کو دیکھے۔ وہاں سے شہر کا چکر کاٹ کر
سیدنا داؤد علیہ السلام کے مزار اطہر پر حاضری دی۔ یہاں کی عمارت بہت بلند
ہے۔ دوسرے سارے مقبروں اور مزاروں سے عالی شان ہے۔ تازہ تعمیر کروانظر
آئی۔ اس کے بعد آپ واپس لوکنڈہ آئے۔

اس مقام پر اپنے سفر نامے میں قبلہ صاحبزادہ صاحب نے بیت المقدس کی
تقدیس بیان کی ہے۔ اور اہل شوق کے لئے روحانی غذا بھی فرمائی ہے۔ پہلے آپ
آیہ اسری درج فرماتے ہیں:-

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِيْتِنَاءِ
إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

آپ فرماتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں اللہ جل شانہ نے اس مبارک سرزمین کو بابرکت

کہا ہے۔ اور یہ ایسی پاک اور ایسی قابل تعظیم و تکریم ہے کہ زائر کو یہاں ادب سے سرنگوں ہونا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس خطہ پاک میں ایسے ایسے بندگانِ خدا، انبیاءِ صلحاء، اتقیاء آرام فرمائیں جن کے پاؤں کی خاک کحل البصر بنانے کے قابل ہے۔ ویسے تو بیت المقدس اور اس کے گرد و نواح کا سارا خطہ ہی نور علی نور ہے۔ مگر خصوصاً مسجد اقصیٰ وہ مقام ہے جسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا و علیہم السلام نے اپنا معبد قویٰ مکمل جنات سے تعمیر کرایا اور جس میں ایک رکعت پڑھنے کا ثواب پچیس نوا رکعت کے برابر ملتا ہے۔ یہ مقدس مقام ثالث الحرمین ہے۔ اسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بعد تیسرا درجہ حاصل ہے۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے قبضہ میں رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس خانہ خدا کا جو ادب و احترام مسلمان ملحوظ رکھ سکتے ہیں اس کی توقع دیگر مذاہب سے فضول ہے۔ کنواری عیساؑ راہبہ عورتوں کی شرمناک کہانیاں ہر ایک کو معلوم ہیں۔ آپ فرماتے ہیں یہ وہ کعبۃ اللہ ہے جو ہزار ہا سال دیگر انبیاء علیہم السلام کا اور تحویل قبلہ سے پہلے سترہ مہینے اہل اسلام کا معبد بنا رہا۔ یہ وہ مبارک خطہ ہے جو اسلام کے قبضہ میں خون کی ایک بوند بہائے بغیر آیا۔ فاروقی سطوت و ہیبت سے مرعوب ہو کر عیسائیوں نے بعد از طلبِ امان اپنا ناقابلِ تسخیر مضبوط اور مستحکم قلعہ نہایت عجز و نیاز سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا یہ وہ مبارک شہر ہے جس کے تحفظ کے لئے سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسا شجاع اور فدائے قوم سالہا سال تک صلیبیوں

سے صلیبی جنگوں کا زمانہ ۱۰۹۶ء سے لے کر ۱۱۹۳ء تک ہے یعنی تقریباً ایک صد سال۔

سلطان صلاح الدین ایوبی ۱۱۷۳ء سے ۱۱۹۳ء تک پورے بیس سال متحدہ یورپ کے خزان و زخم آ رہے۔ آخری تین سالوں میں رچرڈ شیردل آپ کے مقابلہ میں آیا اور شکست کھا کر

انگلستان واپس چلا گیا۔ ۷

لڑائیاں لڑتا رہا۔ اور آخر چرچر ڈشیرول شاہ انگلستان جیسے یورپ کے سپوت
 دست تاسف ملتے بے نیل مرام پسپا ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فتح
 کرنے کے وقت سے لے کر اسلامی جھنڈا باقاعدہ بیت المقدس میں لہرا رہا تھا
 اور صاحبزادہ حبیب کے پاک دل نے کہا انشاء اللہ یہ جھنڈا وہاں ہمیشہ لہراتا رہے گا
 آپ نے تسلیم فرمایا کہ قدس شریف میں بہت سی زیارات ایسی ہیں جو مصنوعی اور خود ساختہ
 معلوم ہوتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ اس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش
 نہیں کہ جتنے انبیاء، اولیاء، اور صحابہ کرام فلسطین کی اس پاک زمین میں استراحت
 فرمائیں۔ اتنے بلکہ اس سے نصف بھی کسی اور جگہ نہ ملیں گے۔ پس جو شخص اس نورانی
 خطے میں داخل ہو تو سیر و سیاحت کا خیال بالائے طاق رکھ دے۔ اور زیارت
 کی نیت کرے اور جہاں کہیں پیغمبر یا ولی اللہ کا مزار اور مرقد ہو سر نیاز خم کر کے فاتحہ
 پڑھے۔ دعا مانگے اور خداوند کریم کا شکر یہ ادا کرے۔ جس نے اُسے ایسی ایسی تبرک
 زیارتیں کرنے کی توفیق بخشی ہے۔

جب صاحبزادہ صاحب وہاں تھے تو یہ بات مشہور تھی کہ عنقریب اس بلوکے
 لائن کی تکمیل ہونے والی ہے جس نے مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف تحیات سے
 نکل کر سیدھا بیت المقدس کو آنا تھا۔ اس لئے آپ نے برصغیر ہند کے صاحب
 استطاعت حجاج کو مشورہ دیا کہ جب اتنی تکالیف برداشت کر کے اور سعادت دارین
 تصور کر کے وہ مدینہ منورہ پہنچے ہیں تو ریل جیسے بامام اور بے خطر سفر کے زیر نظر
 وہ بیت المقدس ایسے شہر کی زیارت کے لئے سر آنکھوں کے بل پہنچیں۔ اس مقدس
 سرزمین کی بڑی تعظیم و تکریم دل میں۔ لے کر آئیں اور فیوض و برکات سے مستفید و
 مستفیض ہوں۔ افسوس ہے تاریخ کی اندوہناک کروٹ نے ریل کے اس
 منصوبہ کو پانہ تکمیل تک پہنچنے دیا۔

صاحب لوکنڈہ سے حساب بلیا کر کے صاحبزادہ صاحب فٹن پر سوار
 ہوئے اور شیخ ابراہیم کی معیت میں سٹیشن قدس شریف پہنچے۔ گاڑی کے چلنے
 میں کچھ وقفہ باقی تھا۔ ویلنگ روم میں تھوڑی دیر آرام فرمایا۔ وضو کر کے نماز پڑھی
 اور شیخ صاحب ممدوح کی خدمت میں حسب توفیق ہدیہ پیش کیا جو انہوں نے
 بخوشی قبول کیا۔ گاڑی ٹھیک دو بجے چل پڑی۔ راستہ کے بیچ وغم دیکھتے اور خود
 درختوں کی سبزی سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے آپ پانچ بجے کے قریب یاف
 پہنچے۔ عبدالحمید افغانی اور درویش وغیرہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ عصر کی
 نماز آپ نے گاڑی میں پڑھ لی تھی۔ اور شام کی ایک مسجد میں پڑھی اور درویش کے
 مکان میں فروکش ہوئے۔ درویش نے ایک آدمی کے رات کے لئے دس آنے لے
 دیر کی وجہ سے آپ نے روٹی بازار سے منگائی اور نماز عشاء ادا کرنے کے بعد
 آرام فرمایا۔

سُفْلِم

۷۔ ذی قعد مطابق ۸ اکتوبر بروز چہار شنبہ علی الصبح آپ حوائج ضروریہ سے
 فارغ ہوئے نماز ادا فرمائی۔ وظائف پڑھے اور درویش نامی طاح کو جسے گورنمنٹ برطانیہ
 نے وہاں اپنا قونصل مقرر رکھا تھا بیعت فرمایا۔ اور یہ بیعت داخل اسلام ہونے
 کے مترادف تھی۔ کیونکہ اس سے درویش موصوف نے تسلیم و رضا کی تعلیم حاصل
 کی جو اسلام ہے۔ یہ پہلے خوش نصیب شخص تھے جنہوں نے آپ کے دست حق
 پرست پر بیعت کی۔ جلاپور شریف سے روانگی کے وقت حضرت صاحب مدظلہ
 العالی نے خواہشمند لوگوں کو داخل سلسلہ کرنے کی اجازت عطا فرمادی تھی۔ درویش
 کے مکان کے غسلخانے بہت غلیظ تھے۔ اس لئے آپ نے حمام میں جا کر غسل فرمایا۔

کسی حمم میں جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ غسالی نے خوب مل مل کر نہلایا اور میجر نے دس آنے وصول کئے۔ واپسی پر رستہ میں عبدالحمید افغانی اپنی دکان پر لے گیا۔ اور چائے پلائی۔ قیام گاہ پر حضور پہنچے تو ہمارا ہی اسباب کے بند و بست میں مصروف تھے اس لئے آپ نے روٹی بازار سے منگا کر کھائی۔

اس روز ایک فرانسیسی جہاز بیروت جانے والا تھا۔ درویش اس کے ٹکٹ لے آیا۔ درجہ سوم کے تین روپے اور سیکنڈ کے ساڑھے اٹھارہ روپے خرچ ہوئے۔ رات کے لئے آپ نے کچھ نیم برشت کھانا تیار کرا لیا۔ اور اسباب لے کر دوپہر کے وقت بندر پر پہنچے۔ آپ ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ سمندر میں تلاطم نہ تھا۔ اس لئے کشتی جلد جہاز پر جا لگی۔ سیٹم بہت عمدہ اور خوبصورت تھا۔ اور اتنا چھوٹا بھی نہ تھا۔ مگر سوار یوں کی وہ کثرت تھی کہ آپ کے درجہ سوم والے ساتھی حواس ملتے ہو کر ادھر ادھر پھرنے لگے۔ بہ ہزار وقت و دشواری انہیں وقت گزارنے کے لئے جگہ ملی۔ اسباب کچھ تو آپ کے کمرے میں رکھ دیا گیا اور کچھ دروازے پر۔ سیکنڈ کے مسافر معمولی تھے۔ اس لئے آپ کو علیحدہ ایک خالی کمرہ مل گیا۔

عصر کے وقت جہاز نے بندر حیفہ پر لنگر ڈالا۔ اور بندر سے نصف میل کے فاصلہ پر کھڑا ہوا۔ بہت سے حجاج وہاں اتر گئے اور جگہ میں گنجائش نکل آئی۔ وہاں سے ایک لائن مدینہ منورہ کو جاتی تھی۔ اور جو لوگ دمشق نہیں جانا چاہتے تھے۔ وہ وہاں سے سیدھے نبی اکرم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ چلے جاتے تھے۔ درجہ سوم کا کرایہ غالباً ساڑھے روپے تھا۔ سیٹم بندر گاہ پر چار بجے شام سے لے کر دس بجے رات تک کھڑا رہا۔ کیونکہ بہت سا اسباب اتارنا چڑھانا تھا۔ سیٹم پر درجہ سوم کے ایک سو کے قریب جبل لبنان کے نصرانی المذہب پہاڑی باشندے سوار تھے جو بڑے بد اخلاق اور بے تمیز تھے۔ اگلی صبح تک انہوں نے وہ نکل غبارہ

پچائے رکھا اور اس طرح آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کی ٹوپیاں اوڑھ کر کپڑے اچھا کر سمندر میں پھینکتے رہے۔ اور کووے اور چٹائے کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی جس عیسائی تہذیب کے اہل مغرب گنہگار ہے ہیں۔ اس نے بدویوں پر کیوں اثر نہیں کیا۔ یہ تو شکر رہا کہ انہوں نے حجاج سے کچھ تعرض نہ کیا۔ ورنہ ان کی تعداد بھی کافی زیادہ تھی۔ سخت فساد رونما ہوتا۔ قبلہ صاحبزادہ صاحب کو اپنے کمرے میں بڑا آرام رہا اور اطمینان سے رات کو سوئے۔ مگر آپ کو افسوس ہوا کہ آپ کے ہمراہیوں نے رات قدرے تکلیف سے کاٹی۔

اگلی صبح یعنی ۸ روزی قعد مطابق ۹ اکتوبر جب آپ نماز صبح سے فارغ ہو چکے تھے تو ساحل بیروت نظر آیا۔ صد ہا قسم کی ساخت کے جہاز دھواں اڑاتے بیروت کے بندر پر نظر آئے۔ نصف گھنٹہ کے بعد جہاز لنگر انداز ہوا۔ بیسیوں ملاح کشتیاں کھیتے پہنچ گئے۔ تختہ جہاز پر پہنچے اور گیند کی طرح اچھا اچھا کر سامان اپنی کشتیوں میں پھینکنے لگے۔ جب ہجوم ذرا کم ہوا تو آپ نے ایک ملاح سے فی آدمی آڑھائی آنے کے بعد اسباب مقرر کیا اور کشتی پر سوار ہو کر ساحل پر پہنچے۔ بندر گاہ پر ترکی سپاہی خوشنماوردی لگائے کھڑے تھے۔ جو حجاج کے ساتھ بڑے تپاک سے پیش آئے۔ جرک یعنی کسٹم ہاؤس والوں نے اسباب پر اچھٹی سی نظر ڈالی۔ وہاں کو حسن ابدال ضلع کیمپور کا ایک ہندی ترجمان مسمیٰ خدا بخش مل گیا جس نے بتایا کہ اسٹیشن بیروت المرقا بالکل بندر کے قریب ہی ہے۔ مزدوروں سے اسباب اسٹیشن کے دیراندہ میں رکھوایا گیا۔ دمشق کو گاڑی بارہ بجے کے قریب روانہ ہو رہی تھی۔ ٹکٹ خریدے گئے۔ سیکنڈ کلاس کا کر ایہ دس روپے اور تھرڈ کلاس کا پانچ روپے تھا۔ بلا امتیاز ہر قسم فرکو ۲۵ سیروزنی اسباب مفت لے جانے کی اجازت تھی۔ باقی ماندہ اسباب کے آپ نے دس روپے ادا کئے۔ گاڑی بیروت اسٹیشن سے تیار ہو کر آئی۔

آپ سب با آرام سوار ہو گئے۔ اسباب بریک میں رکھا گیا۔ گاڑی کا ٹھیکہ فرانس کا تھا۔ لائن تو پانچ فٹ چوڑی تھی مگر ڈبے خراب تھے۔ حتیٰ کہ بیت الخلاء ندارو گاڑی میں سوار ہوتے ہی ایک لال محمد سعید نامی آگیا جس نے بتایا کہ نواب صاحب ٹونک کے برادر خورد نواب عبدالرحیم خان آج ہی مدینہ منورہ سے واپس آئے ہیں۔ اور بیروت کے رستہ جدہ جا رہے ہیں۔ اگر آپ بھی اس راستہ سے واپس آئیں تو پھر روز میں بیروت سے جدہ پہنچانا ہمارے ذمہ۔ تھروڈ کے کل چھ پونڈ (نوے روپے) اور سیکنڈ کے ساڑھے گیارہ پونڈ (ایک سو بہتر روپے) خرچ ہوں گے۔ اس میں تمام قسم کے محصولات بھی شامل تھے۔ تجویز معقول اور قابل عمل تھی۔ مگر چونکہ بعض ہمراہیوں کے پاس خرچ کی قلت تھی۔ آپ پختہ وعدہ نہ فرما سکے۔ البتہ آپ نے فرمایا کہ دوسرے ہمراہیوں سے صلاح مشورہ کے بعد اگر اس رستہ سے واپسی کا ارادہ ہوا تو مدینہ منورہ سے بذریعہ تار اطلاع دی جائے گی۔

گاڑی پورے بارہ بجے روانہ ہوئی۔ بیروت سے دمشق تک حسب ذیل اسٹیشن تھے :-

ڈی۔ ایچ۔ پی۔ این۔ (D.H.P.N) بیروت المرفا۔ بیروت۔ حمث۔ بعدا
 جمہور۔ غاریا۔ عل۔ محمدون۔ عین صوفر۔ مریکات۔ حدیلنا مستورا۔ معدنہ بل
 منقلم۔ ریاق جنکشن جہاں سے گاڑی ملک شام کے خوبصورت شہر حلب کو جاتی
 تھی۔ دحنوٹا۔ سرغایا۔ زبدانی۔ التکیہ۔ سوادوی بروہ۔ دہرہ قانون۔ عین فہم
 بدیدہ۔ الہامہ۔ البرکہ۔ میدان مشق۔

راستہ میں گاڑی اسٹیشنوں پر آتی دیر ٹھہرتی تھی کہ مسافر اتر کر کوزنوں پر بیٹھ کر
 نارغ ہو سکتے تھے۔ بیروت سے عین صوفر تک گاڑی کو چڑھانی آنی اور دھیمی رفتار
 سے حراماں حراماں چلتی رہی۔ راستہ میں چار بڑے سرنگ آئے۔ جہاں بالکل

اندھیرا چھا گیا۔ اور دھولیں کی بوسے دماغ پھٹنے لگا۔ جبل لبنان کا سلسلہ بیروت ہی سے شروع ہو گیا۔ سرسبز و شاداب پہاڑ تھا جس میں چھوٹے چھوٹے گاؤں جا۔ بجا بکثرت آباد تھے۔ اور نہایت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ہزار ہا خود رو درخت تھے۔ جن میں انار، ناشپاتی، انگور، سیب بکثرت تھے۔ پاک درخت زیتون کی افراط تھی۔ اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ اس کے سبز پتے آنکھوں کو ٹھنڈا پہنچاتے۔ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ پہاڑ ٹھنڈا تھا۔ اسے کوہ شملہ یا کوہ مری سے تشبیہ دی جاسکتی تھی۔ پانی نہایت خوشگوار تھا۔ موسم گرما میں تازت آفتاب سے مامون و مصنون رہنے کے لئے حکام اور رؤسا وہیں پہنچ جایا کرتے ہیں۔

پہاڑ میں بڑے بڑے غار ہیں۔ ان سے بچا بچا کر ریلوے لائن بچھائی گئی تھی۔ کہیں دو ٹونڈنگہرے کھڈ تھے اور درمیان میں گاڑی گذرتی تھی۔ اور سخت خون پیدا ہوتا تھا۔ چڑھائی میں سٹیشن قریب قریب واقع تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بیروت سے دمشق تک ۹۶ میل کی مسافت میں بچیس اسٹیشن واقع تھے۔ گاڑی اس طرح آہستہ خرام تھی کہ بعض مقامات پر پیدل انسان بھی آگے نکل جاتا تھا۔ بظاہر تو ۹۶ میل کا پانچ روپے کرایہ گراں نظر آتا ہے۔ مگر ان دشوار گھاٹیوں کے زیر نظر کوئی زیا نہیں۔ ہر گاڑی میں ایک بریک تھا اور بیچ بیچ ایک زنجیر چلا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے گاڑی کو روکنا آسان تھا۔

ایک انجن گاڑی کو اسی طرح لے جا رہا تھا جس طرح ہموار سطح پر اونچائی کو زمین حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ پہلے حصہ کے خانمہ پر انجن کو پیچھے لے جاتے تھے سٹیشن پر دوہری لائن ہوتی تھی۔ انجن اب گاڑی کو پیچھے دھکیلتا تھا۔ اور اتنا اوپر لے جاتا تھا کہ پہلے حصے کی لائن برابر میں نیچے اترتی نظر آتی تھی۔ وہاں سے

دوہری لائن پر سے گزار کر انجن آگے لے جاتے تھے۔ اور انجن گاڑی کو لے کر
سیدھے رُخ صعود شروع کر دیتا تھا۔ جسے کے دوسرے حصہ کی لائن نیچے صاف
دکھائی دینے لگتی تھی۔ گاڑی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتی تھی۔ تو منظر نہایت دلکش ہوتا تھا۔
خاص طور پر چھوٹے بڑے دیہات کا نظارہ قابل دید تھا۔ ان کی سفید سفید
دیواریں تھیں۔ باغات تھے۔ ہرے بھرے جنگلات میں سے ایچ بیج دکھائی ہوئی
سڑکوں پر دو اسپہ فلٹیں ایسا فرحت بخش منظر پیش کرتی تھیں کہ قدرتی مناظر سے
دلچسپی رکھنے والا انسان مسحور ہو جاتا تھا۔ عیسائی مرد اور عورتیں غول در غول بھڑ
تفریح تقریباً ہر سٹیشن پر موجود ہوتے تھے۔ ان کی سرخ و سفید رنگت، پاکیزہ اور
خوبصورت چہرے اور ان سب سے بڑھ کر موزوں لباس ایک حسن پرست سمجھ جانی
حالت طاری کرتے تھے۔ مگر فائدہ حجاج میں کوئی بھی حسن کا ولدا وہ نہیں تھا۔ ان کی
زبانوں پر تو فتبارک اللہ احسن الخالفتین کا ورد جاری تھا

اور صانع بے مثال کی کاریگری کو دیکھ کر حافظ کا یہ شعر یاد آتا تھا۔

حافظ وصال گل طلبی ہمچو بلبلان
جان کن فدائی خاک رہ باغبان گل

شام کے بعد گاڑی ریاق سٹیشن پر پہنچی اور نصف گھنٹہ ٹھہری۔ وہاں آپ نے
ایک ایسے ہوٹل میں روٹی کھائی جہاں ملازم مسلمان تھے۔ روٹی پر خرچ فی آدمی دس
آنے آیا۔ بیروت سے چل کر گاڑی دمشق گیا رہ گھنٹے میں پہنچتی تھی۔ اس لئے ابھی کافی
سفر باقی تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد صاحبزادہ صاحب قبلہ ایک ہم سفر فوجی کپتان سے
سلطان کی فوجی طاقت کے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔ وہ دمشق کی فوج میں ملازم تھا۔
اس نے بتایا کہ سلطانی فوج کسی اور فوج سے تہور و شجاعت اور حب قومی میں کم
نہیں۔ مگر خزانہ خالی ہونے کی وجہ سے کئی کئی ماہ کی تنخواہ حکومت کے ذمے واجب
رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے سخت دل شکنی ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ کو

گیارہ بجے کے قریب ہمراہیوں نے البراکہ سٹیشن پر بیدار کیا۔ آگے کئی دلال اور ہوٹل والے کھڑے تھے۔ ہر ایک نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ آخر آپ فٹنوں پر سوار ہو کر اور سامان اسٹیشن پر چھوڑ کر ایک درویش نامی مینجر کے ساتھ اس کے ہوٹل قدس شریف پر پہنچے۔ بیروت میں محمد سعید دلال نے آپ کو ایک ہندی ترجمان عبداللہ ابن داود الہندی کا پتہ بتایا تھا۔ اور اس نے اسے تار کے ذریعے اطلاع بھی دیدی تھی۔ وہ آگیا اس کے بار بار اصرار پر آپ قریب ہی لوکنڈہ دارالسرور دیکھنے چلے گئے۔ یہ ہوٹل زیادہ پر تکلف اور آراستہ تھا۔ کرایہ کا کوئی فرق نہیں تھا۔ مگر اس میں کوئی پلنگ خالی نہیں تھا۔ تمام گنجائش وغیرہ سے بے تھے۔ دو بج چکے تھے اس لئے طے پایا کہ سامان سٹیشن پر رہنے دیا جائے۔ صبح لے لیا جائے گا۔ اب آرام کیا جائے۔ تکان اور شب بیداری کی وجہ سے گہری نیند آئی۔ مگر پھر بے لطفی پیدا کرنا رہا۔

۹ ذی قعد مطابق ۱۰ اکتوبر کی صبح ہوئی آپ نماز اور وظائف سے فارغ

ہوئے۔ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی اور صوبیدار میجر حاکم خان صاحب کو آپ نے اسٹیشن پر اسباب لانے کے لئے روانہ فرما دیا اور خود چار آدمی ایک قریبی حمام میں غسل کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔ آپ نے بلا امداد غیرے گرم پانی سے خود غسل فرمایا۔ حمام والوں نے ہر ایک سے چھ آنے اجرت لی۔ یہ غالباً بار بار کپڑے بدلنے کا کرایہ تھا۔ کیونکہ وہاں پہنچنے پر، حمام میں داخلہ کے وقت، غسل کے بعد اور پھر فریادیں کر کے انہوں نے چار بار کپڑے تبدیل کرائے۔ اور قبوہ کی ایک ایک پیالی بھی پلائی۔ واپسی پر آپ رستہ کھو بیٹھے۔ اور بازار میں دو ایک چکر لگانے پڑے۔ بمشکل رستہ کا علم ہوا۔ اور آپ اپنے ہوٹل پر پہنچے۔

بعض ہمراہیوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ دوسرے روز جو گاڑی مدینہ منورہ جا رہی تھی۔ اس پر سوار ہو جائیں تاکہ وہاں زیادہ قیام ہو سکے۔ چونکہ اس راہ سے واپسی کا

ارادہ نہیں تھا۔ آپ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ شام کی پاک سرزمین میں
 اگر زیارات کئے بغیر چلا جانا مناسب نہیں۔ آخر سب کے سب اس بات پر متفق ہو گئے
 کہ تین دن دمشق میں قیام کر کے زیارات و قابل دید مقامات سے مشرف اور محفوظ
 ہو لیں اور سوموار کو علی الصبح ٹرین پر سوار جائیں۔ ایک ترجمان مسمیٰ عبداللہ نے
 نے بتایا کہ سوموار کو محل شامی بھی روانہ ہو گا۔ اور اس کے لئے غالباً علیحدہ سپیشل
 ٹرین چلے گی۔ یہ بھی طے پایا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر اونٹوں کی سواری پر بیت اللہ
 جائیں۔ اور تکلیف کو راحت تصور کریں۔ اور اگر اتفاق ہو جائے تو محل شامی
 کی معیت میں جائیں۔

آپ کے ہمراہیوں نے دوپہر تک کپڑے صاف کئے۔ آپ نے باقی ماندہ
 سفر نامہ مکمل فرمایا۔ کپڑے بدل کر آپ ہمراہیوں کے ساتھ پہلے ایک دوکان پر
 گئے اور کھانا کھایا۔ روٹی بہت عمدہ تھی۔ پہلی بار آپ کو دوکان پر سے گرم روٹی ملی تھی
 مصر اور قدس ہوٹل میں تو باسی روٹی ہی ملتی رہی تھی۔ گوشت بھنا ہوا تھا۔ اور
 بہت ہی خرابہ آپ کے مذاق کے مطابق نہ تھا۔ اس لئے لذیذ معلوم نہ ہوا۔ ایک
 رکابی میں دہی اور پیاز آئینہ تھے۔ انہیں آپ نے شوق سے تناول فرمایا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ پوچھتے پوچھتے جامع اموی
 پہنچے۔ مسجد زیادہ دور نہ تھی۔ صرف پندرہ منٹ کا راستہ تھا۔ نماز جمعہ تیار
 تھی۔ آپ نے صف اول میں جگہ نکالی۔ پہلے مکتبہ اور پھر کبیر خانے میں بیٹھ کر دیر
 تک درود شریف پڑھتے رہے۔ پھر ایک مؤذن نے عربی لہجہ میں اذان دی
 امام صاحب منبر پر چڑھے اور خطبہ شروع کیا۔ خطبہ نہایت مؤثر اور ادنیٰ
 لحاظ بہت ہی دلچسپ تھا۔ اس سے امام صاحب کی علمیت کا اظہار ہوتا
 تھا۔ خطبہ ختم ہوا تو مختصر قرأت میں نماز جمعہ ادا ہوئی۔ پیچھے مکتبوں کا ایک ہی

لب لبجہ میں تکبیر کہنا اسلامی شان و شوکت کو ظاہر کرتا تھا۔ قبلہ صاحبزادہ صاحب کی طبیعت نہایت ہی محفوظ ہوئی۔ قریباً چھ سات ہزار مقتدی تھے۔ بعض تہامی معلوم ہوتے تھے۔ ان کی آئین باجہر سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

بقیۃ نماز پڑھ کر آپ سیدھے سیدنا سیدھے علیہ السلام کے مرقد اطہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ جہاں آپ کا سر مبارک مدفون ہے۔ ایک مزار اور نے دعا پڑھائی اور بھی بہت سے زائر جمع تھے۔ بہت رقت طاری ہوئی۔ وہاں سے باہر نکل کر صحن میں آپ نے وہ یلنا دیکھا جس پر سے روایت کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے۔ بعد ازاں آپ اس مکان میں گئے جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لاکر رکھا گیا تھا۔ اور اب وہاں قبر کا نشان بنا ہوا ہے۔ بعض کا تو قول ہے کہ حضور کا سر مبارک یہیں مدفون ہے۔ کاش کوئی محقق ان اختلافات پر روشنی ڈالتا۔ وہاں سے آپ ایک مختصر سی مسجد میں آئے۔ جہاں سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر روز ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ ایک جگہ بتایا گیا کہ یہاں رسول اکرم کا موئے مبارک ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ قدم شریف کا نشان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد سے باہر آ کر آپ امیر المومنین سلطان صلاح الدین ایوبی (۱۱۳۸ - ۱۱۹۳ عیسوی) رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہ حامی اسلام، قانع اساس کفر سلطان اپنے پیش رو عماد الدین زنگی رحمت اللہ علیہ کی رفاقت میں نہایت ملیٹھی اور گہری

سہ اپنی جگہ پر اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے ابن حجر کی روایت مشہور محقق بیٹی کے حوالہ سے ہم نے پیشتر انیس درج کر دی ہے۔ اس کے مطابق سیدنا حسین کا سر مبارک کربلا معلیٰ میں دفن ہوا تھا۔

سے یہاں دوزخ کے درمیان امتیاز ضروری ہے جن کے نام عماد الدین تھے۔ ایک تو سلطان صلاح الدین

ایوبی کا وزیر عماد الدین الکاتب الاصفہانی تھا جو جلال الدین اکبر مغل شہنشاہ ہند کے وزیر ابوالفضل کی

بند سوتا ہے۔ اور اس کی روح خلد بریں کی سیر میں مصروف ہے۔ قبلہ صاحبزادہ صاحب نے بڑے ذوق شوق کے ساتھ سلطان صلاح الدین ایوبی کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ تاریخ کی کتابوں سے کیا ہوا تھا اور نو عمری کے باوجود ان کے دل میں بھی اسلام کا وہ جذبہ موجود تھا۔ جو سلطان مرحوم کے دل میں تھا۔ اس لئے اس کے دل میں اس مجاہد اسلام کی جو وقعت تھی اس سے آپ کے دوسرے ہمراہی نا آشنا تھے۔ بنا بریں آپ کے ہمراہیوں نے تو صرف ایک عام بادشاہ سمجھ کر فاتح پڑھا۔ مگر آپ نے اسے حمیت اسلامی کا ایک زندہ نمونہ، غازی اسلام مجاہد فی سبیل اللہ تصور کر کے صرف فاتحہ پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اس فقیرِ خصلت اور درویش سیرت سلطان کی روح سے استمداد بھی کی اور کہا:

”اے اسلام کے شیدائی اور دین کے فدائی سلطان! اے وہ کہ تیری جیسا مات، جینا مرنا، محض خدمت دین کے لئے تھا۔ تو نے سالہا سال ارضِ مقدس کے بچانے اور اغیار کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی جان عزیز، تھیلی پر رکھ کر مدافعت کی اور سینہ سپر رہا۔ تو نے اسلامی مملکت میں سے چپہ بھر زمین پر بھی رچرچ اور فلپ جیسے جنگجوؤں کو قابض نہ ہونے دیا۔ بلکہ بہت سے دیگر امصار و بلا و عیسائیوں کے دستِ تصرف

(بقیہ ناشیہ صفحہ ۱۳۴) طرح بن انشاء کا ماہر تھا۔ دوسرا عماد الدین زنگی ہے۔ یہ مجاہد کبیر ہے جس نے حلب، حران اور موصل کو شامل کر کے زنگی سلطنت کی داغ بیل ڈالی اور سب سے پہلے بڑی مردانگی سے صلیبی جنگجوؤں کا مقابلہ کیا اس کا سال وفات ۱۱۵۶ عیسوی ہے۔ پایہ تخت دمشق تھا۔ اسی مناسبت سے ایوبی اور زنگی دونوں مجاہدین اسلام ایک دوسرے کے پہلو میں مدفون ہیں۔ شیخ سعدی کا مدوح اتابک ابو بکر بن سعد زنگی اسی عماد الدین کا پوتہ ہے۔ چرچر ڈشیر دل شاہ انگلتان ۱۱۹۹ سے ۱۱۹۹ عیسوی تک حکمران رہا۔ اس نے آخر کار اپنی ہمشیرہ جونا کا نکاح سلطان کے ملک عادل سے کر کے مصالحت کر لی۔ فلپ دوم شاہ فرانس کا دور حکمرانی ۱۱۹۹ سے ۱۲۲۳ تک ہے یہ بھی رچرچر کے ساتھ صلیبی جنگوں میں شامل رہا۔

نیکو سلطنتِ اسلامی میں شامل کئے۔ اسے باجمیت سلطانِ اربعِ اسلام بہت
 کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اب آپ تو قیامت کے روز
 ہی اٹھیں گے۔ ورنہ خدا سے آپ کو دوبارہ زندہ کرنے کی دعا مانگی جاتی
 اب آپ مسلمانوں پر اتنا احسان فرمائیں کہ جس تقرب سے آپ مستفیض
 ہو رہے ہیں اس کی وساطت سے خداوندِ کریم کی بارگاہ میں استدعا فرمائیں
 کہ بارِ الہا۔ مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ ملک واپس و لوادین اور ان میں
 ایسے جری بہادر پیدا کریں جو مذہبی حمیت اور ملی احساسِ علم کریں آمین تم آمین
 اس دعا کے ایک ایک لفظ پر غور کریں۔ ایک ایسے دردمند دل سے نکلی ہوئی
 دعا ہے جو اسلام کے شاندار ماضی کو اپنی پوری آبتاب کے ساتھ پھر سے اپنی
 آنکھوں کے سامنے جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے۔ اور شدتِ احساس کے ساتھ اس
 بات کا آرزو مند ہے کہ مسلمانوں کا حال اور مستقبلِ اسلحہ و رخشاں ہو کہ اہل عالم
 دیکھ کر دم بخود ہو جائیں۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہ دردمند دل ایک اٹیس سالہ
 نوجوان کے پہلو میں برق افگن ہے۔ !!!

ہمارے مخدوم اور مطاع قلب سوزاں رکھنے والے صاحبزادہ صاحب
 ادھر دعا مانگ رہے تھے۔ اور بے اختیار رو رہے تھے۔ آپ اس طرح کچشم
 گریاں واپس آئے۔ اور دوبارہ مسجدِ اموی میں داخل ہو گئے۔ اس مسجد کو دیدار
 عبدالملک (۶۰۵ء - ۶۱۵ء عیسوی) نے تعمیر کرایا تھا۔ اور بارہ ہزار معماروں
 میں لگاتار کام کرتے رہے تھے۔ جو سلطان کے باجگذار ملک الروم نے اپنے ملک
 سے منتخب کر کے بھیجے تھے۔ اس کی تعمیر پر ایک سو صدوقی خرچ ہوئے تھے اور
 ہر صدوق میں دو لاکھ اٹھائیس ہزار دینار تھے۔ اس کی مالیت پانچ کروڑ روپیہ
 کے قریب بنتی ہے۔ سنا گیا ہے کہ مسجد میں مگرہی جلا نہیں لگا سکتی اور ابابیل

گھونسلہ نہیں بنا سکتی۔ ظاہری شان و شوکت اور رفعت کے علاوہ اس مسجد کو اسلامی تاریخ سے بھی بڑا تعلق ہے۔

امین الامین سیدنا ابو عبیدہؓ ابن الجراح اور سیدنا اللہ خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں جب اسلامی فوج فتح کے چھریں اڑاتی ہوئی دمشق میں پہنچی تو دو حصوں میں منقسم کی گئی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جو چھ ماہ تک رہا۔ جب شہر کے باشندوں نے کوئی مفرزہ دیکھا تو مجبور ہو کر اپنے سرداروں کو امین الامین کی خدمت میں بغرض امان بھیجا۔ وہاں کیا دیر تھی۔ خلق نبوی کے زندہ نمونے سیدنا ابو عبیدہ ابن الجراح نے جھٹ صلح نامے پر دستخط کر دیئے۔ دوسری طرف خدا کی تلو کا فروں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹتی آرہی تھی۔ سیدنا خالد بن ولید بزور شمشیر قلعہ کا دروازہ توڑ کر شہر میں داخل ہوئے۔ آخر دونو حضرات کی ملاقات ایک گرجا کے قریب ہوئی جو شہر بھر میں اول ذہر پر تھا۔ یہاں پہنچ کر دونوں فوجیں رک گئیں۔ یہ رجب سنہ ۱۳ھ مطابق ستمبر ۶۳۵ء کا واقعہ ہے۔ اب سیدنا خالد فرماتے تھے کہ یہ شہر بزور شمشیر فتح ہوا ہے۔ اس کے باشندوں کے لئے امان نہیں۔ اور سیدنا ابو عبیدہ وعدہ وفائی پر تلے ہوئے تھے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ دربار خلافت سے استفسار کیا جائے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور معاملہ فہم نے ایک ایسا جانتا اور مانع حکم نافذ فرمایا کہ دونو حضرات کی دشمنی بھی نہ ہوئی، اسلام کی آبرو بھی قائم رہی اور عیسائی رعایا بھی خوش ہو گئی۔ وہ یہ کہ گرجا کا جو حصہ بزور شمشیر مسخر ہوا ہے وہاں مسجد تعمیر کرائی جائے۔ اور صلح کے ذریعہ قبضہ میں وہاں گرجا بحال رہے۔ یہ سینٹ جان کا گرجا کہلاتا تھا۔ ولید بن عبد الملک کے عہد تک اس کا ایک حصہ مسجد پر مشتمل تھا۔ اور دوسرا بدستور گرجا رہا۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ گرجا بھی اہل دین

سے تھے۔ یہ دونو خطاب ہر دو نماجہاں کو دربار رسالت مآب سے ملے تھے۔

کے معبد کی جگہ تعمیر ہوا تھا۔ پروفیسر ہٹی کہتا ہے کہ اس معبد کے کتبہ کی عبارت یونانی زبان میں اب بھی وہاں ایک دیوار پر کندہ کی ہوئی موجود ہے۔ خلیفہ ولید کو مساجد کی تعمیر کا بڑا اشتیاق تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی اس نے مساجد کی توسیع اور تعمیر حسن و خوبی کے ساتھ کرائی تھی۔ دمشق کی اس مسجد کے متعلق بھی اس کے دل میں ہی خواہش پیدا ہوئی۔ عیسائیوں سے گرجا کا بقیہ حصہ مانگا گیا۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن خلیفہ نے جبراً قبضہ کر لیا اور نئے نقشہ کے مطابق مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ کہتے ہیں کہ جب ولید بن عبدالملک نے مسجد کی بنیاد ڈالنے کی ٹھان لی تو عیسائیوں نے شور مچایا کہ جو شخص اس گرجا کو گرائے گا پاگل ہو جائے گا۔ لوگ متامل ہوئے۔ مگر ولید خود کدال لیکر دیوار پر چڑھ گیا اور یہ کہہ کر کہ خدا کے رستہ میں سب سے پہلے میں دیوانہ بنتا ہوں کام شروع کر دیا۔ خلیفہ کی جرات ایمانی دیکھ کر تمام کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور چند ساعتوں میں گرجا کی عمارت کو زمین کے ساتھ ملا دیا گیا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز (۷۵ تا ۷۲ء عیسوی) رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں پھر پہلی تقسیم بحال کرنے کا ارادہ کیا مگر شورش اور فتنے سے خوفزدہ ہو کر عیسائیوں کو زبردستی دیا اور راضی کر لیا۔ کہتے ہیں کہ مسجد دو بار آتشزدگی کا شکار ہوئی اور اس کی پہلی آب و تاب قائم نہ رہی۔ مگر پھر بھی سلاطین اسلام نے اس کی مرمت اس طرح کرا دی ہے کہ معلوم ہوتا ہے معمار مسجد کو تعمیر کر کے آج ہی باہر نکلے ہیں۔ مشہور مؤرخ ہٹی کہتا ہے کہ بیت اللہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس کی مسجد کے بعد دنیا نے اسلام میں جامع اموی کا درجہ ہے۔ اس مسجد کا غربی مینار برسوں امام غزالی رحمہ اللہ کا عبادت خانہ رہا ہے۔

واپس آکر صاحبزادہ صاحب نے تھوڑی دیر کے لئے لوکنڈہ میں آرام فرمایا پھر ٹرام پر سوار ہو کر محمد صا لجمیہ میں پہنچے جو دمشق میں ایک الگ گاؤں کی حیثیت

رکھتا ہے۔ عصر کی نماز آپ نے جامع سیدنا شیخ محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵-۱۲۴۰ھ) میں جا کر ادا کی۔ یہیں شیخ موصوف کا مزار بھی ہے۔ انہوں نے تصوف کے عقیدے کو لاینجلی کا جو انکشاف فرمایا ہے اور اس بحرِ ناپیدا کنار میں غوطہ زن ہو کر جو لوگوں سے آبدار اور در شہوار نکالے ہیں یہ انہیں کا حصہ ہے۔ بیدار دل صاحبزادہ صاحب مقبرہ میں داخل ہوئے تو ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور آپ کو شیخ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی فتوحات سے استفادہ کثیر حاصل ہوا۔ طلائی حروف سے غلات پر یہ رباعی لکھی ہوئی تھی۔

قبر محی الدین ابن عربی کلّ من لاذبہ اوزاسرا
قفیت حاجاتہ من بعد غفر اللہ له من زارہ

حضرت کے پہلو میں آپ کے دو لخت جگر عماد الدین اور سعد الدین بھی آرام فرما ہیں۔ آپ کے پاؤں کی جانب تین امراء کی قبور ہیں۔ ایک قبر امیر عبدالقادر جزائری (وفات ۱۸۸۳ء) کی ہے۔ یہ بہادر جنرل مدت تک فرانس کو الجزائر سے نکالنے اور اپنے محبوب وطن کو آزاد کرانے کے لئے اپنی جواں بختی اور تیغ زنی کے جوہر دکھاتا رہا۔ اور اس گئے گزرتے زمانے میں بھی اسلامی شجاعت کا ڈنکا بجایا۔

اس موقع پر قبلہ صاحبزادہ صاحب شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی ایک کرامت کا ذکر کرتے ہیں جو ان کی وفات کے بعد ظاہر ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب خواجہ حسن نظامی دہلوی (ولادت ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) کے ممنون ہیں جنہوں نے وہی میں بوقت ملاقات اس حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھایا کہ حضرت شیخ اکبر کا مزار گم ہو گیا تھا اور آپ کی یہ پیشگوئی مشہور تھی کہ۔

۱۔ امیر موصوف جیسے مجاہدین اسلام کی بدولت انجام کاریم جولائی ۱۹۶۲ء کو الجزائر آزاد ہوا۔

اِذَا دَخَلَ السَّيْنِ فِي الشَّيْنِ ظَهَرَ قَبْرُ مُحَمَّدٍ الدِّينِ

یعنی جب سین شین میں داخل ہو گا۔ محی الدین کی قبر ظاہر ہوگی۔ لوگ اس کا مطلب سمجھ نہ سکتے تھے۔ مگر جب ۱۵۲۶ء میں سلطان سلیم اول نے ملک شام کو فتح کیا تو سین شین میں داخل ہو گیا یعنی دراصل یہ سلطان سلیم کے شام میں داخلے کی طرف اشارہ تھا۔ سلطان ممدوح نے آپ کے مقبرہ کے مقام پر عمارت کی بنیاد رکھنی چاہی اور مزار نکل آئی جس پر درج تھا

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَأَمْلُو عِظَةَ الْحَسَنَةِ

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ

هَذَا الْقَبْرُ لِعَبْدِ الْفَقِيرِ إِلَى اللَّهِ عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدِ بْنِ

عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ الْعَرَبِيِّ الطَّائِي الْحَافِي

تُوَفِّي سَهْرَ اللَّيْلَةِ الْجُمُعَةِ ثَانِي وَعِشْرِينَ رَجَبِ الْآخِرَةِ ۱۰۲۸

یہ کتبہ دیکھ کر سلطان نے مزار مبارک مٹی سے نکلوانی اور درگاہ بنا دی۔

شیخ اکبر کے مزار مقدس سے آپ نے ایک لڑکے کو بطور گائڈ ہمراہ لیا۔ اور شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر فاتحہ پڑھتے ہوئے آپ شیخ کردی رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد پر حاضر ہوئے۔ شیخ صاحب کی نسبت عام مشہور ہے کہ آپ سے کسی نے امتحان لینا چاہا اور آپ نے قبر سے پاؤں نکال کر اسے ڈرا دیا۔ ابھی تک پاؤں قبر سے باہر نکلا ہوا نظر آتا ہے۔ اردگرد روٹی لپٹی ہوئی ہے۔

سے عبد الغنی الاندلسی بن اسماعیل بن عبد الغنی بن اسماعیل بن احمد حنفی القادری النقشبندی وکاتوت دردمشق

۱۰۵۰ ہجری، وفات دردمشق ۲۴ شعبان ۸۳۳ ہجری عربی کے صاحب دیوان صوفی غزل شاعر۔

سے ان کا مکمل نام محمد الیب الصالح الکردی ہے۔ برادر طریقت حاجی محمد حسین صاحب سکنہ کھوتیاں نے ۱۰۲۸

میں ایران و عراق اور شام و حجاز کی زیارات سے فیض حاصل کیا۔ وہ بھی شیخ کردی کی قبر سے باہر نکلا ہوا

پاؤں دیکھ آئے ہیں۔ - marfat.com

زندہ جاوید میں تسخیر محبت کے قاتل یہ شر مٹھنڈے نہ ہوں گے کچھ تار و زنتا

حضور اب بھی فرمایا کرتے ہیں کہ آپ نے مزا اور کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر لیا اور باہر نکلے ہوئے پاؤں کو ہاتھ لگایا۔ جو زندہ انسانوں کی طرح گوشت اور پوست رکھتا تھا۔ مگر دل پر ایسی ہمیشہ طاری ہوتی کہ رات کو بھی اس کا تصور رہا۔ بار بار فاتحہ پڑھنے اور اپنے جدا مجد خواجہ عزیز نواز جلاپوری سے استمداد کے بعد طبیعت بحال ہوئی وہاں سے لوٹ کر آپ ٹرام پر سوار ہوئے۔ اور ہوٹل پر پہنچے۔ روٹی کھائی۔ دودھ سستا تھا۔ یعنی صرف ڈیڑھ آنے کا سیر۔ پانچ سیر منگایا گیا۔ مدت کے بعد ملا تھا زیادہ پی لیا۔ اس لئے رات بھر پیٹ میں گرگڑا ہٹ رہی۔

۱۰۔ ارڈی قعد مطابق ۱۱ اکتوبر بروز شنبہ آپ صبح بیدار ہوئے ہی سٹیشن پر چلے گئے۔ کیونکہ گاڑی مدینہ منورہ جا رہی تھی۔ مدینہ والے کی کشش آپ کو وہاں لے گئی۔ ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی اور میاں فضل الدین ٹھیکدار آپ کے ساتھ تھے۔ آپ پہلے پیادہ سٹیشن البراکہ پر تشریف لے گئے۔ مگر وہاں سے پتہ چلا کہ گاڑی اسٹیشن قدم شریف سے روانہ ہو رہی تھی۔ آپ وہاں گئے حجاج کی وہ کثرت تھی کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ ایک گاڑی تھی جس میں سب سے پہلے آدمی سوار ہونا چاہتے تھے۔ آخر بہت سے رہ گئے جن کے لئے ظہر کے وقت سپیشل ٹرین چھوڑنے کی تجویز ہوئی۔ سٹیشن پر روسی قونصل اپنی خوشنما وردی پہنے ہوئے ٹہل رہا تھا۔ آپ نے پہلے اسے انگریز سمجھا۔ ملک محمد الدین صاحب نے اس سے انگریزی میں گفتگو کی۔ اس نے سلیس انگریزی میں جواب دیا۔ لیکن معلوم ہوا کہ روسی قونصل ہے۔ اور روسی رعایا کو آرام ریل پر سوار کرانے کے لئے آیا کرتا ہے۔ عندالذیافت معلوم ہوا کہ انگریز قونصل نے کبھی آنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ آپ نے سوچا جا کر اس سے شکایت کریں۔ مگر پھر خیال آیا

روز مملکت خویش خسرواں مانند گدائی گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

آخر گاڑی چل پڑی مدینہ جانے والوں کو حکمت و یاس رخصت کیا گیا اور پیغام دیا کہ
 مدینہ جانے والوں کو جانے میں گپ پنچو ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر و بار میں آئے
 سیشن سے فٹن کرایہ کر کے آپ سیدھے حضرت شیخ بدر الدین کے ڈرائیونگ میں
 پہنچے۔ مولوی حکیم اللہ دین اور مولوی محمد سعید صاحبان حسب قرار داد پہلے تھکے تھے شیخ
 صاحب بڑے تپاک اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ دیر تک قبلہ صاحبزادہ صاحب
 سے عربی میں گفتگو فرماتے رہے۔ ہندوستان کے حالات دریافت فرمائے۔ اور دینی
 لحاظ سے مصر کی نسبت ہندوستان کی بہتر حالت معلوم کر کے فرمانے لگے۔ ہمیں بھی
 اپنے ساتھ لے چلیں۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ نے کچھ خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور شیخ
 صاحب نے غور سے سن کر وعدہ فرمایا کہ آئندہ ہم اپنے مریدوں اور حلقہ بگوشوں
 کو عربین مثنویین کے محافظ کی جانی اور مالی امداد اور اعانت کی طرف ضرور رغبت
 دلایا کریں گے۔ مولوی صاحبان نے بعض پیچیدہ مسائل پوچھے جنہیں جناب مدوح نے
 اپنے تبحر علمی سے کام لے کر سلجھا دیا۔ شیخ صاحب نے مولوی صاحبان کی درخواست
 پر اپنے صالح اور خوش خلق خلیفہ خاص محمد یحییٰ سے لکھوا کر سند حدیث بھی عطا
 فرمائی۔ صاحبزادہ صاحب نے کچھ نذر دینے کی کوشش کی مگر شیخ صاحب نے لینے
 سے قطعی انکار کر دیا بلکہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے فرمایا کہ آپ خود مسافر ہیں ہمیں آپ
 کی خدمت کرنی چاہئے۔

یہ صحبت بڑی پر لطف اور مسرت انگیز تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے محسوس
 فرمایا کہ شیخ صاحب کا وجود با جو اس قحط الرجال میں نعمتات سے ہے۔ دُور دُور
 سے لوگ آکر آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ اور ظاہری اور باطنی فیوضات سے
 مستفید ہوتے تھے۔ شیخ صاحب بہت عمر رسیدہ تھے۔ اس کے باوجود صائم
 ادھر اور قائم الیل تھے۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع تھا۔ علم حدیث میں آپ

کو بھارتِ کاملہ حاصل تھی اور اس فن میں آپ کی قابلیت مسلمہ تھی۔ ہر بات میں حد سے استدلال فرماتے تھے۔ صاحبزادہ قبلہ کو یہ معلوم کر کے بیحد افسوس ہوا کہ آتش زدگی کے حادثہ نے دارالحدیث کو جلا کر خاکستر بکروا دیا تھا اور بہت سی کتابیں بھی آگ کی نذر ہو گئی تھیں۔ اس وقت مکان دوبارہ تعمیر ہو رہا تھا۔ شیخ صاحب باقاعدگی سے بعد از نماز جمعہ جامع اموی میں جو دارالحدیث کے بالکل قریب ہے۔ چالیس احادیث کا ترجمہ سناتے اور رموز و نکات اور معانی و حقائق کی توضیح بھی ساتھ ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ اہل علم حضرات بھی تیر کا و تیمنا شریک درس ہوا کرتے تھے۔ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے صاحبزادہ صاحب گذشتہ جمعہ کے روز جامع اموی میں موجود ہوتے ہوئے بھی شریک درس نہیں ہو سکے تھے۔ جس کا انہیں سخت افسوس رہا۔

واپس آکر آپ نے بازار سے چند مہلتے خرید فرمائے۔ دوکاندار محلے کے صاحب نہیں تھے۔ ایک قالین کی قیمت دوکاندار نے دس مجیدی یعنی پچیس روپے بتائی۔ صاحبزادہ صاحب نے دو مجیدی بتائے۔ دوکاندار پانچ پر اگر رک گیا۔ آپ نے فرمایا تین مجیدی لینے ہیں تو لے لو۔ آپ روانہ ہو پڑے۔ اور دوکاندار نے پیچھے سے ہانک لگائی آئیے تین مجیدی پر ہی لے جائیے۔ بازار صاف اور فرارح تھے۔ مگر مصر جیسی لطافت نہ تھی۔ ملک شام برفباری کے لئے مشہور ہے۔ اس لئے مسقف بازار بنے ہوئے ہیں اور روشن دانوں سے روشنی چھن چھن کر آتی ہے۔ بعض دکانیں بہت بڑی ہیں۔ شام کا دارالخلافہ ہونے کے سبب دمشق میں دس اور سے بہت مال آتا ہے۔ اور دھڑا دھڑا بکتا ہے۔ مصر کی نسبت اشیاء خوردنی ارزاں تھیں۔ دنبہ کا عمدہ چربی والا گوشت روپے کا ڈیڑھ سیر مل جاتا تھا۔ ہندوستان کے ایک مسافر مدینہ منورہ سے سیدھے دمشق آئے تھے۔ مصر نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے مطبوعہ سفر نامے میں دمشق کو جنت الابد کہا۔ صاحبزادہ فرماتے ہیں دمشق میں نہروں کی کثرت ہوا کہ

واٹھار کی بھر مار، لوگوں کی خوش خلقی اور تمول تسلیم مگر مصر جیسا بارونق بازار اور خوبصورت شہر کہاں اور کہاں دمشق۔ بازار سے چند چیزیں خرید کر آپ لوکنڈہ میں پہنچے اور کھانا کھایا۔

کھانا کھا کر آپ نے عبداللہ نامی گائیڈ کو ہمراہ لیا۔ عبداللہ پنجابی تھا اور ضلع لدھیانہ کا باشندہ۔ ٹرام پر سوار ہو کر آپ دمشق قدیم تشریف لے گئے جو موجودہ شہر سے شمال کی طرف واقع ہے۔ پہلے ایک مسجد میں نماز ظہر ادا کی۔ پھر قبرستان میں مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ طبیعت پر بہت ہی رقت طاری ہوئی اور عاشق رسول کی محبت سے بے اختیار رہو کر کٹھرے کو بوسہ دیا۔ یہ وہی بلال ہیں جنہوں نے اپنے محبوب صلعم کی تابعداری میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں۔ کوزلوں سے جسم ادھر طگیا۔ الٹا کر کے لٹکایا گیا۔ پتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینہ پر پتھر رکھے گئے مگر واہ اسے استقلال اور ثابت قدمی کہ اسلام اور بانی اسلام کی محبت میں سب تکالیف کو فراموش کر دیا۔ آخر صدیق اکبر نے انہیں خرید کر آزاد فرمایا اور اذان کی خدمت پر متعین کئے گئے۔ قطعاً خوش الحان اور عذب البیان نہیں تھے۔ مگر وہ کی ایسی چاشنی اور حلالت دل میں رکھتے تھے کہ بڑے بڑے خوش گلو بھی ان کی آواز سن کر مزے لیتے تھے اور سردھنتے تھے۔

زباں کو اپنی طاؤ دل سے طاؤ دل کو زباں سے اپنی

تو دیکھ لینا کہ پر اثر ہوں زباں سے جو کچھ نکل رہا ہے

سے اہل مصر قاہرہ کو مصر کہتے ہیں۔ مصر قدیم حضرت عمرو بن العاص نے بنایا تھا۔ اس کا اصلی نام فسطاط تھا۔ جس کا معنی ہے خیمہ۔ حضرت عمر ابن العاص کے خیمہ میں کبوتر نے گھونسل بنا لیا تھا جس کی جگہ سے خیمہ نہ اکھیڑا گیا۔ اور وہاں شہر آباد ہو گیا۔

ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض معترضین کے کہنے پر کہ بلال رضی اللہ عنہ کا تلفظ غلط ہے۔ اور جملے اس طرح نکالتا ہے کہ معانی بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ انہیں اذان دینے سے منع فرما دیا۔ صبح کی نماز کے لئے دوسرے مؤذن نے اذان دی مگر سورج نکلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ آخر لوگ نہایت متحیر ہوئے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خیال فرمایا۔ شاید قیامت آگئی ہے۔ اسی اثنا میں روح الامین پیغام لائے کہ جب تک بلال اذان نہ دے گا۔ سورج طلوع نہ ہوگا۔

مابروں اور انگریزوں و قال را مابروں اور انگریزوں و حال را
 اسی قبہ میں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا مزار اقدس اور سعید بن خالد ^{ولید}
 رضی اللہ عنہ کا مزار اور چند دیگر مرقد ہیں۔ پھر سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ
 تعالیٰ عنہا کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بعض لوگ یہ مزار مصر میں بتاتے ہیں۔ پھر سیدہ ام
 کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار پر شرف باریابی حاصل کیا۔ وہاں کچھ ایرانی
 نہایت سوز و گداز سے فارسی اشعار پڑھ رہے تھے۔ صاحبزادہ صاحب کی طبیعت
 بڑی متاثر ہوئی۔ بعدہ آپ نے سیدنا عبداللہ ابن مکتوم مؤذن رسول اللہ علیہ وسلم
 کی قبر مبارک دیکھی یہ وہ عبداللہ ہیں جن کے حق میں سورہ:

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اِنْ جَاءَكَ الْاَعْمٰی (الایۃ)

نازل ہوئی تھی۔ پھر سیدنا عبداللہ ابن سیدنا زین العابدین کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہوئے
 انہماک المؤمنین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام حبیبہ و سیدہ ام سلمہ کے
 مزاروں کی آستان بوسی کی۔ ان سب مزارات سے وہ نورانیت برستی ہے کہ سبحان اللہ
 سب مزارات ایک ہی محاذ میں واقع ہیں۔ حکومت کی طرف سے ان کی مرمت کا
 انتظام تھا۔

پھر قبرستان میں صاحبزادہ صاحب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۶۶۱-۶۸۰ء)

کی قبر دیکھی مگر جو لطف نے سرور مقدم الذکر مزارات پر حاصل ہوا تھا۔ وہاں اس کا نام تک نہ تھا۔ حالانکہ صاحب قبیلہ رقمطراز ہیں کہ آپ نے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عقیدت ہے۔ پھر حضرت خضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں بیٹوں اور دیگر چند شہدائے کربلا کے سروں کے مرقد دیکھے۔ وہاں نئی عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔ زماں بعد یزید (وفات ۶۸۲ عیسوی) کی عدالت کی جگہ دکھلائی گئی۔ جو بیوند نہ مین ہو چکی تھی اور ہو کا عالم تھا۔ پھر یزید کی قبر دیکھی جس سے سخت متفرق پیدا ہوا۔ لوگوں نے پھر مارا کر تو وہ بنا ڈالا ہے۔ اور اگر وہ غلط ہی غلط ہے۔ سچ ہے :

”کہ کر دکھ نیافت“

جب اس شقی ازلی کی دنیا میں یہ حالت ہے تو معلوم نہیں آخرت میں کون سے عذاب کا مستوجب ہوگا۔ علیہ ما علیہ۔

قریب ہی امین الامت سیدنا ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے۔ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ملک شام کے فاتح۔ اسی قبرستان میں عبد الملک بن مروان (۶۸۵ - ۷۰۵ عیسوی) اور سیدنا عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے مزار ہیں جو گائید نے قبیلہ صاحب جزادہ صاحب کونہ بتائے۔ اس لئے بعد میں معلوم ہونے پر تاسف ہوا۔ آپ ٹرام پر سیدنا وحیدہ کلبی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ جو شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ اور فاتحہ پڑھ کر واپس آگئے۔

۱۱ ذی قعد مطابق ۱۲ اکتوبر یکشنبہ آپ کے قیام دمشق کا آخری روز تھا۔ نماز صبح فارغ ہونے کے بعد پہلے آپ نے ایک حمام میں غسل فرمایا۔ حمام عالی شان تھا۔ تاہم غالباً حاجی سمجھ کر آپ سے دو روپے اجرت لی گئی۔ حالانکہ بلا امداد غیرے غسل کیا تھا پھر تمام حسب ایما گائید کو ساتھ لے کر آپ جبل کہف کو چل پڑے۔ سرائے سے قعد صاخبیہ تک ٹرام کا سفر تھا۔ پھر نصف میل کے قریب پہاڑ کی چڑھائی تھی۔ پہلے

رستہ میں سیدنا ذوالکفل علیہ السلام کا مزار مبارک تھا۔ وہاں فاتحہ خوانی کی۔ اور پھر پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ چڑھائی بالکل سیدھی تھی۔ اس لئے سانس پھول پھول جاتا تھا۔ آخر بہ ہزار وقت و دشواری وہاں پہنچے۔ وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ غار کا دروازہ بند تھا۔ آپ کو سخت افسوس ہوا۔ کلید بردار کی ادھر ادھر تلاش کی گئی مگر وہ مفقود ہی رہا۔ باہر کی طرف راہی اور کتے کی قبریں بنی ہوئی تھیں۔ غار کی مشرقی چھت پر ایک کنواں تھا اس کا پانی بالکل قریب نظر آتا تھا۔ آپ دوسری طرف غار پر چڑھے۔ اور وہ پتھر دیکھا جس کی نسبت مشہور ہے کہ ساتھ والی پہاڑی سے کٹ کر غار کے منہ پر آگرا تھا۔ واقعی پہاڑی میں اتنا شگاف نظر آتا تھا جس حجم کا پتھر تھا۔ گائیڈ نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ حضرت مریم علیہا السلام یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لائی تھیں جب وہ طفل شیر خوار تھے۔ پہاڑی سے شہر کا نظارہ قابل دید تھا۔ تا حد نگاہ بہا ہاتے تھے سرسبز درخت آنکھوں کو طراوت بخشنے نظر آتے تھے۔ شہر و رختوں میں گھرا ہوا تھا اور نہایت جلا معلوم ہوتا تھا۔

دوسری طرف پہاڑ پر وہ مقام تھا جہاں ہابیل نے قابیل کو قتل کیا تھا۔ آپ کے سننے میں آیا کہ غار کے اوپر ایک بڑا پتھر ہے جس سے قطرہ قطرہ ہو کر پانی ہر وقت نیچے ٹپکتا رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ پتھر کے آنسو ہیں جو حضرت ہابیل کے قتل ہونے سے اب تک برابر رہے ہیں۔ یہاں عموماً جا کر لوگ دعائیں مانگتے ہیں جو قبول ہو جاتی ہیں۔ زمانہ ماضی میں قحط سالی کے وقت لوگ یہاں آکر استسقاء کی دعائیں مانگتے تھے۔ اور مینہ اس قدر جلدی اور موسلا دھار برستا تھا کہ چھپو چھپو دن انہیں پہاڑ سے نیچے اترنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اسی غار کی پشت پر ایک اور غار ہے۔ جس کو اربعین کہا جاتا ہے وہاں کی نسبت مشہور ہے کہ چالیس ابدال جا کر عبادت کرتے ہیں۔ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ محراب بنا ہوا تھا۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ کو وہاں جانے کا شوق تھا۔ مگر وقت

کی قلت نے واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ علاوہ ازیں گائیڈ نے بتایا کہ شہر کے باہر خصوصاً
بیرونی نوواردوں کو خطرہ تھا۔ راہ میں ذوالکفل علیہ السلام کے مزار کے قریب ایک
غار تھا۔ جس کے متعلق بتایا گیا کہ اصحابِ رقیم کا مدفن ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

واپس آکر آپ ٹرام پر سوار ہوئے اور اپنے ہوٹل میں پہنچ گئے۔ دمشق میں بزرگوں
کی اور بھی بہت سی زیارات تھیں۔ کئی قابل دید مقامات تھے۔ مگر قلت وقت کی وجہ سے
آپ دیکھ نہ سکے۔ اور اسباب کے بندوبست میں مشغول ہو گئے۔ اسباب کی زیادتی
کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی۔ لاعلمی اور ناواقفیت کی بنا پر آپ زیادہ اٹھالائے
تھے۔ اس لئے آپ کو سخت متزدد اور متفکر رہنا پڑتا تھا۔ کم ہونے کا خطرہ علیحدہ تھا
اور ساتھ ہی اسباب کی قیمت سے زیادہ کرایہ دینا پڑا۔ وہاں آپ نے بہت ساسانا
پھینک دیا۔ اور باقی گا ۲۵ سیر فی مسافر بلا امتیاز اور جٹ بھرا کر اگلے تقریباً دو
روپے فی من کے حساب کرایہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ تک تھروٹ کالکٹ بچپن روپے
تھا۔ اور فرٹ کا ایک سو نوے روپے۔ آپ نے فرٹ کو ترجیح دی کیونکہ اس میں سونے
کا موقع مل جاتا تھا۔ مستری فضل الدین صاحب ٹھیکیدار بہر ن پوری نے بھی فرٹ
کالکٹ لیا کیونکہ ہمراہیوں نے مستری صاحب کو مجبور کیا کہ دو اڑھائی روز کا سفر
تھا۔ ایک نہ ایک آدمی کو صاحبزادہ صاحب قبلہ کے ساتھ لازماً رہنا چاہئے بلکہ
محمد الدین صاحب نے یہ سارے انتظامات انجام دیئے۔ رات کو حضور مدینہ منورہ کا شوق
دل میں لے کر سو رہے۔

حجازِ مُتَدَسِّس کا سفر

سفرِ شوق کا حاصل ہے فقط سیرِ ہر خارِ عقیبِ مینہ

۱۲ ذیقعد مطابق ۱۳ اکتوبر کی صبح سعید آئی جب کہ قافلہ حجاز نے سوئے حجاز روانہ ہونا تھا۔ اس وقت تک ان تمام مقامات کی سیر ہو چکی تھی جن کی حیثیت ضمنی تھی۔ اور سیرِ وافی المرص کے فرمانِ خداوندی پر حسب استطاعت پوری طرح عمل ہو چکا تھا۔ اور دل و دماغ کو عبرتوں سے معمور کر لیا گیا تھا۔ اب اصل مقصود لگا ہوں کے سامنے تھا۔ اور مولائے یثرب صلی اللہ علیہ وسلم اور رب کعبہ کی محبت کے بغیر دل میں اور کوئی کشش نہ تھی۔ تمام کے دل حضور رحمت اللعالمین اور بارگاہِ رب العالمین میں حاضری کے لئے بیتاب تھے۔

قبلہ صاحبزادہ صاحب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر ہر آقائی کو قربان کرنے کے لئے دل و جان سے ہر وقت آمادہ تھے۔ لیکن ان کے دل میں کشش فراوانی کا سبب ایک اور بھی تھا۔ وہ اولادِ حسینؑ تھے۔ حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے نور العین تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لخت جگر تھے۔ وہ اپنے جان سے پیارے نانا جان کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ جو نذر اولادِ آدم تھے۔ سرور کائنات تھے۔ آقائے دو جہان تھے۔ ساقی کوثر تھے۔ انہیں مسرت تھی کہ اب وہ اپنے جدِ اعلیٰ کی آغوشِ رحمت میں پہنچنے والے ہیں۔ دل میں جذبہٴ معجز و نیاز بھی تھا اور معصوم سا احساسِ افتخار بھی۔ انہیں نظر آ رہا تھا کہ دل کی دیرینہ تمنائیں پوری ہو رہی ہیں۔ زندگی کا خواہ شرمندہ تعبیر ہونے والا ہے۔ اور انہیں وہ کچھ عطا ہونے والا ہے جس کی قیمت ساری کائنات بھی ادا نہیں کر سکتی۔ بڑی عجیب کیفیاتِ قلبی تھیں جنہیں پہلو میں لئے ہوئے قبلہ صاحبزادہ صاحب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سٹیشن پہنچے۔

سیٹن قدم شریف پر اس روز بڑی چہل پہل تھی۔ مختلف حکومتوں کے قونصل اور سفیر رفق برق لباس زیب تن کئے آئے ہوئے تھے۔ تاکہ اپنے اپنے ملک کے حجاج کو گاڑی پر سوار کرا آئیں۔ حاجی صاحبان کا مجمع کثیر تھا۔ ترک و تاجیک، مصری و شامی، ایرانی عربی تمام غلامان محمد اپنا اپنا ملکی لباس پہنے تیزی سے چل پھر رہے تھے۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں انہیں اور ان کا لباس دیکھ کر مرد و زن متعجب ہوتے تھے۔ اور پوچھتے تھے کہ تم کس ملک کے باشندے ہو۔ بتایا گیا کہ ہندی ہیں۔ سن کر خوش ہوتے تھے۔ اور ہندی ولی اللہ کہتے تھے۔ حجاج کو الوداع کہنے کے لئے رشتہ دار احباب اور شہر کی جان پہچانے والے بھاری تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ گاڑی میں سامان ٹھونسنا جا رہا تھا۔ مسافر دھکم پیل کر کے داخل ہو رہے تھے۔ آخر ہر مسافر حجاج اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ اور آپ کے ساتھی مستری فضل الدین کو فسٹ کلاس میں بڑی آرام جگہ مل گئی۔ سیکنڈ کا ایک کمرہ روانگی کے وقت بالکل خالی تھا۔ کیونکہ اس درجہ کے مسافر کم تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ کو افسوس ہوا کہ مفت میں روپیہ ضائع کیا گیا۔ مگر سیکنڈ کی نسبت فسٹ میں آرام رہا خصوصاً گدیوں کی نرمی اور کمروں کی سجاوٹ بڑی آرام دہ اور دل خوش کن تھی۔ حضور کے ساتھیوں نے گائیڈ کے مشورہ سے گاڑی کے سیٹیشن پر پہنچنے سے پہلے دو ڈبوں میں سامان رکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ بھی آرام تھے۔ الوداع کہنے والوں نے آخری بار ہاتھ ملانے شروع کر دیئے۔ دعائیں مانگ رہے تھے اور بعض تو فرط شوق اور محبت سے رو بھی رہے تھے۔ انجن نے صدا سے الریل بلند کی اور تھوڑی دیر میں گاڑی آہستہ خرامی سے روانہ ہو گئی جب گاڑی ذرا تیز ہوئی تو اس طرح معلوم ہوا تھا گویا ریل کی پٹری، گاڑی کے پہننے، حجاج کے دل تمام یک زبان ہو کر اللہ اکبر اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے۔ اور تکبیر و تہلیل کی آواز تھی جس نے فضا کو معصوم کر رکھا تھا۔

کسی کی یادوں میں چٹکیاں لے رہی تھی اور کسی کی دید کا شوق ترقی پذیر تھا۔ کیفیات
قلبی کا کیا کہنا ہے

وعدہ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیسرے تر گرود
حضور کے ساتھ فسرٹ کے کمرے میں دمشق کے قاضی محمد کاشف بھی سوار
ہوئے تھے۔ بہت دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی دریافت کرنے پر معلوم ہوا
کہ انہیں تقریباً سات روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ دمشق میں دو قسم کی عدالتیں تھیں
شرعی مقدمات کی سماعت ان سے متعلق تھی۔ چونکہ قاضی صاحب ترکی الاصل تھے
صرف کتابی عربی میں مشکل بات چیت کر سکتے تھے۔ اور صاحبزادہ صاحب کی قادر الکلامی
پر متعجب ہوتے تھے۔ حضور نے جواباً ازراہ انکساری کہا یہ صرف آپ ایسے ارباب
علم کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ حضور نے کھانا کھایا۔ انہیں بھی مدعو کیا۔ مگر انہوں نے معذرت
طلب کی۔ گاڑی کے ایک طرف رستہ تھا۔ اس لئے آنے جانے میں کوئی دقت نہ ہوتی
تھی۔ آپ کے ساتھ گاڑی گاہے گاہے حضور کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ سیکنڈ
کلاس میں دمشق کے سیشن جج صاحب بھی سوار تھے۔ سفر کے دوران میں ان سے بھی
گاڑی کے برآمدہ میں ملاقات ہو گئی۔ بہت ہی فصیح عربی میں گفتگو کرتے رہے۔ ان سے
قریباً ایک گھنٹہ تک مختلف امور پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ وہ سلطان عبدالحمید
خان غازی کی سلطنت کے مداح تھے۔ اورینگ ٹرکس پارٹی کے مخالف۔ انہوں نے
اس کے عبور و نقائص سے پردہ اٹھایا اور اسے قوم کے حق میں ستم قاتل سے تعبیر کیا۔
صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں اگرچہ ان کی تقریریں افراط کی ملاوٹ تھی۔ مگر کلام میں
قومی جوش اور مذہبی جنون کی ملاوٹ پائی جاتی تھی۔ سیکنڈ کلاس میں ایک اور بزرگ

شہ نوجوان ترکوں کی جماعت جنہوں نے انجمن اتحاد و ترقی قائم کی تھی۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کی ترکی پارلیمنٹ میں ان
کی بھاری اکثریت تھی۔ اس انجمن نے عسکر آزادوں کے ذریعے فوجی تسلط حاصل کرنے کے بعد ۲۶ اپریل
۱۹۰۹ء کو سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیا۔ ان کے مخالفین نے اسے اتاترک اسی پارٹی کے فرد تھے۔

بھی سوار تھے۔ جو دمشق میں کپڑے کی دکان کرتے تھے۔ وہ رستہ میں یمن روز آپ کی دعوت بسکٹ اور چائے سے کرتے رہے۔ اور آپ نے بھی حاضر پھیل پھول سے ان کی تواضع کی۔

صاحبزادہ صاحب اپنے سفر نامے میں تحریر فرماتے ہیں کہ اب وہ دمشق چھوڑ کر چلے تھے۔ اس لئے انصاف کا تقاضا تھا کہ اس مبارک خطہ کی نسبت چند تعریفی کلمات لکھ دیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شام کی پاک سرزمین جہاں ہزار ہا پیغمبر اور لاکھوں اولیاء اللہ آرام فرما ہیں ایک ایسا سرسبز و شاداب ٹکڑا ہے کہ سوائے جنت نظیر کشتی کے کسی اور ملک سے اسے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ پانی کی جو فراط یہاں ہے وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ کئی ایک نہریں شہر کے بیچ میں جاری ہیں۔ مثلاً قیام کردہ ہوٹل کے نیچے ایک نہر بہ رہی تھی جس کا پانی آئینہ کی طرح صاف شفاف تھا۔ اور جو نہایت ہی دلکش منظر پیش کرتی تھی۔ یہاں کی آب ہوا بہت خوش گوار ہے۔ پانی شیریں اور زود مضم ہے۔ جتنی غذا کھائی جائے جزو بدن ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ موسم سرما میں پہاڑوں پر جو برف پڑتی ہے۔ نماز آفتاب سے بہہ بہہ کر نہروں میں شامل ہوتی رہتی ہے۔ عصر کے وقت صدمہ شائقین دل بہلانے، تازگی بخش ہوا کھانے اور سیر و تفریح کے لئے ان نہروں کے کنارے آکر چہل قدمی کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ مصریوں سے زیادہ حسین ہیں۔ مگر مصریوں جیسی نزاکت اور لطافت نہیں رکھتے۔ عورتیں بازاروں میں گشت تو لگاتی ہیں مگر منہ پر ایسا پردہ ڈالتی ہیں جس سے ان کا چہرہ چھپا رہتا ہے۔ رات کو بجلی کی روشنی سے شہر جگمگا اٹھتا ہے۔ اور لقمہ نور نظر آتا ہے۔ ٹرام بھی جاری ہے مگر مصر جیسی خوبصورت اور تیزرو نہیں۔ یہاں کی پولیس کے سپاہی بڑے شریف الطبع اور منکسر المزاج ہیں ان کی وروی خاص طور پر دلاویزی پیدا کرتی ہے۔ حاموں کی تعداد سینکڑوں میں بیان

۱۔ اس تعداد میں بیت المقدس کے انبیاء و اولیاء بھی شامل نظر آتے ہیں۔

کی جاتی ہے۔ ان کا انتظام بھی لائق تحسین و آفرین ہے۔ جام کے ملازم سرو، معتدل اور گرم طبقوں میں یکے بعد دیگرے لے جا کر محنت سے نہلاتے ہیں۔ اجرت چھ آنے سے دو تین روپے فی کس ہے۔ باہر مزین یعنی جاموں کی دکانیں ہوتی ہیں۔ اور عجیبی تکلفات سے پُر ہوتی ہیں۔ مگر صاحبزادہ صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ ان کے ساتھ اپنا جام تھا آپ کو وہاں سے جامت کرانے کی ضرورت نہ پڑی۔ علاوہ بیس صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں جو چیز شام کو دیگر بلاد و اقصاء سے متمیز کرتی ہے وہ میوے اور پھلوں کی ارزانی ہے۔ ایک آنے کے انگور لے کر دو تین آدمی سیر ہو جاتے تھے انجیر، انار اور ہر قسم کی سبزی ترکاری کی بھی یہی حالت تھی۔

دمشق سے مدینہ منورہ تک ریل گاڑی ۱۸۰۹ میل کا سفر طے کرنا تھا۔ راستہ میں ۱۸۶۷ اسٹیشن تھے۔ ترک سلطان عبدالحمید خان غازی (۱۸۶۶ تا ۱۹۰۹ء) حریم شریف کے مخلص خادم تھے۔ انہوں نے صحرائے حجاز کی یہ لائن ۱۹۰۰ سے ۱۹۰۸ء میں بنوائی تھی چھوٹی لائن تھی۔ ایسی مقاصد زیر نظر تھے۔ ایک تو تاج اور زائرین کو باسانی ٹھوسری مدت میں حجاز پہنچانا تھا۔ دوسرے جدید زمانہ کی ایجادات کو سرزمین حجاز میں لے جا کر حمل و نقل اور خبر سسانی کے نئے ذرائع سے کام لے کر دین اسلام کی تہذیب حجازی کو اکناف عالم میں پہنچانا تھا۔ ظاہر ہے یہ وہ عظیم الشان مقصد تھا جو مسلمانانِ عرب و انبیا میں لے کر لکھے تھے۔ یہ ریلوے لائن گویا دور جدید میں اسلام اور مسلمانوں کو اپنے حشر سے از سر نو سیراب کرنے کا ذریعہ تھا۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ کے دل میں جو کرامت

ملے اگر ترک اس قدر دور بینی سے کام لے سکتے تھے۔ تو اسلام کے دیرینہ دشمن یعنی فرزندمان شکیست بھی نابل نہیں تھے۔ جلیبیوں کے زانے سے لیکر انہوں نے ہر اس منصوبہ کو خاک میں ملائے کیلئے کوشاں رہے۔ فرزندمان شکیست نہیں کیا جو ملت اسلامیہ کیلئے حیات ثانیہ کا موجب بن سکتا۔ اور چنانچہ مرتیں ملتے ہی جنگ عالمی اول

(۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء) حجاز ریلوے کے اس عظیم منصوبہ کو بھی انگریزوں نے تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن دنوں صاحبزادہ صاحب سیر کر رہے تھے۔ انگریز اس ریلوے لائن کا سفایا لے کر

اسلامیہ اور اسلام کے متعلق بڑی امنگیں موجود تھیں اس لئے گاڑی پر سفر کرتے ہوئے وہ جوں جوں اس ریلوے لائن کو دیکھتے تھے ان کا دل مسرت سے لبریز ہوتا چلا جاتا تھا۔ آپ کی نگاہوں کے سامنے ایک روشن مستقبل کے کئی امکانات موجود تھے۔ آپ کی چشم تصور نے مجاہدین یرموک کے اخلاف کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے لائن پر سفر کرتے دیکھا۔ اور آپ نے خیال فرمایا:۔

”ہوتا ہے جاوہ پیمانہ پھر کارواں ہمارا“

آپ نے نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتے سُننے شہدائے اسلام کو حسین قرمزی تبار اور دیکھا۔ اور مجاہدین کی تیغ آزماہوں کے باعث اسلام کو ہر طرف سیل رواں کی طرح بڑھتے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ ۱۹۱۳ء میں جب کہ ہر طرف ادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اور طاغوتی قوتوں کا غلبہ تھا۔ ان خیالات کا پیدا ہونا از قبیل محالات تھا مگر حیرانی کی بات ہے ایک فوجی شہزادے کا دل ان خوش آئند خیالات لبریز تھا۔ حجاز ریلوے جس کا نام ابتدا میں ”حمید یہ حجاز ریلوے“ تھا اور سلطان عبدالحمید کی معزولی کے بعد جسے ”حجاز تیموری“ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہفتہ میں صرف تین دن یعنی جمعہ، دو شنبہ اور پنج شنبہ کو مدینہ منورہ سے بجانب دمشق روانہ ہوتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کی آمد و رفت کم تھی۔ صاحبزادہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جوں جوں لوگوں کو اس آرام دہ اور اطمینان بخش راستہ کے حالات معلوم ہوتے جاتے گئے۔ اس لائن پر آمد و رفت زیادہ ہوتی جائے گی۔ اور یہ ریلوے بھی دنیا کی مشہور ترین ریلوں میں شمار ہوگی۔ اس کے انتظامات کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ جیسا انتظام

باقیہ حالانکہ یہ تمام سازشوں میں مشروف تھے۔ یہ کام انہوں نے رسوائے عالم جاسوس کرنل لانس

ذریعہ انجام دلیا۔ جس نے ریلوے کے ذریعے اس لائن کو تباہ کر کے ترکی افواج کی نقل و حرکت روک دی۔ ترک شکر

کھا گئے۔ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ملت اسلامیہ کی کمر ٹوٹ گئی۔ بحمد اللہ اب کوئی نصف صدی کے بعد سعودی حکمران

اس کی عزت کو اچھستی ہے۔ اس کی لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا۔ جو سعودی عرب، شام اور اردن کے ممالک میں امریکس کی جاہان کردہ کینٹون کا ٹھکانہ ہے۔

جیسی حفاظت اس ریلوے کی کی جاتی ہے اس کا عشرہ عشر بھی ہندوستانی ریلوں میں نظر نہیں آتا تھا۔ ریل پر ازخون بیابانوں میں سے گندی اور کوئی ایسا سٹیشن خواہ چھوٹا تھا یا بڑا آپ کی نظروں سے ایسا نہ گذرا جس پر حفاظتی سپاہی دردی پہنے مناسبتاً تعداد میں موجود نہیں تھے۔ بڑے بڑے سٹیشنوں پر تو درجنوں ترکی و شامی سپاہی خوشنما دردی پہنے اسلحہ سے مسلح نظر آتے تھے۔ خصوصاً گاڑی میں قریباً ایک درجن سپاہی موجود تھے۔ جن کی اہم ترین ذمہ داری یہ تھی کہ رستہ میں اگر کسی سٹیشن سے کوئی مشکوک آدمی سوار ہو تو تسلی بخش جواب اور ضمانت لئے بغیر حجاج کے کمروں میں اسے نہ گھسنے دیا جائے۔ مدینہ منورہ کے قریب چونکہ بدوؤں کا زور تھا۔ اس لئے ہر ایک پہاڑی پر ایک ایک دو دو سپاہی جلتی دھوپ میں لیس کھڑے اپنا مفوضہ کام انجام دے رہے تھے۔ حجاز ریلوے کے انسران بھی بڑے خلیق اور شریف تھے۔ لاریب کرا یہ نسبتاً زیادہ تھا۔ لیکن صاحبزادہ صاحب نے خیال ظاہر کیا کہ اگر ریلوے کے مصارف پر نظر ڈالی جائے اور اس آرام کو بانصاف دیکھا جائے جو اس ریلوے کے اجرا سے عازمین و عین شریفین کو پہنچ رہا تھا۔ یہ کرا یہ کچھ بھی زیادہ نہیں تھا۔ آمدورفت کی کمی کے باعث ریلوے کی آمدنی محدود تھی۔ حکومت قرض کے بوجھ کے تلے دبی ہوئی تھی پھر عرب کے خونخوار بدوؤں سے بچنے کے لئے حفاظتی فوج کا تعینات کرنا از بس ضروری تھا۔ اس لئے کرا یہ ہرگز زیادہ نہیں تھا۔ ریلوے لائن دشوار گزار گھاٹیوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ حجاج کو بڑا آرام ملا تھا۔ گاڑیاں اجیر لائن کی طرح بد صورت اور تنگ نہیں تھیں۔ فسٹ اور سیکنڈ کے ڈبے تو بیٹے میل سے بھی زیادہ مزین اور با آرام تھے ان کا بیت الخلاء نہایت صاف ستھرا اور مسلمانوں کے مذاق کا تھا۔ اس میں ایک ایسی ٹون لگی ہوئی تھی جس سے انسان بلا تکلیف آبدست کر سکتا تھا۔ ریل کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔ زیتون کا تیل جلا کر روشنی کا اچھا انتظام کیا گیا تھا۔ اور انسان بخوبی

کتاب پڑھ سکتا تھا۔ ان حالات کی بنا پر صاحبزادہ صاحب نے ہر عازم حجاز کو رٹے
دی کہ اگر استطاعت ہو تو ضرور یہی رستہ اختیار کرے۔

و مشق سے روانہ ہونے کے بعد گاڑی کا رستہ قہستانی تھا پہاڑوں میں کہیں
کہیں باغات تھے جن میں پھلدار درخت دکھائی دیتے تھے۔ ظہر کے وقت گاڑی
درعاجنکشن پہنچی اور عصر کے وقت عمان میں وارد ہوا۔ رستہ میں گاڑی کٹی اور چھوٹے
چھوٹے مقامات پر بھی ٹھہری۔ لیکن ان کا ذکر بے سووہے۔ عمان بارونق اسٹیشن ہے
شہر بھی صاف ستھرا اور خوبصورت ہے۔ یہیں سے بیت المقدس کی ریل گاڑی کا افتتاح
ہونے والا تھا۔ عمان سے آگے ناہموار خشک علاقہ شروع ہو گیا۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے کہیں
کہیں چراگاہیں نظر آئیں تھیں جن میں خیمے نصب ہوتے تھے۔ اور ادھر ادھر اونٹوں کے
ٹکے اور بھیڑ بکری کے ریوڑ پرتے نظر آتے تھے۔ یہ مناظر وہاں کے لوگوں کی بدوی زندگی پر
دلالت کرتے تھے۔ عمان کے بعد قابل ذکر شہر معان آیا۔ جہاں آپ نے صبح کی نماز ادا فرمائی
اس شہر سے آگے کسی یہودی یا عیسائی کو جانے نہیں دیا جاتا مبادا وہ عرب کے خطہ پاک
کو اپنے نجس قدموں سے ملید کر دیں۔ معان کے بعد لوق صحرا تھا۔ دور دور خشک پہاڑ
دکھائی دیتے تھے۔ گاڑی قطع مسافت کر رہی تھی۔ کہیں کہیں اونٹ ریت کے ٹیلوں
پر رفتی کے ساتھ ہلنا رہو کر قطار زندر قطار جا رہے ہوتے تھے۔ اکی دو بستیوں دکھائی
دیتی تھیں جن میں مساجد کے مینار نمایاں ہوتے تھے۔ اور نماز کے اوقات میں اذان کی
آواز سنائی دیتی تھی۔ لیکن بستیاں شاذ و شاذ تھیں۔ اور صحرا ہر طرف محیط تھا۔ ریت کی
سفیدی آسمان کی نیلاہٹ میں تکمیل ہوتی نظر آتی تھی۔ گاڑی ہر شے سے بے نیاز
تھی۔ بلندی و پستی، آبادی و ویرانی سے بالکل بے پرواہ ہو کر اس ڈھن میں رواں دواں
تھی کہ کب اپنی منزل مقصود تک پہنچتی ہے۔ مسافر بھی اسی مبارک جذبے سے سرشار
تھے۔ اور قبلہ صاحبزادہ صاحب تو بدرجہ اولیٰ اپنے مقصد حقیقی کے تصور اور روح پرورد میں کھنٹے

ہوئے تھے۔ اور سفر کی باقی تفصیلات سے بڑی حد تک قطع نظر فرما چکے تھے۔
 معان کے بعد مشہور سٹیشن تبوک تھا۔ اسلامی تاریخ میں غزوہ تبوک اسی مقام سے
 تعلق رکھتا ہے۔ رومیوں کے خلاف اسی غزوہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا
 سارا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اقبال مرحوم اسی
 واقعہ کے زیر نظر کہتے ہیں۔

پرانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس

سرد عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قل قیصر روم کی آمد سن کر عسکر اسلامی کے ساتھ تبوک پہنچے
 یہ ۹۷ھ مطابق ۶۳۰ء کا واقعہ ہے۔ اس جگہ پہنچ کر پتہ چلا کہ افواہ غلط تھی۔ آنحضرت
 صلعم اس جگہ بیس دن قیام فرما رہے۔ یہاں ایک کنواں آنحضرت سے منسوب ہے
 تبوک کے بعد راستہ میں حلیل میدان ہیں۔ آج کل موٹریں تبوک کے بعد نخلستانی
 شہر تیماء اور پھر پہاڑوں، چشموں اور کھجور کے درختوں سے محصور تاریخی شہر خیبر کا راستہ
 اختیار کرتی ہیں۔ وہی شہر جس کے قلعہ کی تسخیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت کے
 سبب ہوئی اور جس کی وجہ سے آپ کا خطاب فاتح خیبر ہے لیکن یہاں گاڑی تبوک سے
 مدائن صالح اور بویرہ گئی۔ مدائن صالح کا سٹیشن بارونق تھا۔ ایک بجے رات کے
 قریب بویرہ سٹیشن پر حجاز ریلوے کے ایک عرب ٹھکیدار بعلیک کے رہنے والے
 عمر یوسف نامی آپ کے کمرہ میں سوار ہوئے جن سے ریلوے کے متعلق دیر تک
 آپ کی بات چیت ہوتی رہی۔ وہ بڑی فصیح عربی بولتے تھے۔

۱۲ ذیقعد مطابق ۱۵ اکتوبر مسافر ان حجاز سحر سے پہلے بیدار ہو گئے جگو
 نے گاڑی میں پانی کا کافی انتظام کیا ہوا تھا۔ تمام نے وضو کیا اور پھر ذکر جہر شروع
 کر دیا۔ کمرہ طیبہ پڑھا جا رہا تھا پچھلی رات کی خاموشیوں میں دوڑتی ہوئی گاڑی سے
 تسبیح و تہلیل کی آواز عجیب سحرانہ طریقہ سے بلند ہو رہی تھی۔ فرشتے بھی اس آواز

پر وجد کر رہے ہوں گے۔ مسافر درود شریف بھی بڑی روح پرور نے میں پڑھتے تھے۔ دل مسرور تھے۔ آنکھیں فرط مسرت سے اشکبار تھیں۔ اس مبارک دن گنبد خضرا کی زیارت سے ان کی نگاہوں کو طراوت اور روح کو حلاوت حاصل ہونا تھی۔ ایسی طراوت اور حلاوت جو زمین اور آسمان کے درمیان مدینہ منورہ کے بغیر اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس ادب گاہ کی زیارت سے دلوں کو ٹھنڈا پہنچانے والے تھے جو زیر آسمان ہو کر بھی عرش سے بالاتر ہے۔ جہاں جبریل امین جیسے فرشتے اور جنید و بایزید جیسے الامرتبت ولی بھی دفور ادب کے سانس روک کر حاضر ہوتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازکتر
نفس کم کر وہ می آید جنید و بایزید اینجا

اس روز گاڑی کی رفتار زیادہ پرجوش تھی۔ اور وادی یترب کے زائرین کے دلوں میں بھی جوش محبت فزوں تھا۔ زبانیں یک صدا ہو کر جب صَلِّ عَلٰی نَبِيِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنَا کہتی تھیں تو اس طرح معلوم ہوتا تھا یہ پیارا نغمہ آسمانوں تک بلند ہو رہا ہے گاڑی رواں دواں تھی اور شعلہ محبت تپاں و خیزاں۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ دل کی وہ بتیابی کبھی نہیں بھولے گی۔ زوال کے بعد حفیہ کے سٹیشن پر سے مدینہ منورہ کا محل وقوع اور نشان نظر آنے لگا۔ پھر کیا تھا۔ وہ شائقین جو اتنی دور سے گویا آنکھوں کے بل چل کر صرف مدینہ والے کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اپنے تئیں منزل مقصود پہ پہنچا دیکھ کر گاڑیوں سے سرنکال نکال کر دیکھنے لگے۔ ناگاہ مسجد نبوی کے مینار نظر پڑے ہر ایک کی زبان پر درود شریف جاری ہو گیا۔ گاڑی سرعت سے جا رہی تھی۔ اور مسافر کھڑے جھانک رہے تھے۔ بہت ہی دلکش نظارہ تھا۔ جب یکا یک گنبد خضرا نظر آیا تو کون تھا جو بے اختیار اشکبار نہیں تھا۔ فرط شوق و محبت سے تمام مسافر بے قرار تھے۔ جوش جذبات سے سینے پھٹے جا رہے تھے۔ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی

تھی۔ روح پرواز کر کے گنبد خضراء کا طواف کر رہی تھی۔ کسی کی کریمانہ توجہ خصوصی ضرورت کا
 تھی !! اے پیارے سبز گنبد کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اور آنکھوں میں نور اور دل
 میں سرور آ گیا تھا۔ اس مسرت بخش اور روح پرور حلاوت سے بہرہ اندوز ہونے
 کے لئے صاحبزادہ صاحب دیر تک گاڑی کی کھڑکی سے سر لگائے کھڑے رہے۔ دل
 بلیوں اچھل رہا تھا۔ اور جی چاہتا تھا کہ گاڑی برق رفتاری سے آنکھ جھپکنے کی دیر میں پہنچا
 دے۔ جہاں کی کشش آپ کو ہزار ہا کوس سے کھینچ لاتی تھی۔ عصر سے پہلے تین بجے کے
 قریب گاڑی مدینہ منورہ کے اسٹیشن پر پہنچی۔

شکر کہ جازہ بہ منزل رسید زورقی دیرینہ بسا حل رسید
 مدینہ منورہ کا اسٹیشن بڑا فراخ ہے اور شہر سے مغرب کو ہے۔ بڑے دروازے
 کے دونوں طرف بلند شاندار مینار ہیں۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو بے نظیر چہل پہل پیدا ہوئی
 حجاج، معلم اور ان کے کاردار اور دیگر واقفکار بے اختیار ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ او
 پیاری عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب اور ان کے ساتھی ٹرین سے اترے
 ایک معلم صاحب سے ضروری امور طے کئے۔ اور پھر بڑے گیٹ سے باہر نکلے۔ اسٹیشن سے
 ملحق ایک مسجد ہے۔ وہاں سے حرم شریف ایک میل سے زائد فاصلہ پر موجود ہے۔ شہر
 ایک وادی میں آباد ہے جس میں کھجور اور انگور کے باغات ہیں۔ اس مبارک اور مقدس
 شہر اور اس کے ماحول پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد صاحبزادہ صاحب اپنے ہمراہیوں
 کے ساتھ فریڈ ادب کی بنا پر پیادہ چل پڑے۔ معلم صاحب نے ہر چند کہا کہ فٹن کر ایہ
 کر لی جائے۔ مگر آپ نے صریح انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ایسی مبارک سرزمین پر تو
 سر اور آنکھوں کے بل چلنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے نیچے خدا کے حبیب سید الکونین آرم
 فرما ہیں۔ جن کے قدیم میمنت لزوم سے خاک یثرب کے سامنے تبار و ختن بھی
 بالکل بے حقیقت ہیں۔

بہ زمینے کہ نشان کھن پائے تو بود ساہا بوسہ کہ حساب نظر اں خواہد بود
یہاں مجسم ادب بن کر چلنا سعادت دارین حاصل کرنا ہے۔ اور چلنے کی قدرت رکھتے ہوئے
سیٹیشن پر سے گاڑیوں پر سوار ہو جانا سخت بے ادبی اور بدبختی ہے۔ بڑے ذوق و شوق
کے ساتھ مدینہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے آپ اپنے موزوں کردہ یہ اشعار پڑھتے جا
رہے تھے۔

ریاض دارم کی نہیں متد کچھ بھی عجب خوش نما ہے یہ کونے مدینہ
تمام اہل دنیا کے شہروں کی وقعت نہیں ذرہ بھر و بروئے مدینہ
معلم صاحب کی ایسا پہلے مکان کی تلاش کی گئی۔ اور ایسی نماز اور حاضری دربارہ کی غرض
سے حرم پاک کے نزدیک شیخ ندیم صاحب مجددی کا مکان ایک ہفتہ کے لئے فی کس رو
روپے لے کر لیا گیا۔ مکان کے بالائی حصے بھی خالی تھے۔ مگر ادب کی وجہ سے آپ نے
پہلی منزل کو پسند کیا جو ابھی ہو ادا تھی۔ اور ہمارے وطن کی طرح اس کے باہر صحن بھی
تھا۔ سامنے سفر میں ایسے صحن والا کوئی مکان نہیں ملا تھا۔ چونکہ عصر کا وقت قضا ہو
رہا تھا۔ معلم صاحب نے کہا حرم میں پہنچتے پہنچتے سو ج غروب ہو جائے گا۔ اس لئے
آپ نے نماز ادا کر لی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ایک بڑی عالیشان دوکان میں گئے اور حاضری
کے لئے تیار ہوئے۔ اس وقت طبیعت کی عجیب حالت تھی۔ بآبار خیال آتا تھا کہ
”اے جی بلینم بہ بیدار سیت یارب یا بخواب“

آخر خضوع و خشوع کی بنا پر آنکھیں نیچے کئے، سر جھکائے، حرم کا عزم لے کر روانہ ہو
پڑے۔ چند قدم طے کئے تھے کہ مسجد نبوی کا دروازہ نظر آیا جو باب الرحمن کے نام سے
موسوم ہے۔ اس وقت اتنی جرات نہیں تھی کہ حالات لکھنے کے لئے اب مسجد کی بناؤ
سجاوٹ، بلندی اور رفعت کو دیکھ سکتے۔ جی چاہتا تھا کہ دوڑ کر روضہ اطہر کی جالی

سے لپٹ جائیں۔ مگر معلم صاحب نے فہمائش کی فی الحال ریاض الجنۃ میں بیٹھ جائیے۔
غروب کا وقت ہے اور دعا و سلام کراہیت سے خالی نہیں۔ آخر ان کے اصرار پر
اس مبارک ٹکڑے میں بیٹھ گئے جس کی نسبت آنحضرت کا فرمودہ ہے ۷

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَدِيْنِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ

دس منٹ بعد مغرب کی اذان ہوئی اور حنفی امام مصلیٰ پر آئے۔ مسجد نمازیوں سے
بھری ہوئی تھی۔ مگر ہجوم زیادہ نہ تھا شاملین جماعت کا تخمینہ چھ سات ہزار کے ماہین ہو
گا۔ راستہ کے غیر مومن ہونے کی وجہ سے حجاج بہت کم آئے تھے۔

مغرب کی نماز ختم ہوئی اور آپ معلم صاحب کی معیت میں باب السلام کی
طرف لوٹے۔ وہاں سے دعا پڑھتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے چل پڑے۔
بجلی کی لائٹ اور زیتون کی ہانڈیوں کی روشنی سے مسجد بقعہ نور بن رہی تھی۔ اور
برطرت جمال برس رہا تھا۔ جالی کے قریب پہنچ کر معلم کھڑے ہوئے اور سلام پڑانے
لگے۔ دل کی جو کیفیت تھی اس کو وہ کماؤ پوش ہی جانتا تھا۔ ہر بن مومن سے درود و سلام
نکل رہا تھا۔ روتے روتے ہچکی بند گئی تھی۔ اور شادی مرگ ہونے کا اندیشہ تھا۔ معلم صاحب
نے جو سلام پڑھا یا وہ عربی میں تھا۔ مگر صاحبزادہ صاحب قبلہ نے بغرض تسہیل اس کا
مطلب درج کر دیا ہے۔ :-

”نبی کریم تم پر سلام ہو۔ رُفُوفُ الرَّحِيمِ اشرف الرسل سلام قبول کیجئے صلوة

اور سلام ہو تم پر اے ہمارے نبی۔ اے ہمارے پیارے۔ اے ہماری

آنکھوں کے نور، دل کے سرور صلوة اور سلام ہو تم پر اے خدا کے نبی۔ آ

خدا کے دوست، اے خدا کے ملک کا جمال۔ اے خدا کے عرش کا نور، آ

پیدائش کے اعتبار سے برگزیدہ۔ اے خدا کے نزویک گناہگاروں کی

شفاعت کرنے والے، اے وہ جسے خدا نے جہان کے لئے رحمت اور

برکت بنا کر مبعوث کیا۔ اور آپ کے حق میں ارشاد فرمایا۔ اگر وہ لوگ
 جنہوں نے صفائے اور کبائر کے ارتکاب سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو
 تمہارے پاس آئیں اور خدا کے سامنے عاجزی سے استغفار کریں اور آپ
 ان کی توبہ قبول ہونے کیلئے سفارش کریں تو ضرور خداوند کریم ان کی توبہ قبول
 کریگا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ درود اور سلام ہو تم پر اے محمد ابن عبد اللہ
 ابن عبد المطلب بن ہاشم۔ اے طہ۔ اور نسین کے ناموں سے موسوم ہونے
 والے امیرے سردار، میرے آقا، میرے رسول۔ میں گناہوں سے
 بد اعمالیوں سے تنگ آ کر حضور کی خدمت میں بغرض طلب شفاعت
 و سفارش حاضر ہوں۔ میرے لئے شفاعت کیجئے۔ اے امت کے
 شفیع۔ اے کفر کی اندھیرنگری میں اسلام کا چراغ عالم افروز روشن کرنے والے
 ہمیں آگ سے نجات دلوائیئے۔ خدا کے پیغام لائیا نبی۔ ہم آپ کی خدمت
 میں زیارت کیلئے حاضر ہونے ہیں۔ اور دلی شوق سے چل کر خدمت میں
 آئے ہیں۔ اور آپ کے دروازہ عالی پر کھڑے ہیں۔ ہمیں اپنے دروازے
 سے خالی ہاتھ نہ پھرانا۔ وَمَنْ دَقَّ بَابَ الْكَرِيمِ الْفَتْحِ بِمِ
 خدا سے سوال کرتے ہیں کہ خدا آپ کو ہمارا وسیلہ، ہمارا کفیل بنا
 اور آپ کو عالی مدارج پر فائز کرے۔ اور مقام محمود اور حوض کوثر اور قیامت
 کے دن شفاعت عظمیٰ کے نام سے مال مال فرمائے۔

ياخير من دفنت في اتراب اعظمه خطاب من طيبين القاع والالام
 لنفس العذار تعبيرانت ساكنه فيه المعاف وفيه الجود والكرم
 میں اس پر گواہ ہوں کہ آپ نے اپنی رسالت کا کام اچھی طرح سے کیا۔ اور
 امانت کو نہایت دیانت سے لوگوں تک پہنچایا۔ اور کفر کے اندھیرے کو

دور کر دیا۔ اور اسلام کی روشنی کو اقصائے عالم میں اچھی طرح پھیلایا اور
 خدا کے رستہ میں کھاتقہ جہاد کیا۔ اور خدا کی اتنی عبادت کی کہ آپ کا ایمان
 راسخ ہو گیا۔ اور یقین کامل۔ خداوند کریم ان اعمال کے بدلے آپ کو ہماری
 طرف سے جزائے خیر دے۔ ہم آپ کے شفاعت کے طلبگار ہیں۔ ہمارے
 لئے قیامت کے دن، ایک بڑے گھبراہٹ کے دن، اس دن جب
 کہ مال اولاد کسی کام کے نہ ہوں گے سوائے اعمال صالحہ اور قلب سلیم
 کے۔ شفاعت کیجئے گا، صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ ہمارے والدین،
 ہمارے اسلاف، ہمارے مشائخ، ہمارے استاد اور ان لوگوں کے
 لئے جنہوں نے ہمیں چلتے وقت آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر
 دعا خیر کی نسبت کہا تھا۔ خدا کی رحمت ہو تم پر اے سرور انبیاء و فرسائل
 ایک ایک لفظ پر آٹھ آٹھ آنسو گرتے تھے۔ دیر تک کٹھرے کو بوسے دیے
 لکھیں لگائیں، رخسارے رگڑے، صاحبزادہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک
 ہندوستانی مولوی نے دمشق کی تعریف میں کئی صفحات سیاہ کر ڈالے۔ مگر مینہ
 غورہ کے متعلق لکھتے ہیں کٹھرے کو بوسہ دینا ممنوع ہے۔ صاحبزادہ صاحب
 فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب خشک مانے ہیں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن
 ابی مظعون کی نعش کو بوسہ دیا اور خلیفہ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے رفیق غا
 کے جسم اطہر پر فتیدگی کے بعد بوسہ دیا۔ تو ہم کہاں کے ایسے شقی، پرہیزگار اور بدقتا
 سے مجتنب رہنے والے نکل آئے کہ اس نئی کریم کے مزار کو بھی بوسہ نہ دیں جس
 کے ہم پر بے شمار احسان و کرامت ہیں۔

”شکر نعمت الہی تو چنداں کہ نعمت الہی تو“

صاحبزادہ صاحب نے مولوی صاحب کو زکوٰۃ کیا کہ

گر فرق مراتب کئی زندیقہ

اور فرمایا کہ ہم سجدہ کے تہ دل سے مخالفت ہیں اور سجدہ لغیر اللہ کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ اگر عبادت کے طور پر کیا جائے تو مرتکب کو کافر تک کہنے کو تیار ہیں مگر ایسی اکڑنوں کے قائل نہیں کہ بوسہ تک نہ دیں۔ حالانکہ فقہاء نے اپنے والدین کی قبر پر بوسہ دینا مستحسن بلکہ سنت لکھا ہے۔ حدیث قرآن سے ثابت ہے کہ مسلمان مسلمان ہی نہیں جو اپنے رسول کو اپنے والدین اور خویش و اقارب سے زیادہ دوست نہ رکھے خیر ہے

فکر بہ کس بقدر مہمت اوست

بعد ازاں ساتھ ہی حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قبر کے محاذ میں کھڑے ہو کر یہ سلام پڑھا

السلام عليك يا سيدنا ابا بكر الصديق. السلام عليك يا خليفة رسول الله على التحقيق، السلام عليك يا صاحب رسول ثاني اثنين اذ هما في الغار، السلام عليك يا من اتفق ماله كله في حب الله وحب رسوله حتى تخلك بالعباء رضی اللہ تعالیٰ عنک وارضاك احسن الرضى. وجعل الجنة منزلك ومنسلك ومحلک وما اولک، السلام عليك يا اول الخلفاء تاج العلماء وصهار النبي المصطفى ورحمة الله وبركاته۔

پھر سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب کے مرقد کے مقابل ہو کر یہ سلام پڑھا گیا ہے

السلام عليك يا عمر بن الخطاب، السلام عليك يا ناطق بالعدل والصواب، السلام عليك يا حنفى المحراب، السلام عليك يا مظهر دين السلام، السلام عليك يا مكسر الاصنام السلام عليك يا ابا الفقراء والضعفاء والارامل والایتام انت

الذی قال فی حقک سید البشر لو کان نبی من بعدی لکان عمر
بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنک وارضاک احسن الرضی
وجعل الجنة منزلك ومسکنک ومحکک وما وک السلا
علیک یا ثانی الخلفاء وتاج العلماء وصهر النبی المصطفیٰ
ورحمة اللہ وبرکاته

پھر دوسری طرف ایک کٹہرے کے پاس کھڑے ہو کر مزار صاحب نے بتایا کہ یہاں
پہلے ایک دروازہ تھا۔ جہاں سے ملائکہ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے
تھے۔ وہاں یہ سلام پڑھا:-

السلام علیک یا سیدنا جبرئیل، السلام علیک یا سیدنا میکائیل
السلام علیک یا سیدنا اسرافیل، السلام علیک یا سیدنا عزرائیل
السلام علیک یا ملائکة المقربین من اهل السموات والارضین
کافة عامة، السلام علیک ورحمة اللہ وبرکاته۔

اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزار مقدس کے مقابل کھڑے ہو کر معلم صبا نے یہ سلام پڑھا

السلام علیک یا سیدتنا فاطمة الزهراء یا بنت رسول اللہ، السلام
علیک یا بنت نبی اللہ، السلام علیک یا بنت حبیب اللہ، السلام
علیک یا بنت المصطفیٰ، السلام علیک یا خامسة اهل الکساء
السلام علیک یا زوجة امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ
کرما اللہ تعالیٰ وجہہ فی الجنة، السلام علیک یا ام الحسن والحسین
الستیدین الشہیدین الکوکبیین القمرین الثیرین الشباہین شہاب
اهل الجنة فی الجنة ابی محمدان الحسن وابی عبد اللہ الحسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنک، ارضاک احسن الرضی وجعل

لجنة منزلك ومسكنك ومحلك وماؤلك - السلام عليك وعلى
 ابيك المصطفى وبعلك على المرتضى وبنيك الحسين ورحمة وبركات
 بعدة معلم صاحب باب جبرئیل کے مقابل کھڑے ہو کر اہل بیع پر غائبانہ سلام ان الفاظ میں ادا کیا
 السلام عليك يا اهل البقيع يا اهل المنزل الرفيع انتم السابقون
 ونحن انشاء الله تعالى بكم لاحقون - الشروبان الساعة آتية لا
 ريب فيها وان الله يبعث من في القبور، آنسكم الله تعالى شرف
 كماله تعالى بقول اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له
 واشهد ان محمدا عبده ورسوله -

یہاں سے فارغ ہونے پر معلم صاحب نے کہا کہ چونکہ صبح کو جمعرات ہے اور عموماً
 زائرین شہدائے اُحد اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزارات کی زیارت کو اس رُوح
 جایا کرتے ہیں۔ ان پر سلام پڑھنا کل تک ملتومی کیا جاتا ہے۔ لہذا واپس آکر صاحبزادہ
 صاحب نے عشاء کی نماز پھر حرم میں باجماعت بلکہ ریاض الجنۃ میں ادا کی اور خدا کا
 لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ایک ایسی جلالت دل میں لے کر سوئے جو قسمت کی یاوری اور
 الطاف خداوندی کے بغیر ملنا محال ہے۔

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۳ء پنجشنبہ کی صبح سعید کو اذان ہوئی
 صاحبزادہ صاحب نے وضو کیا اور حرم نبوی کی طرف چل پڑے؛

علی الصباح کہ مردم بکار و بار روند بلاکشان محبت بکوئے یار روند
 شافعی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ حقیقی، شافعی، معتدل، غیر معتدل کا کوئی فرق نظر
 نہ آیا۔ اور نہ ہی ان فرقوں میں وہ علالت دیکھنے میں آئی جس کی وجہ سے ہمارے
 ملک میں خانہ جنگی پیا رہتی ہے۔ جتنے مسلمان حاضر مسجد ہوں سب کے سب قائم شدہ
 جماعتیں شامل ہو جاتے ہیں۔ مالکی، حنبلی اماموں کو بھی باری پر باقاعدہ موقع

ملتا ہے۔ صلوٰۃ صبح کے بغیر سب نمازیں پہلے حنفی ادا کرتے ہیں۔ صد ہا شافعی اور
 مالکی جماعت میں شمولیت حاصل کرتے ہیں اور جب آمین پکارتے ہیں تو مسجد گونج
 اٹھتی ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے روضہ اطہر پر حاضری دی۔ معلم صاحب نے
 کہا تھا جب سلام پڑھنا چاہو فلاں جگہ سے بلا لینا۔ مگر صاحبزادہ صاحب رقمطراز
 ہیں کہ جو لطف علیہ آتا ہے وہ معلم کے پیچھے کہنے سے کہاں نصیب ہو سکتا تھا۔
 دس اور تالیس پھوٹے جب تے کھینچے۔ عشق کی بٹی پڑھا کرتا ہوں جو تو نے پڑھانی تھی
 دیر تک اپنی معروضات اور ان لوگوں کو لالچائیں جنہوں نے چلتے وقت پیغام دینے تھے۔ حضور
 نبوی میں پیش کرتے رہے۔ اس کے بعد حرم میں بیٹھ کر پانچ منزل قرآن شریف پڑھا
 کیونکہ آپ نے دل میں ارادہ کیا ہوا تھا کہ جتنا زائد وقت ہو حرم پاک میں بیٹھ کر
 قرآن خوانی میں صرت کیا جائے گا۔

منزل سے فارغ ہو کر آپ سیدھے مکان پر گئے۔ وہاں معلم صاحب کے ایک
 نائب منتظر بیٹھے تھے۔ ان کے ایام پر سب کے سب جبل احد کی طرف روانہ ہو گئے جس کا
 راستہ کچھ دنوں بدوؤں کی شورش کی وجہ سے رکا رہا تھا۔ مگر اس وقت کھل گیا تھا۔
 تاہم بظرا احتیاط سلطانی فوج کے سپاہی جا بجا تعینات تھے۔ مدینہ منورہ سے جبل احد
 کو تین میل کے فاصلہ پر ہو گا۔ کئی آرام طلب گاڑیوں پر جلتے نظر آئے مگر آپ نے اسے
 سوہاؤ بنی پر معمول اور تصور کر کے پیادہ روی کو ترجیح دی۔ اور بعض شائقین تو پابریہ پہنچ
 ایک گھنٹہ کے بعد پہاڑ نظر آنے لگا جس کے نیچے سناہ میں رسول اکرم صلی
 علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین نے خونریز جنگ کی تھی۔ اور لشکر اسلام کو بوجہ عدم اتباع
 حکم نبوی شکست فاش اٹھانی پڑی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وادنت مبارک
 بھی اسی دارگیر میں شہید ہو گیا۔ یہ وہ مبارک پہاڑ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے

الْأَحْدُ يُحِبُّ بَاءً وَيُحِبُّ

احد کے قریب ایک بڑے قبہ میں سیدنا امیر حمزہؓ، عبداللہ بن جحشؓ (حضرت زینب حرم رسول اللہ صلعم کے حقیقی بھائی اور سیدنا امیر حمزہؓ کے بھانجے) شماس بن شماس ابن عثمانؓ، مصعبؓ ابن عمیر علمدار ایک ہی مزار میں مدفون ہیں۔ اور گرد ایک سبز رنگ کا خوش نما چولی جنگلہ ہے۔ وہاں بھی معلم صاحب نے سلام پڑھایا۔ بہت سے سائل رونماں پھائے بیٹھے تھے جسب توفیق خیرات کی گئی۔ پھر گنج شہدا پر گئے۔ جہاں بہت سے شہدائے احد مدفون ہیں۔ کسی خاص قبر کا نشان نہیں۔ اور گرد چار دیواری ہے۔ اس کے قریب ایک پختہ بارہ دری ہے جس میں سے نہر گزرتی ہے۔ بعد ازاں مسجد الشفا میں گئے۔ دو نفل ادا کئے۔ وہاں ایک دیوار میں دانت کا نشان بنا ہوا ہے۔ اور مشہور ہے کہ یہاں دانت مبارک شہید ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ان کا جنت البقیع میں مدفون ہونا ثابت ہے۔ آہ

لی امت کے گناہوں کی احد نے قیمت دے دیے جنگ احد میں دو دندان توڑنے پھر وہ جگہ دیکھی جہاں سیدنا امیر حمزہؓ شہید ہوئے تھے۔ وہ غار بھی دور سے نظر آرہی تھی۔ جس پر لڑائی کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسر کر دی عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ پچاس تیر انداز مقرر کئے تھے۔ اور حکم دیا تھا کہ جب تک بلایا نہ جائے اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ لڑائی ہوئی کفار نے بیٹھ دکھائی، مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر سپاہیوں کو روکتے رہے۔ مگر وہ بھی ادھر دوڑ پڑے۔ حضرت خالد ابن ولید جو اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔ موقع کو غنیمت سمجھ کر اسی رستہ سے فرج اسلام پر اچانک عقب سے حملہ آور ہوئے۔ مسلمان اس بھر پور حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام مقتول و مجروح ہوئے اور ایک شقی القلب بد بخت ازلی نے پتھر مار کر رسول کریم صلعم کے دانت مبارک بھی شہید کر دیے۔ آخر خداوند تعالیٰ نے ان

کے دل میں میلیت ڈالی اور مسلمانوں کا دوبارہ اجتماع دیکھ کر کفار کے آئندہ سال واپس آنے کی دھمکی دیکر خود بخود مفروز ہو گئے۔

دھوپ بہت تیز چڑھ چلی تھی۔ پہاڑ پر چڑھنے میں خوف بھی تھا۔ اس لئے صاحبزادہ صاحب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ واپس چل پڑے اور بارہ بجے کے قریب مکان پر پہنچے۔ رول بازار سے ٹھیک منگاکر کھانی کیونکہ ابھی سامان سٹیشن سے نہیں منگایا تھا۔ ظہر کی نماز مسجد نبوی میں باجماعت ادا کی اور خدا کا شکر یہ ادا کیا کہ لوگوں کی کثرت کے باوجود قتل ربّی سے رسول کریم صلعم کے قریب ہی ریاض الجنتہ میں جگہ مل جاتی تھی۔ نماز پڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی اور عصر تک حرم میں مقیم رہے۔

عصر کے بعد معلم صاحب نے کہا کہ آج جمعرات ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقبرہ کا دروازہ کھلا ہے جو آج کے دن ہی کھلتا ہے۔ زیارت کا بہت اچھا موقع ہے چنانچہ ان کی معیت میں باب جبرئیل سے نکل کر آپ جنت البقیع کے مبارک خطے میں داخل ہوئے۔ پہلے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے مزار مطہر پر حاضر ہوئے۔ لیکن ابھی دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اس لئے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی حدیث کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ یہ وہ شہید ہیں جو حجاج بن یوسف کی جفا کاریوں کا نشانہ بن کر اس مبارک خطے میں آرام فرما ہیں۔ اس کے بعد سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ کے مرقد پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر اس قبۃ کی زیارت کی جس میں سیدنا نافع مدنی اور حضرت امام مالک صاحب مذہب رضی اللہ عنہم مدفون ہیں۔

بعد ازاں قبۃ اہل بیت میں داخل ہوئے جہاں سیدنا عباس عم رسول اللہ و سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما و سیدنا حسن ابن علی و سیدنا زین العابدین و سیدنا امام جعفر صادق و سیدنا امام باقر (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے مزارات ہیں عالی شان روشن بنا ہوا ہے۔ لیکن صاحبزادہ صاحب لکھتے ہیں وہاں اہل بقیع کا بہت

تسلط ہے۔ اور گواہیں داخلہ کے لئے دس آنے فی کس دینے پڑتے ہیں لیکن اندر جا کر وہ بہت شور و شیون، فریاد و دادیلا پجاتے ہیں۔ موسم تہیاں جلاتے ہیں بجد کرتے ہیں، سر کو پیٹتے ہیں۔ غرض وہ طوفان بدتمیزی پجاتے ہیں۔ جس سے خود حضرت اہل بیت کے ارواح اطہر کو تکلیف پہنچتی ہوگی۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان جاہل نادانوں کو سمجھائے کون کہ بھائی قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب ان معصوموں کے ارواح کو پہنچاؤ۔ کھانا پکا کر مسکینوں میں تقسیم کرو۔ فاتحہ پڑھو اور ان کی مبارک زندگی سے سبق حاصل کرو۔ مگر جہالت ایک ایسا لا علاج مرض ہے کہ جس کا مریض کسی نصیحت کی دوا سے شفا یاب نہیں ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہاں طبیعت میں بہت لطف اور سرور پیدا ہوا۔ مگر ان کم بختوں نے دھما چو کر ٹھی چا رکھی تھی کہ مجبوراً جلدی واپس آنا پڑا۔

اتنے میں مزار سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھل گیا۔ اور لوگ زیارت سے مشرف ہونے لگ گئے۔ آپ بھی وہاں پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں بنات، عمات و ازواج مطہرات رسول اللہ صلعم کے قبے اور حضرت اسماعیل بن جعفر صادق کے مزارات کی زیارت کر کے آپ واپس ہوئے آپ کے دل میں سرور تھا کہ ان حضرات کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا جو اپنی اپنی جگہ انوار نبوت سے مستفیض ہونے کی بنا پر آفتاب ہامتاب تھے اپنے شام اور عشاء کی نماز بھی مسجد نبوی میں ادا کی۔ اور روضہ اطہر پر حاضر ہو کر اغراض و مطالب عرض کئے۔ اس شام شیخ ندیم احمد صاحب مجددی سرہندی نے ضیافت دی۔ کھانا ہندی مذاق کا تھا۔ شیخ صاحب ایک شریف خاندان کے رکن رکین تھے۔ اور عرصے سے ہمان رسول صلعم بنے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر صاحبزادہ صاحب نے کہا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کہ شہنشاہ کونین کے دربار میں رہ کر فیوضات و برکات

نامتناہیہ سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ !!!

صاحبزادہ صاحب قبلہ نے ریاض الجنۃ کو خاص توجہ سے دیکھا۔ محولہ بالا حدیث نبوی کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک جہاں رسول اکرم کا روضہ اطہر ہے اور ممبر نبوی کے درمیان جنت کا ٹکڑا ہے۔ یہ جگہ تین صفوں پر مشتمل ہے۔ جن کے ستون سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ ایک ستون کا نام ستون عائشہ ہے۔ جہاں جناب صدیقہ نوافل پڑھا کرتی تھیں۔ جناب سرور انبیاء نے فرمایا تھا کہ اگر صحابہ کو اس جگہ کی فضیلت کا علم ہو جائے۔ تو اس کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کیا کریں۔ ایک ستون تو یہ ہے یہاں حضرت ابولبابہ صحابی کی توبہ منظور ہوئی تھی۔ اس لئے اسے ستون ابولبابہ بھی کہتے ہیں۔ ایک ستون کا نام استن حنانہ ہے۔ حنانہ کھجور کا وہ تنا تھا جس کا سہا لے کر سرور کونین خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب ممبر تیار ہو گیا اور حضور وہاں تشریف فرما ہونے لگے تو فراق نبوی کی وجہ سے حنانہ نے رونا شروع کر دیا۔ مولانا روم فرماتے ہیں

استن حنانہ در بجز رسول ہا نالہ می کردیمچو ار باب عقول

اس ستون کے نیچے وہی حنانہ مدفون ہے۔ ایک ستون اعتکات ہے جہاں رسول کریم اعتکات فرمایا کرتے تھے۔ معروف اور افضل ترین ستون یہی ہیں۔ حضور رسالت کے بعد محراب نبوی میں صرف ایک بار حضرت صدیق اکبر نے امامت کرائی تھی مگر آپ انوار رسالت سے لرز اٹھے۔ اس لئے علیہ السلام نے محراب بنا لیا۔ حاجی صاحبان کوشش کیا کرتے ہیں کہ ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر نماز اور نوافل ادا کریں تاکہ بیش از بیش ثواب حاصل ہو۔ اور اگر انہیں مندرجہ بالا ستونوں کا شرف حاصل ہو جائے تو ان کی سعادت کا کیا کہنا !!!

حرم نبوی کے پانچ دروازے ہیں۔ پہلا باب السلام ہے۔ دوسرا باب الرحمۃ

یہ دونوں مغرب کی طرف ہیں۔ تیسرا باب مجیدی ہے جو شمال کو ہے۔ چوتھا باب جبرئیل اور پانچواں باب النساء ہیں۔ یہ دونوں مشرق کو ہیں اور ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ ان کے درمیان اصحاب صفہ کی جگہ ہے۔ ان دنوں وہاں قالیں پر خواجہ سرا بیٹھتے تھے جو خدام حرم تھے۔ روضہ اطہر باب جبرئیل سے ملحق ہے سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان ابن عفان، سلطان ولید اور سلطان مہدی کے زمانوں میں حرم پاک میں اضافہ ہوتا رہا۔ مسجد نبویؐ کی جو عمارت صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے جا کر دکھی تھی اس کی تعمیر مختلف اضافوں کے ساتھ ستر لاکھ اشرفیوں کی لاگت سے سلطان عبدالمجید خان نے ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں کرائی تھی۔

مسجد نبویؐ میں ہر حاجی کو متواتر چالیس نمازیں پڑھنا ہوتی ہیں۔ اور یہ آنحضرت صلعم کے فرمان کی تکمیل ہے۔ حدیث پاک ہے:

من صلتی فی مسجدی اربعین صلواتہ کتبت براءۃ من

النار و براءۃ من العذاب و براءۃ من النفاق (امام احمد والطرابی)

اس حدیث شریف کے مطابق مسجد نبویؐ میں متواتر چالیس نمازیں پڑھنے سے مومن دوزخ کی آگ و عذاب اور نفاق سے برات حاصل کر لیتا ہے بنا بریں صاحبزادہ صدق کو کم از کم ۲۲ ذیقعد مطابق ۲۲ اکتوبر تک مدینہ منورہ رہنا تھا۔ آپ چالیس نمازیں پوری ہو جائیں۔ دربار نبویؐ میں زیادہ ۶ صدہ رہنے کے لئے آپ کے دل میں بڑی آرزو تھی۔ گرج کے ایام نزدیک تھے۔ اور کعبۃ اللہ تک طویل مسافت ابھی باقی تھی۔ نماز کے اوقات میں آپ مسجد نبویؐ میں ہوتے سلام پڑھتے، نوافل ادا فرماتے، نماز باجماعت میں شامل ہوتے۔ اور حضور نبویؐ میں دل کی گہرائیوں سے جذبات عقیدت و محبت پیش کرتے باچشم گریاں اور دل بریاں مسلمانوں کی حالت نماز پر بیان کرتے اور عرض کرتے۔

مرے آقا و مولا۔ مسلمان ہر جگہ دشمنوں کے زرخے میں پھنسنے ہوئے ہیں
 غلامی ہے اوبار و نحوست ہے۔ گردش ایام نے انہیں بالکل پس کر رکھ
 دی ہے۔ درگاہ الہی میں عرض کی جائے۔

لے خدایا اب پھیر لے رُخ گردش ایام کا

صاحبزادہ صاحب سمری کے نوافل ریاض الجنۃ میں جا پڑھتے تھے۔ قرآن پاک
 کی تلاوت ہوتی تھی۔ عمر گوا بیس سال تھی۔ مگر ذوق و شوق کمال درجے کا تھا۔ آپ کی
 غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھ کر دربار رسالت مآب سے جو فیوض ہوئے ہوں گے۔ ان
 کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ کیونکہ

میان عاشق و معشوق رمز نیست کرانا کا تبسین را ہم خبر نیست

اسی طرح کلمت اسلامیہ کے فلاح و بہبود کیلئے آپ کی عین جس طرح مستجاب ہوئیں۔ ان کی
 ایک جھلک آپ کی مجاہدانہ مساعی کے نتائج سے دیکھی جاسکتی ہے۔

گنبد خضرا کے مکین کریم علیہ الف الف تحیات و تسلیم کی خدمت میں امت مسلمہ
 کے متعلق اس درو مند صاحبزادے نے جو کچھ عرض کیا اس کا کچھ اندازہ منی ۱۹۱۲ء کے
 رسالہ قصوفی سے لگایا جاسکتا ہے۔ وہاں اپنے ایک مقالہ میں آپ نے درج فرمایا
 ہے کہ منظوم استاد حافظ نور نبوی میں پیش کی گئی جو آپ کی اپنی تصنیف کردہ تھی اس
 کا پس منظر یہ تھا کہ ۱۹۱۲ء میں مچلی بازار کانپور میں ایک مسجد کو انگریز مسما کرنا چاہتے
 تھے مسلمان مذہبی احساس اور غیرت ملی کی بنا پر مزاحم ہوئے۔ انگریزوں نے گولی
 چلا دی اور ان واحد میں بندوقوں کی بار بھری مسجد میں کلمہ پڑھنے والوں کی لاشیں
 خاک و خون میں تڑپتی نظر آئیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ بہت سے مسلمانوں کو قید خانہ کی
 آہنی سلاخوں کے اندر بند کر دیا گیا۔ کانپور کے اس سینہ فگار، جگر سوز اور ہوش رُبا
 واقعے نے مسلمانوں کے قرار و سکون کا خاتمہ کر دیا۔ کلمت اسلامیہ ہندیہ تڑپ اٹھی اور جو

قلق و اضطراب ہوا وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ مولینا شبلی نعمانی نے کشتگانِ کانپور کے نام سے ایک بڑی درونگیر نظم لکھی جس کا پہلا اور آخری شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں

کل مجھ کو چند لاشیں بے جان نظر پڑے دیکھا قریب جگہ کے تیز نموں سے چور ہیں
پوچھا جو میں نے کون ہو تم آئی یہ صدا ہم کشتگانِ معرکہ کانپور ہیں

اس حادثہ خون کی خبر تمام عالمِ اسلام میں پھیل گئی تھی۔ اور مصر کے مسلم بھی اس سانحہ سے بے خبر نہیں تھے۔ چنانچہ جب صاحبِ جزا وہ صاحبِ مصر میں اخبار الشعیب کا دفتر دیکھنے گئے تو وہاں یہی تذکرہ ہوتا رہا۔ ایک دو مصرعوں نے آپ کے اس معاملہ کی اصلیت دریافت کی۔ اور ان کے اظہارِ ہمدردی سے آپ کو بڑا اطمینان ہوا۔ اگرچہ آپ کا قلبِ بلا و سلامیہ میں گھوم رہا تھا۔ مگر روحِ کانپور میں تھی۔ حجاز ریلوے کے سفر میں آپ کی طبیعت شہداءِ کانپور کی یاد میں بے قرار ہو گئی اور چلتی ہوئی گاڑی میں کانپتے ہوئے ہاتھوں سے آپ نے چند اشعار نظم کئے جن میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنا حال زار عرض کیا گیا تھا۔ جب مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کو اب کسی والے شہنشاہ کے دربار میں شرفِ باریابی حاصل تھا تو آپ نے اپنا حالِ دل صفحہ قرطاس سے پڑھ کر سنایا۔ یہی جگہ تھی جہاں پہنچ کر دلِ مسلم کو اصلی امان ہے۔ اس لئے اس دارالامان میں آپ کے اپنا سارا درد پیش کر دیا۔ یہ استدعا منظور بھی ہوئی۔ آپ کو معظمہ میں پہنچے تو مولوی محمد سعید صاحب ہتتم مدد سے صولتہ کی لائبریری میں اول صفحہ اخبار پر آپ نے پڑھا کہ والسرائے ہند کی حکمتِ علی سے قضیہ نامرضیہ کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ قیدی رہا ہو گئے ہیں اور مسجد دوبارہ تعمیر کر دی گئی ہے یہ خبر پڑھ کر آپ کو اطمینان ہوا۔ افسوس ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر آپ نے مذکورہ بالا رسالے میں یہ نظم درج نہیں کی۔ وگرنہ یہاں ضرور نقل کر دی جاتی۔ بہر حال یہیں پتہ چل گیا ہے کہ صاحبِ جزا وہ صاحبِ دربار رسالت میں اپنی کونسی معروضات

پیش کر رہے تھے۔ آپ ملت مرحومہ کی ساری در و بھری داستان بڑے سوز و جگر کے ساتھ آنسوؤں کی زبانی بیان کرتے تھے۔ اور دعا کے لئے استدعا کرتے تھے۔
حادثہ کانپور سے پہلے اور بھی کئی۔۔۔ واقعات تازہ تازہ رونما ہوئے تھے۔ جنہوں نے

تمام ملت اسلامیہ کو سخت مضطرب اور بے چین کر دیا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے ترکی کے علاقہ طرابلس پر حملہ کر دیا۔ اور بے کی سرکردگی میں ترکی فوج نے بہادرانہ مقابلہ کیا۔ کارنار طرابلس کی خبر ایک بجلی تھی جو تمام مسلمانوں کے دلوں میں گونج گئی۔ چھوٹے بڑے تمام مسلمان طرابلس کی خبروں کے لئے گوش بر آواز رہتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب محولہ بالارسالے میں لکھتے ہیں کہ شہدائے طرابلس کے پس ماندگان کی اعانت کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں نے بے دریغ زر و مال بچھا کر کیا۔ شیعہ، سنی بلا امتیاز و تفریق ترکوں کی امداد میں حصہ لیتے تھے۔ اور اگر عساکر عثمانیہ کی شکست یا ناکامی کی کوئی خبر آتی تھی تو ہر مسلمان بے قرار ہو جاتا تھا۔ کئی ایک ہمدرد اس درد و کرب سے شب بیداری کرتے اور آنسوؤں کی جھڑی سے اپنے دل کا بخار نکالتے تھے۔ اور اگر فتح و نصرت کی نوید جانفزا سننے میں آتی تو مسلمان شادی مرگ کے قریب ہو جاتے۔ شہروں میں چراغاں کیا جاتا اور خیرات نکالی جاتی۔ اسی زمانہ میں اقبال مرحوم نے "مختصر رسالہ کتاب میں" کا عنوان قائم کر کے ایک نظم لکھی۔ اس کے آخری دو شعر ہیں۔

اگر میں نذر کو ایک آہکینہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تیری اُمت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

علامہ اقبال کی نظم فاطمہ بنت عبداللہ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ یہ عرب لڑائی کی طرابلس کی جنگ

میں غازیوں کو بانی پلائی شہید ہوئی تھی۔ اور شاعر اسلام نے کہا تھا ہے

فاطمہ تو آبروئے ملت مرحومہ ہے ذرہ ذرہ تیری مشیت خال کا معصوم ہے

طرابلس کے بعد بلقان میں جنگ چھڑی۔ اس جنگ میں بلغاریہ، سرویا اور یونان

ایک فریق تھے اور ترکی دوسرا فریق۔ اور جب بلغاریہ کی افواج کو لوبلی برغاس کے مقام پر ۲۸ اکتوبر اور ۳ نومبر ۱۹۱۲ء کو زبردست کامیابی ہوئی تو محدود و قریب آگئیں جہاں قسطنطنیہ کے دفاع کے آخری مورچے تھے۔ بلغاریوں کی فتوحات کی خبریں بھی مسلمانوں کے دلوں پر صاعقہ آسمانی بن کر گرتی تھیں اور سکون و قرار بحسم ہو جاتا تھا۔ تاریخ عالم کے انسائیکلو پیڈیا کا مصنف لکھتا ہے کہ کارزار طرابلس، شورش بلقان اور مسجد کانپور کے سانحہ جانکاہ نے مسلمانوں میں اضطراب عام کر دیا اور ان کے دلوں میں جوش و خروش بہت تیز ہو گیا۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ کی باریک بین نگاہوں نے بھی اس قومی جوش و خروش میں صبح امید کو طلوع ہوتے دیکھا۔ اور آپ کو یقین ہو گیا کہ ہماری قوم نے کڑی ٹہلی ہے۔ مذکورہ بالا رسالہ میں انہی جذبات کے ماتحت آپ نے ایک مقالہ قلمبند فرمایا اور کہا۔

اگر یہ احساس قائم رہا اور قوم اپنے نفع و نقصان میں امتیاز کرتی رہی تو وہ دن دور نہیں جب ہندوستان کے مسلمان بھی ترقی یافتہ اور تمدن اقوام میں شمار ہوں گے

آپ نے اس سلسلہ میں اقبال مرحوم کو بھی اپنا ہمنوا پایا۔ اسی لئے بلغاریہ کی ترکوں کے ساتھ ستم طرازیوں سے متعلق آپ نے جواب شکوہ سے یہ بند اپنے مقالہ میں نقل فرمایا ہے

ہے جو ہنگامہ بیانشورش بلغاری کا غافلوں کیلئے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ماں سے دل زاری کا امتحان ہے تیرے ایشار کی خودواری کا

کیوں ہر اس سال ہے صہیل فرس اعدائے

نور حق بجھ نہ سکے گا نفس اعدائے

صاحبزادہ صاحب کا یہ مقالہ مئی ۱۹۱۲ء کے رسالہ صوفی میں چھپا اور حضور حج کر کے دسمبر ۱۹۱۳ء میں واپس جلاپور شریف پہنچے۔ صرف چند ماہ کا فرق ہے یعنی بالکل قریب کا زمانہ ہے۔ ظاہر ہے یہ احساسات آپ کے دل میں سفر حج کے دوران میں بھی موجود تھے۔ مقصود صرف اس مطلب کا اظہار ہے کہ جب آپ روضہ نبویؐ پر حاضری دے

رہے تھے تو یہ سارے واقعات و حوادث آپ کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ طرابلس میں مسلمانوں کے خون کی جس طرح ارزانی ہوئی تھی، بلقان میں ملت اسلامیہ کے دلوں پر جس طرح چمکے لگائے گئے تھے۔ اور کان لہجہ کے کلمہ پڑھنے والوں کو جس طرح بیداری سے گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہ سب کچھ اپنے آقا و مدظلہ کی خدمت میں باچشم پر نہیں کیا جا رہا تھا۔ خاص استدعا کے لئے التجا کی جا رہی تھی۔ اور ان مصائب و نوائے مسلمانوں میں جو قومی جوش و خروش پیدا کر دیا تھا اس کے بار آور ہونے کے لئے دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں قبلہ صاحبزادہ صاحب اک قلب شکستہ اک جہاں دو اور اک تیر وار دل لے کر حضور رحمة للعالمین میں موجود تھے۔

فرصت کے اوقات صاحبزادہ صاحب نے قیدی یادگاہوں کو دیکھنے میں صرف کئی قیدی یادگاہیں ہفتہ کے روز اشراق کے نوافل آپ نے مسجد قبائلیں جا پڑھے۔ یہ اولین مسجد ہے جو ہجرت کے بعد تعمیر ہوئی تھی۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ مسجد قبائلیں گھر سے با وضو آ کر دو رکعت پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ آپ مسجد قبلتین میں بھی گئے جو شہر کے شمال مغربی کونے میں ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں نماز کے دوران میں حضور سرور کونین کو وحی کے ذریعے قبلہ اول یعنی المقدس کی بجائے کعبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ پسر عثمان بھی یہیں تھے۔ یہ کنوآں حضرت ذوالنورین نے خرید کر مہاجروں کیلئے وقف کر دیا تھا۔ یہاں سے دو فرسنگ کے فاصلے پر مساجد شمس ہیں، جنگ خندق کے موقع پر آنحضرت صلعم اور صحابہ اربعہ جہاں جہاں موجود تھے وہاں مساجد بنا دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مسجد فتح کہلاتی ہے۔ یہاں جنتا رسالت نے فتح کے لئے لگاتار تین روز دعائیں مانگی جو چوتھے روز مستجاب ہوئی تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے یہ ساری مساجد دیکھیں۔ مدینہ منورہ میں اول مسجدیں بھی مشہور ہیں۔ مثلاً مسجد غامر، مسجد بلال، مسجد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، مسجد اجابہ، آخر الذکر مسجد میں جو دعائیں

جائے قبول ہوتی ہے۔ ان مساجد میں بھی آپ گئے۔ آپ حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب
یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے مزار مقدس پر بھی گئے۔ جو مدینہ
منورہ میں ہے۔

بڑ عثمانؓ کے علاوہ وادی یثرب میں ماورکنوئیں بھی مشہور ہیں۔ ایک بڑ عروہ ہے
اس کا پانی پہلے کھاری تھا۔ جناب رحمۃ اللعالمین نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا جس
سے اس کا پانی شیریں ہو گیا۔ ایک پتھر ہا ہے اس میں جناب شفیع المذنبین کا لعاب
دہن ہے۔ اس کی برکت سے جو شخص یہاں نہائے اس کی جلدی امراض دور ہو
جاتی ہیں۔ ایک بڑ علی ہے جو شہر سے باہر تین میل کے فاصلے پر ہے۔ جناب سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ جاتے ہوئے یہاں سے احرام باندھا کرتے تھے۔ اب اس
طرت بجانے والے حاجی بھی یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب
قبلہ نے بھی اسی طرح کیا۔

چالیس نمازیں پوری ہو گئیں اس لئے صاحبزادہ صاحب مکہ معظمہ کی طرف کوچ کرنے
کیلئے تیار ہو گئے۔ اونٹوں پر سفر کرنا تھا۔ آخری بار روضہ اطہر پر حاضر ہو کر اجازت
حاصل کی تو عجیب و غریب کیفیات تھیں۔ اس طرح معلوم ہوتا تھا جیسے اس مکسین
مگر باہمت صاحبزادہ والا گہر کے سیرد کوئی اہم کام کیا جا رہا تھا۔ ملک محمد دین صاحب
ایڈیٹر صاحب نے، ذکر حلیب میں لکھتے ہیں کہ سفر حج میں انہوں نے کئی خوارق عادت
دیکھے مگر قبلہ صاحبزادہ صاحب نے ان کو معرض تحریر میں لانے سے روک دیا۔ غالباً
مصلحت یہ تھی کہ حضور کی مبارک علی زندگی ان اسرار کی تفسیر بنے۔ آپ نے احرام
باندھا اور تلاشِ یار کے لئے جا رہے پیمانہ ہو گئے سے

حاجی برہ کعبہ ومن طالب ویدار اُو خانہ بھی جوید ومن صاحب خانہ

ویدار رسول سے فیضیاب ہونے کے بعد وہ ویدار الہی سے متمتع ہونا چاہتے تھے

مدینہ طیبہ میں تجلیات رسالت کی برابر بارش رہی۔ انوار محمدی کے بادل جھوم جھوم
 کہہ پستے رہے۔ صرف اہل معنی ہی نہیں بلکہ اہل ظاہر بھی ان تجلیوں کے فیض عام
 سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

جانم فدائی دیدہ کہ روی تو دیدہ است قربانِ پاشوم کہ بکویت رسیدہ است
 روضہ اقدس کے باہر جب قبہ نور پر نظر پڑتی یا آنکھیں روضہ پاک کے اندر حجرہ مقدس
 کی زیارت کرتیں تو دیدہ و دل کیلئے ذوق و نشاط کا ایک عجیب عالم ہوتا۔ اس تقدس آب
 شہر کے سب چھوٹے بڑے منکسر المزاج اور بہان نواز نظر آئے۔ لطف گفتار اور
 حسن کلام کا کیا کہنا۔ یہ سب کچھ رسول اکرم کے خوانِ کرم کا فیض تھا۔ اب صاحبزادہ
 صاحب رسول خدا سے رخصت ہو کر خدائے رسول کی ربوبیت عامہ سے اپنے
 وامن نیاز کو معمور کرنے والے تھے۔ انوارِ توحید کی چمک دمک دعوتِ نظارہ دک
 رہی تھی۔ حج کی رسوم اور اس کے ظواہر پر بڑے خلوص سے عمل پیرا ہو کر وہ معارف
 حج اور حقائق توحید سے اپنے دیدہ و دل کو لبریز کرنا چاہتے تھے۔

نہے سعادتِ آں بندہ کہ در نزول کہے بہ بیتِ خدا و کہے بہ بیتِ رسول

۲۲ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۳ء بروز پنجشنبہ مغرب کے قریب
 قافلہ شوقِ جانبِ بطنی روانہ ہوا۔ طیب سے لے کر بطحا تک روز بروز کی منزلان منزل
 داستانِ بڑی طویل ہو جائے گی۔ بنا بریں رستہ کے خاص خاص مقامات کا اخصاً
 بیان موزون رہے گا۔ کجاووں کا سفر تھا اور بڑا لمبا جو ایک مضبوط اور مشقت
 پسند انسان کے لئے بھی صبر آزما تھا۔ اور صاحبزادہ صاحبِ قبہ نازک مزاج اور
 نازک اندام تھے۔ ان کے لئے صعوبتِ سفر خاص طور پر ناقابلِ برداشت تھی۔
 مگر ملکِ محمد الدین صاحب ذکرِ جلیب میں لکھتے ہیں :-

اگر سفر نہایت دشوار گزار اور دور دراز مقامات کا تھا۔ اور آپ پیشینہ نازد

نعمت کی آغوش میں پڑے تھے۔ تاہم کبھی تکلیف کی شکایت نہیں فرمائی۔ جب کسی کام کی ضرورت ہوتی تو شخص اپنے ذمے اس کا کچھ حصہ کر لیتا تھا۔ آپ بھی جماعت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہو جاتے۔ جو مساوات اسلامی کا بہترین منظر ہوتا تھا۔ متعدد مقامات پر حفاظت کے لئے پہرہ دینے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے بھی اپنی باری میں یہ فرض انجام دیا۔ کھانے پینے میں بھی ازراہ تواضع خدام میں شریک رہتے تھے۔

یہ الفاظ اپنی تفسیر آپ میں۔ اور صاحبزادہ صاحب کی سیرت بلند پاک کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ سفر کی تکالیف آپ کے لئے کیا حیثیت رکھتی تھیں۔ جہاں شوق خضر راہ ہوتا ہے وہاں خارِ مغیلاں پر نیاں معلوم ہوتے ہیں۔ آپ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں سے تھے۔ جنہیں جنت الہی میں آگ بھی گلزار نظر آئی۔ اس لئے بے آہن گیا کہ سفر آپ کے لئے گلگشتِ کوثر و سلسبیل سے کم نہیں تھا۔

رستہ میں مقام بدر آیا جو مدینہ منورہ سے جنوب مغرب کی طرف اسی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مٹھی بھر غیر مستح مسلمانوں نے محض اپنی توتہ ایمانی سے اسلحہ میں ڈوبے ہمتے کفارِ مکہ کے ٹڈی دل لشکر پر ایسی فیصلہ کن فستح حاصل کی تھی کہ جس نے دنیا بھر کی تاریخ کا رخ تبدیل کر دیا۔ یہاں بلند پہاڑوں سے گزرتے ہوئے پتھریں ہیں۔ بد میں کھجور کے درخت ہیں اور چٹھے ہیں جو زمین کے نیچے چل رہے ہیں۔ شہدائے بدر کھزرات ایک پہاڑی پر ہیں۔ دل و جگر کو شمع و گل بنا کر صاحبزادہ صاحب زیارت کے لئے گئے۔

شرح ما بردہ ام از صدق بن خاک شہدا تاول دیدہ خونناہ نشانم داوند
بدر سے پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور صحرا شروع ہو جاتا ہے۔ چوبیس بجیں یہاں

طے کرنے کے بعد مستورہ کا مقام آتا ہے۔ اسے بڑے مستورہ کہتے ہیں۔ وہاں برسائی نالہ ہے جس کا پانی بہاڑوں سے آکر بحیرہ قلزم میں چلا جاتا ہے۔ وہاں سے ۶ میل جنوب کی طرف حضرت آمنہ والدة جناب سرور کونین کا مزار مبارک ہے۔ مستورہ سے ستر میل کے فاصلہ پر رابع کا شہر ہے جو صحرائی آبادی ہے۔ کنوئیں ہیں اور تربوزوں کے لئے مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جعفر رابع ہی کے پاس ہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ کوئی نوے میل کے فاصلے پر ہے۔ پٹریقیمہ، مقام خلیص، وادی فاطمہ اور مقام صرف سے ہوتا ہوا قافلہ خانگی کے بارہویں روز مکہ معظمہ پہنچ گیا۔

مقام صرف کے قریب جواد میں ام المومنین سمونہ کا مرقد پاک ہے۔ سفر مصر سے پہلے شروع ہوتا تھا اور اہل قافلہ دن چڑھے اگلے منزل پر فروکش ہو جاتے تھے اتباع رسول کے شوق میں صاحبزادہ صاحب نے وہ رستہ اختیار کیا جو رسول اکرم نے حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ ہجرت کے موقع پر اختیار فرمایا تھا۔

اس دشوار گزار اور سنسان رستہ پر آپ کو ایک واقعہ پیش آیا جو صوفی طفیل احمد فائق کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ حضور کے ہم سفر صوبیدار میجر خان نے اپنی نقدی اشرافیوں کی صورت میں اپنے فرغل میں سلا رکھی تھیں۔ وہ اس فرغل کو بروقت پہنچے رہتے تھے۔ ایک مقام پر قافلہ فروکش ہوا تو انہوں نے فرغل اتار کر رکھ دیا اور خود کوزہ لے کر تجدید وضو میں مصروف ہو گئے۔ صالح نامی ایک نوجوان بدوشتر بان نے دوڑ کر وہ فرغل اٹھایا اور پہن لیا اور خوشی میں ناچتے ہوئے کہنے لگا۔ صوبیدار صاحب کی بخشیش، صوبیدار صاحب کی بخشیش۔ صوبیدار صاحب نے دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے، منت سماجت انعام و اکرام کے لالچ یا فہمائش پر صالح فرغل دینے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ مجبور ہو کر صوبیدار صاحب نے فرغل زبردستی چھین لیا اور اسے وھٹکا بھی دیا۔ اس پر صالح بگا گیا اور اس کے

بہکلنے پر تمام ساربان آتش انتقام سے مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے یہ سازش کرنی کہ اہل قافلہ کو تہ تیغ کر کے تمام مال اسباب لوٹ لیا جائے۔ سنسان رستہ، وطن سے دُوری، اسلحہ ندرد۔ سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ صاحبزادہ صاحبزادے ایک عمر رسیدہ ساربان کو بلایا اور فرمایا کہ ہم آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ فوراً اپنے تمام آدمیوں کو بلا لاؤ۔ وہ سمجھا بھگا کر کسی نہ کسی طرح تمام بدوؤں کو بلا لایا۔ ان کے سامنے آپ نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

دیکھئے! ہم لوگ اپنے دو افتادہ وطن سے محض اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت میں آتے ہیں اور تمہارے ساتھ بھی حضور صلعم کے ہم وطن ہونے کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ ہم ریل گاڑی پر سوار ہو کر بیروت یا حیفہ جاسکتے تھے اور وہاں سے جہاز کے ذریعے باسانی وقت پر جتہ پہنچ سکتے تھے۔ مگر محض آپ لوگوں کے روزگار کی خاطر اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کی وجہ سے حضور کی پامال راہوں پر سفر کرتے ہیں۔ اور تمام صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ مگر آپ لوگ ہیں کہ فردا راسی بت پر بگڑ جاتے ہیں۔ اور کچ روئی اور تلخ روئی اختیار کرتے ہیں۔ اگر آپ کلہی شعار رہا تو اپنے ملک میں تمہاری حرکات کا ذکر کوئل گے جس سے تمہارے روزگار پر ہمیشہ کے لئے بُرا اثر پڑے گا۔ لیکن ہمیں حضور رحمتہ للعالمین کی شرم ہے۔ ہمیں حضور کے وطن کی خاک عزیز ہے۔ آنحضرتؐ کا ہر موطن عزیز ہے۔ ہم یہاں کی ایک ایک شے پر فدا ہونے کے لئے آئے ہیں۔ اب آپ خود سوچیں آپ کا فرض کیا ہے۔

یہ آپ کی پہلی تقریر تھی۔ وہ بھی عربی زبان میں اور بالکل بے ساختہ۔ مگر بڑی اثر انگیز

اور پُر زور تھی۔ بد و اپنے عزائم پر سخت شرمسار ہوئے۔ بعض پر رقت بھی طاری ہو گئی۔ اور دو ایک نیک طبع بد و جو اس سازش سے بے خبر تھے منت سماجت کر کے پوچھنے لگے کہ اصل بات کیا ہے۔ حضور کیوں ناراض ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے صوبیدار نے اپنا کوٹ لیا ہے اور یہ سب بگڑ بیٹھے ہیں۔ قصہ مختصر تمام بد ووں نے معافی مانگی۔ صالح اور صوبیدار صاحب کا معاقلہ کرایا گیا۔ صلح کرنے کے لئے بد ووں نے تمام قافلہ کی ضیافت کا اہتمام کیا اور پوری طرح مطیع و منقاد ہو گئے۔ یہ ایک کمین شاہزادہ کے تصرف باطنی اور آپ کی فصاحت و بلاغت کا کرشمہ تھا۔

مکہ معظمہ بہت بڑا شہر ہے۔ آبادی ملتان کے لگ بھگ ہے۔ اگچھ واوئی غیر یہاں موطن میں ذی زرع میں واقع ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے وہ شرف قبولیت بخشا ہے کہ دنیا بھر کی چیزیں صفا و مروہ کے بازار میں مل جاتی ہیں شہر میں پہنچ کر سامان اپنے ڈیرے پر رکھنے کے بعد صاحبزادہ صاحب اور آپ کے ساتھی اعرام باندھے حرم شریف میں پہنچے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ ہر جگہ میں حجر اسود کا بوسہ دیا جاتا تھا۔ اور اگر حاجیوں کے ہجوم کی وجہ سے ممکن نہ ہوتا تو دوڑ سے دوڑ ہاتھوں کا اشارہ کر کے انہیں بوسہ دے لیا جاتا تھا۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر دو نفل واجب الطواف ادا کئے۔ اس کے بعد حطیم کعبہ میں نفل پڑھے جو بیت اللہ سے شمال کی طرف ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر مقام ملتوم پر کھڑے ہو گئے۔ اور بیت اللہ شریف کی چوکھٹ کو تمام لیا۔ یہ قیام اس طرح تھا جیسے بارگاہ ربانی میں حاضر ہیں۔ بے اختیار رقت طاری ہو گئی۔ یہاں معبود اور بندے کے درمیان کوئی پردہ حائل نظر نہ آیا۔ انسانی فوز و فلاح کا یہ معراج تھا معجز کی طرف سے بھی ہدایت تھی کہ خوب گڑا گڑا کر دعا مانگیں۔ یہاں سے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے لئے گئے۔ حضرت ہاجرہ کا اپنے فرزند حضرت اسمعیل

کی محبت میں پانی کی خاطر وٹنا خداوند تعالیٰ کو ایسا پسند آیا کہ ہزاروں سال سے وہ سنت ادا کی جا رہی ہے اور تاقیام قیامت ادا کی جائے گی۔ جہاں آپ وٹتی تھیں وہاں کم از کم مردوں کو ضرور وٹنے کا حکم ہے۔ وہاں سے لوٹ کر آپ اپنے ڈیرے پر تشریف لے گئے۔ حجامت کرائی۔ سارا سر منڈایا اور پھر احرام کھولا۔ اس سے پہلے اگر کھولا جاتا تو ایک بکر اقربان کرنا پڑتا۔ یعنی از روئے اصطلاح "وم" پڑ جاتا۔

اہل تحقیق کے اندازہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور ۳۱۰۰ ق م کے لگ بھگ عراق کے شہر ارم میں ہوا جہاں شرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ لوگوں نے اپنے خداؤں اور دوتاؤں کے کوئی پانچ ہزار نام رکھے ہوئے تھے۔ مادہ پرستی اور سود خوری تمام قوم کی گھٹی میں پڑ چکی تھی۔ حکمران خاندان کے بانی اولیٰ کا نام نمو (۳۲۰۰ ق م) تھا۔ جس سے اس خاندان کو نمو کہا گیا۔ عربی زبان میں یہ لفظ نمرود بن گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نرود اپنے آپ کو عراق کا حاکم مطلق اور خدائی صفات میں شریک سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے سارے کا سارا معاشرہ خلیل اللہ کیلئے بیحد ناپسندیدہ تھا۔ آپ کا مشن و عوت اللہینا اور معاشرے میں عدل و انصاف اور مساوات کو رواج دینا تھا۔ اس لئے آپ کو آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن آپ کا عزم بلند ہر آزمائش کو بھانڈتا ہوا آگے نکل گیا۔ آپ نے بطحا کی وادی غیر ذی زرع میں حضرت آدم علیہ السلام کے منہدم شدہ خانہ خدا کی بنیادوں پر بیت اللہی لئے تعمیر کیا تھا کہ علمبرداران توحید کا مرکز بنے۔ اس کی ابتداء نہایت ہی معمولی تھی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل و نوباب بیٹا دیوار کعبہ تعمیر کرنے والے تھے۔ لیکن اس ابتداء کے پیچھے غیر معمولی جذبہ کار فرما تھا۔ اس لئے اسے غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔

اولاد ابراہیم کی دو بڑی شاخیں تھیں۔ اول حضرت اسماعیل کی اولاد جو عرب

میں بھیلی۔ قریش کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔ دوم حضرت اسحاقؑ کی اولاد جس میں
 حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤد، حضرت سلیمانؑ
 حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے چار سو
 پچاس سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس میں ہو سکل تعمیر کرایا
 جو اہل توحید کا مرکز بنا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
 آٹھ سو سال پہلے گذرے ہیں۔ اس لئے بیت المقدس میں مرکز توحید حضرت ابراہیم
 علیہ السلام سے ساڑھے بارہ سو سال بعد بنا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کعبۃ اللہ
 کو بیت المقدس پر اولیت حاصل ہے۔ اسی لئے قرآن مجید فرماتا ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

اس لئے جب تک حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں نوع انسانی کی امامت
 رہی بیت المقدس قبلہ بنا رہا۔ اور جب بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی وجہ سے منصب
 امامت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں منتقل ہو گیا تو تبدیلی امامت کے
 ساتھ تحویل قبلہ بھی لازم تھی۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ مرکز
 توحید یعنی کعبۃ اللہ مرکز اٹھم قرار پایا۔ اسے تقدم زمانی حاصل تھا۔ اس کی بنیاد
 حضرت آدم صغی اللہ نے رکھی تھی۔ اس کی تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم خلیل
 موسیٰ بنی امت اسلام اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ تھے۔ اور جس شہر میں یہ واقع
 تھا۔ وہاں فخر اولاد آدم، سرور انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے
 تھے۔ اس لئے یہ برتر اور اشرف بھی تھا۔ اور اسی لئے ہمیشہ کے لئے توحید پرستوں
 کا مرکز بنا۔

۷۔ ردی الحج کو جمعہ کا روز تھا۔ اطراف اکناف عالم سے حجاج قافلہ در قافلہ پہنچ
 چکے تھے۔ تمام خوش تھے کہ نماز جمعہ بیعت میں ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

صاحبزادہ صاحب اور آپ کے ساتھیوں نے بڑے اہتمام سے تیاری کی۔ حرم شریف میں پہنچے۔ تل وھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ انسانوں کا ایک کھولتا ہوا سمندر تھا بے شمار صفیں تھیں۔ اس منظر کا فوٹو ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی نے حاصل کیا جس سے متاثر ہو کر شفیق رضوی عماد پوری نے مندرجہ ذیل شعر کہے:

بہجورم خالق وہ اور جوش زائرانِ حرم وہ لامکاں کی طرح وسعت مکانِ حرم
وہ منبر اور وہ خوش لحن خطبہ خوانِ حرم منارے اور وہ گلدستہ اذانِ حرم

اذان وہ گنبدِ افلاک جس سے گونج اٹھے

فلک سے ناکرۂ خاک جس سے گونج اٹھے

دلوں میں گھر کرے وہ ستاروں و لستارِ خطیب وہ لحن اور وہ شیرینی زبانِ خطیب

وہ لہجہ عزلی اور وہ لسانِ خطیب وہ قرائتیں وہ خوش آہنگی بیانِ خطیب

چلے فصیحوں کے دل پر چھری مقال ایسے

فرشتے حال میں آجائیں سن کے قال ایسے

نماز جمعۃ اللہ اکبر اور وہ سجود مکبروں کی صدائیں وہ اور قیام و قعود

زمین پر رحمت باری کا وہ فلک سے ورود وہ آگے عبد کے ہر سمت جلوئے معبود

جدھر کو جھک گئے قبلہ جھکا نظر آیا

خدا کے گھر میں حشر ابھی خدا نظر آیا

ان اشعار میں خطبہ اور نماز باجماعت کی کیفیت بڑی عمدگی سے بیان کی گئی ہے۔ ہم

سالہ رسالہ صوفی۔ بابت ماہ جولائی ۱۹۱۴ء ص ۳۳

۲۷ ملک محمد الدین صاحب مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے بہت سے فوٹو لائے تھے اور مرقع حجاز کے نام

سے چھپا کر انہیں طول و عرض ہند میں تقسیم کیا تھا۔ یہ بھی فیض جناب ابوالبرکات تھا۔ مولانا نیاز چوہدری

نے اس مرقع لطیف کے متعلق ملک صاحب موصوف کو یہ اشعار لکھ بھیجے تھے (اگلے صفحہ پر خطبہ)

بھی چشم تخیل سے اس منظر کو دیکھ کر اس کیفیت کا کچھ تاثر اپنی طبیعت پر طاری کر سکتے ہیں۔ جب امام نے سلام پھیرا اور صاحب زادہ صاحب نے بیٹھے بیٹھے حرم پاک میں بے پناہ مجمع پر نگاہ دوڑائی تو سوچنے لگے کتنے لوگ ہوں گے جو قیام کعبہ سے لے کر اس وقت تک تشنگی تو حید بھانے کے لئے اس چشمہ شیریں پر پہنچے ہیں۔ آپ نے خیال فرمایا۔ اگر بیت کے دروں کی گنتی کی جاسکتی ہے۔ اگر سمندر کے قطروں کا حساب ممکن ہے۔ اگر ستاروں کا شمار ہو سکتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ان انسانوں کا اندازہ کر لیا جائے جنہوں نے یہاں آکر بادہ توحید سے سرشاری حاصل کی۔

۸۔ ذالحج آئی اور فریضہ حج ادا کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ حاجیوں نے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے حرام باندھا اور منی پہنچ گئے۔ جو شہر مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں ٹھہرے لیکر ۹۔ کی صبح تک پانچ نمازیں ادا کیں۔ جب سورج نکل آیا اور کر نہیں پھیل گئیں تو ایک ہی لباس میں ملبوس، سر کی ایک ہی وضع قطع کے ساتھ لاکھوں حجاج کا سیل بے پناہ عرفات کی طرف روانہ ہو گیا۔ روایت ہے کہ جنبل رحمت پر حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت حوا کو آپ کے سامنے لایا گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ اس تعارف کی بنا پر اس جگہ کا نام عرفات پڑ گیا۔ لیکن صاحب زادہ صاحب فرماتے ہیں انہوں نے عرفات میں خدا کو اچھی طرح پہچانا۔ اس کے بھجے ہوئے دین

| | |
|--------------------------------------|--|
| آپ کا بھیجا ہوا مجھ کو مرقع بل گیا | دیکھتے ہی جس کو میرا غنچہ دل کھل گیا |
| صفو کاغذ کی وہ میں صباحت دیدہ زیب | اور نقشہ کی ملاحت و داستان و دلفریب |
| وہ مناظر شریف بطحا کے وہ حج کا سماں | ہر ادا سے جن کی ہے اسلام کی شوکت مایل |
| یوم جمعہ حاجیوں کی وہ قطاریں بے شمار | سعی مرود کا وہ منظر اور وہ رمی جمار |
| مجمع حجاج کی اُن یہ فراوانی مشوق | وہ طوائف کعبۃ اللہ میں نہاں پائیان ذوق |

(سعدی ماہ جولائی ۱۹۱۳ء)

آپ کی کوشش مجھے تسکین و راحت ہو گئی
یعنی گھر بیٹھے یہاں حاصل نیا بات ہو گئی

کی حقانیت کا پوری طرح عرفان حاصل کیا۔ اور انہیں اس بات کا حتیٰ یقین ہو گیا کہ زندہ خدا کا زندہ مذہب بڑی توانائی کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ اسی زندہ مذہب کی سوجنمائی تھی کہ اسود امرا ایک ہو رہے تھے۔ رنگ اور نسل کا امتیاز ختم ہو رہا تھا۔ اور مشرق و مغرب کا فرق کا فوہ ہو چکا تھا۔ اسی زندہ مذہب نے گونا گوں اقوام اور مل کے لوگوں کو ایک دوسرے کی زبان سے نا آشنا ہونے کے باوجود ایک ہی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ اور جنہیں اب عرفات کے میدان میں ایک ہی جذبہ نے مست و مدہوش بنا رکھا تھا۔ ایسے وحدت پرور ماحول میں اگر توحید خداوندی اظہر من الشمس ہوتی تو اور کیا ہوتا۔ اُس روز عرفات کے میدان میں تمام نوبہ انسانی ایک برادری بن چکی تھی۔ تمام اختلافات مٹ چکے تھے۔ مساوات انسانی کا اس سے زیادہ موثر درس اس طرح عملی طور پر اور کہا لہلہا سکتا تھا۔ کوئی تہذیب، کوئی دین، دنیا کے کسی گوشے میں اس کی ادنیٰ ترین مثال بھی پیش نہیں کر سکتا۔ دنیا بھر کی تہذیبیں بلا استثناء اپنے اپنے اوٹے برتری کے باوجود گورے اور کالے، آقا اور غلام، اعلیٰ اور ادنیٰ، یگانے اور بیگانے، ریہا اور مفلس کے اندر مہناک امتیاز قائم کرنے میں مصروف تھیں۔ مگر یہاں منیٰ اور عرفات میں اسلام مدہبانے دراز سے ہر سال ان تمام امتیازات کو ختم کر کے مساوات اور یک رنگی کا عظیم النظیر نمونہ پیش کر رہا تھا۔ یہ اسلام کی زندگی اور توانائی کا نمٹ ثبوت تھا۔ اس نے واضح کر دیا کہ اسلام بنی نوع انسانی کا حقیقی محسن ہے۔ اسی نے وقار انسانی قائم کیا ہے۔ اور اسی کی بدولت انجام کار اولاد آدم تمام کرۃ ارض پر ایک خانوادہ کی طرح زندگی بسر کرے گی۔ صاحب ان معارف اور حقائق پر غور فرما رہے تھے اور مستقبل کے پردوں میں سے دیکھ رہے تھے کہ اس وحدت پر سالانہ اجتماع کی برکت سے قبل اسلام

کو بے پناہ تجارتی، سیاسی اور تمدنی فوائد حاصل ہونے والے ہیں۔ آپ کی روحانی کیفیت اور آپ کے ذہنی تاثرات کا عجیب عالم تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ عرفات کے توقف میں انہیں وہ سرورِ روحانی حاصل ہوا۔ اور انہوں نے رحمتِ الہی کی ایسی گھنگھو گھٹائیں بارش برساتی دیکھیں کہ الفاظ ان کے بیان سے قاصر ہیں۔

بعد از زوالِ آفتاب تمام حاجیوں نے جبلِ رحمت کی طرف منہ کر کے درگاہِ الہی میں گناہوں کی معافی کے لئے دُعا مانگی۔ یہ توبہ استغفار و اصل ابو الخلائق سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ السلام کی اجابت دعا اور قبولیت توبہ کی یادگاریں منانے کا طریقہ ہے۔ اصلاحِ نفس کے لئے توبہ ضروری ہے۔ اس کا موقع عطا کیا گیا تھا۔ قبولیت کی نوید دی گئی تھی اور روح کو پاکیزگی عطا ہونے کی خوش خبری تھی۔ غروبِ آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ جا کر رات بسر کی۔ اور اگلے روز یعنی دسویں کو طلوعِ آفتاب سے پہلے مشعر الحرام سے روانہ ہو کر منایہ بنے۔ شیطان کو کنکر مارنے (رمیِ جمرۃ العقبی) کی رسم ادا کی اور قربانی اور سر تراشی (حلقِ راس) کے بعد مکہ معظمہ جا کر طواف کیا اور اسی روز منایہ واپس ہو گئے۔ ۱۱ ذی الحج کو منایہ میں قیام کیا۔ سنت نبوی کے مطابق بارہویں ذی الحج کا دن وہیں گزارا اور رمیِ جمرۃ الدنیا کے بعد وادیِ محصب میں ظہر، عصر، شام اور عشاء کی چار نمازیں ادا کیں۔ اب حج کے تمام مناسک ادا ہو چکے تھے۔ اور حاجی فارغ تھے۔ جنہوں نے نبی اکرم کے روضہ اقدس پر حاضری دینا تھی وہ محلِ سوار ہونے لگ گئے۔ اور جو یہ شرف پہلے حاصل کر چکے تھے انہوں نے گھروں کو واپسی شروع کر دی۔

حج کے موقع پر ہر سال دینِ جنیف کے لاکھوں پیروان کار کا اجتماع حضرت

ابراہیم خلیل اللہ کے جذبہ توحید کی یادگار قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری ہے حج کو فرض قرار دینے میں یہ مقصد مضمون تھا کہ جس عزم کامل کے ساتھ بت پرستوں کے معاشرہ میں انہوں نے علم توحید بلند کیا تھا۔ اس مبارک عزم کی سال بسال آبیاری ہوتی رہے۔ کیونکہ مطالعہ تاریخ بتاتا ہے کہ انسان بہت جلد اعلیٰ مقام کو بھول کر غیر متمدن اور وحشی قبائل کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بالخصوص عام طبقے کا انسان تو ان قبائل کی ذہنی سطح کے ہمیشہ قریب رہتا ہے۔ اسے غیر متمدن اور وحشیانہ اوضاع و اطوار اختیار کرتے دیر نہیں لگتی۔ ایک طرف تو یہ خطرہ موجود ہے۔ اور دوسری طرف اہل عالم بت نئے بت تراشنے میں مددگاری رکھتے ہیں۔ اگر وہ مجازی اور مادی بت نہیں بنائیں گے تو ذہنی بت تراش لیں گے اور ان کی سطح پرستش کرائیں گے جس طرح خداوند حقیقی کی ہونی چاہئے۔ ان خطرات کے ہوتے ہوئے اللہ جل شانہ نے لاکھوں لوگوں کو ہر سال کعبہ شریف کے ارد گرد جمع کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینے ہوئے درس توحید کا شہود سے اعادہ لازمی قرار دیا ہے۔

صاحبزادہ صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ اسوہ ابراہیمیؑ ایک اور اہم صفت اختیار کرنے کے لئے بھی بڑے موثر انداز میں ترغیب دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا۔ مشرک اور اصنام پرست لوگوں نے اس جرم کی بنا پر آپ کو سزا دینے کیلئے نذر آتش کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ سزا بھیلنے کو تیار ہو گئے۔ مگر خالق ارض و سما کے سامنے آپ نے جو سراقندگی اختیار کی تھی اسے ترک نہ کیا۔ بعد میں انہیں اپنے لخت جگر کی قربانی کا اشارہ ہوا۔ یہ اور بھی زیادہ سنگین آزمائش تھی لیکن اس موقع پر بھی آپ نے بطیب خاطر رضائے الہی کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور پھر تسلیم و رضا تھا آپ کا

شیوہ نہیں تھا بلکہ آپ کا سارا خاندان اس مبارک صفت سے متصف تھا۔ آپ کی بیوی حضرت راجہ تھیں تو تسلیم و رضا کی تصویر اور آپ کے خورد و سال حضرت اسماعیل تھے۔ تو مجتہد تسلیم و رضا اور اسلام ہے بھی یہی ہے

یہ شہادت کہ الفیت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سارے خاندان نے اس صفت کا جس خوبصورتی سے اہل عالم کے سامنے مظاہرہ کیا اور اس سلسلہ میں خدا پرستوں کے اس منظر خانہ نے جو جو مبارک اعمال و افعال دکھائے حج کے موقع پر ان سب کو دہرایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خاندان نبوت کا ایک ایک فعل پسند تھا۔ کیونکہ ہر فعل سے بونے محبت آتی تھی۔ محبت کے بغیر تسلیم اختیار کیا ہی نہیں جاسکتی۔ اس لئے مناسب حج کے ذریعے ہر سال یہ سبق عملاً دیا جاتا ہے۔ کہ ایک ولو العزم پیغمبر نے جس طرح تسلیم و رضا اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ اسے مسلمانوں احکام خداوندی کے سامنے تم بھی اسی طرح شیوہ تسلیم اختیار کرو۔

حج کی ان تمام حکمتوں پر غور کرتے ہوئے صاحبزادہ قبلہ نے واپسی کی تیاریوں کا آغاز کر دیا۔ جدہ سے جہازوں کی روانگی کے متعلق معلومات حاصل کیں ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے تک و دو شروع فرمادی۔ کعبۃ اللہ پر الوداعی حاضر یوں کا آغاز ہو گیا۔ الوداعی طواف ہونے لگے۔ حجر اسود کے بوسے زیادہ اہتمام سے دینے جانے لگے۔ آب زمزم کے تبرک کا استعمال بالالتزام شروع ہوا۔ اعزاز اور احباب کے لئے تحفے تحائف کی خرید شروع ہو گئی۔ آپ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے روضہ النور پر بھی حاضری دی۔ باقی زیارات پر بھی گئے۔ غزاء مساکین اور دیگر مستحقین مکہ میں خیرات تقسیم کی۔ فضا الرحیل الرحیل پکار رہی تھی۔ اس لئے آخر آپ بھی حرم محترم سے باچشم پر نعمت ہوئے اور جدہ پہنچ کر جہاز پر سوار ہو گئے

جہاز پر سوار ہونے سے پہلے آپ نے اس سرزمین پاک کی آخری زیارت گاہ پر بھی
حاضری دی۔ یعنی نوع انسانی کی جدہ محترمہ حضرت حوا کے مزار مبارک پر جا کر فاتحہ
خوانی کی۔ حضرت حوا کے اس رشتہ کے زیر نظر اس مقام کا نام جدہ ہے۔

مراجعت وطن

بحیرہ قلزم میں سے گزرتا ہوا آپ کا جہاز بحر ہند میں داخل ہو گیا۔ اسے سال
مبستی پر پہنچنا مقصود تھا۔ سطح سمندر پر جہاز کے ایک کمرہ میں آپ سفر طویل و بعید کی
تکان دور فرما رہے تھے۔ کچھ دیکھنے اور حاصل کرنے کی جو آرزو پھلی بار بحری سفر
کرتے ہوئے آپ کے لئے وجہ بیتابی تھی۔ اب بار آور ہو چکی تھی۔ دو ماہ کے مختصر
عرصے میں آپ جہاں جہاں پہنچے تھے۔ اود آپ نے جو کچھ دیکھا تھا وہ محیر العقول
ہے۔ وقت مختصر تھا مگر منافع کثیر تھے جو آپ نے حاصل کئے۔ اب آپ کی نگاہ
بدر جہاز زیادہ زمانہ شناس اور حقائق آشنا ہو چکی تھی۔ اس لئے آپ کا سفر نامہ
پہلے کے لئے بصیرت افروز رہے گا۔ جس نقطہ نگاہ سے آپ نے تاریخی مقامات
کو دیکھا۔ اور جس جذبہ کو لے کر آپ نے سیر و سیاحت کی یہ ایمان افروز اور ملت پرورد
ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی شخص آپ کا سفر نامہ پڑھے اور اس کے جذبہ ایمان میں سختگی
پیدانہ ہو۔ یا در و ملت اس کے دل میں وہ چند نہ ہو جائے۔

چند دنوں کے بعد آپ ساحل ہند پر اترنے والے تھے۔ آپ پھر اس پر
صغیر میں واپس جا رہے تھے جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ جہاں ابنکے وطن
برطانوی سامراج کے تلے گراہ رہے تھے۔ جہاں چالیس کروڑ انسانوں کی وقعت
پہلے گاہ کے برابر بھی نہ تھی۔ مصر آزاد تھا، شام اور حجاز کے ملک آزاد تھے۔ آپ سوچتے

تھے ہند کے گلے میں کیوں طوق غلامی پڑا ہوا ہے۔ احوال عالم سے اب آپ پوری طرح آگاہ ہو چکے تھے۔ آپ کی نگاہ میں آفاقیت پیدا ہو چکی تھی۔ آپ انگریزوں کے مکر و فریب اور ان کی شعبدہ بازیوں سے اچھی طرح باخبر ہو چکے تھے۔ آپ کو عالم تھا کہ ہندوستان غلام ہے۔ اور اسلامی ممالک کے گلے میں غلامی کا پھندا ڈالنے کے لئے بھی انگریز جیسے بہانے تلاش کر رہا ہے۔ آپ غور فرما رہے تھے کہ انگریز کے تغلب کا خاتمہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ یہ سخت مشکل کام تھا۔ اس کو انجام دینے کے لئے زبردست قوت ایمانی اور ان تھک کوششوں کی ضرورت تھی۔ آپ جہان تھے کہ ہندوستان کے گراں خواب مسلمانوں کو کس طرح بیدار کیا جائے تاکہ قرن اول کے جذبہ ایمانی سے کام لے کر وہ پھر باطل کو شکست دیں اور حق کو سر بلند کریں۔ سفر حج نے ان کے جذبہ ایمان کو عجیب و غریب توانائی سے معمور کر دیا تھا۔ اور انہیں یقین دلایا تھا کہ اسلام دنیا میں ایک عظیم کردار انجام دے سکتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ واپس جا کر کوئی کام کریں۔ اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہ جائیں۔ سمندر کی تنہائوں میں ان کے دل میں عجیب و لوہہ انگیز خیالات پیدا ہو رہے تھے۔

ان خیالات کے ساتھ ساتھ ایک اور جذبہ بھی ابھر رہا تھا۔ آپ خوش تھے وطن مالون کو لوٹ رہے ہیں۔ والد صاحب قبلہ کی قدیموسی نصیب ہوگی۔ بھائیوں سے بغلیں ہوں گے۔ در و فرقت دور ہوگا۔ باقی اعزا اور اقرباء سے ملاقات ہوگی پیر بھائی آئیں گے اور ان کا خلوص بہت افزا ہوگا۔ وہی صحرائے نجد ہوگا اور وہی ہیں یعنی جلالپور شریف کی پاکیزہ اور محبت پرور فضا میں وہ پھر سانس لیں گے۔ آپ ساحلِ بحرِ عرب پر اترے تو بلا توقف گھر پہنچنے کے لئے گاڑی پر سوار ہو گئے۔ سوانگی سے قبل آپ نے اپنے والد ماجد جناب قبد سید محمد مظفر الدین شاہ صاحب کی خدمت میں اپنی آمد کے متعلق جلالپور شریف تار بھیج دیا۔ چنانچہ جب صاحبزادہ

صاحب منڈی بہاؤ الدین کے سٹیشن پر گاڑی سے اترے تو مشتاقان زیارت کے ایک انبوہ کثیر موجود تھا۔ پیر بھائی دود دور سے پہنچ گئے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب زندہ باد کے نعرے بلند ہونے شروع ہو گئے آپ کے عزیز بھائی سید محمد مہر شاہ صاحب، سید کرم شاہ صاحب اور سید محمود شاہ صاحب تو استقبال کے لئے لاہور پہنچ گئے تھے۔ وہاں بھی پیر بھائیوں کا خاتمہ جمع ہو گیا تھا۔ اور آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ لیکن منڈی بہاؤ الدین کے اسٹیشن پر جو اجتماع تھا وہ حاضرین کی تعداد اور ان کے جوش و خروش کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ سب سے پہلے شرف قدمبوسی حاصل کرے۔ تمام بے تاب تھے۔ فرط مسرت و عقیدت سے اشکبار تھے۔ اور صاحبزادہ صاحب زندہ باد کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بڑی دیر کے بعد ہر ایک کی آرزوئے قدمبوسی پوری ہوئی۔ پھر حضور اپنے بھائی صاحبان کے ساتھ گھوڑیوں پر سوار ہو کر جلاپور شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ راہ میں دیہات کے لوگ شوق زیارت میں گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ اور جلاپور شریف میں قبہ ثانی صاحب بھی شفقت پری کا بے نظیر تحفہ لئے ہوئے خوش خوش گھنڈر پر تشریف فرما تھے۔ نیاز مند بھی کثیر تعداد میں حاضر تھے۔ صاحبزادہ صاحب گھوڑے سے اتر چکے تھے۔ آگے بڑھے اور قبہ والد ماجد کے قدمبوس ہونے۔ حضور نے فرط محبت سے گلے لگایا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ وسط دسمبر ۱۹۱۳ء کو تھا۔ اور پورے ساڑھے تین ماہ بعد بلاد اسلامیہ کی سیر اور عربین شریفین کی زیارت مشرف ہو کر قبہ صاحبزادہ صاحب واپس جلاپور شریف پہنچ چکے تھے۔

مجاہدانہ کرمچوشی سے پہلے

چہرہ یارید مرورا طبع بلندے مشرب تابی
 دل گرے نگاہ پاک بینے، جان لے تابی

بِسْمِ اللّٰهِ الْحَمْدِ الْحَمْدُ

باب سوم

مجاہدانہ گرم جوشی سے پہلے

اَيَّامٍ وَلَيَعْبَهُنَّ

ہولے ہولے قبلہ ثانی رح صاحب کی طبیعت مبارک پر استغراق کا غلبہ ہونا تھا۔ یا تو وہ ایام تھے جب آپ شہ زوری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور لنگر شریف کے جملہ انتظامات کے سلسلہ میں اس عالی ہمتی اور بلند نظری کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ جو ہر صاحب غزوم شہزادہ والا تبار کا امتیازی وصف ہوتا ہے۔ یا اب آپ کی طبیعت طویل رہنے لگ گئی۔ امور لنگر عالیہ سے بے نیازی شروع ہو گئی۔ وجد و کیف کی ایک خاص کیفیت تھی۔ جو طبیعت پر ہر وقت طاری رہتی تھی۔ آپ و نظائف بھی درویشوں سے سنتے تھے۔ ایک محویت کا عالم تھا۔ اطباء اسے ضعف قلب پر محمول کرتے تھے۔ لیکن اسرار و رموز سے باخبر انسان اسے تعلق باللہ کی ایک خاص علامت سے تعبیر کرتے تھے۔ اپنی اس کیفیت قلبی اور عالم وجود و استغراق کی بنا پر قبلہ ثانی رح صاحب نے لنگر شریف کے جملہ انتظامات اپنے

ولی عہد حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی کے سپرد فرما دیئے۔ اپنے علم و تجربہ اور جواں ہمتی کی بنا پر صاحب جزا وہ صاحب خدمات جانشینی بجالانے کیلئے ہر طرح موزوں تھے۔ جون ۱۹۱۴ء کے رسالہ صوفی میں تکرگنگ کے سید حبیب شاہ صاحب حشتی حیدری کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ جو اس ضمن میں تمام امور پر خاصی روشنی ڈالتا ہے۔

یکم و دومئی ۱۹۱۴ء مطابق ۵ و ۶ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کا چھٹا عرس مبارک تھا۔ فصل ربیع کی مصروفیتوں کے باوجود ہزارا پیر بھائی حاضر تھے۔ فضلاً اور صوفیاء کی بڑی تعداد تھی۔ سلطان الوداعین مولانا موسیٰ سلطان محمود صاحب ساکن گنجہ ضلع گجرات ہر طرف کی دعوتیں چھوڑ کر مجلس عرس میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ نے **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا** کی آیت قرآنی پڑھ کر لگاتار تین گھنٹے وعظ کیا اور ثابت فرمایا کہ صراط مستقیم دراصل انہی خداییدہ بزرگوں کا راستہ ہے۔ ان کے علاوہ مولوی عبدالعلی صاحب المعروف حافظ بھٹا مولوی میر اسد اللہ صاحب گجراتی، مولوی حاجی محمد سعید صاحب اتالیق صاحب جزا و صاحبان اور مولوی نور محمد صاحب سکندہ چک مجاہد نے بھی اپنی مقررہ بارہی وعظ فرمایا۔ عرس مبارک بڑا پر رونق تھا۔ اس روح پرور منظر کو دیکھ کر سید حبیب شاہ صاحب نے بصورتِ مسدس یہ اشعار لکھے۔

احسان سے ایزد کے نہیں بھتیغالی نائب رہا خالی نہ سجادہ عالی
ہے طرز وہی چشم وہی تازگی والی انصاف سے کہتے ہیں کہ ہیں شاہ جلالی
لنگر میں مجالس کی کمی کونسی آئی
سچ شاہ مظفر نے خلافت ہے سجائی

ہے طور عبادت نے وہی نقشہ بجایا اوقات و طائف کو بھی ویسا ہی بنایا

اور فقر کا فرقہ بھی اسی طرح سجایا اخلاق میں بھی مرتدہ کچھ کم نہیں پایا

منہ فانی سے جب حضرت داؤد نے موٹا

کیا غم کہ ولیعهد سلیمان تھا چھوڑا

کیسے پاکیزہ خیالات اور احساسات ہیں۔ قبلہ ثانی صاحب سے کیا عقیدت اور

اخلاص ہے۔ حضور جس شان سے مسند آرائے خلافت تھے۔ اس کا کیسا عمدہ

بیان ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود سید حبیب شاہ صاحب اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جو تمام پیر بھائیوں کے لئے موجب سواہن روح بنا ہوا تھا۔ یعنی شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ گزشتہ ایام میں قبلہ ثانی صاحب کی طبیعت کچھ علیل رہی تھی۔ اس لئے آپ اس دفعہ کچھ فیض تھے۔ بنا بریں قبلہ صاحبزادہ الحاج سید محمد فضل شاہ صاحب کو تمام امور سپرد کر دیئے گئے تھے۔ گورنمنٹ اور پرسیس جاری تھی۔ اس کے بعد شاہ صاحب موصوف قبلہ صاحبزادہ صاحب کی شخصیت اور کارکردگی کے متعلق فرماتے ہیں :-

میں اس موقع پر خواجہ حاجی سید محمد فضل شاہ صاحب کے خدا داد سلیقہ

کا مداح ہوں جو حضرت سید محمد مظفر شاہ صاحب سجادہ نشین کے

بڑے صاحبزادے اور حضرت خواجہ قبلہ عالم کے پوتے ہیں۔ اگرچہ

عمر بیس سال سے کم ہوگی۔ مگر استعداد اور لیاقت علمی میں صحت

ملکہ حاصل کر لیا ہے اور فقر کی طرف ابتداء تک سے اس قدر مائل

تھے کہ بفضل خدا خلافت مل گئی تھی۔ اور اس سال حج اور

زیارت حرمین سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ لنگر شریف اور مجالس

کا انتظام آپ کا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگ اس قدر بجوم سے آپ کے

ہمان تھے۔ مگر کیا مجال کہ کسی کو ٹھہرنے کی جگہ یا بسترے یا فرش فرش
تک کی بھی شکایت ہوئی ہو۔ اور لطف یہ کہ اس قدر آدمیوں کی نیت
صرف ایک جگہ پک کر تقسیم ہوتی رہی۔ اور کوئی شور و غل مطلق
نہیں ہوا۔

اس مقالہ میں صاحبزادہ سید محمد ہر شاہ صاحب کے متعلق بھی الفاظ میں اظہار
خیال کیا گیا ہے۔

”حضرت صاحبزادہ سید ہر علی شاہ صاحب آپ (صاحبزادہ سید
محمد فضل شاہ صاحب) کے چھوٹے برادر عزیز خاص لنگر کی تقسیم
کے وقت بذات خود موجود ہوتے تھے۔ اور موسم میں ایسی
گرم جگہ میں نہایت فراخ دلی اور بہادری سے بیٹھ کر اپنے دادا
جی کی مدارات میں سعادت کا حصہ لیتے رہے۔ کیوں نہ ہو۔ کل
شئیں یرجع إلی أصلہ“

سید حبیب شاہ صاحب لنگر شریف کے ان انتظامات کو حضرت خواجہ غنیب
فوازہ قبلہ عالم کی نظر کرامت سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں یہی وجہ ہے
کہ لنگر شریف میں ہر سال ترقی ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوگی۔ الحمد للہ
اس نیک آرزو، نیک دعا اور امید پاک کے علاوہ شاہ صاحب نے
قبلہ سید محمد فضل شاہ صاحب کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار درج کئے ہیں

پوتے ہیں جواں فضلشہ عالم و جنل بچپن سے ہیں عام پہ اور فقر پہ مانل
اخلاق پسندیدہ عجب نیک خصائل ہے شکل بھی دادا کی ملان کھٹائل

آسید نظر دور یہ جب چاند بڑھے گا

ہو بد جہاں روشنی پر تاب کرے گا

ظاہر ہے ایام ولیعہدی میں بھی قبلہ صاحبزادہ صاحب حسن و خوبی کے ساتھ فکر
شریف کے انتظامات چلا رہے تھے۔ تعویذ نویسی تو حضرت خواجہ غریب نواز
کے زمانہ سے آپ کے سپرد تھی۔ اب بیعت کا کام بھی آپ کے حوالے کر دیا گیا
ساتھ ساتھ آپ مولوی محمد سعید صاحب سے تعلیم بھی حاصل کر رہے تھے۔ آپ کا
مقصد تکمیل و نیابت تھا۔ عام مطالعہ بھی بدستور جاری تھا۔ اخبارات اور رسائل
آپ سے تھے۔ ادب اور تاریخ کی کتابیں زیر مطالعہ تھیں۔ ابوالکلام آزاد، عبدالعلیم
شرر، اور حسن نظامی کی نثر اور اقبال کی منظومات آپ کے لئے خاص طور پر جواز
توجہ تھیں۔ آپ گاہے گاہے مضمون نگاری کی طرف بھی متوجہ ہوا کرتے تھے آپ
صحافت بطور ہمیشہ اختیار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ آپ کے لئے یہ ایک مشن تھا
ایک طریقہ عبادت تھا۔ اس کے ذریعے آپ ملت کی ٹھوس خدمات انجام دینا
چاہتے تھے۔ اور احیاء اسلام کے لئے کوشاں تھے۔

یہاں آپ کے دو ایک مضامین کا ذکر ضروری ہے جو آپ نے انہی ایک دو
سالوں میں تحریر فرمائے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کس نہج پر سوچ رہے تھے۔ ایک
مضمون آپ نے سفر حج سے پہلے مئی ۱۹۱۳ء کے حصوفی میں لکھا۔ اس میں ہند
تصوت پر اعتراضات تھے۔ اس قسم کا تصون غلالت اور گمراہی کا موجب بن
رہا تھا۔ آپ نے سیاح بیرون کا کر کیا جو اپنے لوازمات ٹٹو، پٹو، حقہ، کتا ساتھ
لئے اپنے آباد اجداد کے مریدوں کا گھر لوٹتے پھرتے ہیں پرے درجے کے مغزو
خورد پسند، خورد مانے، زور رنج اور متلون مزاج ہوتے ہیں۔ اور بلائے مبرم کی طرح
کسی صورت نہیں ملتے۔ آپ نے انتقاد میں افراط و تفریط کی مخالفت کی ایک
طرح اپنے پیرو مرشد کو خدا اور رسول کا درجہ دینی انکس کے سامنے وضع الجبرۃ
علی الامراض یعنی صریح سجدہ کو جائز سمجھتی ہے۔ اور دوسری طرف مشیع شریعت

مولوی صاحب کی کل جامع مسجد مری کے خطبہ میں سفر حج میں آپ غلو کے ساتھ تھے۔ بلکہ شریعت میں مختلف طریقوں کی بھی آپ کی خدمت

حاجی طریقت، راست گفتار اور نیک کردار بزرگوں سے بد اعتقادی سکھاتی ہے۔ آپ نے صاحبزادگان اور سجادہ نشینان کو متنبہ کیا کہ مریدوں کی بے جا خوشامد اور بے جا عقیدت سے معذور نہ ہوں۔ آپ نے پیران عظام سے التماس کی کہ برائے خدا اپنے جاہل اور ناہم مریدوں کو احکام شریعت سے آگاہ فرماتے رہا کریں۔ اسی طرح آپ نے تعلیم یافتہ اور باشعور اراکین کیشوں سے التجا کی کہ اپنے جاہل اور کندہ ناتراش برادران طریقت کو مناسب پیرائے میں افراط پرستی سے روکیں۔ آپ نے تسلیم فرمایا کہ اعتقاد اور خلوص جو عامۃ المسلمین کے دلوں میں ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں لیکن یہ بھی لا بدی ہے کہ اسے شرعی حدود کے اندر رہنا چاہئے۔ اپنے متعلق آپ نے تحریر فرمایا کہ ۱۳۳۰ اور ۱۳۳۱ ہجری میں دو سال عرس مبارک کے موقع پر تمام پیر بھائیوں کو سجدہ اور نازیبا حرکات سے بڑی سختی سے منع کیا گیا تھا۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ حاشا وکلاً اس آزادانہ اور بے باک تحریر سے کسی کی دل شکنی مقصود نہیں۔ آپ واللہ باللہ کسی کی دل آزاری کے روادار نہیں۔ کیونکہ:

گفتار است در طریقت ما کینہ و اشتق آئین ماست سینہ چو آئینہ و اشتق

آپ کا مطلب صرف بدعت کا قلع و قمع اور ترویج شریعت ہے

آپ کا دوسرا مضمون بھی سفر حج سے پہلے شائع ہوا۔ یہ جولائی ۱۹۴۳ء

کے رسالہ "صوفی" میں موجود ہے۔ قلم میں بڑا زور ہے۔ خیالات بڑی روانی

سے آ رہے ہیں۔ تحریر میں بڑا اور داور سوز ہے۔ چونکہ دل کی آواز ہے اس لئے

یہ کیفیت ہے۔ آپ نے دیکھا تھا کہ ہمسایہ ہندو قوم مختصر مدت میں تمام

شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کر گئی تھی۔ آپ کو معلوم تھا کہ کس طرح

(۱۸۹۸ — ۱۹۰۵) کی تقسیم بنگال کو شورش اور دہشت انگیزی سے بالآخر ۱۹۱۱ء

میں منسوخ کر کے ہندوؤں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ ان کی اس ترقی، اتحاد اور شور و غوغا کے پیش نظر صاحبزادہ صاحب نے سوچا کہ اگر ہندوؤں نے انگریز سے حکومت خود اختیار ہی کا مطالبہ کیا تو منوا کر دم لیں گے۔ لیکن اس وقت مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا جو تعلیمی لحاظ سے بالکل سپاندہ تھے، اقتصادی لحاظ سے سخت بد حال تھے۔ اور افتراق اور تشدد کا بری طرح شکار ہو چکے تھے۔ خدا نخواستہ اگر مسلمانوں کو ان ہندوؤں کا غلام بننا پڑا جن پر وہ سیکڑوں کو تک حکومت کر چکے تھے تو بڑی مصیبت آئے گی۔ کیونکہ

سخت است پس از جاہ نکلے بر دین

یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ مسلم لیگ میں ابھی تک زیادہ تر صرف حکومت کے کاسرٹیس شامل تھے۔ اور ان کا زیادہ سے زیادہ مطالبہ سیاسی حقوق کا تحفظ، سرکاری ملازمتوں میں مناسب حصہ اور جداگانہ انتخاب تھا۔ سر آغا خان اکابر ان لیگ کے ساتھ شامل ہو کر انگریزوں سے صرف یہی کچھ مانگ رہے تھے لیکن اگرچہ صاحبزادہ صاحب کی عمر صرف انیس برس تھی اور ۱۹۱۳ء کا ماہ جولائی تھا۔ ان کے خیالات بہت آگے نکل چکے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عنفوان شباب کے باوجود ان کی تحریر میں مدبرانہ احتیاط نظر آتی ہے۔ لیکن پھر بھی اقتصادے وقت کے مطابق وہ مسلمانوں کو راہ عمل دکھا رہے تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسی سال کے اختتام پر سر وزیر حسن اور مولانا محمد علی جوہر کے کہنے پر محمد علی جناح مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں عزم و ہمت اور ذہانت و دیانت کے عناصر کام کرنے لگے تھے۔ لیکن ابھی تک اکابر نے ہندوؤں کے سلسلہ میں اس طرح واضح حکمت عملی اختیار نہیں کی تھی جس طرح صاحبزادہ صاحب کے مضمون سے آشکارا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مسلمانوں! یہ ذلت یہ محکومی کہاں تک؟ یہ خواب گراں
 تاکے؟ چوپاؤں کی طرح یہ زندگی کب تک؟ قَوْمٌ اَيَّا عِبَادَ اللّٰهِ ہمت کرو
 اخوت کا رشتہ جوڑ کر علم کے دریا میں کود پڑو۔ در شہوار نکال لاؤ۔ ایمان کی مشعل
 روشن کر کے پکے مسلمان بن جاؤ اور دنیا کو دکھا دو کہ

”ماہنامہ شمس کہ بویوم“

ایک طرف اپنے ممالک محروسہ کی حفاظت میں خون پانی ایک کر دو اور دوسری
 طرف تعلیم، تجارت، صنعت و حرفت، تہذیب، تمدن میں مقابل اقوام کے ہمسر
 بن جاؤ۔ اس اُجڑے بوئے باغ میں پھر بہاؤ آسکتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ
 ”ورپس ہر گریہ آخر خندہ است“

ہماری حالت سنبھل جائے گی..... جدوجہد کرو

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا کیا ہو جائے گی
 ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک نو عمر مرد فقیر کی آنکھ نے جو کچھ دیکھا تھا۔
 وہاں تک ابھی دیگر مسلم اکابر کی رسالی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس نوجوان کا
 پیغام ایسے ہمہ گیر عمل کی ترغیب دیتا ہے جس سے اسلامیان ہند کی ساری زندگی
 میں انقلاب پیدا ہو سکتا تھا۔ اس مقصد اعلیٰ کی خاطر صاحبزادہ صاحب نے یہ کہہ کر
 ایسے اکتالہ پُرور دکی تہید ہوں میں انتہائے غم چراں ہے ہر عنوان میرا

مسلمانوں کو اپنے اسلاف کی یاد دلائی جنہوں نے تبلیغ دین میں اپنا خون پسینہ
 ایک کر رکھا تھا، اسلام کی حمایت میں اپنی جانیں لڑائی تھیں۔ ان کا مرنا، جینا خدا
 کے لئے تھا۔ وہ اپنوں پر بائیل کرم تھے۔ تو غیروں پر رحیم۔ کوئی طاقت انہیں اظہار
 صداقت سے روک نہیں سکتی تھی۔ کوئی لالچ انہیں گمراہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تہذیب
 تمدن میں ممتاز تھے۔ اور علوم و فنون کی ترویج اشاعت میں پیش پیش۔ ان کا ہر

فرد فرید الدہر تھا۔ اور ہر شخص و حید العصر یورپ انہیں کا نہ لہ رہا اور فیض یافتہ ہے۔
 ظاہر ہے کہ اسلاف کے یہ کارنامے سنا کر صاحب جزا وہ صاحب مسلمانوں کو از سر نو
 اقتدار اعلیٰ کے حصول پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ ذرا غور فرمائیں۔ اپنے مقاصد عالیہ
 کے اعتبار سے اس وقت کے مسلمان تو بچنے خود وہ ترقی یافتہ ہندوؤں سے
 بھی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ ہندوؤں کے دل میں بھی اقتدار حاصل کرنے کا
 خیال بہت دیر بعد میں آیا۔ ان کا مکمل آزادی کا مطالبہ بڑا عرصہ بعد کی بات ہے۔
 یہ مضمون سفر حج سے پہلے لکھا گیا تھا۔ آپ نے اپنے سفر نامہ میں جس انداز فکر کا
 اظہار کیا وہ اس سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ ان تمام امور سے ظاہر ہے کہ صاحب جزا
 صاحب قبلہ کسی خاص لائحہ عمل پر غور فرما رہے تھے۔ فی الواقع آپ دنیا میں کوئی نخلص
 کام انجام دینے کے لئے پیدا ہوئے تھے۔

آپ کا تیسرا مضمون جس کا ذکر یہاں مقصود ہے اور جو آپ کے خیالات کی ایک
 اور زاویہ سے آئینہ داری کرتا ہے سفر حج کے بعد لکھا گیا۔ یہ مضمون جولائی ۱۹۱۲ء
 کے رسالہ صوفی میں شائع ہوا تھا۔ پہلا مضمون آپ کے مسلک کو ظاہر کرتا ہے
 جس طرح حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے جنکے حکیب میں وسع شدہ
 ملفوظات کا منشاء و مقصود ہے قبلہ صاحب جزا وہ صاحب ایسے فکر کے عامل تھے
 جو ظاہر میں قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کی پابندی لازمی قرار دیتا ہے اور باطن میں
 مشاعر روحانی کے ذریعے صفائے قلب کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ گروہ قلیل حق
 عبادی الشکوٰۃ کا طریقہ ہے۔ دوسرا مضمون آپ کا مقصد حیات واضح کرتا ہے
 آپ چاہتے تھے کہ مسلمان **انتم الاعلون** کا مصداق بنیں۔ آپ کا تیسرا مضمون
 آپ کے دائرہ عمل کی نشاندہی کرتا ہے۔ یعنی ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو جسے خطہ ارض
 میں اپنی مساعی جمیہ کے ذریعے مسلمانوں کو نشاۃ ثانیہ کی نعمت عطا کرنا چاہتے تھے

خواجه کمال الدین مرزا قادیانی کے پیو کا رشتے۔ قادیانیت کی لاہوری شاخ سے
تعلق رکھتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب قبلہ کے دل میں اس لئے ان کی خاص وقعت
تھی کہ انہوں نے خدا کو اپنی تمام ضروریات کا کھیل بنا کر تنہا مرکز تثلیث یعنی
لندن میں توجید پھیلانے اور خالص اسلام کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ان کے
اس مشن کو جہد و اندازہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بھی صاحبزادہ صاحب نے خواجه
صاحب کو مشورہ دیا ہے

لندن قادیانی
شاخ کعبیت

ترسم کہ زسی بکعبہ امی اعرابی ایں وہ کہ تومی روسی بہ ترکستان است
آپ نے فرمایا کہ ویسے تو انسان اپنی طبع جدت پسندی کی وجہ سے ہر جدید شے کو
لپیٹھ مھتا ہے۔ خواہ وہ کتنی لا حاصل اور فضول کیوں نہ ہو۔ نئی خبر سننے لباس اور
نئے مذہب کی طرف انسان اسی لئے مائل ہوتا ہے۔ اور پھر جب کوئی چیز چل نکلتی
ہے۔ تو کورانہ تقلید شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن افسوس ناگ امر یہ ہے کہ عقیدت فہیم
اور ذکی الحس لوگ بھی اس قسم کی تقلید سے باز نہیں آتے۔
ہر لحظہ بنگ و گر آں یار برآمد

اس قسم کے لوگ فاتح قوم کے طرز عمل کو اپنا منتہائے خیال اور مطہم نظر بنا لیتے ہیں
انگریزوں نے عیسائی مشنریوں کے ذریعے ہندوستان میں عیسائیت پھیلانے کی
کوشش کی تو ہمارا ذہن اہ ذکی الحس طبقہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لئے
انگلستان میں اشاعت اسلام کے لئے جا رہا ہے حالانکہ یہ چنداں نتیجہ خیز نہیں ہو
گا۔ ایک مصارف کشمیر میں دوسرے غیر ملکی زبان میں اظہار ابلاغ کے لئے اتنی زیادہ
بھارت نہیں۔ تیسرے مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ مستقل مزاجی اور وہ
خندہ پیشانی اور تلطف اور مہربانی ابھی جز و سیرت نہیں بنی جو غیر ممالک میں
اشاعت اسلام کے لئے سمحت ضروری ہے۔ چوتھے انگلستان کی سنگلاخ اور

دہریت کے خس و خاشاک سے اٹی ہوئی سرزمین میں ہدایت کا چشمہ ابلنا محال ہے

ان خیالات کا اظہار کرنے کے بعد صاحبزادہ صاحب قبلہ نے فرمایا کہ لنگستان

کی بجائے ہندوستان میں تبلیغی سرگرمیوں کا بڑھانا زیادہ ضروری ہے۔ کیوں کہ

یہاں ہزار ہا ایسے گاؤں اور قصبے موجود ہیں جہاں مسلمانوں کے نام ہندو

جیسے ہیں، طرز تمدن، طریق معاشرت، رسوم و رواج بالکل ہندووانہ ہیں۔ گاؤں کے

گاؤں مساجد سے خالی ہے۔ مساجد میں تو نمازی نادر سے

سجدیں مڑیہ خوان ہیں کہ نمازی نہ ہے یعنی وہ صاحب خلاق حجازی نہیں

مسلمانوں کو قمری مہینے یا دینیہ جبکہ شمسی اور انگریزی مہینے بالکل ازبر ہیں۔ کلمہ

پڑھنے اور ختنہ کرنے کا نام اسلام سمجھ لیا گیا ہے۔ توحید اور رسالت کے لئے

اقرار باللہ کے ساتھ تَصَدِيقٌ بِالْقَلْبِ کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ ہندوستان

کے دیہاتی کلمہ طیبہ کا معنی ٹھیک نہیں جانتے اور انہیں یہ قطعاً علم نہیں کہ اسلام کس

جانور کا نام ہے "وہ سالہ مردم شماری سے پتہ چلتا ہے کہ نام مسلمان ڈگنے چوگنے

ہو رہے ہیں۔ مگر ذرا غور سے حالات کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقی مسلمان

بڑی تیزی سے مفقود ہو رہے ہیں۔ مذہبی روح اور قومی احساس کا خاتمہ ہو چکا ہے

فرائض و واجبات سے واقف، احکام اسلام کی پیروی کرنے والے اور اسلام

کے زندہ نمونے ڈھونڈنے سے نہیں ملتے جب صورت حال یہ ہے تو ہندوستان

کو چھوڑ کر لنگستان میں تبلیغ اسلام پر معنی فار دے

تو کار زمین رانکو ساختی کہ با آسمان نیز پر و اختی؟

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ صاحبزادہ صاحب قبلہ ہندوستان کو

اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا محور اور مرکز بنانا چاہتے تھے۔ اور آپ نے اپنے لئے یہی

لاکھ عمل تجویز کر لیا تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ ہندوستان کی سرزمین میں پہلے سے

مہر چشمہ ہدایت بہ رہا ہے۔ صرف صفائی مطلوب ہے۔ مسلم نژاد آبادی کی صلاحیتوں کو بیدار کیا گیا تو تبلیغ بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوگی کاش کہ جس طرح اپنے اپنے مضمون کی آخری سطر میں فرمایا۔

کیا اسلام کے وہ شیدائی جن کے دل میں اشاعت اسلام کا جذبہ موجود ہے۔ اپنی توجہات کا انعطاف میری آزادانہ تحریر کی طرف کر دیں گے؟

۱۹۱۴ء میں ویدول رکھنے والے مسلمان ہندوستان میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں بڑھا دیتے اور پورے خلوص اور جوش کے ساتھ ہندوستان کے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ میں جا کر اعلیٰ کلمۃ اللہ کرتے۔ اگر اس طرح ہوتا تو یقیناً ۱۹۴۶ء میں ہندوستان کا ایک مختصر سا ٹکڑا پاکستان کے نام سے مسلمانوں کو نہ ملتا۔ لیکن افسوس ہے ان دنوں مسلمان بری طرح خواب غفلت میں مبتلا تھے۔ اور جس کسی نے صاحبزادہ صاحب کی یہ تحریر پڑھی اس نے خیال کیا ہوگا۔ ایک بست سالہ خام نوجوان کی بات ہے۔ اسے درخور اعتنا نہیں سمجھنا چاہئے۔ کاش انہیں پتہ چل جاتا کہ یہ خام کاری کی نہیں پختہ کاری کی دلیل ہے۔ اور مسلمانوں کے تمام امراض کا علاج اسی میں مضمر ہے۔

انہی ایام ولیعہدی میں صاحبزادگان والا تبار کے متعلق آپ نے بنیادی اہمیت رکھنے والے فیصلے کرائے۔ ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور کے خاندان کی عظمت اور برتری بفضلہ تعالیٰ محض آپ کی مرہونِ منت ہے۔ قبلہ ثانی کا خیال تھا کہ صاحبزادگان کو صرف دینی تعلیم دلانی جائے۔ صاحبزادہ صاحب نے عرض کی اگر صرف یہ تعلیم دلانی گئی تو ہند بگداگری کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ سفر بلاو اسلامیہ کے دوران میں آپ مزاج زمانہ سے اچھی طرح باخبر ہو چکے تھے۔ اس لئے راج الوقت تعلیم دلانا آپ کے نزدیک سخت ضروری تھا۔ آپ کے

مذہب گداری کی
بنیاد ختم کر دی

خیال کے مطابق تجدید علوم سے بے خبری اقوام اور افراد کے لئے مہلک تھی۔ آپ نے
 اجمیر شریف جا کر معلوم ہوا تھا کہ درگاہ شریف کے بعض متوسلین اچھے اچھے عہدوں
 پر ممتاز نہیں۔ آپ نے خیال فرمایا کہ درگاہ عالیہ جلالپور شریف کے متوسلین بھی رفتار
 زمانہ کے مطابق اعلیٰ عہدوں پر کیوں نہ ممتاز ہوں۔ چنانچہ آپ کی تجویز کے مطابق صاحبزادہ
 کرم شاہ صاحب اور صاحبزادہ محمود شاہ صاحب کو راج الوقت تعلیم دلائی گئی۔ بعد
 میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور خدا کے فضل سے اب آپ کا خاندان ہر لحاظ سے
 پاکستان بھر کے ممتاز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا ہے

اس کے علاوہ مذکورہ خواجہ کمال الدین نے لائل پور میں اپنی زمین جو دس مربعوں
 پر مشتمل تھی فروخت کرنا چاہی۔ وہ زبرد فروخت کو انگلستان میں اپنی ضروریات
 اور اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے استعمال میں لانا چاہتے تھے۔ صاحبزادہ محمد مہر شاہ
 صاحب نے اپنے برادر بزرگ صاحبزادہ محمد فضل شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کی
 کہ زمین خریدنی چاہئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے لئے خواجہ غریب نواز کی ذات بابرکات
 کافی ہے۔ فقر و توکل کا یہی تقاضا تھا۔ اور اب تک جب کہ آپ دنیا کے ہنگاموں
 سے الگ تھلک ہو کر حالت جذب میں صرف اللہ کے ساتھ معاملہ رکھتے ہیں
 آپ کا طریق کار یہی رہا ہے۔ لیکن یہ تو اپنی ذات کا قصد تھا۔ باقی صاحبزادگان کے
 لئے آپ نے قبلہ ثانی صاحب سے زمین کی خرید کے لئے عرض کرنا ضروری
 سمجھا۔ چنانچہ اجازت مل گئی۔ بات بھی طے ہو گئی۔ لیکن آخری مرحلے پر خواجہ کمال الدین
 نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا۔ بہر حال یہ بات واضح ہو گئی کہ قبلہ صاحبزادہ صاحب
 حضرت اعلیٰ کی ساری اولاد کی بہتری اور بہبودی کو دل و جان سے عزیز سمجھتے
 اور اس کے لئے عملی اقدامات کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔

منہ بروایت مولوی عبدالجبار مرحوم دمیاں ملک مددیش نگر شریف۔

صاحبزادہ صاحب اس طرح انہماک سے علم حاصل کرنے، مضمون نگاری کے ذریعے خدمتِ اسلام انجام دینے اور لنگرِ شریف کے روشن مستقبل کے متعلق غور و فکر کرنے میں مصروف تھے جب قبلہ ثانی صاحب ۱۹ ربيع الآخر ۱۳۳۵ھ (مطابق ۱۹۱۶ء) کو دار فانی سے دارِ آخرت کو سدھار گئے۔ حضور کی عمر اس وقت صرف پچپن سال تھی۔ صوفی الشہوتہ ساکن تترال کا بیان ہے کہ اس روز صبح حضور سے رخصت لے کر وہ اپنے بال بچوں سمیت گھر روانہ ہوئے تھے۔ اور ابھی جہاں سید شاہ بھی نہیں پہنچے تھے کہ تار کے ذریعے حضور کے وصال کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ پیر بھائیوں کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ ہوا بے تاب ہو کر طوفانی ہن گئی بال سیاہ پوش ہو گئے۔ اور آسمان زار و قطار روید تصور کے ایک یکے تاز جواں مرد کا وصال تھا۔ کسے صدمہ جدائی نہ ہوتا۔ آپ کی آخری آرام گاہ صاحبزادہ قائم الدین شاہ مرحوم کے پہلو میں بنی۔ حضور کی فتیدگی پر مولینا سیما ب وارثی اکبر آبادی نے یہ مرثیہ لکھا ہے:

حضرت ثانی صاحب کا انتقال پر حال

حال کیا لکھے قلم سید مظفر شاہ کا
کل تو آپس میں قلمبوسی کے تھے کویں خیال
سبقت ظاہر ہے کہ پردہ ہے سر انظر بیری
مشرپ حیدر رہا ممنون ان کے فیض کا
قلعہ صدق و وفا پر ایک مدت تک رہا
باخدا ارباب دل میں خطہ پنجاب کے
ان کے افضال معطا کا حال آج پوچھئے
فکر ہے معذرت خامہ ہے نہ امت انتما
ہر مرید ان کا مظفر بھی ہے اور منور بھی

دل پر مستولی ہے غم سید مظفر شاہ کا
آج ماتم ہے ہر دم سید مظفر شاہ کا
پر وہ کتم عدم سید مظفر شاہ کا
کیوں نہ پھر گن گائیں ہم سید مظفر شاہ کا
رایت عرفان علم سید مظفر شاہ کا
تھا غنیمت ایک دم سید مظفر شاہ کا
جن پہ تھا جو و کرم سید مظفر شاہ کا
وصف ہو کیونکر رقم سید مظفر شاہ کا
ہے یہ اک فیض اتم سید مظفر شاہ کا

سیما ب وارثی
کا مرثیہ

جس کو دیکھا اک نگاہ ہر آما سے وہی
 فخر میں یا فخر میں ممتاز تھی وہ ذات پاک
 یا الہی خواب میں بیدار ہوں سخت نگویں
 ہمتوں سے ان کی مشکل کام آسان ہو گئے
 سلسلہ میں آپ کے آتا ہے جو مجھ کو نظر
 رہروان منزل صدق و ولکے واسطے
 دل ہے گا ان کا اے سیما بام سو گوار
 یہ مرتبہ قبلہ ثانی صاحب کی سیرت پاک اور ستمت بلند کو بڑی عمدگی سے بیان کرتا ہے
 ملک محمد دین مصنف "ذکر حبیب" لکھتے ہیں کہ آپ کی کئی ایک کرامات زبان زد خواص
 و عوام ہیں چونکہ آپ کے فیض یافتہ ہوئے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہہ رہے ہیں اور
 پھر حضور کی کرامات بتانے والا کوئی شخص باقی نہیں رہ جائے گا۔ یہاں ایک خاص واقعہ
 شرح کیا جاتا ہے۔

مستری حیات ٹھٹھی جیگا تحصیل چکوال کے رہنے والے ہیں۔ آغاز شباب میں ثانی صاحب
 وہ معاملہ کی حیثیت سے راولپنڈی میں مزدوری کیا کرتے تھے۔ انہیں ایک نو عمر لڑکی
 بازاری عورت سے محبت ہو گئی لیکن وہ ان کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتی تھی۔ مستری
 حیات ثانی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ والا جاہ۔ آتش
 محبت میں جل رہا ہوں۔ ازراہ کرم اس عورت سے شادی کر اویں۔ حضور سبوت ناہن
 ہوئے۔ مستری صاحب لنگر شریف میں ٹھہر گئے۔ اور جب موقع ملتا ہی عرض پیش
 خدمت کرتے۔ حضور بدستور خشم آلودہ نگاہوں سے دیکھتے اور جھڑک دیتے۔
 مستری صاحب کے ہر پھپھوت سوار تھا۔ انہوں نے ایک روز عرض کی۔ اگر آپ شادی

لے بردایت بابا اللہ وہ سکنہ نرال و ہربانی خود مستری حیات۔

نہیں کراتے تو میں عیسائی بنتا ہوں۔ حضور نے جلال میں آکر فرمایا۔ جاؤ بن جاؤ۔
 مستری صاحب پاپیادہ جہلم پہنچے۔ گرجا گھر والوں کو پتسمہ کے لئے کہا۔ انہیں جب
 یقین ہو گیا کہ یہ شخص پوری طرح آمادہ ہے۔ تو انہوں نے گرجا گھر کی گھنٹیاں بجانا شروع
 کر دیں۔ کرسیوں کو صاف کیا اور پوری لباس پہن کر آ گیا۔ مستری حیات باہر بیٹھا
 تھا۔ اسے ایک عیسائی بلا نے آیا۔ اب جب مستری صاحب پوری کی طرف
 چلنا شروع کرتے تو بینائی غائب ہو جاتی۔ اور پیچھے مٹتے تھے تو بحال ہو جاتی تھی
 انہوں نے دل میں کہا۔ خوب شادی کراتے ہیں اور اندھا کہتے ہیں۔ اب تو
 میں ضرور عیسائی بنوں گا۔ چنانچہ مصمم ارادہ کر کے پوری کی طرف چل پڑے۔ نظر تو
 کھاتا نہیں تھا۔ اس لئے کرسیوں سے ٹکراتے پڑتے جا رہے تھے۔ عیسائی
 بدھتے تھے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ مستری صاحب ہر بات کو بھلا کر پوری کی طرف
 بڑھ رہے تھے۔ جب قریب پہنچے تو غیب سے ایک زور کا تھپڑ لگا۔ دروازے پر جا کر
 گرا بھمت نہ رہی۔ جوتیاں اٹھانا بھی بھول گئے۔ عیسائی بلاتے رہ گئے۔ گرا ہوں
 نے باہر نکل کر بھاگنا شروع کر دیا۔ رات داراپور گذاری۔ صبح جلالپور شریف حاضر
 ہو گئے۔ اور ثانی صاحب قبلہ کی قدمبوسی کی۔ حضور نے فرمایا۔ عیسائی بن آئے۔
 مستری صاحب اب ہتھار ڈال چکے تھے۔ عرض کی حضور نے بننے جو نہیں دیا۔ آپ
 نے فرمایا۔ اب خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ دو چار روز لنگر میں ٹھہرانے کے بعد کراچی اپنی
 گھر سے عنایت فرمایا۔ اور مستری صاحب کو کہا۔ جاؤ اور اپنی جاکر مزدوری کرو
 وہاں پہنچے تو عجیب حالت تھی۔ ان کے دل میں بازاری عورت کا ذرہ برابر لگاؤ نہیں
 رہا تھا۔ مگر وہ والا و شیرا ہو چکی تھی۔ ہر وقت ان کے پاس رہتی اور دیکھتی رہتی۔
 جان پہچانے کے لئے وہ گھر ٹھٹی جنگا چلے گئے۔ وہ عورت وہاں بھی پہنچ گئی۔ مگر مستری
 صاحب کا دل ایسا اچاٹ ہوا تھا کہ اس کی منت سماجت اور گریہ زاری کے باوجود

شادی نہ کی۔

ناظرین اس ایک کرامت سے حضرت ثانیؒ لائمانی کے روحانی تصرفات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ بزرگ اپنی فطرت کریم کی بنا پر جس خوش نصیب کو اپنا بنالیتے ہیں۔ پھر اس کے ہاگ تڑانے پر بھی اسے کہیں جانے نہیں دیتے۔ واقعی حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز نے جلالپور شریف کی پہاڑیوں پر وہ چراغ معرفت روشن کیا جس کے انوار ہمیشہ زیادہ سے زیادہ ہوتے چلے جائیں گے۔ اور اہل علم ان کی چمک دکھانے کی کوششیں نہیں کریں گے۔ کاش ان صفحات میں اس قدر گنجائش ہوگی کہ ہم ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ قبیلہ ثانی صاحب کے کمالات کا ذکر کر سکتے۔ اور قبیلہ عالم کی ذات باہر آیات سے جو طرح آپ کے خلیفہ اول مستنیر ہوئے اس کے جلوہ دیکھنے والوں کو دکھا سکتے۔ مگر اس وقت ہم آپ کے خلیفہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے جمال جہاں آرا کے مشتاق ہیں۔ اس لئے بعجلت تمام ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت ابوالبرکات کی مسند نشینی

مسند پاکِ خلافت کی فضیلت بڑھتی ہی بڑھتی ہوئی جلوہ نما سید محمد فضل شاہ
 حضور ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۱۶ء مسند آرائے خلافت
 ہوئے۔ آپ نے ابوالبرکات کنیت اختیار فرمائی۔ آپ کی ذات ہر لحاظ سے
 فیوض اور برکات کا سرچشمہ تھی۔ اس لئے اگرچہ کنیت کسی کو نوب ویدی تھی تو وہ آپ کی
 ذات ستودہ صفات تھی۔ فقر میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور دولت فقر کھلے دل
 سے لٹانے کا عزم آپ کے دل میں موجود تھا۔ علم و فضل میں آپ یکتا تھے اور چاہتے
 تھے کہ تبلیغ اسلام اس خلوص اور انہماک سے کریں کہ ایک دفعہ پھر مسلمانوں کے چہرے
 نور ایمان سے چمک اٹھیں۔ ملکی اور ملی نقطہ نگاہ سے مسلمانوں کو از سر نو بلند
 دیکھنے کی بے تاب آند و آپ کے سینہ میں برق افگن تھی۔ اور اس مقصد کی خاطر
 آپ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آمادہ تھے۔ علاوہ بریں آپ کریم تھے، شفیع تھے
 آپ کے نیاز مند آپ کی صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ کریمانہ کے معترف اور مداح تھے
 غریبوں کے ساتھ لطف و کرم، امیروں کے ساتھ حسن سلوک، دشمنوں کے ساتھ مروّت
 آپ کا شعار زندگی تھا۔ جب آپ کی ذات والا صفات ہر طرح فیوض و برکات کا مصدر
 اور منبع تھی۔ آپ اگر ابوالبرکات نہ کہلاتے تو اور کون کہلاتا۔

مسند نشینی کے وقت آپ کی عمر مبارک تیس ۲۳ سال تھی۔ حسن و جمال اور چہرہ و
 جلال کا کمال تھا، میانہ قد، کشادہ سینہ، مضبوط جسم، لانسے بازو، گور چمکیلا
 بڑی بڑی سیاہ اور روشن آنکھیں، بلند بینی، نور آفریں کشادہ پیشانی، محاسن
 مبارک گھنے اور دکش، چہرہ مبارک جمال اور جلال کا مرقع۔ جب آپ نفیس
 عینک پہنے، شلوار اور خوبصورت ایچکن زیب تن کئے، سر مبارک پر ملکہ

کی طرہ وار دستار رکھے ہوئے رواں ہوتے تھے۔ تو زمانہ بلائیں لینے آتا تھا
 کائنات آنکھیں فرش راہ کرتی تھی، ہر شخص دل و جان سے چاہتا تھا۔ حضور
 کی جلو میں شمولیت حاصل کرے تاکہ وہ بھی خوبصورت نظر آئے۔ راقم سطور کے چچا
 صالح محمد مرحوم کہا کرتے تھے۔ مرشد ہوں تو ایسے ہوں جن کے ساتھ چلتے ہوئے
 انسان کا اپنا حسن دو بالا ہو جاتا ہے، واقعی اس حسن و جمال کے ساتھ شاید ہی
 کوئی اور صاحب مسند آرائے خلافت ہوئے ہوں۔ صوفی عباس خان ساکن
 تختی راجگان کہتے ہیں کہ انہوں نے بڑے بڑے سیاحت پیشہ لوگوں سے معلوم
 کرنے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے بھی ایسے خوبصورت، خوش پوش اور خوش وضع انسان
 کی نشاندہی نہیں کی جس طرح قدوة السالکین، زبدۃ العارفين ابو البرکات سید محمد فضل
 صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف ہیں۔ اس نایاب چیز مصنف نے ایک بار فارسی زبان
 میں حضور کا قصیدہ مبارک لکھا تھا۔ جس میں حضور کے ظاہری اور باطنی کمالات
 کی طرف اشارات کئے گئے تھے۔ اس کے بعض اشعار کا یہاں درج کرنا مفید سمجھا

| | |
|--------------------------------------|------------------------------------|
| فخر زمین آسماں سید فضل شاہین | ذرہ خاک پائی اوبہ زلالی عدل |
| شک جلال مہر و ماہ دیدہ نور پاشاؤ | رنگ لب مبارکش نازش حسن صغین |
| درج زبان پاک اوہیں کہ ندیدہ امی کہی | در دل غنچہ گلی و انہ چند یکسمن |
| از تہی امنی چہ غم پرور اور و مگست | لعل صفا و رشد رافات مطہرش مین |
| رونے مبارکش بگو ماہ تمام معرفت | قلب منورش بخوال جلوہ ذات راوین |
| ایں ہمہ رمز و کنڈ پیش سیمہ کہ شدیقین | جملہ بیان آنجناب بہت عطائے ذوالمنن |
| پور جناب مرتضیٰ، نور حضور مصطفیٰ | ذوہ رین و آں جہاں بد جملہ انجمن |
| من جہیم چہ سال شوم ملج سرانی انجمن | لال زبان نوریاں شد ز ثنائی شاہین |

لیکن یہ تو ہم لوگوں کے احساسات و جذبات ہیں۔ ہمیں اس بات کا اندازہ

لگانا چاہئے کہ اس وقت کے پیر بھائیوں کو حضور کے مسند نشینی ہونے پر کس قدر اطمینان حاصل ہونا ہوگا۔ انہوں نے تو خواجہ غریب نواز کی زیارت سے پہلے یا کی شمع روشن کی تھی۔ وہ تو ثمانی صاحب ایسے لاثمانی کمالات والے بزرگ سے فیضیاً ہوئے تھے۔ ان کا معیار زیادہ بلند، زیادہ پاکیزہ اور زیادہ قابل اعتماد تھا۔ اس لئے ہمیں ان کے تاثرات کا کھوج لگانا چاہئے۔ مارچ ۱۹۱۸ء کے رسالہ "صوفی" میں "فاضل فضل آشنا سید محمد فضل شاہ" کے عنوان سے جناب سیما ب واری کی ایک مرقع نظم چھپی تھی جو حضور کی مسند نشینی سے متعلق ہے۔ اسے یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین خود رائے قائم کر لیں۔

بشائستگی سے
ملاحظہ فرمائیں

| | |
|--------------------------------------|--|
| آیہ وجود و سخا سید محمد فضل شاہ | مایہ فضل و عطا سید محمد فضل شاہ |
| مسند آرائی و لاسید محمد فضل شاہ | بزم پیرائے و فاسید محمد فضل شاہ |
| حامل علم و حب سید محمد فضل شاہ | مائل صدق و صفاسید محمد فضل شاہ |
| فاضل فضل آشنا سید محمد فضل شاہ | عامل با صد عمل میں کامل و انائے فن |
| دکھ بھرے درد کی دوا سید محمد فضل شاہ | درد و عصیاں کا دوا و فکر نسیاں کا علاج |
| بن گئے مشکل کشا سید محمد فضل شاہ | جیدی ہو کر ہزاروں مشکلیں آسان کیں |
| صوفیوں میں با صفا سید محمد فضل شاہ | مرشدوں میں بے یا اہل طلب میں بان خدا |
| مرتبہ سادات کا سید محمد فضل شاہ | آپ کی ذات مقدس سے نمایاں ہو گیا |
| جب ہوئے جلوہ نما سید محمد فضل شاہ | مسند پاکِ خلافت کی فضیلت بڑھ گئی |
| راہنما ہیں راہنما سید محمد فضل شاہ | پیروی میں جدا مجد کی جو ہیں سرگرم کا |
| سایہ فضل خدا سید محمد فضل شاہ | پایہ زہد و ریاضت سے ہوئے سب کے لئے |
| آپ کا ظل عطا سید محمد فضل شاہ | تاقیامت خاد مومن کے سر پہ ہو سگیا |
| ہیں قسیم میکہ سید محمد فضل شاہ | میکشان بادہ عرفاں چلو سا غریب |

طے کرادیں گے پکار جام صہبائے فنا
 راہ تسلیم و رضا سید محمد فضل شاہ
 آپ کے ور پر کبھی حاصل رسائی ہوئے
 ہوا اگر قسمت رسا سید محمد فضل شاہ
 غائبانہ سن کے یہ سیما ابھی آپ کے
 معتقد ہے آپکا سید محمد فضل شاہ

اس بات کی چنداں ضرورت نہیں کہ ان اشعار کی مزید تشریح کی جائے۔ قصہ کوتاہ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے روشن دل، روشن دماغ اور روشن ضمیر لوگ کہتے تھے۔ ہمارے لئے سایہ فضل خدا سید محمد فضل شاہ مدظلہ العالی ہیں۔

منصف مزاج لوگ اور پیر بھائی آپ کی مسند نشینی سے بڑے مطمئن اور مسرور تھے۔ مگر ذمہ داریوں کے شدید احساس نے حضور کے اپنے دل کو ایک بار تو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ مسند نشینی دراصل تاج پوشی کے مترادف تھی۔ ایک وسیع سلطنت آپ کے حوالے کر دی گئی تھی جسے بخیر و خوبی قائم رکھنا اور اس کے کاروبار کو فروغ دینا آپ کا فرض تھا۔ آپ ایسے حساس نوجوان کے لئے یہ تمام ذمہ داریاں جس طرح اضطراب دل کا باعث بنیں آپ کی اس وقت کی ایک تحریر سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ اپنے بے مثل و بے نظیر باپ دادا کی شاندار روایات کو برقرار رکھیں و جو اضطراب محض یہی تھی۔ یہ پریشانی حقیقت میں ایک باہمت نوجوان کا اپنی ذمہ داریوں کو دیکھ کر نہایت ہی صالح اور امید افزا رد عمل تھا۔ آپ نے تحریر فرمایا:

حضرت صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کے وصال کو ایک سال منقضى ہو چکا ہے۔ جناب کی بے وقت رحلت کا صدمہ روح فرسا و جانگداز ایسا نہ تھا جس سے اس فقیر کو خاص طور پر متاثر اور متالم نہ ہونا پڑتا۔ ذمہ داریوں کا بارگراں، معاملات دینی و دنیوی کا انصرام، برادران طریقت و ارباب تصوف سے ہمہ دمی و تبادلہ خیالات، خانگی تعلقات کی وابستگی و استحکام وغیرہ، بیسیوں امور ہیں جن سے سابقہ پڑا۔ الحمد للہ کہ خدائے قدوس

وقیوم کی عنایت، نبی امی روحی فداہ کی شفقت اور حضرت خواجہ
غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ و حضرت ثانی غفران مآب کی روحانی امداد
و اعانت سے ثبات قدمی و استقلال میں کوئی تزلزل واقع نہ ہوا
اور خدمت کا فہم مسلمین و رشد و ہدایت طالبین صادقین میں کوئی
فروگزاشت نہ ہونے پائی۔

بحد اللہ جیسا کہ یہ سطور بتاتی ہیں اپنی قابلیت اور بلند و برتر شخصیت کی وجہ سے آپ
اپنی گراں بار ذمہ داریوں سے بڑی عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہو رہے تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے بعض لوگوں کے دل
میں سنگر شریف کے خلاف بغض و عناد پایا جاتا تھا۔ انہیں حسد تھا کہ کیوں سنگر
شریف کا کاروبار روز بروز فروغ پذیر ہے۔ اچانک ایک درگاہ قائم ہوئی تھی اور
امصار و دیار میں بہ طرف اسی کا غلغلہ تھا۔ سنگر شریف کے قیام سے بعض لوگوں کی
خاندانی وجاہت ماند پڑ گئی تھی۔ اور اس لئے ان کے دل میں درد تھا۔ بعض اہل عرض
نے دجل و بلبیس سے کام لے کر پیری مریدی کا سلسلہ قائم کیا ہوا تھا۔ جلاپور شریف
میں نوار توحید و رسالت کی تابانی کی وجہ سے ان لوگوں کی گرم باناری نہیں رہی تھی
ان لوگوں کے دل میں بھی بغض و عناد تھا۔ قبلہ ثانی صاحب کے زمانہ میں بھی حاسدین
نے نکتہ چینی جاری رکھی۔ اب جب حضرت ثالث گدھی نشین ہوئے تو انہوں نے
سمجھا کم عمر ہیں۔ سنگر شریف کو ضعف پہنچانے کا اب موقع ہے۔ حسد کی آگ میں
جلنے والوں نے آپ پر اعتراضات کئے اور غلط بیانیوں اور افترا پر دازیوں کا
جہاں پھا دیا۔ آپ ناکرہ گناہ اور معصوم تھے۔ مگر بداندیشیوں کو اس سے کچھ غرض
نہ تھی۔ انہوں نے اپنے ہتھکنڈے جاری رکھے۔ آپ کی طبیعت سخت منغوض
ہوئی۔ اپنے علی رؤس الاشہاد حقیقت مستورہ کو بے نقاب کرنا چاہا۔ اپنے ماتے تھے۔

سو ختم سو ختم این راز بہفتن تاکے

مگر احباب اور خیر سگال سید راہ ہوئے۔ اور آپ نے خاموشی اور استغنا کو ترجیح دی
اصل بات یہ تھی کہ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے چھڑی ہوئی تھی اور حکومت برطانیہ
ہندوستان سے ہی افواج اور سامان رسد میدان جنگ میں بھیج رہی تھی۔ اس لئے
اہل ہند کو مطمئن رکھنے کے لئے حکومت از خود با اثر خاندانوں پر نظر التفات ڈال ہی
تھی۔ حضرت سجادہ نشین مدظلہ العالی کے برادر اصغر جناب صاحبزادہ سید محمد ہر شاہ
صاحب کو مبدعہ فیاض سے خاص قابلیت اور وجاہت عطا ہوئی تھی۔ وہ اسرا
ہند اور گورنر پنجاب نے ان کی قدر و منزلت کو بھی ملحوظ رکھنا شروع کر دیا۔ قبلہ سجادہ
نشین صاحب اس قدر و منزلت کو خداوند کریم کی عنایت سمجھتے تھے۔ آپ کا خیال
تھا کہ ملک انگریز کا نہیں۔ ہمارا اپنا ہے۔ اگر ہمیں ہمیں اقتدار حاصل ہوتا ہے تو یہ
ہمارا حق ہے۔ انگریز کا دین نہیں۔ انگریز تو غاصب ہے۔ اسے کیا حق حاصل ہے
کہ تمام اختیارات پر قابض رہے۔ حاسدوں کو لنگر شریف کا یہ اقتدار بہرگز نہیں
بھاتا تھا۔ وہ کہتے تھے۔ حضرت ابوالبرکات کے وہ خیالات ملی اور جذبات
اسلامی کہاں گئے۔ حالانکہ وہ جذبات اور خیالات اسی طرح بدستور موجود
تھے۔ جس طرح اس سے پیشتر تھے۔ اور ان کا اظہار اپنے وقت پر بڑی شد و مد کے
ساتھ ہونے والا تھا۔ بہر حال حاسدین اور معاندین نے اپنی طرف سے مخالفت
میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔

چراغی اکسایز و برسر و زو ہر آں کو قنف زندہ روشن سو
چراغ فضل ایزدی سے جلا پیر شریف میں روشن ہو اس کی صوفشانی برابر
ترقی پذیر رہی۔

حضرت سجادہ نشین کا پہلا عقد قبلہ ثانی صاحب نے حضرت اعلیٰ کی

عقود اول ثانی

خواہش کے مطابق سید نواشاہ صاحب کی دختر نیک اختر سے کیا تھا۔ مگر وہ انتقال فرما چکی تھیں۔ اس لئے آپ کا نکاح ثانی اپریل ۱۹۱۷ء میں مکان شریف ضلع امرتسر میں حضرت حاجی میر آل رسول صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔ جو خاندان نقشبندیہ کے خاص بزرگوں میں سے تھے۔ حج کو شریف لے گئے تو وہیں حجاز میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور گھر واپس نہ آئے۔ یہ صاحبزادی صاحبہ کسی قدر عربی سے بھی واقف تھیں۔ اور فارسی میں خاص کمال رکھتی تھیں۔ حضرت سید برکات احمد صاحب آپ ہی کے لخت جگر ہیں جو ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب ولی عہد تھے اس لئے لنگر شریف میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ پیر بھائی صاحب بیچد مسرور ہوئے۔ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر "صوفی" نے اس ولادت باسعادت کی تقویب پر یہ قصیدہ تہنیت بطور مسدس لکھا ہے

صاحبزادہ کا ولادت

نئی سنی شادمانی آج کیوں عالم پٹاری ہے زلے رنگ میں کیوں موجہ باد بہاری ہے
نہ قمری کو نہ بلبل کو چمن میں بے قرار ہے جدھر دیکھو ادھر دریا جشن عیش جاری ہے

شجر پر کیف ہیں شاخیں نظر آتی ہیں مستی میں

کھلا ہے کیا کوئی تازہ شگوفہ باغ، مستی میں

بہاریں سینکڑوں آئیں گئیں گلزار میں بتک دکھائے رنگ سبز کنے بہت کہسا کیوں تک
ہزاروں انقلاب آئے نگاہ یار میں بتک ترنگیں آئی ہیں لاکھوں دل پر شمار میں بتک

مگر کچھ آج کل عالم مسرت کا نیا سا ہے

کہ رنگ جذبہ عیش و طرب نکھرا ہوا سا ہے

سنو بلبل کے نغمے میں نیا اعلان ہے کوئی وہ دیکھو وہاں گل میں نیا سامان ہے کوئی

کوئی مرغ چمن سکتے ہیں جیران ہے کوئی نیا اس باغ میں آیا ہوا مہمان ہے کوئی

بنایا شاخ نخل گل نے سہرا گل فشانی کا

کیا شبنم نے صحن باغ میں چھڑکاؤ پانی کا

گھٹا رحمت کی اٹھی جھوم کر ابو بہار آیا
و فدیہ کیف سے زکس کی آنکھوں میں خمار آیا

پئے گیسوئے سنبل و عن مشک تار آیا
منادی بوستاں کے چپے پر پکار آیا

زیارت کو چلیں سب نو گل عظمت ہو ا پیدا

خدا کے فضل سے سرمایہ برکت ہو ا پیدا

جانان جہن اس کو چین آرا سمجھتے ہیں
تمام اہل ولا اللہ کا پیارا سمجھتے ہیں

اگر ماں باپ اس کو آنکھ کا تارا سمجھتے ہیں
تو جو ہیں دیکھنے والے وہ مہ پارہ سمجھتے ہیں

خدا نے برکتوں والا بنایا اس کو بے حد ہے

اسی نسبت سے اس کا نام بھی برکت اٹھتے

ابو البرکات کفایت جو سید فضل شاہ کی تھی
خدا کے فضل سے معنا بھی اب ہو گئی پوری

خدا نے چاند سا بیٹا دیا رحمت یہ اس کی
لا کرتا ہے شاہوں کو ہی ایسا شاہزادہ بھی

تجلی سے ہے گھر پلور رشک ماہتاب ایسا

گہر بھی اس کے آگے ماند ہیں محل خوشاب ایسا

گلستان میں اسی کے فیض سے سر سبز لائے ہے
اسی کے پرتو روشن سے محفل میں اجالائے

ہویدا اس کے چہرے سے حیا حق تعالیٰ ہے
جہیں کہتی ہے یہ بچہ بڑی تقدیر والا ہے

شرافت کے ہیں سب آثار پیدا اس کی صورت

یہ وہ خورشید ہے نکلا ہے جو برج خلافت سے

عطا ہو مہر حضرت اس کو خدا سے التجا یہ ہے
کہ اک باغ تقدس کا نہال پر فضا یہ ہے

نہ ہو غم کوئی اس کو آرزو صبح و مسایہ ہے
تصوف میں یہ بچوں کے روح صوفی کی فطرت ہے

ابھی عمر اواز عرصہ عشر فنوں باوا

بند و بندہ خواجہ ابابا www.marfaj.com سزوں باوا

مسند نشین ہوتے ہی جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ کو مصر و فیتوں اور پریشانیوں نے گھیر لیا تھا۔ اس لئے مضمون نویسی جس کے لئے اطمینان دلجی اور یکسوئی و فراغت لازم ملزوم ہیں قریباً سال بھر متروک رہی۔ البتہ اس دوران میں آپ نے ملک محمد الدین صاحب کے بڑھتے ہوئے اصرار کی وجہ سے کتاب "سیرۃ النبیؐ" کا مقدمہ قلمبند فرمایا۔ اس کی تاریخ تحریر ۱۵ شوال المکرم ۱۳۲۵ھ ہے گو یہ مقدمہ کتاب قبلہ ثانی صاحب کے وصال سے کوئی پانچ ماہ بعد لکھا گیا یعنی اس وقت جبکہ اپنے والد ماجد سے جدائی کا غم تازہ تازہ تھا۔ ملک صاحب کی یہ تصنیف کمال تحقیق، حسن ذوق اور حسن طباعت کی آئینہ دار تھی۔ بڑی مقبول ہوئی حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات طیبہ، آپ کی سیرت و فضیلت اور کرامات کے سلسلہ میں اپنی نوعیت کی یہ بے نظیر کتاب تھی۔ متعدد نامور شعراء مثلاً علامہ اقبال، اکبر مرحوم، شبلی نعمانی، عزیز لکھنوی، سیما بھارثی، چوہدری دلورام کوثری، خلیق دہلوی وغیرہ کی نظیمیں اس میں موجود تھیں۔ اور مقدمہ نے تو اسے چار چاند لگا دیئے تھے۔

اپنے مقدمہ میں لکھا کہ انسانیت کا معیار اخلاق اور صرف اخلاق ہیں تمول و ثروت ظاہری طمطراق، حکومت و سلطنت ان کے مقابلہ میں بالکل بے حقیقت اور ناپائیدار ہیں۔ اس لئے ہیبت و سطوت اور رعب اقتدار کے باوجود بڑے بڑے شہنشاہوں کے نام موت کے بعد صرف اوراقِ پارینہ میں باقی رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح محض علم بھی بے کار شے ہے۔ اخلاق عالیہ سے عاری علماء اور فضلاء کو اپنی غیر معمولی قابلیت کے بل بوتے پر اپنے زمانہ میں شہرہ آفاق ہوتے ہیں۔ لیکن بعد میں دنیا انہیں بالکل فراموش کر دیتی ہے۔ لیکن جہاں علم کے ساتھ اخلاق عالیہ بھی شامل ہوں، جہاں علم و عمل مل کر وجود انسانی میں

ملکوتی صفات پیدا کر دیں۔ اور جہاں دولت و ثروت کے باوجود دل فقیر ہو گیا
 موت اور فنا کو دخل نہیں۔ جسمانی موت آجاتی ہے لیکن ایسے نفوسِ قدسی
 حیاتِ دوام کا طغرائے اقلیازہ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں میں اس
 طرح اپنا گھر بنا لیتے ہیں کہ پھر ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ اسی حقیقت ثابتہ کے
 زیر نظر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام محاسنِ اخلاقِ بڑے واضح طور پر عملی صورت
 میں اپنی امت کے سامنے پیش کر دیئے اور اپنی مبارک زندگی میں ان کے بغیر
 اور کسی دنیوی دولت اور اقتدار سے سرکار نہ رکھا۔ حضور کے خلفاء اور متبعینؓ
 اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی یہی طریق کار اختیار کیا۔ کیونکہ اخلاق کی ترصیح اور
 اعلیٰ اوصاف کی تخلیق میں افادۂ بنی نوع مضمحل تھا۔ انسانیت کی تکمیل صرف
 اسی طرح ممکن تھی۔

اب چونکہ صرف اعلیٰ اخلاق، پاکیزہ زندگی اور برگزیدہ خصائل سے انسان کو
 بقائے دوام کا ثمر حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے مکارمِ اخلاق کی بے بہا نعمت
 فرقہ رجال کیلئے مختص نہیں بلکہ طبقہ نسواں بھی اس میں برابر کا حصہ دار اور شریک
 اور بعض عورتوں نے محاسنِ اخلاق کی وہ نظیر قائم کر دکھائی ہے کہ آج مشقی سے مشقی
 اور پرہیزگار سے پرہیزگار مرد بھی ان کے نقشِ قدم کی گرو راہ تک نہیں پہنچ سکتے
 وہ اپنی اعلیٰ اسیرت، تبحر خیز قوتِ ایمانی اور درجہ کمال کی عفت و عصمت سے
 تاریخ کے اوراق پر غیر فانی نشانات قائم کر چکی ہیں۔ از انجملہ سیدۃ النساءِ فاطمہ
 الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرافتِ حسبی اور نجابتِ نسبی کے اعتبار سے دنیا
 بھر کی عورتوں کی سراج ہیں اور اپنی غیر معمولی متورمانہ و متقیانہ زندگی سے سب
 عورتوں کی مایہ افتخار ہیں۔ شہنشاہِ یثرب کی پیشگاہ سے اسی لئے انہیں "خالۃ جنت"
 کا خطاب ملا۔ جلس لطیف اس پر جس قدر ناز کرے بجا ہے۔ عورتوں کو چاہئے کہ اپنی

ایک بجنس اور سرتاج بی بی کی پیروی سے سعادت دارین حاصل کریں اور مردوں پر واجب ہے ایک عورت کی اعلیٰ ترین اخلاق پر مشتمل زندگی سے سبق حاصل کریں

ترجمہ کار بہتا تھا تسلیم رضا میں ان کا دل لگا رہتا تھا بس یاد خدا میں ان کا
 وگمگایا نہ قدم ساہ و فسا میں ان کا نام آیاتہ کبھی فرو خط میں ان کا

ہیں وہ خاتون جناب سیدہ با اعزاز
 ان کے صدقے میں ہوا دین الہی جتنا

ذکر حبیب کے عنوان سے آپ کا نہایت ہی ایمان افروز مقالہ ۱۹۱۸ء میں رسالہ
 صوفی کے عرس نمبر میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے ضمناً مسند نشینی کے بعد کے
 اپنے ذاتی حالات کی طرف کچھ اشارات کئے تھے۔ جن سے استفادہ کر کے ہم نے
 پیشتر ان دو ایک پیرے سپرد قلم کئے ہیں۔ علاوہ بریں مولوی ظفر علی خاں ایلیہ
 سنا ملاحظہ صبح اور ان کے شریک کار علامہ عمادی صوفیائے کرام کے
 مقدس گروہ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ تصوف پر کئی اعتراضات کرتے تھے
 اور کہتے تھے کہ موجودہ تصوف ہبائیت آموز اور بالکل خلاف شریعت ہے۔ ان کو مسکت جواب
 دینے کے لئے آپ نے عقیدت کے رنگ میں ڈوب کر بڑے جذبات انگیز پیرائے
 میں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت بیان کی اور بتایا کہ کس خوبی سے آپ
 نے ایک طرف سنت نبویؐ کو زندہ کیا اور دوسری طرف طریقت کی درختوں
 روایات کو تازہ کیا۔ آپ نے فرمایا حضرت اعلیٰ اگلے زمانے میں نہیں گذرے بلکہ
 ان کی وفات کو صرف دس سال کا قلیل عرصہ منقضی ہوا ہے۔ اور ان سے مستفیض
 ہونے والے ہزاروں تعداد میں موجود ہیں۔ آپ نے مولوی ظفر علی خاں کو کہا کہ اگر
 مکاشفہ کی طلب دل میں ہے اور خواہش ہے کہ سینہ تجلیات الہی کا خزینہ بنے
 تو فضول تصنیفات مثلاً فسانہ لندن کے ترجمہ کو ترک کر کے اپنے اوقاف

ذکر حبیب مقالہ

مولانا ظفر علی
 اور علامہ عمادی
 کو جواب

کا کثیر حصہ یاد الہی میں صرف کیا جائے۔ اس الہامی مضمون سے ہم نے اب تک
 کا استفادہ کیا ہے اور باب اول میں حضرت اعلیٰ کی سیرت مبارکہ کے متعلق
 اقتباس بھی اسی سے حاصل کیا ہے۔ اس لئے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

غالباً اگست ۱۹۱۸ء کی بات ہے۔ جہلم کی انجمن حنفیہ نے ایک تبلیغی جلسہ
 منعقد کیا۔ غرض یہ تھی کہ اہل سنت و الجماعت کو دیگر فرق و مسالک پر جو تفوق
 اور امتیاز حاصل ہے۔ اُسے ظاہر کر کے امام بہام نعمان بن ثابت علیہ الرحمۃ کے
 تجویز کردہ طریق عمل پر مسلمانوں کو گام فرسا ہونے کی ترغیب دی جائے تاکہ فلاح
 کو یقینی اور فوری واپسی حاصل کر سکیں۔ سکریٹری اور صدر انجمن نے جناب ابوالبرکات
 مدظلہ العالی کو بڑے اخلاص و محبت کے ساتھ جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی
 کہ مجمع میں لب کشائی کا حضور کے لئے یہ پہلا موقع تھا۔ ہندوستان کے قابل
 ترین دل و دماغ اس میں موجود تھے جنکی علمیت اور فضیلت مسلمہ تھی۔ حضور نے
 اپنے مصلحت جہالت کو دوسرے محبت کے عنوان سے قلمبند فرما کر روانہ کر دیا اور
 رکاوٹوں اور بندشوں کے سدبناہج نہ سکنے کی معذرت اس شخص سے فرمائی کہ
 نذر اسکی بیقرار ازمن پذیر گرنے بے اختیار ازمن پذیر

یہ خطبہ واقعی گریہ بے اختیار تھا اور اشک بے قرار کا اندرانہ

ان ایام میں مسلمانوں کی حالت سخت زبوں تھی۔ وہ صرف انگریز کے غلام
 نہیں تھے بلکہ انگریزوں نے ہندوؤں کو بھی ان پر مسلط کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو بجا
 اور کاروبار سے محروم کر دیا گیا تھا۔ بالخصوص بنگال میں بندوبست و وامی کے فیصلے

سے پچھلے ستمبر اکتوبر، نومبر ۱۹۱۸ء کے رسالہ صوفی میں بالاقساط چھپا تھا۔ اور بعد میں ملک محمد الدین صاحب
 نے ایک رسالہ کی صورت میں چھپوا دیا۔ حضور کا یہ پہلا خطبہ مبارک تھا۔ اور مطلوبہ صورت میں

اب بھی انگریزوں سے مل جاتا ہے۔ ۱۱

مسلمانوں سے زمینیں چھین کر انہیں برہمن کلکٹروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں لینے سے بالارادہ گریز کیا جاتا تھا۔ انگریزوں نے شروع سے ایسا نظام تعلیم رائج کیا تھا جو مسلمانوں کی روایات کے بالکل خلاف تھا۔ اس عہد کے تعلیمی اداروں کو حکومت کی طرف سے جو جاگیریں ملی ہوئی تھیں وہ چھین لی گئی تھیں۔ مسلمان اہل ثروت نے ان اداروں کے لئے جو اوقاف چھوڑے تھے وہ بھی دجل و فریب سے غصب کر لئے گئے تھے۔ اسلامی علوم سے باخبر مسلمان بیکار ہو چکے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے حکومت کے سارے عہدے اور تمام کاروبار ان کے لئے وقف تھے۔ نئے نظام تعلیم نے جو جدید تعلیمیافتہ طبقہ پیدا کیا تھا۔ ملازمتیں صرف اسی کو ملتی تھیں۔ انگریز نے بڑی عیاری سے کام لے کر مسلمانوں کو دولت اور تعلیم سے محروم کر دیا تھا اور قدرتی طور پر افلاس اور جہالت نے ذہنی اخلاقی اور دینی لحاظ سے مسلمانوں کو اسفل ترین طبقے میں پہنچا دیا تھا۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان کے عنوان سے ایک نیک دل انگریز مسٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ صرف ۱۰ سال پہلے ایک مسلمان شریف زاوے کے لئے غریب ہونا ناممکن تھا اب اس کے لئے دولت مند رہنا ناممکن چکے۔ وہ کہتا ہے۔ میں نے کئی ایسے خاندان دیکھے ہیں۔ جو بادشاہوں کی اولاد ہیں۔ مگر اب بے خانماں ہیں اور ان کے لئے خون پینے کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں۔ نیک فطرت ہنٹر لکھتا ہے۔ اس طرح ایک برتر نسل اور برتر قوم کو ذلیل کر دیا گیا ہے جو ذہنی اور اخلاقی برتری رکھتی تھی اور جس کا اثر اہل عالم سے خراج تحسین وصول کر چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کو جس طرح ذلیل و رسوا کیا گیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

Our Indian Musلمان" by W. W.

Hunter J. C. S. کتاب کاروں میں بھی ترجمہ ہوا تھا۔

یہ سب کچھ اس بات کی سزا تھی کہ مسلمان ہندوستان میں کیوں ایک ہزار سال سے پھنی زیادہ ہندوستان میں حکومت کرنے کی راہ لیں۔
 حکمران رہے تھے۔ صلیبی جنگوں میں ان کے آباؤ اجداد نے عیسائی افواج کو کیوں شکست دی تھی۔ اب بھی ان کے دلوں میں حکومت حاصل کرنے کی آرزو کیوں موجود تھی۔ ۱۸۵۷ء میں ان لوگوں نے جنگ آزادی میں کیوں واوشجاعت دی تھی۔ آؤ ان کا جذبہ جہاد ہمیشہ کیوں بیدار رہتا ہے۔ انگریز اور ہندو دونوں اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ مسلمانوں میں آخری رقی حیات بھی باقی نہ رہنے دی جائے۔ اور انہیں اس طرح مفلس اور جاہل بنا دیا جائے کہ یہ ہندوستان میں شور و لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں لیکن۔

اسلام کی فطرت میں قدرتی لچک ہے اتنا ہی یہ بھرنے کا جتنا کہ وہاں گئے مسلمان کوشاں تھے کہ فضل ربی سے وہ اقوام عالم میں وہی بلند اور برتر مقام حاصل کریں جو ان کے آباؤ اجداد کو حاصل تھا اور ان کا دین اسی طرح سر بلند ہو جس طرح پہلے تھا۔ ۱۹۱۸ء بمقام جہلم انجمن حقیقہ کا اجلاس اسی مبارک جدوجہد سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر چونکہ مسلمان ایک عرصہ کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہو رہے تھے انہیں ابھی کوئی صحیح راہ عمل نہیں سوچتی تھی۔

ہمارے مخدوم اور آقا جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب ام اللہ برکات ہم عہد طفلی ہی سے ان حالات پر غور فرما رہے تھے۔ سفر حج کے دوران میں بھی مسلمانوں کا عروج و زوال آپ کے لئے موضوع فکر رہا تھا اور آپ حالات کا جائزہ اسی نقطہ نگاہ سے لیتے رہے تھے۔ مسند نشین ہونے کے بعد بھی آپ اسی غور و فکر میں مبتلا تھے۔ دوسروں کے خیال کے مطابق مسلمان اس طرح ترقی کر سکتے تھے کہ وہ سائنس اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کریں۔ ریاضی اور طبیعیات میں درجہ کمال پر پہنچیں۔ صنعت و حرفت میں آگے بڑھیں۔ بعض کے خیال کے مطابق

یورپ کی گورنہ تقلید، فاتح اقوام کے طریق معاشرت سے مشابہت اور ہمسائیگی قوموں کے رسوم کی اتباع مسلمانوں کو ورطہ مذلت سے نکال سکتی تھی۔ گوشہ گنہامی سے خارج کر سکتی تھی اور پستی کی عمیق ترین خندق سے باہر لاسکتی تھی۔ مگر اپنے اس اولین خطبہ میں جناب ابوالبرکات نے فرمایا :-

”ہم ترقی کا زینہ، اوج ارتقا کی سیر طریقی اور شاہد مقصود سے ہمکنار ہونے کا ذریعہ اسلامی نقطہ خیال سے صرف خدا، اس کے رسول اور اعلیٰ کلمۃ اللہ سے محبت ہے۔“

آپ نے متنبہ فرمایا :-

”یا درکھو! اور دل سے یاد رکھو! کہ اگر تمہارے امراض و اسقام کیلئے کوئی نسخہ مفید ہو سکتا ہے، تمہارے آلام و ہجوم کے لئے کوئی نشی تسلی بخش ہو سکتی ہے۔ اور تمہارے دردِ دل اور سوزِ جگر کے لئے کوئی مرہم کارگر ہو سکتی ہے تو قرآن کی تعلیم پر عمل ہونا، نبیؐ کی فرمان کو آویزہ گوش بنانا اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کی خاطر جان کو قرب کر دینا ہے۔“

آپ درسِ محبت دے رہے تھے۔ آپ نے دلوں کو محبت الہی سے معمور کرنے کا پیغام دیا۔ کیونکہ محبت ہو تو اس ذات سے جو لازوال ہے، ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ جس کا حسن ابدی ہے۔ جو ہمہ کس، ہمہ دان اور ہمہ گیر ہے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے دل و دماغ میں رچا بسا لینے کے لئے فرمایا۔ کیونکہ رسوا کی فریاد برداری اور خدا کی محبت باہم لازم ملزوم ہیں۔ آنحضرتؐ ہی کے طفیل ہمیں ہدایت کا راستہ ملا۔ اور حضورؐ کی زندگی کا مقصد حیات کی غرض اور زیست کی علت عالی صرف یہ تھی کہ ان کی امت، ان کے

پیر و احد ان کے نام لیوا دین اور دنیا دونوں میں سرخرو اور کامران رہیں حضور
 کی محبت جب تک دل میں اپنے باپ، بیٹے اور دنیا کے انسانوں کی محبت
 سے زیادہ نہ ہو کوئی شخص دولت ایمان سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ جناب ابوالبرکات
 نے قرآن کریم سے محبت کی دعوت بھی دی۔ کیونکہ اس کے قوانین کسی خاص وقت
 اور زبان کے لئے مخصوص نہیں اور نہ ہی کسی فرد معین یا قوم واحد پر ان کا دائرہ
 عمل ہی محدود ہے۔ اس کے معارف و وثائق، حقائق و وقائع کسی فوق الاطلاق
 طاقت کے وجود پر شاہد ناطق ہیں۔ اور یہ اس لئے واجب العمل ہے کہ اس کے
 نازل کرنے والے کا علم سب پر حاوی، اس کی معلومات بے انتہا وسیع اور
 اس کی تشخیص بالکل درست ہے۔ آپ نے تمام ارکان اسلام نماز، روزہ، حج
 زکوٰۃ کی پابندی اس خلوص اور فرط محبت سے کرنے کو کہا کہ دوسرے لوگ دیکھیں
 تو مسلمانوں کو جنون اور فاقر العقل کہیں۔ یہی مجتہدانہ کیفیت، عشق و محبت کا یہی نقطہ
 آخری جو ظاہر بین نظروں میں جنوں دکھائی دیتا تھا۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا
 ماہر الامتیاز تھا۔ آپ مسلمانوں کو جنون کی اسی صفت سے متصف دیکھنا
 چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا "مسلم نما کافروں" کی زندگی ترک کرو اور صدق و صفا
 اختیار کر کے مخلص مومن بن جاؤ۔ اپنے دلوں میں قوتِ ایمانی اور روحانیت
 پیدا کرو۔

آزمائش کے طور پر، امتحان کے طور پر، ایک مہینہ نہیں، ایک
 دن نہیں، ایک ساعت ہی خدا کی طرف بڑھو مگر خلوص نیت سے
 ہزار نہیں، سو نہیں صرف ایک ہی سجدہ اس کے سامنے کرو۔ مگر اس
 کو حاضر ناظر جان کر۔ اور زیادہ نہیں ایک منٹ ہی اس پر پورے عین
 واعتماد کرو مگر حضور دل سے۔ تو پھر اگر تمہیں ذوقِ عبادت، لذت

محبت اور اطمینانِ قلب ہمیشہ کے لئے اس کا نہ بناوے تو ہم
 ذمہ دار ہیں“

آپ نے مزید فرمایا:

”تمہاری سرکشی تمہاری روگردانی، تمہاری بے دلی اسی وقت تک
 ہے جب تک تمہارا کام و دہن شرابِ محبت کی حلاوت سے محروم
 ہے۔ ورنہ جب اس کے ایک دو گھونٹ تمہارے حلق سے نیچے اترے
 نور ایمان کی جھلک تمہیں دکھائی دے گی اور تمہارے کان درسِ محبت سے
 آشنا ہوئے تو پھر“

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

اختتام پر آپ نے بصدائق اور بصدور و کرب فرمایا:-

آہ میری آنکھیں جن موتیوں کی تلاش میں ہیں وہ بالکل نایاب ہیں۔
 آہ! میرے کان ہن انصاریٰ اِی اللہ کی دعوت پر نھن
 انصار اللہ کی جو صدائے دلنواز سننے کے لئے بیتاب ہیں وہ
 مفقود ہے۔ اور آہ میرا دل جن قلوبِ زکیہ و افرادِ طیّبہ کی جستجو میں
 سرگرداں ہے ان کا نشان تک نہیں پایا جاتا۔

فَمَا لَهُمْ اَوْلَاءَ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيثًا

تہذیبوں کے نشوونما اور زوال و انحطاط کے سلسلہ میں فلسفہ تاریخ ایک

عجیب نکتہ بیان کرتا ہے۔ مسلمان مورخ ابن خلدون نے بھی اس پر بحث کی ہے

اور اس صدی کے عالمگیر شہرت رکھنے والے مورخ ٹھائین بی نے بھی اپنی مورخہ

تصنیف میں اس کی بڑے جذبات انگیز پیرائے میں توضیح کی ہے۔ ٹھائین بی نے

اپنی تائید میں مشہور جرمن مورخ نے سپنگر کا قول بھی نقل کیا ہے۔ سپنگر کا موضوع مطالعہ تہذیب کا زوال

فلسفہ تاریخ
 ایک عجیب نکتہ

تھا۔ اور اس ضمن میں انہوں نے بڑی عالمانہ اور پرمغز بحثیں کی ہیں۔ جہاں تک
برگساں کا تعلق ہے انہوں نے تخلیقی ارتقا پر بڑے حکیمانہ انداز سے بحث کی
ہے۔ اور بتایا ہے کہ زندگی کس طرح ارتقا پذیر رہتی ہے۔ ٹائین بی ان تمام افکا
و آرائے کو سامنے رکھ کر ادیبانہ چاشنی کے ساتھ دنیا کی تمام تہذیبوں کی پیدائش
ان کے نشوونما بقا و دوام اور عروج و زوال کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جو نتیجہ اخذ
کرتے ہیں ہمیں صرف اس سے غرض ہے

وہ کہتے ہیں کہ ہر تہذیب عظیم انسانوں کی مریہون منت ہوئی ہے جو
ذہنی، اخلاقی اور روحانی لحاظ سے دوسرے تمام افراد سے برتر ہوتے ہیں۔ ان
کی روح میں اس قدر عظمت، پاکیزگی اور حرارت موجود ہوتی ہے کہ ان کے گروپوش
کے لوگ ان کے ہر قول اور فعل سے بے حد متاثر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ہمعصرین
کو فوق الفطرت انسان نظر آتے ہیں۔ اس لئے وہ ان کی ایسے خلوص سے پیروی
کرتے ہیں کہ ان کے اتباع کرنے والوں کے اپنے دلوں میں ایک پرسوز احساس
عبت و یگانہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلے وہ بکھرے بیٹے دانوں کی صورت میں
ہوتے ہیں اب ایک لڑھی میں پروئے جاتے ہیں۔ پہلے وہ احساس سے
عاری ہوتے ہیں۔ اب حیرت انگیز ذکاوت حس کے مالک بن جاتے ہیں۔ ان
کے دل اور دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ ان کے سینے درد سے معمور ہو جاتے ہیں
ان کے وجود میں ایک برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان کی زبان کی گت
فصح اور بلیغ بن جاتی ہے۔ اس طرح ایک مردہ قوم زندہ، متحرک، متحد اور
گواہ ہو جاتی ہے۔ ایک بیاد معاشرہ جنم لیتا ہے جو تہذیب کے ارتقائی مراحل
طے کرنا شروع کر دیتا ہے۔ نئے نئے علوم و فنون ایجاد ہوتے ہیں اور ایک
نہایت ہی حیرت انگیز تہذیب پھانے پھولنے لگتی ہے۔ اسباب اور اولیا

ہمیشہ اسی طرح تاریخ میں نئی تہذیبوں کے مکتس اور موجد بنے ہیں۔

جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی کا محولہ بالا اور
 محبت بالکل اسی نوعیت کا ہے۔ آپ اسلامی معاشرہ کو اسی روح سے
 سرشار کرنا چاہتے تھے جس نے قرون اولیٰ میں مسلمانوں کے دلوں میں ایک
 انقلاب انگیز پھیل پیدا کر دی تھی۔ خوش قسمتی سے حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز
 رحمۃ اللہ علیہ نے چودھویں صدی ہجری کے ربیع اول میں اپنی روحانی فضیلت
 اور برتری کا سکہ ہزار ہا افراد کے دلوں پر بٹھایا تھا اور ان کے سینے ایک عجیب دل
 خوش کن اور امید افزا احساس سے معمور ہو چکے تھے۔ اور پھر خواجہ غریب نواز
 نے بکمال شفقت و مہربانی اپنے نبیرہ بلند اختر جناب ابوالبرکات کو بھی روحانیت
 موفورہ کا خزینہ عطا کیا تھا خواجہ غریب نواز کی طرح حضور کے نفس گرم سے بھی لوگوں کو گل
 دولت سوز حاصل کر رہے تھے۔ اس لئے کسی تمدن افروز اور تہذیب پرور اقدام
 کے لئے ذریعہ مواقع موجود تھے۔ حضور نے ان سب کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تھا
 اور آپ اپنے زور قلم، جوش خطابت اور حسن تدبیر سے کام لے کر ان مواقع سے
 فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ اپنے سوز دلوں کی دولت عام کر
 کے تہذیب اسلامی کے کاروان کو پھر حرکت میں لائیں اور اسے ایسی راہ پر
 گامزن کر دیں جو عزت اور سر بلندی کی منزل تک لے جاتی ہو۔ لیکن ابھی
 کچھ دیر باقی تھی۔ آپ موزوں اور مناسب وقت کے انتظار میں تھے۔ لہذا
 اس بات کی طرف اپنے خطبہ کے اختتام پر مندرجہ ذیل شعر کے ذریعے آپ
 نے اشارہ کر کے خاموشی اختیار فرمائی۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اقتدرانہ

ورنہ در محفل زنداں خبر نے نیست کہ نیست

روضہ شریف کی تعمیر

حضرت اعلیٰ نور اللہ مضجعه کا وصال ۱۳۲۶ ہجری مطابق سنہ ۱۹۰۸ء میں ہوا تھا لیکن آپ کے شایان شان ابھی تک روضہ شریف تعمیر نہیں ہوا تھا۔ جس کمرے میں حضور کی نشست رہتی تھی اسی میں آپ محوِ استراحت تھے۔ قبر مبارک کے اوپر چادر پھی رہتی تھی۔ نیاز مند حاضر ہوتے تھے اور فیضیاب ہوتے تھے۔ ہر ایک کے دل میں آرزو تھی کہ جس طرح فقربین حضور کا مرتبہ بلند تھا۔ اسی طرح آپ کا عالیشان مقبرہ تعمیر ہو۔ قبلہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس غرض کے لئے سرمایہ پس انداز فرمایا تھا۔ اول آپ کو تعمیرات کے فنی اور معنوی خوبیوں کے متعلق بھی فطری طور پر خاص شعور حاصل تھا۔ مگر اپنی مبارک زندگی کے آخری چند سالوں میں آپ محویت اور استغراق کی وجہ سے روضہ شریف کی تعمیر کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ یہ شرف خداوند تعالیٰ نے جناب ابوالبرکات کی ذات بابرکات کے لئے مختص فرمایا تھا۔ قبلہ ثانی صاحب نے بڑی ہمت اور اولوالعزمی سے کام لے کر لشکر شریف کو استوار بنیادوں پر کھڑا کیا تھا۔ اب ترقی اور استقامت کے اس سلسلہ کو اسی عزم و ہمت کے ساتھ جاری رکھنا آپ کے قابل نحر فرزند و لبند کا کام تھا۔ حضور سند نشین ہوتے ہی تعمیر روضہ اطہر کی طرف توجہ شروع کر دی۔ سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ روضہ شریف کا نہایت ہی موزوں اور حسین و جمیل نقشہ تیار کرایا جائے۔ تاکہ جو عمارت تیار ہو وہ ایک طرف تو خوشگلی اور مضبوطی کے لحاظ سے عہد مغلیہ کی عمارات کے ہم پلہ ہو۔ اور دوسری طرف حسن و جمال کے اعتبار سے لگانہ روزگار ہو۔ اس قسم کا نقشہ تیار کرانے میں بڑی وقتیں پیش آئیں۔ قبلہ سجاد نشین صاحب کسی ایسے نقشہ نگار نہیں ہوتے تھے جو مثالی نہ ہو۔ آخر بڑی موٹ

دھوپ اور جدوجہد کے بعد جبکہ ہندوستان بھر کا کونہ کونہ چھان لیا گیا تھا۔ شہر
 حالانکہ کے ایک معمولی سے آدمی کے ذریعے مطلوبہ نقشہ اور اس کا نمونہ حاصل
 ہو گیا۔ اس کے بعد سنگ مرمر، چُون، سرخ پتھر اور باقی ضروریات کی ہم
 کے لئے کوششیں شروع ہو گئیں۔ تمام کام حاجی فضل دین صاحب ساکن ہرن پور
 کی تحویل میں دے دیا گیا۔ لنگر شریف کے کاردار خصوصی منشی شیر باز سکند چٹل
 نگران کار تھے۔ مستری شرف الدین سکند میانی نے کام شروع کیا مگر وہ جلد
 داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند مستری اللہ دین نے یہ کام
 سنبھالا اور بڑی محبت اور دلسوزی سے جاری رکھا۔ ملتان شہر کے مستری
 محمد فیض اللہ بھی آپکا ہاتھ بٹاتے رہے۔ کاشی کا کام مستری نور احمد ولد خدا بخش
 سکند ملتان کے ذمہ تھا۔ مزدور کچھ تو اجرت پر کام کرتے تھے۔ اور ان کے
 ساتھ پیر بھائی بھی محبت اور خلوص کی بنا پر مزدوروں سے بھی زیادہ مستعدی کے
 ساتھ مصروف کار رہا کرتے تھے۔

جنوب کی طرف سے جگہ بڑھانے کے رستہ کو چھوڑ کر نیچے بڑی گہرائی سے
 مضبوط اور مستحکم دیوار اٹھائی گئی۔ رستہ کے مغرب اور مشرق کی طرف خوبصورت
 محرابیں بنا کر مسقف راہ بنا دی گئی۔ اس طرح روضہ شریف کے جنوب کی طرف
 غلام گردش کے لئے جگہ نکل آئی۔ شمال اور مغرب کی طرف بھی غلام گردش بنائی گئی
 جو زائین کے لئے آمدورفت کا کام دیتی تھی۔ اس میں چھت کے اندر کی طرف
 مختلف مشہور درگاہوں کے نقشے بنائے گئے تاکہ زائر متعدد زیارات سے
 بہ یک وقت مستفیض ہو سکیں۔ غلام گردش کے محراب دراز دراز اور خوبصورت
 ہیں۔ چونکہ روضہ اطہر بلند ہی ہے غلام گردش میں کھڑے ہو کر انسان اردگرد
 کے مناظر تاحد نگاہ دیکھ سکتا ہے۔ سبز کھیت، گھنے درخت اور دریا کی

پہلی لکیر تمام چیزیں بڑی نظر افروز دکھائی دیتی ہیں۔ دیواروں پر چھونے کا کام اس صفائی اور جہارت سے کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے صاف ، ہموار اور ملائم سنگ مرمر ہے۔ روضہ شریف کے دروازوں پر سنگ مرمر کا کام بڑے سلیقہ اور ہنرمندی سے انجام پذیر ہوا ہے۔ گنبد مبارک بیضوی نہیں مگر خوبوزے کی مانند ہے۔ گنبد اور میناروں پر کاشی کا کام بڑا نفیس ہے۔ کھس مبارک سنہری ہے۔ روضہ اطہر پر نگاہ پڑے تو حسن و جمال کا مرقع دیکھ کر دل مسرور ہو جاتا ہے۔ گنبد کے محیط ، میناروں کی بلندی اور تمام گھرے بوئے رقبہ میں وہ ہم آہنگی ہے کہ کیا کہنا۔ روضہ مبارک کے وجود حسین نے جلاپور شریف کو خوبصورتی عطا کی ہے۔ اس عمارت جمیل و جلیل کی تکمیل ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ یعنی پورے چار ساں تک بیسیوں مزدور ، متعدد دکانگرا اور کئی نگران کار لگاتار شب و روز کام کرتے رہے۔ اور پھر جا کر یہ معجزہ فن جلوہ افروز ہوا۔ اس زمانہ کے حساب سے کم بیش دو لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ شماں کی طرف درمیانی محراب پر یہ شعر لکھا ہوا ہے

تعالی اللہ چہ عالی قبۃ نور کہ اطہر روضہ جیدہ پر از نور

انسان ناپاک نگاہ سے دیکھے یا باطنی سے واقعی یہ قبۃ نور ہے۔ اندر پاکی شریف بعد میں بنی تھی۔ سنگ مرمر جے پور سے منگوایا گیا تھا جسے ایک مسکین طبع منلوک الحال مستری قبلا سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے استفسار فرمایا۔ پاکی بنا لو گے؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ روضہ شریف کے اندر جا کر اس نے اشاروں اشاروں میں اس پھرتی سے اندازہ لگایا اور پھر نقشہ تیار کیا کہ حضور نے یہ مبارک کام اسی کے سپرد کر دیا۔ وہ کیسا نیک و نیک انسان تھا! افسوس ہے اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ گم نام رہ گیا۔ لیکن

۳۰ دوبارہ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں گنبد صاف بیضوی صورت میں نوا یا گیا ہے جس پر جرنی ٹائیل لگا کر سنگ چراحت کا خوش نما پلٹر کر دیا گیا ہے۔

حضرت اعلیٰ کی عین نگاہوں کے سامنے رہ کر اس نے فیض حاصل کیا ہے۔ اس پر کسے شک نہیں آتا۔ پاکلی شریف کے نقوش و نگار۔ اس کا حُسن اور روضہ شریف کے ماحول سے اس کی مناسبت اس مستری کی فنی مہارت اور محبت و خلوص پر شاہدِ عادل ہیں۔ برآمدے میں سنگِ موسیٰ اور سنگِ مرمر کا مربع در فرش اور روضہ اطہر کا سنگِ مرمر کا فرش بھی بعد کی چیزیں ہیں۔

روضہ شریف کے فیوض و برکات

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے وصال کے بعد خواب میں اپنے محبوب پوتے حضرت ابوالبرکات خواجہ سید محمد فضل شاہ صاحب و ام پرکاتم کو فرمایا تھا۔ میں زندہ ہوں۔

مرا زندہ پندار چوں خوشنشن من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن
 صرف تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ہوں۔ تمہارے سب کام ہر وقت میری نگاہ میں ہیں۔ ہر وقت میرا خیال تمہاری طرف ہے۔ اور میں اپنی دعاؤں سے لوگوں کی حاجتیں مقبول کرانا ہوں۔ اولیائے کرام کے خواب کو رو یاٹے صادق کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید بھی شہیدانِ وفا کی حیاتِ دوام کی شہادت دیتا ہے۔ ہم اس ضمن میں دو واقعات پیش کرتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ خلوصِ دل، نیازِ مندی اور لہجیت کے جذبات لے کر جو زائر خواجہ غریب نواز کے مقبرہ پر حاضر ہوئے انہوں نے حضور کو زندہ پایا۔

زندہ جاوید ہیں تیغِ محبت کے قلیل

مجھ کے بھی ٹھنڈے نہ ہونگے یہ شہر تار و جھنڈ

مولانا عاشق حسین صاحب سیما ب صدیقی الوارثی اکبر آبادی راسم باسمی
تھے بعشق ان کی گھٹی میں پڑا تھا حضرت اعلیٰ سے باقاعدہ شرف بیعت حاصل
نہیں تھا۔ اور نہ حضور کی زیارت سے شرفیاب ہوئے۔ لیکن حضور کے روحانی
کلمات اور فیوضِ باطنی کا ایسا گہرا نقش دل پر ثبت ہوا تھا کہ سوزِ عشق سے
سیما ب وار تڑپتے تھے۔ حضور کی تعریف اور مدح سرائی دل و جان سے کیا کرتے
تھے۔ رسالہ "صوفی" کے پرچوں اور "ذکرِ حبیب" میں حضرت سیما ب کی متعدد
نظمیں موجود ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور ایک سے ایک زیادہ
روح پرور اور ایمان افروز ہے۔ جذبات پر جوش اور زور بیان کو دیکھ کر مواجح کا
تلاطم پایا تا ہے۔ اس قسم کے مصرعے صرف عالمِ دارفتگی میں زبان پر آتے ہیں۔
حسب مقدس، نسبِ مطہر، لقبِ معتلے، خطبِ حیدرہ
انجام کار اس عشق نے آپ کو بتایا کر دیا۔ اور آپ نے ایک مسدس میں اپنی
آرزو بیان کی ہے

کاش ہم بھی وضو نور کا منظر دیکھتے مدفن پر نور پھولوں کی چادر دیکھتے
روضہ اقدس پہ کے جاں نچاؤ دیکھتے پھر وہاں یہ مطلع پر کیف پڑھ کر دیکھتے

نقشہ فردوس بے تصویر بیت اللہ ہے

پیر حیدر شاہ کی درگاہ کس یاد گاہ ہے

پچھیں کس شیفنگی کے عالم میں یہ بند لگا گیا ہے۔ یہ نکل مسدس "ذکرِ حبیب" میں موجود
ہے "صوفی" عرس نمبر بابت ۱۹۲۰ء میں آپ کی ایک اور نظم چھپی تھی۔ یہ بھی
"ذکرِ حبیب" میں موجود ہے۔ اس میں بھی جناب سیما ب نے حسرت دیدار
کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے

بے چلے قسمت مجھ پر اجید شاہیں نذر کرنے کو ہوں سر سر کار حیدر شاہیں

پرتو مجبور ہے ظلِ لقلے پر بھی جلوہ مقصود ہے دیدار حیدر شاہ میں
دیکھ لوں انکو تو چہرے موت و موت تو مجھے جی رہا ہوں حسرت دیدار حیدر شاہ میں

ادھر دل میں یہ بے تابی اور حسرت دیدار موجود تھی۔ اور عالم تصور میں جلا پور حاضر ہو
رہے تھے۔ اور زائرین کے ساتھ ہو کر روضہ انور کی زیارت سے مشرف ہو رہے
تھے۔ چنانچہ رسالہ "صوفی" کے محولہ بالا پرچے میں اس مقدس شہر کے متعلق نثر میں ایک
مضمون شائع کرایا جس کو ہو ہو یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ ضائع نہ ہو جائے۔ بیان
عشق ہے اُسے تا ابد پائندہ رہنا چاہئے۔ اس کا عنوان ہے "شمع لاہوت جلا پور کی فضائے نور میں"

” ذرا اس منظر اقدس کو اب اور تعظیم کے ساتھ دیکھنا۔ یہ کوئی معمولی منظر
نہیں ہے جسے چشم تماشا سہر سہری نظر سے دیکھ سکے۔ بلکہ ایک عظیم الازرا
اور وسیع الفيوض کعبہ مرادات ہے۔ جہاں فرشتے رحمتوں اور برکتوں کے ہا
لے کر آتے ہیں۔ قدسیان فلک آنکھیں بند کر کے دستہ بستہ کھڑے ہوتے
ہیں۔ اور حسن و طیور اس مقام کے طواف کو جیتا حاصل سمجھتے ہیں۔

” یہ وہ انجمن ہے جس میں ایک شمع لاہوت روشن ہے۔ اس شمع پر سناٹا
کا فانوس ہے۔ لیکن پر وہ فانوس میں بھی اس شمع کی تجمیلیاں نکلی اور غیر متحرک
نہیں ہیں۔ دیکھئے دیکھئے۔ انوار باطن کی کرنیں ضیائے شمع بن کر چاروں طرف
پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان کرنوں میں تصوف و طریقت کے بناروں آفتاب
ماہتاب چمک چمک کرتے نظر آتے ہیں۔

” یہ وہ مقام ہے جسے فردوسِ زمیں کہیں تو جاتا ہے۔ اور جنت ارضی کہیں
تو رہتا ہے۔ اس کی آبی ہوا زائرین اور معتقدین کے لئے دماغ پر زہا
اور اس کی فضا چشم تماشا کے لئے ایک منظر۔ یہ وہ مقدس دربار ہے
جہاں حاجتمندوں کے پرے اپنی تمنائیں اور مرادیں ہاتھ میں لئے کھڑے

جلا پور شریف کی
تصویری تزیین

ہیں۔ کسی کی آنکھ میں آنسو ہیں، کسی کے ہونٹوں پر نالہ بے اختیار ہے
 کسی کا ایک ہاتھ دل پر ہے۔ کسی کا سر گریبان میں ہے۔ اور کوئی فرط محبت
 والفت سے مدہوش ہو کر جھوم رہا ہے۔

فریاد کناں پر درِ جانانہ ہے کوئی فرقت کالئے ہاتھ میں افسانہ ہے کوئی
 وحشی ہے کوئی عشق میں دلوش ہے کوئی یوں نعرہ کناں و جد میں مستانہ ہے کوئی

زد دیدہ فگندی من از ناز نگاہے

قربان نگاہ تو شوم باز نگاہے

”یہ وہ دارالشفائے معظم ہے جہاں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بیمار
 فراق، عصبیاں، مہجوری، ناداری، غفلت، ادبار وغیرہ مہلک امراض
 میں مبتلا ہو کر آئے ہوئے ہیں۔ سب کی نگاہ تمنا ایک ہی طرف لگی ہوئی ہے
 کسی کی چشم کرم کا انتظار ہے کوئی رو رہا ہے۔ کوئی دردِ فراق سے سہرا ہے
 کوئی مرضِ عصبیاں میں گرفتار ہے۔ کسی کو مہجوری کا آزار ہے۔ کوئی غافل ہے
 کوئی نادار ہے۔ اور کوئی گزشتہ مفلکت و ادبار سے بہرہ یار اور بہرین پسینی
 عرضداشت لئے کھڑا ہے۔ اور مسیحا دارالشفار میں محو خواب ہے جب جو
 میں کچھ دیر ہوتی ہے۔ تو ان مریضانِ محبت میں ایک شعر بپا ہو جاتا ہے کوئی
 کہتا ہے۔

یار آیا نہیں سنتے ہیں کہ آرام میں ہے ملک الموت ہی آجادہ کس کام میں ہے
 کوئی باویدہ اشکبار و دل بے قرار ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر یوں عرض کرنے لگتا ہے۔
 دل پیرِ خصت، اب صبر و شکیبائی کیا ضبط کروں کس کو ہے ضبط کی یاری
 سب چھوٹ کے جاتے ہیں تاب اور توانائی ہونٹوں میں ہے دم پہنچا اکھو میں جہاں

ایں ریل عمل تو اعجازِ مسیحائی

مردم ز علم ہجرت و فلسفہ کربائی

نظروں میں مسافر کی ایک زمانہ ہے بیچارہ بے کس ہے، مایوس تمنائے
آثارِ اجل ہیں جسب مرگئے پھر کیا ہے بل جاؤ تو ہترتے جاؤ تو اچھا ہے

امی در لبِ لعل تو اعجازِ مسیحائی
مردم ز غمِ بھرت وقتت کہ باز آئی

یہاں مریضوں کو شفا، بیماروں کو دوا، گنہگاروں کو عطا، ناداروں کو دولت
ادبازدوں کو اقبال، بھروسوں کو شریعت وصال، غافلوں کو بیداری، مایوسوں کو ولداری، تمنائوں کو اُمیدیں اور تمنائوں کو تجلی و جلال
کی نویدیں ملتی ہیں۔ اور اس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔

ہاں ہاں یہ وہ درگاہِ فیوض ہے۔ جس کے ایک گوشہ مبارک میں خداتعالیٰ
کاپیارا، نبی کا دلار، علیؑ کی آنکھ کا تارا، آقا اور سردار ہمارا محو خواب ہے
وہ کون دل آرا، وہ کون انجمن آرا، دل تقام کر نام سننے اور نام سن کر دل
تقام لیجئے، قدوة السالکین، زبدة العارفين حضرت سید پر حید علی شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ الی یوم القیامۃ سے

زباں پہ بار خدایا کیس کا نام آیا : کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کھلنے
لے حاضرین دربارِ حیدریؑ کے زائرین سرکارِ حیدریؑ کے نامے ناظرین انوارِ حیدریؑ،
لے معتقدین اسرارِ حیدریؑ، اپنی اپنی گویں پھیلالو۔ آنکھیں پر کے روضے
گلاو۔ دل کو ان کی یاد میں متوالا بنا لو۔ اور ہاتھ اٹھا کر سچے دل اور حضور
قلب سے دعا مانگو۔

اس کے بعد سیما صاحب نے وہ طویل دعا درج کی ہے جو بعد میں ذکرِ حنیف
میں تمنائے دل کے نام سے شامل کی گئی۔ اس سارے مضمون اور دعا سے معلوم
ہوتا ہے کہ جناب سیما صاحب کے دل میں زبردست تمنا اور بے تاب آرزو موجود

تھی کہ وہ کب جگر بریاں و قلب سوزاں لے کر جلالپور شریف روضہ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں اور جذباتِ نیاز پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی آرزو پوری ہوئی۔ اور وہ پہلی بار ۱۹۲۱ء کے موسمِ گرما میں منڈی بہاؤالدین سے ہوتے ہوئے جلالپور شریف پہنچے۔ حضرت صاحبِ سجادہ زاد اللہ فیضانہ و بسط اللہ برہانہ نے مسجد جامع کے حجرہ کے سقف پر ان کا پلنگ بچھا دیا۔ جہاں آپ نماز عشا کے بعد سوتے اور سحری کے وقت جاگ اٹھتے۔ رمضان شریف کا مقدس مہینہ تھا چاند کی تابانی اپنے جوین پر تھی۔ رات کو سواد جلالپور شریف کی پرچیز نورانی اور چکدار نظر آتی تھی۔ جدھر نگاہ اٹھتی تھی دیدائے جہلم کی موجوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ سیلاب صاحبِ لطیف احساسات کے مالک تھے۔ اس لئے ہر رات شبِ ماہ کا لطف مختلف صورتوں میں اٹھاتے رہے۔

سیلاب صاحب جنوری ۱۹۲۲ء کے ”صوفی“ میں رقمطراز ہیں کہ خرق عاوا کرامات، مکاشفات، لطائف، ملفوظات سب کو ایک طرف رکھ دیجئے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو دیگر مشائخ عظام میں بھی قدرت نے ودیعت کی تھیں اور یقیناً زماں بعد اور وہ کو بھی میسر آئیں۔ مگر ایک بات جو حضرت خواجہ پیر سید حیدر علی شاہ صاحب جلالپوری قدس سرہ العزیز کے تصرف میں دیکھی وہ شاید ہی کہیں اور نظر آئی ہو۔ آپ واقعے کے مثال پیکر نور تھے۔ سیلاب صاحب لکھتے ہیں کہ مناظر محسوس میں سے حضور کے روضہ مبارک کا بلند گنبد سوتے لیٹے ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔ اور جس پر چاندنی کی نورانی چادر ایک ایسا سہانا سماں پیدا کر دیتی تھی کہ بعد میں بھی اس خیال سے اس کے خیال سے ایک عجیب چمک محسوس ہوتی رہی۔ سیلاب صاحب کا معمول تھا کہ وہاں ہر رات سونے سے پہلے خواجہ غریب نواز گل روح پر فتوح کو فاتحہ کا ثواب پہنچا دیتے تھے۔ با وضو سوتے اور جب جاگتے تو پھر وضو کر لیتے یعنی آپ کے دل پر جلالپور شریف کا

جہاں پوری طرح مستولی تھا۔ حالانکہ اس سلسلہ عالیہ سے انہیں بیعت نہ تھی۔

ایک رات جبکہ گرم ہوا میں دیانے جہلم میں غسل کر کے مسافر ان جہاں پورے

کو پہنچا بھل رہی تھیں اور وہاں دربار حیدری کی طبیعت سے دن بھر کی دھوپ اور

گرم کو کے اثرات دور کرنے کے لئے سرد اور خشک جھونکے لارہی تھیں۔ سیما صاحب

کو عالم غنودگی میں اس طرح معلوم ہوا کہ خواجہ غریب نواز جن کی تشبیہ مبارک وہ

خوش نصیبی سے دفتر "صوفی" میں دیکھ چکے تھے گنبد پر جلوہ افروز ہیں۔ ان کے ہاتھ

میں ایک رایت بلند ہے۔ جس کا ایک گوشہ اس مسجد کی چھتوں پر محیط ہے جن میں

سے ایک پر سیما صاحب عالم خواب کی سیر کر رہے تھے۔ غالباً جمعہ کی رات تھی

صبح جمعہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اوراد و وظائف میں نسبتاً کچھ زیادہ وقت صرف

کر دیا تھا۔ اور چونکہ روزہ رکھنے کے لئے سحری کے وقت اٹھنا تھا۔ اس لئے وہ چاہتے

تھے کہ کچھ دیر آرام کر لیں۔ مگر حضرت خواجہ غریب نواز رحمہ کو اپنے ہمان کی دعوت

روحانی منظور تھی۔ اس لئے کچھ اور سامان پیدا ہو گئے۔

سیما صاحب نے عالم غنودگی میں یہ منظر عجیب دیکھا تو چونکہ پڑے اور آنکھیں

کل کر اٹھ بیٹھے۔ اگر اس منظر کا تعلق خواب سے ہوتا تو بیدار ہونے کے بعد بدل جاتا

لیکن یہ تو حقیقت پر مبنی تھا۔ اس لئے بیداری کے بعد بھی بدستور موجود رہا۔ اور

عجیب بات یہ ہوئی کہ آنکھوں کے ساتھ کان بھی کھل گئے۔ عالم ملکوت کی آوازیں

سیما صاحب نے پہلے بھی سنی تھیں لیکن اب تو عالم لاہوت کے نغمے سماعت نواز

معلوم ہوئے۔ اور گنبد کی جانب سے نسیم نیم شبی کے ساتھ یہ الفاظ ان کے کانوں

میں پہنچے۔

میرے جہنڈے کے نیچے کل عالم ہے اور میں عالم کل کے اوپر ہوں۔

میں وہ کچھ ہوں جو کچھ نہیں۔ اور سب کچھ ہے۔ تو سوتا ہے میں جاگتا

ہوں۔ اس لئے تو بھی جاگ اور شریک ذات ہو جا۔ سب کو سونے
سے اور سن۔

ہن کے بعد کچھ اس قدر آواز لطیف تھی کہ الفاظ سیما صاحب کی سمجھ میں نہ آئے
صرف یہ بے ربط کلمات لکھ سکے :-

تو آیا — اس سے پیشتر — قسمت جاگی — پھل پائے گا۔

فیض یاب ہو — سب ہمارے ساتھ ہیں — ہوا میں —

دامن رکھ — صوفی سے لے — ذکر نہ کر — بڑی سعادت

ٹی — تذکرہ — جھنڈے کے تلے — عشر تک —

یہ منظر سیما صاحب کی گھڑی کے حساب سے ٹھیک پون گھنٹے تک
ان کی آنکھوں کے سامنے رہا۔ مگر ان صاف جملوں کے بعد وہ کوشش کے
باوجود کوئی لفظ کلام نہ بھج سکے۔

اس کے بعد وہ جھنڈا اچھلایا یہاں تک کہ تمام جلاپور شریف پر چھا گیا
سیما صاحب اپنے اوپر ایک ابر لطیف ستولی دیکھتے تھے۔ اور خواجہ
غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نظروں سے پوشیدہ تھے۔ اور یہ عجیب بات تھی کہ
عالم تنہائی میں اس قدر مافوق العادات باتیں دیکھ اور سن کر بھی سیما صاحب
پر کسی قسم کا خوف و دہراس طاری نہ ہوا۔ یہاں تک کہ انہیں کسی نامعلوم
وقت خود بخود میندا گئی۔

انہوں نے اس بات کا ذکر جلاپور شریف میں قبلہ سجادہ نشین صاحب کے
سامنے اس لئے نہ کیا کہ حضور اس تماشائے عجیب کو ان کے اعتقادات کی
قوت کا مجرہ نہ سمجھ لیں۔ اور ایڈیٹر "صوفی" سے اس لئے نہ کیا کہ اس اظہار سے
کوئی غرضمندی ثابت نہ ہو۔ لیکن جب رسالہ "صوفی" کا عرس ختم ہونے لگا

قلم شریک

لگا تو ان کے جی نے چاہا کہ اس واقعہ کو قلمبند کر دیا جائے۔ زندگی کا کچھ بھر و سہ نہیں
 بات دل میں پڑتی رہی تو پڑتی رہ جائے گی۔ اظہار واقعہ سے ان کے دو مقصد
 تھے۔ ایک تو یہ کہ اگر صاحبِ دل کا رجحان کسی بزرگ کی طرف ہو تو زیارت ضرور
 ہو جاتی ہے۔ اور اسی عالم میں جس میں وہ بزرگ منازلِ اقصیٰ کرنے کے بعد موجود
 ہوتے ہیں۔ دوسرے خواجہ غریب نوازؒ کے کلماتِ بینات سے آپ کا درجہ و رتبت
 بہت عظیم الشان معلوم ہوتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا درجہ فنا فی الذات
 سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ خداوندِ تعالیٰ نے صفات و افعالِ ذات میں آپ
 کی روحانیت کو اس قدر مستغرق کر لیا ہے کہ آپ کی روح مبارک سے افعالِ ذات
 کے کرشمے ظاہر ہونے لگے ہیں۔ مگر ان معانیِ لطیف تک رسائی کے لئے چشمِ بصیرت
 کی ضرورت ہے۔

ناظرین کرام نے یہ تو دیکھ لیا کہ خواجہ غریب نواز امامِ صمدانی محبوبِ ربانی
 رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض کا کیا عالم ہے۔ اب آپ دیکھیں کہ جو سیما صاحبِ روپھواری
 کی وجہ سے بے تاب ہو چکے تھے۔ اس منظرِ لطیف و نظیف سے مستفیض ہونے
 کے بعد آپ کی کیا کیفیت تھی۔ ایک تو ان کے دل میں جلالپور شریف کی محبت چند
 ہو گئی۔ انہوں نے بجملت جلالپور آئیں کے عنوان سے ایک نظم لکھی جو اسی
 جنوری ۱۹۲۲ء کے پرچے میں چھپی تھی۔ اُسے ذرا آپ بھی ذوقِ ایمان اور لطفِ
 ارادت و عقیدت سے پڑھ لیں۔ یہ نظم ”ذکرِ حبیب“ میں بھی شامل ہے۔ لیکن
 چونکہ اس کا تعلق سیما صاحب کے چشمِ دید روحانی منظر سے ہے۔ اس کا یہاں
 درج کرنا از بس ضروری تھا۔

کہاں ہیں اہل طریقت جلالپور آئیں
 جلال خیز ہے خواجہ کی سہد جامع

خدا کی دیکھنے قدرت جلالپور آئیں
 فدائیانِ شریعت جلالپور آئیں

کہاں ہیں تشنہ آب کہم کہو ان سے
 جلال و فیض مشائخ کے جو نہیں قائل
 بہارِ روضہ فردوس آنکھ سے دیکھیں
 بڑے حضور کا دربار ہے خدا رکھے
 کہہ رہے ہیں بلبل بیمار گلشنِ خواجہ
 یہاں کی خاک میں جزو سکون تک نہیں
 جو یکساں جہاں ہیں نوید و دان کو
 نہ جلنے پھر کبھی موقع ملے نہ ملے
 جلاپور میں ملتی ہے شاہی ابدی
 یہاں دعا جو کریں گے قبول ہوگی وہی
 ہے اپنی خفتہ نصیبی کا جن کو آج گلہ
 یہیں سے حد وصالِ خدا کا ہے آغاز
 ہے اپنے دل میں ہی الگ سیلاب

جلاپور شریف میں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تجلیاتِ عرفان چشمِ ظاہرِ باطن
 سے دیکھ لینے کے بعد سیلابِ صاحبِ پروردگرا اثر یہ ہوگا کہ عالم اور مافی العالم سے
 بالکل بے نیاز ہو گئے۔ فقر کی وہ دولت نصیب ہوئی کہ اربابِ جاہ و اقتدار کو خاطر
 میں نہیں لاتے تھے۔ اس ضمن میں ان کی ایک مختصر جنوری ۱۹۲۳ء کے "صوفی"

میں بھی تھی۔ اس کے صرف تین بند یہاں درج کئے جاتے ہیں۔
 فلک تو نہ رلے مجھ کو ستانا مجھے اپنی گردش نہ ہرگز دکھانا
 ملے گا نہ دنیا میں تیرا ٹھکانا مرے منہ نہ آتا مرے منہ نہ آنا

مجھے جانتا ہے کہ میں حیدری ہوں

مئے فقر سے دل مرا کیفِ زاہے مراد دل مریدِ ولایت سے بھرا ہے

پیالہ مرا ساغرِ خود نما ہے میں وہ مست ہوں میرا ساقیِ غلبے

یہ دعوت ہے بجا ہے کہ میں حیدری ہوں

جگہ ہے نگاہِ دو عالم میں میری خدا مجھ سے اسی سے خوش ہیں نبی بھی

بڑی فخر کی میں نے دولت ہے پائی مسرت سے لبریز ہے زندگانی

زمانہِ سند ہے کہ میں حیدری ہوں

مشامہ النوار خواجہ نے پہلے کی نظموں میں سیلابِ صاحب کے درد و کرب اور اس
محنت کے سکون و اطمینان اور سرور و بخت کا مقابلہ کریں اور پھر اندازہ لگائیں
کہ دیدارِ خواجہ کے فیوض و برکات کیا ہیں۔

خواجہ محبوب سبحانی کی حیاتِ ابدی اور حضور کے کمالاتِ روحانی کے سلسلہ
میں حسبِ وعدہ اب دوسرا واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ ۶ مئی ۱۹۶۲ء بروز اتوار
شیخ منور الدین استاذِ اسلامیات گورنمنٹ کالج چکوال راقمِ آئتم کے ہاں جہلم آئے
ہوئے تھے۔ شیخ صاحب نے اسلامیات اور عربی دونوں مضامین میں ایم اے
امتیاز کے ساتھ پاس کیا ہوا ہے۔ بڑے صاف باطنِ مسلمان ہیں۔ اور خلوصِ دل
سے شریعتِ نبوی کی پابندی کرتے ہیں۔ بعد از نماز صبح انہوں نے کلمہ طیبہ کا ذکر سنا
دل پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ بندہ سے کہنے لگے۔ حضرت پیر حید علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ
علیہ کی بڑی تعریف سنی ہے۔ آج جی چاہتا ہے۔ جلاپور شریف جائیں اور روضہ
اقدس پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ لاری پر سوار ہو کر ہم دونوں ایک بجے
بعد از دوپہر جلاپور شریف پہنچ گئے۔ اور روضہ اقدس پر حاضری دی۔

شیخ صاحب کم گو انسان ہیں۔ راستہ میں انہوں نے صرف دو ایک

باتیں کیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ ان کے دل میں بے حد فوق و شوق ہے۔ او

کیا وہ

یہ آرزو لے کر جا رہے ہیں کہ دل نوریا بیان سے معمور ہو جائے۔ روضہ اطہر پر فائزہ
 خوانی کے بعد بندہ قبلہ ثانی صاحب اور صاحبزادہ قائم الدین شاہ صاحب کے
 مزارات مقدسہ پر حاضر ہونے کے لئے باہر آگیا۔ شیخ صاحب وہیں پاکلی شریف
 کے مشرق کی طرف بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد بندہ واپس آیا تو دیکھا کہ شیخ صاحب
 اٹھ کر اندر سے روضہ انور کی فتنی خوبوں کو یکمال عقیدت دیکھ رہے تھے۔ میں نے
 پوچھا شیخ صاحب جلد فارغ ہو گئے۔ میں نے تو بالارادہ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ مسکرا
 پڑے اور کہنے لگے بھو اللہ کام بن گیا ہے۔ میرا ہاتھ پکڑا اور باہر غلام گردش میں
 اپیل لے جا کر پوچھنے لگے۔ کیا آپ نے حضرت اعلیٰ کی زیارت کی ہے۔ میں نے
 عرض کیا۔ حضور کی شبیہ مبارک دیکھی ہے۔ شیخ صاحب نے حضور کے حلیہ مبارک
 کے متعلق استفسار کرنا شروع کر دیا۔ بندہ نے جواباً ایک ایک بات بتائی کہ حضور
 کی پیشانی مبارک کھلی ہے۔ چہرے پر نور برستا ہے۔ سر پر کلاہ چارتر کی، سر کے بال
 لمبے تاہر دوش، سینہ مبارک فراخ، محاسن مبارک نہ گھٹنے نہ کم، حضور کھلی
 آستینوں والا پیراہن پہنا کرتے تھے۔ اور کپڑوں کے اوپر ملل کا دوپٹہ حسن افروزی
 کیا کرتا تھا۔

یہ سن کر شیخ صاحب کی آنکھیں فرط مسرت سے چمک اٹھیں اور وہ راز
 دارانہ انداز میں کہنے لگے۔ اگر حضور کا حلیہ شریف یہ ہے تو میں نے ابھی ابھی ان
 آنکھوں سے حضور کی زیارت کی ہے۔ پاکلی شریف کے مشرق کی طرف جا کر بیٹھا
 فاتحہ خوانی کی۔ چند لمحوں بعد پاکلی شریف غائب ہو گئی۔ مصنفے پر سامنے حضرت اعلیٰ
 تشریف فرما تھے۔ بڑی نیاز مندی کے ساتھ خوب ٹکٹکی باندھ کر میں نے حضور کے
 چہرہ انور کو دیکھا۔ آپ ازراہ کرم مسکرا رہے تھے۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔
 غنودگی کا نام و نشان نہ تھا۔ طالب اور مطلوب آمنے سامنے موجود تھے کچھ

دیر کے بعد بائیں رخسار پر چھوٹی جھلکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے بڑھی احتیاط سے اس جگہ کو کھجلا یا تاکہ نگاہیں مسلسل چہرہ انور کی زیارت سے سرشار ہوتی رہیں۔ کوئی چھوٹی نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد دائیں رخسار پر چھوٹی محسوس ہوئی۔ میں نے خیال کیا چھوٹی پہلے تھی نہ اب ہے۔ یہ تو خواجہ غریب نواز کا اشارہ ہے کہ ملاقات ختم۔ یہ خیال دل میں آتا تھا کہ حضور نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ اور پاکی از سر نو موجود ہو گئی۔

یہ واقعہ بیان کر کے شیخ صاحب نے کہا حضور کی شبیہ مبارک مجھے بھی دکھائی چنانچہ صوفی شیر محمد صاحب قائم مقام سجادہ نشین کی وساطت سے شیخ صاحب کو دو عکس دکھائے گئے۔ ایک حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی کے عالم پیری کا تھا۔ جناب ابوالبرکات کا عکس مبارک مجھے تھا کہ شیخ صاحب نے حضرت اعلیٰ کی شبیہ مقدس سامنے رکھ لی اور از خود کہنے لگ گئے۔ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ پھر دیر تک حضور کے نوانی خدو خال بکمال عقیدت دیکھتے رہے گویا ملاقات کا منظر نگاہ تصور کے سامنے تھا۔ اس وقت صوفی شیر محمد صاحب بھی پاس موجود تھے۔

یہ دونوں واقعات ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ حضرت اعلیٰ نے ازراہ ذرہ نور اپنے دو مخلص عقیدتمندوں کو سلسلہ ارادت میں داخل نہ ہونے کے باوجود اپنے جمال قدسی کی زیارت کرا دی اور واضح فرمادیا کہ ہمیں وہ حقیقی زندگی حاصل ہو چکی ہے جسے قرآن مجید عالم سفلی کی زندگی سے برتر بیان کرتا ہے۔ آپ نے یہ بھی اتم شرح فرمادیا کہ آپ اپنے نیاز مندوں اور زائرین درگاہ کے ساتھ کس طرح کرم فرمائی کا اظہار کرتے ہیں۔ دونوں صاحبان نہایت ہی تقہیں اور لطف یہ ہے پیر بھائی بھی نہیں جب غیروں پر اس قدر التفات ہے اپنوں پر جو نوازش ہوگی۔ اس کا اندازہ

نہیں لگایا جاسکتا۔ صرف پر خلوص اور عقیدتمند دل پیش کرنے کی ضرورت ہے جو فیض ان صاحبان کو حاصل ہوا وہ تو حاصل کائنات ہے۔ توحید و اولیٰ میں راسخ ہو گئی اور نور وحدت کی جھلک آنکھوں نے دیکھی۔ اس سے کم تر درجہ کی برکات بھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ ظاہری یا باطنی، دنیوی یا اخروی، مادی یا روحانی برکات کی یہاں تخصیص نہیں۔ ہر شخص بقدر ظرف مستفیض ہوتا ہے۔ ہست این میکدہ و عورت عالم است اینی قسمت باوہ بانداڑہ جام است اینیا اور یہ فیوض برکات ہمیشہ تک رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جس چراغ کو خداوند تقدیر کی مہربوبیت عظمیٰ روشن کرتی ہے۔ اس کے انوار دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں جس طرح کہ حضرت داتا گنج بخشؒ، خواجہ امیرؒ اور محبوبؒ الہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ و دہلوی کے فیوض صدیوں سے جاری ہیں اور ہمیشہ تک جاری رہیں گے محبوب سبحانی عارف ربانی حضرت پیر حیدر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے معنوی اور صوری فیوض بھی تا ابد الابد جاری رہیں گے۔

ہرگز بد آنکہ دش زندہ شد عشق ثبت است بر جریدہ عالم و ام ما

لنگر شریف کے دیگر حالات

لنگر شریف کے قیام کے وقت جو رفتار ترقی شروع ہوئی تھی۔ جناب ابوالبرکات مظہر عالمی مسند نشینی سے اس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ معتقدین اور زائرین کا ازدحام، عرس مبارک کی رونق، تبلیغ اشاعت اسلام ہر ماہ اور ہر کام میں افزونی تھی۔ لنگر شریف کی زندگی میں زیادہ کہا کہی جاتی تھی۔ بالخصوص حسن و خوبی کے ساتھ روضہ اطہر کی تعمیر تکمیل سے تمام پیر بھائیوں کے دل باغ

بہار بن چکے تھے۔

حضور کے خاندان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا۔ صاحبزادہ سید محمد کرم شاہ صاحب حصول تعلیم کے بعد اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر مقرر ہو گئے۔ اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں بڑی دلیری اور انصاف پروری سے کام لینا شروع کیا آپ کی شادی راجہ محمد اکبر خان صاحب ممبر پنجاب کونسل کے گھر بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ اس موقع پر نیزہ بازی خاص طور پر قابل دید تھی۔ صاحبزادہ سید محمود شاہ صاحب تکمیل تعلیم کے بعد سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانجات تعینات ہوئے۔ آپ کی پہلی شادی قبلہ عالم کے خلیفہ مجاز سید زمان شاہ سکند کھوتیاں (حال سہگل آباد) تحصیل چکوال کے گھر ہوئی اور دوسری گوجرانوالہ میں۔

جنگ عالمگیر کے خاتمہ پر ۱۹۱۸ء میں مانینگو چیمپیونڈ اصلاحات نافذ ہوئیں جن کا مقصد یہ تھا کہ خود اختیاری ادارات کے نشوونما و ارتقاء سے ہندوستان میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ ان کے نافذ ہونے پر صاحبزادہ سید محمد مہر شاہ صاحب نے بڑی اولوالعزمی، پامردی اور بے مثال تدبیر سے کام لے کر سیاسی معاملات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ آپ کونسل آف سٹیٹ کے رکن منتخب ہوئے اور سرکاری حلقوں میں آپ کو بڑا اقتدار حاصل ہو گیا۔ ایام جوانی میں حسن صورت اور شخصی وجاہت کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حکومت نے پہلے آپ کو نوابی کا خطاب پیش کیا اور بعد میں شہنشاہ انگلستان نے آپ کو نائٹ (

بنایا۔ یعنی آپ کی ذات والاصفات سے سر کے خطاب کو اقتدار بخشا۔ جناب نواب صاحب اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر عین عالم جوانی میں تجربہ کا سیاسی بین اور چوٹی کے مدبرین میں شمار ہونے لگے۔ پیر بھائی حساندان عالیہ کی اس حیرت انگیز ترقی کو حضرت اعلیٰ کی کرامت سمجھتے تھے اور بے حد خوش ہوتے تھے۔

قبلہ سجادہ نشین صاحب اپنے خاندان کی ترقی کے لئے کوشاں تھے۔ یہ سارا فروغ و اصل آپ کی دعاؤں اور آپ کے بے مثال ایثار کا مرہون منت تھا۔ آپ سے پہلے کہیں بھی غالباً کسی سجادہ نشین بزرگ نے اپنے خاندان کی بہبود کی طرف اس قدر موثر طریقہ پر توجہ مبذول نہیں فرمائی تھی۔ حضور کی خانگی زندگی میں بھی رحمتوں کا نزول ہو رہا تھا۔ صاحبزادہ سید برکات احمد صاحب کی ولادت باسعادت کے بعد ۲۲ جولائی ۱۹۱۹ء کو سید حسنا احمد اور ۲۱ مارچ ۱۹۲۲ء کو سید لمعات احمد متولد ہوئے۔ اس موقع پر ایک بڑا روح فرسا واقعہ رونما ہوا۔ سید لمعات احمد کی ولادت کے ایکس روز بعد ان کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں قبلہ سجادہ نشین صاحب کو سخت عدم ہوا۔

حضور کا تیسرا عقد دوبارہ مکان شریف ضلع امرتسر میں سید محمد حسین صاحب عقدا نالہ کی صاحبزادی والا گھر سے ہوا۔ جو مرحومہ مانی صاحبہ کی حقیقی بھانجی ہوتی ہیں۔ شاہ صاحب کا انتقال نو عمری میں ہو گیا تھا۔ صاحبزادی صاحبہ بڑی تعلیم یافتہ اور روشن ضمیر خاتون ہیں۔ سید شفقات احمد آپ کے فرزند ہیں جن کی تاریخ ولادت ۱۱/۱۲ جنوری ۱۹۲۶ء کی درمیانی شب کو ہوئی تھی۔ یعنی ظلمتِ شب میں ایک چاند کا طلوع ہوا۔ حضرت ابوالبرکات کے پہلے تینوں صاحبزادے بھی چندے آفتاب اور چندے ماہتاب ہیں۔

حضرت اعلیٰ کو وضوئے تہجد کرنے والے اور آپ کے وصال کے بعد آپ کے مزار پر انوار کی جاڑ کشتی اور مجاہدی کی خصوصی خدمت پر سالہا سال پچیسین دیش بابا گلگان کہتے ہیں کہ میں ایک جناب میرزا علی اور نواب صاحب آپس میں کسی وجہ سے لڑ رہے تھے کہ اوپر سے حضرت اعلیٰ تشریف لائے۔ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے جدا کیا اور حکمت امیرین اللہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم فقیر ہو۔ فقیروں کا حوصلہ بڑا فراخ ہلا کرتا ہے۔ وہ کسی لڑتے جگرتے نہیں ہیں پھر جناب نواب صاحب سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم بڑے آدمی ہو۔ بڑے آدمی کسی لڑائی جگڑائی نہیں کرتے گویا دونوں بھائیوں کے مستقبل کی یہ پیش گوئی تھی۔

حضرت لنگر شریف کے انتظامات کے سلسلہ میں دن رات مصروف رہا کرتے تھے۔ معمولی سے معمولی کام کی طرف بھی آپ کی توجہ تھی فطرت نے آپ کو بڑا بااثر بنایا اور نکتہ رس ذہین بنا لیا کی جان کی آن وہاں پہنچ جاتا ہے حقیقت حال سے باخبر ہونے کے لئے آپ کو دیر نہیں لگتی۔ کوئی معاملہ ایسا نہیں ہوتا جس کی جزئیات تک آپ کی نگاہ نہ پہنچے۔ چونکہ لنگر شریف کے امور میں امور سلطنت کی طرح وسعت اور تنوع ہے۔ اور آپ کی پر آرزو فطرت ان تمام مصروفیتوں میں وہ چند اضافہ کر دیتی ہے اس لئے آپ کو ابتداء ہی سے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے بے حد مصروف اور منہمک رہنا پڑتا تھا۔ آپ کو لنگر شریف کے کاموں سے ولی وابستگی تھی۔ کام سے محبت ہو تو ضرورت پڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک عظیم الشان ادارہ، اس کے ساتھ پر آرزو فطرت، کام سے وابستگی اور ہر چیز کو درجہ کمال تک پہنچانے کی بے تاب خواہش مسلسل مطالعہ اور پیہم و ماخنی مصروفیت آپ کے ذہنی اور جسمانی قوائے کو تھکا دیتے تھے۔ جس کے لئے آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہونا کرتی تھی۔ چنانچہ آپ تبدیلی آپ ہوا اور سکون و آرام کے لئے موسم گرما میں پہاڑی مقامات کشمیر، شملہ یا مری تشریف لے جایا کرتے تھے۔

انہیں سالوں میں آپ کی ذاتی توجہ اور دلچسپی کے باعث ایک نہایت ہی اہم کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ نے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سلطان المشائخ مقدمات اعظم اور راہنمائے اکرم کا نہایت ہی خوبصورت اور شاندار و ضمیمہ مبارک تعمیر کرایا تھا۔ اب آپ نے ملک محمد الدین صاحب مدیر "صوفی" کو اجازت عطا فرما کر حضرت اعلیٰ کے حالات، ملفوظات اور آبخناب کی کرامات پر مشتمل نہایت ہی ایمان آفریں، روح پرورد، اور بصیرت افروز کتاب مستطاب "ذکر حبیب" کے نام سے طبع کرائی۔ اس کی صحت اور درستی اور مناسب ترسیم خود فرمانے کے علاوہ

آپ نے بڑا مبسوط مقدمہ الکتاب لکھا۔ آپ پندرہ مجرم الحرام ۱۳۴۲ھ (مطابق
 ۱۹۲۲ء) گلبرگ کشمیر میں تشریف فرما تھے۔ جب یہ معرکہ آرا مقدمہ لکھا گیا۔ ہمارا
 یہ دعویٰ ہے کہ فصاحت و بلاغت، زور بیان، حقائق اندوزی اور ایمان افروزی
 کے لحاظ سے یہ مقدمہ منفرد و حیثیت رکھتا ہے۔ راقم سطور نے انگریزی، فارسی یا اردو
 زبان میں اس قسم کا کوئی مقدمہ استنباب نہیں دیکھا۔ اس کی زبان کوثر و سببم میں
 دھلی ہوئی ہے اور ملکوت اور لامہوت کی باتیں سناتی ہے۔ حضرت اعلیٰ کا مقام
 جس قدر بلند تھا یہ مقدمہ اسی قدر ارفع ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص عقیدت اور اخلاص
 سے اس کا مطالعہ کرے اور اس کے دل میں قندیل ایمان روشن نہ ہو۔
 حضور کی عمر مبارک کے یہ ایام عجیب و غریب تھے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں
 نے ان ایام میں آپ کی زیارت کی۔ حسن و جمال کا مرقع، عزم و بہت کا پیکر، علم و
 عرفان کی تصویر تھی جو نیا زمندوں نے ان ایام میں دیکھی۔ یہ الفاظ محض عقیدت پر
 مبنی نہیں بلکہ جس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اس کے بیان کرنے لئے
 الفاظ ہی نہیں ملتے۔

”آنچہ خراباں ہمہ وارند تو تنہا داری“

کی قبائے راست آپ کے وجود باجوہ پر پوری اترتی دکھائی دیتی ہے۔

دنیا سے اسلام پر اوبار کی گھٹائیں

جنگ عالمگیر اول میں جرمنوں کو شکست ہوئی تو ان کے حلیف ترکوں پر دنیا بھر کی بلائیں نازل ہو گئیں۔ انگریزوں نے جنگ کے دوران میں شریفِ مکہ سے سازش کر کے عربوں کو ترکوں کے خلاف رزم آرا کر دیا۔ ملعونِ فطرت جاسوس کرنل لارنس جو ایک عرصہ سے ایک شیخ کی حیثیت سے عربوں کے درمیان موجود تھا۔ اور عرب خاندانوں میں شادی بھی کر چکا تھا۔ عربوں کو ترکوں کے خلاف بھڑکانے میں بڑا کامیاب رہا۔ جازریوں سے تباہ برباد کر دی گئی۔ اور ترکوں کا سلسلہ رسل رسائل بالکل منقطع ہو گیا۔ عراق میں برطانوی فوجیں پہنچ گئیں اور ترکوں کو ہر محاذ پر شکست ہونے لگی۔ انجامِ ترک افواج منہزم ہو گئیں۔ اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو قسطنطنیہ پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اُدھر برطانوی وزیرِ اعظم لارڈ چارج نے یونانیوں کی پیٹھ ٹھونکی اور وہ بھی ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ترکی کے حصے بخرے کرنے کے منصوبے تیار کر لئے گئے۔ اور وہ خلافت عثمانیہ جو سلطان سلیم اول (۱۵۱۲ء - ۱۵۲۰ء) کے وقت سے قائم چلی آتی تھی۔ اور جس نے ہر موقع پر گرانہ پامالی خدمات انجام دی تھیں جاں طلب ہو گئی۔ اسلامیان ہند کو اچھی طرح علم تھا کہ ترک عربین شریفین کے کتنے مخلص خادم ہیں اس لئے ترکوں کی شکست ان کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کی تباہی کے مترادف تھی ہندوستان بھر کے مسلمان بے حد مضطرب ہو گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافت کا خاتمہ ہو۔ یا ترکی کے حصے بخرے کئے جائیں۔ اس لئے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے برادر اکبر مولانا شوکت علی نے تحریکِ خلافت کا آغاز کیا۔ ان کی آتش بیانی سے تمام ملک میں آگ لگ گئی اور مسلمانوں نے جا بجا جلسے شروع کر دیے۔

علی برادران اور
جوہر خلافت

اس موقع پر مشائخ عظام میں سے حضرت قبلہ و کعبہ سیدی و مولائی جناب
 ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف سے پہلے بڑی
 جواں ہمتی سے میدان میں آئے۔ خلافت کا پہلا سالانہ جلسہ بمقام امرتسر منعقد ہوا
 حضور اس میں شامل ہوئے۔ اور امان مقدسہ کی حفاظت اور سلطان محمد سادس
 خلیفۃ المسابین کی سلطنت کو تباہی سے بچانے کیلئے آپ نے بڑی شہد و مدد سے
 قرارداد پیش کی۔ جو لوگ ان حالات سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسلامیان ہند
 کا یہ تاریخی اجتماع تھا اور لایب اس میں حضور نے کم عمری کے باوجود تاریخی کردار
 انجام دیا۔ انہی ایام میں آپ ۵ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۱۹ء ہجرت
 فرمالا ولیا راس الاتقیاء شیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس
 شریف میں شامل ہوئے۔ پنجاب بھر کے مشائخ وہاں موجود تھے۔ بے شمار زائرین
 بھی آئے تھے۔ ان دنوں سرکوں کی حالت اور بھی خراب ہو چکی تھی۔ یونانی افواج ۱۹۱۹ء
 مئی ۱۹۱۹ء سے سمرنا میں وارد ہو چکی تھیں۔ اور اتحادیوں نے اس ورود کو تسلیم
 لیا تھا۔ اگرچہ مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنے ارد گرد قوم پرندوں کی ایک بھاری تعداد
 جمع کر لی تھی اور ترکی فزید تجزیہ کوکنے کے لئے مزاحمت شروع کر دی تھی۔ مگر انہیں اس وقت
 تک خاطر نغماہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ قبلہ سجادہ نشین صاحب سحت متفکر تھے۔
 آپ نے عرس مبارک کے موقع کو غنیمت سمجھا اور تحریک کی کہ مشائخ پنجاب کی طرف سے
 والسراٹے ہند اور وزیر ہند کو تازہ بھیجے جائیں جن کا یہ مضمون ہو کہ تجزیہ اور تقسیم
 ترکی کا معاملہ ایسا ہے جسے عامۃ المسابین بلا امتیاز قومیت و مسالک بنظر سزا و
 یاس دیکھ رہے ہیں اس لئے تیس کروڑ مسلمان عالم کے اصلی اور حقیقی جذبات کا خیال
 رکھتے ہوئے ترکی کو بحال رہنے دیا جائے اور اسے کوئی ایسا نقصان نہ پہنچایا جائے
 جو اسکی مسلمہ سیادت اور فرمانروائی کے لئے ضعف رساں ہو۔

۵-۶ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق فروری ۱۹۲۰ء جلاپور شریف میں

خواجہ غریب نواز کا عرس مبارک منعقد ہوا۔ ہزار ہا پیر بھائی جمع ہوئے۔ قبلہ سجادہ نشین صاحب کے دل میں ترکوں کی اس ابتلائے عظیم کی وجہ سے ہلارو تھا۔ اس لئے اس نا در موقع سے آپ نے فائدہ اٹھایا۔ محولہ بالا نوعیت کی قرار داریں پاس کیں اور ان کی نقول حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کو بھجوائیں اور تمام پیر بھائیوں کو اسلامی اور ملی فرض سے آگاہ کیا۔ آپ کے یہ دلیرانہ اقدامات بتاتے ہیں کہ آپ کے دل میں کس قدر درو ملت موجود تھا۔ انگریز، ان دنوں کا منقسم انگریز۔ فتح کے نشے میں چور تھا۔ اسے ترکوں کے ساتھ آبر و مندانہ سلوک کرنے کے لئے مجبور کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن ادھر تو یہ عالم تھا کہ

خنجر چلے کسی پہ ترپتے ہیں ہم امیر سار جہاں کا درو بہار کے حکم میں ہے

اس جذبہ ہمدردی کی بنا پر بڑی عزیمت اور استقامت کے ساتھ آپ اپنی روش پر قائم رہے۔ اور آپ کی مساعی، دیگر مسلمانان ہند کی چیخ پکار اور مصطفیٰ کمال پاشا کے جوش جہاد کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ انگریز جس نے ۱۰ جون ۱۹۲۰ء کو معاہدہ سیوے کے ذریعے ترکوں کو بڑی ذات آئینز شرائط صلح پیش کی تھیں ۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء کو لوزان کے مقام پر ترکوں کے ساتھ آبر و مندانہ معاہدہ کرنے کیلئے آمادہ ہو گیا۔

ترکوں کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا تو ایک سانحہ ہوش رُبارو نما ہوا جن دنوں انگریز شریف کو ترکوں کے خلاف اگسار ہے تھے اور اس کے ساتھ معاہدے کر رہے تھے۔ انہوں نے حکومت ہند کے ذریعے ابن سعود والی نجد کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی تصدیق ۱۸ جولائی ۱۹۱۶ء کو ہوئی۔ اور جس کی رو سے انہوں نے بعض عرب علاقوں پر ابن سعود کی آزادانہ حکومت تسلیم کر لی۔ حالانکہ انگریزوں کی انگمخت اور ایجا پر شریف کو ۲۶ جون ۱۹۱۶ء کو دولت عربیہ کے قیام کا اعلان کر چکا تھا اور

جلاپور شریف
عرس میں ترپتے اور

سب سے پہلے
کے لئے

اسے شاہ حجاز اور اقوام عرب کا سرواڑ تسلیم کرنے کیلئے سمجھوتا بھی ہو چکا تھا۔ ان متناقض معاہدات کی وجہ یہ تھی کہ گرجہ پشرف مکہ نے انگریزوں کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے ترکوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ لیکن اس کے مطالبات ایسے تھے جن کی بنا پر جزیرۃ العرب میں ایک وسیع، مضبوط اور زبردست آزاد عرب اسلامی سلطنت قائم ہو جاتی تھی۔ یعنی انگریز اپنے ہاتھوں سے ترکوں کی حکومت کو مٹا کر اس سے زیادہ طاقتور عرب حکومت قائم کر دیتے۔ جو بہ حال مسلمانوں کی تھی یہ ان کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ تو سلطنت اسلام کے خاتمہ کی تدبیریں کر رہے تھے۔ بالخصوص مشرق وسطیٰ میں اپنے عالمگیر سیاسی اور تجارتی مقاصد کی خاطر وہ کوئی مضبوط اسلامی حکومت نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے جزیرہ نمائے عرب کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے انہوں نے درپردہ والی نجد کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا جس کے دعاوی شریف حسین کے دعاوی سے صریحاً متضادم تھے۔

سلطان عبدالعزیز ابن سعود (۱۹۰۲-۱۹۵۲ء) ایک باہمت اور صاحب تدبیر حکمران تھا۔ اس نے اپنی فتوحات جاری رکھیں چنانچہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو مکہ معظمہ پر اور ۵ دسمبر ۱۹۲۵ء کو مدینہ منورہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ شریف حسین تو پیشتر ازیں رعایا کے مجبور کرنے پر باوشاہی سے دست بردار ہو چکا تھا۔ اور اسے اپنی غداری کی سزا مل چکی تھی۔ اب اس کا بیٹا شریف علی شاہ حجاز بھی دست بردار ہو گیا۔ اور ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو ابن سعود نے ملک حجاز اور سلطان نجد ہونے کا اعلان کر دیا۔ نجد کے علماء، متشدد و قسم کے مسلمان اور اپنے مسلک کی سختی سے پابندی کرنے والے تھے۔ ان سے یہ زبردست سیاسی غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے برسر اقتدار آتے ہی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے عزائم کو اپنا شوق کو پشرف مکہ کی غداری کے پیش نظر ابتدا میں ان کا مقصد تحریک آزادی کو کامیاب بنانا تھا۔ مگر کامیاب

ہونے کے بعد جوش اصلاح میں وہ المناک غلطیوں کے مرتکب ہوئے۔ ام المؤمنین
حضرت خدیجہ الکبریٰ اور جنت البقیع کے تمام مسقف مقابر گرا دیے گئے۔ اور
یہ بات بھی ہر طرف مشہور ہو گئی کہ وہ گنبدِ خضراء کو بھی شہید کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ
یہ پیارا گنبد دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا نور ہے۔ مسلمان
اسے اپنا مقدس ترین دنیاوی وسیلہ اور بلجا و ماویٰ تصور کرتے ہیں۔ مشہور تھا کہ
اس سے پہلے وہ طائف میں قتل عام کر چکے ہیں۔ حجاج کو بزرگوں کے مزارات کی
زیارت سے روکا گیا تھا اور دلائل الخیرات پاؤل تلے روندی گئی تھی۔ نیز جب
مقام ابراہیم پر شیخ سنوسی ایسے لطل اسلام اور مجاہدین نے دعائیں تو انہیں متبرک
الکافر کہا گیا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول کنے والوں پر کوڑے برسائے گئے
یہ بر بادیاں اور ستم زبیریاں مسلمانان عالم کے لئے ایک قومی اور ملی مصیبت
سے کم نہیں تھیں۔ درد و غم سے ان کے سینے پھٹ گئے۔ وہ متبرک مقابر، وہ مقدس
مزار جنہیں ملائکہ مقربین کا ہیبط و مورد قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور جہاں بڑے بڑے
مجتہدین، مفسرین قرآن و محدثین خیر الامم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لیکھے امت
جنہیں انبیائے بنی اسرائیل کا درجہ حاصل ہے۔ اپنا سر نہماز خم کرتے۔ اور وہاں
کی خاکبوسی کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ ان کی تباہی و ویرانی پر مسلمانان
عالم کا آتش زیر پا ہونا لازمی تھا۔

اس مصیبت کبریٰ کی وجہ سے بالخصوص مسلمانان ہند کا مبتلائے غم مہنا
یقینی تھا۔ کیونکہ دوسرے مالک اسلامی کی نسبت ہندوستان کے مسلمان مسلط
پر جمیت دینی اور جوش ملی زیادہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالباری (وفات
جنوری ۱۹۲۶ء) جیسے ماہر شریعت و طریقت جن کے متعلق اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ہے

لے یہ وہ شیخ سنوسی ہیں جن کے متعلق علامہ اقبال کہتے ہیں

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا : تو نام نسب کا مجازی ہے پر دل کا مجازی نہیں کا

اے چرخ ہوائے شوق چلے اسے شمع گلباری کہو :۔ کچھ کلام کریں کچھ سعی کریں سہیج کو عبدالباری کے
 کے متبعین یا مقبول سے آل انڈیا خدام الحرمین کی غیب درکھی گئی۔ اور اس نے نمایاں خدمات
 سر انجام دیں۔ اس کا سالانہ جلسہ لاہور میں ۱۵-۱۶-۱۷ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو منعقد
 ہوا۔ جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب کان اللہ لہ کی عظیم شخصیت اور
 آپ کے در و دل سے اب مسلمانان ہند خوب متاثر ہو چکے تھے۔ آپ مجلس استقبالیہ کے
 صدر منتخب ہوئے۔ اور آپ نے نہایت ہی درو انگیز اور پر زور خطبہ صدارت
 ارشاد فرمایا۔ جس سے استفادہ کر کے ہم نے اب تک تمام حالات قلب بند کئے ہیں
 اور جو ایک رسالہ کی صورت میں طبع بھی ہوا تھا۔ بین الاقوامی دشوار یوں کے زیر نظر
 آپ نے اس فنڈ کے استیصال کے لئے نہایت ہی مفید مشورے دیے اور
 مسلمانوں کو اتحاد و عمل اور عزیمت و استقامت کی دعوت دی۔ آپ نے فرمایا
 کہ ان تمام مہذب کا بہترین حل یہ ہے کہ عرب میں ایک آزاد جمہوری سلطنت کا
 قیام اور نفاذ عمل میں آجائے۔ اور وہاں کوئی ایسی حکومت نہ ہو جو جمہور مسلمین کے
 عقائد کو گزند پہنچائے اور متبرک اور مقدس مقامات و آثار کو پامال کرے۔ یا
 بزور و بجز دوسرے مسلمانوں کو اپنے عقیدہ کی پابندی پر مجبور کرے۔ آپ نے
 مزید فرمایا کہ سکون جمہور اور فقدان احساس نے عالم اسلامی کو بالکل معطل بنا
 رکھا ہے۔ اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو زیادہ سرگرمی سے کام کرنا چاہئے
 اگرچہ خدام الحرمین کے وفد کے ساتھ عرب کی نئی حکومت نے باا بر و سلوک نہیں

ملے یہ وفد ۲ جنوری ۱۹۲۶ء کو کراچی سے روانہ ہوا۔ وفد کی صورت میں کراچی سے روانہ ہوا۔ وفد

کی ریاست امام الوقت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی خانی کے سپرد تھی۔ مگر اب شریف نے لے جاسکی اور ابھی وفد

پورٹ سوڈان ہی پہنچا تھا کہ آپ وفات پا گئے۔ اراکین وفد نے واپسی پر سرگزشت حجاز کے نام سے ۱۶ مارچ

۱۹۲۶ء کو مفصل رپورٹ پیش کی۔ جس میں انہوں نے منہدم شدہ مقابر اور قبہ جات کی تعداد بھی شامل کیں

کیا تھا۔ لیکن اب اس طرح پُر زور طور صدائے احتجاج بلند کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے
قائد میں کافی حد تک کمی واقع ہو گئی اور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے فرمودہ
ربانی کے مطابق گنبدِ خضرا کو جہنمِ زخم بھی نہ پہنچا۔

ادھر خود ہندوستان میں ایک محشر رونما ہو چکی تھی اور سرزمین ہند آتش
جوالہ بنی ہوئی تھی۔ جنگِ عظیم میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کی بڑھ چڑھ
کر مدد کی تھی۔ انہیں توقع تھی کہ جنگ کے خاتمہ پر ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے
گا۔ لیکن انگریزوں نے "مانٹیگو چمسفورڈ" سیاسی اصلاحات نافذ کر کے اہل ہند کو بالکل
مایوس کر دیا اور انہیں حکومت نے ۲۱ مارچ ۱۹۱۹ء کو رولٹ ایکٹ پاس کر کے
اظہارِ مایوسی کرنے والوں کو سنگین سزائیں دینا شروع کر دیں۔ اس طرح اضطرابِ بڑھا
ترکوں کے المیہ کی وجہ سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر پہلے پھیل چکی تھی۔ اس لئے
حالات سخت بگڑ گئے۔ تحریکِ آزادی شروع ہو گئی۔ تحریکِ کامرکز امرتسر قرار پایا
حکومت نے ڈاکٹر سیف الدین کچھلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو گرفتار کر لیا۔ جو تحریک
کے قائد تھے۔ اس گرفتاری کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو
جلیانوالہ والہ باغ امرتسر میں بھاری جلسہ منعقد ہوا۔ جنرل ڈار نے گولی چلانے
کا حکم دے دیا۔ سینکڑوں ہندو مسلمان ہلاک و مجروح ہوئے۔ اور مارشل لا
نافذ کر دیا گیا۔

ان تمام حملات اور بالخصوص جلیانوالہ باغ کے قتل عام نے اہل ہند کو غم و
غصہ اور جذبہٴ انتقام سے بے تاب کر دیا۔ تحریکِ خلافت بھی اپنے عروج پر
تھی۔ اس لئے نائرہ اشتعال بھڑک اٹھا۔ کانگریس نے بدیشی کپڑے کی مخالفت
اور سویشی کی حمایت شروع کر دی۔ مسٹر گاندھی نے چرخہ کاتنے پر زور دیا۔ اور
علی براہران اور مسٹر گاندھی نے مل کر ترکِ موالات کی تحریک شروع کر دی۔

مقصد یہ تھا کہ فوج اور پولیس کی ملازمتوں کا بائیکاٹ کیا جائے اور نوجوان
 درگاہوں کو خالی چھوڑ دیں۔ علمائے نے ساتھ ساتھ ہجرت کی تحریک بھی شروع
 کر دی۔ اور بے شمار مسلمانوں نے اونے پونے اپنی جائیدادیں ہندوؤں کے
 ہاتھ بیچیں اور افغانستان روانہ ہو گئے۔ لیکن حکومت کابل نے انہیں واپس
 کر دیا۔ وہ بے نیل و مرام واپس ہندوستان پہنچے۔ مگر اب یہاں ان کے لئے
 نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا۔

مسلمانوں کے لئے ایک اور واقعہ بھی اضطراب آفریں ثابت ہوا۔ جو تین
 آکر مالابار کے موپہ مسلمانوں نے ۱۹۲۱ء میں بغاوت کر دی۔ ہزاروں موپہ جنگی موپہوں
 میں شہید ہوئے۔ انہیں سنگین سزائیں دینے کے لئے جنگی عدالتیں قائم ہوئیں۔ مگر
 نے ۱۰۶ موپہ قیدیوں کو گاڑی کے ذریعے کسی اور مقام پر بھیجا۔ گاڑی کا ڈیڑھ
 فٹ تھا۔ فی کس دو مربع انچ جگہ تھی۔ کھڑا ہونے کے لئے بھی کافی نہیں تھی۔
 ستم بالائے ستم یہ کہ ہوا کے آنے جانے کے لئے منفذ نہیں۔ منزل مقصود پر گاڑی
 پہنچی تو سارے کے سارے قیدی جان بحق ہو چکے تھے۔ مسلم لیگ نے اپنے ۱۹۲۱ء
 کے اجلاس احمد آباد میں سخت احتجاج کیا اور تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ قدرتی طور پر ان
 سارے واقعات کی وجہ سے ہندوستان پر ایک سحرانی کیفیت طاری ہو گئی
 آثار سے معلوم ہونے لگا کہ برطانوی راج جانبر نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں میں اور دورانہ پیش طبقہ ہندوؤں کے ساتھ کئی تعاون کو نیک فال
 نہیں سمجھتا تھا۔ اکبر الہ آبادی نے طنزاً کہا ہے

بدھومیال بھی حضرت گاندھی کے تھے :- کو خاکِ راہ ہیں گرانڈھی کے سائیں
 ان کا خیال تھا کہ تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے جب مسلمانوں کی حیثیت
 ہی کہنی نہیں گاندھی کا ساتھ انہیں اس طرح برباد کرو گیا جس طرح آندھی خاکِ راہ کو

پہلے تو ممالک
 اور پھر ہندوستان

ایک اضطراب آفریں واقعہ
 اور حادثہ شاخ

بدھومیال
 اور گاندھی

اڑا کر کہیں سے کہیں لے جاتی ہے۔ اسی طرح ابوالمحسن محمد سجاد صاحب نقشبندی
نائب امیر شریعت صوبہ بہار و اڑیسہ نے جمعیت علماء ہند کے سالانہ اجلاس
مراد آباد میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران میں فرمایا :-

انگریزوں سے سیاحہ ظلم جو م نے صلح کی اور مسلمانوں کو اس راہ پر چلانے
لگے تو بس فتاویٰ النصارى کا مسلک ہو گیا۔ اور اپنی ہستی کے قیام و بقا
کے لئے ہر وقت ان پر اعتماد کرنے لگے۔ اس کے بعد جب انگریزوں کے
جنگ ہوئی اور ہندوؤں سے صلح کی تو عموماً مسلمان فتاویٰ الہنود ہو گئے

حضرت ابوالمحسن چاہتے تھے کہ جو پیش صلح میں حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے

اور مدارات اور مہانت میں امتیاز قائم رکھنا چاہئے۔ ورنہ رفتہ رفتہ سادہ لوح

عامۃ المسلمین کفر اور شرک کی حد تک پہنچ جائیں گے۔ یہ تو ایک متین فطرت مذہبی رہنا

کا خیال تھا۔ مسلمانوں کے سیاسی رہنما مسٹر محمد علی جناح جو مستقبل میں قائد اعظم

بننے والے تھے ایک طرف تو رولٹ ایکٹ کے ظلم و تشدد کے خلاف بطور احتجاج

امپیریل کونسل سے مستعفی ہو گئے۔ لیکن دوسری طرف وہ تحریک ترک موالات کے

اصولاً مخالف تھے۔ اور کہتے تھے کہ تعلیمی اداروں کا مقاطعہ کرا کے مسٹر گاندھی

نوجوانوں سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔ لہذا مسٹر گاندھی اور کانگریس کی حکمت عملی

سے اصولی اختلاف کی بنا پر انہوں نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ایک قومی شاعر، ایک مذہبی رہنما اور ایک سیاسی قائد کے خیالات اپنے

معلوم کر لئے۔ اس بحرانی دور میں جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب

نے بھی وہی راہ عمل اختیار کی جو باقی متین اور دراندیش مسلمان رہنماؤں نے

اختیار کی تھی۔ جیسا کہ پیشتر ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ قیامت کی بنا پر تحریک

خلافت کے سلسلہ میں مؤثر تدابیر اختیار کی تھیں۔ اور اگرچہ اپنے کانگریس کے

اور مسٹر گاندھی کی

جنگی اور

اجلاس گلگتہ میں شرکت کی اور رہنماؤں کے خیالات کا اچھی طرح سے جائزہ لیا
 لیکن ترک موالات اور تحریک ہجرت کی آپ نے حمایت نہ کی۔ آپ تو بڑے صغیر ہند
 میں اپنا قومی اور ملی ورثہ یعنی آزاد اسلامی سلطنت واپس لینا چاہتے تھے۔ آپ
 کس طرح اس بات پر رضامند ہوتے کہ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے
 کسی اور ملک میں چلے جائیں اور میدان ہندوؤں کے لئے خالی چھوڑ دیں۔
 اور اس طرح ہندوؤں و دشمنوں یعنی انگریزوں اور مسلمانوں کے بیک وقت ہندوستان
 کو خالی کرالیں۔ آپکی دلی آرزو تھی کہ مسلمان ہندوستان میں اور بھی زیادہ صابر
 جاؤ اور ہوں۔ وہ کیسے مشورہ دے سکتے تھے کہ اپنی سابقہ جاؤ اوریں بھی بیچ ڈالیں
 آپ تمنا رکھتے تھے کہ مسلمان علوم و فنون میں ماہر و کتابین جائیں اس لئے آپکے
 طرح اس بات پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ کہ مسلم طلباء تعلیمی اداروں سے مقاطعہ کریں
 ورنہ خالی مسلمان تعلیمی لحاظ سے پہلے بھی پس ماندہ تھے۔ اسی طرح آپ چاہتے
 تھے کہ مسلمان پھر امور حکومت کو انجام دینے میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح
 بہترین قابلیت کا ثبوت دیں تاکہ وقت آنے پر وہ اپنی سلطنت کو بحال
 سکیں۔ اس لئے وہ ہرگز ہرگز اس بات کے ہم خیال نہیں تھے کہ مسلمان فوج،
 پولیس اور دیگر سرکاری ملازمتوں کا بائیکاٹ کریں۔ آپ ترک گئے اور ہجرت کی
 تحریکوں کو مسلمانوں کے لئے خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ ان
 سے کنارہ کش رہے اور اپنے عقیدتمندوں کو بھی ان سے علیحدہ رکھا۔ مسلمانوں کے
 لئے نہ تو آپ نصرانیت کے رنگ میں ڈرب جانے کو موجب فلاح سمجھتے تھے
 اور نہ ہی ہندوؤں کے ساتھ اندھا دھند تعامل اور تعاون کو موجب خیرورت
 سمجھتے تھے۔ بلکہ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان مسلمان کی حیثیت سے حالات نہ مانہ سے مکمل طور
 پر باخبرہ کراؤ مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے آزاد اور خود ارادت کی صورت میں گئے

بڑھیں۔ اور ان کا مستقل وجود ہمیشہ قائم رہے۔

تختِ کابل کے خلاف انگریزوں کی سازشیں

اس سحرانی دور میں مسلمان ہند ایک اور بلائے ناگہانی کی وجہ سے بھی سخت مضطرب و پریشان ہوئے۔ امیر امان اللہ خان والی افغانستان کے خلاف عالم بغاوت بلند ہو چکا تھا۔ تختِ کابل پر پتہ ستھ نامی ایک ڈاکو امیر حبیب اللہ لقب اختیار کر کے جنوری ۱۹۲۹ء میں قابض ہو گیا تھا۔ اور امان اللہ خاں کو مجبوراً قندھار جا کر غزنی، ہرات اور قندھار کے قبائل سے استمداد کیلئے کہنا پڑا۔ اس انقلاب کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ امیر امان اللہ خان نے ۱۹۱۹ء میں تخت نشین ہوتے ہی ملک میں بڑی تیزی سے اصلاحات شروع کر دی تھیں جنہیں افغانستان کے مشائخ، علماء اور عوام نے خلافتِ اسلام سمجھا تھا۔ اور جب امیر نے ۱۹۲۸ء کے ابتدائی سات مہینوں میں اپنی ملکہ ثریا کے ساتھ یورپ کی سیاحت میں مصروف تھا اور اپنے ملک کیلئے اقتصادی امداد حاصل کر رہا تھا۔ مخالف عنصر نے ملک میں بغاوت شروع کر دی۔ لیکن انقلاب کی اصل وجہ اور تھی۔ اولاً اللہ نے امیر محمد روح الصلوٰۃ نے انگریزوں سے بڑی شمشیر اپنی آزادی تسلیم کرانی تھی۔ اور پھر اس کے قیام و بقا کے لئے ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء کو روس سے عہد نامہ دوستی بھی طے کر لیا تھا۔ انہی ایام میں روس نے ترکی کے ساتھ بھی ایک عہد نامہ کیا تھا۔ اور ایران بھی اس کے زیرِ اقتدار آچکا تھا۔ امیر امان اللہ خان نے بھی ترکی اور ایران سے دوستانہ معاہدے کئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بین الاقوامی سطح پر روس کی سرپرستی میں مشرقی ممالک کے اتحاد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ انگریزوں کے لئے یہ سلسلہ

اٹھا و قطعاً قابل برداشت نہیں تھا۔ اس لئے اسے درہم برہم کرنے کے لئے
 انہوں نے اپنے آزمودہ کار جاسوس افغانستان میں بھیلادئے۔
 انگریز جاسوسوں نے افغانوں کے ساتھ احتلاط کیا۔ اور امیر امان اللہ خان
 کے خلاف جذبات کو مشتعل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اصلاحات کے
 نفاذ میں امیر موصوف نے عجات سے کام لیا تھا۔ اور ان کی ملک سیر یورپ
 کے دوران میں بے پردہ پھرتی رہی تھی۔ سادہ لوح افغان بھڑک اٹھے۔ جہاں کے
 فتوے جاری ہو گئے۔ خانہ جنگی کی نوبت آئی اور بھائی بھائی کا گلا کاٹنے لگ گیا۔
 تخت سلطنت کے متعدد دعویدار پیدا ہو گئے۔ شر و فساد، خونریزی، بے امنی
 اور طوائف الملوک کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور اس طرح نظر آنے لگا کہ غیور و
 جسور ملتِ افغانہ باہم گرزور آزمائی میں آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گی۔
 ہندوستان کے مسلمان افغانوں کے اس مہنگا مہ خون کی کو دیکھ کر بے حد مخموم
 ہوئے۔ جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف
 نے بھی جب دیکھا کہ مسلمانوں کو ایک مصیبت سے چھٹکارا نصیب
 ہوتا ہے تو دوسری تکلیف لاحق ہو جاتی ہے۔ اور ابتلاہ و آزمائش کی گھڑیاں سر
 رفتار سے سامنے آرہی ہیں تو آپ کو سخت ذہنی اذیت اور روحانی تکلیف دہی
 آپ امیر امان اللہ خان کو معصوم نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اس کی زبردست شخصیت
 کے بڑے مداح تھے۔ اسے ایک جواں ہمت، باہمیت اور پیکر جوش ملی فرمانروا
 تصور فرماتے تھے۔ اور امور سیاست کا ماہر اور قوم و ملک کا سچا خادم سمجھتے تھے
 آپ اس حقیقت نفس الامری کے شدت سے قائل تھے کہ قرون اور صدیوں کے بعد
 اقوام میں لعل جلیل پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ نے بلا لومہ لائم کھلم کھلا اور صاف
 طور پر اپنی سہروردی کا اظہار غازی امان اللہ خان کے ساتھ کر دیا۔ اور اعلان فرمایا

امیر امان اللہ خان
 اور جناب امیر غازی

کہ غازی موصوف کی حمایت اور اس کے باغیوں سے نفرت شرعاً لازم ہے
 آپ نے ۵ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۲۹ء کے اخبار الجھیت
 دہلی میں جمعیت علمائے ہند کا واحد ترجمان تھا غازی موصوف کی مالی امداد کے لئے
 مسلمان ہند سے بڑی دردمندانہ اور مخلصانہ اپیل کی۔ الجھیت نے آپ کی اپیل
 اپنے پہلے سالم صفحہ پر بڑے جلی عنوان سے شائع کی اور واضح کر دیا کہ آپ نے
 جو کچھ فرمایا ہے۔ تمام علمائے ہند کی تائید اور حمایت بھی اسے حاصل ہے۔ یہ
 مضمون اسی تاریخ کو اخبار "زمیندار لاہور" اور "کیرا سٹ لاکھنؤ" میں بھی چھپا
 اس طرح اس کی اشاعت طول عرض ہند میں ہو گئی۔

سیاسی لحاظ سے آپ کا یہ مضمون بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ انگریزوں کو
 واضح ہو گیا کہ اگر انہوں نے ملت افغانہ کو دولت آزادی سے محروم کرنے کی نئے
 اقدامات کئے تو اس کا نتیجہ بہت بُرا ہو گا۔ ظاہر ہے ان دنوں ملت افغانہ کی امداد
 صرف مالی صورت میں ہو سکتی تھی۔ اور اسے شرعاً جائز قرار دے کر انگریزوں کو یہ
 بات سمجھانی جا رہی تھی کہ افغانوں کے سلسلہ میں ان کے ناپاک منصوبوں کو اسلامیان
 ہند ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کریں گے۔ ان دنوں مخالف اسلام انگریز کو
 اس طرح متنبہ کرنا بھی بہت بڑا جہاد تھا۔ اور گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ
 نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ قبہ سجاوہ نشین صاحب جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کمر
 ہمت باندھ چکے تھے۔

فستق از تداو

”آسمان سے جتنی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ دنیا کی جتنی مصیبتیں اترتی ہیں، جہان بھر
 کی جتنی لعنتیں برستی ہیں۔ آج کل خانہ انور کی طرح ان سب کا ہیبت و

مورد "خانہ مسلمانیہ" ————— حضرت سجادہ نشین -

حکومت کا نشہ بڑا تیز اور مروانگن واقع ہوا ہے۔ اس کی مختورتیت بڑے بڑوں کو پاڈل سے نکال دیتی ہے۔ انسان جب عیش کوشی میں مبتلا ہو کر فرائض جہاندارہ کی انجام دہی کو غیر ضروری اور بے وقعت سمجھنے لگتا ہے تو سزا کے طور پر یہ نعمت الہی حاکم قوم سے پھین لی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو بھی حکومت کا نشہ چرلھا۔ عبرتناک بات یہ ہے کہ حکومت چھین جانے کے بعد بھی عرصہ دراز تک ان پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری رہی۔ اور جہاں نشہ نہیں تھا وہاں شمار ضرور تھا۔ محمود، غفلت اسلام کی تاریخ سے لاعلمی، حالات عالم سے بے خبری، گرو ویش کی تحریکات سے ناواقفی ان کا خاصہ رہا۔ چنانچہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں سوامی دیانند سرسوتی نے ایک نہایت ہی خطرناک تحریک شروع کی مگر مسلمان اس سے بالکل بے خبر رہے۔ سوامی موصوف کا یہ مسلک تھا کہ نو مسلم ہندوؤں کو دوبارہ ہندو بناد پیدائشی مسلمانوں کو ہندو بنانا جائز ہے۔ چنانچہ انہوں نے ڈیرہ دون میں خود ایک مسلمان کو ہندو بنا کر دکھا بھی دیا۔ صدیوں سے لاکھوں سے بھی زیادہ مسلمان نیم ہندو چلے آتے تھے۔ عقائد، رسوم، معاشرت، وضع قطع، نام پر لیاظ سے ہندو تھے۔ صرف شمار مسلمان ہوتے تھے۔ دیہات کے دیہات اس قسم کے مسلمان پر مشتمل تھے۔ شہروں اور قصبوں کے پڑھے لکھے مسلمان، علما اور مشائخ بھی ان سے بالکل نا آشنا اور غافل تھے۔ اس لئے آری سماج کو کھلا میدان مل گیا۔

۱۹۰۰ء میں ریاست بھرت پور کے مقام دیگ پر تحریک ارتداد نے منظم شکل اختیار کر لی۔ اور مسلمان راجپوتوں کو بڑی تعداد میں مرتد کیا جانے لگا۔ مگر مسلمان اس تحریک ارتداد کے معنی سمجھنے سے بھی قلعی بلور پر قاصر رہے۔ بعد میں بہاراجہ الود

نے جبر و تعدی سے کام لے کر اپنی ریاست میں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنا شروع کیا۔ مسلمان کچھ سنبھلے تو سہی مگر بد قسمتی سے انہوں نے اسے صرف ایک مقامی مسئلہ تصور کر لیا۔ آخر ۱۹۱۹ عیسوی کا تاریخی سال آگیا جب جنگ کے خاتمے پر گریز لا سے بایوس ہو کر ہندوؤں اور مسلمانوں نے مختلف تحریکیں شروع کر کے ملک کو ہنگامہ بنا ڈالا۔ ان کا اجمالاً تذکرہ ہو چکا ہے۔ انگریزوں نے نظام جمہوری کا آغاز چند سیاسی اصطلاحات سے کیا۔ اور ہندوؤں نے سمجھا کہ اب اقوام ہند کو اختیارات تعداد کی بنا پر منتقل ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے اپنی تعداد بڑھانے کے لئے بڑے زور شور سے مسلمانوں کو شہر یعنی اسلامی اصطلاح میں مرتد کرنا شروع کر دیا۔ مسٹر گاندھی، علی برادران، ابوالکلام آزاد۔ ان تمام کی تقاریر ہندو مسلم اتحاد پر مبنی ہوا کرتی تھیں۔ اور مسلمانوں نے ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر مندرجہ بالا واقعات نے حالات کا رخ بدل ڈالا۔

سوامی شرودھانند ہندو رہنما تھے۔ وہ جامع مسجد دہلی میں ہزاروں فرزندوں کو حید کے سامنے کھڑے ہو کر ہندو مسلم اتحاد کا پرچار کر چکے تھے۔ بعد میں وہ شہر کے سپہ سالار بن کر نکلے۔ ان کے ساتھ ہر فرقہ اور خیال کے ہندو بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ جامع مسجد دہلی والا ان کا فوٹو بھولے بے سواد مسلمانوں کو پھیلایا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ دیکھئے سوامی جی نے دہلی کے مسلمانوں کو بھی ہندو بنا ڈالا ہے۔ اور جامع مسجد میں بھی انہی کا پرچار ہوتا ہے۔ اب اسامیان ہند کی آنکھیں کھلیں۔ وہ سبھے دوستی کے پرے میں ان سے دشمنی کی گئی ہے اور ہندو ہموطن ہندوستان سے اسلام کی بیخ و بن اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہمدن مصروف ہو گئے ہیں۔ انہی ایام میں پنجاب سے لالہ چیت رائے نے نہایت بے باکی سے مسلسل تیرہ مضامین لکھ کر ہندوؤں کو اپنے اندرونی خیالات سے آگاہ کیا اور ان کے سامنے

سوامی شرودھانند
اور شہر

”رام راجیہ“ کا تصور پیش کیا۔ ہاں سبھائی لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ بھی ان کے ہم خیال تھے۔ ان حالات و واقعات نے شدھی تحریک کے صحیح مقاصد مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے اہم نشرح کر دیئے۔

قدتہ ارتداد ایک اور طرف سے بھی بڑھ رہا تھا۔ مسیحیت مذہب کی حیثیت سے اپنا اقتدار یورپ میں کھو چکی تھی۔ لیکن یورپ کی لاطین سلطنتوں نے اسے سیاسی اغراض کے حصول کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور مشرق کے خیمے اور مذہب پرست لوگوں کے گلے میں یورپ کی غلامی کا پھندا ڈالنے کے لئے نچھیلے۔ مقدس کی تعلیم پھیلانا اپنا فرض سمجھ لیا۔ ہندوستان کے بہت سے مسلمان اس حال میں پھنس گئے۔ جو مقصد یورپ صلیبی جنگوں سے حاصل نہیں کر سکا تھا۔ عیسائی مبلغوں نے اس حصول کی خاطر تبلیغ و اشاعت مسیحیت کا جال پھیلایا اور طرح طرح کے سیاسی حربے بھی استعمال میں لانے لگے۔ کبھی عربوں کی حمایت کا دم بھرا۔ اور اس طرح ترکوں کی وسیع سلطنت کے حصے بخرے کر ڈالے۔ عربوں میں نسلی امتیاز کو فروغ دیا تاکہ ان کے معاشرہ کی بنیاد و وطن اور نسل پر قائم ہو جائے اور یہ لوگ اپنے مذہب کو مقدم نہ سمجھیں۔ ساتھ ہی مؤرخ بن کر تحقیق و تدقیق کا ایک طومار جمع کر دیا اور اسلام کے ماضی سے اظہار بہرہ دی بھی کیا مگر اس میں ایسی حاشیہ آرائی کی جو دینی خصائص اور اسلامی اخلاق سے بدظن کر دئے۔ اسلامی ممالک میں بظاہر برقرار رکھنے کے لئے ہسپتال کھولے گئے اور مدارس قائم کئے گئے جو درحقیقت سیاسی اغراض کی خاطر عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے اڈوں کا کام دیتے تھے۔ ان پر کروڑوں روپے صرف ہونے لگے۔ اور سینکڑوں کامیاب مراکز وجود میں آگئے۔ یورپ چاہتا تھا یہ جو بحر الکاہل کے ساحل سے بحر اوقیانوس کے سوا حل تک اور قطب شمالی سے بحر ہند تک سلک توحید میں منسلک اور اسلامی جذبہ اخوت سے سرشار ایک

پر دل و جان سے فدا ہونے والے بھائیوں کا ایک عظیم الشان کنبہ آباوہ پے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ ان کے درمیان کوئی وحدت فکری نہ ہو اور پھر یورپ و اطمینان سے انہیں وہی ذاتی اغراض کے لئے استعمال کر سکے۔

ان تمام حالات کے زیر نظر مسلمانوں نے "مرکزیت جمعیت تبلیغ الاسلام" قائم کی۔ اس کا صدر دفتر انبالہ شہر میں تھا۔ سید غلام بھیک نیرنگ بی۔ اے ایڈووکیٹ ہائی کورٹ اس کے معتمد عمومی تھے۔ جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف کو جمعیت کے مقاصد سے پوری پوری ہمدردی تھی۔ آپ کی فطرت میں تبلیغ اسلام کا ذوق و شوق و دلچسپی کر دیا گیا تھا اور آپ کی دلی آرزو تھی کہ اسلام ایک فعال اور زندہ تحریک کی صورت میں برصغیر میں موجود ہو۔ خواجہ کمال الدین کے انگلستان میں بغرض تبلیغ جانے پر آپ اسی لئے معترض ہوئے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ خرد ہندوستان میں تبلیغ کی اشد ضرورت ہے۔ ۱۹۱۸ء میں بمقام جہلم درس محبت دے کر ہر مسلمان کو تبلیغ اسلام کیلئے آپ نے اسی بنا پر آمادہ کار بنایا تھا۔ اب جب تحریک شدہ شروع ہوئی اور ہندوؤں نے اس تحریک کا مرکز اگرہ قرار دیا تو آپ بنفس نفیس اگرہ تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں اور انجمنیں میدان عمل میں آچکی تھیں۔ آپ نے مجوزہ طریق کار کا معائنہ فرمایا اور جمعیت العلماء ہند سے تعلق قائم کر کے کچھ عرصہ تک قائم شدہ اسلامی مدارس کے اخراجات کے بھی کفیل بنے رہے۔ تمام جماعتوں نے حسب توفیق بڑی مستعدی اور تندہی سے کام کیا اور اس کا ورٹ اور مدافعت کا یہ نتیجہ نکلا کہ شدہ کی وجہ پہلی سی سرگرمی باقی نہ رہی۔ اس موقع پر اسلامی اہم رات اور بالخصوص اخبار "ذہیب سندھ" لاہور نے بڑا قابل تعریف کام کیا۔

مرکزیت جمعیت
تبلیغ الاسلام

لیکن تبلیغ کا کام یہاں رکنے والا نہیں تھا۔ تحریک شدھی اور مسیحی مشنریوں

کا مقابلہ ابھی کافی عرصہ کے لئے درکار تھا۔ چنانچہ مرکزی جمعیت اسلام نے اپنا کام

جاری رکھا۔ اور اس کے اجلاس سال بسال منعقد ہوتے رہے۔ ۲۹ و ۳۰ ستمبر

۱۹۲۹ء کو اس کا سالانہ جلسہ لاہور میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت جناب ابوالبرکات

مدظلہ العالی نے فرمائی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت تھا کہ مسلمانوں کی تبلیغی مساعی میں

حضور نمایاں اور سرگرم حصہ لیتے رہے تھے۔ آپ نے خطبہ صدارت میں جو کچھ

فرمایا وہ اب بھی بصیرت افروز ہے۔ اور اس قابل ہے کہ مسلمان اس پر عمل پیرا رہیں

کیونکہ ملک کے اندر اور باہر بھی وہی خطرات نمودار ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چرائع مصطفوی سے شرار بولہبی

حضور نے ارشاد فرمایا کہ ملکانہ راجپوتوں اور دیگر متزلزل خیالات و عقائد رکھنے والی

قوموں کو درغلا کر مرتد کر لینے کی تحریک دنیا میں بالکل نئی تھی۔ مسلمانوں کی سیزہ صدر

تاریخ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ سپین اور پرتگال سے مسلمانوں کا اخراج جس شکل

میں ہوا۔ ہلاکو خاں نے جس بے دردی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اس کی نوعیت

بالکل الگ ہے۔ لیکن اس طریق سے ارتداد کا فتنہ آج تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور اس

کی وجہ محض یہ ہے کہ مسلمان ایمانی کمزوری کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ورنہ جس

زمانے میں ان کے دلوں میں اپنے خالق و رازق اور منعم و متصرف حقیقی سے عشق و محبت

شیفتگی اور لگاؤ کے والہانہ جذبات موجود تھے اور ذوقِ عمل اور جذبہ کار کے زیر اثر

وہ احکامِ الہی کی تعمیل میں سرفروشی، قربانی، ایثار و فدویت اور اطاعت و انابت

کے زبردست مظاہرے کرتے تھے۔ قوتِ ایمانی عجیب و غریب کرشمے دکھاتی تھی۔

ان کی فتوحات کا اصلی باعث یہی تھا۔ اغیار و اجانب کے دلوں کو مسخر کر لینے کا جو

بہی ہتھیار تھا۔ اور پھر یہ قوت ایسی بہترین شکل میں ظاہر ہوتی تھی کہ ان کے عقائد و اعمال

اور اخلاق و لکھش صورت اختیار کر لیتے تھے۔ اور دنیا بھر کی قومیں از خود زبردست ارادت اور عقیدت کے ساتھ اسلام کے آغوش میں چلی آتی تھیں۔ اس اسلامی روحانیت کے اثرات عالمگیر تھے۔ ایشیا، افریقہ، اور یورپ کی اقوام اور دور افتادہ جزیروں کی آبادی نے اسی مقناطیسی کشش کی بنا پر اسلام قبول کیا۔ ہندوستانیوں جیسے پابند مذہب لوگ بھی مسلمانوں کی قوت ایمانی کے ولفریب اور و لکھش مظاہرے اور ان کی زبردست روحانیت کو دیکھ کر اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنے پر آمادہ ہوئے۔ حضور نے فرمایا اب بھی اگر تبلیغ کا ارادہ ہے تو اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کرنی چاہئے تاکہ اس کا اثر دوسروں پر پڑے۔ اپنے اندر کوئی تڑپ، کوئی ولولہ، کوئی حرارت موجود کرنی چاہیے۔ تاکہ دوسرے اس سے متاثر ہوں۔ حرارت ایمانی، جوش ملی اور جذبہ ملی کا زندہ پیکر بننے بغیر مسلمان کوئی قابل قدر کام انجام نہیں دے سکتے۔ اگلے زمانوں میں اگر ہرمزور اور کوہ تاج، ہر غلام اور ہر آقا، ہر عالم اور ہر سادہ لوح مسلمان مبلغ تھا تو شخص اس بے نظیر کہ وہ اسلام کی ولفریب و لکھش تعطیلات کا عملی نمونہ تھا۔ اب بھی اگر ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کا بول بالا ہو تو ہم میں سے ہر صنعت کار، ہر سرمایہ دار اور زمیندار اور اسی طرح ہر مزدور، مزارع، کامی کو صداقت شعار، امانت دار اور مخلص مومن بن کر تعطیلات اسلام کی صحیح تصویر اس طرح پیش کرنا ہوگی کہ انہیں دیکھ کر مسلمانوں میں جوش کرائیں۔ اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم کا اثر ان کے رگے ریشے میں سلویت کر جانے۔ اپنے فریاد کو سننا ان کی تڑپ کو مٹانے کے لئے۔ اس امر کی وضاحت کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل مختصر مگر جامع آیت سے استنباط فرمایا۔

عَلَّمَ خَيْرًا لِّمَنْ اَلَّمَهُ خَيْرًا لِّمَنْ اَلَّمَهُ خَيْرًا لِّمَنْ اَلَّمَهُ خَيْرًا لِّمَنْ اَلَّمَهُ خَيْرًا

عَلَّمَ خَيْرًا لِّمَنْ اَلَّمَهُ خَيْرًا لِّمَنْ اَلَّمَهُ خَيْرًا

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء میں سے امت کو خیر کی تعلیم

کے خطاب سے ملقب فرمایا ہے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
کی صراحت سے ایک طرح کا حصر فرمایا کہ دنیا میں آج تک جتنی امتیں گزری ہیں
امتِ محمدیؐ سب سے ^{افضل} اور سب سے برتر ہے۔ اب رہا ماہ الامتیاز کا سوال کہ اس کی فوقیت
اور برتری کا سبب کیا ہے۔ اور اس میں کونسی خوبی اور فضیلت ہے جس کی وجہ سے
اسے دوسرے مجنسوں پر تفوق حاصل ہے۔ تو اس کے متعلق خود اس آیت میں ہدایت
وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ :-

۱۔ تم لوگ خود علیؑ نمونہ بن کر لوگوں کو نیک باتوں کی ترغیب دیتے رہو۔

۲۔ بڑی اور ناشائستہ حرکات سے منع کرتے رہو۔

۳۔ اور تمہارا خدا پر سچا ایمان رہے۔

یہاں خیرِ امت کا نشان امتیازی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان کی سچنگی و استحکام
کو قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اب تک آپ کے سامنے جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ وہ
اسی ایمان باللہ اور تبلیغ اسلامی کے متعلق تھا یہی دو چیزیں مل کر مسلمانوں کے تمام امراض
کا واحد علاج ہو سکتی ہیں۔ اور انہی سے غافل ہو کر آج مسلمان خیرِ امت کے لقب سے
عملی طور پر محروم ہو چکے ہیں۔

آپ نے ان مبارک خیالات کو عملی صورت دینے کے لئے ایک تو اس
بات پر زور دیا کہ مبلغین کی جماعتیں تیار کی جائیں۔ تبلیغ اسلام کا ایک بہت بڑا
موجس میں ہندوستان کے ہر حصے کی آبادی کے حالات و احوال کی مناسبت
سے مبلغین کے لئے مختلف نصاب اور مختلف طرق تربیت مہیا کئے جائیں۔ جامعہ
تبلیغ کا قیام اگر فوری طور پر عمل میں نہ آئے تو دیہاتی آبادی، اچھوت اور عام
غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے فولڈر ایئر اختیار کی جائیں۔ اور مسلمانوں کی اقتصادی اور
معاشرتی حالت کی اصلاح کا خیال رکھا جائے۔ کیوں کہ عام طور پر روپے پیسے اور

جاہ و مرتبہ کا لالچ دے کر اکثر کو مرتد کیا جاتا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس غرض کیلئے محفوظ سرمایہ تبلیغ فراہم کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان اور کم و بیش پچیس کروڑ غیر مسلم آباد ہیں۔ انسانوں کے اس وسیع حلقے کے لئے جو تبلیغی نظام قائم ہوگا۔ اس کا محفوظ سرمایہ اگر ایک کروڑ بھی ہو تو وہ زیادہ نہ ہوگا۔ اور ہندوستان کے جملہ مسلمان اگر وہ دن کے لئے روزانہ ایک پیسہ الگ کرتے جائیں تو ایک کروڑ کا سرمایہ آسانی جمع ہو سکتا ہے۔

اختتام پر آپ نے فرمایا۔ اگر میری زبان سے ایک بات بھی کام کی نکلی ہے تو خدا را اس پر عمل کیجئے اچھی باتیں بکثرت کہی جا چکی ہیں اور ہماری صحبتیں اچھی باتیں نہ کہنے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ان پر عمل نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

حکایت بے خبران ہے کہ "ازمانہ بسازا
زمانہ باورن سازد و قوا زمانہ
سیترنا
ابتداء

۱۔ یہ اعداد و شمار ۱۹۲۹ء کے ہیں۔

فَاتَّخَذَ اللَّهُ حِزْبَ الْعَالِيَةِ

الَّا

اِنَّ

حِزْبَ اللَّهِ

مُّمَّ

الْمُفْلِحُونَ

”جب تک قوم میں کوئی ایسا فرد پیدا نہ ہو جسے قدرت کی طرف سے
 بصارت سے بڑھ کر بصیرت رکھنے والی آنکھ، غور و فکر کرنے والا دماغ، اور
 تربیت سے والا دل عطا کیا گیا ہو۔ اور جس کی ساری زندگی اصلاح قوم
 جس کی ساری حیات بہبودِ ملت اور جس کی زلیست خدمت
 بنی نوع کے لئے وقف ہو، تب تک قوم من حیث القوم اپنی
 غلطیوں پر متنبہ، اپنی غفلت شعاریوں سے آگاہ اور اپنی بے اعتدالیوں
 سے واقف ہو کر اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔“

حضرت امیرِ حُرَیْرُہِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَد ظَلَمَةُ الْعَالِي

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب چہارم

تحریک عرب اللہ

آغازِ کلام

ہر تحریک بعض اسباب کے تابع ہوا کرتی ہے گزشتہ ابواب کے مطالب اگرچہ کہ
ذہن میں موجود ہیں تو ہم آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تاریخی ماحول، سیاسی فضا اور
تمدنی حالات کس طرح ایک عظیم تحریک کی تخلیق اور اس کے بروئے کار آنے کا موجب
بن رہے تھے۔ جنگ عالمگیر اول (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء) کی ہلاکت آفرینیوں سے بعد شکل
اپنی جان بچا سکے تھے۔ جزیرۃ العرب کو انگریزوں نے مختلف چھوٹے چھوٹے حصوں میں
تقسیم کر دیا تھا۔ مصر کا بطل حریت زافعول پاشا ۱۳ اگست ۱۹۲۲ء کو وفات پا گیا۔ اور
وہاں انگریزوں کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ اس طرح نظر آتا تھا کہ جو انگریز صلیبی
جنگوں میں مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکے تھے۔ لیکن اب وہ اپنی مملکتوں کو چھوٹی

کی بنا پر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ افغانستان میں جب امیر امان اللہ خان نے استقلال وطن کے لئے جدوجہد کی اور وہ اپنی قوم کو اقوام عالم کے دوش بدوش کھڑا کرنے میں منہمک ہو گیا۔ تو انگریزوں نے سوچا ملت اسلامیہ کی راہ میں یہ جھگاری کیوں موجود ہے۔ اسے بھی پاؤں تلے روند ڈالنا چاہئے۔ چنانچہ اس کی اپنی قوم کے ذریعے بڑی ذلت کے ساتھ اسے ملک بدر کرنے کے ناپاک منصوبے تیار کئے گئے۔

بیرون ہند مسلمانوں کی یہ حالت تھی۔ اور اندرون ہند ان کے حالات اور بھی زیادہ المناک تھے۔ مسلمان افلاس کا بری طرح شکار ہو چکے تھے۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ ان کے گھروں میں زر و دولت داخل نہ ہونے پائے۔ اور جو موجود ہے وہ نکل جائے۔ مسلمان جاہل تھے۔ کیونکہ انگریزوں نے ان کے تعلیمی اداروں کو مختلف ہتھکنڈے اختیار کر کے بالکل معطل اور بیکار کر دیا تھا۔ افلاس اور جہالت نے مسلمانوں کی اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی حالت کو بالکل بگاڑ دیا تھا۔ اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ لوگ اس ملت کے فرزند ہیں جو تہذیب تمدن کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھی۔ مسلمانوں کی حالت زار کے ساتھ اسلام بھی کس میسر کے عالم میں مبتلا تھا۔ حاتی نے باپنٹم گریاں اور دل بریاں اس حالت کا ماتم کیا اور بارگاہ رسالت میں استغاثہ کرتے ہوئے وہ مشہور زمانہ نعتیہ نظم کہی جس کا مطلع ہے۔

اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دعا، امت پر تری آ کے جو وقت پر آئے

اہل ہندو اسی سرزمین میں ایک وقت بھیل، گوند اور دراوڑ اقوام کو بری طرح ذلیل کر چکے تھے۔ اور ہندومت کی ایک کرپٹ نے بدھ مت کا بھی یہاں سے صفایا کر دیا تھا۔ اپنے اس ماضی کے زیر اثر ہندو رام راجیہ کا خواب دیکھنے لگے ان کی دلی آرزو تھی کہ یا تو مسلمان ہندوؤں میں مدغم ہو جائیں۔ اور اپنا مستقل وجود ختم کر دیں۔ یا مجبور ہو کر مشورہ اقوام کی طرح ذلت ہمیں

مسلمانوں کی
حالت زار

ہندو کی
ذلت

جینت اختیار کر لیں۔ ہندوؤں کی نگاہوں کے سامنے سپین کے مسلمانوں کا بھی حشر تھا۔ جہاں سے انہیں سات سو سال کی حکومت کے بعد بیکٹینی و دوگوشن خارج البلد کر دیا گیا تھا۔ اور جہاں مسجد قرطبہ اور قصر الحمراء کھڑے مسلمانوں کا مریہ پڑھ رہے تھے۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ ہندوستان میں بھی اسلام اور اس کے نام لیواؤں کے ساتھ ہی سلوک کیا جاسکتا ہے۔

مسلمان جہاں جاہل اور مفلس تھے۔ وہاں ہندوؤں کے بری طرح مقروض بھی تھے۔ انگریزوں کی عنایت خصوصی نے جہاں ہندوؤں پر دولت و ثروت کے دروازے کھول ڈالے تھے۔ وہاں مسلمانوں کو بری طرح کچل کر رکھ دیا تھا۔ اور ہندوؤں کا دست بند بنا ڈالا تھا۔ صرف اسی ایک واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مقروض مسلمان ہندوؤں کو ہر سال پندرہ کروڑ روپے بطور سود ادا کر رہے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں ایک انتقال اراضی بنا تھا۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ غیر کاشتکار اقوام کاشتکاروں کی زمین نہ خرید سکیں اس کے باوجود مسلمانوں کی زمینیں نیلام ہو رہی تھیں۔ عدالتوں ہندو و کلاء چھائے ہوئے تھے چیف جسٹس سر شاومی لعل نہایت تعصب کا ہندو بنیا تھا۔ ہندوؤں نے عسکری جماعتیں ہی بنالی تھیں۔ اور جسمانی طور پر اپنے آپ کو مضبوط بنانے کے لئے باقاعدہ ورزش کیا کرتے تھے۔ ڈنٹر پلٹے تھے، اکھاڑے بنا کر زور آزمائی کرتے تھے۔ اس طرح نظر آتا تھا کہ جنگ عالمگیر اول کے خاتمہ پر ہندوؤں میں جو سیاسی شعور پیدا ہوا ہے اس کے بل بوتے پر وہ انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکال دیں گے۔ اور خود اس ملک کے بلا شرکت غیرے مالک بن جائیں گے۔

مسلمانوں کو نہ تو آثار مصیبت کا احساس تھا۔ اور نہ ہی سیاسی شعور ان کے قریب چسکا تھا۔ وہ منظم نہیں تھے۔ اور تفرقہ بازی کاشتکار ہو چکے تھے۔ جو جماعتیں اور اجنبی انہوں نے بنائی تھیں۔ ان کے مقاصد بالکل محدود تھے۔ اور نہ ہی اصل مہن

کا کسی نے کھوج لگایا تھا۔ کوئی واضح نصب العین ان کے سامنے موجود نہیں تھا۔ کہیں انگریزوں سے وفا شعاری کے عہد و پیمان ہو رہے تھے۔ تو کہیں ہندوؤں کے ساتھ محبت اور یگانگت کا ثبوت دیا جا رہا تھا۔ کبھی جوش آجاتا تھا تو انگریز ہندو دونوں کو کوس لیا جاتا تھا۔ اور اپنی اصلاح کے لئے کوئی مرتب، مضبوط، وسیع المقاصد اور جامع اقدام عمل میں نہیں لایا جاتا تھا۔ بالائی طبقہ کے مسلمان یا تو حال مست تھے یا انگریزوں کی کاسہ لیبی اپنا شعار بنا چکے تھے۔ عامۃ المسلمین پر لے درجہ کے کوتاہ اندیش اور تنگ نظر تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض دروہل رکھنے والے مسلمان دولت در لٹانے میں مصروف تھے۔ لیکن ان کے خیالات زیادہ سے زیادہ قصباتی اور شہری آبادی تک نفوذ کر سکے تھے۔ دیہاتی آبادی ان سے کلیتاً نا آشنا تھی۔ اور دیہات میں مسلمانوں کی غالب اکثریت آباد تھی۔ جہالت، افلاس اور بے دینی کی وجہ سے دیہاتی مسلمان فی الواقعہ کالانعام تھے۔ ضرورت ایک ایسے مجاہد و مصلح "مرد مومن" کی تھی جس کے دائرہ عمل کی وسعتیں دیہات و قصبات کو کیساں طور پر اپنے اصلاح و تنظیم کے دائرے میں سمیٹ سکیں۔

قدرت نے قبلہ سجادہ نشین صاحب کے دل میں درو قومی ایام طفولیت سے ودیعت فرما دیا تھا۔ قلبی جذبات و حسیات و تاثرات ہمیشہ سے آپ کے دل میں اضطراب پیدا کرتے رہے تھے۔ آپ ایک کثیر التعداد جماعت کے مذہبی اور روحانی پیشوا تھے۔ آپ کے دل میں احساس فرض بڑھتے کے ساتھ موجود تھا جس کے پیش نظر آپ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے۔ اس لئے سالہا سال سے آپ غور و فکر کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی حالت کس طرح سدھ سکتی ہے۔ خدا کی ساری مخلوق سو جاتی تھی مگر آپ جو شب کے سکوت اور تنہائی میں گوہر مقصود کی تلاش کے لئے اپنے مالک حقیقی سے لو لگائے

بیٹھے رہتے تھے۔ اہل عالم کو کیا معلوم کہ آرام و آسائش کے کتنے دن اور راحت و
 آسودگی کی کتنی راہیں آپ نے اس اضطراب اور پریشانی میں گزار دیں کہ مسلمان کس
 طرح پھر اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کر سکتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کا چمن اپنے لئے
 ہوئے حسن، اپنی چھنی ہوئی رونق اور اپنی زائل شدہ سرسبزی اور شاوہابی سے دوبارہ
 کٹیں ہم آغوش ہو سکتا ہے۔ آپ کے درو و سوز کو دیکھ کر آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی
 رہنمائی کی اور آپ کو ایک ایسا جامع تیسرہ ہدف اور مجرب نسخہ مل گیا جس کے چند روز
 استعمال سے ملت اسلامیہ اس متعدی اور مہلک مرض سے نجات پاسکتی تھی۔ اور
 اس کی تمام بیماریاں دور ہو سکتی تھیں۔ یہ نسخہ اکیسیر حیات تھا، روح زندگی تھا۔ اور
 شفا والا مقام، اس کے اثرات ایسے معجز نہاتھے کہ مسلمانوں میں وہی امنگیں اور وہی
 دلے پیدا ہونے والے تھے۔ جو ان کے اسلاف کرام میں موجود تھے۔ اور انہیں وہ تمام
 مناصب و مدارج یقیناً ملنے والے تھے جو ان کے آباؤ اجداد کو کسی زمانے میں نصیب
 رہے تھے۔

بیرون ہند کے اسلامی ممالک مثلاً ایران، مصر اور ترکی میں بین الا سلامی خیالات
 و افکار کے شہرہ آفاق مبلغ سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۸ - ۱۸۹۷) کی جاری کردہ قومی
 تحریکیں آہستہ آہستہ بار آور ہو رہی تھیں۔ ہندوستان میں بھی ان کی صدائے بازگشت
 سنائی دے رہی تھی۔ افغانی اور دیگر اکابر ہند کے خیالات سے متاثر ہو کر اور تقاضا
 زمانہ کے عین مطابق جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب نے احیائے اسلام و مسلمین
 کے لئے ایک بڑی جامع تحریک "حزب اللہ" کے نام سے جاری کرنے کا ارادہ کیا
 اپنے اپنی تحریک کا نام قرآن مجید سے لیا۔ اس کے اغراض و مقاصد، اس کے قواعد و شرائط
 اور اس کے دستور العمل کو قرآن حکیم کی آیات سے اخذ کیا۔ اور جس بنیادی خیال کی
 تبلیغ و اشاعت کا آپ نے ارادہ کیا وہ بھی قرآن پاک سے ماخوذ تھا۔ آپ نے مسلمانوں

کو اس امر کا درس دینے کے لئے مصمم ارادہ کر لیا کہ احکام الحاکمین کے ملک میں رہتے ہوئے حقیقی معنوں میں ہمیں اس کی رعایا بن جانا چاہیے۔ جب تک ہمارے دلوں میں ایک کی یاد سب یا دلوں سے بڑھ نہ جائے گی، ایک کی محبت سب محبتوں پر غالب آجائے گی۔ ایک رشتہ سب رشتوں پر فوقیت نہ لے جائے گا۔ ایک کی حکومت سب حکومتوں پر غلبہ حاصل نہ کر لے گی۔ ایک کی غلامی کا جو اگلے میں ڈال کر ہم سب کی غلامی سے آزاد نہ ہو جائیں گے، ایک کی خواہش میں سب خواہشات کو قربان نہ کر دیں گے۔ اور ایک کی تمنا میں سب تمناؤں کو مہجول نہ جائیں گے۔ تب تک نہ تو ہماری اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ ہی ہم پر انعامات خداوندی کی بارش ہو سکتی ہے۔

اسی محبت الہی نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو زبردست قوم بنا دیا تھا۔ اسی توحید نے انہیں انصاف کے ایسے رشتے میں پرو دیا تھا کہ ان کی جماعت بے پناہ قوت کی مالک بن گئی تھی۔ اور دور جاہلیت کی تمام نا اتفاقی، فرقہ بندی اور بد نظمی دور ہو گئی تھی۔ وہ ایک بن گئے اور ساتھ ہی راہ ہدیٰ پر چلنے کے باعث نیک بھی ہو گئے۔ وہ تہذیب جو کم ہو چکی تھی۔ وہ تمدن جو مٹ چکا تھا۔ اور وہ معاشرت جو بالکل نابود ہو چکی تھی۔ اب **حزب اللہ** کے ذریعے اس کا سراغ لگانا مقصود تھا۔ نصب العین یہ تھا کہ اپنی اجتماعی حیات کو اس طرح پاکیزہ بنا لیا جائے کہ مروریہ ایم کے باعث اور ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتے ہوئے جو جرمی رہیں اور دیگر قباحتیں مسلمانوں میں پیدا نہ ہو چکی ہیں وہ دور ہو جائیں۔ ایک طرف قوت ایمان مضبوط ہو اور دوسری طرف اخراجات سے بچنے کی وجہ سے مال کا سدھر جائے۔ جماعتی حیثیت سے تجارت اور صنعت و حرفت میں حصہ لیا جائے۔ دینی تعلیم اور علوم جدیدہ کی تحصیل کی طرف پیش از پیش توجہ دی جائے۔ تاکہ دیکھتے دیکھتے

نصب العین

رہیں جو اپنے آغاز کے وقت استعمال فرمائے تھے۔ بعد کے حالات نے بتایا کہ آپ نے ۱۹۲۰ء میں جو کچھ فرمایا تھا درست ثابت ہوا۔ دیکھیں کتاب حزب اللہ ص ۷۹۔

ضمیر اور روشن خیال مسلمانوں کا ایک مرقہ الحال معاشرہ منصفہ شہود پر آجائے۔ جو سیاسی لحاظ سے بھی مضبوط ہو۔ اور قرآنی تصریحات کے مطابق **أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ** کا مصداق بھی ہو۔

ظاہر ہے **حزب اللہ** خالصتہ ایک اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا اجراء ہندوؤں یا انگریزوں کا مخالفت کے لئے عمل میں نہیں آیا تھا۔ اور نہ یہ کسی خاص فرقہ کی حمایت کے لئے قائم کی گئی تھی۔ بلکہ اتحاد بین المسلمین کی داعی اور علمبردار تھی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے کسی خاص پہلو کی اصلاح نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک جامع، ہمہ گیر اور ہمہ رس تحریک تھی۔ یہ تحریک ذہنی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی، عملی اور اجتماعی انقلاب برپا کرنا چاہتی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ سیاسی اور ملکی فلاح بھی تھا۔ اس کے لئے محض تقریروں پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بلکہ ایک منظم جماعت کا قیام ضروری تھا۔ جو مقرر کردہ اوسط شدہ طریق کار کے مطابق سرگرم عمل رہے۔ اور پھر اس جماعت کی مسلسل اور متواتر نگرانی بھی ضروری تھی۔ تاکہ کہیں بھی غفلت، لاپرواہی، سستی اور بے راہ روی کا دخل شروع نہ ہو جائے۔ سیرت کی انہیں خرابیوں کی وجہ سے جماعتیں بگڑ جاتی ہیں۔ اور نیک اور اعلیٰ مقاصد شرمندہ تکمیل نہیں ہونے پاتے۔ ان تھک کوشش لگاتار محنت، شب و روز دوڑ و دوپ اور ہر آن غور و فکر کی ضرورت تھی۔ کیونکہ صرف اسی طرح **حزب اللہ** کی جماعت اپنے مقاصد عالیہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ اور اسے عزت اور سرخروئی کا طغرائے امتیاز حاصل ہو سکتا تھا۔

لاریب جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی دردمندوں رکھتے تھے۔ آپ بڑے اسلام دوست اور ملت پرست تھے۔ اس کے باوجود آپ ناز و نعمت میں پلے تھے۔ اور طبیعت نسبتاً آرام پسند تھی۔ لیکن جب **حزب اللہ** کی ارفع اور اعلیٰ جماعت کا تصور آپ کے ذہن میں اچھی طرح واضح ہو گیا۔ اور آپ کی آنکھوں نے ایک

ایسا دلخوش کن نظارہ دیکھ لیا جو دوسروں کے تخیل سے بھی ماورا رہتا تھا۔ آپ کے کاغذوں نے ایسے نغمہ ہائے دلکشی سنائے جو ماوشما کے وہم و گماں میں بھی نہیں آسکتے تھے اور آپ کا دل ان نبجت انگیز و نشاط خیز کیفیات و تاثرات سے لبریز ہو گیا۔ جن سے باقی لوگ بالکل عاری تھے۔ تو آپ ان واحد میں محنت پسند اور عالمی ہمت بن گئے آپ زبردست قوت ارادی کے مالک بن گئے۔ آپ کا دل گروہ بے حد مضبوط ہو گیا ایک بڑے فسوں کرنے آیدنا کا بروح القدس کا افسوں آپ پر چھونک دیا۔ اس کی حیرت انگیز تاثیر سے آپ کو انشراح صدر حاصل ہو گیا۔ اور آپ کا دماغ حقیقت فہم اور دل حقیقت شناس بن گیا۔ یعنی رب العالمین کی طرف سے آپ تبت مسلمہ کی اصلاح کے لئے مامور ہو گئے۔ آپ نے کمر ہمت باندھ لی اور دل و دماغ کی تمام صلاحیتیں خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیں۔

۶۹۵ھ جمادی الثانی ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۹، ۳۰ و ۳۱ نومبر ۱۹۲۴ء کو حسب دستور خواجہ

غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک منعقد ہوا۔ تحریک حجاب کا تخیل عرصہ سے جناب ابوالبرکات مدظلہ العالی کے ذہن میں موجود تھا۔ دیگر موانع کے علاوہ آپ کی طویل اور مسلسل علالت خاص طور پر سدر راہ بنی رہی تھی۔ مگر اس عرس مبارک کے موقع پر تمام استقام اور موانعات کے باوجود آپ کے جذبات بے قابو ہو رہے تھے جیسا و تاثرات نے دل و دماغ کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ اور خیالات کی رو تھامے نہ تھمتی تھی۔ اب زندگی کے ایک نئے میدان کی طرف رہنمائی ہو چکی تھی۔ اور فرض شناسی کے جذبہ صاق نے تمام خوابیدہ قوتوں کو بیدار کر کے مصروف کار بنا دیا تھا۔ آپ نے تقریر کبھی نہیں فرمائی تھی۔ مگر خواب میں حضرت خواجہ غریب نواز نے تین دفعہ **وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ** کا دم فرما دیا اور حجاب دور ہو گیا۔ رجال الغیب میں سے ایک نے ارشاد فرمایا یہ

اٹھ باندھ کر کیوں ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اس لئے عرس مبارک کے روز پہلے آپ نے ایک ہنگامی مجلس شوریٰ منعقد کی اور اہل التماس کی تقریر پر بھائیوں کا مشورہ حاصل کیا۔ اس مجلس کے تاثرات خود اعتمادی میں اضافہ کا باعث بنے۔ اور رات کو آپ نے دس ہزار سے متجاوز سامعین کے سامنے مسلسل تین گھنٹے تک اظہار خیالات فرمایا۔ لوگوں نے نہایت صبر و سکون سے تقریر سنی۔ یہ "حزب اللہ" کی اقتتاحی تقریر تھی۔ آپ کے در و دل سے تمام حاضرین بچہ متاثر ہوئے۔ اور تمام بکراختلا متفقہ طور پر آپ کو اپنا امیر تسلیم کر لیا۔

اس تقریر کے خاتمے پر اگر آپ چاہتے تو دس ہزار کے مجمع میں سے پانچ ہزار ضرور "حزب اللہ" کی رکنیت قبول کر لیتے۔ مگر آپ نے ترغیب و تحریص کی بجائے ترمیم و تحریف سے کام لیا۔ آپ کا مقصد و منشا یہ تھا کہ لوگوں کو سوچ بچار اور غور و فکر کا موقع دیا جائے مبادا امتحان یا آزمائش میں پڑ کر وہ گھبرا جائیں۔ اور دوسروں کے سامنے بری مثال پیش کریں۔ اپنے واضح فرما دیا کہ

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر باست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

یہ ایک غیر معمولی تحریک تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ اس کی اس حیثیت کا شعور تمام کو حاصل ہو جائے۔ اور وہ غیر معمولی کام کرنے کے لئے پور طرح آمادہ ہو جائیں۔ اس کے بعد انہیں معمولی کام کرتے ہوئے قطعاً پرواہ نہیں ہوگی۔ دوسرے دن خدائی فوج کی بھرتی ہوئی اور اڑھائی سو کے قریب مخلصین صادقین نے اپنے نام بطیبت خاطر اور برضا و رغبت لکھوا دیئے۔ آپ کا خیال تھا کہ تعداد بیسیوں تک محدود رہے گی۔ لیکن جاں نثار اور جان باز ارکانِ حزب اللہ کی تعداد جب پہلے روز ہی سینکڑوں تک پہنچ گئی تو آپ کو بے حد مسرت حاصل ہوئی۔ اور آپ کو یقین ہو گیا کہ خدا کے فضل سے یہ تحریک ضرور کامیاب ہوگی۔

آپ نے جلسہ میں اعلان فرمایا تھا کہ عنقریب "حزب اللہ" کے اغراض و مقاصد کے ماتحت آپ ایک دورہ کریں گے۔ چونکہ اس جماعت کی تاسیس و تشکیل بے نفسی اور لٹہیت کی بنا پر عمل میں آئی تھی آپ نے دورہ میں ترک نذر ضیانت کا اعلان بھی فرمایا۔ آپ خلوص نیت سے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتے تھے۔ عرس شریف کے بعد بھی بھرتی کا کام جاری رہا بعض لوگ خود جلاپور شریف حاضر ہو کر رکن بنے۔ اور بعض خط و کتابت سے شامل ہوئے۔ اور اس طرح دورہ کے آغاز تک ارکان کی تعداد چھ سو ہو گئی۔ آپ کو کھانسی، زکام اور پھیپھڑے کی خرابی کے باعث تکلیف تھی۔ ماہ رمضان المبارک کی برکت سے طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ اس ماہ مقدس کی ۲۱ تاریخ کو بعض ذمہ دار احباب کے مشورے سے آپ نے دورہ کا پروگرام مرتب فرمایا اور دو شوال ۱۳۴۶ھ سے لے کر ۲ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ تک آپ نے دورہ فرمایا۔ اس اثنا میں آپ انیس مقامات پر تشریف لے گئے۔

دورہ نہایت باقاعدگی اور پابندی اوقات کے ساتھ جاری رہا۔ ہر روز کا سفر ملاقاتیوں کا ہجوم اور مسلسل تقریریں۔ آپ حیران تھے کہ دائمی مرین ہو گئے باوجود تکلیف سفر کو آپ نے کس طرح برداشت کیا۔ اور غیر متوقع جہت کشمی ادر محنت پسندی کا مظاہرہ کس طرح ہوا۔ اثنائے سفر میں "حزب اللہ" کے اغراض و مقاصد کی اشاعت میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ ارکان کی مجموعی تعداد پانچ ہزار سے بھی بڑھ گئی۔ اور کم و بیش تین چار لاکھ فرزند ان توحید نے آپ کا پیغام عمل سنا۔ شوق و محبت مخلصین صادقین کے پر جوش مظاہرے اور شاندار استقبال، حاضرین کے عظیم اجتماعات اور ارکان "حزب اللہ" کی تعداد میں معتد بہ اضافہ۔ یہ سب کچھ ضرور قابل قدر تھا لیکن دعوتی سرب سے بڑھ کر آپ کی ہمت افزائی کا باعث ہوئی۔ وہ عام لوگوں کی

ذہنیت میں ایک بروست تبدیلی تھی، جوش عمل کا ایک عجیب و غریب ظہور تھا۔ جو مسلمانوں کی خود فراموشی اور ناکارہ قوم کی طرف سے دیکھنے میں آیا۔ ایک ہی دور میں لاکھوں افراد کے دلوں میں فرض شناسی کے احساس کی بیداری جہاں نثر العقول تھی۔ وہاں سرفروش، حوصلہ پرور اور ہمت آفریں بھی تھی۔ یہ وہ شئی تھی جس کی تلاش میں مدت سے آپ کی نظر میں رہ رہ کر حلقہ چشم سے باہر نکلتی تھیں۔ اور ناکام واپس آجاتی تھیں۔ گرمی قلب اور سوز دروں کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ایک مجمع کو آپ کا پیغام سننے میں ایسی لذت محسوس ہوئی کہ فروری کی سخت سردی میں جبکہ موسلا ٹھار بارش شروع ہو چکی تھی۔ کوئی شخص تا اختتام تقریر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

یہ تاثیر اس لئے تھی کہ دل کی گہرائیوں سے ایک صدا نکل کر لوگوں کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ زبان سے جو الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ وہ جذبات حقہ کے ترجمان تھے۔ اور اس دردِ دل کا اظہار تھا جو سالہا سال سے آپ کے نہاں خانہ قلب میں نشوونما پا رہا تھا۔ یہ وہ پیغامِ عشق تھا جو صدیوں کے بعد پھر ترستے ہوئے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ ایک صاحبِ درد امیرِ قوم قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیمات وقت اور زمانہ کے لہجہ کے مطابق مسلمانوں تک پہنچا رہے تھے۔ اور وہ درسِ جہاد جو عرصہ سے بھول چکا تھا اور جسے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں سے ڈر کر علماء نے ذہن کے نہاں خانوں میں چھپا لیا تھا۔ اب پھر علی الاطلاق دیا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کو بیداری، اتفاق و اتحاد، خود شناسی و خود نگری اور اولوالعزمی کی تعلیم دے کر ایک تابدار اور روشن مستقبل کی خوشخبری سنائی جا رہی تھی۔ یہ تمام باتیں بالکل نئی اور انوکھی تھیں۔ اس لئے مسلمانوں کے طبائع اور ذہنیتوں میں ایک عجیب انقلاب و نما ہو رہا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت امیرِ ایدہ الشہید نصرہ العزیز کو یقین ہو گیا کہ

تحریک "حزب اللہ" اب مسلمانوں کے سینوں کو گرم رکھے گی۔ چونکہ اس تحریک کی بنیاد ایک مستحکم چٹان پر رکھی گئی تھی اور وہ چٹان قرآن مجید اور فرقان حمید ہے۔ انشاء اللہ یہ اس وقت تک کامیابی کے ساتھ قائم رہے گی جب تک مسلمانوں کے دلوں میں قرآن پاک کی قدر و منزلت اور عزت و توقیر باقی ہے۔ خدا کا شکر اس وقت تک موجود رہے گا جب تک کہ دنیا میں ایک متنفس بھی توحید کا عقیدہ رکھنے والا زندہ ہوگا۔ جب کہ حزب اللہ اور ایمان اس طرح لازم ملزوم ہیں جس طرح کہ سورج اور روشنی، پھول اور خوشبو اور آگ اور حرارت۔

دورہ کے بعد آپ **حزب اللہ** کے سلسلہ میں برابر مصروف کار رہے۔ لوگوں کے جذبات برانگیختہ کر کے اور ان کی طبیعتوں میں جوش اور دل و دماغ میں ہیجان پیدا کرنے کے بعد انہیں بالکل آزاد چھوڑ دینا خلافت مصلحت تھا۔ اس لئے آپ نے انہیں ایک طے شدہ نظام کے ماتحت لانا شروع کر دیا۔ مجالس منتظمہ قائم ہونے لگ گئیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام معاملات اور مقدمات قرآن اور حدیث کے احکامات کے مطابق عدالت میں لے جائے بغیر طے پاتے رہیں۔ تاکہ ایک طرف خصومت اور عداوت کا سدباب ہو اور دوسری طرف عدالت اور وکلاء کے اخراجات سے غریب مسلمان بچ جائیں۔ ان مجالس منتظمہ کے فرائض میں اس امر کا احتساب بھی داخل تھا کہ آیا فرائض دینی باقاعدگی سے انجام دیئے جا رہے ہیں۔ رسوم بدعات کو ترک کیا جا رہا ہے۔ اور اسراف اور فضول سے حتی الامکان اجتناب کیا جا رہا ہے۔؟ شادی بیاہ کے موقع پر عام طور پر بداعتدالیاں ہو جایا کرتی ہیں۔ حضرت امیر **حزب اللہ** کا فرمان تھا کہ کوئی بات خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ سال کے دوران میں سترہ مقامات پر اس قسم کی مجالس قائم ہو گئیں۔ جلاپور شریف میں مجلس منتظمہ کا قیام دورہ سے پہلے عمل میں آچکا تھا۔ پہلے سال کے اختتام پر جب جائزہ لیا

مجالس منتظمہ
سنہ اصلاحات
لا قیام

کلیتاً

کیا تو پتہ چلا کہ جلالپور شریف کے صرف دو مقدمے عدالت تک گئے ہیں اور وہ بھی اس لئے کہ قابل دست اندازی پولیس تھے۔ ورنہ ساری آبادی میں سے ایک مقدمہ بھی تحصیل، ضلع، سب جج یا سیشن جج میں نہ گیا۔ غیر مشردع رسوم و بدعات کے انسداد سے جو فوائد حاصل ہوئے ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چوہدری احمد خان سب انسپکٹر پولیس نے اپنے ارٹکے اور لڑکی کی شادیاں کیں تو قاضی کو نکاح خوانی کے پانچ روپے دینے کے علاوہ اور کوئی خرچ نہ کیا۔ جلالپور شریف کی مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ برات میں دس سے زائد آدمی نہ ہوں۔ باقی مجالس منتظمہ نے بھی اسی طرح ذمہ داری اور فرض شناسی کا اظہار کیا۔ یہ نہایت ہی مفید اور اطمینان بخش کام تھا۔ جس کا خیال تک کسی بڑے سے بڑے لیڈر کو نہ آیا تھا۔ وہ تو صرف تقاریر کے فریضے ہنگامہ پروری اپنا واحد نصب العین سمجھتے تھے۔ کوئی ٹھوس مقصد ان کے سامنے نہ تھا۔ اور نہ ہی مستقل مزاجی سے وہ ایک کام کو جاری رکھ سکتے تھے۔

۱۔ لڑکی دہ

اتنی بڑی تحریک کے لئے مرکزی دفتر کا قیام از بس ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت امیر حزب اللہ نے اس طرف خصوصی توجہ منعطف فرمائی۔ آپ نے تو زندگی بھر کے لئے یہ لائحہ عمل مقرر کر لیا تھا کہ اپنی استطاعت اور برداشت کے مطابق دورے بھی کریں گے۔ اور جلالپور شریف رہتے ہوئے بھی کام جاری رکھیں گے۔ لیکن شریف کے محرر خدیجی منشی محمد عالم تھے۔ انہیں زبان فارسی سے اتنا زیادہ مس نہیں تھا۔ اور حضور کی تحریر معنی خیز فارسی ترکیبات سے معمور ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے پہلے منشی حقا موصوف کو فارسی کی دوچار کتابیں خود پڑھائیں۔ اس کے بعد محرری کے کام پر آمادہ فرمادیا۔ قیام حزب اللہ سے پہلے بھی حضور اس شعبے کو بڑی اہمیت دیتے تھے لیکن اب اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو گئی۔ حزب اللہ کا علیحدہ دفتر قائم ہوا۔ منشی محمد عالم کے سپرد تمام کام کر دیا گیا۔ ارکان حزب اللہ کے کوائف لکھنے

کے لئے بڑے ضخیم اور چرمی جلد والے مضبوط رجسٹر تیار کرانے گئے۔ تمام خط و کتابت اور طباعت کا کام اسی دفتر سے ہونے لگا۔ منشی محمد عالم نے بڑی ذیانت، محنت اور خلوص دلی کا اظہار کیا۔ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت رضا کارانہ طور پر خوشنویس پیر بھائی بھی منشی صاحب کے تعاون کے لئے آجاتے تھے۔

مرکزی دفتر کے قیام کے ساتھ ساتھ جناب امیر حبیب اللہ مدظلہ العالی نے ایک اور نہایت ہی ضروری کام انجام دیا کوئی تحریک اپنے لٹریچر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ آسمانی کتابوں کے نزول کی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ تحریک اسلام کے مقدس علمبردار اپنے پیروان کا کوئی مستقل دستور العمل دے سکیں۔ چنانچہ ہمارے بالغ نظر امیر بے نظیر نے بھی فوری طور پر اس طرف توجہ دی اور "حزب اللہ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جو اندازہ بیان کے لحاظ سے نہایت ہی شگفتہ اور جاوید نظر ہے۔ اردو زبان میں شاید ہی کوئی کتاب اس کے ہم پلہ ہو۔ اس دور میں ابوالکلام آزاد اور ظفر علی خان کی زبان بڑی پُر زور، فصیح و بلیغ، شگفتہ اور معنی خیز تصور کی جاتی تھی۔ لیکن ان خوبیوں کے اعتبار سے اس مبارک کتاب کا اندازہ ہی کچھ اور ہے۔ مطالب اور معانی کے لحاظ سے اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو حیاتِ اسلام کے لئے اس وقت کے راہبر کہہ رہے تھے۔ لیکن اس میں جو تاثیر ہے، اسلام کے ماضی کا جو شدید احساس آئیں موجود ہے۔ شاندار مستقبل کی جو نوید اس کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس میں جامعیت ہے۔ اور پھر اس میں جو پاکیزہ روح کار فرما ہے۔ وہ ادھر ادھر نظر نہیں آتی۔ ذرا ان اقتباسات کو پڑھیں :-

مقصد یہ ہے کہ دنیا میں بھی رہو، دنیا کے کام بھی کرو، بیوی بچوں سے بھی محبت کرو، تحصیل علم کی خاطر چین تک بھی چلے جاؤ، سائنس اور فلسفہ کی تلاش میں یورپ کی کوچہ گردی بھی کر لو، تجارت کے لئے

افریقہ اور امریکہ تک بھی جا پہنچو لیکن جہاں رہو، جس حالت میں رہو، اپنے خدا کو مت بھولو، اپنے دین کو مت فراموش کرو، اور اپنے سارے جہاں سے پیارے نبی (فداہ اُمی و ابی) کی یاد ہر وقت دل میں رکھو۔

یہ درست ہے کہ عرب کی وہ سیخ و دو دم جس نے سلطنت روما کے پرچھے اڑا دیے اور ساسانی اقبال کو نیست و نابود کر دیا۔ نوجوانانِ عرب کے ہاتھوں سے نکل کر بہادر ترکوں کے ہاتھ آئی۔ اور ہندوستان میں کئی بار چمکی۔ اور یہاں کشتیوں کے پشتے لگ گئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک فاتح قوم مفتوح اقوام کے اجسام پر تو بزورِ شمشیر قابض ہو سکتی ہے مگر ان کے قلوب ارواح پر قبضہ و اقتدار مشکل ہوا کرتا ہے۔“

خواجہ اجیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہ تلوار تھی نہ بندوق، نہ توپ تھی نہ تفنگ، نہ ہوائی جہاز تھی نہ ڈریڈناٹ، نہ میٹرک فولادی قلعے تھے نہ مشین گنیں، بس ایک ہی حربہ تھا، ایک ہی ہتھیار تھا، ایک ہی اوزار تھا جس کے استعمال سے مخالفین کی تمام ہمتیں شکست کھا گئیں، تمام حوصلے پست ہو گئے اور مغلوب و مفتوح ہو کر انہوں نے اپنے تمام آلاتِ حرب اس فاتحِ اعظم کے مبارک قدموں میں ڈال دیئے۔ اس ہتھیار کا نام عملی حیات ہے۔ اور اوزار کا نام عملی نمونہ۔

مسلمانوں کی اجتماعی حیات کا مقصد یہ ہے خدائے لایزال کے پرستار اور ایک رسولِ برحق (روحی فداہ) کے نام لیوا سب دوسرے

رشتوں اور تعلقوں کے مقابلہ میں اسلام کے رشتے کو اہم اور اقدم سمجھیں، اخوتِ اسلامی کو سب برادریوں سے افضل جانیں اور اسلامی برادری کو سب پر ترجیح دے کر ایک ایسا اتحاد پیدا کر لیں، ایک دوسرے کے ساتھ بھادری کے ایسے رشتے جو طلب ہیں کہ دوسری اقوام پر ان کا رعب و اب قائم ہو جائے۔ اغیار کے دلوں میں ان کی ہیبت بیٹھ جائے۔ اور ان کی متحدہ قومیت کا مقابلہ کرنے کی دنیا میں کسی کو ہمت نہ رہے۔

اس مؤثر خطیبانہ انداز بیان میں بنیادی طور پر قرآن و حدیث کے مطالب ہیں جن کی تصریح اور تشریح تاریخ اور سائنس کے انکشافات اور تمدن و عمرانیات کی اصولوں سے کی گئی ہے۔ اختصار کے باوجود یہ کتاب ایک مکمل دستور العمل ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس پر عمل جاری رہے تو جلالپور شریف کا مقدس مقام اشاعت و تبلیغ اسلام اور احوالے امت مسلمہ کے لئے ہمیشہ کے لئے مستقل مرکز کا کام دے سکتا ہے۔ اور انشاء اللہ دینا رہے گا۔

اس کتاب کا خلاصہ حضور نے ایک رسالہ کی صورت میں بھی مرتب فرمایا۔ مطالب وہی تھے اور ترتیب بھی وہی لیکن انداز بیان نسبتاً سہل تھا۔ آپ نے حزبِ اللہ کی ضرورت، اغراض و مقاصد اور اس کے قواعد و ضوابط ساوہ الفاظ میں بیان کر دیئے تاکہ ہر پڑھا لکھا انسان باسانی سمجھ سکے۔ یہ رسالہ پانچ بار طبع ہوا۔ ہر دفع اس میں معمولی سا اضافہ بھی ہوتا رہا جو نئے حالات کی وجہ سے ابس ضروری تھا۔ لیکن ہر بار آپ نے یہ اہتمام فرمایا کہ اس کی حیثیت محض دستور العمل کی ہو چاہئے۔ ہنگامی اور وقتی تقاضوں سے اس کا کوئی سروکار نہ ہو۔ کتاب حزبِ اللہ اور یہ رسالہ اس مبارک تحریک کا اصلی لٹریچر ہے جو ان کا حزبِ اللہ

تحریر کا اصل نسخہ

کی رہنمائی اور بصیرت افروزی کیلئے طبع کرایا گیا تھا۔

اس ارفع اور اعلیٰ تحریک کا خیر مقدم بڑا حوصلہ افزا تھا۔ ہندوستان کے ہر حصے میں اس کی تعریف کی گئی۔ اہل الرائے نے ہمت افزا خطوط حضرت امیر حزب اللہؒ کی خدمت میں روانہ کئے۔ تحریک کا ذکر اخبارات تک پہنچا۔ زمیندار سیاست انقلاب ان دنوں کے نامور اور مقتدر اسلامی اخبارات تھے۔ ان کے تبصرے بڑے حوصلہ پرور تھے۔ ہندو اخبارات ہند کے ماترہم اور ٹریبون نے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ جب اگلے سال کے موسم بہار میں حضرت امیر حزب اللہؒ نے ایک ماہ آٹھ روز کا پھر دورہ فرمایا تو انقلاب اور سیاست ہر دو اخبارات نے آپ کے مکمل دورے کی تفصیلات پہلے صفحہ پر شائع کیں اور تحریک حزب اللہ روز بروز کامیاب ہو رہی تھی اور "یدخلون فی دین اللہ" کے روح پرور مناظر "عنوانات قائم کئے۔ اکتیس مقامات کا دورہ تھا اور ایک ایک مقام کا ذکر بالتفصیل کیا گیا۔ لوگوں نے جس اشتیاق اور والہانہ عقیدت و محبت کا مظاہرہ کیا تھا اور مردہ جذبات کا جس طرح احیاء ہوا تھا۔ اس کا ذکر بڑے مؤثر پیرائے میں کیا گیا۔ دیگر روزانہ اخبارات کے علاوہ ہفتہ وار اخبارات ترجمان گجرات اصلاح بنیاد اور آوازِ یگانہ لاہور اور پندرہ روزہ اخبار نیر اسلام جہلم بھی اس سلسلہ میں پیش پیش تھے۔ تحریک کی مقبولیت کا یہ زبردست ثبوت تھا۔ بعض تنگ نظر لوگوں نے اعتراضات بھی کئے۔ لیکن حضرت امیر حزب اللہؒ کے جوشِ عمل، خلوص بے نفسی اور جوانمندی کی وجہ سے کسی کی کوئی بات مزاحم نہ ہو سکی۔

سنایا جو نگار اول و آخر نے دنیا کو!

ہم اس الفت بھرے پیغام کو پھر عالم کرتے ہیں

سِالانہ دورے

گرمی ہو یا سردی، موسم موافق ہو یا ناموافق، مہینہ برس رہا ہو یا مطلع صاف، دنیا میں رزم کی گرم بازاری ہو یا بزم کی دلغری، ہر ایک مانع اور رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاکر حزب اللہ کا کارواں چلتا رہا ہے۔ اور انشاء اللہ چلتا رہے گا۔

حضرت امیر حزب اللہ

حزب اللہ کے پروگرام میں سالانہ دوروں کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے بغیر اس درس کے بھول جانے کا خطرہ تھا۔ جو حضرت امیر حزب اللہ سے رہے تھے، اس جوش عمل کے سرد پڑ جانے کا ڈر تھا جو پیدا کرنا اور قائم رکھنا مقصود تھا اور دائرہ اثر کی اس آفاق گیر وسعت کا حصول ناممکن تھا جو شروع ہی سے آپ کے مد نظر تھی۔ حضور دورہ کے لئے فروری اور مارچ کے مہینوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ابتدا ان اضلاع سے ہوتی تھی جہاں فروری میں نسبتاً کم سردی ہوتی ہے۔ تاکہ منتظمین کو جہاں کی خاطر زیادہ تردد نہ کرنا پڑے۔ بہت سے سال حضور کلاہی طریق کار رہا لیکن بعد میں جب عرس مبارک کی تقاریر قمری حساب کی وجہ سے انہی ایام میں منعقد ہونے لگیں تو دورہ کے لئے اکتوبر نومبر کے مہینے قرار پائے عرس شریف کے سلسلہ میں قمری تاریخوں کی پابندی نے دورہ کے اس نظام کو بھی قائم نہ رہنے دیا۔ اور پھر حضور نے خزاں اور بہار کی دو قسطوں میں دورہ کرنا شروع فرما دیا۔ آپ کا پہلا دورہ ایک ماہ کے لئے تھا اور آپ ۲۹ مقامات پر تشریف لے گئے۔ دوسرا دورہ ایک ماہ آٹھ روز کا تھا۔ اور مقامات ۳۱ تھے۔ تیسرے دورہ کے موقع آپ ڈیڑھ ماہ سرگرم سفر رہے اور ۳۶ مقامات پر جلسے منعقد ہوئے بعض اوقات شائقین کے اصرار پر آپ دو دو تین تین مقامات پر تشریف فرماتے

تھے۔ اور اعلیٰ پروگرام بدستور باقاعدگی سے جاری رہتا تھا۔ ہولے ہولے ہر سال دورے کے ایام اور مقامات بڑھنے لگ گئے۔ چنانچہ جب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء کو بیسواں دورہ ہوا تو حضور ۱۰ جنوری کو جلالپور شریف سے روانہ ہوئے اور بیسواں اپریل کو واپس گھر تشریف فرما ہوئے۔ یعنی دورہ پورے ۱۰۱ روز (۳ ماہ گیارہ روز) جاری رہا اور آپ ۶۸ مقامات پر تشریف لے گئے۔

مسلسل اور متواتر دوروں کی وجہ سے ذوق و شوق بڑھا۔ اور دینی اور دنیاوی برکات حاصل ہونے لگ گئیں۔ خلوص اور محبت میں وہ چند اضافہ ہو گیا۔ بنا بریں حضور نے پروگرام کی تیاری کے لئے خاص طریق کار مرتب فرمایا۔ اس غرض کے لئے باقاعدہ مجلس مشاورت منعقد ہوتی تھی۔ اس میں معمولیت کے لئے دعوت و ہندگان کے علاوہ ان باخبر حضرات کو بھی بلایا جاتا تھا جو مقدم علاقوں میں رستہ کے نشیب و فراز سے اچھی طرح آگاہ ہوتے تھے۔ جن کی اساتذہ رائے پر اعتماد ہوتا تھا۔ اور جو مقامات کا آپس میں رابطہ قائم کر سکتے تھے۔ ان مقامات مجلس سے پہلے ذمہ دار احباب کے ذریعے معلوم کر لیا جاتا تھا کہ دعوت لینے والے کوئی ایسے شائق تو نہیں رہ گئے جنہیں درخواست دینے اور پروگرام کی تیاری کا وقت معلوم نہیں تھا۔ یہ احتیاط اس لئے برتی جاتی تھی تاکہ بعد میں کسی کو شکایت کا موقع نہ رہے۔ اکثر صاحبان عرس مبارک کے موقع پر ہی وفد لے کر اپنی اپنی حضرت امیر عرب کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔ جو مرکزی دفتر میں اعلیٰ تھے۔ ظاہر ہے مجلس مشاہدہ کے انعقاد سے پہلے مرکزی دفتر کو ہر خط و کتابت کا بڑی تھمی اور ملک کے گوشہ گوشہ میں مختلف قسم کی مجلسوں کا اہتمام ہوتا تھا۔

مجلس مشاورت کے روز جلالپور شریف میں ٹیبل چوہاں چلے جاتی تھیں اور دورے دعوت و ہندگان بھیجتے تھے۔ ہر ایک کے دل میں ہی اس دورے کی

تھی۔ خدا کرے۔ میرا مقام پروگرام میں شامل ہو جائے۔ اور حضرت امیر حزب اللہ کے ورد مسعود اور مسیحا نفسی سے اپنے دلوں کو راحت پہنچائیں اور اپنی دیرینہ علل و اسقام کا مداوا حاصل کریں۔ مجلس میں شمولیت کرنے والوں کے رلوں پر امید جہیم کی عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی۔ اور بار بار ایسا دیکھنے میں آیا کہ کسی محبت مخلص کا مقام کسی مجبوری کی بنا پر پروگرام میں شامل نہیں ہو سکا اور وہ بے اختیار ہو کر بڑے درد کے ساتھ زار و قطار رونے لگ گیا ہے۔ اور پھر حضور اس کی خاطر واری کے لئے کئی تدابیر اختیار فرماتے ہیں۔ آپ کوشش فرماتے تھے کہ مقامات نئے سے نئے ہوں اور ان علاقوں میں ہوں جہاں پہلے آپکا ورد نہ ہوا ہوتا کہ آپ کا پیغام ہر خطے اور ہر گوشے میں پہنچ جائے۔ ایسے مقامات کو ہمیشہ ترجیح دی جاتی تھی۔ اگرچہ آپ یہ چاہتے تھے کہ حضور کی صدائے درد آمیز بار بار کانوں میں پہنچے تاکہ پوری طرح دلوں میں جاڑیں ہو جائے۔ تاہم آپ یہ احتیاط فرمالتے تھے کہ بار بار وہی مقام نہ ہوں تاکہ یکے بعد دیگرے ہر ایک کی آرزو پوری ہو جائے۔ جن اصحاب کی درخواستیں منظور نہیں ہو سکتی تھیں۔ انہیں ہدایت مل جاتی تھی کہ اپنے اپنے قریبی مقامات پر حاضر ہو جائیں۔ اس طرح ارکان حزب اللہ اور عامۃ المسلمین کو ہر سال حضور کا جیات پر ور پیغام سننے کا موقع مل جاتا تھا۔ بعض شہر اور دیہات ایسی مرکزی حیثیت رکھتے تھے کہ حضور ہر سال وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ پروگرام میں مجالس و عرس، شب بانہی اور مختلف مقامات کے باہمی ربط کے مسائل بڑے غور و فکر کے متقاضی ہوتے تھے۔ جرح اور بحث اور رد و تنقید کی ضرورت بھی کئی مواقع پر لاحق ہوتی تھی۔ بڑا وقت لگ جاتا تھا۔ اور پھر کہیں جا کر پروگرام مرتب ہوتا تھا۔ اس بات کا خاص خیال رکھ لیا جاتا تھا کہ حضور کو جہاں پور تشریف واپسی کے لئے وقف ملتے رہیں۔ تاکہ آپ کچھ آرام بھی کر سکیں۔ اور لنگر شریف کے

ضروری امور کی طرف توجہ مبذول فرما سکیں (لنگر شریف کے انتظامات کا آپ کو اس قدر خیال رہتا تھا کہ دورہ کے دوران میں ہر مقام پر قابل اعتماد ذرائع سے آپکو ڈاک مل جاتی تھی۔ اور جب آپ رات گئے ملاقاتیوں کے ہجوم سے فارغ ہوتے تو ذمہ داری کے شدید احساس کی بنا پر روزانہ بلا استثناء بڑی توجہ سے ڈاک کا مطالعہ فرمایا کرتے۔ ضروری ہدایات قلمبند فرماتے۔ اور اہم جوابات خود تحریر فرمایا کرتے اس طرح آپ کی عدم موجودگی میں بھی لنگر شریف کے انتظامات میں کوئی خلل واقع نہیں ہونے پاتا تھا۔ اور ادھر ادھر کے پیر بھائیوں کو بھی وقت پر جوابات موصول ہو جایا کرتے تھے)۔

ترتیب لائحہ عمل کے بعد اسے حزب اللہ کے ارکان مجلس شوریٰ کی طرف سے بڑے کاغذ پر چھپوایا جاتا۔ اس پر بڑی جلی قلم سے درج ہوتا تھا۔ خدائی فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ اور کونوں میں اور پیشانی پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مُحَمَّدًا وَنُصِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اور فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۙ درج ہوتے تھے۔ جلی عنوان کے نیچے مسلمانوں کو اثر انگیز پرانے میں مخاطب کیا جاتا تھا۔ کہ اگر عزت کی زندگی مطلوب ہے۔ اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تو حزب اللہ میں شامل ہو جاؤ۔ پھر ہندوستان کی اس بے نظیر جماعت کے بہترین اغراض و مقاصد اور شاندار کارناموں کا ایک سطر میں ذکر ہوتا تھا۔ اور بتایا جاتا تھا کہ عالی جناب تقی مساب، حامی شریعت و قانع بدعت، واقف اسرار حقیقت و ماہر موزع معرفت آیت من آیات اللہ جناب ابوالبرکات سیدنا و مولانا الحاج حضرت محمد فضل شاہ صاحب لازالت شمس ہدایا تہم لامعہ سجادہ نشین جلالپور شریف و امیر حزب اللہ نے مامور من اللہ ہو کر اور خدائے قدوس و قیوم کے خاص امر اور حکم ماتحت

دوسرا اشارہ

اس جماعت کی تشکیل مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کے لئے کی ہے۔ نیچے کاغذ کے تین حصے کر کے دورہ کا مفصل پروگرام درج کیا جاتا تھا۔ ہر حصے میں انگریزی، قمری اور ہندی تاریخیں درج ہوتی تھیں۔ دنوں کے نام ہوتے تھے۔ مقام اور تحصیل کے نام دیئے جاتے تھے۔ اور خانہ کیفیت میں مواعظِ حسنہ اور شبِ باہمی کے متعلق تصدیقات موجود ہوتی تھیں۔ عامی سے عامی انسان بھی ان اندراجات کے ہوتے ہوئے تاریخ اور مقام کے متعلق پوری طرح آگاہ ہو جاتا تھا۔ یہ مفصل اور مکمل پروگرام اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ کسی رئیسِ مملکت کے دورہ کا پروگرام بھی اس اہتمام سے کبھی شائع نہیں ہوا۔ یہ سلسلہ آخر تک قائم رہا۔ صرف اسی پر ایک نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی تھی کہ حضورِ جماعتِ حزب اللہ کے سلسلہ میں کس انہماک، مستعدی اور باقاعدگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ پروگرام چھپ کر آتا تھا تو ملک بھر میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور تمام مجوزہ مقامات پر قرب جوار کے دیہات میں دیواروں پر یہ دیدہ زیب، جاذبِ توجہ اور پر وقار اشتہار چسپاں ہو جاتا تھا۔ اور ہر طرف قریب بقریب، کوہ کو خیر پھیل جاتی تھی کہ حضرت امیرِ حزب اللہ عزہ اللہ بنصرہ العزیز دورہ پر تشریف لارہے ہیں۔ سنتے ہی آنکھیں فرش راہ بننے کے لئے آمادہ ہو جاتی تھیں۔ پروگرام سندھ اور بہاولپور سے لے کر لاہور، امرتسر، جالندھر، ہوشیارپور، جموں، کشمیر، پشاور اور اضلاع راولپنڈی، کیلمپور، جہلم، گجرات، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، سرگودہ، میانوالی، جھنگ، ملتان، لائل پور، شیخوپورہ تک پھیلا ہوا ہوتا تھا۔ یعنی جس علاقہ کو آج ہم مغربی پاکستان کہتے ہیں۔ وہاں قیام پاکستان سے پورے بیس سال پہلے مسلمانوں کی مذہبی، اقتصادی، تمدنی اور سیاسی بہبود و فلاح کے لئے حضرت امیرِ حزب اللہ نے دورے کرنے شروع کئے۔ آپ ان علاقوں میں بھی تشریف لے گئے۔ جو آج کل بھارت میں شامل

میں۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ کسی مذہبی یا سیاسی رہنما نے آپ سے پہلے دیہاتی آبادی کو رنجور اعلیٰ نہیں سمجھا تھا۔ مگر آپ کے پروگرام میں دیہاتوں کا دورہ خصوصی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کا دورہ مسعودان چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھی ہوا جہاں ابتدائے آبادی سے اس وقت تک کوئی کبھی قابل ذکر بستی نہیں پہنچی تھی۔ آپ نے دریاؤں کو پایاب کیا، ریگستانوں کی مسافت کاٹی بلند اور دشوار گزار پہاڑوں کو چھاندا، سطوح مرتفع کے پہم اور مسلسل نشیبیہ فراز عبور کئے۔ جنوں بے پایاں نے آپ سے صحیح معنوں میں بے پناہ بادیہ نوردی کرانی۔ کوئی دشواری بھی آپ کے توہین ہمت کے سامنے حاصل نہ ہو سکی۔ راہ طے کرتے کئی بار باد و باران نے آلیا، راستہ دلدل بن گیا، حادثات ہوئے، ٹھٹھراؤ لپک پادینے والی سردیاں آپ نے معمولی معمولی جھونپڑیوں میں بھوکے رہ کر گزار دیں جہاں رات بھر نہ شمع روشن ہوئی اور نہ ہی چشم بھو کی طرح ٹپکا تھا۔ جھونپڑی سے باہر بارش ہو رہی ہوتی تھی۔ اور آپ الحمد خوان ہوتے تھے کہ ادائے فرض میں کوتاہی نہیں ہوئی۔ گو ہر روز ایک نیا سفر درپیش ہوتا تھا۔ مگر سب سے پہلے آپ تیار ہو جاتے۔ ناشتہ نہیں ہوا تو نہ سہی۔ بھوکے پیٹ اداٹے فرض میں انہماک اور سرگرمی خاندان رسالت کا شروع ہی سے وطیرہ تھا۔ اس طرح آپ ہر سال ہزاروں میل ریل، موٹر لاری یا گھوڑے پر، اور پیدل یا عند الضرورت (علالت کی صورت میں پالکی میں بیٹھ کر تمام پنجاب و کشمیر اور سندھ بہاولپور کا چکر لگایا کرتے تھے۔

سفر خواہ جیسا ہی تکلیف دہ ہوتا آپ پر وگرام کے مطابق وقت پر مجوزہ مقام پہنچ جاتے تھے۔ اکثر بیشتر سفر پر صعوبت ہوتا تھا۔ اور تھکا دینے والا۔ لیکن آپ پیش آنے والے حادثات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچ جاتے تھے۔ صوفی طفیل احمد فائق ساکن گلیر ضلع جنگ لکھتے ہیں :-

خدائی فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ ایک بہت بڑا دیواری

سائز اشتہار پڑھا۔ حضرت امیر حزب اللہ کے دورہ کاپر و گرام تھا۔ ہفتہ عشرہ کا دورہ نہیں۔ مہینوں کا دورہ تھا۔ سردی کا موسم سخت جاڑے کے دن اور دوسرے کے مقامات بھی شہر قی نہیں اکثر وہاں ہر ایک دوسرے سے دور دراز فاصلے پر واقع تھے ہی ذرائع آمد و رفت آسان، دیکھا اور حیران رہ گیا۔ یہی خیال آیا۔ یہ ناممکن ہے۔ جس طرح ہو سکتا ہے۔ ہم آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے افسر دوسرے کاپر و گرام کسے کسے ہیں۔ آمد و رفت کے ذرائع وافر ہوتے ہیں۔ ریل گاڑیاں، موٹر کاریں، گھوڑے، کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔ نمبردار، ذیلدار اور معزین علاقہ انتظام کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ باہم وہ اپنے پر و گرام پر نہیں پہنچ سکتے۔ اور دوسرے ملتوی کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح مشائخ، علماء اور واعظین دعوتیں منظور کرتے ہیں مگر مقررہ اوقات پر نہیں پہنچ سکتے۔ جہاں کیسے ممکن ہے اور اتنے لمبے پر و گرام اور دور افتادہ مقامات پر ایسے سخت موسم میں کیسے پہنچا جا سکتا ہے مگر کیا معلوم تھا کہ

اولو العزبان دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں

سمندر چیرتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

دھولکے خضوع جنگ کا مقام تھا۔ آیت وار کاہن تھا۔ گیارہ بجے جلسہ

کاپر و گرام تھا۔ ہم ساڑھے دس بجے وہاں پہنچ گئے۔ روگ ادھر ادھر چھ

رہے تھے۔ اور کسی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ انتظار کی گھڑیاں سب کے لئے

کٹھن ہوتی ہیں۔ مجھے یہی خیال آتا تھا کہ اتنا بڑا پر و گرام کیسے بنا جا

سکتا ہے۔ گیارہ بجنے ہی والے تھے کہ اچانک لاری کی گھول گھول
 نے سب کو چونکا دیا اور "وہ لاری آئی۔ وہ لاری آئی" کا شور مچا ہو گیا
 حضرت امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز تشریف لے آئے تھے
 معلوم ہوا کہ رستہ میں لاری الٹ گئی تھی۔ لیکن اللہ کریم نے
 امان دے دی۔ سلا نوالی سے مرہم پٹی کرا کے بھی حضور ٹھیک اپنے
 وقت پر تشریف لے آئے۔"

صوفی صاحب کی یہ قلمی شہادت ان دنوں کی ہے جبکہ ابھی وہ شرف بیعت سے
 مشرف نہیں ہوئے تھے۔ لہذا ہم اسے یقیناً غیر جانب دارانہ شہادت قرار دے
 سکتے ہیں۔ حضرت امیر حزب اللہ کی استقامت، مستقل مزاجی اور پابندی وقت
 کے سلسلہ میں اس سے واضح و بین ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔
 آپ کی حقیقی مصروفیات اس وقت شروع ہوتی تھیں۔ جب آپ اپنی منزل
 پر پہنچتے تھے۔ مشتاقان زیارت انبوء در انبوء ہر مقام پر موجود ہوتے تھے۔ جوہی
 آپ کی سواری یا پاکی نظر پڑتی "امیر حزب اللہ زندہ باد، خدائی فوج زندہ باد، اور
 اللہ اکبر کے نعرے بلند ہونے شروع ہو جاتے تھے۔ نیاز مند مل کر ترانہ ہائے شوق
 گاتے۔ جو رجز خوانی کی حیثیت رکھتے تھے۔ سننے والوں کے دلوں میں جوش اور
 ولولہ پیدا ہو جاتا تھا۔ عام طور پر چھوٹی چھوٹی روائیوں میں حزب اللہ کی
 منظوم تعلیمات پنجابی زبان میں پڑھی جاتی تھیں جو ارادتمندوں نے جوش عقیدت
 میں نظم کر لی تھیں۔ اس طرح پنجابی زبان میں حزب اللہ کی وجہ سے جوش پرور
 جنگام آفریں اور اصلاحی نظموں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ حضور کی آمد پر جلوں
 از خوبن جاتا اور لوگ یہ نظموں اور گیت بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ اور
 حتیٰ کہ جب حضور اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے۔ یہ والہانہ نظم سرائی جاری

جاری رہتی تھی۔ تشنگانِ زیارت کا ایک ہجوم ٹوٹ پڑتا تھا۔ بڑی دیر تک قدمبوسی فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں اور بچوں کی نوبت آتی تھی جنہوں نے ہر ایک کی معروضات بڑی توجہ اور شفقت سے سنا کرتے تھے۔ بیعت کونے والے ہوتے تھے۔ لوگ اوراد و وظائف کی اجازت حاصل کرتے تھے۔ علاوہ بریں لوگوں کا نیاز مندانہ تقاضا ہوتا تھا کہ حضور ان کے گھروں میں بھی قدم رنجہ فرمائیں۔ تاکہ ان کے گھر دینی اور دنیاوی برکات و فیوض سے مالا مال ہو جائیں۔ حضور اپنی فطرتِ کریم کی بنا پر کسی کی درخواست رو نہیں فرماتے تھے۔

ان مصروفیات کے باوجود آپ کی توجہ اصل مقصود کی طرف رہتی تھی۔ آپ پر جوشِ استقبال اور ضیافتوں کے بھدکے نہیں تھے۔ آپ تو ایک بے مثل و بے نظیر روحانی اشتہار سے بیتاب ہو کر گاؤں گاؤں چکر لگا رہے تھے۔ آپ کا مقصود اعلیٰ کلمۃ اللہ تھا۔ آپ اللہ کا نام اس طرح بلند کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو از سر نو بلندی جائے۔ آپ دین کے ذریعے دنیاوی برکات و سعادات کے دروازے کھول دینا چاہتے تھے جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے نعرہ توحید بلند کر کے خلافتِ ارضی حاصل کی تھی آپ بھی چاہتے تھے کہ مسلمان ایک دفعہ محبتِ الہی سے اس طرح سرشار ہو جائیں کہ کائنات از خود اپنے خزانے ان کے پاؤں پر بچھا کر دے۔ اس لئے اپنا پیغام سنانے کے لئے حضور تمام لوگوں کو جلسہ گاہ کی طرف روانہ فرمادیتے تھے جس کا انتظام منتظمین نے کسی موزوں جگہ پر کر دیا ہوتا تھا۔ موزوں جگہ کی اول شرط جگہ کی وسعت ہوتی تھی۔ تاکہ تمام مردوزن و ماں سما جائیں۔ کہیں سائبان کا انتظام ہو گیا تو فیہا ورنہ درختوں کے سائے میں یا آسمان کی نیلی چھت کے نیچے جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ اور حضرت امیرِ حبشہ کے لئے ایک چبوترہ بنا دیا جاتا جو کسبج کا کام دیتا تھا۔

وست بہ کا۔
دول بہ یارہ

فضیلت آج بھی ان تقاریر کو سننے کے لئے گوشِ باوازمین جنہوں نے ان ولوں پر از دل بیخیز
 طرف روح پرور توجہ پیدا کر دیا تھا۔ حضور سٹیج پر جلوہ فروز ہوتے تو کائنات ہمہ تن گوش و بر دل ریز
 ہو جاتی۔ حضور کا پاکیزہ اور عمدہ لباس، حضور کا نورانی چہرہ، حضور کی وجاہت، الغرض کہ تقاریر
 پر چیز اشتیاق بڑھاتی تھی۔ اور پھر جس خلوص اور سوز کے ساتھ حضور تقریر فرمایا کرتے تھے
 وہ "از دل خیزد و بر دل ریزد" کا مصداق ہوا کرتی تھی۔ نہایت ہی موثر اور ولوں کو
 گداز کرنے والی فصاحت و بلاغت اور بے نظیر خطابت کا ایک بحر موج ہوتا تھا جو
 حضور کی زبان سے رواں ہو جاتا تھا۔ اور پھر دل کھول کر اپنی جیرانی دکھاتا تھا۔ دراصل
 یہ سب کچھ ان ملی اور قومی جذبات و خیالات کی وجہ سے تھا جو چین ہی سے آپ کے دل و
 دماغ میں موجزن تھے۔ آپ کا معنوی وجود تقریر کے دوران میں پوری طرح اپنے آپ
 کو ظاہر کر دیتا تھا۔ مسلمانوں کے شاندار ماضی و افسوس ناک حال اور ایک میدانِ مستقبل کا پیمانہ
 تقاریر میں جوش، بیساختگی، حاضرین پر کیف و سرور اور وارفتگی کی کیفیت پیدا کر دیتا۔
 مناسب آیات و احادیث اور اُرو و فارسی اور عربی کے بر محل اشعار، تقریر کی علمی
 حیثیت میں اضافہ کا موجب بنتے تھے۔ صحیح بات یہ ہے دیہات تو دیہات شہر
 میں بھی اس قسم کی تقاریر کم سننے میں آئی ہیں۔ اور پھر ایک ہی مقصد اور ایک ہی نظریہ
 کو لے کر سالہا سال تک شمال مغربی ہندوستان کے طول و عرض میں صحرا نوردی اور
 باد یہ پیمانی کرنا۔ اور ایک ہی قسم کی دسوز آواز بار بار زبان سے نکالنا خفتہ قوم کو پیدا
 کرنے میں جس طرح معجزنا ہو سکتا ہے۔ وہی طور تو اسے تصور میں لایا جاسکتا ہے لیکن
 عملی طور پر اسے کر دکھانا ہر ایک کا کام نہیں۔ یہ تو انہیں نفسِ قدسیہ کا کام ہو سکتا
 ہے۔ جنہیں قدرت نے اس سعادتِ عظمیٰ کے لئے روزِ گارا زل ہی سے منتخب کر لیا
 ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ دولت چاہتے ہو تو تجارت کرو

مگر مسلمان نے تجارت بالکل ترک کر دی تھی۔ اس پر ہندو اور سکھ قابض تھے۔ اور مسلمان صرف کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کاشتکاری نے انہیں حصول علم سے بھی محروم کر دیا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ مسلمانوں کو دوکانیں کھولنے کی ترغیب دیتے اور جو مسلمان دوکانداری شروع کرتے تھے ان کی ہمت افزائی فرماتے۔ انہیں مؤثر طریقے پر کہا جاتا کہ اپنی مالی حالت سدھارنے کے لئے فضول رسم و رواج سے پرہیز کرو اور مقدمہ بازی ترک کرو۔ انہیں سمجھایا جاتا تھا کہ اپنے بچوں کو تعلیم دلاؤ۔ تقابیر کے دوران حضور ان موضوعات کو بڑے بصیرت افروز سیرائے میں چھیڑتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا تصور مسلمانوں کے اذہان سے نکل چکا تھا۔ اس لئے حضور کے ارشادات کا محور ہی موضوع ہوا کرتا تھا۔ جہاد ہی مسلمانوں کے لئے نوید زندگی ہے۔ آپ جہاد کی تمام آیات کے مطالب اور معانی آتش انگیز اور ولولہ خیز خطابت کے ساتھ واضح فرماتے مجاہدین اسلام کے تذکرے سناتے فرماتے کہ جہاد کیلئے ہر وقت کمر بستہ رہو۔ تلوار اور لائحہ تیار رکھو۔ میدان جہاد میں سواری کے لئے گھوڑے پالو اور اپنے امیر کے احکامات کے ہر وقت منتظر رہو۔ یہ عبادت ہی عبادت ہے۔ تہور و شجاعت اور استقلال و پامردی کے اوصاف پیدا ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہیں۔ حضور فرمایا کرتے تھے۔ طبیعتوں میں سے احساس غلامی نکال دو۔ اللہ کا غلام اور کسی کا غلام نہیں ہو سکتا۔ آپ جہد للہیات اور تقابیر اصلاح کے مطالب سادہ مگر اثر انگیز الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور باواز بلند اعلان فرماتے اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو جدوجہد اور ہمت و مردانگی سے کام لو۔ اور زندہ اقوام کی صفات اپنے اندر پیدا کرو۔ ساتھ ساتھ آپ مکارم اخلاق کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اور بوضاحت فرماتے کہ حضور رحمۃ للعالمین (فداہ اُمی و ابی) کی بعثت کا مقصد یہ بھی تھا۔ تقابیر کے دوران میں آپ مسائل حاضرہ پر بھی اظہار خیالات فرماتے۔ رفتار زمانہ آپ کا

خاص موضوع ہوتا تھا۔ اور اس کے زیر نظر آپ کا ارشاد تھا۔ مسلمانوں کو لازم ہے تمام اختلافات ترک کر کے اعتصام بحبل اللہ کریں اور اخوت و بہادری اپنا شعار بنائیں الغرض آپ کی تقریریں بڑی جامع و بسیط اور طرحدار ہوا کرتی تھیں۔ اور آپ ہر وہ بات فرماتے تھے جو اسلام اور اس کے نام لپیواؤں کو حیات نو کی خلعتِ فاخرہ عطا کر سکتی تھی۔

حضور کا مقصد اور مدعا قوائے عملی کی بیداری اور جسم اور روح میں حیاتِ تازہ پھونکنا تھا۔ اس لئے آپ تمام ممکن ذرائع استعمال میں لارہے تھے۔ آپ نے بہت جلد حزب اللہ کے لئے رضا کاروں کی بھرتی بھی شروع کر دی۔ یہ ایک نیم عسکری جماعت تھی۔ رضا کاروں سے حلف لی جاتی تھی کہ وہ اپنی جان اللہ کی راہ پر اپنے امیر کبیر کے حکم سے قربان کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہیں گے۔ ہاتھ میں تلوار یا لاطھی لازماً رکھیں گے۔ پریڈ کریں گے اور رضا کاروں کی مجوزہ وردی بھی پہن کریں گے۔ انہیں حکم ہوتا تھا کہ دورہ کے وقت اپنے مسکن کے قریب والے مقامات پر وردی پہن کر آئیں۔ اور ہاتھ خالی نہ ہوں۔ جتھے بنا کر آئیں اور آتے جاتے پرامن رہیں۔ آپ اپنی تقاریر میں انہیں خاص طور پر مخاطب فرماتے تھے اور حکم دیتے مجلس میں بیٹھے بیٹھے اپنی اپنی تلواریں اور لاطھیاں بلند کر دو۔ رضا کار تجمیل کرتے۔ جلسہ گاہ میں ہر طرف لاطھیاں اور تلواریں نظر آنے لگتی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اور حاضرین کے حوصلے بھی بڑھ جاتے تھے۔

یہ ایک عظیم تحریک تھی۔ اور ملک کے گوشے گوشے میں پھیل رہی تھی اور کابینہ تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ رضا کاروں کی نسیم عسکری جماعت بھی تیزی سے ترقی پذیر تھی۔ پھیلتی ہوئی تحریک کو قابو میں رکھنا از

بس ضروری تھا۔ اس لئے حضور کو اراکین اور رضا کاروں کی شیرازہ بندی کی طرف
 بڑا متوجہ رہنا پڑتا تھا۔ تاکہ وہ منظم بھی رہیں اور امن شکنی کے مرتکب بھی نہ ہوں
 اپنی تحریک کو ہر افتاد سے محفوظ رکھ کر اسے صراطِ مستقیم پر چلانا اور منزلِ مقصود
 پر پہنچانا اشد ضروری تھا۔ حضور نے یہ اعلان تو فرمایا تھا کہ یہ تحریک نہ انگریزوں کے خلاف
 ہے اور نہ ہندوؤں اور سکھوں کے۔ اس کا نصب العین محض اصلاحِ معاشرہ ہے
 لیکن جس روح سے اس کی آبیاری ہو رہی تھی۔ اس سے کون غافل تھا۔ دونوں
 انگریزوں کو دیکھ رہا تھا اور ذہین ہندو سمجھ رہا تھا کہ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں۔ اور
 ان کا نظامِ حیات بنیاد پر موقوف کی طرح مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جا رہا
 ہے۔ انگریز اور ہندو دونوں سمجھتے تھے کہ مسلمان اپنے قومی حقوق بزورِ
 بازو لینے کیلئے منظم ہو رہے ہیں۔ یہ بات دونوں کو نہیں بھاتی تھی۔ اس لئے وہ
 بے خبر نہیں تھے۔ اگر حزب اللہ والوں کی طرف سے معمولی سی امن شکنی بھی ہو جاتی
 تو ہندو اور سکھ وادیل شروع کر دیتے۔ اور حکومت کو مزاحم ہونے کا موقع
 مل جاتا۔ اندر میں حالات مسلمانوں کی مبارک اور مفید تحریک کو محفوظ رکھنا لازمی
 تھا۔ تاکہ اس کی قوت اس وقت استعمال میں لائی جائے۔ جب خاص ضرورت ہو
 شیرازہ بندی کی خاطر اور امن شکنی سے روکنے کے لئے حضور اطاعتِ امیر
 پر بڑا زور دیتے تھے۔

”يَقَوْمِ اتَّبِعُونِ اِهْدِيكُمْ سَبِيلَ التَّرْشَادِ“

اطاعتِ امیر

اے قوم میری تابعداری کو تاکہ تجھے میں ہدایت کا راستہ دکھلا دوں،
 آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلامی تعلیمات اور روایات میں اطاعتِ امیر کے حکم
 کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ رضا کاروں کو امیر کی اطاعت کا حلف محض زبانی
 طور پر نہیں اٹھانا چاہئے۔ بلکہ عملی اتباع کی ضرورت ہے۔ امتثالِ امر اور تعمیلِ حکم

میں بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ اور مانا کہ رضا کار فدا کار ہیں۔ اور اراکین حزب اللہ فرض شناس۔ لیکن اولین ضرورت یہ ہے کہ اپنے امیر پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد ہو۔ اطاعت اور تابعداری سے مقدم بھروسہ اور اعتماد ہے۔ اور امیر کے متعلق حسن ظن اور والہانہ عقیدت و ارادت۔ آپ ارشاد فرماتے۔ ضرورت ہوگی تو امیر حزب اللہ نہ صرف یہ کہ تمہیں اسلام کے رستہ میں قربان کر دیں گے۔ بلکہ دین کی عزت و ناموس پر خود بھی قربان ہو جائیں گے۔ اس لئے جب تک ضرورت کی گھڑی نہ آئے۔ امیر حزب اللہ کے ارشاد کے بغیر از خود کوئی اقدام نہ کرو۔

آپ اطاعت امیر مثالی تاریخ اسلام سکھایا کرتے تھے۔ میدان بدر میں مسلمانوں نے حضور سرور کائنات (فداہ روحی کی لفظ بلفظ اطاعت کی۔ اور پھر انہیں ایسی عظیم الشان فتح حاصل ہوئی جس نے تاریخ عالم کا رخ تبدیل کر کے رکھ دیا۔ جنگ احد میں آنحضرت کی صرف ایک ہدایت نظر انداز ہوئی اور اس کا نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کو مؤہبہ کی کھانی پڑی۔ فتح و شکست کے دونوں مناظر اطاعت امیر کے ایجابی اور سلبی پہلو ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مصلحت وقت کو نہ سمجھنے کے باوجود صحابہ کرام نے حضور اکرم کے فرمان کے سامنے خاموشی اختیار کر لی اور اس صلح کے ایسے شاندار نتائج نکلے کہ کیا کہنا اسلاف کرام نے اتباع امیر سے جو جو فوائد اور ثمرات حاصل کئے تھے وہ آپ اپنی تقاریر میں بڑے پُر اثر انداز میں بیان فرماتے تھے۔ آپ حضور ختمی المرسلات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلاتے :-

وَاتَّبِعُوا الْأَمِيرَ وَكَوْكَانَ فَاسِقًا

(معروف میں) فاسق امیر کی بھی سرمانبرداری کرو۔

اور فرماتے کہ جب حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور سفاک نے رومیوں کے خلاف

اعلان جہاد کیا تو حضرتؑ خواجہ حسن بصریؒ ایسے زاہد متواضع اور پیشوئے طریقت نے نہ صرف اپنے آپ کو رضا کارانہ حیثیت سے پیش کر دیا بلکہ مجاہدین کی فوج میں شامل ہو کر پوری طرح داؤ شجاعت دی۔ اسی طرح خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم و استبداد کی داستانیں تاریخ کے اوراق پر موجود ہیں لیکن جب کہیں انھیاری نے اسلامی ممالک کو بلجائی نظروں سے دیکھا، جب کہیں کبھی مسلمانوں نے اسلامی غلبہ اور استیلا کی خاطر جارحانہ اقدام کیا اور جب کہیں کسی غیر مسلم ہمسایہ طاقت کے حملہ آور ہونے کی صورت میں کمان مدافعانہ پہلوا اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تو اس امر سے قطع نظر کہ خلیفہ کے عقائد کیسے ہیں۔ اس کے اعمال کس نوعیت کے ہیں۔ اور اس کے چال چلن اور کیر کڑ کی حالت کیا ہے۔ بڑے بڑے فحش، بڑے بڑے مفسر، بڑے بڑے متقی اور پرہیزگار مسجدوں اور محروں اور خانقاہوں سے نکل کر مدارس اور مکاتب میں تعطیل کر کے، کتابوں کو جزدانوں میں لپیٹ کر اور تسمیوں کو اپنی چلیوں اور مصدوں کو اپنے کندھے پر ڈال کر، قرآن کریم کو اپنے گلے میں حائل کر کے، زندہ بکتر سے آراستہ، خود سر پر رکھے ہوئے، تلواریں لٹکائے ہوئے نیزہ و سنان ہاتھ میں لئے، تیر و کمان سے مسلح، نعرہ کلیر بلند کرتے ہوئے، اعلیٰ کلمۃ اللہ کی غرض سے اور خدا کے نام کو بلند کرنے کی خاطر، شیطانی اور ہر منی طاقتوں سے برو آزا ہوتے تھے۔ اور انہیں مغلوب کرتے تھے۔ خدا کے دین کو رواج دیتے۔ اور جب خدا کی حکومت قائم ہو جاتی تو یہ بگڑیدہ اور مقدس بزرگ پھر اپنے اعمال اور اشغال میں منہمک ہو جاتے۔

لے اس روایت سے فریضہ جہاد کی اہمیت اور فقہانے کرام اور صوفیائے عظام کے والہانہ شہادت کا اظہار مقصود ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کرامی کے مطابق خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔

ان بصیرت افروز، ایمان پرور اور ولولہ انگیز معرکہ الآرا تقاریر کی اگر شہادت
مطلوب ہو تو دشت جبل اور کوہ و صحرا سے لی جائے، داویوں اور مرغزاروں
سے لی جائے۔ ان ذرات اور سنگریزوں سے طلب کی جائے جنہوں نے گوش
بر آواز ہو کر انہیں سنا اور حضور کے پیغام سے اپنے وجود میں تڑپ محسوس کی۔ جنہوں
نے اس روح پرور پیغام کو سنا اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے ایمان آفرین مناظر قدرتی
بصارت سے دیکھے۔ یہ شہادت ان فضاؤں سے مانگی جائے جو آج بھی رضا کارین
دارالکین حزب اللہ کی زباوں سے نکلے ہوئے ہنگامہ آفرین نعرہ ہائے تکبیر سے معمور
ہیں۔ وہ نعرہ ہائے تکبیر جنہوں نے طاغوتی صفوں میں تزلزل پیدا کر دیا تھا، اہرنی
طاقتوں کو نڈھال کر دیا تھا، باطل کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ ہاں نعرہ اللہ اکبر
کی دہی پیاری اور روح پرور گونج جو صحرائے عرب سے بلند ہوئی تھی اور اقصائے
عالم میں پھیل گئی تھی۔ واقعی حضرت امیر حزب اللہ نے اپنے عزم راسخ، ایمان کامل
اور نفس گرم سے ایک دفعہ پھر قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی تھی۔

تقریر کے خاتمہ پر خدائی فوج اور رضا کاران اللہ کی بھرتی ہوتی تھی۔
خدائی فوج کے لئے اپنا نام اور پتہ لکھ دینا کافی ہوتا تھا۔ سال بسال ایک پتو
فیس کنیت ادا کرنا ہوتی تھی۔ مگر رضا کاروں کو حضرت امیر حزب اللہ کے دست
حق پرست پر اسلام کا نام بلند کرنے کے لئے بیعت کرنا لازمی ہوتا تھا۔ وہ قرآن
پر ہاتھ رکھ کر خلف اٹھاتے تھے کہ ضرورت پڑی تو جناب امیر کے حکم کی تعمیل
کرتے ہوئے اللہ راہ پر اپنا جان و مال قربان کر دیں گے۔ بھرتی کے بعد رضا کاروں
کی پریڈ ہوتی تھی جو بالعموم حزب اللہ کے فوجی پیشنہارا کین یا رضا کار کرتے تھے پریڈ
کے بعد جلسہ منتشر ہو جاتا تھا۔ مگر حضور کی مصروفیتیں بدستور جاری رہتی تھیں۔
آپ مقامی مجالس منتظمہ کی کاروائی کا جائزہ لیتے تھے۔ اراکین حزب اللہ کی مشکلات

حل فرماتے تھے۔ تحریک کے سلسلہ میں مقامی طور پر کوئی وقت موجود ہوتی تھی تو اسے دور فرماتے تھے۔ پیر بھائیوں اور دیگر خواہشمند حضرات کے لئے ملاقات کا وقت نکالتے تھے۔ اس طرح بعد از نمازِ عشاء آپ فارغ ہوتے اور پھر لنگر شریف کی آمدہ ڈاک کا مطالعہ فرماتے اور ضروری جواب دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ آرام فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آرام بھی کیا ہوتا تھا۔ مقاصد عالیہ رات کی تنہائیوں میں بھی آپ کو وقفِ اضطراب رکھتے تھے۔ صبح ہوتی تو نماز باجماعت کے بعد حضور کی قیادت میں کاروانِ حزب اللہ اگلے مقام کے لئے روانہ ہو جاتا تھا۔ اور وہاں پہنچ کر پھر وہی جانِ قیس ہوتی اور عشقِ لیلے کی وہی جانسوزی۔

اب آپ ایک نہایت ہی ثقہ راوی کی زبانی ایک دن کے دورہ کی رُوند اوسن لیں۔ تاکہ آپ کو حضور کے محکم ارادوں، مشکل پسندی اور خدمتِ اسلام کے لئے بے تاب و لولوں کا حقیقی یقین حاصل ہو جائے۔ الحاج صاحبزادہ سید احمد شاہ صاحب سجادہ نشین میرا شریف کا بیان ہے کہ ۱۹۳۶ء میں حضور نے ریاست پونچھ کا دورہ سرمایہ سر دیوں کے ایام تھے۔ صبح کے وقت اُڑھی کے مقام پر آپ نے مسلسل تین گھنٹے تقریر فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہو کر آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک بجے بعد از دوپہر بھیدھی کے مقام پر پہنچے جو جنگل سے گھرا ہوا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ مگر جمع لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا تھا۔ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے لوگ اچانک درختوں میں سے نمودار ہو جاتے تھے۔ یہ امر موجب حیرت تھا۔ آہستہ آہستہ کم از کم دو ہزار نفوس کا اجتماع ہو گیا۔ حضور نے وہاں بھی پورے دو گھنٹے بڑے جوشِ خروش سے تقریر فرمائی تین بجے شام وہاں سے روانگی ہوئی۔ اب سامنے چڑھائی تھی۔ پہاڑیاں بڑھ

ایک واقعہ

سے اٹی پڑی تھیں۔ جسے کاٹ کر راستہ بنایا گیا تھا۔ حزب اللہ کا قافلہ گھوڑوں پر سوار بیچ و بیچ بل کھاتے ہوئے رستہ پر اوپر ہی اوپر جا رہا تھا۔ سردی سے ہاتھ پاؤں سُن ہو چکے تھے۔ اوپر نگاہ کرتے تھے تو برف کے تودوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا جن کے نیچے پھسل آنے کا ہر وقت خطرہ تھا۔ سورج غروب ہونے لگا تو قافلہ اوپر ایک پہاڑی شنگلے پر پہنچا۔ رستہ اس قدر کٹھن تھا کہ صاحبزادہ صاحب کا بیان ہے وہ منزل پر تھکن سے چور چور ہو کر پہنچے۔ حالانکہ ان کے ایام جوانی تھے۔ اور شکار می ہونے کی وجہ سے وہ سخت مشقت پسند بھی تھے۔ اس لئے وہ تو باقی افراد قافلہ کے ساتھ جاتے ہی بستروں پر دراز اور محو استراحت ہو گئے۔ صوفی میران بخش صاحب نے اس دورہ کے تمام انتظامات کئے تھے۔ افراد قافلہ کی یہ حالت تھی۔ مگر امیر قافلہ باہر رات کی سردی میں ایک برفانی چوٹی پر اپنے مستمذور خطابت کے ساتھ حاضرین کے سامنے تقریر فرما رہے تھے۔ اور حزب اللہ کے اغراض و مقاصد اور اس کے کارنامے بیان کر رہے تھے۔ حضور کی پر جوش آواز صاحبزادہ صاحب کو بستری میں سنائی دے رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس لگن کی وجہ سے تھا۔ جو ایک مضطرب شعلہ جوالہ کی طرح حضور کے سینہ میں موجود تھی۔ یہ تقریر بھی دو گھنٹے جا رہی رہی۔ ایسے کٹھن سفر کی تمام صعوبتوں کے باوجود تین مقامات پر ایک ہی روز میں تین تقریریں کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ ارباب تصوف جب خلوت سے باہر آتے ہیں تو ایسے مجاہدانہ عزم کا اظہار کرتے ہیں جو بڑے بڑے مجاہدوں کے لئے بھی باعث رشک ہوا کرتے ہیں صاحبزادہ سید احمد شاہ صاحب نے بیان کیا کہ صبح جب اس قافلے نے پھر عازم سفر ہونا تھا۔ تو حضور سب سے پہلے تیار ہو کر اپنے ہمراہیوں کو چستی اور مستعدی کا عملی درس دے تھے۔

دورہ کے موقع پر درویش صاحبان کے علاوہ حضور علیا اور معززین کی ایک جماعت کو بھی ہمراہ رکھتے تھے۔ درویش صاحبان میں قاضی غلام فرید صاحب کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ ان کے علاوہ حافظ محبوب، میاں فتح محمد اور حضور کا باورچی میاں حبیب ہوا کرتے تھے۔ علماء میں سے مولوی نور محمد مرحوم اور مولوی ولی محمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ معززین میں سے پیر امیر شاہ صاحب سکند پیر کھارا مستقل طور پر ساتھ ہوا کرتے تھے۔ آپ جس علاقہ میں دورہ فرمایا ہوتے تھے۔ وہاں سے بھی دو ایک صاحبان کو ساتھ لے لیا کرتے تھے۔ مثلاً حاجی محمد نظیف صاحب عام طور پر ضلع راولپنڈی میں ساتھ رہا کرتے تھے اس بات کا التزام بھی رہتا تھا کہ تعداد بڑھنے نہ پائے۔ الحاج صاحبزادہ سید احمد شاہ صاحب سجاوہ نشین میرا شریف، ملک محمد خان مرحوم تھانیدار، راجہ سکندر خان مرحوم پشتر تحصیلدار اور صوفی عبدالحمید کے بعد دیگرے آپ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ بعد میں حضور کے خلیفہ حجاز سید فضل الحق شاہ صاحب تقریباً مستقل طور پر آپ کے قافلہ میں رہا کرتے تھے۔ شاہ صاحب حافظ ہیں خوش الحان ہیں۔ بڑے صاحب علم ہیں۔ اور خلوص و انقیاد کی دولت سے انہوں نے حصہ وافر پایا ہے۔ بنا بریں دورہ کے موقع پر ان کا ہمراہ ہونا صالح اثر ڈالنے کا موجب بنتا تھا۔ اس طرح حضور کے ہمراہی خاموش رہ کر اپنی اپنی شخصیت سے دورہ کی اہمیت کا اعلان کرتے تھے۔ نیز یہ پیکران خلوص و محبت ہمان بن کر میزبانوں کے سر پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ انتظامی امور میں میزبانوں کا ہاتھ بٹاتے اور اپنے دیرینہ تجربہ کی بنا پر اس میں کم خرچی اور بالانشینی کی شان پیدا کرتے تھے۔

پیکران خلوص
محبت کی برکاتی

اس مجاہدانہ جدوجہد اور ان پُر تاثیر تقریروں نے ذہنیت میں ایک شوگر

پیکران انقلاب

انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ لوگ جو ہندو سے خائف تھے، سکھ سے مرعوب تھے۔ انگریزوں کو دیکھ کر مذہب برانداز ہو جاتے تھے۔ اب دل و جان سے اللہ کی غلامی کو قبول کر کے ذہنی لحاظ سے باقی ہر ایک کے باطنی ہو چکے تھے۔ وہ من اور جان کے جذبات ان کے دلوں سے خارج ہو چکے تھے۔ ان کی رفاقت اب خدا کے دوست سے تھی اور عداوت خدا کے دشمن سے **الْحُبُّ لِلَّهِ وَالْبُغْضُ لِلَّهِ** کے سبق نے انہیں اللہ کے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ان کے امیر بادشاہ نے انہیں غیر مسلموں سے لین دین بند کرنے اور ان سے عدم تعاون کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اپنی مستورات کو بازار جانے اور بیع و شریعی سے منع کرو۔ اس حکم کی لفظ بلفظ تعمیل ہوئی۔ مسلمانوں کی دکانیں کھل گئیں اور بہت سے وہیات میں سے ہندو اور سکھ و کاندروں کو اپنا کاروبار سمیٹ کر ادھر ادھر جانا پڑا۔ رسوم و بدعات متروک ہو گئیں۔ مقدمات سے پرہیز شروع ہو گئی اور اراکین جرنل بننے بعض بڑی قابل عمل اور لائق تقلید مثالیں پیش کیں۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اقتصادی بد حالی اور مالی کمزوری کو دور کرنے کے لئے جو تجاویز پیش کی گئی تھیں انہیں بڑے غلوص کے ساتھ قبول کیا گیا تھا۔

اس طرح ملت اسلامیہ میں احساس زیاں کے جذبات جاگ اٹھے تنازع للبقاد اور جہد للہیات کا جذبہ پیدا ہوا۔ جو قوم عمل سے عاری تھے اس میں جوش عمل کے روح پرور مناظر نظر آنے لگے۔ لوگوں کو اتحاد بین المسلمین، باہمی اتفاق، اخوت اسلامی اور محبت و الفت کے سبق نے اس طرح متاثر کیا کہ وہ اختلافی مسائل کو نہ کرنے لگے اور مکفر مولویوں سے دور بھاگتے تھے۔ تبار امیر **الشیخ مدظلہ العالی** اپنی تقاریر میں فرمایا کرتے تھے کہ کس طرح فرقہ پر دازی کی وجہ سے ہلا کو خاں نے ابن علی قاسمی وغیرہ کی دعوت پر **۱۲۵۹ھ** میں بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور سلطنت عباسیہ کا چراغ گل کر دیا

کس طرح باہمی جدال و قتال کی وجہ سے سلطان یازید یلدرم (۱۳۸۹ء-۱۴۰۲ء)

کی وہ شمشیر جو سردار کند ہو گئی جو ہمیشہ عیسائی اقوام کے پرچھے اڑایا کرتی تھی۔ اور

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہوس ملک گیری کی بنا پر امیر تیمور گورگانی (۱۳۶۹ء-۱۳۹۸ء)

۲۱۴۰۵) نے سلطان موصوت کو شکست دے کر اس کی طاقت کو بالکل ختم کر دیا

حضور فرمایا کرتے تھے کہ مکفر مولویوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، امام الصوفیہ

امام محمد غزالی اور شیخ محی الدین ابن العربی ایسے بزرگان ملت کو بھی نشانہ مشق

تکفیر بنایا۔ اس لئے ان کے فتوے بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہوتے ہیں۔

امام اعظم کا ارشاد

امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص میں ننانویس علامات کفر کی ہوں۔ اور

صرف ایک اسلام کی۔ پھر بھی اسے مسلمان سمجھنا چاہیے۔ حضرت امام کے اس ارشاد

کے زیر نظر ضروری ہے کہ پراگندہ اور منتشر مسلمانوں کو یکجا کیا جائے تاکہ ہندوستان میں

مسلمان عزت اور شان کے ساتھ زندہ رہنے کے قابل بن جائیں۔ حضور کے ان

مواعظِ حسنہ نے ذہنیاتوں کو تبدیل کر دیا اور مسلمانوں نے بھائی بھائی بنا سیکھ لیا

اسی طرح اخلاقی لحاظ سے بھی وہ سنور گئے۔ عزم بلند اور مجاہدانہ روح ہمیشہ ضمیر

کو بیدار کرتی ہے۔ اور اسے پاکیزگی عطا کرتی ہے۔ اس لئے اخلاق حمیدہ کی طرف میلان

بھی بڑھ گیا۔ دینی زندگی کی بھی اصلاح ہوئی اور ارکان اسلام کی پابندی ذوق

شوق سے ہونے لگی۔ نماز جمعہ باقاعدگی سے ادا ہوتی تھی۔ اور اس کے بعد رضا کار

پر بڑھ بھی کیا کرتے تھے۔

اصلاح و تنظیم کا یہ وہ عظیم کارنامہ تھا۔ جسے پہلے انبیاء علیہم السلام انجام

دیا کرتے تھے۔ اور ختم نبوت کے بعد یہ مقاصد عالیہ لے کر علمائے امت دنیا کے

سامنے پیش ہوتے رہے۔ خداوند تعالیٰ کا ہزار ہا شکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی

حضرت امیر حزب اللہ ایسے عالم ربانی اور مجاہد کبیر کا ظہور ہوا جنہوں نے اللہ جل شانہ

عظیم کارنامہ

کے امر اور اس کی عطا کردہ توفیق سے مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا، محبت رسول کا درس دیا، اسلام کی برتری عملاً ثابت کی اور ملت اسلامی کے وجود میں سے ان تمام بیماریوں کا خاتمہ کیا جو ہلاکت اور تباہی کا موجب بن رہی تھیں۔ بیسویں صدی عیسوی کے دور الحاد و طغیان و فساد میں نڈائے حق بلند کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ اس لحاظ سے حضور کے لگانا رسالانہ دور کے ایک ایسی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کی روشنی میں ہم آپ کو مجددین امت کی صف میں جلوہ گرہ دیکھتے ہیں۔

”مروے از غیب بروں آید و کارے بکند“

عرس مبارک کے اجتماعات

حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک آج کل کی طرح ہر سال ۵ و ۶ جمادی الثانی کو منعقد ہوتا تھا۔ اور عقیدہ مند طویل مسافتیں طے کر کے شہر شمولیت حاصل کیا کرتے تھے۔ حزب اللہ کے سالانہ اجلاس کے لئے بھی یہی تاریخ مقرر ہوئی۔ عرس مبارک ایک خاص تقریب تھی۔ اور حزب اللہ کی تحریک کے اس لئے بھی پُر رونق بنا دیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے روحانی تصرفات ابتدائے کاری سے اس مبارک جماعت کے شامل حال رہ کر اس کو تازہ و نیا عطا کر رہے تھے۔ جماعت کی تشکیل سے پہلے جب حضرت امیر حزب اللہ مشکلات کار کے زیر نظر فرما رہے تھے تو حضرت اعلیٰ غریب نواز نے ہی خواب میں تین دفعہ **وَأَيَّدْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُّسِ** کا دم فرمایا تھا۔ بعد میں بھی حضور کی روح پر فتوح اس تحریک میں تڑپ اور زندگی پیدا کرتی رہی۔ ۱۹۳۵ء میں جب کہ سکھوں نے پنجاب میں اودھم مچا رکھا تھا۔ انگریزان کی طاقت سے مرعوب ہو گئے تھے۔ اور قبلہ امیر حزب اللہ پریشان تھے کہ مسلمانوں کا کیا بنے گا۔ آپ نے خواب دیکھا حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی، حضرت خواجہ غریب نواز جلالپوری، حضرت پیر میر علی شاہ گولڑوی اور کئی اور اولیاء اللہ تشریف لائے اور باقاعدہ طور پر حزب اللہ کے رکن بنے۔ یہ بھی دراصل حضرت اعلیٰ کارو روحانی فیض تھا۔ آپ نے اشارہ فرمایا دیا کہ ہم اولیائے کرام کو آپ کے دعا گو اور ہم بننا چکے ہیں بے فکر ہو کر اپنی مجاہدہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔ جماعت حزب اللہ کی روز افزوں ترقی کاراں دراصل اسی میں مضمر تھا۔ اگر اس جماعت نے تقریبات عرس کی رونق بڑھائی تو اس رونق افزائی میں صاحب عرس رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی کشش بھی کار فرما تھی

حضرت امیر حزب اللہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے۔ اجلاس حزب اللہ عرس مبارک کی تاریخوں میں منعقد کرنے کا مقصود مدعا بھی مزید فیض حاصل کرنا تھا۔ اس لئے عرس مبارک کے اجتماع عظیم کو تحریک کی پیش رفت کے سلسلہ میں خاص اہمیت دی گئی اور اس غرض کیلئے بالاہتمام خاص انتظامات شروع کر دیے گئے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

”حلقہ را مرکز جو حال در پیکر است“

یعنی دائرہ کیلئے مرکز کی وہ حیثیت ہوا کرتی ہے جو جسم کے لئے جان کی ہوتی ہے۔ جسم جان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اجسام کی طرح تحریکات بھی زندہ رہنے کے لئے روح کی محتاج ہوا کرتی ہیں اور جیسا کہ دائرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ وہ روح انہیں مرکز عطا کرتا ہے۔ مرکز کے ارد گرد حلقہ گھوم رہا ہوتا ہے۔ تحریکات بھی اپنے مرکز سے وابستہ رہ کر متحرک رہتی ہیں اور ان میں زندگی اور نمو موجود رہتی ہے۔ مرکز جس قدر عظیم روایات کا حامل ہوتا ہے۔ اگر ان سے پوری طرح استفادہ کیا جائے تو تحریک بھی اتنی ہی عظیم بن جاتی ہے۔ تحریک اسلام کی عظمت اور برتری کا موجب خانہ خدا ہے۔ جسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بے شمار قربانیاں دے کر از سر نو تعمیر کیا تھا۔ تحریک حزب اللہ کے قیام و بقا کا ضامن بھی جلالپور شریف کا مقدس شہر ہے۔ جسے خواجہ غریب نواز سید حیدر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود اطہر نے انوار تجلیات کا مہیٹ بنایا۔ اور حضور کی آخری آرام گاہ ارباب حال و قال کو بار و دعوت نظارہ دیتی رہتی ہے۔ بنا بریں اس شہر کے شرف و مجد اور اس کے احترام کا کیا کہنا۔ یہاں انسان حاضر ہوتا ہے تو جذبات کا و فور ہوتا ہے۔ دل پر لطیف کیفیات طاری ہوتی ہیں قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت موجزن ہوتی ہے۔ تعلق باللہ کا لطیف احساس رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور آنکھیں

و فور شوق سے اشکبار ہو جاتی ہیں۔ ایسے پاکیزہ اور روح پرور ماحول میں حزب اللہ کا سالانہ اجتماع طبائع اور ذہنیاتوں میں جس طرح انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ اور دور دراز سے آئے ہوئے مختلف علاقوں کے مسلمانوں میں وحدت، ہم خیالی اور اتحاد و اتفاق کا جو قوی احساس پیدا کر سکتا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے فلسفہ اجتماع کا مطالعہ بالغ نظری سے کیا ہو۔ اور جو اچھی طرح جانتے ہوں کہ عوامی تحریکیں کون کونسے عوامل و عناصر کی بنا پر انقلاب آفریں اور ہمہ گیر نتائج پیدا کرتی ہیں۔ اپنے مسئلہ ذریعہ بصیرت کی بنا پر حضرت امیر حزب اللہ ان تمام حقائق و معارف سے اچھی طرح باخبر تھے۔ اس لئے انہوں نے تحریک حزب اللہ کو کامیاب بنانے کے لئے جلالپور شریف کے باطنی فیوض و برکات اور اس کے قوم پرور اور ملت آفرین امکانات سے خوب فائدہ اٹھایا۔ جغرافیائی اعتبار سے بھی اس قصبہ کو پشاور، لاہور اور سرینگر اور ملتان کے درمیانی مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں ہر طرف سے لوگ باآسانی پہنچ سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ مقام ازل سے ایک عظیم تحریک کا مرکز منتخب ہو چکا تھا۔

عرس مبارک اور حزب اللہ کے اجلاس سے پہلے مرکزی دفتر کو بے حد مصروف رہنا پڑتا تھا۔ دفتر کے منصرم منشی محمد عالم تنہا ان مصروفیتوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تھے۔ حضور سے اجازت لے کر وہ موزوں پیر بھائیوں کو باری باری بلا لیا کرتے تھے۔ جو چند روز جلالپور شریف رہ کر خط و کتابت کے سلسلہ میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ ان میں مولوی خوشی محمد صاحب اور منشی فرمان علی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اراکین حزب اللہ کے لئے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ایک چٹھی طبع کرائی جاتی تھی۔ جس میں قمری، عیسوی اور ہندی تقویم کے مطابق عرس مبارک اور جلسہ کی تاریخیں درج ہوتی تھیں۔ یہ ہدایت بھی ساتھ درج ہوتی

حزب اللہ کا
مطبوعہ دہلی

تھی کہ تقریبات بہر حال قمری حساب سے منعقد ہوں گی چٹھی میں حالات زمانہ کے زیر نظر جلسہ کی اہمیت ظاہر کی جاتی تھی۔ اور شمولیت پر زور دیا جاتا تھا۔ اس کا مسودہ حضرت امیر حزب اللہ خود تحریر فرمایا کرتے تھے۔ یہ چٹھیاں ایسی معنی خیز اور اس طرح حالات زمانہ کے مطابق ہوا کرتی تھیں کہ آج ہم صرف انہی کو سامنے رکھ کر بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تحریک حزب اللہ کن کن مسائل سے دوچار رہی اور اس نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ یہ چٹھیاں چھپ کر آتی تھیں تو ان پر ارکان کے نام علیحدہ علیحدہ درج کر لئے جاتے تھے۔ اور وہ وار بندل کر کے ذمہ ارکان کے نام بذریعہ ڈاک بھیج دیئے جاتے تھے۔ اور پھر وہ انہیں اپنے اپنے حلقوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بعد میں یہ طریقہ بھی جاری ہوا کہ علاقہ میں سے ایک آدمی بلا لیا جاتا تھا۔ جسے ہر وہیہ کے بندل دے دیئے جاتے تھے جو دورہ کر کے وہیہ وار بندل تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ اسے سفر خرچ دفتر حزب اللہ کی طرف سے ملا کرتا تھا۔ دفتر میں چٹھیاں تقسیم کرنے والوں کی باقاعدہ ہر سال فہرستیں تیار کی جاتی تھیں۔ ایک چٹھی رضا کاروں کے نام علیحدہ ہوتی تھی۔ جس میں انہیں دعوت شمولیت دینے کے علاوہ ہدایت بھی دی جاتی تھیں۔ بعد میں جنگ عالمگیر دوم کی وجہ سے جب کاغذ گرالی اور نایاب ہو گیا تو ہر موضع میں ایک ذمہ دار رکن کے نام چٹھی بھیجی جاتی تھی۔ ساتھ ہی اس جگہ کے ارکان کی فہرست بھی شامل کر دی جاتی تھی۔ اور ہدایت کی جاتی تھی کہ یا پندہ کا فرض ہے کہ وہ سب ارکان اور رضا کاران کو اکٹھا کر کے مضمون سے آگاہ کر دے۔ ارکان مجلس شوریٰ کو علیحدہ مراسلے بھیجے جاتے تھے کہ مجلس شوریٰ فلاں روز اور فلاں وقت منعقد ہوگی شرکت کریں۔ مجالس منتقلہ کے صدر مجلس شوریٰ کے رکن ہوتے تھے۔ حضرت امیر حزب اللہ کئی اور بھی بالغ نظر اور تجربہ کار ارکان نامزد فرمایا کرتے تھے۔ ان کی فہرست دفتر

میں موجود رہتی تھی اور انہیں اجازت ہوتی تھی کہ جماعت کی ترقی اور بہبودی کے لئے کوئی قرار واد پیش کریں۔ لیکن اس قرار واد کا مرکزی دفتر میں تاریخ انعقاد سے ایک ہفتہ پہلے پہنچنا ضروری ہوتا تھا۔ عرس مبارک اور اجلاس حزب اللہ کے انتظامات کے لئے فحخص اور سرگرم کارکنوں کو علیحدہ دعوت دی جاتی تھی۔ اور انہیں ہدایت ہوتی تھی کہ دو تین روز پہلے پہنچ جائیں۔ ایسے اصحاب کی تعداد عموماً ۳۵ سے متجاوز ہوتی تھی۔ ان منتظمین کے علاوہ مختلف فرائض کو انجام دینے کے لئے دوسرے تجربہ کار اشخاص بھی بلائے جاتے تھے۔

اطراف واکنات سے جن ارکان حزب اللہ اور رضا کاروں نے عرس مبارک اور جلسہ میں شمولیت کے لئے آنا ہوتا تھا۔ انہیں ہدایت ہوتی تھی کہ گروہ بنا کر اپنے مرکز مقدس کی طرف روانہ ہوں۔ حدیث نبوی کے مطابق نظم و ضبط کیلئے ایک سالار قافلہ ہو۔ رضا کاروں نے خاکی وردی پہنی ہوئی ہوتی تھی۔ ہاتھ میں تلوار یا لاکھی ہوتی۔ انہیں یہ بھی ہدایت ہوتی تھی کہ رجز خوانی کرتے آئیں۔ اب ذرا ہم تصور سے دیکھیں۔ جمادی الثانی کا چاند نمودار ہوا۔ تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دوسری یا تیسری تاریخ کو ارکان، رضا کار، زائرین تمام کے تمام ہر طرف سے گروہ درگروہ ایک مرکز کا رخ کر کے روانہ ہو پڑے ہیں۔ ان کی طبیعت میں عجیب فوق و شوق اور جوش و خروش ہے اور سالار قافلہ کے زیر فرمان بڑے ضبط کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ زبانیں رجز خواں ہیں۔ ہر طرف سے آواز بلند ہو رہی ہے۔ اپنی ماوری زبان سے فطری لگاؤ اور اپنے سادہ تاثرات کے اظہار کے لئے دیہاتی برادران طریقت چونکہ خصوصی طور پر اس نظم کو پسند کرتے تھے اسی لئے اسے یہاں درج کیا گیا ہے۔

| | | | |
|-----------------------|--------------------------|------------------------|-------------------------------|
| پرٹھو لا الہ الا اللہ | جو نمونہ ہے پر سیاہی وا | جس بھیجا شاہ جلالی | کر و شکر خداوند عالی |
| پرٹھو لا الہ الا اللہ | جس بلکہ میں کھنڈ ایا کے | جیدار نے شان و دھما کے | سو پنا پیر جلا پور میں آبا کے |
| پرٹھو لا الہ الا اللہ | اوہ جنت جاندا و گدا کے | اوہ پیار سار جگدا کے | جیہڑا پیر اندے لنگدا کے |
| پرٹھو لا الہ الا اللہ | ابدا شان سوچ تھیل نظر ہے | ایہہ خلق اللہ دراز ہے | ایہہ عزت اللہ و افسد ہے |
| پرٹھو لا الہ الا اللہ | خواجه حیدر اس مہانا ہے | ابدا رب نالیرا ہے | ابدا عالیشان گھرانہ ہے |

ان قافلوں کو ہر طرف رستوں پر لوگ دیکھتے ہیں تو ان کی رجز خوانی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں کی رونق اور ان کے جوش و خروش کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ان میں بعض وردی پوش ہیں۔ ہاتھوں میں تلواریں یا لاکھیاں رکھتے ہیں۔ ضبط و نظم کے ساتھ اور ایک عجیب و الہانہ کیفیت سے سرشار ہو کر ایک مخصوص سمت کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ دیکھنے والے حیران ہیں کہ ایک مردہ قوم میں جان زندگی اور حرکت کیسے پیدا ہو گئی؟ یہ انقیا ب عظیم کس کی مہیا نفسی کا معجزہ ہے؟ جوں جوں جلا پور شریف قریب آتا جاتا ہے۔ جوش و محبت بڑھتا چلا جا رہا ہے اللہ کی صدا میں بلند ہو رہی ہیں۔ اور پھر دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ چاروں طرف سے یہ گروہ جلا پور شریف میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان کی رفتار اور ان کی رجز خوانی کا عجیب عالم ہے اور پھر جب لنگر شریف میں تمام قافلے اکٹھے ہوتے ہیں تو عجیب ایمان افروز اور روح پرور مہنگا مہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح ندیاں اور دریا ہر طرف سے روانہ ہو کر سمندر میں گرتے اور آب شیریں کا نذرانہ سرنگوں ہو کر پیش کرتے ہیں۔ یہ تمام قافلے جماعتی طور پر اور فرداً فرداً اس آفاق گیر درگاہ عالیہ پر حاضر ہو کر بعد عجز و نیاز، خلوص و انقیاد، عشق و محبت، وارفتگی اور شیفتگی کی نذر پیش کرتے

لہ میرا اللہ شاہ خطیب جامع مسجد جلال صلح سرگودھانے حزب اللہ کی تفسیر پنجابی نظم میں لکھی تھی یہ چند اشعار اسی میں سے لئے گئے ہیں۔ حضور کے دورہ کے موقع پر بھی یہ رجز پڑھی جاتی تھی۔

ہیں گویا اس منظر کو دیکھنے کے لئے فرشتے بھی آسمانوں سے اتر آتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نگاہیں صدیوں سے ایسے مناظر دیکھنے کے لئے ترس رہی تھیں۔

چشم تصور سے قافلوں کی آمد کا نظارہ آپ نے دیکھ لیا۔ جب ہر سال اہل عالم یہ مناظر دیکھیں تو ان کی طبیعت پر جو اثر ہوتا ہوگا۔ آپ اس کا اندازہ خود لگالیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قافلوں کی اس طرح آمد عز اللہ کی عظیم الشان کامیابی کا حیرت انگیز اعلان تھا۔

ابتداءً کار میں رضا کاروں کی تربیت کی خاطر حضرت امیر عز اللہ کا یہ فرمان ہوا کرتا تھا کہ ۲، جمادی الثانی کو مرکز پر پہنچ جائیں۔ پہلے سال یہ بھی ہدایت تھی کہ سفید گپڑی یا صافہ لائیں۔ رنگ جلا پور شریف میں ہی کرا لیا جائے گا بعد میں آپ نے فرمایا کہ خاکی رنگ گھر سے کرا لیا جائے۔ رضا کار ۲ تاریخ کو پہنچ جاتے تھے۔ اور اسی روز رات کو رضا کاروں کا خاص جلسہ منعقد ہوتا تھا۔ اس میں باقی ارکان یا زائرین کو شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ حضور کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ رضا کاروں کے دل میں یک رنگی اور یک جہتی کا احساس تقویت پکڑ جائے اور سرفروشی کا دلولہ ان کے سینوں میں موجزن ہو جائے۔ آپ اس مخصوص جلسے میں ان سے اسی مخصوص انداز میں خطاب فرمایا کرتے تھے۔ حضور کو نشان تھے کہ مجاہدین کی یہ جماعت قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح جذبہ جہاد سے سرشار ہو جائے۔ لہذا ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے اور وہ اسلام کے ایسے جانباز سپاہی بن جائیں کہ ضرورت پڑے تو معرکہ حق باطل میں شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھائیں۔ اطاعت امیر کا جذبہ ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا جاتا ویسے تو تمام ارکان عز اللہ اس مبارک "خدائی فوج" کے سپاہی تھے جو حضور بھرتی کر رہے تھے۔ مگر ان میں رضا کار درجہ انحصار رکھتے تھے۔ اور اڑے وقت شجاعت

اور سرفروشی کی توقعات ان سے خاص طور پر وابستہ تھیں۔ پہلے چھ سال ۲/۲ کی درمیانی رات کو یہ جلسہ ہوتا رہا بعد میں ۳/۳ کی درمیانی رات مقرر ہوئی۔ اس کے بعد ۴/۴ جمادی الثانی کو رضا کا پہنچتے تھے۔ لنگر شریف کے انتظامات بھی انہی کے سپرد ہوتے تھے۔ اور ان کا مخصوص جلسہ ۴، ۵ کی درمیانی رات کو انعقاد پذیر ہوتا تھا۔ جب رضا کاروں کی تربیت پایہ تکمیل کو پہنچ گئی تو منہائے مقصود ایک ہونے کی بنا پر ارکان اور رضا کاروں کو ایک جلسہ میں ۵، ۶ کی رات کو مخاطب کیا جاتا تھا۔

سالانہ اجتماع کے موقع پر رضا کاروں کے مظاہرہ کو خاص اہمیت حاصل
 تھی جو ابتداء میں ۴ جمادی الثانی کو ہوتا تھا۔ مگر بعد میں عرس مبارک کے ایام
 میں دونوں روز ہوا کرتا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ کے حیات بخش پیغام
 کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک نئی تڑپ پیدا ہو چکی تھی۔ بالخصوص
 رضا کاروں نے اپنے سینوں میں ایک برقی جہاں کی طپش اور اضطرابی کیفیت
 محسوس کی تھی۔ ان کو دیکھ کر ہر نوجوان کے دل میں خواہش پیدا ہوتی تھی کہ
 رضا کار بننے کا افتخار حاصل کرے۔ اس لئے رضا کاروں کی تعداد بہت جلد
 ہزاروں تک پہنچ گئی۔ ان کے دلوں میں اپنی قوت اور طاقت کا احساس اور
 بھی زیادہ قومی بنانے کے لئے سالانہ جلسوں پر مظاہروں کا انتظام ہوا۔ باقاعدہ
 فوجی پریڈ کرائی جاتی تھی۔ خاکی وروی میں ملبوس، سینوں پر عز اللہ کا خصوصی نشان
 جس پر خوشخط الفاظ میں ”رضاکار حزب اللہ“ تحریر ہوتا تھا لگائے اور لامٹھیاں تلواریں
 اور بندوقین ہاتھ میں لئے رضا کار کمپنی ”پریڈ کیا کرتے تھے۔ ہر سال کے پاس پرچم
 ہوا کرتا تھا۔ جہلم سے پنڈو اونٹیاں جانے والی سڑک پر گھنڈر سے لے کر لنگر شریف
 کے طوبی باغ تک رضا کار اپنے اپنے جمعیوں کی زیر سرکردگی ”چپ راست“

کہتے ہوئے نظر آتے تھے۔ مسلمان صدیوں تک سکون و جمود کی حالت میں رہے تھے۔ اس لئے حرکت اور زندگی کا یہ مظاہرہ بالکل انوکھی، بے حد و لکش اور بدلے درجہ کی و لفریب چیز تھی۔ اس عسکری مظاہرہ کی وجہ سے دلوں حرارت اسلام اور جوش ایمانی پیدا ہوتا تھا۔ مجاہدانہ جوش عمل اور سرفروشانہ جذبہ کار کی پرورش ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ اس انقلاب عظیم کا پیش خیمہ تھا جو مستقبل قریب میں اسلام دنیا کے اندر پیدا ہونے والا تھا۔ اور جس کی حقیقت سے اور کوئی واقف تھا یا نہیں۔ مگر حضرت امیر حزب اللہ پوری طرح واقف تھے۔ حضور ان فداکاروں کو ساتھ لے کر اسلام کا جھنڈا سب جھنڈوں سے اونچا کرنا چاہتے تھے۔

یہ ساری باتیں سارا عالم دیکھ رہا تھا۔ ہندو اور سکھ دیکھتے تھے تو متعجب بھی ہوتے تھے اور مرعوب بھی، عام مسلمان دیکھتے تو مبہوت رہ جاتے تھے پیر بھائی اور ارکان حزب اللہ دیکھتے تھے تو ان کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ اور اپنی تنظیم کی کامیابی کے متعلق ایمان افروز احساس پیدا ہوتا تھا۔ یہ مظاہرے اکابر نے بھی دیکھے۔ پنجاب کے نامور سیاست دان اور مشہور وزیر اعظم سکندر حیات خان مرحوم لگاتار تین سال حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں شامل ہوتے رہے۔ انہوں نے تقریریں بھی کیں اور یہ مظاہرے بھی دیکھے۔ حزب اللہ کی طرف سے انہیں خوش آمدید کہا گیا اور ان کی ملکی اور قومی خدمات کو سراہا گیا۔ ان سے پہلے ۴ و ۵ ستمبر ۱۹۳۵ء کو خواجہ حسن نظامی دہلوی بھی حزب اللہ کے آٹھویں سالانہ جلسے میں شامل ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اخبار "روزنامہ" میں مفصل کاروائی شائع کرائی تھی جس کا مطالعہ ہمارے لئے بھی بڑا بصیرت افروز ہے۔

سکندر اور
اور خواجہ حسن
جلسہ دہلی

خواجه صاحب قمبر از ہیں کہ جب کہار ان کا ڈولہ لے کر جلا پور شریف پہنچے تو ہزار ہا رضا کار حزب اللہ کے پرتلے سینوں پر لگائے اور جھنڈے ہاتھوں میں لئے ان کی آمد کے منتظر تھے۔ انہوں نے خواجه صاحب کا استقبال پر جوش نعرہ ہائے تکبیر سے کیا۔ اور ڈولے کو ہاتھوں ہاتھ لئے بیٹے اوپر آستانہ عالیہ تک پہنچا دیا۔ ۵ ستمبر کی صبح کو حضرت امیر حزب اللہ کے حکم سے چار ہزار رضا کار خواجه صاحب کی سلامی کے لئے لنگر شریف کے غزلی باغ میں گئے۔ جہاں وہ درختوں سے گھری ہوئی خوبصورت کوٹھی میں مقیم تھے۔ فوجی اصول پر بیس بیس آدمیوں کا گروہ تھا جس کے آگے اس کا جھنڈا تھا۔ اور رضا کار رضا کاری کے پرتلے لگائے۔ ہاتھوں میں تلواریں وغیرہ لئے ہوئے باقاعدہ مارچ کر رہے تھے۔ باغ کے دروازے پر کرنل غلام علی شاہ خواجه صاحب کے پاس کھڑے تھے۔ جب ایک کچھنی سامنے آئی تھی تو اس کا سردار بلند آواز سے السلام علیکم کہتا تھا۔ اور اس کے سپاہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے ان کو سلام کا جواب دیتے رہے۔ اس فوج میں پنجاب و سرحد کے ہر مقام کے رضا کار تھے۔ ریاست پونچھ کے رضا کار بھی تھے۔ مختلف عمر اور قد و قامت کے لوگ تھے۔ نو عمر بھی تھے، جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ خواجه صاحب مزید تحریر کرتے ہیں کہ اس منظر کا ان پر بہت اثر ہوا اور انہوں نے رضا کاروں کی اس جماعت کو حزب اللہ کی کامیابی کا ثبوت سمجھ لیا۔

خواجه صاحب نے حزب اللہ کے سالانہ جلسے اور حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز رضوی کے متعلق بھی معنی خیز باتیں اپنے مخصوص انداز میں لکھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہی ان سے کہا گیا تھا کہ حزب اللہ کی تحریک سرکاری ہے اور سرکاری اشارہ سے جاری کی گئی ہے۔ مگر جلسہ کارنگ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تحریک جس میں اٹھائیس ہزار ممبر ہیں اور چار ہزار رضا کار ہیں۔ اور جس کے پروگرام میں خدمتِ حلقہ

خدمت اسلام اور اصلاح المسالین شامل ہے۔ سرکاری کیونکر کہی جاسکتی ہے۔ اور اگر سرکاری ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے اس کا تعلق ہے۔ برٹش صاحب کی سرکار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

جلسہ کے متعلق خواجہ صاحب نے تحریر کیا کہ رات کے نو بجے شامیانوں کے

نیچے منعقد ہوا۔ حضرت امیر حزب اللہ جلسہ کے صدر تھے۔ تخمیناً بارہ ہزار آدمی جمع تھے

جلسہ میں مسجد شہید گنج کے متعلق ریزولیشن پیش ہوا تو حضرت پیر فضل شاہ صاحب

کے حقیقی ماموں راجہ غضنفر علی کی تقریر بھی ہوئی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں

نے دہلی میں کونسل آف سٹیٹ کے اجلاس میں راجہ صاحب کی ممبر کی حیثیت

سے بہت سی تقریریں سنی تھیں۔ وہ اس لحاظ سے شہرہ آفاق ہیں۔ مگر ایسی مضبوط

تقریر پہلے کبھی نہیں تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس تقریر نے خوب دودھ پیاتے۔ خوب

ملائی کھائی ہے۔ اور خوب پلاؤ کھائے ہیں۔ یعنی اس تقریر کے اندر ہر قسم کی لذتیں

تھیں۔ راجہ صاحب شیعہ ہیں۔ مگر ان کی تقریر سنی تھی۔ اس لئے تمام سنی حاضرین

نے اس کو بیحد پسند کیا۔ خواجہ صاحب نے مزید تحریر فرمایا کہ لاہور کے محمد بخش مسلم

بھی آئے ہوئے تھے۔ جن کو انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ ان کی تقریر بھی بہت

مؤثر اور بہت گرم تھی۔ خواجہ صاحب نے بھی دو تقریریں کیں۔ ایک مسجد شہید گنج

کی نسبت اور ایک شریعت بل کی حمایت میں۔ ان کی تقریریں بھی حاضرین جلسہ

نے پسند کیں اور پرجوش نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتے رہے۔

حضرت امیر حزب اللہ کے متعلق اولیں بات یہ درج ہے کہ حضور خواجہ صاحب

کی آمد سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ان کی توقیر بڑھانے میں کوئی دقیقہ

باقی نہ چھوڑا۔ طعام و قیام اور خدمتگذاروں کا نہایت ہی اعلیٰ انتظام کیا گیا۔ حضور

کے فرزند اکبر اور نواب صاحب کے بڑے صاحبزادے خواجہ صاحب کی خبر گیری کے لئے باغ

خواجہ صاحب
راجہ صاحب
اور مولیٰ مسلم
کی تعاریف

ہیں گئے علاوہ بریں خواجہ صاحب اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں کہ طریقت اور فقیری کا دوسرا نام خدمتِ خلق ہے۔ جس فقیر میں بسولہ کی خاصیت ہو کہ لکڑی پھیل کر اپنے ہی آگے ڈالتا ہو۔ وہ فقیر نہیں ہے۔ اور جس فقیر میں آری کی خاصیت ہو کہ اپنے آگے بھی ڈالے اور باہر بھی برادہ پھینکے وہ اصلی فقیر ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ بات انہوں نے حضرت پیر فضل شاہ میں دیکھی کہ وہ کنبہ پرور بھی ہیں اور مرید پرور بھی اور خدمتِ خلق کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں رکھتے۔ خواجہ صاحب نے جلالپور شریف کے دو روزہ قیام میں خدمتِ خلق کے کئی حیرت انگیز مناظر دیکھے۔ اور انہوں نے حضرت امیر حزب اللہ کے متعلق یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھانا اور فائدہ پہنچانا خوب جانتے ہیں۔ خواجہ صاحب کی ملاقات محمد مہر شاہ صاحب، سید کرم شاہ صاحب اور سید محمود شاہ صاحب سے بھی ہوئی۔ خواجہ صاحب نے حضرت امیر حزب اللہ کی بڑے بھائی کی حیثیت سے شفقت اور چھوٹے بھائیوں کی اطاعت کو نمونہ کی چیز تصور کیا۔ جو ادھر ادھر مشائخ کے گھروں میں نایاب تھی۔ خواجہ صاحب اس بات کو دیکھ کر بھی حیران رہ گئے کہ عرس مبارک کے موقع پر اٹھارہ ہزار حاضرین کو لگاتار تین روز تک لنگر شریف سے صبح شام کھانا ملتا رہا۔ انہوں نے جب لنگر خانے کو دیکھا اور خشک آٹے کے ذخیرے، گوندھے ہوئے آٹے کے تودے، روٹیوں کے انبار، کچے گوشت کے ڈھیر اور سالن کے بڑے بڑے گڑاہ دیکھے تو بے ساختہ کہہ اٹھے۔ ”خدمتِ خلق کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے“

شروع شروع میں مجلس شوریٰ کے ارکان ۳۱ جمادی الثانی کو پہنچ جایا کرتے تھے اور ۳، ۴ کی رات کو سات بجے اجلاس منعقد ہوتا تھا جو دس بجے تک جاری رہتا تھا۔ ۴ کے روز دس بجے صبح مجلس کی دوسری نشست ہوتی تھی اور جو

مجلس شوریٰ کے اجلاس۔

امور ابھی تصفیہ طلب ہوتے تھے ان پر غور کیا جاتا تھا۔ جب خدا کے فضل سے
 حزب اللہ کی تنظیم مطلوبہ اور مجوزہ منہاج کے عین مطابق ہو گئی تو یہ اجلاس ۵ جمادی الثانی
 کو عرس مبارک کی پہلی مجلس کے بعد ہونے لگا۔ چنانچہ جب خواجہ حسن نظامی تشریف
 لائے تو اسی تاریخ کو وہ بھی مجلس شوریٰ کی نشست میں شریک ہوئے۔ اس وقت
 نماز ظہر کے بعد مقرر کیا گیا تھا۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس جلسہ کے خاتمہ پر انہوں
 نے حضرت امیر حزب اللہ جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب کی اقتدا میں
 نماز عصر مسجد میں جا کر ادا کی۔ مجلس شوریٰ کے ارکان ہر اس مسئلہ پر غور کیا کرتے
 تھے۔ جو حزب اللہ سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت امیر کے دورے، آمد و رفت کے
 حسابات، مجالس منتظمہ کی تشکیل اور پڑتال کے لئے وقود کا تقرر، حزب اللہ کے
 رسائل کی طباعت، اصلاح اور تنظیم سے متعلق باقی امور الغرض ہر بات کے متعلق
 وشاورہم فی الامر کے مطابق عمل ہوتا تھا۔ دو ایک بار حزب اللہ کے
 اجراء کا مسئلہ بھی زیر غور آیا۔ لیکن جب رسالہ "ترجمہ ان" گجرات کے مدیر
 بڑے خلوص سے اپنی خدمات پیش کیں تو یہی رسالہ اس مبارک جماعت کا آرگن
 قرار پایا۔ ارکان مجلس شوریٰ اپنی طرف سے تجاویز پیش کیا کرتے تھے۔ جن پر باقاعدہ
 بحث و تخیص ہوتی تھی۔ اپنے گھروں میں ہوتے ہوئے ارکان حزب اللہ کی نماز
 جمعہ میں شمولیت اور بعد از نماز رضا کاروں کی پریڈ کا مسئلہ مولوی نور محمد مرحوم
 مبلغ حزب اللہ کی طرف سے پیش ہوا تھا۔ ابتداء میں حزب اللہ کے دو مبلغ بھی
 مجلس شوریٰ نے مقرر کئے تھے۔ علاوہ بریل رفتار زمانہ کے مطابق جماعت حزب اللہ
 کی طرف سے بعض تجاویز کا پاس کرنا اور ان کا حکومت تک پہنچانا ضروری ہوتا تھا
 ان کی تسوید اور تحریک کے متعلق بھی مجلس مشاورت میں فیصلہ کیا جاتا تھا۔ مجلس شوریٰ
 گویا حزب اللہ کے ذہن کی حیثیت رکھتی تھی۔

جماعت آرگن
 کا مسئلہ

ترجمہ ان گجرات

حزب اللہ کا جلسہ عام اس مقدس اور مبارک جماعت کی غرض و غایت کا اصل حزب اللہ کے
 حقیقی منظر ہوا کرتا تھا۔ اس کی دو نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک ۴، ۵ جمادی الثانی
 کی درمیانی رات کو۔ اور دوسری ۵، ۶ کی درمیانی رات کو۔ پورے چودہ سال تک یہی
 طریق کار رہا۔ بعد میں صرف ۵، ۶ کی درمیانی رات کو نشست ہوا کرتی تھی۔ اور یہ وہ
 زمانہ تھا جب تحریک اپنے پورے جوہن پر تھی اور دو نشستوں کی چنداں ضرورت
 محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ عام اجلاس میں بہترین اور نامور مقررین، علماء اور قومی
 شعراء کو مدعو کیا جاتا تھا۔ اور بڑی بڑی مہمیں اور معرکے الٰہی کے سنیے کا اتفاق ہوتا
 تھا۔ مولانا خلیل احمد المعروف بابا خلیل پترویدی کی مدلل اور ذہین افروز تقریر
 بھی اذہان میں موجود ہوتے جو انہوں نے اِذَا لَيْتُ بِنَعْنَدِ اللّٰهِ الْاِسْلا
 کے موضوع پر کی تھی۔ انہوں نے بڑے سادہ اور اثر انگیز الفاظ میں ادیان عالم پر
 اسلام کی فوقیت ظاہر کی اور اپیشدوں اور ویدوں سے وہ عبارت سنائی جن
 میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت اور صداقت کا ذکر موجود تھا۔ خواجہ حسن نظامی
 مولانا محمد بخش مستقیم، صاحبزادہ سید فیض الحسن، سردار سکندر حیات خان، اور
 راجہ غضنفر علی خان کی پرجوش اور ایمان افروز تقریریں ارکان حزب اللہ نے اسی عام
 جلسہ میں سنیں اور پھر فروسی اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری کی اپنی زبان سے
 ان کے مخصوص وجد اور ترقم میں شاہنامہ اسلام کے کئی باب لوگوں نے
 انہی نشستوں میں سنے۔ حضرت حفیظ ایک ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ وقت
 تک کھڑے رہ کر شاہنامہ سناتے رہتے تھے۔ ہم ان کی زبانی ان کا مشہور
 معروف "سلاہ" بھی یہیں سنا۔ شاہنامہ سنتے ہوئے اس طرح معلوم
 ہوتا تھا گویا سور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرائنگاہوں کے
 سامنے ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین موجود ہیں۔ طبل جنگ

بج رہا ہے۔ معرکہ جہاد پیا ہے اور فلک شگاف نعرہ ہائے تکبیر بلند ہو رہے ہیں۔ کیا عجیب و غریب اجلاس تھے۔ آپ ذرا رات کے وقت، سات بانوں کے نیچے، دھیمی دھیمی روشنی میں حضرت امیر حزب اللہ ایسے داعی اسلام اور مجاہد اعظم کی صدارت میں اس قسم کے اجلاس اور حضرت حفیظ کی رجز خوانی کا تصور ذہن میں لائیں اور پھر دیکھیں طبیعت پر کیا اثر پڑتا ہے!!!

ہم عرس مبارک کی تقریبات اور حزب اللہ کے سالانہ جلسہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ دور دراز سے مختلف علاقوں کے ارکان حزب اللہ اور برادران طریقت آئے ہوئے ہیں۔ قلب کی جس بے تابی اور جس ذوق و شوق کو لے کر وہ آتے تھے اس کا ہم نے نظارہ کر لیا ہے۔ اور روضہ اطہر پر حاضری کے وقت زائرین کے دلوں کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کا بیان ہم نے جناب سیما وارثی کی زبانی سن لیا ہے۔ حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کی اصناف روح پرور سے جلالپور شریف کے دو دیوار مقدس اور متبرک بن چکے ہیں۔ اس لئے یہاں کے ذرہ ذرہ سے لمس کرنے پر وجود میں برقی رَو دوڑ جاتی ہے اور لکھنویت کا جذبہ بیتاب جوش مارتا ہے۔ ان روحانی تصرفات نے تمام کو عجیب کیفیات سے سرشار کر دیا ہے۔ مجلس عرس میں اولیائے کرام کی ارجح طیبہ شامل ہوتی ہیں اور غیر محسوس طور پر یہ کیفیات وہ چند ہو جاتی ہیں۔ جب کل ہند شہرت کے مالک قوال قوالی کرتے ہیں تو سُر و کیف میں التہاب کا عالم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ایک واقعہ کا بیان کرنا مفید ہوگا۔ ان ایام کا ذکر ہے۔ جب تحریک حزب اللہ مراحل شباب طے کر رہی تھی۔ مجلس عرس منعقد ہوئی۔ مرحوم صوفی خدابخش بھی حسب سابق شامل ہوئے۔ جو موضع ادووال کے بڑے خوش ذوق اور لطیف طبع درویش تھے۔ عالم وجد میں وہ

پکار اٹھے۔ مجمع البحرین، مجمع البحرین۔ وجد و کیفیت اب اور بھی بلند یوں پہنچ گیا۔ صوفی صاحب نے اپنا گریبان تار تار کر دیا۔ پیشانی زمین پر بیٹھ دیتے تھے دونوں ہاتھ بڑے بڑے زمین پر مارتے تھے۔ اور زبان بار بار کہتی تھی مجمع البحرین، مجمع البحرین۔ راقم السطور نے بعد میں صوفی صاحب سے خلوت میں پوچھا۔ آج غیر معمولی وجد و کیفیت کیوں تھا۔ فرمانے لگے۔ سجادہ شریف پر حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز اور جناب ابوالبرکات مدظلہ العالی پہلو بہ پہلو جلوہ افروز تھے۔ !!!

سبحان اللہ! ان وجد اور کیفیات سے تمام حاضرین مجلس اسی طرح اپنے اپنے ظرف کے مطابق لبریز ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں ہزار ہا زائرین کا حضرت امیر الشیخ کی اقتدا میں رکوع و سجود ولولوں کو اور بھی پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ ایک جماعت کثیر کا کیجا یوں ہم آہنگی سے تکبیر کی آوازوں کے درمیان محو عبادت ہونا جس طرح وجد آفریں ہوتا ہے۔ اس سے ہر صاحب نظر اچھی طرح آگاہ ہے۔ ان تمام باتوں کو دھیان میں رکھیں۔ رضا کاروں کے اجتماع اور ان کے مظاہرہ نے زائرین کے طیب اور پاکیزہ قلوب میں اسلام کی طاقت اور عظمت کے احساسات بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ تمام اختلافات اور امتیازات سے بالاتر ہو کر ان کے دلوں میں وحدت کا احساس جاگزیں ہو چکا ہے۔ اور ہر ایک محسوس کرتا ہے میں ایک وسیع متحد اور مضبوط معاشرہ کا رکن ہوں۔ اتحاد اور وحدت کا یہ احساس مز کی حزب اللہ کے جلسہ سے مزید نیپتا ہے۔ جب تمام ارکان زائرین خدائی رنگ میں ڈوب کر یک رنگ ہو چکے ہوتے ہیں، قلوب کی کیفیت ہوتی ہے اور دلوں کی زمین تخم ریزی کے لئے بالکل تیار ہو جاتی ہے اس وقت ان تمام کاروائیوں کا نقطہ عروج سینہ سولانا حضرت امیر حزب اللہ اپنا سالانہ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ ذرا اندازہ لگائیں ان قلبی کیفیات کے

ساتھ جب سالہا سال تک تمام زائرین حضرت امیر حزب اللہ کے خطبات سنتے رہے ہوں کیسے کیسے خوش آئند اور نادر الوجود دینی اور دنیوی، اخلاقی اور معاشرتی، ملکی اور سیاسی نتائج مترتب ہوئے ہوں گے۔ اس لئے حضرت امیر کا یہ فرمانا کہ

چو حزب اللہ را آغاز کردیم
مسلمان را مسلمان باز کردیم
کس قدر حقیقت پر مبنی ہے۔

حضور کا فاضلانہ خطبہ عام طور پر تحریری شکل میں ہوا کرتا تھا۔ بنیادی طور پر اس میں یہ جذبہ کار فرما ہوتا تھا کہ مسلمان جو مختلف تاریخی عوامل کی وجہ سے خاک نشین ہو چکے تھے۔ از سر نو عرش نشین بن جائیں۔ تمارع للحمیات اور جہد للبقاء کی خاطر آمادہ عمل ہو کر سیاسی تمدنی، اقتصادی اور معاشرتی، لحاظ سے کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں بلکہ قوموں کی مسابقت میں دوسروں سے آگے نکل جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ احساس زریاں پیدا کر کے جذبات قومی اور قوائے عملی بیدار کرتے تھے۔ اور واضح فرماتے تھے کہ مسلمان کس قسم کے دور ابتلاء اور آزمائش میں سے گزر رہے ہیں۔ ان کے سروں پر مصائب و نوائب کس طرح منڈلا رہے ہیں۔ ان کے مذہبی امور کو کیا خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔ اسلام اور اس کے مسلمہ اصولوں کی کس طرح توہین ہو رہی ہے۔ ان کے سیاسی حقوق کو کیا خطرات درپیش ہیں۔ آپ انہیں ترغیب دیتے تھے کہ اپنے جائز حقوق کے لئے میدان عمل میں آنا چاہئے۔ آپ صحیح راہ عمل اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ اور ایسی عملی تدابیر بتاتے تھے جو دینی اور دنیوی ترقی اور فوقیت کی ضامن ہوا کرتی تھیں اور دارینی فوز و فلاح کی موجب، اسلام کا نام سر بلند کرنے کے لئے آپ وضاحت فرمایا کرتے تھے کہ خداوند تعالیٰ کا

خطبہ صحت

بنایا ہوا قانون خود ساختہ قواعد و ضوابط پر ہر طرح ترجیح رکھتا ہے۔ اس لئے
 حیاتِ قومی کو اسی کے سانچے میں ڈھالنا چاہئے۔ آپ بار بار تلقین فرمایا کرتے
 تھے کہ وہی قوم صحیح معنوں میں زندہ رہ سکتی ہے جس کے قواعد عملی مضبوط
 ہوں اور جس میں ایثار و قربانی کے جذبات بدرجہ اتم پائے جاتے ہوں
 آپکا ارشاد ہوا کرتا تھا کہ اب محض سیاسی اقتدار کے حصول ہی کا سوال نہیں ہے
 بلکہ یہ قومی حیات و موت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ اس کشمکش حیات میں جس قوم
 کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے وہ ہمیشہ کے لئے اٹھنے کے قابل نہیں رہے
 گی۔ اور جو قوم اپنے ایثار و قربانی کے طفیل اس گردابِ فنا سے بچ نکلی۔ اس
 کے لئے بقائے دوام ہوگا۔ اس لئے آپ فرماتے مسلمانوں کے تحفظ اور بقا
 کے لئے عملی اقدام اشد ضروری ہے۔

آپ کے یہ تمام ارشادات حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں لگا ہوں کے
 سامنے آتے تھے۔ اور آویزہ گوش بنتے تھے۔ آپ اپنے خطبہ میں بتایا کرتے
 تھے کہ دنیا میں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص کیا کچھ ہو رہا ہے۔
 آپ انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کی حرکات پر بے لاگ تبصرہ فرمایا
 کرتے تھے۔ اور سال بھر کے واقعات و حوادث اس خوبی سے آپ کے خطبہ
 میں سموتے ہوئے ہوتے تھے کہ ایک موقع پر راجہ عصفری علی خاں مرحوم نے
 اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ اگر یہ بھائی محض حضور کے اس خطبہ مبارک کو سننے
 کے لئے دور دراز کی مسافت طے کر کے آئیں تو انہیں سمجھنا چاہیے کہ معمولی
 تکلیف سے انہوں نے کراہیا فوائد حاصل کئے ہیں۔ قابل ذکر عمل یہ ہے کہ
 تمام تبصرہ حزب اللہ کے بنیادی مقاصد کو سامنے رکھ کر کیا جاتا تھا۔ اور
 پھر صرف یہی نہیں کہ حضور گزشتہ سال کی روئیداد اور کارکردگی بیان کیا

کرتے تھے بلکہ آئندہ کے لئے راہ عمل بھی تجویز فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا ان حزب اللہ کو ان کے حقیقی فرائض سے آگاہ فرمایا کرتے۔ اور ارشاد فرماتے دنیا سے اسلام نے حزب اللہ سے جو توقعات قائم کر رکھی ہیں انہیں پورا کرنا چاہئے۔ شمالی ہند کی سب سے بڑی کام کرنے والی جماعت جو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکی ہے یہی ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح باخبر رہنا چاہئے۔

آپ کا خطبہ اسلوب اور انداز بیان کے لحاظ سے بڑا فصیح و بلیغ اور اثر انگیز ہوا کرتا تھا۔ ہر خطبہ اپنی جگہ نرالا اور اچھوتا ہوتا تھا۔ ان تمام خطبات کو سامنے رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ قدم بقدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ابتدا میں قوم جو پیغام سننے کے قابل تھی وہی آپ نے دیا۔ پھر جوں جوں قوم کا رد عمل حسب منشاء ہوتا چلا گیا۔ آپ بھی اپنی نوا کو تیز تر کرتے چلے گئے۔ اور انجام کار اسے ایسے مقام پہنچا دیا جہاں سے اچھے اسلام و مسلمانوں کی منزل صاف نظر آتی تھی۔ بڑے حسن کتابت کے ساتھ آپ اپنے خطبات کی طباعت کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔ کاغذ بڑا عمدہ ہوتا تھا۔ دورہ کے دنوں میں ہر مقام پر مطبوعہ خطبہ تقسیم ہوتا رہتا تھا۔ دورہ میں حضور سالانہ اجلاس کے تجویز کردہ راہ عمل کے مطابق تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس طرح آپ جو کچھ کہتے تھے کر دکھاتے تھے۔ یہ تقاریر حضور کے مطبوعہ خطبہ کی اہمیت اور بھی بڑھا دیتی تھیں۔ وہ خطبات آج بھی بیہائیوں کے پاس محفوظ ہیں اور انہوں نے حزب جاں بنائے ہوئے ہیں۔ کیونکہ مستقل قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ حضور کے مطبوعہ خطبات تحریک حزب اللہ کا وہ انمول لٹریچر ہے جس کے آئینہ میں جھانک کر تحریک کے دور ماضی کے واضح خدو خال اور درخشاں کارنامے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور

خطبہ صدارت
کا انداز بیان

طباعت تقسیم

جس کے مطالعہ سے اسلام کی پاکیزہ تعلیمت کا عکس قاری کے دل پر جلوہ ریز ہوتا ہے۔

اپنے خطبہ کے اختتام پر آپ جو دعا مانگا کرتے تھے اس کی بیساختگی اور خلوص سے پتہ چلتا تھا کہ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا۔ اعماقِ قلب سے نکل رہا تھا۔ درگاہِ ایزدی میں آپ کی دعا ہوتی تھی کہ مولا کریم ان تمام زائرین کا یہاں آنا بلحاظ نتائج و ثمرات مبارک ہو اور جن مقاصد عالیہ اور خوشگوار توقعات کو لے کر ہم سب اکٹھے ہوئے ہیں وہ پوری ہو کر رہیں۔ اور ہم اس اجتماع سے عملی طور پر مستفید اور مستفیض ہوں۔ حضور کے دل میں اپنی محنت کو بار و بار اور ثمر خیز دیکھنے کی بڑی آرزو تھی۔ اس لئے آپ کی دعا ہوا کرتی تھی۔ خدا کرے میری یہ ساری محنتیں ٹھکانے لگیں۔ اور جو مقصد و حید لے کر میں یہ کام کر رہا ہوں۔ مجھے اس میں کامیابی حاصل ہو۔ ۱۹۳۵ء میں سالانہ خطبہ کے اختتام پر درگاہِ خداوندی میں آپ نے استدعا کی :-

۱۹۳۵ء
 الہ العالین۔ تیرا یہ ناپیز بندہ اور تیرے یہ سب غلام ایک ہی خواہش لے کر یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اور خواہش کا تعلق ہماری ذاتی اغراض سے نہیں۔ بلکہ خواہش بھی تجھ سے ہے اور خواہش بھی تیری ہے۔ یا بالفاظ دیگر ہم تجھ سے مانگتے ہیں اور تجھ کو مانگتے ہیں ہم آزادی کے خواستگار ہیں مگر ایک غلامی کی خاطر۔ نفی ماسوا کرتے ہیں، لا الہ الا کہتے ہیں لیکن اثبات توحید اور لا الہ الا اللہ کے لئے۔ ہم ہر ایک کے سامنے اکرنا چاہتے ہیں لیکن ایک کے آگے جھکنے کے لئے۔ ہماری التجا دنیا بھر سے لڑائی ہے۔ ہمارا سوال عجوبہ روزگار ہے۔ ہماری تمنا دنیا کی نظروں میں عجیب قسم کی

ہے۔ لیکن ہماری اپنی نگاہوں میں ہماری زندگی کا مقصد اور ہماری حیات کی غرض اور ہمارے زندہ رہنے کی علت صرف یہی ہے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تو ہمارا ہو جائے۔ تاکہ تیرے غلام کہلا کر ہم دنیا میں کسی اور کے غلام نہ رہیں۔ تیری حکومت کے تحت آکر اغیار کے دستِ ظلم سے رہائی حاصل کر سکیں۔ تیری حفاظت میں رہ کر آفات و بلیاتِ سماوی سے محفوظ ہو جائیں

۵ یارب! اے آفرینِ چرخِ آسمان! تو بریں مدعا مرا برسماں

وَ اِخْرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دیکھیں نبیرہ رسول کس خلوصِ دل سے پھر سنت رسول کو زندہ دیکھنے کی پُر زور التجا بارگاہِ مجیب الدعوات میں پیش کر رہے۔

سالانہ جلسوں کی روئیداد ختم کرنے سے پہلے ایک ضروری بات کا ذکر کر دینا از بس ضروری ہے۔ غلامی سے نکل کر آزادی کی فضا میں سانس لینے کے لئے قدم قدم پر غیر ملکی حکومت کو اپنی ضروریات اور اپنے مطالبات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اس غرض کے لئے حزب اللہ کے جلسہ میں باقاعدہ قرار دادیں پیش ہوتی تھیں۔ جن کی تجویز مجلس شورٰی میں ہو چکی ہوتی تھی۔ اور اجلاسِ نمائندہ حیثیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ قرار داد کی تحریک کرنے والے اپنی قابلیت کے مطابق تقریر کیا کرتے تھے۔ اور حاضرین جلسہ پیش کردہ قرار داد کی تائید کیا کرتے تھے۔ پاس کردہ قرار دادوں کی نقول بذریعہ تار حکومت کو بھیجی جاتی تھیں۔ عام طور پر اہم ترین قرار دادوں کی حمایت میں کوئی نامور مقرر تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اخبارات کے ایڈیٹر اور نمائندے موجود ہوتے تھے۔ وہ اپنے اخبارات میں جلسہ کی روئیداد علیحدہ شائع کیا کرتے تھے۔

مثلاً مولانا غلام رسول قہر ایڈیٹر روزنامہ "انقلاب" لاہور، سید حمید ایڈیٹر روزنامہ "ترجمان" گجرات نے جلسہ میں شمولیت کے بعد واپس جا کر کئی بار تمام کاروائی بڑی آف تاب سے اپنے اپنے اخبارات میں چھاپی۔

۶۔ جمادی الثانی کو دوسری مجلس کے بعد پیر بھائی اور ارکان حزب اللہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ انہیں احساس ہوتا تھا کہ انہوں نے ایک عظیم قومی اور ملی اجتماع میں شرکت کی ہے۔ اتحاد اسلامی کے رُوح پرور نظارے ان کی نگاہوں کے سامنے موجود ہوتے تھے۔ امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے پیش کردہ بہترین طریق عمل کی یاد ان کے دلوں میں محفوظ ہوتی تھی۔ اور طبیعتوں میں عجیب و لولہ عمل لے کر وہ اپنی بستیوں کو جارہے ہوتے تھے۔ آج جب وہ ان چیزوں کو یاد کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں طمانیت اور راحت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ اس قلبی کیفیت کو اپنی محنت کے اچھے پھل سے تعبیر کرتے ہیں۔

حزب اللہ اور رفتارِ زمانہ

اس مبارک جماعت کے مقاصد متعین اور مخصوص تھے۔ ایسے مقاصد جن کا تعلق مسلمانوں کے حال سے تھا، مستقبل سے تھا۔ ان کی دینی اور دنیوی زندگی سے تھا۔ اور ان مقاصد کی تشکیل ایسی ضروریات کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جنہیں برکہ و مہ محسوس کر رہا تھا۔ لیکن ان کی کوئی سبیل انہیں دکھائی نہ دیتی تھی اس لئے جب اس مبارک جماعت نے مسلمانوں کے سامنے حصول آرزو کی کھول دی تو تمام بطیب خاطر اس سے منسلک ہو گئے۔ عامۃ المسلمین کا

حزب اللہ کی طرف یہ روز افزوں رجحان حاسدوں کو نہیں بھاتا تھا۔ اس تحریک کو عوام میں مقبول ہوتے دیکھ کر وہ سٹپٹا اٹھے۔ ان کی نگاہ حضرت امیر کے خلوص اور للہیت، مجاہدانہ تہمت دو اور والہانہ اقدام کی طرف نہ گئی۔ اور نہ ہی حضور کے مقاصد عالیہ اور کارناموں کو وہ لوگ نگاہ تحسین سے دیکھ سکے۔ انہوں نے تحریک میں بیجا طور پر رختہ اندازی شروع کر دی۔ حضور کی ذات پر ناروا اعتراض کرنے لگ گئے۔ اور وما افسد الذین الا الملوک و علماء سوء و رہبانہا کے مطابق علماء سوء، مکفر مولویوں اور نام نہاں پیروں نے حسد و بغض سے جل بھن کر آپ کے خلاف اشتہار دیئے، رسالوں میں مضامین چھپائے اور فتویٰ لکھے اور لکھوائے۔ اس سلسلہ میں بھیرہ کے ایک مولوی صاحب پیش پیش تھے اور محض اس بنا پر کہ ان کے ایک مرحوم قریبی رشتہ دار کے وراثت کے بھگڑے میں حضرت امیر حزب اللہ ان کے حکم کی تعمیل نہیں کر پائے تھے۔ مولوی صاحب نے وسط دسمبر ۱۹۳۲ء میں جماعت حزب الانصار میں تقریر کرتے ہوئے حضور کے خلاف غیر مناسب کلمات استعمال کئے۔ جو ارادتمند برداشت نہ کر سکے۔ فساد ہوا مگر حضور نے جلد اپنے عقیدت کیشوں کا جوش ٹھنڈا کر دیا۔ اور حقیقت کے اظہار کے لئے آپ نے ارکان حزب اللہ کے نام امیر حزب اللہ کا پیغام ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق فروری ۱۹۳۴ء کو ایک رسالہ کی صورت میں چھپوا کر تقسیم کیا۔ تاکہ سادہ طبع لوگ گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس میں آپ نے بڑے درد دل کے ساتھ بیان فرمایا کہ ہمارے پیش نظر قصر اسلامی کی تعمیر و ترمیم ہے۔ لیکن دو ٹوں کے سامنے خود غرضی اور فساد انگیزی کی بنا پر اس کی تخریب انہدام ہے۔ اخبار قومیت لاہور کی اشاعت مؤرخہ ۲۲ فروری ۱۹۳۳ء میں ایڈیٹر صاحب نے جہاں یہ رسالہ من و عن شائع کر دیا وہاں حضرت امیر حزب اللہ کے متعلق لکھا ہے

سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ، سجادہ نشین جلالپور شریف کا وجود
 مسعود موجودہ کفر الحاد کے زمانے میں مسلمانوں کے لئے بجا طور پر
 نعمت غیر مترقبہ ہے۔ آپ متلاشیان حق کو اپنے وعظ و نصائح سے
 مستفید فرماتے ہیں۔ آپ کے قلب میں مسلمانوں کے لئے ایک
 غیر معمولی اور حقیقی تڑپ ہے جس کا نمایاں ثبوت یہ ہے کہ آپ نے
 کچھ عرصہ سے تحریک حزب اللہ شروع کی ہوئی ہے۔ جو محض مسلمانوں
 کی فلاح و بہبود اور اصلاح و تنظیم کے لئے ہے اور جس میں اب
 بہت کمپیس ہزار سے زائد مسلمان شریک ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
 مخالفین کے دل میں حسد و عناد کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔

بشیر احمد صاحب ایڈیٹر نے مولوی ظہور احمد بگوی سے گزارش کی کہ اگر اس نازک
 دور میں انہیں قوم سے کوئی بھی بہد روی ہے تو اللہ سید محترم کے اصلاحی اور تنظیمی
 پروگرام میں رخنہ اندازی سے قطعاً پرہیز کریں۔ حضرت امیر حزب اللہ نے رسالہ
 مذکور کی تقسیم کے بعد اس تنازعہ کو فراموش کر دیا اور بدستور ملت اسلامیہ کی
 فلاح و بہبود اور اصلاح و تنظیم میں مصروف کار رہے۔ اور جس طرح رسالہ کے
 خاتمہ پر آپ نے فرمایا تھا:-

انشاء اللہ ہماری معقولیت پسندی، رواداری اور صلح جوئی کی خوش
 خرام ہوائیں بالآخر اس غبار آلودہ مطلع کو صاف کر دیں گی۔ اور
 عنقریب باران رحمت کا نزول ہوگا۔ جس سے کہ تمام خس و خاشاک
 اپنی رو میں بہ جائیں گے۔ اور پھر اسلام کی صداقت اور سچائی کا سورج
 طلوع کرے گا۔ جس کی روشنی تمام ظلمات اور اندھیروں کو فوراً
 آپ کی پیشینگوئی درست ثابت ہوئی۔ حالات زمانہ نے مخالفت اور عناد کا خاتمہ

کر دیا اور حق روز روشن کی طرح آشکارا ہو گیا۔

یہ دور فی الواقعہ بڑا نازک تھا۔ مسلمانوں کے سروں پر مصائب و نوائب کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ۱۹۳۱ء کے اواخر میں لندن میں دوسری گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ مسلمانوں کے وفد کے قائد سر آغا خان تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی شرکت کی۔ مسلمانوں کے وفد میں حضرت امیر حبیب الرحمن کے برادر اصغر والا قدر نواب سید محمد شاہ بھی شریک تھے۔ حکومت برطانیہ ہندوستان کو اختیارات تفویض کرنے کے لئے تمام اقوام ہند کے نمائندوں سے مشورہ کرنا چاہتی تھی۔ زیادہ تر بحث ترقی دارانہ بنیاد پر ہوتی رہی۔ لیکن ہندوؤں، سکھوں، مسلمانوں اور اچھوتوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب ہندو، مسلم اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہ آیا تو قائد اعظم محمد علی جناح کو سخت مایوسی ہوئی۔ انہوں نے ہندوستان کی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور انگلستان سکونت پذیر ہو گئے۔ اقوام ہند کے درمیان سمجھوتا تو نہیں ہو سکا تھا۔ مگر انہوں نے اس کا فیصلہ برطانوی وزیر اعظم رینے میکڈونلڈ پر چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے ماہ جولائی ۱۹۳۲ء میں اعلان کرنا تھا۔ مگر ولایت سے جو خبریں نکلیں ان سے پتہ چلتا تھا کہ اگرچہ پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد اٹھاون فیصد ہے۔ مگر انہیں اس صوبہ میں اپنی آبادی سے کم اکاون یا باون فیصدی نشستیں ملیں گی۔ وسیع پنجاب اور امن پسندی کی بنا پر مسلمان تو خاموش رہے۔ مگر سکھوں نے اودھم مچا دیا۔ اقلیت میں ہونے کے باوجود پنجاب میں انہوں نے خاصی طاقت پکڑ لی تھی۔ ان کے گوردواروں کی آمدنی ایک قانون کے مطابق ان کی قومی بہبود کیلئے صرف ہو رہی تھی۔ اس آمدنی کو کام لاکر اپنے مخیر افراد کی امداد سے انہوں نے کئی کالج اور میسوں ہائی سکول کھول رکھتے تھے۔ وہ تعلیم یافتہ تھے۔ منظم تھے۔

اس دور کی
سیاسی فضا

دولت مند تھے، تجارت پر ان کا قبضہ تھا حکومت ان کے اکالی ذل سے مرعوب تھی۔ اس بات کی بھنک پڑتے ہی کہ پنجاب میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہو رہی ہے۔ سربراہ اور وہ سکھوں نے ایک جٹھی وائسرائے ہند کے نام ارسال کی جس میں مسلمانوں کو ان کے جاہی حقوق ملنے کے خلاف زہراگلا۔ پرانی باتوں کے حوالے دیئے ہند مغلیہ کے قصے دہرائے۔ اپنی بہادری اور شجاعت کے افسانے چھپڑے اور ایک طرح مسلمانوں کو دعوتِ مقابلہ دی اور ڈرا با دھمکایا۔ اس کے لئے لاہور میں سکھ اکابر جمع ہوئے۔ جو شیلی تقریریں کیں اور مسلمانوں کو دھمکی دی کہ اگر تم اس معاملہ میں مزاحم ہوئے تو خون کی ندیاں بہا دی جائیں گی۔ سکھوں نے گورو کرتھ کے روبرو قسمیں اٹھائیں کہ وہ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت قائم نہیں ہونے دیں گے۔ اور اس مطلب کو حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ وائٹرز لے آئیں گے۔ یہ بھی طے پایا کہ ۳۱ جولائی ۱۹۳۲ء کو سکھ ہر مقام پر جلسے کریں۔ گورو کرتھ کے سامنے قسمیں اٹھائیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے جاہی حقوق نہیں لینے دیں گے۔ اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یہ بہت بڑی سازش تھی۔ ہندو سکھوں کو شہ دے رہے تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کو تناسبِ آبادی کے لحاظ سے اختیارات سونپ دیئے گئے تو ان کا ہندو راج والا منصوبہ پایا تکمیل تک نہیں پہنچے گا۔ اس لئے برطانوی وزیر اعظم نے جب اپنے فرقا دارانہ فیصلہ میں اچھوت اقوام کو ہندوؤں سے علیحدہ نمائندگی کا حق دینا چاہا تو گاندھی جی نے مرن نہرت رکھ لیا۔ وہ ہوشیار سیاست دان تھے۔ ہندوؤں کے اقتدار کی خاطر اس طرح انہوں نے غریب اچھوتوں کو علیحدہ نیابت کے حقوق نہ ملنے دیئے۔ اور اچھوتوں کو اختیارات سے محروم کیا جا رہا تھا اور اچھوتوں کے ذریعے مسلمانوں کو محروم رکھنے کے منصوبے

تھے۔ اگر اس موقع پر کچھ نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کا حشر بھی اچھوتوں جیسا ہو گا۔
 خدا کے فضل سے حضرت امیر حزب اللہ نے یہ مبارک جماعت مسلمانوں کی
 ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے جا لگانے کے لئے قائم کی تھی۔ آپ نے وقت کی نزاکت
 کو بھانپ کر فوراً ایک ہنگامہ خیز اعلان کیا۔ اور واشگاف الفاظ میں شہر کر
 کر دیا کہ اگر سکھ ایک لاکھ رضا کار مسلمانوں کے مقابلہ میں لاسکتے ہیں تو امیر حزب اللہ
 دو لاکھ سرفروش مسلمان ان کے مقابلہ میں لے آئیں گے۔ آپ نے ۲ اگست ۱۹۴۷ء
 کو والسٹون ہند اور گورنر پنجاب کے نام تار بھیجے اور مطالبہ کیا کہ سکھوں کی شوش
 ان کے غیر معقول مطالبات اور ان کے اشتعال انگیز طرز عمل اور مظاہروں کے
 زیر نظر وزیر اعظم برطانیہ مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے ہرگز ہرگز محروم نہ کریں
 آپ نے انہیں یقین دلایا کہ اگر ہاروی اور جوا ہاروی سے حقوق حاصل کئے جاسکتے
 ہیں تو مسلمان قربانی، ایثار اور ولاوری کے میدان میں اپنے عرفیت سے کسی
 طرح کم نہیں۔ اگر سکھ اپنے غیر معقول مطالبات کے حصول کی خاطر ایک لاکھ
 رضا کار فراہم کر سکتے ہیں تو ملت اسلامیہ کا ہر ایک فرد اپنے آپ کو بطور رضا کار
 پیش کرنے کو تیار ہو گا۔ آپ نے یہ تمام حالات و کوائف بڑے جلی عنوان کے ساتھ
 چھپوا کر ایک طویل اور مرعوب کن اشتہار کی صورت میں پنجاب کے کونے کونے
 میں پہنچا دیے۔ اس طرح حکومت کے ساتھ سکھوں کو بھی علم ہو گیا کہ مسلمان کمزور
 اور بے خبر نہیں۔ بلکہ ان کے دلوان قرون اولیٰ کی طرح جذبہ جہاد موجود ہے۔ معمولی
 سے تاقل کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت امیر حزب اللہ کے بروقت
 جہاد اور ہنگامہ خیز اعلان نے مسلمانوں کی آزادی کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ ہاں یہ
 ضرور ہے کہ حصول مقصد کے لئے ابھی مزید ایثار و قربانی اور جاں فروشی کی ضرورت
 تھی۔

سکھوں کا ناپاک
 منصوبہ ایثار
 حزب اللہ کا جنگ خیز
 اعلان

وزیر اعظم برطانیہ نے فرقہ وارانہ نیابت کے سلسلہ میں اپنے ایوارڈ کا اعلان کر دیا۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت کو باقاعدہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس اعلان نے غیر مسلم اقوام کے دلوں میں تھصب کی دبی ہوئی جنگاریوں کو مشتعل کر دیا۔ ہندو بلا اشتراک غیرے تمام ہندوستان پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ سکھ اپنی کریاں کی برائی دکھا کر تمام پنجاب کو زیر نگین لانا چاہتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ پنجاب تو ہزارا رنجیت سنگھ اور فاتحہ (۱۷۶۹ء) کا ورثہ ہے جو خالصہ کے کر رہے گا۔ مسلمان ہندو اور سکھ دونوں کے طرز عمل سخت مایوس اور مضطرب تھے۔ انہی ایام میں دو ایک ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے مسلمان سخت خوفزدہ ہو گئے تو بہن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ایک ہندو تھورام نامی مارا گیا ہندوؤں نے اس کی ارتھی کا جلوس نکالا۔ لیکن حکومت نے نہ روکا مگر جب مسلمانوں نے چاہا اپنے شہید غازی عبدالقیوم کے جنازہ کا جلوس نکالیں تو گولیاں برسائی گئیں مسلمانوں نے اس واقعہ ہائلہ کی تحقیقات کے لئے ایک غیر سرکاری وفد کراچی روانہ کیا جس میں راجہ غضنفر علی خان بھی شامل تھے۔ مگر حکومت نے اقلنامی احکامات نافذ کر دیئے۔ حکومت کے اس جانبدارانہ رویے سے مسلمان سخت مشتوش ہوئے۔ جیلیاں والا باغ امرتسر میں جب اڈوائرنے گولی چلائی تھی تو نہ صرف ہندوؤں نے اس کے طرز عمل پر بے محابہ تبصرہ و تنقید سے کام لیا تھا بلکہ جب ہندو کمیٹی نے غیر سرکاری طور پر تحقیقات کی تھی تو انہوں نے شد و مد کے ساتھ مخالفت شہاوتیں دی تھیں۔ اور انگریز بہادر آنکھیں بند کئے سب کچھ سندا تھا لیکن مسلمانوں پر گولی چلانے کے بعد انہیں اس طرح اپنے طور پر تحقیقات کا موقع بھی نہ دیا گیا۔ قدرتی طور پر مسلمانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انگریز حکومت ہندو کے اتحاد و اتفاق اور ان کے پرابلیمنڈے سے ڈرتی ہے۔ اور چونکہ مسلمان اپنی بات

ہندوؤں نے اپنے
ذمے لیا ہے
میں جھگڑے

منولنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے حکومت انہیں درخورد اعلیٰ نہیں سمجھتی۔

انہی دنوں میں ایک اور نہایت ہی اندوہناک اور جگر فرسا واقعہ ہوا۔ اس میں بھی انگریز حکومت نے طرفدار کی کا بری طرح مظاہرہ کیا۔ حضرت امیر حیدر علی

سابقہ واقعہ کی بنا پر بھی سخت پریشان تھے۔ مگر اس نئے واقعہ خونین کی وجہ سے تو آپ بالکل دقت اضطراب ہو گئے۔ لاہور میں دہلی دروازہ کجاہر لندہ بازار کے

ساتھ دارا شکوہ کے خانساں عبداللہ خاں نے ایک مسجد بنائی تھی۔ سکھوں کی

عملداری (۱۸۰۹ء - ۱۸۴۹ء) میں جس طرح شاہی مسجد لاہور کی بے عزتی ہوئی تھی

اور اسے اطمینان بنایا گیا تھا۔ اس مسجد خانساں پر بھی سکھ قابض ہو گئے۔ انگریزوں

کی حکومت قائم ہونے پر شاہی مسجد لاہور تو واگذار ہو گئی۔ مگر اس مسجد پر سکھوں

کا قبضہ بدستور رہا۔ اس کے قریب ایک بزرگ کا مزار ہے ۱۹۳۵ء کے اوائل میں سکھوں

نے مزار کو جانے والا رستہ بند کر دیا۔ مسلمانوں نے متحد ہو کر اسے اس طرح بزور بارو

کھولنا چاہا جس طرح سکھوں نے بند کیا تھا۔ لیکن پولیس آگئی اور لاٹھی چارج ہوا

مسلمانوں میں اضطراب اور بیجان بڑھ گیا۔ انہوں نے مسجد پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر

گھڑسوار پولیس نے انہیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ اس مرحلہ پر سکھوں

کے مسلح جتھے ادھر ادھر سے آنے لگ گئے۔ اکالی دل نے تنگی کرپانوں سے لاہور

کی گلیوں میں مظاہرہ کیا اور ست سری اکال کے نعر بلند کئے۔ سکھوں کی بڑی

بڑی ذمہ دار مستیاں مذہبی تعصب میں پیش پیش تھیں۔ مسلمانوں میں بھی

جوش اور بیجان پھیل گیا۔ وہ کہتے تھے کہ ایک جگہ جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی

ہے تو ہمیشہ مسجد رہتی ہے۔ ہم اس پر سکھوں کا قبضہ نہیں رہنے دیں گے۔ اور

برقیہ پر شاعر اللہ کا احترام قائم رکھیں گے۔ حکومت نے گورہ فوج متعین

کر دی۔ سکھوں نے اس کی سنگینوں کی حفاظت میں مسجد کو شہید کر دیا۔ زبردست

واقعہ

ہنگامہ ہوا۔ مسلمان مسجد کے تحفظ کے لئے دیوانہ بھاگے۔ مگر انگریز کی گولیوں نے استقبال کیا۔ سینکڑوں نوجوان شہید ہو گئے اور کرفیوں نافذ کر دیا گیا

حضرت امیر حزب اللہ شروع سے بنظر غائر حالات کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ آپ انگریز کی عیاری اور جنبہ داری کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ لاہور میں مسلمانوں نے مجلس اتحاد ملی قائم کی۔ جس میں مولانا ظفر علی خاں اور سید حبیبیت اللہ نے تھے۔ حضرت امیر حزب اللہ نے فوراً ان سے رابطہ قائم کیا۔ مسجد کا انہدام بھی عمل میں نہیں آیا تھا۔ پیر جماعت علی شاہ علی پوری امیر ملت منتخب ہو چکے تھے حضرت امیر حزب اللہ ان دنوں مری نیشنل فرماتے تھے۔ آپ نے وہیں سے مجلس اتحاد ملی کو لکھا کہ پانچ ہزار رضا کاران حزب اللہ سر بکھٹ لاہور آنے کے لئے تیار ہیں۔ بذریعہ تار اطلاع دی جائے کہ کب روانہ ہوں۔ ان کا فرج حضرت امیر خود برداشت کریں گے۔ اس دوران میں مسجد گرا دی گئی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ رضا کاروں کی ترسیل بند کر دی جائے۔ اور مسجد کے انہدام پر بطور احتجاج جلسہ منعقد کیا جائے۔ اور روئداد حکومت اور اخبارات کو بھیجی جائے۔ چنانچہ ۲ جولائی ۱۹۳۵ء کو جامع مسجد کوہ مری میں جلسہ ہوا۔ امیر ملت پیر جماعت علی شاہ بھی اس میں موجود تھے حضرت امیر حزب اللہ نے ایک بڑی درد انگیز، جوش پرور اور بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ جس نے عوام و خواص سے خراج قبولیت حاصل کیا۔ اور امیر ملت نے بے حد تحسین کی۔ مگر افسوس کہ یہ قابل مطالعہ روئداد احتساب حکومت کی نذر ہو گئی۔ اور صرف اخبار "ترجمان" گجرات نے شائع کی۔ معلوم نہیں سنسر کی نگاہ تیز ہیں وہاں کیوں نہ پہنچی؟

زمعہ لاہور نے اس مسجد کا مقدمہ عدالت عالیہ میں پیش کر دیا اور کھوکھر

تخصیص چکوال کے متوطن ڈاکٹر محمد عالم پیر سٹریٹ لانے بڑی دماغ سوزی اور
 گرموشی سے وکالت شروع کر دی۔ علاوہ بریں اسی ماہ جولائی میں اس مسئلہ
 پر غور و خوض کرنے کے لئے اکابر ملت کا جلسہ تجویز پایا۔ جس میں شمولیت کیلئے
 حضرت امیر حزب اللہ تیار ہو گئے۔ اس دوران میں ۱۶ جولائی کو آپ کی خدمت
 میں "حزب الرسول" والے محمد شاہ صاحب سکند بھیرہ اور ان کے ساتھ ^{اللہ} صحرائی حاضر ہوئے اور آپ نے انہیں ایک پر جوش اعلان تحریر کر دیا۔ آپ نے
 ۱۸ جولائی کے اخبار "ترجمان" گجرات میں مسجد شہید گنج کا قضیہ نامرضیہ
 کے عنوان سے ایک مضمون بھی لکھا۔ جس میں آپ نے بڑی دردمندی کے ساتھ
 اپنے پورے پورے روز قلم سے مسلمانوں کو غفلت و جمود زائل کرنے اور ایک
 متحدہ نظام کے تحت آجانے کے لئے پُر زور دعوت دی۔ مگر ابھی اس
 مضمون کی سیاہی خشک بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ مولانا اختر علی خان
 کی طرف سے آپ کو ایک تار بلا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ احرار، مجلس احرار
 اور مجلس تحفظ شہید گنج کے اراکین کے درمیان اختلاف کی بنا پر مجوزہ جلسہ ملتوی
 ہو گیا ہے۔ جس اتحاد و اتفاق کے حضرت امیر حزب اللہ اپنے پورے زور فصاحت
 کے ساتھ تلقین فرما رہے تھے۔ اس کا شہرازہ منتشر ہو گیا۔ اور ایک انتہائی نازک
 موقع پر جبکہ سکھوں کا اتحاد دیوار چین کی طرح قائم تھا۔ مسلمانوں کی مسجد مسمار کر
 دی گئی تھی۔ ان پر بڑی بے دردی سے گولیاں برسائی گئی تھیں۔ اور جبکہ اُدھر
 بالکل انہی دنوں میں برطانیہ اقوام ہند کو مزید اختیارات سونپنے کے لئے تیار
 ہو رہا تھا۔ لیکن مسلمان آپس میں دست و گریبان ہو رہے تھے۔

حضرت امیر روشن ضمیر ہر مسئلے کی وقتی اہمیت کو بھی دور رس نتائج کی
 روشنی میں دیکھ رہے تھے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ مسجد شہید گنج کا انہدام ^{میں}

بصیرت تھا۔ مگر مسلمان عقل و شعور سے اس طرح عاری ہو چکے تھے کہ ان کا اندھا پن اور بھی بڑھ گیا۔ آپ کو نظر آیا کہ یہ حادثہ فاجعہ تازیانہ عبرت تھا مگر یہ بھی مسلمانوں کے جموں کو ختم نہ کر سکا۔ اور فی الحقیقت اس قضیہ نامرضیہ کی تاثر و ذمہ داری مسلم رہنماؤں پر عائد ہوتی تھی۔ آپ نے ۸ اگست کے ”ترجمان“ میں ایک مضمون شائع کرایا۔ جس کا عنوان تھا ”ہندوستان کے مسلمانوں کی عزت و ناموس کا جنازہ مسلم رہنماؤں کے کندھوں پر“ آپ نے تاریخ سے مثالیں پیش کیں کہ کس طرح اقوام کی تفریق ان کی تباہی کا باعث ہوا کرتی ہے اور آپ نے بتایا کہ مسلمان اس وقت تک غالب رہے جب تک منظم تھے۔ آپ نے علم بردار ان اتحاد کے زریں کارنامے گنائے اور واضح فرمایا کہ مسلمانوں کے موجودہ رہنما قوم کے حقیقی خیر خواہ نہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

”خدا گواہ ہے۔ ہمیں ان لوگوں سے کوئی وجہ خصومت نہیں لیکن الْحُبُّ لِلَّهِ وَالْبُغْضُ لِلَّهِ کے ماتحت ہم ان لوگوں کے طرز عمل سے بدرجہ غایت بیزاری اظہار کرتے ہیں جو انہوں نے مسجد شہید گنج کے موقع پر پیش کیا ہے۔ اور ہمارے خیال میں ان کے اس رویہ سے مسلمانوں کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ہماری رفتار ترقی میں اتنی بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اور اسی کا اثر مسلمانوں کے مستقبل پر ایسا بڑا پڑنے والا ہے جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

اس نا اتفاقی کی وجہ سے آپ کو ملی اور قومی استقلال مندوش نظر آ رہا تھا۔ آپ دور رس نتائج سے سخت مضطرب تھے۔ جیسا کہ ہم نے اب تک دیکھا ہے آپ بڑی کیسونی، ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے ایک مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے

کوشاں تھے جماعتِ حزب اللہ کی تشکیل اسی غرض کے لئے عمل میں آئی تھی اس لئے برصغیر ہند کی تاریخ کے اس نازک دور میں مسلم رہنماؤں نے فعدانِ اسی سے جب مسلمانوں کی عزت و ناموس کا جنازہ اٹھا کر اسے دفن کرنے اور مذمتِ اسلامیہ کے تابوت میں آخری میخ ٹھونکنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر آپ مایوس نہ ہوئے۔ دوسرے لوگ قومی اور ملی مستقبل کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ مگر آپ کا توجیہنا اور مرنا اسی کیلئے تھا آپ سے کس طرح ترک کر سکتے تھے۔ اس لئے مولانا بالا مضمون کے اختتام پر آپ نے فرمایا :-

” ہندوستان میں مسلمانوں نے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ دوسری قومیں ہمیں ذلیل کرنا چاہتی ہیں۔ ہم ان کی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کھٹک رہے ہیں۔ ہماری زندگی ان کے لئے وبالِ جان بن رہی ہے۔ وہ ہمیں مٹانے کا بیہ کر چکے ہیں۔ ان کی رشتہ داریوں کا کوئی شمار نہیں۔ وہ ہمیں غلام بنا چاہتی ہیں۔ اور ہمیں ہندوستان سے باہر نکالنا چاہتی ہیں۔ ان کے دلوں میں ہمارے اسلام کی کوئی عزت نہیں۔ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ قدسی صفات پر یہ وریدہ و مہن الزامات عائد کرنے سے نہیں بھجکتے۔ ہماری مسجدیں مسمار کرنے سے نہیں چوکتے۔ اور خود مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا کر یہ اپنا اُتو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ اندر میں حالات ہمارے لئے ایک ہی چارہ کار ہے۔ اور وہ یہ کہ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

ترجمہ :- آذ فرقہ بندی کی لعنت سے اپنے آپ کو آزاد کریں اور اپنے تحفظ بقا کیلئے سینہ سپر ہو جائیں

آپ مسلم رہنماؤں کی ملت کشی اور قوم فروشی کے جس قدر شاکی تھے۔ عامۃ المسلمین کے اتنے ہی مداح تھے۔ حزب اللہ کے سالانہ دوروں نے آپ کو یقین دلایا تھا کہ یہاں کے مسلمان بڑے سعید الفطرت، غیور اور ملت پرست ہیں۔ تحریک ہجرت کے موقع پر ہر قسم کی قربانی کر کے انہوں نے اپنی اسلام دوستی کا پورا پورا ثبوت دیا تھا۔ اور اسی طرح کشمیر کے مسلمانوں کی حمایت میں جب مجلس احرار نے تحریک کشمیر شروع کی تھی اور کشمیر چلو۔ کشمیر چلو کا نعرہ لگایا تھا۔ تو مسلم عوام نے جرات ایمانی کا وہ مظاہرہ کیا تھا کہ ہمارا جہ کشمیر کو تمام مطالبات مانگنے پڑے تھے۔ مسلم عوام کے جذبہ ملی اور دین سے بے پناہ محبت کی بنا پر حضرت امیر حزب اللہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اسلام کی تنازع گرانمایہ سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ان کا وجود ابنائے اسلام ہیں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ اس موقع پر جب عامۃ المسلمین نے مسجد شہید گنج کی خاطر جرات و استقلال اور شجاعت و بسالت کا ثبوت دیا تو اسلام کی قوت کا آپ کو مزید یقین ہو گیا۔ اور آپ نے اعلان فرمایا کہ ہم مسجد واپس لے کر رہیں گے۔ اور ہندوستان میں اسلام کے جھنڈے کو سزنگول نہیں ہونے دیں گے۔ مسجد شہید گنج میں زخمی اور شہید ہونے والوں کے متعلق آپ نے جو الفاظ استعمال کئے وہ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا :-

” فَطَوَّبَ لِلْعُرَبَاءِ - میں نہایت زور کے ساتھ لاہور کے شہداء اور

مجرورین کی محبت اسلامی، ایثار ملی اور جوش ایمانی کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور فتویٰ دیتا ہوں کہ ان میں سے جو مقتول ہوئے ہیں انہیں شہادت اکبر کا درجہ ملتا ہے اور جو زندہ بچ گئے ہیں

وہ غازی کہلانے کے مستحق ہیں“

مصائب کے تیرہ وقار یک بادلوں میں مسلم عوام کی غیرت ایمانی ہی کی نہ
کرن تھی جسے حضرت امیر حزب اللہ نے مبارک فال سمجھ کر اپنی جدوجہد پورے
زور شور سے جاری رکھی۔ آپ نے انہیں ورس اتحاد دیا اور جہاد کا بھولا ہوا
سبق یاد دلایا اور اعلیٰ پایہ کے صوفی اور شیخ کامل ہونے کے باوجود آپ نے
فرمایا ”مانا تسبیح کا دار تلوار سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ لیکن اب ضرورت داعی ہے کہ
صوفیائے کرام اور مشائخ عظام میدان جنگ میں نکل آئیں۔ کیونکہ جب خود
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس بدر احد، حنین اور تبوک کے غزوات
میں قیادت فرمائی تھی کسی صوفی کے لئے گوشہ نشینی کی گنجائش کہاں رہ
جاتی ہے“ آپ نے یاد دلایا کہ کس طرح حضور مہرور کائنات (روحی فداہ) معرکہ
حنین میں اپنا چرخ آگے بڑھاتے ہوئے یہ رجز پڑھتے تھے ۷

ان النبی لا کذب نحن بن عبد المطلب

ساتھ ہی مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں مسلمانوں کو جس شکست کا سامنا
کرنا پڑا تھا۔ حضرت امیر نے اس پر ان الفاظ میں تبصرہ فرما کر ان کو مزید
قریبانیوں کے لئے آمادہ کیا :-

کوئی قوم جب تک مار کھانے کی عادی نہ ہو کسی کو مار نہیں
سکتی۔ ابھی ہم نے ماریں کھانی ہیں۔ پامال ہونا ہے۔ مصیبتیں
برداشت کرنی ہیں۔ اور پھر انشا اللہ کوئی وقت آئے گا کہ کوئی
شخص ہم پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا :-

وَيَكُونُ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ

دین خدا کا ہوگا حکومت اسی کی ہوگی۔ اور مسلمان خدا کی بادشاہت میں صحیح معنوں میں آجائے۔

آپ ایک طرف اپنے تدبیر سے کام لے کر قوم کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ اور دوسری طرف انگریز اور سکھ کو متنبہ کر رہے تھے کہ مسلمان کسی صورت مسجد شہید گنج کو بھلا نہیں سکتے۔ اس وقت اس مسئلہ سے اغماض خودکشی کے مترادف تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ مسلمانوں کو کمزور اور غیر منظم سمجھ کر ان کے حقوق باقی اقوام ہند کو نہ دیدے۔ کیونکہ جس کی لامٹھی اس کی بھینس ایسا مقولہ ہے جس پر دنیا میں ہمیشہ عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ ۱۶ ستمبر کو جب جلالپور شریف میں عرس مبارک منعقد ہوا تو راجہ غضنفر علی خاں صاحب اور خواجہ حسن نظامی دہلوی نے مسجد شہید گنج کے مسئلہ پر بڑی ہنگامہ خیز تقریریں کیں۔ ان کا ذکر پیشتر ازیں ہو چکا ہے۔ قراردادیں پاس کی گئیں اور حکومت کو روانہ کی گئیں۔ حضور نے اپنے سالانہ خطبہ صدارت میں اس مسئلہ کا مفصل ذکر فرمایا اور بیان فرمایا کہ اس ضمن میں جماعت حزب اللہ کی طرف سے آپ نے کیا کچھ کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ پیر جماعت علی شاہ صاحب کے علاوہ خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف اور صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب گولڑہ شریف نے بھی خالص مذہبی معاملہ میں پوری دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا اب عدم تشدد سے کام لے کر متحدہ اقدام کرنا چاہئے عدم تشدد و حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ابتداء دیکھیں طرز عمل تھا مسلمان مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے دشمن سے مقابلہ کرنے سے ہمیشہ پہلو تہی کی اور جب حالات مساعد ہو گئے تو جہاد بالسیف کا آغاز کر دیا۔ آپ نے فرمایا جمعیتۃ المشائخ کی تشکیل اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہوگی۔ آپ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ سکھوں سے عدم تعاون کیا جائے اور مختلف تدابیر کر کے انہیں اپنی ناراضگی محسوس کرائی جائے۔

اسی خطبہ میں آپ نے مسلمانوں کی آزادی کے لئے وہ پُر تاثیر دعا مانگی جو اس سے پہلے نقل کی جا چکی ہے۔

عرس مبارک کے بعد مجلس اتحاد ملی اور حضرت امیر ملت سے اشتراک عمل کرتے ہوئے حزب اللہ کے سالانہ جلسہ میں منظور شدہ قراردادوں

کے مطابق ۳۰ ستمبر کو یوم احتجاج منایا گیا۔ دس پندرہ میل سے ارکان و رضا کاران حزب اللہ جتھوں کی شکل میں سیاہ بھنڈے اٹھائے ہوئے اور سیاہ

نشان لگائے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے۔ شہدائے لاہور زندہ باد، مسجد شہید گنج زندہ باد پکار سجلا لپور شریف پہنچے۔ بڑا ازو حام تھا۔ چنانچہ فریضہ جمعہ

کی ادائیگی کا انتظام تالاب وانی بڑی حویلی میں کرنا پڑا۔ نماز جمعہ سے پہلے حضور نے دو گھنٹے تک نہایت جامع، دلنشین اور پُر زور تقریر فرمائی۔ جو

مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی اور جذبات اسلامی ابھارنے والی تھی۔ آپ نے حکومت کے سخت گیر رویہ کی پُر زور مرمت کی۔ نظر بندوں سے

انظہارِ سہرہ دی کیا اور مسلم اخبارات کی ضبطی ضمانت کو زیادتی سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے اسلام کے تنگ ناموس، مساجد و معابد اور شعائر اللہ کی حرمت پر ہر

قسم کی قربانی کا وعدہ حاضرین سے لیا۔ نماز جمعہ کے بعد ایک طویل جلوس نکالا گیا جس میں رضا کار و جد آفریں اسلامی نظمیوں پر اٹھ رہے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کے جذبات

بے حد مجروح تھے۔ اور زبردست جوش پھیل ہوا تھا۔ مگر حضرت امیر مظلّم العالی کے احکام کی تعمیل میں مجمع ہر طرح سے پُر امن رہا۔

اس کے بعد بھی مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں آپ کی مساعی جاری رہیں۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء کے اخبار "ترجمان" میں اسی موضوع پر آپ نے

"مسلمانوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ" کے عنوان سے پُر زور مضمون تحریر فرمایا

یوم احتجاج

سیاحی مکتبی
ریٹائرڈ پرنٹنگ

آپ نے علماء سوء، گمراہ مشائخ، روساء و امراء اور خود غرض لیڈروں کے اعمال پر شدید تنقید کی اور مسلمانوں کو "وہن کا مرض دور کرنے کی تلقین فرمائی اور نصیحت کی کہ چند روزہ زندگی کو ہمیشہ رہنے والی زندگی پر قربان کر دو۔ آپ نے ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں بھی مسجد شہید گنج کا ذکر فرمایا۔ ۱۹۳۷ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوستانیوں کو نئے اختیارات سونپ دیئے تھے۔ صوبجات میں وزارتیں قائم ہو چکی تھیں۔ چنانچہ سردار سکندر حیات خاں مرحوم وزیر اعظم پنجاب کی حیثیت سے حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں شامل ہوئے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ حکومت کو مسجد شہید گنج کے مسئلہ کا بااثر و حل تلاش کرنا ہوگا۔ عدالت نے زوالی منطلق سے کام لے کر مسجد سکھوں کے حوالے کر دی تھی۔ مگر آپ اپنی جدوجہد ترک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی ان تمام مساعی کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبہ ایمان کو پوری طرح بیدار کیا جائے۔ دوسرے انگریزوں پر واضح کر دیا جائے کہ حزب اللہ جو شمالی ہند کی سب سے بڑی منظم اور فعال اسلامی جماعت ہے۔ مسلمانوں کے حقوق اور مفاد کی حفاظت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ اس نازک دور میں انگریزوں کو مسلمانوں کی قوت اور طاقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کرنا کسی طرح بھی جہادِ اکبر سے کم نہیں تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ کی مجاہدانہ سرگرمیوں نے جلالپور شریف کو مسلمانوں کی قوت اور طاقت کا فی الواقعہ ایک مضبوط جھنڈا بنا ڈالا تھا۔

ان دنوں میں جلالپور شریف کے بالکل قریب دریائے جہلم کے دوسرے کنارے آلہ کے مقام پر فساد مہوہا۔ ہندوؤں اور سکھوں کا باہمی جھگڑا تھا۔

آزاد کے فساد

سکھوں نے ایک اشتعال انگیز اشتہار شائع کیا۔ ایک سکھ مارا گیا۔ مگر پتہ نہ چل سکا قاتل کون تھا۔ اس پر سکھوں کے مشتعل جتنے پہنچنے لگ گئے۔ اور آئیں دیوان منعقد ہونا قرار پایا۔ مسلم آبادی نے اجتماع کر کے مطالبہ کیا کہ سکھ مشتعل ہو چکے ہیں۔ خوزریزی کا خطرہ ہے۔ دیوان منعقد نہ کیا جائے۔ اس پر فساد بڑھا۔ دو ایک سکھ اور مارے گئے۔ اس مرحلہ پر مسلمان پولیس کا نشانہ بن گئے گرفتاریاں ہوئیں۔ مسلمانوں پر تاوان ڈالا گیا۔ پولیس کی چوکی بٹھائی گئی۔ کسی کی سازش سے یہ بھی کہا گیا کہ اس فساد میں جماعت حزب اللہ کا دخل ہے حالانکہ یہ جماعت شروع سے مصالحت کوشش اور امن پسند رہی تھی اور اصولاً تحریبی کارروائیوں کے بالکل خلاف تھی۔ ہاں حضرت امیر حزب اللہ نے یہ ضرور کیا کہ جب تاویبی کارروائیاں شروع ہوئیں اور پولیس نے بے گناہ مسلم آبادی کو زخمی میں لے لیا تو آپ نے حکومت کو ہائل قاتل کر کے مسلمانوں کی تمام تکالیف کا ازالہ فرمایا۔ ان سکھوں کے قتل کا انتقام امرتسر میں اس طرح لیا گیا کہ سکھوں کے ایک مشتعل ہجوم نے نہتے اور بے خبر مسلمانوں پر ہتھ بول دیا۔ بالکل انہی دنوں میں کسی گم پائی پٹکا واقعہ ہانڈہ بھی انہی حالات کا شاخسانہ تھا۔ یہ تمام واقعات اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ سکھ ایک قوم کی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور صلح کوشی کے لئے آمادہ نہیں تھے۔

در اصل یہ سب کچھ ان سیاسی اصلاحات کا نتیجہ تھا۔ جن کا اعلان حکومت برطانیہ نے ۱۹۳۵ء میں قانون حکومت ہند کے نام سے کیا تھا۔ اس قانون کی رو سے ہندوستان میں وفاقی نظام حکومت قائم کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔ صوبجات کو خود مختاری دے دی گئی تھی۔ اور اندونی محکمے وزراء کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ وزیر اعظم برطانیہ نے گول میز کانفرنس کے

پولیس کی صورت

فرقہ دارانہ نیابت کے متعلق اپنی طرف سے ایک اعلان کر دیا تھا۔ اور پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تسلیم کر لی گئی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ اس اکثریت کے تسلیم کرنے میں حضرت امیر حزب اللہ نے کس قدر نمایاں کردار انجام دیا تھا۔ ان سیاسی اصلاحات کے بعد اسی اکثریت کی بنا پر پنجاب میں جب وزارت بنی تو وزیر اعظم مسلمان تھا۔ ان حالات کی وجہ سے سکھ اندر ہی اندر غیظ و غضب کی آگ میں میں جل رہے تھے۔ اور مشتعل ہو کر فساد انگیزی سے نہیں چوکتے تھے۔ یا تو وہ زمانہ تھا کہ ہندو اور سکھ مسلمانوں کو قطعاً درخیز اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ یا اب مسلمانوں کی بیداری کی وجہ سے یہ لوگ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ اپنی اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جوش اسلامی کو کس طرح دبایا جائے۔ حالات میں اس جو کوا تبدیلی نیز ملت اسلامیہ میں احساس مسابقت کی بیداری اور جہد و جدوجہد و تنازع للبقا کے لئے عزم بالجزم پیدا کرنے میں جماعت حزب اللہ نے خصوصی کردار ادا کیا تھا۔

تنگ نظر علماء اور بے ہمت مشائخ نے سیاست کو خازن سمجھا تھا۔ حالانکہ درحقیقت یہ گلزار ہے۔ کوئی قوم سیاسی استحکام کے بغیر دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ سیاست اسلام سے خارج نہیں۔ اسی لئے اسلام نے وراثت ارضی کا اصل حق دار مسلمان ہی کو بتایا ہے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلیٰ درجے کے سیاست دان، معاملہ فہم، مدبر اور رموز مملکت سے بخوبی واقف تھے۔ اس حقیقت کے زیر نظر حضرت امیر حزب اللہ نے مستقل مزاجی سے کام لے کر اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کو اس شجر ممنوعہ کے قریب کے آنے اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کی جرات و ہمت والی اور اسلامی سیاسیات کو حزب اللہ کا جزو لاینفک

بنا دیا۔ چنانچہ دیہات کے دور افتادہ مقامات میں بھی مسلمان سیاسی معاملات میں دلچسپی لینے لگے۔ اور اپنے جائز حقوق کی حفاظت کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئے۔ ۱۹۳۷ء میں مذکورہ بالا قانونِ حکومت ہند کے مطابق انتخابات ہوئے تو جماعتِ حزب اللہ نے بھی جماعتی حیثیت سے بعض امیدواروں کی حمایت کی جن کا بیشتر حصہ کامیاب ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت امیر حزب اللہ نے ”وٹ کس کو دیں“ کے عنوان سے ایک رسالہ شائع فرما کر تحصیل پنڈواونخاں کے مسلم رائے و مہندگان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا قیمتی ووٹ راجہ غضنفر علی خان کو دیں جو مسلمہ قابلیت وسیع تجربہ، مکمل واقفیت اور سب سے بڑھ کر حیرت انگیز اخلاقی جرات اور دلیری کے مالک ہیں۔ آپ نے اس رسالہ میں راجہ صاحب کی تمام سابقہ شاندار اسلامی اور قومی خدمات کا ذکر کیا جو انہوں نے پورے دس سال تک لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ میں انجام دی تھیں۔ درگاہِ اجمیر شریف کی بد نظمی کو دور کرنے کے لئے راجہ صاحب ہی نے قانون بنوایا تھا۔ کراچی کے حادثہٴ خونیں کے موقع پر کونسل آف سٹیٹ میں پُر زور صدائے احتجاج بلند کرنے والے بھی آپ ہی تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے فوجی ملازمت میں سادتا پر عائد شدہ پابندیاں دور کرائی تھیں۔ پنڈواونخاں کے علاقہ تھل میں زمینوں کے شور ہو جانے پر مالکان کے نقصان کی تلافی کرائی تھی۔ کھیوڑہ کے ٹک تراشل کی شکایات کا حکومت سے مداوا کرایا تھا۔ سرائے عالمگیر کے فوجی سکول کا تعلیمی معیار بلند کرایا تھا۔ فوج میں کمشن کے لئے فوجی سرداروں کے لڑکوں کو ترجیح دلائی تھی۔ اور شاہ پور اور منٹگمری کے گھیوڑہ می پال زمینداروں پر جو ناقابلِ برداشت سختیاں ہو رہی تھیں ان کا ازالہ کرایا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ نے اس رسالے

راجہ صاحب
کی خدمات

میں واضح فرمادیا کہ صرف راجہ صاحب ہی ہمارے صحیح نمائندے ہیں۔ آپ چاہتے تھے کہ پنجاب میں ایسی وزارت قائم ہو جو عوام الناس کی بہبودی کو اپنا نصب العین قرار دے۔

حضرت امیر حزب اللہ کی خدمت میں سب بھائی بروقت حاضر ہوتے رہتے تھے اور اپنی تکالیف بیان کرتے تھے۔ آپ کو دیہات میں دورہ کرتے ہوئے بھی دس سال گزر چکے تھے اور آپ نے ان سالوں میں کاشتکاروں اور زمینداروں کی زبوں حالی کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا تھا۔ آپ کو بخوبی علم تھا کہ قرضہ اور سود و ر سود ان بے چاروں کے لئے وبال جان بن چکا ہے۔ سود و ر سود کی لعنت کا نتیجہ تھا کہ بلا مبالغہ کوئی غریب بیمار ہونے پر اگر ہندو یا سکھ دوکاندار سے الچی بطور قرض لیتا تو بعد میں ڈاچی یعنی اونٹنی دے کر بھی قرض سے نجات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ انتخابات کے بعد صوبہ میں اتحاد پارٹی کے قائد کی حیثیت سے سردار سکندر حیات خاں نے وزارت قائم کی تھی۔ ایک ہندو جاٹ چھوٹو رام بھی ان کی وزارت میں تھے جو ہندو ساہوکاروں کے بری طرح زخم خوردہ تھے۔ راجہ غضنفر علی خان منتخب ہو کر پارلیمنٹری سیکرٹری بنے تھے۔ والا قدر جناب نواب سر محمد مہر شاہ صاحب بھی پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ سردار سکندر حیات خاں نواب صاحب کے زیر اثر تھے۔ اسی لئے وہ سر چھوٹو رام کو لے کر کئی بار جلالپور شریف حاضر ہوئے اور عرس مبارک کے موقع پر حزب اللہ کے جلسہ میں دونوں وزراء نے تقریریں بھی کیں۔ حکومت پنجاب اثر پذیر نظر آ رہی تھی۔ اس لئے حضرت امیر حزب اللہ نے خلق خدا کو نفع پہنچانے کی صورت لگائی اور قرضوں کی منسوخی نیز زمینداروں کی سود و بہبود والے قوانین کی منظوری کے لئے حکومت پر زور ڈالا۔ سکندر حیات خاں اور چھوٹو رام کو آپ نے ذاتی

طور پر زمینداروں کی حالت زار سے تفصیلاً آگاہ فرمایا اور قرار و ادویں پاس کروا کے حکومت کو بھجوا دیں۔ چنانچہ آپ کی جدوجہد اور ذاتی اثر رسوخ کی وجہ سے قرضہ اور سود و در سود کی بلاسروں سے ٹل گئی۔ اور حزب اللہ نے اقتصادی مرفہ الحالی کا جو پروگرام شروع کر رکھا تھا۔ خدا کے فضل سے اس کی عملی صورت سامنے آگئی۔

ہم نے دیکھا ہے کہ حضور کے دل میں تمام عالم اسلام کا درد تھا۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں جب حکومت برطانیہ نے فلسطین کو تقسیم کرنے کی تجویز کا اعلان کیا تو آپ اس سے بدرجہ غایت متاثر ہوئے۔ اس موقع پر تمام دنیا اسلام میں حزن و ملال اور رنج و قلق کی لہر دوڑ گئی اور تمام جہان کے مسلمانوں نے بلا لحاظ رنگ و نسل اور ملک و قوم اس سانحہ ملی پر زبردست صدائے احتجاج بلند کی۔ بیت المقدس کی وہ پاک سرزمین جسے بَارَكْنَا حَوْلَهُ کا خدائی خطاب حاصل ہے۔ جو ہمارے پیغمبروں کا مرقد، ہمارے اولیاء اللہ کا مدفن اور ہمارے اسلاف کی فرود گاہ ہے جو مسلمانوں کا قبلہ اول ہے جسے صلیبی جنگوں (۱۱۸۷ء - ۱۱۹۲ء) میں چرچرڈ شیردل شاہ انگلستان اور فلپ شاہ فرانس متحدہ یورپ کے بل بوتے پر بھی فتح نہ کر سکے۔ اب برطانیہ کے ارباب حل و عقد کی ایک جنبش قلم سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل رہی تھی۔ منصوبہ یہ تھا کہ بیت المقدس اور مقامات متبرکہ پر برطانیہ کا قبضہ ہو۔ ملک کی زرخیز اور کارآمد زمینوں پر یہود قابض ہو جائیں اور ملک کا ریگستانی اور بنجر علاقہ غریب عربوں کو دیا جائے۔ بالفاظ دیگر

از صحن خانہ تابہ لب بام زان من وز سقف خانہ تابہ ثریا از ان تو

کو عملی جامہ پہنایا جا رہا تھا۔

عربوں کے خلاف یہ سب کچھ ایک دیرینہ سازش کا نتیجہ تھا۔ کرنل لانس

اور شریف مکہ کے ذریعے بہادر ترکوں کو جنگِ عالمگیر اول میں اسی لئے شکست
 دلائی گئی تھی کہ من مانی کارروائیوں کے لئے میدان صاف ہو جائے۔ لیکن افسوس
 ہے عرب اس موقع پر اس راز کی گہرائی تک نہ پہنچ سکے۔ حضرت امیر حزب اللہ
 کی ضمیر پاک اس منصوبہ سے آگاہ تھی۔ اس لئے سفرِ شام کے موقع پر ۱۹۱۳ء
 میں آپ نے دمشق میں مشہور محدث حضرت شیخ بدر الدین کو ترکوں کی جانی اور
 مالی امداد و اعانت کے لئے ترغیب دی تھی۔ جنگِ عالمگیر اول کے بعد
 ۱۹۱۶ء میں برطانیہ، فرانس اور روس کے درمیان خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔
 کہ فلسطین میں بین الاقوامی حکومت قائم کی جائے۔ اور پھر ۱۹۱۶ء میں اعلان
 بالفور کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ حکومت برطانیہ فلسطین میں یہودیوں کے لئے قومی
 وطن قائم کرنے کو مستحسن سمجھتی ہے۔ اور اس مقصد کے حصول میں سہولتیں پیدا کرنے
 میں کوئی دقیقہ بھی اٹھانے رکھے گی۔ حکومت برطانیہ نے اپنی اس یہود نواز حکمت
 عملی کی بنا پر عربوں پر جو مظالم توڑے تھے۔ انہیں جس طرح گولیوں کا نشانہ
 بنایا تھا، تازیانہ کی سزائیں دے دے کر ان کی چڑیاں اتاری تھیں۔ اور
 اب ان مظلوموں کو خانہ بدر بھی کیا جا رہا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ کو ان تمام
 باتوں کا بخوبی علم تھا۔ اس لئے آپ نے حزب اللہ کے دسویں سالانہ اجلاس
 میں ان کا ذکر بڑے دردِ دل کے ساتھ کیا اور حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا کہ
 چند ہزار یہودیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کئی کروڑ مسلمانوں کی
 ناراضگی مول نہ لے اور تقسیم کے معاملہ پر نظر ثانی کرے۔ آپ نے اس امر
 کی وضاحت فرمادی کہ مسلمان بے بس سہی۔ کمزور سہی، نا طاقت سہی۔ لیکن
 اگر تقسیم کی گئی تو ہم مسلمانوں کے دلوں میں برطانیہ کی خود غرضی اور یہود نوازی
 کی وجہ سے ناسور پڑ جائیں گے۔ اور یہ زخم کبھی مندمل نہ ہو سکیں گے۔

اگلے سال جب ۵ ر ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۲-۳ اگست ۱۹۳۸ء کو عرس مبارک کے موقع پر حزب اللہ کا گیارھواں سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو آپ نے پھر مسئلہ فلسطین کا ذکر کیا۔ مسلمانوں کے لئے ابتداء اور آزمائش کا زمانہ تھا۔ اسی لئے آپ نے دعوتی چٹھی میں ارکان حزب اللہ اور برادران طریقت کو جلسہ میں شمولیت کے لئے پُر زور ترغیب دی تاکہ اجتماع نمائندہ حیثیت رکھنے والا ہو۔ اور اس میں جو آواز بلند ہو اسے جماعت کے زیادہ سے زیادہ اراکین کی تائید و حمایت حاصل ہو سکے۔ آپ نے اس اجلاس میں تقسیم فلسطین پر پھر بڑی شدت کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور حکومت برطانیہ کو پھر متنبہ فرمایا کہ عرب کے سپوت مرٹ جائیں گے، تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن اپنی آن اور شان ضرور قائم رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم اپنے عرب بھائیوں کی کوئی عملی اعانت نہیں کر سکتے۔ لیکن برطانیہ کا یہ طریق عمل ہمارے لئے بے حدود خراش اور یاس انگیز ہے۔ آپ نے دعا کی کہ خدا کرے برطانیہ مسلمانان عالم کی اس اضطراب انگیز کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے اس قضیہ نامرضیہ کا کوئی ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے جو بدامنی کا خاتمہ کر دے۔ اور ہمارے فلسطینی عرب بھائی آرام کا سانس لے سکیں۔ اس موقع پر اپنے خطبہ میں حضور نے فلسطینی عربوں کی حالت زار کا جو نقشہ کھینچا وہ دیدنی ہے :-

فلسطین کی ریاست پر بسنے والے بے کس مظلوم مسلمان عربوں پر شیر برطانیہ کے ایسے دردناک مظالم اور ہولناک ستم ہیں جن کو بیان کرتے ہوئے آنکھیں اشک بار ہو رہی ہیں۔ اور جن کے سننے کیلئے پتھر کا کلیجہ ہونا چاہئے۔ ہمارے بے چارے مسلمان

جہانیوں کا تصور صرف اتنا ہے کہ وہ برطانیہ کی یہود نواز حکمت
 عملی کے سامنے سر تسلیم خم کیوں نہیں کرتے اور وہ اپنے آبائی
 وطن اور شہر تیننی جانداوول کو بلا حیل و حجت قرآنی اصطلاح کے
 مطابق دنیا کی ذلیل ترین قوم یہود کے سپرد کیوں نہیں کرتے۔ اور
 ایسی بے خانمان جبیت قوم کو جس کی شرارتوں سے تنگ آکر مسلمان
 نے اسے جرمنی سے خارج کر دیا۔ اور اب اسے آسٹریا سے بیکینی
 دو گوش نکالا جا رہا ہے، وہاں اپنی نوآبادی قائم کرنے اور بہترین
 جانداوول پیدا کرنے میں رکاوٹ کیوں کی جاتی ہے۔ ہمارے غیرت
 مند جہانیوں نے اپنی مسلمہ عزت نفس و خودداری کے حسب اقتضا
 ان کے ناجائز مطالبات کو پاٹے استحقاق سے ٹھکرا دیا۔ اور اب
 ان پر وہ ظلم و ستم توڑے جا رہے ہیں۔ جن کی نظیر مشکل سے ملے گی
 قرون مظلمہ بھی اس قسم کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ بخت نصر
 کے بیان کردہ مظالم، حجاج بن یوسف کی طرف منسوب ستم
 آرائیاں، روم کے جلنے اور نیرو کے بانسری بجانے کی کہانی، وہابی
 کا قتل عام اور نادر شاہِ درانی کا اس سے لطف اندوز ہونا سب
 پرانے قصے ہیں اور بے تحقیق افسانے۔ مگر آج فلسطین کے عربوں
 کو جس طرح چُن چُن کر قتل کیا جا رہا ہے۔ جس طریق سے ان کی آزادی
 سنب کی جا رہی ہے۔ بجلی کی رولوں کی تاروں کی باڑ لگا کر جس طرح
 کہ ان کا تعلق بیرونی ممالک سے منقطع کر دیا گیا ہے۔ اور انہیں بالکل
 ہتتا کر کے اور یہودیوں کو اسلحہ بہم پہنچا کر قتل و غارت کا جو تماشہ دیکھا
 جا رہا ہے۔ ان کے مشائخ، علماء اور زعماء کو جس بیدردی سے ترک

قیادہ ہویں سالانہ خطبہ
 کے خطبہ صدارت
 کا ایک اقتباس

وطن پر مجبور کیا گیا ہے۔ اور معمولی جرمنوں کے عوض جو لہزہ برلن
سزائیں دی جا رہی ہیں اور پھر انہیں ستم ظریفی کے ساتھ کہا جا رہا
ہے کہ اپنے قتل کے فتوے پر خود دستخط ثبوت کرو۔ غرض اس قسم
کے بیسیوں دل خراش واقعات روز روشن میں ہو رہے ہیں۔
جنہیں تمام عالم دیکھ رہا ہے۔ ان پر صدائے احتجاج بلند کرنا ازل سے
ضروری ہے۔

حضرت امیر حزب اللہ نے بڑی دردمندی اور جگر سوزی کے ساتھ فلسطین
کے ستم رسیدہ عربوں سے اظہار ہمدردی کیا۔ مگر حکومتِ برطانیہ مشرق وسطیٰ میں
اپنی مخصوص سیاسی حکمتِ عملی کو کامیاب دیکھنا چاہتی تھی اس لئے وہ اس
سے منس نہ ہوئی۔ صلیب اور ہلال کی وہ تاریخی آویزش جو مسلمان بالکل بھول چکے
تھے۔ انگریزوں کو اب بھی یاد تھی۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو کمزور اور غافل
پاک مشرق وسطیٰ کا دل ان سے چھین لیا اور یہودیوں کے حوالے کر دیا۔ اس امید
پر کہ یہ لوگ مستقبل میں انگریزوں کے ہر طرح آگے کار بن سکیں گے۔ تقسیم فلسطین کا
منصوبہ مکمل ہو گیا۔ اور فلسطین میں اسرائیل کو قومی وطن بھی مل گیا۔ لیکن اس طرح
جو ناسور مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا خبر نہیں آئندہ چل کر کیا صورت دکھائے
گا۔ فلسطین اور بیت المقدس کی پاک سرزمین کو مسلمانانِ عالم کبھی بھلا نہیں سکتے
اقتباسِ بالا میں "ہر ہنڈر" کا ذکر آیا ہے۔ بیسویں صدی کے نصفِ اول کا یہ
منتارِ مطلق ہے۔ جس کی ہمت بلند نے جرمنوں کی شکستِ خود قوم کو دنوں میں
عظیم توانائی اور طاقت عطا کر دی تھی۔ ہنڈر ۱۹۳۲ء میں برسرِ اقتدار آیا تھا۔
اور پھر جلد مختارِ مطلق بن گیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ پر عہد نامہ ورسائی بنا تو
جرمنی سے کافی علاقے چھین کر بلجیم، فرانس اور پولینڈ کو دیدیے گئے تھے۔ اس

کا ایک وسیع علاقہ یعنی رائن لینڈ اور اس کی نو آبادیاں اتحادیوں کے حوالے
 کر دی گئی تھیں۔ اور جو بھاری تاوان جنگ جرمنی پر ڈالا گیا وہ علیحدہ تھا۔
 کوشش کی گئی تھی کہ جرمنی کو اس طرح دبایا جائے کہ وہ پھر کبھی ابھرنے
 اس عہد نامے پر ورسالی کے شیش محل میں دستخط ہوئے تھے۔ دوسرے الفاظ
 میں قدرت اتحادیوں کو کہہ رہی تھی کہ شیش محل اس عہد نامہ کی بنیادی کمزوری
 کی علامت ہے۔ چنانچہ ہر ہٹلر اپنی نازی جماعت کی مدد سے بہت جلد
 اس عہد نامے کو نازک آنگینے کی طرح چور چور کر دیا۔ انجام کار دوسری جنگ
 عظیم ۱۹۳۹ء میں چھڑ گئی، جرمن افواج سیلاب کی طرح ادھر
 ادھر لپ میں پھیل گئیں۔ اٹلی کا مختار مطلق مسولینی بھی جرمنی کا حلیف
 بن گیا۔ آغاز جنگ سے پہلے مسولینی نے کمزور اور نہتے ایسے سینا پر قبضہ
 کر لیا تھا۔ آہستہ آہستہ برطانیہ، امریکہ اور روس ایک دوسرے
 کے اتحادی بن گئے۔ فرانس پہلے ہتے میں ختم ہو چکا تھا۔ اور تقریباً تمام
 یورپ پر ہر ہٹلر کا قبضہ تھا۔ افریقہ اور ایشیا میں بھی جنگ پھیل گئی۔
 عراق عرب میں راشد الکلیلانی نے جرمنوں کی حمایت میں سر اٹھایا۔ ادھر
 جاپان نے امریکی بندرگاہ پرل ہاربر پر حملہ کر کے بحر الکاہل میں بھی جنگ کے شعلے
 بھڑکا دیئے۔ جاپان نے چین پر قبضہ کر لیا اور برطانوی بیڑے کو سنگاپور میں
 تباہ کرنے کے بعد برما پر بھی قابض ہو گیا۔ اور اس طرح نائرہ جنگ ہندوستان
 کی سرحدوں میں داخل ہو گیا۔ اب تمام کڑے ارض جنگ کی پیٹ میں آچکا
 تھا۔ تباہی بربادی اور خونریزی کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اہل برطانیہ نے
 جرمن بمباروں کے مقابلہ میں جس پامردی اور استقلال کا اظہار کیا۔ اور سالن
 گراؤ کی دست بدست لڑائی میں روسیوں نے جس عزم و اسخ، بے جگری اور

سرفروشی کا مظاہرہ کیا بہمت اور شجاعت کی داستانوں میں ان کا ذکر ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

اس جنگ کے دوران میں افواج اور سامانِ رسد کی خاطر ہندوستان اور اقوامِ ہند کی امداد حکومتِ برطانیہ کے لئے اشد ضروری تھی۔ حضرت امیر حزب اللہ نے اس موقع پر نہایت ہی واضح موقف اختیار فرمایا۔ برطانیہ سے مسلمانوں کو کئی ایک جائز شکایات تھیں لیکن جنگ نے یہ سوال پیدا کر دیا تھا کہ برطانیہ کی شکست کی صورت میں کیا وہ اس بات پر آمادہ تھے کہ جرمنی اٹلی، جاپان یا روس ان پر حکمرانی کرے؟ نازیت اور فاشیت کے خیالات یہاں کچھ بالکل غیر موافق تھے۔ ہوس استعمار نے انہیں بے حد مستبد بنا دیا تھا جاپان کے لوگ دوسری اقوام سے درندوں کی طرح پیش آتے تھے۔ اور سوویت روس کے حکمران طبقہ کی بے دینی اور الحاد پرستی کا حال ہر ایک کو معلوم تھا۔ مذہب کو ہر شے سے زیادہ عزیز سمجھنے والے مسلمانوں پر بالشویزم کا جامہ کبھی پورا نہیں اُتر سکتا تھا۔ ان محالکت میں سے کسی ایک کا غلبہ و تصرف اس بات کے مترادف تھا کہ کہیں مسلمان اور دیگر اقوام ہند ایک چھوٹی بلا کے نیچے سے نکل کر کسی بڑی بلا کی آہنی گرفت میں نہ چلے جائیں۔ اس طرح ہندوستان کی بیجاہ سالہ جدوجہد حریت پر پانی پھر جانے کا خطرہ تھا۔ اور آزادی کی جو توقعات پیدا ہو چکی تھیں ان کا طیا میرٹ ہونا یقینی تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کا فرمان اقدس ہے کہ مسلمان کے سامنے اگر دو بلائیں آجائیں جن میں سے ایک بڑی اور ایک چھوٹی ہو اور کوئی مفر نہ رہے تو بڑی بلا کے مقابلے میں چھوٹی کو منظور کر لینا چاہئے۔ بنا بریں حضرت امیر حزب اللہ نے مسلمانوں کو بالخصوص اور حزب اللہ والوں کو بالخصوص ترغیب دی کہ وہ اپنے طرز عمل

جنگِ عظیم میں
جماعتِ حزب اللہ
کا موقف

سے برطانیہ کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے مستقبل کا بہت کچھ انحصار برطانوی حکومت کے قیام اور زوال پر تھا۔ اور ہندوستان کا سیاسی ارتقا بہت کچھ برطانیہ کے ساتھ وابستہ تھا۔ ایسی کوئی تاویل آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی جس کی رو سے ایک قوم کی غلامی سے نکل کر دوسری کی غلامی کو ترجیح دی جاسکتی ہو۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ رائے طرح صائب تھی۔ آپ نے برطانوی حکومت کو بھی واضح الفاظ میں فرما دیا کہ ختماً جنگ پر ہندوستان کو حسب وعدہ حکومت خود اختیاری دے دی جائے۔ حضور کی اس واضح حکمت عملی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہمارے براہِ راست اور حزب اللہ کے رضا کار اطمینان دل سے ہزاروں کی تعداد میں حکومت کے قائم کردہ مختلف فوجی اداروں میں شامل ہو کر مشرق و مغرب کے ہر محاذ پر واہشیعت دیتے رہے۔

جنگ عالمگیر ۱۹۴۵ء میں ختم ہوئی۔ حضرت امیر حزب اللہ اپنے سالانہ خطبہ صدارت میں ہر سال اس پر تبصرہ فرمایا کرتے تھے۔ وقت کا یہ اہم ترین مسئلہ تھا۔ دنیا بھر کی مصافی یا غیر مصافی آبادی تمام کی تمام کسی نہ کسی صورت میں اس لپیٹ میں آچکی تھی۔ اس لئے اس مسئلہ کو کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ جب ابتداء میں سیاسی خیالات کے لوگ جنگ کے متعلق ہزار تاویلات پیش کر رہے تھے۔ حضور نے اس پر مذہبی نقطہ خیال سے نظر ڈالی۔ قرآن حکیم نے جنگ کو آگ سے نسبت دی ہے،

كُلَّمَا اَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ اَطْفَاها اللّٰهُ (الایۃ)

اس تشبیہ کے مطابق یہ آگ اطراف و اکناف عالم میں پھیل چکی تھی۔ یورپ آتش کدہ جہنم بن چکا تھا اور ایشیا اور افریقہ تک ان کے شعلے پہنچ چکے تھے

سمندروں کا پانی بھی ان شعلوں سے محفوظ نہیں تھا۔ ہوائی جہازوں اور بحری سرنگوں کی وجہ سے سمندروں میں آمدورفت ہلاکت آفرین بن چکی تھی۔ حضرت امیر حزب اللہ نے فرمایا کہ تہذیب جدید کے علمبردار اپنی ایجادات و اختراعات پر نازاں تھے۔ انہیں اپنی عقل و فکر اور دانش و ہنر پر افتخار تھا۔ اور خدا کی ہستی کا عملاً انکار عام ہو چکا تھا۔ اس لئے جنگ دراصل خداوند تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان پر ایک سخت ترین عذاب کی صورت میں نازل ہوئی اور جب تک قدرت خود مہربان نہیں ہوگی انسانی کمزور کوششیں دنیا کو اس عذاب الیم سے نہیں بچا سکتیں۔ یہ جنگ فقط ہوس اقتدار پر مبنی نہیں تھی اور متحاربین کو فقط دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنا منظور نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت میں یہ جنگ آمریت اور جمہوریت کے درمیان ایک قسم کا تصادم اور تقابل تھا۔ آمریت دنیا بھر کو اپنے قبضہ تصرف میں لانا چاہتی تھی۔ اور جمہوریت اپنی سابقہ روایات کے قیام و استحکام کی خواہشمند تھی۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ اسلامی نقطہ خیال سے یہ دونوں نظام غلط ہیں۔ آمر مطلق بعض اوقات اپنی غلط روش سے قوم اور ملک کو تباہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔ اور محض جمہوریت آرائے کے تنوع اور گونا گونی کے باعث کسی ایک نتیجہ پر نہیں پہنچتی۔ اسلام نے جہاں ایک طرف جمہوریت کے حوصلہ افزائی کی ہے وہاں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچتی۔ اسلام نے جہاں ایک طرف جمہوریت کی حوصلہ افزائی کی ہے وہاں ایک امیر یا آمر کا وجود بھی لازمی قرار دیا ہے۔ تاکہ ایک صحیح الدماغ شخص چند اہل الرائے اصحاب کے صلاح مشورے سے ملک کا نظم و نسق برقرار رکھ سکے۔

مرتب جمہوریت
اور اسلامی صورت

جنگ شروع ہوئی تو چیکو سلوواکیہ پولینڈ، ناروے، لکسمبرگ، ہالینڈ، بلجیم، یوگوسلاویہ فرانس وغیرہ ممالک جن کے پاس قوت مدافعت مضبوط نہ تھی جرمنی

کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ اور ان کے وہیں آنے کے لئے لقمہ ترہین گئے۔ برطانیہ نے بالخصوص بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور اس سے ثابت ہو گیا کہ اس کے قوائے عمل مضحک نہیں ہوئے تھے۔ اور انگریز کے دماغ میں یہ فلسفہ رچا ہوا تھا کہ ولت اور غلامی کی زندگی سے عزت و آبرو کی موت بہتر ہے۔ اس حقیقت کے زیر نظر حضرت امیر حزب اللہ نے جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح فرمائی اور بتایا کہ یہ فی الحقیقت جہد للحیات کی ایک عملی تفسیر ہے۔ اور یہ جو قرآن مجید میں بدلہ اور قصاص کو زندگی اور حیات سے تشبیہ دی گئی ہے یہ البقاء للاصلاح کے نظریہ کی حقیقی تشریح ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ماضی کے افسانے اور گزشتہ کیا اور موجودہ حالات کیا تمام بتاتے ہیں کہ زبردست طاقت اور مضبوط ترین قوت حاصل کئے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور جس قوم کے اندر تہور و شجاعت اور استقلال و پامردی کے اوصاف حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہی قوم اقوام عالم کی صف اول میں شمار ہونے لگتی ہے۔ غور و فکر سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی اور موت دراصل حرکت اور سکون کے دوسرے نام ہیں ہر متحرک چیز آثار حیات لئے ہوئے ہے۔ اور ہر ساکن شئی بے جان اور مردہ حرکت اور جہد پر زور دیتے ہوئے آپ نے تلقین فرمائی کہ قوم کے تحفظ اور بقا کے لئے طاقت اور قوت اتنی ہی ضروری ہے جس قدر کہ کسی شخص کی زندگی کے لئے کھانا اور پینا۔ یہی وہ مبارک درس حیات تھا۔ جو جناب امیر اپنی بابرکت جماعت حزب اللہ کے ذریعے شروع سے دے رہے تھے۔ اس لئے ۱۹۴۱ء کے خطبہ صدارت میں آپ نے ایک دفعہ پھر فرمایا:-

میری آنکھیں ایک حیرت انگیز مگر دلفریب نظارہ دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور مسلمانوں کے اتقانے معنائل طے کر جانے کی شکل میں

ہوس اور جنگ اور

جہاد کی

میری دلی تمنا اور قلبی خواہش ہے کہ تمہیں دین اور دنیا میں کامیاب اور کامران دیکھوں۔ اور میرے لئے زندگی میں وہ ساعت بڑی ہی مبارک ہوگی جبکہ میں مسلمانوں کو ان کے اصلی رنگ و روپ میں دیکھوں گا۔

ایک خدا کی غلامی کرنے والا مگر انداداً من دون اللہ اور ارباباً من دون اللہ کے سامنے سرکش و متمرد۔ جہاں بھر کا باغی مگر ایک کا وفادار۔ کسی سے نہ ڈرنے والا مگر ایک کی خشیت سے لرزہ برانداز۔ سب سے بے نیاز مگر ایک کا نیاز مند۔ سب سے بیگانہ مگر ایک کا یگانہ سب کی نظروں میں دیوانہ مگر ایک کا فرزانہ۔

کسی کی رضا جوئی میں موت سے کھیلنے والا، کسی کی تعمیل حکم میں پہاڑوں کی چوٹیوں سے کود جانے والا۔ دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ لگانے والا۔ اپنے سینہ پر تلوار کاوارا اور گولیوں کی بوچھاڑ سہنے والا۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یادگار، اسلام کے مایہ ناز فرزند اور امتِ محمدیہ کے جانباز سپاہی کی یہ تصویر کھینچ کر حضرت امیرِ حزبِ اللہ نے دراصل نظریہ توحید کو عملی زندگی میں اس طرح جاری و ساری کر لینے کی تعلیم دی تھی کہ مسلمان اس کی بدولت از سر نو بنیانِ مرصوص بن جائیں اور کوئی شیطانی فہمی قوت اور ابلیسی و طاغوتی طاقت ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے۔ جنگ کا نائرہ مشتعل ہوا اور دائرہِ حرب وسیع تو اندرونِ ملک بھی کئی خطرات کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں تھا۔ جنگ کی وجہ سے واقعات یکایک تبدیل ہو جاتے تھے۔ اور حالات فوراً اپٹا جاتے تھے۔ سقوطِ برما

کے بعد جاپانی افواج آسام تک پہنچ گئیں تو یہ خطرہ اور بھی زیادہ بڑھ گیا ایسے
 مواقع پر غیر ذمہ دار، شرارت پسند اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہمیشہ ناجائز فائدہ
 اٹھایا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں ہندوستان میں تو فرقہ وارانہ جذبات بھی
 موجود تھے۔ اور انہی کی وجہ سے ان ایام میں بمبئی، احمد آباد اور دھاکہ
 میں فسادات اور قتل و غارت کے واقعات رونما ہوئے تھے۔ ان حالات
 کے زیر نظر اندرونی خلفشار عام ہونے کا خطرہ تھا۔ اس جنگ نے کئی ممالک
 میں یہ ثابت کر دیا تھا کہ غلط افواہیں اور جھوٹی خبریں شکست اور تباہی کا موجب
 بنتی تھیں۔ اسلئے حضرت امیر حزب اللہ نے اپنے خطبات میں بار بار تلقین فرمائی
 کہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لانی جائے
 اور اس ضمن میں حکومت جو تدابیر اختیار کرے ارکان و رضا کاران حزب اللہ
 کو چاہئے کہ پوری طرح اشتراک عمل کریں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حق
 ہمسائیگی کے پیش نظر ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بھی ہمیں ہمدردی ہونی
 چاہئے۔ ان کے عزت و ناموس کی حفاظت بھی لازم ہے۔ اسلام ہمیں یہی تعلیم
 دیتا ہے کہ اگر تمہارا بڑوسی غیر مسلم بھی ہو تو بھی تم پر اس کا حق ہے۔ آپ نے مزید
 فرمایا کہ اگر فسادات پھوٹ پڑیں تو امیر سے استصواب کے بغیر کوئی اقدام نہ کیا
 جائے۔ اور افواہوں اور جھوٹی خبروں پر ہرگز ہرگز اعتماد نہ کیا جائے۔ آپ نے
 یہ بھی فرمایا کہ اگر دشمن کے ہوائی جہاز ان علاقوں پر تاخت و تاراج کریں اور بم
 پھینکنے لگیں تو آپ مروانہ و اس مصیبت کا مقابلہ کریں۔ اگر کہیں آگ لگ جائے
 تو اسے بجائیں۔ اگر طہ کے نیچے کوئی شخص آجائے تو اسے جو المردی کے ساتھ باہر نکالیں۔ اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی کریں
 اور اپنے حوصلہ اور ہمت کو پست نہ ہونے دیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ اگر کوئی
 شخص یا قوم آپ کی عزت یا ناموس پر ہاتھ ڈالے۔ خواہ وہ جاپانی افواج ہوں

جنگ کے دوران
 میں حضرت امیر
 کی ہدایات

یا جرمن عساکر تو آپ کی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ مرمت جائیں۔ مگر اپنی عزت و آبرو، اپنی بیویوں کی عصمت، اپنی عبادت گاہوں کے تقدس پر آنچ نہ آنے دیں جبکہ:-

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے ہزار درجہ بھتر ہوا کرتی ہے جنگ کے سال اول میں ایک بڑا افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی نے عرصہ سے خاکسار تحریک جاری کر رکھی تھی جو نیم عسکری نوعیت کی تھی۔ اس کے فوجی کیمپ جب بڑھنے لگے اور بیلچہ بروار خاکساروں کی پریڈ عام ہو گئی تو حکومت کو خطرہ پیدا ہوا کہ ساری قوموں کے اندر اگر ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی یہ شوق ترقی کر گیا تو فرقہ وارانہ خیالات کی موجودگی میں مملکت میں یہ عسکری تربیت باہم گرتصادم و تقابل کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ اس لئے پریڈ ممنوع قرار دیدی گئی۔ یہ حکم امتناعی عام تھا۔ بالواسطہ اس کا اثر جماعت حزب اللہ پر بھی پڑا کیونکہ عسکری تنظیم اور قواعد پریڈ اس کے اصول میں بھی شامل تھی۔ اس کے متعلق امیر حزب اللہ نے ایک طویل بیان اخبارات کو ارسال فرمایا جس میں کہا گیا تھا کہ ملکی حالات اور سیاسی انقلابات اس بات کے حق میں ہیں کہ ان تنظیموں کے قواعد پر پابندی نہ ہو۔ آپ کا ارادہ تھا کہ آئینی طریقوں سے ان قیود کو دور کرنے کے لئے سعی عمل میں لائی جائے۔ مگر علامہ صاحب نے یہ روش اختیار نہ کی اور کمزور اقوام کے پر اعتماد ہتھیار یعنی عدم تشدد کو ترجیح نہ دی۔ بلکہ حکومت سے ٹکر لے لی۔ تشدد کا یہ حربہ خودکشی کے مترادف ثابت ہوا۔ خاکساروں کے خلاف انہیں اجتماع پر گولی چلی۔ سینکڑوں خاکسار جان بحق ہوئے اور مسلمانوں کو قدرتی طور پر شدید روحانی اذیت پہنچی۔ اس تصادم کا یہ نتیجہ نکلا کہ خاکسار تحریک

جماعت خاکسار
کا سقوط

پھر نہ سنبھل سکی۔

عقائد و خیالات کے اعتبار سے حزب اللہ اور خاکساریت کے درمیان۔ حزب اللہ
 بعد المشرقین تھا۔ تاہم اس حادثہ میں جان بحق ہونے والے چونکہ مسلمان تھے حضرت
 امیر حزب اللہ کو اس کا سخت قلق ہوا۔ علاوہ بریں حکم امتناعی عام تھا۔ اس لئے
 اپنے خطبہ ہائے صدارت میں اس کا متعدد بار ذکر فرمایا۔ آپ چاہتے تھے کہ
 حزب اللہ پر سے پریڈ کی پابندی ہٹالی جائے۔ جبکہ ایک طرف ملک کے
 اندرونی امن کے برقرار رکھنے میں جماعت حزب اللہ حکومت کے ساتھ تعاون
 کے لئے بالکل تیار تھی۔ دوسرے حزب اللہ والوں کو پریڈ کی اجازت مل جانے
 سے کسی فرقہ وارانہ تصادم کا بھی خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس جماعت کی غالب اکثریت
 دیہاتی طبقہ پر مشتمل تھی۔ اور وہاں اس قسم کی کشمکش پیدا ہونے کا کوئی امکان
 نہیں تھا۔ سردار سکندر حیات خان ^{۱۹۴۷} سنہ میں حزب اللہ کے سالانہ
 جلسہ میں شامل ہوئے تو جناب امیر نے انہیں یقین دلایا کہ ہماری جماعت
 صوبہ بھر میں امن قائم رکھنے، فرقہ وارانہ فسادات کو ہر طریق سے مٹانے اور
 مختلف اقوام کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رکھنے میں ان کے ساتھ پوری
 طرح اشتراک عمل کرے گی۔ اور ایام جنگ میں اندرونی نظم و نسق برقرار رکھنے میں
 ہر قسم کا تعاون کرے گی۔ مگر حکومت کے سامنے کچھ سیاسی حالات تھے اس
 یقین دہانی کے باوجود پریڈ سے پابندی نہ اٹھائی گئی۔ بحیرہ روم کی جنگ میں
 جب جرمن افواج پیراشوٹوں کے ذریعے کریٹ کے جزیرہ میں اتریں اور وہاں
 کے باشندوں نے لمبے لمبے چھروں سے ان کا استقبال کیا تو حضرت امیر حزب اللہ
 نے پھر حکومت کو کہا کہ اس قسم کا خطرہ ہندوستان میں بھی پیش آسکتا ہے۔
 اس لئے پریڈیں ممنوع نہیں ہونی چاہئیں۔ اور نہ ہی معمولی قسم کا حفاظتی اسکور

چھین کر عامۃ الناس اور ہندوستان کی فعال جماعتوں کو بالکل بے دست و پا اور اپاہج بنایا جائے۔ بالخصوص یہ جماعتیں خطرہ کے وقت غیر مصافی آبادی کی حفاظت کریں گی۔ اور امن و امان قائم رکھیں گی۔ ورنہ بے دست و پا اور بے نوا ہو کر بنا پر ایک مشین گن والا سپاہی بھی آگیا تو علاقہ کا علاقہ اس کے خون سے بھاگ جائے گا۔ حضرت امیر حزب اللہ نے جن حالات کی بنا پر حکومت کو متنبہ فرمایا تھا۔ بعینہ وہی حالات سقوط برما کے وقت پیش آئے۔ وہاں کے باشندوں کی برمی حالت ہوئی۔ ہندوستانی لوگ برمی بے سرو سامانی کی حالت میں بالکل غیر محفوظ اور بے ضابطہ طور پر بھاگ نکلے۔ اور جو تباہی جاپان کے ہوائی جہاز نہیں پھیلا سکے تھے۔ وہ خود برما کے شرارت پسند اور اپنی اطبقہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

حالات عالم کا حضرت امیر حزب اللہ اس وقت نظر سے جاڑہ کیا کرتے تھے کہ بعض اوقات ضمیر ایام پر نگاہ ڈال کر آپ کوئی بات پیش از وقت فرما دیا کرتے تھے تو بالکل صحیح ثابت ہوتی تھی۔ یہی وہ فرارت مومن تھی جس کے متعلق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس سے ڈرا کرو کیونکہ:-

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ

مومن تو سب کچھ اللہ کے نور کی روشنی میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں جب کہ ابھی جنگ عالمگیر دوام شروع نہیں ہوئی تھی اپنے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:-

”یورپ والے جو آج دنیا کہ امن امان کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں اور جن کی لیگ آف نیشنز یا مجلس اقوام اپنے اجلاسوں میں سارے جہان کی سیاسی پیچیدگیاں رفع کرنے اور تمام

قائد بربر کوید
وید کوید

اقوام یورپ
کے بارے میں

سلطان کو جو رواج استبداد سے باز رکھنے کا دعویٰ بلند بانگ کیا کرتی ہے۔ مگر حقیقت میں اس کی تمام قرار داریں اور تمام سکیمیں ایک رسمی کے کاغذ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، اور اس کے تمام ارکان آج آگے خون کی ہولی کھیلنے کے لئے بالکل تیار ہیں اور مستقبل قریب میں ایک وقت آنے والا ہے کہ ان کی قلعہ شکن توپیں، ان کی آتش دہان مشین گنیں، ان کے بم پھینکنے والے ہوائی جہاز اور ان کے عفریت نما جنگی ڈریڈناٹ ان کے تہذیب تمدن ان کی سائنسنگی و عمرانیات، ان کی عیش پسندانہ شہری زندگی اور ان کے سرفراک عمارات و دیدہ زیب مکانات کی چند دنوں کے اندر اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اور جہاں آج آپ کو ہر قسم کی چہل پہل نظر آرہی ہے۔ وہاں ایک دن اگڑ بول رہا ہوگا۔ اور مسما شدہ قلعے اور تباہ شدہ شہر ان کے سامنے وہی نقشہ پیش کریں گے۔ جو گذشتہ جنگ عظیم میں انٹ ورپ کا قلعہ یا موجودہ جنگ چین و جاپان کا برباد شدہ شہر نانکن پیش کر چکے ہیں۔ آنے والی جنگ آٹل ہے اور کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی صرف وقت کا انتظار ہے اور گنتی کے دنوں کا وقفہ“

یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ حضور نے یہ الفاظ ۲-۳ اگست ۱۹۳۹ء کو ارشاد فرمائے تھے۔ جرمنی نے پولینڈ پر یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو حملہ کیا۔ جس پر برطانیہ اور فرانس نے اعلان جنگ کر دیا۔ اور پھر جو کچھ ہوا وہ ہر ایک کے سامنے سے تباہی اور بربادی کا جو نقشہ حضور نے

کھینچا تھا وہی جنگ کے دوران میں لندن، برلن اور یورپ کے متعدد دیگر شہروں میں بے پناہ بمباری کے بعد اہل عالم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسی طرح ۱۹۴۰ء کے خطبہ صدارت میں آپ نے فرمایا:-

جماعت حزب اللہ
کے متعلق

”حزب اللہ (رضاکاروں کا عسکری نظام، ان کے دلوں میں حرارتِ اسلامی اور جرأتِ ایمانی کا پیدا ہونا مجاہدانہ جوشِ عمل اور سرفروشانہ جذبہٴ کار، یہ چیز اگر باوی النظر میں کسی کی دلچسپی کا باعث نہ بھی ہوں لیکن حقیقت میں یہ اس انقلابِ عظیم پر شاہد ہیں جو کہ مستقبلِ قریب میں اسلامی دنیا کے اندر پیدا ہونے والا ہے۔ اور جس کی حقیقت سے آپ واقف ہوں یا نہ ہوں۔ مگر یہ فقیر پوری طرح واقف ہے۔“

اسی خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

آپ نے منزلِ مقصود کا نشان پالیا ہے۔ آپ راستہ کے نشیب و فراز سے واقف ہو چکے ہیں۔ آپ قدم آہستگی مگر مضبوطی کے ساتھ اٹھا رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ آپ دیکھ لیں گے کہ اس کا گاہِ عمل میں بالآخر کونسی جماعت کامیاب ہوئی اور مسلمانوں کو حقیقی فائدہ کس نے پہنچایا ہے۔

اب ہو رہیگا عشق و ہوس میں بھی امتیاز آیا ہے جب مزاج ترا امتحان پر!!

اس پیشین گوئی کا تعلق جس انقلابِ عظیم سے ہے اور جماعت حزب اللہ کی جن عہد آفریں خدمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کے لئے ہم نے اس تصنیف کا بابِ پنجم وقف کیا ہے۔ فی الحال ہم حضور کی جنگِ عالمگیر دوم سے متعلق چند ایک مزید پیشین گوئیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۹۴۳ء میں جنگ ایک عجیب مرحلہ پر پہنچ گئی تھی۔ جرمن قوم اپنی شدید جنگجوئی کے باوجود روس کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ افریقہ کے براعظم سے اتحادیوں نے جرمنی اور اٹلی کی افواج کو نکال دیا تھا اور لیبیا اور مصر کی جنگ کا عملاً خاتمہ ہو چکا تھا۔ ان حالات کے باوجود جرمنی کی طاقت ابھی کمزور نہیں ہوئی تھی۔ ہرپٹلر کے دم خم ابھی بدستور قائم تھے۔ اپنے سالانہ خطبہ صدارت میں روسی محاذ کے متعلق حضرت امیر حزب اللہ نے ارشاد فرمایا :-

”اگر جرمنی اس موسم سرما میں بھی بے نیل مرام رہا تو پھر روس کی قربانیاں جرمنی کے لئے وبال جان ہو کر رہیں گی۔“

اور افریقہ سے جرمنوں کے انخلا کے متعلق آپ نے فرمایا :-

”فاتحانہ عزائم رکھنے والی قوم کے لئے اس قسم کی شکستیں یقیناً حوصلہ شکنی کا باعث ہوتی ہیں۔“

ان ارشادات کے لب و لہجہ سے احتیاط مترشح ہے۔ مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضور کی نگاہیں حالات کو ایک ایسا رخ اختیار کرتے دیکھ رہی تھیں جو جرمن قوم کے لئے خوش آئند نہیں تھا۔ چنانچہ جب ۱۹۴۴ء میں حزب اللہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو آپ نے حسب جنگ عالمگیر کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا :

”معلوم نہیں کہ جنگ کا خاتمہ کب ہوگا اور دنیا کس وقت آرام و سکون کا سانس لے گی۔ مگر بظاہر حالات اب اتحادیوں کی حالت اچھی نظر آتی ہے۔ روس نے جرمن کو پوری طاقت کے ساتھ وکیل کر اپنے علاقہ سے تقریباً باہر نکال دیا ہے۔ اور جرمنوں کا وہ

جرمنی کے بارے میں

جنگ کے خاتمہ کے بارے میں

پہلا دم خم نہیں رہا۔ اب جارحانہ اقدام کرنے والے مدافعانہ پہلو اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اور اگر روس کا دباؤ اسی طرح قائم رہا اور جرمنی کے علاقہ میں روسی یلغار پہنچ گئی تو ممکن ہے جرمنی کو ہارمانی پڑے یا گزشتہ جنگ کی طرح پھر جرمنی میں سیاسی انقلاب آجائے اور ہرٹلس کو بھاگ جانے یا خودکشی کرنے کے بغیر کوئی چار لاکھ مار نہ دے۔“

غور فرمائیں ایک صاحب بصیرت مبصر زمانے کی رفتار کا جائزہ کس خوبی سے لے رہا ہے۔ تمام امکانات کی طرف نگاہ ہے لیکن بنیادی طور پر ایک حقیقت زیادہ وضاحت کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آرہی ہے جو اندازہ ایک سال پہلے لگایا تھا وہ درست ثابت ہوا ہے۔ جرمنی اور ہرٹلس کا انجام مخدوش نظر آرہا ہے۔ اسی طرح اٹلی اور مسوینی کے متعلق آپ نے فرمایا:

” اٹلی کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ اس کے نصف حصہ

پر اتحادی قابض ہیں اور نصف پر جرمنی اور غالباً مسوینی کو اپنی اس سفاکی اور ظلم کی سزا مل رہی ہے جو ماضی قریب میں اس نے

غریب جلسہ پر توڑا تھا۔“

جاپانی محاذ کے متعلق آپ کا تبصرہ تھا:-

” جاپان اور امریکہ کی باہمی جھڑپیں بھی ہو رہی ہیں اور امریکہ کی

روز افزوں ہوائی اور بحری طاقت جاپان کے لئے کوئی نیک

فال نہیں۔“

جاپان کے متعلق یہ تبصرہ ان ایام میں کیا گیا تھا۔ جب کہ اس کا قبضہ چین اور برما کے علاوہ بحر الکاہل کے کافی اہم جزیروں پر بدستور موجود تھا۔ اور بظاہر

جاپان کی شکست کے کوئی امکانات نظر نہیں آتے تھے۔ مگر جن حقائق تک جنگ کے بڑے سے بڑے تبصرہ نگاروں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتی تھیں ان کو ایک مردِ حق آگاہ دیکھ رہا تھا۔

حزب اللہ کا اٹھارواں سالانہ اجلاس ۱۸ مئی ۱۹۴۵ء کو منعقد ہوا۔ ممکن ہے کہ کان حزب اللہ کو یاد نہ رہا ہو کہ ایک سال قبل حضرت امیر نے بطون ایم میں جھانک کر کونسے راز پر پیش از وقت واشکات الفاظ میں بیان فرمایا تھے۔ مگر محمد اللہ حضور کے باقی خطبات کی طرح حزب اللہ کے سترھویں سالانہ

اجلاس منعقدہ ۲۸ مئی ۱۹۴۴ء کا خطبہ صدارت اب بھی موجود ہے۔ جس میں سمندرِ جہ بالا اقتباسات لئے گئے ہیں۔ واقعات و حالات کی زبان نے تاریخ کے صفحات پر یہ تحریر ہمیشہ کیلئے چھوڑ دی ہے کہ حضور نے جو کچھ فرمایا تھا حرفِ بحرف درست نکلا۔ اتحادیوں نے ایسے شدید ہوائی حملے کئے کہ جرمنی کی ہوائی قوت بالکل درہم برہم ہو گئی۔ مشرق کی طرف سے روس اور پولینڈ اور مغرب کی طرف سے برطانیہ، امریکہ اور ان کے اتحادیوں نے حملے شروع کئے۔ دونوں طرف کی فوجیں برلن کے دروازہ پر پہنچ گئیں اور یکم مئی ۱۹۴۵ء کو ہٹلر نے خود کشی کر لی۔ مسولینی کا خاتمہ ۱۹۴۴ء کے اختتام سے پہلے ہو چکا تھا۔ پہلے وہ گرفتار ہوا۔ جرمنوں نے بعد میں اسے آزاد کرایا اور شمالی اٹلی کی عنان حکومت اس کے سپرد کی۔ مگر قوم پرور اطالوی دستے منظم ہونے لگ گئے۔ اس نے گھبرا کر بھاگنے کی کوشش کی مگر گرفتار ہوا۔ اور مقدمہ چلائے بغیر اسے گولی سے اڑا دیا گیا۔ جہاں تک جاپان کا تعلق ہے حزب اللہ کے اس اٹھارھویں اجلاس سے پہلے یعنی ۵ مئی ۱۹۴۵ء تک جاپان کی مختلف فوجیں تباہ ہو چکی تھیں۔ اور اس کے مقتولین

مذکورہ حروف نام
پیش کردیاں ہیں
ہو گئیں

اور مجروحین کی تعداد تین لاکھ سینتالیس ہزار تھی۔ اسی سال کے دوران میں جاپان کو مکمل شکست ہو گئی اور ۲ ستمبر کو اس نے اپنے آپ کو اتحادی افواج کے حوالے کر دیا۔

ان پیشین گوئیوں کے علاوہ ہٹلر کی خودکشی کے بعد حزب اللہ کے اٹھارہویں سالانہ اجلاس میں آپ نے فرمایا :-

اب سارا یورپ روس اور اتحادیوں کی بلا اشتراک ملکیت بنے
خدا کرے اس شاملات کی تقسیم میں کوئی خانہ جنگی شروع نہ ہو
جائے اور روس کا دھن آڑ کسی لقمہ تر کے لئے کھلا
نہ رہ جائے۔“

روس میں آج

روس کے دہن آڑ کے کھلا رہ جانے کے متعلق آپ ۱۹۴۵ء میں جو کچھ فرمایا
تھا وہ کس قدر صحیح ثابت ہوا ہے۔ مشرقی اور مغربی جرمنی کا وجود اور پھر
ایک ہی شہر یعنی برلن کے دو حصے یہ جھگڑا روس نے اسی سال شروع کیا
تھا۔ اور آج اٹھارہ سال گزر جانے کے باوجود ۱۹۴۳ء میں بھی بدستور موجود
ہے۔ قضیہ برلن روس اور امریکہ کے درمیان اس طرح مابہ النزاع بنا ہوا ہے
کہ ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ اسی کی وجہ سے عالمگیر سوم نہ چھڑ جائے۔ روس
تمام یورپ کو اشتراکیت کے لئے لقمہ تر بنا لینا چاہتا ہے۔ مگر امریکہ سدا رہ
بنا ہوا ہے۔

اس تباہ کن جنگ کے بعد کی دنیا کے متعلق حضرت امیر حزب اللہ کے
جو خیالات تھے ان کا مطالعہ کرنے کے لئے ہم جنگ کے خاتمہ سے کافی ایام
پہلے کے صدارتی خطبہ سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ ۹ جون ۱۹۴۳ء کو
حزب اللہ کا سولہواں سالانہ اجلاس انعقاد پذیر ہوا۔ اور آپ نے ایک

بات فرمائی جسے پڑھ کر ہر صاحب نظر اب بھی محو حیرت ہو جاتا ہے۔ جنگ کے ختم ہونے میں ابھی پورے دو سال باقی تھے۔ مگر اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہمہ گیر اور ہمہ رس نتائج آپ کی نگاہوں کے سامنے واضح طور پر موجود تھے۔ اور آپ کو اچھی طرح سے علم تھا کہ انجام کار کیا ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

جنگ کی عظمت اور ہولناکی سے قطع نظر اس سے پیدا ہونے والے نتائج بے حد دور رس ہوں گے اور اس کے معرکہ دار و گیر کے بعد کئی قسم کے انقلابات دیکھنے میں آئیں گے۔ بادشاہتیں بدل جائیں گی۔ حکومتیں تبدیل ہو جائیں گی۔ دنیا کا جغرافیہ نئے سرے سے مرتب ہوگا۔ کئی قومیں اوج ارتقاء سے گر کر قعر کت میں جا پڑیں گی۔ اور کئی پستی سے نکل کر بام ترقی پر جا پہنچیں گی۔

اب اگر جنگ عالمگیر دوم سے پہلے کا جغرافیہ سامنے موجود ہو تو انسان حضور کے اس ارشاد کے پورے پورے معانی اور مطالب سے اچھی طرح آشنا ہو سکتا ہے۔ مختصراً یہ کہ دنیا کافی ہوگا کہ اس جنگ کے بعد برطانیہ کی عظمت کا آفتاب نصف النہار سے بالکل نیچے چلا گیا۔ یا تو جنگ سے پہلے برطانیہ دنیا کی عظیم ترین طاقت شمار ہوتا تھا۔ اور کرۂ ارضی پر اس کی مملکت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ یا جنگ کے بعد فاتح ہونے کے باوجود اس کی سلطنت بالکل سمٹ کر رہ گئی۔ اور یہ تیسرے ورے کی طاقت شمار ہونے لگا۔ ہندوستان آزاد ہو گیا اور اس میں دو ملک نظر آنے لگے۔ چین ایک بہت بڑی حکومت کی صورت اختیار کر گیا۔ جاوا، سماٹرا آزاد ہو گئے۔ براعظم افریقہ میں کئی ممالک دولت آزادی سے بھلنا رہ گئے۔ مصر ایک باہمت اور خوار آزاد ملک

کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ یورپ میں روس کا حلقہ اثر بڑھ گیا۔ جرمنی و جھڑپوں
بٹ گیا۔ اور روس کے مد مقابل امریکہ نئے عزائم لے کر آگیا۔ اور جاپان کی وہ
پہلی عظمت دیرینہ قصہ پارینہ بن گئی۔ ان کے علاوہ بے شمار اور سیاسی ،
اقتصادی ، معاشرتی اور اخلاقی تبدیلیاں ہوئیں۔ اور سائنسی معلومات
میں اس قدر اضافہ ہوا کہ جنگ عالمگیر دوم کے بعد بالکل ایک نئی دنیا
نے جنم لیا جو اب چاند ، مریخ اور دوسرے ستاروں اور سیاروں پر
پہنچنے کے لئے پروبال آراستہ کر چکی ہے۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ان
تمام تبدیلیوں کی طرف انگشت نمائی اس مرد فقیر نے جنگ کے خاتمہ سے
دو سال پہلے کی جو باوی النظر میں صرف گوشت نشین درویش ہے۔ مگر حقیقت
میں مزاج و ہر سے اس قدر آشنا ہے کہ جو بات ابھی مستقبل کے پردوں میں
نہاں تھی وہ اس کی دُور رس نگاہوں کے سامنے بالکل الم شرح ہو چکی تھی۔ یہ
حالات جنگ کا مطالعہ حضرت امیر حزب اللہ ایک اور زاویہ نگاہ
سے بھی فرمایا کرتے تھے یہ زاویہ نگاہ انبیاء و صلحاء اور مجرورین و مصلحین
سے مختص ہے۔ جن کے پیش نظر ہمیشہ انسانیت کی بھلائی اور بہبودی
ہوا کرتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اُس زمانے کے جتنے آمر تھے ہوں استعمار
اور خرابش ملک گیری کے بغیر اور کچھ جانتے ہی نہیں تھے۔ لیکن مسلمانوں
کے حکمران عقل کی فراوانی سے نہیں بلکہ محض واداہی سے جہاں اَشِدَّاءُ
عَلَى الْكُفَّارِ کے مطابق تہر و غضب کے پتکے ہوتے تھے وہاں اَنَا فَا نَا مَرْحَمَاءُ
بَيْنَهُمْ کے زیر اثر محبت و ملاحظت کی تصویر بن جایا کرتے تھے۔ اسلام
کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اپنے متبعین کو تہور و شجاعت اور مردانگی
و عزیمت کے ساتھ بہترین اخلاق ، صلح جوئی ، امن پسندی ، مسکین نوازی

حالات جنگ

کا مطالعہ مصلی

کے زاویہ نگاہ سے

۵۔ جوہر پورے میں پنہاں چشم بننا دیکھ لیتی ہے۔۔۔ زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے۔

اور مسافر دوستی کی تعلیم بھی دی ہے شمع اسلام پر پروانہ وار فدا ہونے والے مجاہدین اسلام جو اپنے پرچم کو بلند رکھنے کے لئے بازوؤں کے کٹ جانے پر دانتوں سے اسے تھام لیتے تھے، نالہ یتیم و آہ بیوہ سے بدرجہ غایت متاثر ہوتے، فریاد مظلوم سے تڑپ اٹھتے اور خدمت خلق کے لئے ان کی زندگی وقف رہتی۔ دن قتال و جدال اور محنت و مشقت میں گزرتا اور رات ذکر خدا میں۔ وہ صحیح معنوں میں فارس النہار وقائع اللیل تھے۔ سحر خیزی ان کا مال حیات تھا۔ لیکن جنگ عالمگیر دوم میں انسان نما وحشیوں نے غیر مصافی آبادی اور معصوم و بے گناہ لوگوں پر بھی بم پھینکے اور آتشیں گولیوں کی بوچھاڑ سے انہیں مہجون ڈالا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اور اپنی سنگدلی اور قساوت قلبی کے باعث خون آشامی کا وہ مظاہرہ کیا کہ الامان والحفیظ! انہوں نے رزم کا وہ ہنگامہ بپا کیا کہ رزم سونی پڑ گئی۔ بھول کے غلغلہ میں کان سامعہ نواز ترنم کے لئے ترس گئے۔ جذبات لطیف، نرمی و ملاحظت امن پسندی اور صلح جوئی کا نام و نشان تک نہ رہ گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر قبلہ حضرت امیر حزب اللہ نے دنیا ئے رزم میں افسانہ رزم چھیڑا اور فریاد

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد

من وساتی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم

آپ کا خیال تھا کہ ممکن ہے رزم پر مٹنے والے رزم کی آراستگی دیکھ کر شاید تھوڑی دیر کے لئے تیغ و سناں بھول جائیں اور اس طرح دم توڑنے والی انسانیت کے سکرات موت میں تخفیف ہو جائے۔ اس کا زخم خوردہ جسم مرہم لگانے سے سکون آشنا ہو جائے۔ اور حوصلہ افزا کلمات مرصیبت کے ان ایام میں اس کے لئے باعث تسکین بن جائیں۔

انسانِ حق تعالیٰ
اور اسفل خالقین
کے درمیان

بارگاہِ ربانی سے انسان کو احسن تقویم اور اعظم تکریم کے القاب عطا ہوئے
اور اثرات المخلوقات کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ فرشتوں نے اسی
کے سامنے سجدے کئے تھے۔ اس کی رفعت پر دوازہ ملائکہ مقربین سے بھی بڑھ
گئی تھی۔ اربع عناصر اسی کے فرمانبردار ہیں اور دنیا کی ہر شے اسی کی محکوم غلام
مگر افسوس ہے انسان کی امن سوزی، قتل و غارت گری اور ظلم و ستم کو دیکھ
کر وحشی جانور، درندے، سانپ اور بچھو جن کا کام چیزنا چھاڑنا اور اذیت
رسانی تھا لڑہ بر اندام ہو گئے۔ اور کائنات کا ہر ذرہ انسان سے نفرت اور
بیزاری کا اظہار کرنے لگ گیا۔ جنگ نے ثابت کر دیا کہ سب سے زیادہ وحشی، موذی
اور ظالم ہی انسان کی جنس شریف ہے۔ انسانی فطرت کی کمزوریوں میں سب سے
بڑی کمزوری جوع الارض کی دیرینہ مرض ہے۔ بخت نصر، سکندر رومی،
نپولین بونا پارٹ سب اسی مرض کا شکار تھے۔ اور جنگ عالمگیر دوم میں بھی
سر ڈیکٹیٹر یا آمر مظلوم اقوام کی حمایت کے دعاوی کے باوجود اصل مفتوح
مالک کو اپنا غلام بنا کر اقتصادی، مالی اور سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا
حضرت امیر حزب اللہ کے پہلو میں ایک دردمند دل تھا اور آپ کی طبیعت
بڑی حساس واقع ہوئی تھی اس لئے آپ بدرجہ غایت متاثر ہوئے۔ آپ
نے فرمایا کہ جمعیتہ الاقوام کا کام باہمی صلح کرانا تھا۔ مگر جب اس کے رعب
سب ممبران میدان کارزار میں نکل آئے ہیں اور جنگ کی آگ تمام براعظموں
تمام ملکوں اور تمام سلطنتوں میں بھڑک اٹھی ہے صلح اور آشتی کی دعوت کون
دے سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر انسان کے جذبات سہلی

لے بخت نصر کلدانی خاندان کا وہ جابر بادشاہ تھا جو ۶۰۵ تا ۵۳۸ ق۔ م بابل میں حکمران رہا۔
جس نے بیت المقدس کی تخریب کی اور یہودیہ کو بابل سلطنت کا حصہ بنایا۔

خیالاتِ علوی پر غالب آجائیں تو جذباتِ سفلی کے سامنے تسلیم خم کر دیا جائے
یا معصیت کی کثرت کو دیکھ کر گناہ کو ثواب سمجھ لیا جائے۔ قبلہ امیر حزب اللہ
نے فرمایا کہ گناہ گناہ ہی رہے گا۔ ثواب نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں بد امنی کا ذکر
امن سے اور جنگ کا صلح سے کبھی بڑھ نہیں سکتا۔ امن و آشتی اور صلح و دوستی
کی باخبر فتح ہوگی اور ضرور ہوگی۔

نظریاتی اختلافات
وجہ نزاع و
دعا ہیں۔

حضور نے جنگِ عالمگیر دوم کی صورت میں تصادم اور تقابل کا اصلی
سبب عقائد و خیالات کا تخالف اور تضاد بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ نازی، فسطائی، اشتراکی اور جمہوریت کے علمبردار اپنے اپنے نظریوں کو کامیاب دیکھنا چاہتے
ہیں۔ اور ان میں سے اگر کسی فریق کی بھی شکست ہوگئی تو جنگ کا حقیقی خاتمہ
نہیں ہوگا بلکہ ہزیمت خود قوم موقعہ دیکھ کر از سر نو میدانِ دعا میں کود پڑے
گی۔ اور اس طرح انسان کی ساری کمائی آلاتِ حربِ ضرب کی صنعت پر صرف
ہونی رہے گی۔ اس عقدہ لائیکل کی گرہ کشائی صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ
دنیا بھر کی قومیں اور جہاں بھر کے سارے مذاہب تحقیق و تدقیق اور فکر و امعان
کے بعد اپنے مستقبل کی بہتری، آئندہ زندگی کی بھلائی، عاقبت کوشی، امن
پسندی، دماغی سکون، جسمانی راحت اور روحانی اطمینان کے پیش نظر اپنے
ایک دوسرے کی آغوشِ رحمت میں ال میں اور اسلام کے اصولوں کو عملی طور پر قبول کر لیں، ایسا کرنے
سے بد امنی اور جنگِ جدل کا خود بخود قلع قمع ہو جائیگا جھگڑے مٹ جائیں گے اور انتقامی کی جگہ محبت اور پیار کے خیالات پیدا
ہو جائیں گے۔ بے تعصبی سے کام لے کر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات از خود واضح ہو
جاتی ہے کہ اسود و احمر، گورے اور کالے، زرد اور سرخ کا فرق نسلی

لہ نازی جماعت ہٹلر کی قائم کردہ تھی۔ فسطائی مسولینی کے پیروکار تھے۔ اشتراکی کارل مارکس اور لینن
کے خیالات پر عمل کرنے والے ہوئے۔ اور ان دنوں جمہوریت پسند ممالک برطانیہ، امریکہ اور فرانس شمار ہوتے تھے۔

اور قومی امتیازات، ملکی اور جغرافیائی حد بندیاں اگر کوئی مذہب مٹا سکتا ہے تو وہ اسلام اور محض اسلام ہے۔ جس نے اخوت، مساوات اور حریت کے پاکیزہ ترین اصول دنیا کے سامنے پیش کئے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ كَا سَبَقَ دے کر سارے کلمہ گو مسلمانوں کو اخوت کی ایک سلک میں منسلک کر دیا۔ اور دوسری ساری برادریوں اور رشتہ داریوں، تعلقات و علاقوں سے بڑھ کر ایک نیا اسلامی رشتہ قائم کر کے اس رشتہ اور تعلق کو مشرق بعید تک وسعت دی اور جنوب شمال کے ڈانڈوں کو وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کی رستی سے ملا دیا۔ مساوات کی وہ مثال پیش کی جس کے سامنے سوشلزم اور کمیونزم کے تمام اصول بالکل بیچ ہیں۔ شاہ و گدا کو ایک صف میں کھڑا کرنا، امیر اور غریب کی ایک حیثیت قائم کرنا، دولت مندوں کے مال و منال میں مفلسوں کے حصے مقرر کرنا، یہ اسلام کی باریہ ناز خصوصیات ہیں۔ علاوہ بریں آزادی و حریت جس کے لئے تمام دنیا کی قومیں تڑپ رہی ہیں، اسلام کا سب سے پہلا پیغام ہے اس لئے آزادی کے طلبگاروں کو اسلام کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس نے ایک کی غلامی سکھلا کر اپنے متبعین کو جہان بھر کا آقا بنا دیا تھا۔ اور جس نے انسانی حکومت کی بجائے حکومت الہیہ کی واضح بیل ڈالی، انسانی قوانین کی جگہ خدائی قوانین نافذ کئے۔ اور قوم کے امیر یا قائد کو یہ درس دیا۔

سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ

یہ ایک انقلابی تصور تھا جو اسلام نے پیش کیا۔ پہلے جتنی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں ان سب کی عدت ملک گیری کی ہوس اور جہاں ستانی کی خواہش تھی۔ فاتحین کا مقصد مفتوح اقوام کو غلام بنانا اور اپنا وارثہ حکومت وسیع کرنا تھا۔ مگر اسلام نے اپنے پیروان کا رکو تعلیم دی کہ اگر مجبوری حالات

وَاَعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا
کی رستہ پر
وہوت۔

کی بنا پر جنگ بھی کرو تو مقصود بالذات صلح اور امن ہونا چاہئے۔ تلوار ہمیشہ اسلامی انقلاب کا مطمح نظر حکومت الہیہ

مظلوم کی اعانت، کمزوروں کی حمایت اور غلاموں کی آزادی کے لئے اٹھے اور فاتحانہ داخلہ کے وقت شرفاء کی کبھی تذلیل اور توہین نہ کی جائے۔ اس انقلابی تصور کو عملی صورت خود سید الابدیاء شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ آپ دنیا بھر کے محاسن کا مجموعہ اور جہان بھر کی خوبیوں کا مرقع تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور قدسی انسانی آبادی کے اندر ایک ایسے بے نظیر اور بے مثال انقلاب پیدا کرنے کا باعث ہوا جس سے بڑھ کر کسی انقلاب اور بہترین تبدیلی بنی نوع انسان کے اندر نہ اس سے پہلے کبھی پیدا ہوئی اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے۔ آپ کے مد نظر ذاتی حکومت کی داعیہیل ڈالنا نہیں تھا۔ بلکہ آپکا نصب العین قیام حکومت الہی اور ترویج قانون خداوندی تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے اسلام کے بہادروں نے مفتوح قوموں کے ملک املاک پر قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کے دلوں کی زمینوں کو اپنے پاکیزہ اخلاق کے ہتھیاروں سے مسخر کر لیا۔ اور جو کام جبر و استبداد سے آج تک نہیں نکل سکا۔ وہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رحمتہ للعالمین اور رحمت و رافت کی طفیل انجام پذیر ہوا۔

یقیمات

اسی بنا پر مسلمانوں کے جہاد کا معنی فساد اور شرارت کے خلاف لڑنا تھا اور اس وقت تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار نہ پھینک دے اور خدا کی سر زمین میں کلیتہً امن و امان نہ قائم ہو جائے۔ ان تعلیمات نے لوگوں کی طبیعتوں، ان کی ذہنیاتوں، ان کے اخلاق و عادات اور ان کے رسوم و رواجات میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ مسخ شدہ ذہنیت کی جگہ سلجھی ہوئی مقدس ذہنیت نے لے لی۔ متکبر، خود پسند اور بہائم صفت عرب

دیکھتے دیکھتے منکسر المزاج، متواضع، متحمل و بردبار، مکارم اخلاق کا نمونہ اور اعلیٰ کردار کا مجسمہ نظر آنے لگے۔ دلوں میں حسد و بغض اور کینہ و انتقام کی جگہ شفقت و مروت اور ہمدردی و دلجوئی کے جذبات نے لے لی۔ اس انقلاب کے اثرات ہمہ گیر اور دور رس تھے۔ زندگی کے تمام شعبے متاثر ہوئے۔ وحشییت اور بربریت کی جگہ عمرانیّت نے لے لی۔ مالی مشکلات کا حل کار نکل آیا۔ اقتصادی بد حالی دور ہو گئی۔ معاشرتی حالات سدھر گئے۔ عقائد و خیالات درست ہو گئے۔ حکومت الہیہ کی تاسیس اور تشکیل کا وہ مبارک کام جو ابتدائے آفرینش سے تینہ تکمیل چلا آتا تھا۔ حسن فرخوبی اور خوش اسلوبی سے انجام پایا۔ قیصر و نغفور کی شخصی حکومتوں کے مقابلہ میں اسلام اور جمہور کی حکومت قائم کرنے والے چند گڑی پوش حفاظتِ عراکات سے تنگے پارہنہ قیصر کے تلج اور کسری کے تخت کے مالک بن گئے۔

اور پھر اسی پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ علم بردارانِ اسلام، حکومت الہیہ کے داعی و مناد اور ملت مرحومہ کے رضا کار جہاں کہیں بھی جا پہنچے انہوں نے اپنے ظاہری اور باطنی محاسن کا مظاہرہ ایسے دلکش پیرائے میں کیا کہ ان کی نیک دلی، ان کی خوش اخلاقی اور ان کی رواداری دیکھ دیکھ کر اقصائے عالم کے ساکنین کسی جبر و اکراہ سے نہیں نہایت رغبت اور محبت سے ان داعیانِ حق کے ذریعے اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے اور اس کا یہی ثبوت دنیا کے اسی کے اسی کروڑ فرزند ان اسلام سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اسی ایک ذاتِ مستجمع الصفات یعنی حضور سرور کائنات فخر موجودات رحمة للعالمین شفیع المذنبین سید المرسلین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الف الف صلوة و التسلیمات کے طفیل ہوا اور ایک انقلاب آفرین مہستی نے دنیا کو ایک

ایسے انقلاب سے روشناس کر دیا جس کو دیکھ کر ارباب بصیرت و امعان ہمیشہ
عش عش کر اٹھینگے۔ اور جس کے تذکار اور کارنامے رستی دنیا تک زیریں حروف
سے لکھے جائیں گے۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ اجْمَعِينَ
قبلاً حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی اس طرح جنگ جلال کے دلدادہ
ابنائے جنس کو اسلام کی اخوت پرورد، ولنواز اور تہذیب آفریں تعلیمات کا
مبارک درس اپنے خطبات کے ذریعے دے رہے تھے۔ حضور چودھویں صدی
ہجری میں تجدید دین کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ دنیا بھر کے انسان ایک دفعہ اعتصام
بجبل اللہ کر کے قانون خداوندی پر عامل ہو جائیں۔ اور دنیا کو بہشت منظر بنا
دیں۔ جنگ عالمگیر دوم ۱۹۴۵ء کے اواخر میں ختم ہوئی۔ دنیا میں تخریب کے
بعد تعمیر کا دور شروع ہوا۔ مگر خود غرضی اور خود پسندی کی بنا پر تعمیر میں بھی
بڑی الجھنیں پیدا ہو گئیں۔ لیکن ہمیں ان سے سروکار نہیں۔ ہمیں تو اس انقلاب
سے سروکار ہے جو اس جنگ کے بعد بڑے صغیر ہند میں رونما ہوا اور جس کے
لئے حضرت امیر حزب اللہ آغاز کار سے مسلمانوں کو تیار کر رہے تھے۔

حزب اللہ اور پاکستان

پاکستان ضرور بننا چاہئے بلکہ مسلمانوں کو پاکستان بنائے بغیر چین نہیں لینا چاہئے

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا إِنَّمَا الْأَعْلَىٰ كُنْتُمْ مَوْجِبِينَ

(گھبرانے اور حزن و ملال کی ضرورت نہیں اگر تم مومن ہوئے تو اقتدار اعلیٰ صبر تمہارے لئے ہے)

★ — ”کیا ہندوستان کے مسلمان ایک غلامی سے نکل کر دوسری غلامی اختیار کرنا چاہتے ہیں؟

اگر جواب نفی میں ہے تو انہیں متحد ہو جانا چاہیے۔“ (۱۹۲۷ عیسوی)

★ — ”حزب اللہ کا مقصد مجید آزادی ملک کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی طاقت برقرار رکھنا ہے“ (۱۹۳۸ء)

★ — ”قرارداد پاکستان اور روادار ہی کلام لیا جائے تو اس میں کوئی خاص قباحت نظر نہیں آتی۔“

جبکہ اس طریق میں صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ دوسری اقوام کے حقوق کی حفاظت بھی موجود ہے“

★ — ”مسلمانوں نے اگر اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لئے پاکستان کا نظریہ پیش کر دیا ہے تو وہ قطعاً

مورد الزام نہیں ہو سکتے۔“ (۱۹۴۱ عیسوی)

★ — ”حزب اللہ کی جماعت پاکستان کے معقول ترین مطالبہ میں مسلم لیگ کے ساتھ اشتراک عمل کریگی اور اس کے

حصول کی خاطر مسلم لیگ کے جو اقدامات ہوں گے انہیں حزب اللہ کی جماعتی تائید حاصل ہوگی (انشاء اللہ تعالیٰ)“ (۱۹۴۳ء)

★ — ”ہم اپنی تعداد کے مطابق حقوق لے کر رہیں گے۔“ (۱۹۴۳ عیسوی)

★ — ”پاکستان ضرور بننا چاہیے بلکہ مسلمانوں کو پاکستان بنانے بغیر چین نہیں لینا چاہیے

..... یہ فقیر ربی جماعت حزب اللہ کی طرف سے مسلم لیگ کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح

کو گزشتہ سال کی طرح پھر یقین دلانا ہے کہ سیاسیات اسلامیہ میں آپ کا جو اقدام

بھی ملت مرحومہ کی بہتری کے لئے ہوگا۔ آپ کو ہماری جماعتی تائید حاصل ہوگی (۱۹۴۴ء)

★ — ”حزب اللہ کا نصب العین ہی قیام حکومت الیمیہ ہے جس کا دوسرا نام آپ پاکستان کہیں لیکن اس شرط

کے ساتھ کہ پاکستان میں جو قانون رائج ہوگا وہ انسان کا بنایا ہو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہوگا۔“ (۱۹۴۵ء)

— آزاد اسلامی حکومت کے سلسلہ میں میر حزب اللہ کے فرمودات رفتاریہ زمانہ کے ساتھ ساتھ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب پنجم

تخلیق پاکستان

”آپ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ایک خیال اپنے دل میں جمالیں کہ ہم خدا کے غلام ہیں اور خدا کا غلام کسی اور کا غلام نہیں ہو سکتا۔“

حضرت امیر حزب اللہ کے ان الفاظ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں حضور دلوں میں درس تو حیدر اسخ کر کے مسلمانوں کو دولت آزادی سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے۔ اہل عالم کے لئے ایک نیا اور نرالہ نظریہ تھا۔ مگر حقیقت میں اصحاب جانتے تھے کہ یہ وہی نسخہ تھا جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بدوؤں کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ انہوں نے اس پر عمل کیا اور اپنے آپ کو خدا کا غلام بنا دیا۔ اس کی بدولت ان کے دماغوں اور ذہنیاتوں میں ایک حیران کن تبدیلی پیدا ہوئی اور خدائے قدوس و قیوم کی غلامی قبول کر کے وہ بدو مشرق و مغرب کے آقا بن گئے۔ اور اکناف عالم میں جہر گہ

اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ حضرت امیر حزب اللہ نے آغاز تحریک سے یہ دس
 دینا شروع کر دیا تھا۔ اور آپ بھی اس مجرب نسخے کے ذریعے مسلمانوں میں ذہنی
 انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ وہ ایک کے غلام بن کر باقی ہر ایک کی غلامی کا
 طوق گلے سے اتار پھینکیں۔ اور آزاد ہو جائیں۔ چنانچہ آپ کی جدوجہد کا
 نتیجہ بالکل آپ کے حسبِ منشا نکلا۔ اب تک جو کچھ معرضِ تحریر میں آچکا ہے
 اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا مصلحِ نظر شروع ہی سے مکمل آزادی تھا۔
 اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ تخلیقِ پاکستان کے سلسلہ میں آپ نے مزید
 کیا کچھ کیا۔

ملکتِ پاکستان عطیہ اسلام ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہمیں
 مذہبِ اسلام پر طائرانہ نگاہ ڈال لیننی چاہئے۔ دیگر مذاہب محض عبادات و
 ریاضات پر زور دیتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ روح اور جسم، دنیا اور آخرت
 خدا اور بادشاہ کی دوئی کو تسلیم کیا ہے۔ مگر اسلام اس تفریق اور دوئی کا قائل
 نہیں۔ اسلام خدا کا قائل اس صورت میں نہیں کہ اس کی حاکمیت دینی معاملات
 تک محدود رکھے۔ بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی اسلام خدا کی حاکمیت کو تسلیم
 کرتا ہے۔ اس طرح اسلام کی حدود دینی اور شرعی امور سے متجاوز ہو کر تمام انسانی
 اعمال اور ساری زندگی کو اپنے احاطہ میں لے لیتی ہیں۔ انسانی تمدن و معاشرت
 اور معیشت و سیاست تمام کے تمام اسلام کے دائرہ عمل میں آجاتے ہیں۔ اس
 طرح ایک مسلمان جہاں موقع اور محل کے مطابق عبادات و ریاضات اور اوراد و
 وظائف میں مصروف رہ کر احکامِ اسلامی کی پابندی کر رہا ہوتا ہے۔ وہاں وقت
 کے تقاضوں کے مطابق تعلیماتِ اسلامی پر عمل پیرا ہو کر اپنی اقتصادی حالت کو
 بھی سدھارتا ہے۔ اپنی سیاست کو ہموار اور خوش آئند راہوں پر گامزن کرتا ہے

پاکستان اسلام کا
 عطیہ اور زندہ
 معجزہ ہے

اور ضرورت سمجھتا ہے تو اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے میدان جہاد میں اتر کر واد شجاعت
 و مردانگی بھی دیتا ہے۔ امت اسلامیہ اپنے مذہب کی وسعت اور پہنائی کو بھلا
 کر زوال سے دوچار ہو چکی تھی۔ اس لئے مصلحین امت نے اسے از سر نو
 اسی خالص اسلام سے روشناس کرانے کی کوشش کی جو حضور سرورِ دو عالم
 (فداہ ابی و اُمی) لائے تھے۔ اور جس نے عربوں کی ساری زندگی کو متاثر کر کے
 انہیں مقتدر اور محترم بنا دیا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز
 چونکہ بیسویں صدی عیسوی میں امت مرحومہ کی اصلاح کے لئے کمر ہمت باندھ
 چکے تھے۔ آپ نے بھی خالص اسلام کی جامع اور ہمہ گیر تعلیمات کا شد و مد سے
 پرچار کیا اور مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلام کی رسی مضبوطی سے تھما کر انہیں ترقی کی
 راہوں پر چلا دیا۔ جب اسلام کی رسی تھام کر مسلمان اس طرح آگے بڑھتے ہیں
 تو فتح و نصرت ان کے قدم چومتی ہے۔ اس گئے گزے زمے نے میں بھی مسلمانوں
 نے جب یہ شعار اختیار کیا تو انہیں پاکستان کی آزاد مملکت مل گئی۔ دوسری قوم
 سے ہمیں سروکار نہیں۔ لیکن جہاں تک دس کروڑ پاکستانیوں کی آزاد مملکت کا سوال
 ہے یہ کلیۃً اسلام کا معجزہ ہے۔ جب تک مسلمان اس سے وابستہ رہیں
 گے۔ اسلام اس قسم کے معجزے دکھاتا رہے گا۔

۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی کے بعد جلد ہندوستان نیول نے ملکی معاملات میں
 دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ بنگال اور بمبئی کی طرف چونکہ جدید تعلیم کی وجہ سے
 سیاسی بیداری پہلے پیدا ہوئی تھی اس لئے عوامی تحریکیں بھی اول اول اُدھر
 ہی شروع ہوئیں اور ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا وجود عمل میں آیا
 لیکن ہندو زیادہ تعلیم یافتہ تھے، ملک میں انہیں اکثریت حاصل تھی، مسلمانوں
 سے انہیں تعصب بھی تھا۔ اور انگریز قوم کا میلان بھی ان کی طرف تھا۔ اس

لئے مسلمانوں کو بہت جلد محسوس ہو گیا کہ جب تک وہ کوئی اپنی علیحدہ جماعت نہیں بناتے ان کے حقوق کا محفوظ رہنا ناممکنات میں سے ہے۔ کانگریس کے فیصلوں میں زیادہ تر ہندوؤں کے نقطہ نگاہ کو سامنے رکھا جاتا تھا۔ لارڈ کرزن (۱۸۹۸-۱۹۰۵ء) دہرائے ہند نے جب انتظامی سہولت کے زیر نظر تقسیم بنگال کی اور مشرقی بنگال اور آسام کو ملا کر ایک صوبہ بنایا تو چونکہ اس کی تقسیم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اور ایک لحاظ سے وسیع تر مشرقی پاکستان کی بنیاد رکھی جاتی تھی۔ ہندوؤں نے بڑی شورش کی اور دہشت پسندی کے بے پناہ مظاہرے کئے۔ ان دنوں حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ جلالپور شریف میں اپنے روحانی فیوض سے ہر ایک کو مالا مال فرما رہے تھے۔ گوشہ نشینی کے باوجود مسلمانوں کے سیاسی حالات سے آپ کو دلچسپی تھی۔ اس لئے بنگال اور آسام کے مسلمانوں سے آپ کو وہی سہمدی تھی اور آپ ان کے لئے دست بدعا رہتے تھے۔ ہندوؤں کے اس تعصب کو محسوس کر کے مسلمانوں نے ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ جمع ہو کر آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ اور پھر اس قومی انجمن نے مسلمانوں کی تنظیم اور ان کے حقوق محفوظ کرنے کے فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے۔ اور وقت آنے پر مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے لئے انتخابی اداروں میں جداگانہ انتخاب کا حق منظور کیا جائے۔

کانگریس اور مسلم لیگ نے کئی بار ایک دوسرے کے قریب تر ہو کے تعان اور یک جہتی کی راہ بھی اختیار کی چنانچہ اس کا سب سے بڑا عظیم الشان مظاہرہ ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ کانگریس اور لیگ دونوں کے اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے جس میں مشترکہ طور پر آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس اشتراک کی دستاویز میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے متفقہ

میثاق لکھنؤ

مطالبات کے زیر نظر حکومت انگلستان نے ۱۹۱۹ء میں آئین حکومت ہند نافذ کیا۔ جس کی رو سے کم اہمیت رکھنے والے ملکی معاملات ہندوستانی وزراء کے سپرد کر دیے گئے۔ لیکن اہل ہند ان اختیارات سے مطمئن نہ ہوئے اور سیاسی جدوجہد جاری رہی۔ ۱۹۲۶ء میں جماعت حزب اللہ قائم ہوئی اور اس نے بھی مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی اصلاح کے ساتھ ساتھ بہت جلد سیاسی آزادی کے لئے مساعی کا آغاز کر دیا۔ اور جیسا کہ پیشتر ازیں واضح کیا جا چکا ہے اس جماعت نے ہر موقع پر مسلمانوں کے مطالبات بڑے موثر اور پُر زور طریقے پر پیش کئے۔ ۱۹۲۶ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے سائمن کمیشن بھیجا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان جا کر آئین حکومت ہند کے ذریعے نافذ شدہ اصلاحات کا جائزہ لے مگر اس کا بالعموم ہر جگہ بائیکاٹ ہوا۔ اس لئے حکومت برطانیہ نے تین بار لندن میں گول میز کانفرنس کا انتظام کیا تاکہ اقوام ہند کا نقطہ نگاہ معلوم کیا جا سکے۔ دوسری گول میز کانفرنس حضرت امیر حزب اللہ کے براہ صغر والا جاہ نواب سر محمد شہ صاحب ^{شاہ} بھی مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ آپ اس سے پہلے سابقہ سیاسی اصلاحات کے ماتحت کونسل آف سیٹس کے ممبر رہ چکے تھے آپ نے مسلمانوں کی نمائندگی کے فرائض بڑے حسن و خوبی سے انجام دیے۔ فرقہ وارانہ نیابت کے سلسلہ میں حضرت امیر حزب اللہ نے جس جرات و ہمت کا اظہار کیا تھا۔ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ہندوستانیوں کی اس تمام سیاسی جدوجہد کا نتیجہ ۱۹۳۵ء کے قانون حکومت ہند کی صورت میں نکلا تھا جس کی بنا پر ۱۹۳۶ء میں تمام صوبوں میں وزارتیں قائم ہوئی تھیں اور صوبہ بھارتی خود مختاری کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اس دور کے شروع ہونے پر انتخابات کے وقت اور وزارت سازی کے بعد مسلمانوں کی بہبودی کے لئے جماعت حزب اللہ نے جو کچھ کیا اس کا ذکر

بھی ہم کر چکے ہیں۔ اب ہم ہندوستان کی دیگر حریت پسند جماعتوں سے قطع نظر اپنی مبارک جماعت حزب اللہ کو مرکز تو جہات بنا کر ان حالات اور واقعات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو انجام کار پاکستان کی تخلیق کا موجب بنے۔

صوبہ جاتی خود مختاری شروع ہونے پر ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سات میں کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں۔ ہندو مدت سے رام راجیہ کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اور یہ خواب صرف عام ہندوؤں تک محدود نہ تھا بلکہ جیسا

کہ خود جو اہل نعل نہرو کی تصنیف دریافت ہند میں بوضاحت بیان کیا گیا ہے اہل اراٹے ہندو بھی ہندوستان کو ان معنوں میں آزاد دیکھنا چاہتے تھے کہ ایشیا میں اقتدار کا مرکز ہی بنے، بحر ہند کی وسعتوں میں ہندوؤں کے

بحری جہاز رندنا تے پھریں اور ایران و افغانستان اور برہما و سیام وغیرہ یا تو ختم ہو جائیں۔ یا ہندوستان کے حاشیہ بردار بن کر رہ جائیں۔ ہندوؤں کے تصور آزادی میں مسلمانوں یا کمزور ہمسایہ ممالک کے لئے کوئی گنجائش نہ

تھی۔ لہذا سات صوبوں میں جب ان کی وزارتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے سمجھ لیا کہ کم از کم جزوی طور پر "رام راجیہ" حاصل ہو چکا ہے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ ان کے دینی معاملات میں مداخلت

کی۔ اور منظم طریقے پر ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ بہار کے فسادات ان کے خُبث باطنی کا بدیہی ثبوت ہیں۔ ذمہ دار کانگریسیوں کو جس چیر بگری طرح بے نقاب کیا وہ وزارت سازی میں ان کی تنگ نظری تھی۔ اریسہ میں کانگریسیوں نے مسلم ارکان اسمبلی کو ترتیب وزارت اور تقسیم عہدہ جات کے وقت محض

اس لئے نظر انداز کیا کہ ان میں کوئی بھی کانگریسی خیالات رکھنے والا نہیں تھا۔ حالانکہ پنجاب میں سر کنڈر جیات خان نے اپنی پارٹی سے باہر کے ارکان

سوکال جوتھاری

رام راجیہ کا خواب

میں سے بھی دو تین وزیر چن کر رواداری اور حسن معاملہ کا ثبوت دیا تھا۔ ان حالات اور واقعات نے تمام ہندو قوم کی ذمہ داری کو پوری طرح آشکارا کر دیا۔ اور مسلمان اپنے تحفظ کے لئے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگ گئے اور کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان تصادم اور تقابل میں شدت پیدا ہو گئی۔

حضرت امیر حزب اللہ نے اس موقع پر اپنے خطبات کے ذریعے کانگریس کو تلقین کی کہ اسے عملی طور پر بلند نظری اور وسیع النجیالی کا ثبوت دینا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ جہاں تک خواہش آزادی کا تعلق ہے ہم کانگریس سے اشتراک عمل کے لئے تیار ہیں اور ہماری دلی تمنا ہے کہ اپنی زندگی میں دیکھیں کہ ہندوستان کی سرزمین اغیار کی دست برد سے محفوظ ہو کر حقیقی معنوں میں آزاد ہو چکی ہے لیکن مسلمانوں کا اتحاد عمل کانگریس کی طرف سے صلح اور آشتی کا ہاتھ بڑھانے بغیر ناممکن ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ ہندوؤں کا مسلمانوں سے جو سلوک ہو رہا ہے اسے آپ بنظر استہسان نہیں دیکھتے۔ آپ نے غیر ذمہ دار اخبارات اور خود ساختہ لیڈروں کو بھی متنبہ کیا کہ وہ اشتعال انگیزی سے پرہیز کریں۔ اور فرقہ وارانہ جذبات کو نہ بھڑکائیں۔ مبادا حصول آزادی کا مقصد عزیز تعویق میں پڑ جائے۔ اس انتہا کے باوجود حضرت امیر حزب اللہ کانگریس کے جذبہ حب الوطنی کو نگاہ تحسین سے دیکھتے تھے۔ اور ان کی خدمات اور قربانیوں کی قدر کرتے تھے۔ مسلم لیگ کے متعلق شروع میں آپ کے دل میں کوئی زیادہ حسرتیں موجود نہیں تھیں۔ لیکن ۱۹۳۳ء کے بعد اس کی نشاۃ ثانیہ سے آپ خاصے متاثر ہوئے اور آپ نے اس جماعت کو یقین دلایا کہ اگر اس کے پیش نظر صحیح معنوں میں ملکی آزادی اور حریت کاملہ کا نصب العین ہو۔ اور اس نے عملاً ثابت کر دکھایا تو حزب کی جماعت اس کے ساتھ اشتراک عمل

کرے گی۔ ہندوؤں کو آپ مسلم کش سمجھتے تھے۔ مسلم لیگ کے متعلق آپ کا خیال تھا کہ رجعت پسندوں کی جماعت ہے۔ تاہم حالات جس سرعت سے تبدیل ہو رہے تھے۔ آپ ان کا بنظر غائر مطالعہ فرما رہے تھے۔ حزب اللہ کا مقصد وحید آزادی ملک کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی فوقیت برقرار رکھنا تھا۔ اس لئے اس جماعت نے نہ تو کانگریس کے ساتھ الحاق کیا۔ اور نہ ہی مسلم لیگ میں مدغم ہوئی۔ البتہ حصول آزادی کے لئے دونوں کے ساتھ تعاون کی خاطر آزادی کا اظہار کر دیا۔ بشرطیکہ دونوں سیاسی جماعتیں اپنے اپنے تقاضوں کو دور کریں۔ جہاں تک عامۃ المسلمین کا تعلق ہے آپ نے انہیں غیر مبہم الفاظ میں فرمایا کہ موجودہ سیاسی بحران میں کانگریس میں جذب ہونے کی بجائے اپنی ہستی کو علیحدہ رہ کر برقرار رکھیں۔ اور انگریزوں کی غلامی سے نکل کر کسی دوسرے شخص یا جماعت کی غلامی قبول نہ کریں۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد آباد میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا تھا جس کی صدارت علامہ اقبال مرحوم نے فرمائی تھی۔ فرقہ وارانہ نزاعات کے زیر نظر منکر اسلام نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مسلمانوں کو اس برصغیر میں علیحدہ آزاد حکومت کے قیام کا حق دیا جائے۔ اور وہ اس طرح کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر مسلمانوں کے لئے ایک الگ سلطنت بنا دی جائے۔ اگرچہ یہ تجویز بڑی معقول تھی۔ لیکن قوم ابھی پیش بین نہیں بنی تھی۔ اسے درخور اعتناء نہ سمجھا گیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ لائپور کے ایک پُر جوش محبت ملت مسلمان

پاکستان کا تصور

۱۹۳۰ء میں حضور کی سنہ ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء کے خطباتِ صدارت کا مطالعہ کیا جائے۔ سنہ ۱۹۳۰ء

میں قرار داد پاکستان پاس ہوئی۔ یہ سال بہاری تہذیب آزادی میں نہایت اہم ہے۔ اس لئے اس

پہلے اور بعد کے حالات کا جائزہ علیحدہ علیحدہ لینا چاہیے۔

چوہدری رحمت علی نے غصب کی دویہ یعنی کا اظہار کیا۔ انگلستان میں رہتے ہوئے
 مرحوم نے ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد اسلامی ریاست کے نقشے تیار کئے
 اس میں کشمیر کو شامل کر کے اس کا نام "پاکستان" رکھا۔ اور پھر برطانی
 محنت اور جانفشانی سے مدلل پریس میں برطانوی پریس میں مستقبل کی اس
 آزاد مملکت کے متعلق پرچار شروع کر دیا۔ برطانوی پریس اور پارلیمنٹ میں
 چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور ہندوؤں نے نام سنتے ہی پر زور مخالفت
 کا آغاز کر دیا۔ مسلم لیگ بدستور خواص کی جماعت تھی۔ عوام کو اس سے کوئی دلچسپی
 نہیں تھی۔ علامہ اقبال مرحوم نے محمد علی جناح پر زور دیا کہ یہ جماعت صرف
 اسی طرح عوامی بن سکتی ہے جب آپ ایسا مخلص اور باہمت انسان اس کا
 قائد بنے۔ ۱۹۳۵ء کے قانون حکومت ہند نے مسلمانوں کو چونکا دیا تھا۔ کیونکہ
 اگر اس قانون کے مطابق ہندوستان میں وفاقی طرز حکومت کا نفاذ ہو جاتا
 تو ہندو اپنی اکثریت کی بنا پر مرکزی حکومت پر اس طرح چھا جاتے کہ مسلمانوں
 کے لئے ہندوستان میں سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا۔ اس لئے جناح مرحوم
 نے علامہ مغفور کے کہنے پر مسلم لیگ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور ۱۹۴۶ء
 کے اجلاس لکھنؤ میں مسلمانوں کو خود اعتمادی کا ایسا حیات بخش پیغام دیا کہ
 مسلم لیگ آن واحد میں عوامی جماعت بن گئی۔ اور عامۃ المسلمین نے
 انہیں "قائد اعظم" کا خطاب دیا۔

۱۔ پاکستان کا تصور چوہدری رحمت علی اور علامہ اقبال سے پہلے بھی موجود تھا۔ سر سید احمد خان
 قیوں ڈور مولین، مولانا محمد علی جوہر، بھائی پرمانند، لالہ لاجپت رائے، مرتضیٰ احمد خان
 سیکش اور سر آغا خان نے اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف الفاظ میں اس تصور کو پیش کرتے رہے
 لیا تھا۔ پاکستان کا لفظ اختراع کرنے کے لئے چوہدری رحمت علی نے پنجاب، افغانستان (صوبہ پشاور)
 کشمیر، سندھ، اور تان بھوستان سے لیا۔

نہایت اعلیٰ قدر

حالات میں اس انقلاب کو دیکھ کر کانگریس مہموت ہو گئی۔ اور مسلمانوں میں
افتراق پیدا کرنے کے لئے اپنے سازشی ذہن کو بڑی مکاری کے ساتھ مصروف
کار کر دیا۔ کانگریس کی پرمغز تمسیریں کارگر ہوئیں۔ اور بعض مقتدر مسلمان مثلاً
ابوالکلام آزاد، مولینا حسین احمد مدنی، خان عبدالغفار خان، رفیع احمد
قدوائی وغیرہ مستقل طور پر ہندوؤں کی سیاسی جماعت سے وابستہ ہو گئے
اس کے باوجود قائد اعظم کے مدبر نے کاروان اسلام کی رفتار میں فرق نہ آنے
دیا۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس منٹو پارک لاہور میں منعقد ہوا
جس میں قرارداد لاہور پاس ہوئی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ چونکہ مسلمان ایک
الگ اور مستقل قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے برصغیر ہند میں ایک
الگ اسلامی ریاست کا قیام از بس ضروری ہے۔ یہ قرارداد بعد میں
قرارداد پاکستان کے نام سے موسوم ہوئی۔ ہندو قوم اس کی وجہ
سخت مشتعل ہوئی اور تحریر اور تقریر سے ایسی مخالفت اور معاندت کا آغاز
کیا جس کی توقع دنیا میں صرف ہندو ذہنیت سے ہو سکتی ہے۔

اس مخالفت میں محض ہما سبھائی ہندو شامل نہیں تھے۔ بلکہ خود
تمانا گاندھی جو ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے داعی تھے پیش پیش تھے۔
ہما تاجی ہندوستانیوں کی متحدہ قومیت کا راگ الاپتے تھے۔ اور اس طرح
دس کروڑ مسلمانان ہند کو ہندو اکثریت کا غلام بنا دینا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کو
علیحدہ مملکت کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ بھارت ماتا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے
کے لئے وہ آمادہ نہیں۔ نہ ہی وہ قائد اعظم کے ساتھ کسی ایسے سمجھوتے کے لئے
آمادہ ہوتے تھے۔ جو من حیث القوم مسلمانوں کے خدشات کو دور کر دینے
انہیں اپنی اکثریت پر ناز تھا۔ اچھوت اقوام اور سکھوں کو انہوں نے اپنے

ہندو قومیت

ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اور الْکُفْرُ مِلَّتٌ وَاحِدَةٌ کے مطابق وہ کانگریس کے
 ہمنوا بن چکے تھے۔ سکھوں نے پاکستان کے مقابلہ میں سکھستان کا شوشہ
 چھوڑ دیا تھا۔ اور سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے شمشیر برہنہ ہاتھ میں گھبرا کر کہا تھا
 کہ پاکستان سکھوں کی لاشوں پر بنے گا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جہاں تمام غیر مسلم
 آپس میں متحد تھے۔ مسلمان رہنماؤں میں اتحاد کا فقدان تھا۔ مندرجہ بالا مسلم
 اکارہ کے علاوہ قائد کشمیر شیخ محمد عبداللہ بھی ان دنوں کانگریس کے آغوش میں
 تھے۔ اور جواہر لعل نہرو کے بہت بڑے معتمد اور گہرے دوست شمار ہوتے تھے

پنجاب میں صورت حالات عجیب تھی۔ سر سکندر حیات خان اگرچہ اپنے
 کابینہ کے مسلم وزراء کے ساتھ مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ اور سکندر
 جناح "پیکٹ" کے نام سے قائد اعظم کے ساتھ ایک عہد نامہ بھی طے کیا
 تھا۔ مگر وہ صوبہ میں مسلم اور غیر مسلم زمینداروں پر مشتمل یونینسٹ وزارت
 قائم رکھنے پر مہر تھے۔ حرکت قلب بند ہونے سے وہ اچانک وفات پا
 گئے۔ اور ان کی جگہ خضر حیات خان ٹوانہ وزیر اعظم بنے۔ اپنی دیرینہ خاندانی
 روایات کی بنا پر وہ ذرا بہت زیادہ انگریز پرست تھے۔ انہوں نے جاگیر دارانہ
 نظام کے سائے میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے وہ عوامی تحریکوں کی حقیقت
 اور نوعیت سے آشنا نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا خمیر فطرت بالکل الگ قسم
 کا تھا۔ اسلامیان ہند کے مطالبات کے ساتھ ان کے دل میں کوئی جدوجہد
 پیدا نہ ہوئی۔ اور جہاں سردار سکندر حیات خان ہندو اور سکھ وزراء کو اپنے
 تدبیر سے کام لے کر عامۃ المسلمین کے مفاد کے لئے استعمال کر رہے تھے۔
 وہاں خضر حیات خان بالکل سکھوں کے آلہ کار بن گئے۔ اور ہر ممکن طریقہ
 سے مسلم لیگ کو ناکام کرنا چاہا۔ پنجاب کے مسلم اخبارات البتہ مسلم لیگ

کی پوری طرح ہمنوائی کر رہے تھے۔ اور پنجاب کے بعض زندہ دل مسلمان مسلم لیگ میں شامل ہو کر اپنا سب کچھ مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر چکے تھے۔ ان میں حضرت امیر حزب اللہ کے ماموں راجہ غضنفر علی خان اس لئے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی سیاسی زندگی کے آغاز سے مسٹر محمد علی جناح سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور اب جب مسلم لیگ کے مستقل صدر بن کر وہ قائد اعظم کہلانے لگے تھے تو راجہ صاحب نے پھر دل و جان سے تعاون کیا۔ اور ہر طرف مسلم لیگی رہنماؤں کے ساتھ دورے کر کے اپنی آتش بیانی کا وہ مظاہرہ کیا کہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

قرار داد لاہور پاس ہونے کے بعد قائد اعظم کی طرح حضرت امیر حزب اللہ کا نقطہ نگاہ کچھ عرصہ کے لئے یہ رہا کہ ممکن ہے کانگریس کے ساتھ کوئی معقول اور آبرو مندانہ مفاہمت ہو جائے۔ اور تقسیم ملک کی نوبت نہ آئے۔ آپ ہندو رہنماؤں سے وسیع انجیالی کی توقع رکھتے تھے۔ اور آپ کا خیال تھا کہ کوئی ایسی سبیل نکل آئے جس سے مسلمانوں کی زبان، ان کی تہذیب ثقافت اور ان کے مذہب کا تحفظ ہو جائے۔ مگر ہندو تو ایسا سوراخ چاہتے تھے جو دراصل ہندو راج کا مرادف ہو۔ بنا بریں آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں نے اگر اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لئے پاکستان کا نظریہ پیش کر دیا ہے تو وہ قطعاً مورد الزام نہیں۔ مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اکثریت کی بدسلوکی اور خود غرضی سے بدظن ہو کر ان کا کوئی نظریہ قائم کر لینا اس کا منطقی نتیجہ ہے۔ ہندو اگر پاکستان کا نعم البدل پیش کر سکتے ہیں تو مسلمانوں کو مطمئن کریں۔ مسلمان محض دھمکیوں اور اکثریت کے رعے سے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مسٹر تارا سنگھ کے اشتعال انگیز لب و لہجہ کا جواب حضرت امیر حزب اللہ

امیر حزب اللہ
پتت

نے یہ دیا کہ مسلمان ہمیشہ دائرہ تہذیب کے اندر رہ کر گفتگو کرتا ہے۔ لیکن مارٹر صاحب کو یاد رکھنا چاہئے۔ مسلمان کمزور نہیں۔ وہ اپنے جائز حقوق کی نگہداشت کریں گے۔ کسی کے حقوق وہ چھیننا نہیں چاہتے۔ اور اپنے غضب نہیں ہونے دیں گے۔

۱۹۴۲ء میں حکومت برطانیہ نے سرکرپس کو ہندوستان میں کچھ تجاویز دے کر بھیجا تا کہ ہندوستانیوں کا نقطہ نگاہ معلوم کیا جائے۔ لیکن مسلمانوں کے مطالبات کے مسئلے پر کانگریس کوئی معقول اور اطمینان بخش رویہ اختیار نہ کر سکی۔ حضرت امیر حزب اللہ نے جب اس موقع پر کانگریس کی میٹ و صہرمی کو اچھی طرح دیکھ لیا تو آپ ہندوؤں کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہو گئے۔ قائد اعظم کی زبردست قوت ارادی اور حسن تدبیر کے آپ قائل تھے۔ اس لئے حزب اللہ کے پندرہویں سالانہ اجلاس میں جو ۱۹۴۲ء میں منعقد ہوا آپ نے انہیں

یقین دلا دیا :-

حزب اللہ کی جماعت باوجودیکہ وہ تاحال مسلم لیگ میں منسلک یا غم نہیں ہوئی اور نہ ہی ہم اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ لیکن پاکستان کے معقول ترین مطالبہ میں وہ مسلم لیگ کے ساتھ اشتراک عمل کیے گی۔ اور اس کے حصول کی خاطر مسلم لیگ کے جو اقدامات ہوں گے انہیں حزب اللہ کی جماعتی تائید حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔“

حضور کی اس یقین دہانی سے مسلم لیگ کو شمالی ہند کی سب سے بڑی اسلامی جماعت کی تائید حاصل ہو گئی۔ ایک ایسی جماعت جو سالہا سال سے بڑی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ ایک آزاد اسلامی مملکت کے لئے کوشاں تھی اور جو اس علاقہ کے بالخصوص دیہاتی مسلمانوں کو مسلسل درسِ حریت دے

یہی تھی جس نے بعد میں مغربی پاکستان کہلانا تھا۔ یعنی حضور کی مجاہدانہ مساعی کی بدولت یہ علاقہ ذہنی اور قلبی طور پر اس عظیم الفت سلاب کے لئے پہلے سے تیار تھا۔

حضور کے اس تاریخی اعلان کے بعد حزب اللہ کے سالانہ دورے محض حصول پاکستان کے لئے وقف ہو گئے۔ آپ نے آغاز کار سے جو خواب دیکھا تھا وہ اب شرمندہ تعبیر ہونے والا تھا۔ ۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی کے بعد جن مجاہدین نے ملت اسلامیہ کی صلاح و بہبود، غلامی سے نجات اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مخلصانہ طور پر مہتمم بالشان کارنامے انجام دیئے ہیں اور اپنے فرائض کو نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے نباہتے حضرت امیر حزب اللہ انہی کی صف اول میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ حضرت امیر کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی آرام و آسائش، نام و نمود اور بہبود و منفعت سے بالکل بے نیاز ہو کر اسی مقصد عزیز کے لئے اپنے سارے انفاس زندگی گزارے ہیں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں اس کی خاطر کھلے دل سے تیار کر دی ہیں۔ اور بالخصوص مشائخ طریقت میں تو آپ کو یقیناً "السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ" کا درجہ حاصل ہے۔ آپ نے فقر خالقہ کو فقر شبیری کا درجہ عطا کیا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے مخالفت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ہاں سبھیوں اور کانگریسیوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ ہندوؤں کے یہ دونوں طبقے مسلمانوں کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ہاں سبھیوں میں سے ڈاکٹر مونجے اور شیاما پرشاد کرجمی کی متعصبانہ ذہنیت اور خفیف الحاکمتی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان کے دورے ناسک سے لے کر لائل پور تک ملک

حضرت امیر کا خواب
شرمندہ تعبیر ہونے
والا تھا۔

وہی مجاہد تھے
جو اللہ کے لئے
میتے رہے

کے ہر حصے میں جو رہے تھے۔ ڈاکٹر مونجے نے کہا۔ ہندوستان میں جو مسلمان آباد ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کے آباؤ اجداد ہندو تھے اور جو کسی ترغیب و تحریر سے مسلمان ہو گئے۔ دوسرے وہ جو کہ باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر مذکور نے کہا کہ نو مسلم اقوام کو شدھی کر کے ہم اپنے ساتھ لائیں گے۔ اور باہر سے آنے والے مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر کے اپنے آبائی وطن چلے جانے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ یہاں رہنے پر مضبوطی تو انہیں ہندوؤں کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ جہاں سبھائی ہندو مسلمانوں کو پاکستان کا جو نعم البدل پیش کر رہے تھے۔ وہ آپ کو معلوم ہو گیا۔ کانگریس کہتی تھی جن صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہ تو ویسے ہوئی اور جہاں نہیں اور مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں مسلمان گاندھی جی کے چیلے بن کر متحد قومیت پر ایمان لے آئیں اور عملاً ہندوؤں اور سکھوں کے تابع ہو جائیں۔ صاف ظاہر ہے ہندو اس بات پر آمادہ نہیں تھے کہ مسلمان اپنی اکثریت والے صوبوں میں تنازع آبادی کے لحاظ سے حقوق لے سکیں اور مرکز میں کسی علیحدہ مجلس کے ذریعے اپنی حفاظت کر سکیں۔ اس موقع پر کانگریس نے ایک اور عجیب چال چل کر انگریزوں اور باقی اہل عالم کو دھوکہ دینا چاہا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو کانگریس کا صدر بنا دیا گیا۔ اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ جس جماعت کے صدر ایک مسلمان ہیں وہ محض ہندوؤں کی جماعت کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے کانگریس ہی ہندوستان کی تمام اقوام کی نمائندہ ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

ان مخدوش حالات نے حضرت امیر حزب اللہ کے عزائم میں دوچند اضافہ کر دیا۔ آپ کی طبیعت میں جوش و خروش بیدار ہو گیا۔ آپ کی تقاریر

اور بھی زیادہ ولولہ آفریں اور جوش پرورد بن گئیں۔ تمام موافعات سے بالکل بے نیاز ہو کر آپ کے دورے عام اور بدرجہا زیادہ ہنگامہ خیز ہو گئے۔ آپ کی قوتِ سماعت ہندوؤں اور سکھوں کی ایک ایک بات پر مرکوز تھی۔ آپ ان کی سیاسی چالوں کو بنظر غائر و بیکھ رہے تھے۔ وقت کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ کر آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کی۔ ڈاکٹر مونجے کو آپ نے جواب دیا کہ نہ تو نو مسلم ترک مذہب پر آمادہ ہوں گے۔ اور نہ ہی نو وارد مسلم اقوام ترک وطن اور ہجرت پر آمادہ۔ اور اگر ہندوستان پر حکومت کرنے کا حق صرف ان اقوام کو ہے جو شروع ہی سے یہاں آباد چلی آتی ہیں تو مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کو بھی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ ان کے آباؤ اجداد بھی وسط ایشیا سے آئے تھے۔ اور ہندوستان اس کے اصل باشندوں یعنی اچھوت اقوام چوہڑوں، چماروں، باتیگروں، گونڈ اور بھیلوں کے حوالے کر دین چاہیے۔ کانگریس کو آپ نے جواب دیا کہ مسلمان اپنی تعداد کے مطابق حقوق لے کر رہیں گے۔ ہم اتنے بے غیرت اور بے حمیت نہیں کہ اپنے قتل کے فتوے پر خود دستخط کر دیں۔ آپ نے ہندوؤں کو یقین دلایا کہ ہندوستان میں ملکیت بنے گا اور ضرور بنے گا۔ حکومت برطانیہ مجبور ہوگی کہ پاکستان کی تصدیق کرے اور بالآخر ہندو خود مجبور ہوں گے کہ اسے منظور کر لیں۔ اور مسلمان جب تک زندہ رہیں اور دس کروڑ نفوس میں سے ایک فرد واحد بھی باقی رہے وہ انگریز کی غلامی سے نکل کر ہندو کی غلامی بہ گریز قبول نہیں کرے گا۔ آپ نے قائد اعظم پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ اور بار بار اپنے خطبات اور دوروں کی تقاریر میں فرمایا کہ پاکستان کے مسئلہ میں ہم غیر مشروط طور پر ان کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ حزب اللہ کی جماعت نہ صرف پاکستان کے مطالبہ کی

جماعت ہندوستان
کا ایک ہی
مطلب ہے

زبردست حمایت کرے گی۔ بلکہ اس کے حصول کی خاطر جو قربانی دینی پڑے گی اس سے دریغ نہیں ہوگا۔ آپ کے ان مجاہدانہ ولولہ انگیز اعلانات نے پشاور کراچی، لاہور اور سرینگر کے درمیان مسلمانوں کے دلوں میں جو جوش و خروش پیدا کیا ہوگا اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

یہ سب کچھ جنگ عالمگیر دوم کے دوران میں ہو رہا تھا۔ یعنی پاکستان کی جنگ بھی اسی دوران میں لڑی جا رہی تھی۔ جنگ عالمگیر کے خاتمہ پر نئی سیاسی اصلاحات کی ترویج مستلزم تھی۔ سان فرانسسکو میں ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کا مقصد ہندوستان کے سیاسی مطالبات پر غور کرنا تھا۔ حکومت برطانیہ زیادہ دیر تک کانگریس کے مطالبہ آزادی کو ٹھکرا نہیں سکتی تھی۔ جنگ نے بے شمار ایسے مسائل پیدا کر دیئے تھے جنہوں نے انگریزوں کو سخت پریشان کر دیا تھا۔ ان حالات کی بنا پر مسلمانوں کے حقوق منوانا اشد ضروری تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ نے اپنی طرف سے یہ فریضہ بڑی عمدگی سے انجام دیا۔ ۱۸-۱۹ مئی ۱۹۴۵ء کو جلالپور شریف میں حزب اللہ کا سالانہ اجتماع ہوا۔ آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں حکومت برطانیہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تناسب آبادی اور جنگی خدمات کے لحاظ سے مسلمانوں کے حقوق استقدر ہیں کہ وہ سیاسی مراعات میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ لیکن:

”جب تک پاکستان کے نظریہ کے مطابق مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ ہو ایہ مزعومہ آزادی مسلمانوں کے لئے بالکل غلامی کے مرادف ہوگی۔“

آپ نے حکومت پر واضح کر دیا کہ ہم اس حد تک تو کانگریس کے ساتھ ہیں کہ ہندوستان کو آزادی ملنی چاہئے اور ضرور ملنی چاہئے۔ لیکن یہ بات کبھی بڑا

۱۰ مشہور صحیح قرآن مجید میں اس جعفری اپنی کتاب قائد اعظم اندان کا لہجہ کے لہجہ ۵۱۳ پر یہ عنوان ”تبدیل فیصل شاہ کا اعلان“ نظر آئے

نہیں کرتے کہ انگریز سے آزاد ہو کر مسلمان ہندو کا غلام بن جائے۔ ہمارا
 صہنی برانصاف مطالبہ یہ ہے کہ ہندو اپنی جگہ آزاد ہو اور
 مسلمان اپنی جگہ۔ اور پھر دو آزاد قوموں کے اشتراک کے ساتھ حکومت
 کا کام چلایا جائے۔

مرکزی حکومت میں دو آزاد قوموں کا اشتراک ایسا نظریہ تھا جو خود
 قائد اعظم کے ذہن میں تقسیم ملک سے پہلے کافی عرصہ تک رہا۔ اگر اس پر اتفاق
 ہو جاتا تو بڑے صغیر کی تازخ بڑے خوش آئند طریقہ سے مرتب ہوتی۔ یہ کوئی نیا
 تجربہ بھی نہیں تھا۔ جرمنی اور لبنان میں مختلف ریاستوں کے اجتماع سے ملکی
 نظم و نسق قائم رکھنے کی مثالیں موجود تھیں۔ لیکن جس طرح کہ ہندوؤں کی تنگ
 نظری نے محمد علی جوہر اور محمد علی جناح جیسے حریت پسند مسلمانوں کو ہولے ہولے
 ان سے بدول کر دیا تھا اور وہ کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے
 تھے۔ اسی طرح ان کی ہٹ و ہرمی، متعصبانہ ذہنیت اور فرقہ وارانہ طبیعت
 نے باقی مسلمانوں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ ہندوؤں سے بالکل علیحدگی اختیار کر لیں
 اس میں کوئی شک نہیں کہ علیحدگی کے وقت اور اس کے بعد بھی ہندوؤں نے
 اپنی اس فطرت کا نہایت ہی گھٹیا مظاہرہ کیا۔ لیکن یہ بات ضروری ہو گئی کہ تقسیم
 ملک سے اس قوم کی ابدی غلامی سے مسلمانوں نے نجات حاصل کر لی۔ اس
 وقت دو آزاد قوموں کے اشتراک کا نظریہ ہندوؤں نے قبول نہ کیا ورنہ
 آج حدود ہند میں تمام اقوام بڑے سکون اور اطمینان سے آزادی کی فضا
 میں سانس لیتیں اور دونوں ملک ان المناک مشکلات سے دوچار نہ ہوتے جو
 اب عرصہ دراز تک ان کے لئے جان لیوا بنی رہیں گی۔ ابوالکلام کی اپنی تصنیف
 آزادی ہند اس بات کی تصریح کرتی ہے کہ کانگریسیوں کی اپنی غلط روش

تقسیم ملک کا موجب بنی۔ ۱۰

بہر حال ابھی ۱۹۴۵ء کے ایام تھے حضرت امیر حزب اللہ نے حکومت
برطانیہ کو یقین دلایا کہ کانگریس کے خیال کے مطابق اگھنڈ ہندوستان مسلمانوں
کے لئے بالکل ناقابل قبول ہے۔ لیکن جیسا کہ ہندوؤں کے ساتھ صد ہا سال
تک مل کر رہتے ہوئے مسلمانوں کو اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے۔ اور ہولے ہولے
دنیا کی باقی اقوام کو بھی معلوم ہو جائے گا، یہ قوم بڑی حریف ہے، پیسے پیسے
پر جان دیتی ہے، دوسروں کے حقوق غصب کرنا شیر مادر کی طرح جائز سمجھتی ہے
زبردست کو دیوتا بنا لیتی ہے۔ خواہ وہ کالا تاگ ہی کیوں نہ ہو۔ اور کمزور کو شہود
بنا دالتی ہے خواہ وہ پاکیزہ فطرت انسان ہی کیوں نہ ہو، کوئی معاملہ کبھی کھلے
دل سے نہیں چکاتی بلکہ ہر آن نئی سے نئی جھتیں تراشتی رہتی ہے۔ اس موقع پر
بھی جوں جوں یقین ہوتا جا رہا تھا کہ انگریز اس برصغیر کو آزاد کرنا چاہتا ہے
مسلمانوں کو اپنے جائز حقوق سے محروم کرنے کے لئے ہندو نئے نئے خیلے
اور پہانے تراش رہے تھے۔ ان دنوں لارڈ ویول وائسرائے تھے۔ انہوں
نے ہندو مسلم رہنماؤں کو شملہ میں جمع ہونے کی دعوت دی تاکہ ان کے مشورے
مرکز میں نئی کابینہ کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔ لیکن کانگریس نے مسلم لیگ
کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اصرار کیا کہ وائسرائے
کی انتظامیہ مجلس میں کانگریسی مسلمانوں کو مسلم وزراء کے تناسب میں سے حصہ
ملے۔ بنا بریں شملہ کانفرنس ناکام رہی اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مسلمانوں کی
نمائندہ جماعت کونسی ہے انتخابات ضروری ہو گئے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ کا
مشورہ لینے کے لئے لارڈ ویول انگلستان گئے۔ اور واپسی پر انتخابات کا اعلان

کالا تاگ دیوتا
انسان شود

۱۰ یہ کتاب پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہندو، گاندھی اور دیگر کانگریسیوں کی المناک غلطیوں کو بار بار دیکھنے کے

کر دیا۔

ان انتخابات نے اسلامیان ہند کو ایک عظیم ابتلا میں ڈال دیا۔ کانگریس متحدہ قومیت کی علمبردار تھی اس کا دعویٰ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف مذہب کے باوجود اتحاد قومی موجود ہے، ہندوستان کی سرزمین نے ان کی قومیت کا فیصلہ کر دیا ہے بھارت کے باطنی ہونے کی وجہ سے وہ اس کے سپوت بن چکے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ان کے وطن نے ان کی ملت کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور جہاں تک قوم کا تعلق ہے مسلمان بھی ہندو یا بھارتی ہیں اگر مسلمان ہندو قومیت کو تسلیم کر لیتے تو وہ ہندو قوم کا ایک جز بن کر رہ جاتے ملت اسلامیہ سے ان کا تعلق کٹ جاتا۔ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کو مقدم نہ سمجھتے بلکہ بھارت ان کے لئے مقدم ہوتا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق ملت و قومیت کا دار و مدار محض کلمہ توحید پر ہے جس شخص نے لا الہ الا اللہ پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا وہ جس رنگ، نسل اور قوم کا ہو، جو زبان بولتا ہو اور جس ملک میں آباد ہو دنیا بھر کے مسلمانوں کا بھائی بن گیا۔ اور ایک ایسی برادری میں شامل ہو گیا جو عالمگیر ہے اور انسان انسان کے درمیان کسی امتیاز کی قائل نہیں۔ اس کے برخلاف گاندھی کی تعلیمات مسلمانوں کو ایک ایسی متحدہ قومیت میں منسلک کرنا چاہتی تھیں جو صرف ہندوستان تک محدود ہے۔ مختصر الفاظ میں ۱۹۴۵ء کے انتخابات مسلمانوں سے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آیا انہیں وہ خالص اسلام مطلوب ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے یا اس کا وہ تصور انہیں پسند ہے جس کی تخمیر گاندھی آشرم میں ہوئی ہے۔ اگر مسلمان گاندھی کی مہاتما نیت سے مسحور ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے بلکہ متعصب ہندو انہیں بھارت میں وہ مقام دیتے

۱۹۴۵ء کے
انتخابات

جو انہوں نے منوجی کی تعلیمات پر عمل کر کے شور و روں کو دیا ہوا ہے۔ تاہم شاہ
ہے کہ فطرتاً ہندو قوم مقتدر بن کر غیر اقوام کے ساتھ اس سے بہتر سلوک کرنا
جانتی ہی نہیں۔

بحمد اللہ اسلامیان ہند نے ان انتخابات کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیا
کیا مسلم لیگ نے پاکستان کی توضیح مندرجہ ذیل عام فہم شعر کے ذریعے کی تھی؟
پاکستان کا مطلب؟

پاکستان کا مطلب کیا؟
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

پاکستان کی حقیقت و نوعیت کے اظہار کے لئے اس سے بہتر الفاظ نہیں ہو سکتے
واقعی توحید پرست اور بت پرست ایک سلک میں نہیں پروئے جاسکتے اس
لئے تمام مسلمانوں نے مسلم لیگ کی آواز پر لبیک کہی۔ حضرت امیر حزب اللہ
شروع ہی سے یہی تعلیم دیتے چلے آئے تھے۔ اس تعلیم کی بنا پر اب ایک آزاد
مملکت کی داغ بیل ڈالنے کا وقت تھا۔ اس لئے حضور اس کام کو انجام
دینے کے لئے پوری طرح منہمک ہو گئے۔ شیخ ریاض الدین ریاض حشری
چکوال ضلع جہلم کے بڑے دیدہ و رشاعر ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں

نے ۱۹۴۵ء میں خواجہ شمس العارفین کے عوس مبارک پر جناب ابوالبرکات
سید محمد فضل شاہ صاحب امیر حزب اللہ کی زیارت سیال شریف میں کی
وہاں پاکستان کے موضوع پر تقریریں ہوئیں۔ حضور کی تقریریں معقول،
مدلل اور پُر جوش تھی۔ مجلس میں بھی حضور سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل
ہوا۔ اس وقت بھی آپ نے جو گفتگو فرمائی اس سے پتہ چلتا تھا کہ آپ
کے دل میں مسلمانوں کی آزاد مملکت کے لئے بے پناہ تڑپ موجود ہے۔
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دھن ہے جس کے ماتحت آپ سرگرم کار ہیں
شیخ صاحب موصوف بتاتے ہیں کہ حضور نے وہیں شیخ الاسلام حضرت

خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف کے ساتھ علاقہ سون
ضلع سرگودھا کے دورہ کا پروگرام مرتب فرمایا اور پھر اسے ایک خاص
جذبے کے ساتھ ختم کیا۔

موقع کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر حضرت امیر حزب اللہ نے اپنی طرف
سے ایک اعلان شائع فرمایا جسے اراکین حزب اللہ اور پیر بھائیوں میں خاص طور
پر تقسیم کیا گیا۔ یہ ۲۱ رزمی الحج ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو قلمبند ہوا تھا
اس میں ہندوؤں کی روش، مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان اور اسلامیان
ہند کے وقتی فریضہ کے متعلق بڑے متکین مدلل اور پُر زور الفاظ میں اظہار خیال
کیا گیا تھا اور حضور نے اپنے متوسلین کو فرمایا تھا کہ ووٹ اُس امیدوار
کو دیے جائیں جسے مسلم لیگ نے ٹکٹ دے کر کھڑا کیا ہو۔
یہ اعلان نہایت ہی اہم تاریخی دستاویز ہے۔ اس لئے اسے یہاں بحسنہ
نقل کیا جاتا ہے :-

”آزادی ملک استخلاص وطن کا قابل قدر جذبہ ہر ایک ہندوستانی
کے دل میں پیدا ہونا ایک فطرتی اور قدرتی خواہش کے عین مطابق
ہے۔ اور اگر ہندوستان کی ترقی پسند جماعتیں دوسری اقوام کی
طرح اپنے ملک کے اندر مکمل آزادی اور انگریز کے دست تغلب
و تصرف سے رہائی حاصل کرنے کا سوال ہے۔ کوئی بھی خود
عزت نفس رکھنے والا ہندوستانی اس کی مخالفت نہیں کر
سکتا اور اس معاملہ میں ہندوستان کے سر باشندے کو ہمدردی
ناگزیر ہے لیکن ہندو بھائیوں کی موجودہ تعصب آمیز وسنیت
اور ان کے فرقہ دارانہ خیالات و جذبات نے مسلمانوں کے

اس کی حیات
لئے مطبوعہ
اعلان

اندر جو بے اعتمادی اور بددلی پیدا کر دی ہے۔ اس سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی جبکہ انہیں صاف نظر آ رہا ہے کہ ہندو بھائی جہاں انگریز کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے وہاں ہندوستان کے اندر بسنے والی اقلیتوں کو وہ اپنا غلام بنانے کا خواہشمند ہے اور پاکستان جیسے معقول اور بلنی بر انصاف مطالبہ کے استرداد سے ہمارے براہِ ران وطن نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ سوراج کا مقصد حقیقتاً ہندو راج ہے جس کے اندر مسلمانوں کے تمدن، ان کی تہذیب، ان کی قومیت بلکہ ان کے مذہب کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور مسلمانوں کی اقلیت کو ہمیشہ کے لئے ہندو اکثریت کے رحم چھوڑ دیا جائیگا جس کا عملی ثبوت گزشتہ انتخاب کے بعد ان صوبجات میں جہاں کہ ہندوؤں نے اپنی حکومتیں قائم کیں اور مزید ثبوت وائسرائے صاحب کی انتظامیہ مجلس میں ارکان کے انتخاب کے مسئلہ پر جو کشمکش ہوئی ہے اور کانگریس والوں نے مسلمانوں کے جائز مطالبات کو جس طرح پاٹے استحقار سے ٹھکرایا ہے، مل چکا ہے۔“

مسلم لیگ نے اپنے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی زیر قیادت وائسرائے صاحب کے سامنے دو چیزیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور دوسری یہ کہ مسلمان پاکستان حاصل کئے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتے۔ کانگریس والے ان دونوں باتوں کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کے خیال میں

نہ ہی مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور نہ ہی مسلمان
پاکستان کے خواہاں ہیں۔ جناب صاحب نے حکومت کو چیلنج
کیا کہ وہ انتخابات کے ذریعے بحیث القوم مسلمانوں کے مطالبات
کا اندازہ لگالے۔ چنانچہ اب جو انتخابات ہونے والے ہیں ان میں
اگر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہو گئے۔ اور اسمبلیوں میں
مسلم لیگ نے اپنا اثر و اقتدار قائم کر لیا تو جہاں ایک طرف یہ ثابت
ہو جائے گا کہ مسلم لیگ کا ادعا غلطی نہ تھی اور وہاں پاکستان
کے مطالبہ کو بھی زبردست جماعتی تائید حاصل ہو جائے گی۔

مسلمان یہ چاہتا ہے کہ اسے مکمل آزادی نصیب ہو اور اس
پر کسی بھی قوم کا ناجائز تسلط باقی نہ رہے۔ پاکستان کا مقصد اپنے
جائز حقوق منوانا ہے۔ یہ کہ جن صوبجات میں مسلمانوں کی اکثریت
ہے وہاں حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہونی چاہئے اور
اور جہاں ہندو بھائی اکثریت میں ہیں وہاں ان کا نظم و نسق
ان کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر ایسے غیر مبہم اور واضح مطالبہ کی
مخالفت ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

بہر کیف اب ہندو بھائی بحیث الجماعت پاکستان کی
مخالفت پر کمر بستہ ہو چکے ہیں۔ کچھ بھائی بھی ان کے ساتھ
ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں کی کئی ایک جماعتیں بھی سوا و اعظم
اور عامۃ المسلمین سے الگ ہو کر مسلم لیگ کو نیچا دکھانے اور
پاکستان کے نظریہ کو باطل قرار دینے کی خاطر میدان عمل میں نکل
آئی ہیں۔ یہ فقیر سے پہلے مجلس احرار، جماعت خاکن

جُمُعِيَّةُ الْعُلَمَاءِ۔ و دیگر بزعم خویش ترقی پسند جماعتوں سے
 استدعا کرتا ہے کہ وہ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے
 مسلم لیگ کے ساتھ اشتراک عمل کریں تاکہ ہماری
 یہ فریق اور نا اتفاقی قوم کی ہلاکت اور بربادی کا باعث نہ بنے
 اور مسلمانوں کا مستقبل سیاسی اعتبار سے بالکل تباہ نہ ہو جائے
 ہندو بھائیوں کے اندر بیسیوں اختلافات موجود ہیں۔ مگر
 پھر بھی سوراہ یا آزادی ملک کے معاملہ میں وہ باہم متفق
 رائے اور متحد الخیال نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو کسی کی
 شخصیت پر کوئی اعتراض ہو یا کسی کا طریق کار نا پسندیدہ نظر
 آئے۔ مگر خدا را اتحاوا سلامی اور پاکستان کی تو آپ مخالفت نہ
 کریں اور اغیار کا آلہ کار بن کر ملت اسلامیہ کو نقصان نہ پہنچائیں
 ہاں اگر آپ کو مسلم لیگ کے نصب العین میں کوئی نقص نظر آتا ہے۔ یا
 پاکستان کے مطالبات قابل ترمیم ہیں تو پھر بجائے اس کے کہ باہر
 رہ کر اعتراض کرنے لگیں۔ آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ اس میں
 شامل ہو کر اس کے نقائص رفع کریں۔ تاکہ دنیا کو آپ کے خلوص
 عمل کا پتہ لگ سکے۔

ہماری حزب اللہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پنجاب
 کے اکثر اضلاع میں مقبولیت حاصل ہے۔ اور اگر یہ فقیر
 بعض دوسری اسلامی جماعتوں کی طرح چاہتا تو
 حزب اللہ کے ٹکٹ پر کافی امیدوار کھڑے کئے جاسکتے
 تھے۔ مگر اس میں وحدت اسلامی اور نظامِ ملت کو

ضعف پہنچنے کا احتمال تھا۔ دوسرے یہ فقیر شروع سے پاکستان
 کا حامی اور مسلم لیگ کے سیاسی مسلک کو پسندیدہ نگاہوں سے
 دیکھتا چلا آ رہا ہے۔ اندریں حالات یہ فقیر اعلان کرتا ہے
 کہ چونکہ حزب اللہ کا حقیقی نصب العین اور مطمح نظر حکومت الہیہ
 کا قیام ہے اور پاکستان بن جانے کی صورت میں اجرائے
 احکام خداوندی و ترویج قوانین شریعت کے لئے حالات سازگار
 ہونے کا قوی احتمال ہے۔ بناءً علیہ اپنے جماعتی نظام حزب اللہ
 کو بدستور سابق برقرار رکھتے ہوئے اور اپنے نصب العین حکومت الہیہ
 سے سرموجا وزنہ کرتے ہوئے آنے والے انتخابات میں ہماری
 جماعت کے تمام اراکین اور ہمارے مخلص برادران طریقت کو متحد
 طور پر نہ صرف اپنے اپنے حلقہ نیابت میں اس امیدوار کو
 ووٹ ہی دینے چاہئیں جسے مسلم لیگ نے ٹکٹ دے کر کھڑا کیا
 ہو۔ بلکہ اپنے حلقہ اثر میں اسے کامیاب بنانے کے لئے اپنی
 تمام کوششیں وقف کر دیں۔ تاکہ ہم دنیا کے سامنے یہ ثابت کر
 سکیں کہ مسلمانوں کے اندر ابھی تک اسلام کے عروج و ترقی
 اور مسلمانوں کی بہتری و برتری کے احساسات بدرجہ اتم موجود
 ہیں۔ پہلے انتخابات کی طرح احوال قومی تعلقات، رشتہ داریوں
 کے سوالات اور دھڑا بندیوں کے قصے سامنے نہیں آنے چاہئیں
 بلکہ صرف ایک سوال کو عامۃ المسلمین کے لئے جاذب توجہ بنا
 دیا جائے کہ کیا وہ ہندوستان میں انگریز کی غلامی سے آزاد ہو کر
 ہندو کی غلامی قبول کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ان کی اسلامی غیرت

اور مذہبی جمیئت اس کی روادار نہیں تو پھر وہ اپنے ووٹ مسلم لیگ کے امیدوار کو دے کر ایک طرف سے مسلم لیگ کی شان بڑھائیں اور دوسری طرف پاکستان کی تعمیر میں عملاً حصہ لیں۔ آپ کا ووٹ ایک قومی امانت ہے جسے آپ کو اس کے سپرد کرنا چاہیے جو کہ اس کی صحیح اہلیت رکھنے والا ہو اور مسلم لیگ پر چونکہ ہمیں اعتماد کامل ہو چکا ہے۔ اس لئے ووٹ اس امیدوار کو دینے چاہئیں جسے مسلم لیگ کی تائید حاصل ہو۔ ہمارے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ اپنی مسلمہ فرسٹ شناسی اور صحیح بخاری کے حساب اعتبار ہندوستان کے بالعموم اور پنجاب کے بالخصوص مشائخ عظام اور سجادہ نشین حضرات مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر چکے ہیں۔ اور انشاء اللہ ان کا یہ مبارک اتحاد اس کی کامیابی کا ضامن ہوگا۔

جب آپ کے رہنا ایک چیز کو پسند کر چکے ہیں۔ جب کہ لاخیر ایک چیز کو قبول کر رہا ہے۔ اور جب اسلامی سیاسی حالات اس کے مقتضی ہیں تو پھر آپ اپنا فرض پورا کرنے کی خاطر کمر بستہ ہو جائیں اور ہندوستان میں بسنے والی دوسری قوموں کے سامنے اپنی زندگی، اپنے اتحاد اور اپنی یکتہ ہستی کا وہ شاندار مظاہرہ کریں جسے دنیا والے کبھی نہ جھول سکیں۔

ایک حمایت ہی واضح اور غیر مبہم اعلان اور غیرت آمیز پیغام تھا۔ جسے مسلمانوں نے بڑی توجہ سے مستعمل پر عمل کیا۔ اس میں مسلم لیگ کو ایک کڑے معقول طریقہ سے حمایت کی گئی ہے۔ علامہ بریلوی نے اعلان ایک

منشور کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حزب اللہ کا منتہا ئے مقصود کیا تھا۔

اس اعلان کے بعد حضور نے اکتیس ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو جلالپور شریف میں پنجاب کے ایک ہزار بااثر اور سربر آوردہ حضرات کو جمع کیا جو صوبہ کے مختلف گوشوں سے آئے تھے۔ ان میں سے ۲۴ انتخابی حلقوں کے مسلم اکابر شامل تھے۔ ظاہر ہے نمائندہ قسم کا ایک عدیم النظیر اجتماع تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ نے مندرجہ بالا اعلان سر اجلاس پڑھ کر سنایا۔ تمام نے اس پر صا و کیا۔ اور عہد کیا کہ وہ اپنے اپنے انتخابی حلقوں میں مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب بنائیں گے۔ یہ تمام سربر آوردہ حضرات دلوں میں عجیب ایمان افروز اور مستحکم ارادے لیکر سارے پنجاب میں پھیل گئے اور بڑے جوش و انہماک سے اپنے ملی فریضہ کو ادا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ میاں خضر حیات ساکن چانڈی فرازا اور صوفی طفیل احمد فائق بتاتے ہیں کہ اس موقع پر جہاں بعض کارکن معاوضہ لے کر مسلم لیگ کے لئے کام کر رہے تھے حزب اللہ کے نامزد ارکان امیر حزب اللہ کے فرمان کی تعمیل میں محض رضا الہی کی خاطر والہانہ طور پر شب روز کام کرتے رہے۔ یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ اس نازک مرحلہ پر کسی اسلامی جماعت نے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت اس قدر شد و مد اور اتنے کھلے دل سے اس طرح فریضہ ملی سمجھ کر اور اتنے وسیع پیمانے پر نہیں کی جس طرح کہ جماعت حزب اللہ نے کی۔

حضرت امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بذات خود بھی اس ارادے کو لے کر ۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو پنجاب کے اکثر اضلاع کے دورہ پر روانہ ہو گئے یہ اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس دورے میں حضور کی فصیح البیانی

پنجاب کے انتخابی
حلقوں کا جلاپور
شریف میں نمائندہ
اجتماع

اور قادر الکلامی نے کس طرح معجز نامائی کی ہوگی۔ انیس بیس سال سے لگاتار مسلمانوں کے دلوں کی سرزمین میں حریت و آزادی کا جو بیج آپ بونے چلے آئے تھے۔ اور جو سینوں میں سرسبز و شاداب فصل کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ ملت اسلامیہ کو نئی زندگی بخشنے کے لئے آپ اب قریہ بہ قریہ جا کر اس کا اثر شیریں مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت کی صورت میں سمیٹتے پھرتے تھے۔ ذرا سوچیں اس نازک مرحلہ پر عزت اللہ نے کس قدر کام کیا اور کیسا خرمن بے بہا جمع کیا۔ انہیں ایام میں اوجھڑے میں مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی مسلم لیگ کی حمایت کے لئے دورہ فرما رہے تھے۔ رہبران ملت کے کہنے پر مسلمانوں نے دامن اسلام کو مضبوطی سے تھام لیا۔ مسلم لیگ کی حمایت کو اپنا ایمان سمجھا اور اکثر مقامات پر مسلم لیگ کے امیدواروں کو نہ صرف ووٹ دیئے بلکہ انہیں نوٹوں کے ہار بھی بنا دیئے۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کو حیران کن کامیابی حاصل ہوئی۔ کانگریس نے متحدہ قومیت کا جو ڈھونگ کھڑا کیا تھا ختم ہو گیا۔ اور تمام عالم نے دیکھ لیا کہ ہندوستان ایک جنتا کی بھومی نہیں بلکہ دو مختلف قوموں کا وطن ہے۔ انگریزوں کے لئے اب اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا۔ کہ مسلم لیگ کو اسلام آباد ہند کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لے۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے ہاتھ اب مضبوط ہو چکے تھے۔ وہ اب زیادہ یقین اور اعتماد کے ساتھ انگریز اور ہندو سے گفتگو کر سکتے تھے۔ اسلامیان ہند کے اب وہ مستمہ رہنما تھے۔ اس لئے ان کے ایک لفظ کی قدر و قیمت تھی۔ وہ بے مثال اور بے نظیر قانون دان تھے۔ بڑی احتیاط اور پورے تدبیر سے کام لے کر پاکستان کے حق میں انہوں نے موقع اور محل کے مطابق ایسی ٹھوس دلائل دیے کہ انگریزوں اور ہندوؤں کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ان کے دل میں درد ملت تھا۔ انہوں نے اپنی قابلیت

حضرت امیر کا اندازہ

دوڑت بھی لڑتے
نور بھی لڑتے۔

بے مثال قانون دان

صحّت اور دولت الغرض سب کچھ پاکستان پر قربان کر دیا۔ ایسے بے غرض اور
 ایشیا پریشہ، ایسے بالغ نظر اور پُر سوز رہنما کامل جانا ایک ملت کی خوش نصیبی
 کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ لہذا اب پاکستان کا معرض وجود میں آنا یقینی ہو چکا تھا۔
 مسلم لیگ کی اس کامیابی کو دیکھ کر ہندوؤں نے حرکاتِ قبیحہ کا آغاز
 کر دیا۔ ایک ایک مرحلے پر وہ ہزار ہزار قلابازیاں کھاتے تھے۔ ایک بات کرتے
 تھے اور اس کی ہزار تاویلیں کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی کہتے تھے کبھی کبھی۔ اس داستان
 کو سننا ہو تو مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی سنئے: جنہوں نے ہندو دوست بن کر
 زندگی بسر کی اور ہندو نواز کی لچمیت سے اس جہاں کو خیر باد کہا۔ ہندو نواز
 ہونے کے باوجود وہ اپنی کتاب آزادی ہند میں ہندو لیڈروں کی قلابازیاں
 بڑے بھولے پن سے بے نقاب کر دیتے ہیں۔ بہر حال اب ہندوؤں کا
 کھسیانہ پن صرف ان کی سفد مزاجی کو ظاہر کر رہا تھا۔ اور تخلیق پاکستان کی راہ
 میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔

تخلیق پاکستان کے سلسلہ میں جماعت حزب اللہ کی خدمات کا جائزہ
 مجھلا ایک بار پھر لے لینا از بس ضروری ہے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۴۶ء کو جب
 بمبئی میں لیگ کونسل کے اجلاس میں قائد اعظم نے راست اقدام کا اعلان
 کر کے کانگریس کے ایوان میں تزلزل پیدا کر دیا تھا اور انگریزوں کو ورطہ حیرت میں
 میں ڈال دیا تھا کہ جناح جیسا آئین پسند انسان حکومت کے ساتھ براہِ راست
 ٹکر لینے پر کیسے آمادہ ہو سکتا ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ کے برادر اصغر
 والا مرتب نواب محمد مہر شاہ بھی اس اجلاس میں شامل تھے۔ اور انہوں نے
 بھی باقی خطاب یافتگان کی طرح قائد اعظم کی اپیل پر تمام اعزازات اور خطبات
 حکومت کو واپس کر دیئے۔ جناب امیر کے ماموں راجہ غلظت علی خاں بھی اس

تخلیق پاکستان
 میں حزب اللہ کی
 خدمات کا اجالی
 جائزہ۔

۱۔ نواب کا خطاب اصل حضور کو پہنچنے میں خواجہ عزیز نواز نے عطا فرمایا تھا۔ اس لئے اب ان کا نواب کہلانا اپنے جبراً مجھ کے عطا کردہ خطاب

اجلاس میں شریک تھے۔ اور مسلم لیگ کی جو خدمات انجام دے رہے تھے وہ ان کی ذاتی حیثیت سے زیادہ حزب اللہ کے رکن رہیں کے طور پر تھیں۔ پھر حضرت حیات خاں ٹوانہ نے جب صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کے بھرتے میں آکر پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگی ارکان کی اکثریت کو نظر انداز کر کے ہندو اور سکھ قلیل التعداد ارکان اسمبلی کو ساتھ لے کر وزارت قائم کی اور پنجاب کے مسلمانوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے سول نافرمانی کرنے پر مجبور ہونا پڑا تو جس طرح تقاضائے وقت کو دیکھ کر آئین پسند قائد اعظم نے راست اقدام کا اعلان کیا تھا اور انگریزی گولی کے لئے اپنا سینہ کھول دیا تھا۔ آئین پسند حضرت امیر حزب اللہ نے بھی سول نافرمانی کی اور قید و بند اور شہادت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور حضور کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے ارکان و رضا کاران حزب اللہ نے بھی بڑے صبر و ضبط سے مقاومت مجہول میں حصہ لیا۔ جماعت حزب اللہ کا اس طرح میدان میں نکل آنا اس بات کا اعلان اور اظہار تھا کہ اب سارا پنجاب سول نافرمانی کر رہا ہے۔ واقعی ہوا بھی یہی حضرت حیات خاں ٹوانہ کے خلاف پنجاب بھر میں جو ہنگامہ پھا ہوا وہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس سے مرعوب اور خوفزدہ ہو کر وہ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنجاب کی وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو گیا۔

ان سے عظیم تر خدمات وہ ہیں جو حضرت امیر حزب اللہ پورے پندرہ سال سے نہایت ہی مستقل مزاجی اور وحدت فکری کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ اور ایک آزاد اسلامی سلطنت کے قیام کے لئے فضا ساز کار بن رہے تھے۔ اذبان کو ایک راہ پر لگانا آسان کام نہیں۔ مگر آپ نے بالخصوص پنجاب کے اجد و بہانیوں کو اس مقصد رفیع سے قلبی اور ذہنی طور پر اس طرح وابستہ

کر دیا کہ انبیاء کرام کے اسوۂ حسنہ کا نقشہ لگا ہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ راقم سطور نے حضور کے مطبوعہ پروگراموں کو سامنے رکھ کر ان بیس سالوں کے دوروں کے اعداد و شمار جمع کئے ہیں ان پر غور کیا جائے تو حضور کے کام کی عظمت از خود عیاں ہو جاتی ہے۔ ان سالوں میں آپ نے کم بیش گیارہ سو پچاس روز دورے میں گزارے تھے۔ آپ ایک ہزار مقامات پر تشریف لے گئے۔ آپ نے ستر ہزار میل مسافت طے کی اور کئی کروڑ مسلمانوں کو کلمۃ اللہ سے از سر نو آشنا کیا۔ پورے بیس سال سے آپ کے حریت پرور خیالات کی پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، بہاولپور اور سندھ میں اشاعت ہو رہی تھی۔ اگر بالخصوص پنجاب ایسے سرکار پرست صوبے نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا ہے تو یہ درحقیقت بڑی حد تک حضرت امیر حزب اللہ کی مجاہدانہ گرم جوشی کا نتیجہ ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے ایسے حسن تدبیر سے یہ معجزہ کر دکھایا کہ انگریز ایسی زیرک قوم کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ شمال مغربی ہندوستان میں کونسے انقلاب کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔

حضور مسلمانوں کے لئے آزاد مملکت بنانا چاہتے تھے۔ یہ ایک بڑا مبارک ارادہ تھا۔ دس کروڑ فرزند ان اسلام کو انجیبار کی غلامی سے نجات دلانا۔ اور ان کے تہذیبی اور ثقافتی ورثہ کو محفوظ کر لینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ لاریب یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جس نے تاریخ کو بالکل ایک نئے رخ پر ڈال دیا۔ لیکن تاریخ میں اس قسم کی کئی نظیریں ملتی ہیں۔ اسی صدی میں مصطفیٰ کمال پاشا اور رضا شاہ کبیر ایرانی نے بھی اپنی اقوام کو اسی طرح خطرات سے محفوظ کیا تھا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کی حیثیت سے حضرت امیر حزب اللہ کے فرائض کچھ اور بھی تھے۔ اور دراصل آغاز کار سے آپ نے انہیں مقاصد کو مد نظر

رکھا تھا۔ جہاں آپ مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کی خاطر کوشش
تھے۔ وہاں آپ بنیادی طور پر اس بات کے بھی خواہشمند تھے کہ ایک ایسا
خطہ ارض مل جائے جہاں حکم الحاکمین کی حکمرانی ہو۔ سب انبیاء علیہم السلام
متفقہ طور پر یکے بعد دیگرے یہ تعلیم دیتے چلے آئے تھے کہ مخلوق اپنے
خالق، غلام اپنے آقا اور بندے اپنے معبود کے سامنے عملی طور پر سب سجد
ہو جائیں۔ اس کی حکومت اور بادشاہی کو تسلیم کر لیں اور اس کے احکامات
و ارشادات کی تعمیل کے لئے کمر بستہ رہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
مبعوث ہوئے تو انہوں نے حکومت الہیہ کی تکمیل بدرجہ احسن کر دی
اور حضور صلعم کے خلفائے اللہ کے قانون کو رائج کر کے اہل عالم کو ایک ایسا
نقشہ دکھایا کہ مشرق و مغرب میں آج تک ہر ایک انگشت بندان ہے۔
جب تک مسلمانوں نے آسمانی حکومت کے قیام و بقا کو اپنی حیات مستعار کا
نصب العین بنائے رکھا عروج و ارتقار نے ان کے قدم چومے اور جب انہوں
نے اس سے اعراض و انحراف کیا اور ذاتی حکومتوں کے قائم کرنے میں مصروف
ہو گئے تو زوال و انحطاط نے انہیں آگھیرا۔ حضرت امیر حزب اللہ پھر حکومت
الہیہ کو اپنی پوری آن بان کے ساتھ قائم دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے ۱۹۴۴ء
کے سالانہ خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

عموبت کہ آوازہ منصور کہن شد من از سر نو جلوہ دہم دار سن را
اپنے مجولہ بالا خطبہ میں حضور نے وضاحت فرمائی کہ کائنات کے ذریعے

۱۔ حزب اللہ کے ستر حصوں اور اٹھارہویں سالانہ خطبے حضور کی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔
اس لئے ان کے متعلقہ حصص حضور کے دو ایک اور ضروری مقالات کے ساتھ ناظرین کرام کے استفادہ
کے لئے ایک علیحدہ باب میں من ذمین درج کر دیئے گئے ہیں۔

پر خداوند تعالیٰ متصرف ہے اس کے بنائے ہوئے قوانین کے سامنے چاند ستارے، زمین و آسمان، شجر و حجر، چرند و پرند، تمام کے تمام سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے انسان بھی قوانین الہی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا پھوننا بنا کر باقی کائنات کے ساتھ ہم آہنگی کا ثبوت کیوں نہ دے! آپ نے فرمایا کہ انسان جب ان قوانین سے بغاوت کرتا ہے تو اسے سزا ملتی ہے اور خدا کی کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ہلاکت اور تباہی کے لئے مامور ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ دل و جان سے ان قوانین کی پابندی کرتا ہے تو کائنات اپنی ساری نعمتیں اس کے لئے وقف کر دیتی ہے۔ چاند اور سورج اس کو روشنی پہنچانے پر مامور ہو جاتے ہیں۔ بادلوں کو حکم ملتا ہے اس کے فصلوں کو سرسبز و نشا و اب بناؤ۔ دریاؤں کو ارشاد ہوتا ہے۔ آب شیریں کا تحفہ اس کے قدموں پر نچھاور کر دو اور زمین کو فرمان پہنچتا ہے اپنے تمام خزانے میرے بندے کے سامنے اگل ڈالو۔

حضور نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کا قانون کامل ہے۔ انسان کی ناقص عقل کا بنایا ہوا نہیں۔ یہ خدائے لم یزل و لم یزال کا تدوین کر دہ ہے۔ اس لئے تمام زمانوں پر محیط ہے۔ تمام ملکوں کے حالات کے مطابق ہے۔ اور تمام اقوام کیلئے یکساں مفید اور کارآمد ہے۔ اللہ کے قانون میں جامعیت ہے اور انسان کی ساری مادی اور روحانی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور رحمت کرنے والا ہے۔ اس لئے صرف اس کا بنایا ہوا قانون دنیا سے ظلم و ستم کا خاتمہ کر کے کرۂ ارضی کو صحیح معنوں میں گہوارۂ امن و راحت بنا سکتا ہے حضرت امیر حزب اللہ انہی وسیع تر مقاصد کی تکمیل کے لئے پاکستان چاہتے تھے انہوں نے اپنی جماعت کا نام حزب اللہ اسی لئے رکھا تھا۔ خدائی فوج کا حقیقی نصب العین خدائی احکام کی ترویج تھا۔ شہنشاہِ ارض و سما کے سپاہی اسی کی حکومت دنیا میں قائم

کرنا چاہتے تھے۔ بعض دوسری اقوام کی طرح ان کے سامنے تنگ نظری پر مبنی کسی مذہبی حکومت کا قیام نہیں تھا۔ بلکہ خدائی فوج خدائی راج کی علمبردار تھی۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اس کی اسی اصلی حیثیت کو پاکستان میں عملاً رواج پذیر دیکھنا حزب اللہ کا مقصد و حید تھا۔ تاکہ یہ مملکت تمام نوع انسانی کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہو اور دنیا بھر کے اندھیرے دور ہو جائیں۔ ان تصریحات کے زیر نظر آپ حزب اللہ اور پاکستان کے باہمی رابطہ کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ امیر حزب اللہ کو پاکستان کیوں عزیز تھا۔ مختصر الفاظ میں حضور نے عہد طفلی میں جیائے اسلام و مسلمان کا جو خواب دیکھا تھا پاکستان درحقیقت اسی کی تعبیر تھا۔

۱۹۴۴ء میں جب آپ نے حکومت الہیہ کا اطمینان بخش، روح پرور اور سرور انگیز پیغام حیات دینا تھا اور یہ مزوہ جانفزا سنانا تھا کہ اس اعلیٰ ترین مقصد کو اپنا کر مسلمان اپنی کھوئی عظمت و رفعت حاصل کر لیں گے تو شمولیت جلسہ کے لئے آپ کی گشتی چٹھی بھی امتیازی نوعیت کی تھی۔ راقم سطور کے سامنے حضور کی سب چٹھیاں ہیں۔ سب کی سب بجائے خویش منفر و حیثیت رکھتی ہیں۔ مگر اس چٹھی کو باقی تمام پر وہی فوقیت اور برتری حاصل ہے جو حکومت الہیہ کے بلند ترین مقصد کو باقی تمام مقاصد پر حاصل ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں ایک خاص کیفیت و سرور موجزن ہے۔ اسی طرح جب ۲۸ مئی ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب کو حضور حزب اللہ کے سالانہ اجتماع میں حکومت الہیہ والا تاریخی خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ تو آپ کا دل خوشی سے لبریز تھا۔ اور آپ کے جذبات طرب سے معمور۔ آپ نے اس و فوراً بساط و انتہائے ابتہاج میں تمام حاضرین جلسہ کو بھی شریک فرمایا۔ اور پھر ان جذبات مسرت کے ساتھ آپ نے اللہ تعالیٰ

۱۔ اس بات کی تصدیق کے لئے حضور کے سولہویں خطبے کا اختتام دیکھیں۔

کی بادشاہت، قانون خداوندی کی ترویج اور اپنی عبودیت اور حکم برداری کا اعلان کیا۔ اس جذبات انگیز خطبہ میں سے ذیل کا ایمان افروز اقتباس پیش خدمت ہے:-

اس گئے گزرے زمانے میں جبکہ خدا کا نام لینا بھی ایک طرح کا جرم ہے۔ جبکہ انداداً من دون اللہ اور ارباباً من دون اللہ نے ہر طرف، ہر ملک اور ہر قوم پر اپنا تصرف و اقتدار چھارکھا ہے اور دہریت والی دلوگوں کی نظرت ثانیہ بن چکا ہے، یہ فقیر کا ریساز حقیقی معبود برحق اور قادر مطلق سے توفیق پا کر اس کی تقدیس و تحمید کے بعد اس کی عظمت اور بڑائی اور اس کی حکومت اور بادشاہت کا علی رؤس الاشہاد اعلان کرتا ہے۔

حکومت الہیہ کا عظیم الشان دستور العمل اور اعلیٰ ترین نصب العین پیش کرنے کے بعد آپ نے فرمایا اس فقیر نے اپنا "آخری پیغام" آپ تک پہنچا دیا ہے اس انقلابی مہم کا عملی طور پر افتتاح کرنے کے بعد اپنے اپنے دوروں اور خطبوں میں ہمیشہ اسی پر زور دیا۔ حصول پاکستان کے لئے تمام سرگرمی بھی اسی مہم کو کامیاب بنانے کا زینہ تھا۔ اپنے ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے محولہ بالا اعلامیہ میں مسلمانوں کو مسلم لیگ کے لئے ووٹ دینے پر بھی اسی حقیقی نصب العین کی خاطر آمادہ کیا تھا۔ آپ جب کبھی جس مقام پر اور جس مجلس میں حکومت الہیہ کا مبارک ذکر اپنی زبان پر لائے آپ کا دل وجد و کیف سے معمور ہو جاتا تھا اور آپ فرمایا کرتے تھے

۱۔ حضور نے حکومت الہیہ کا اعلان جنگِ عالم گیر دوم کے دوران میں کیا تھا جب کہ کرۂ ارض پر انگریز

امریکن، روسی، جرمن اور جاپانی جبارہ قابض تھے۔

آں کہ دلہارا، بھی آرد بوجہ بازگو از نجد و از یاران نجد

عامۃ المسلمین، دیگر رہبران ملت اور حضرت امیر حزب اللہ کے نظریہ پاکستان میں بنیادی فرق معلوم کر لینے کے بعد ہمیں آگے بڑھنا چاہئے انتخابات نے اسلامیان ہند کے اتحاد و اتفاق کا قطعی ثبوت بہم پہنچا دیا تھا۔ قائد اعظم کے راست اقدام نے ہندوستان بھر میں ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ پاکستان کا مطالبہ تسلیم کئے بغیر برصغیر میں امن و سکون کا بحال کرنا ناممکن تھا۔ انگریزوں نے سمجھ لیا اب پاکستان بنائے بغیر مفر نہیں۔ ہندو کو یقین ہو گیا اب پاکستان بن کے رہے گا۔ انگریز کے دل میں صلیبی جنگوں کی یاد ابھی جھونکی تھی۔ صلاح الدین ایوبی کی مجاہدانہ جنگوں کو وہ ابھی نہیں بھولا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر پاکستان ایک مضبوط سلطنت کی صورت میں دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا تو ایک دفعہ پھر فضائیں نعرہ تکبیر سے گونج اٹھیں گی اور ساری دنیا میں مسلمانوں کا بول بالا ہو جائے گا۔ ہندو ڈرتا تھا۔ ملت اسلامیہ بڑی مردم پرور ہے۔ مضبوط پاکستان محمد بن قاسم، محمود غزنوی، محمد غوری، بابر اور اورنگزیب عالمگیر کا گہوار بنے گا۔ نئے سے نئے عظیم الفطرت مجاہد اور غازی جنم لیں گے۔ اور ہندوستان پر چھا جائیں گے۔ اس لئے انگریز اور ہندو دونوں نکل کر ملے کر طے کیا کہ مسلمانوں کو لولا، لنگڑا اور ناکارہ "پاکستان دینا چاہئے۔"

اس گھناؤنے مقصد کی تکمیل کے لئے پنجاب اور بنگال کو تقسیم کیا گیا اور جس تقسیم کے خلاف لارڈ کرزن کے زمانہ میں ہندوؤں نے شور مچایا تھا وہی منظور کی گئی کہ اس طرح کہ آسام کا کافی حصہ اس سے علیحدہ کر لیا۔ اس وقت تقسیم بنگال سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا تھا اس لئے اس کی مخالفت کی گئی۔ اور وہ شرت پسندی سے بھی دریغ نہ کیا گیا۔ اب اس تقسیم سے مسلمانوں کو نقصان

انگریز اور ہندو
کی مخالفت

پہنچتا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کی طرف سے بڑی شد و مد سے مطالبہ ہوا تحصیل
گوروا سپور میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ مگر اس وقت کے وائسرائے ہند
لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے اختیارات خصوصی کو استعمال کر کے یہ تحصیل ہندوؤں
کے حوالے کر دی تاکہ اس کے رستے ہندو کشمیر پر قابض ہو جائیں۔ حالانکہ کشمیر
مسلمانوں کی ریاست تھی اور اصول تقسیم کے مطابق اسے پاکستان کے ساتھ
شامل ہونا چاہئے تھا۔ ان ہتھکنڈوں کی وجہ سے اور ریڈ کلف انگریز تقسیم
ملک کی خباث نفس اور بد نیتی کے باعث مشرقی اور مغربی پاکستان میں ہر جگہ
جو دریا مسلمانوں کو ملے ان کے منابع ہندوؤں کے قبضے میں چلے گئے۔ پھر
پاکستان کے حصے کا سامان حرب ہندوستان میں رہ گیا اور تقسیم کے وقت
مسلمانوں کی افواج کو متحدہ ہندوستان کے وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ نے
ہندوستان سے باہر ملایا اور سنگاپور بھیجا ہوا تھا تاکہ میدان سکھ اور ہندو
افواج کے لئے خالی ہو۔

ستمبر ۱۹۴۷ء کے ایک طرف تو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اعلان آزادی
ہوا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور دوسری طرف سکھوں اور ہندوؤں
نے انگریزوں کی ٹٹی بھگت سے مشرقی پنجاب اور دہلی میں ہندوستان کے انگریز
گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے مسلمانوں کا منظم طریقہ پر قتل عام شروع
کر دیا۔ مشرقی پنجاب کے ہندو اور سکھ ہمارا جگان باقاعدہ اس سازش میں
شریک تھے۔ ریاست ہائے پٹیالہ، ناہجہ، جیند، فریدکوٹ، کپورتھلہ، الود
اور بھرتپور کی پولیس اور فوج نے طے شدہ سکیم کے مطابق مسلمانوں کا صفایا
کیا۔ واکہ سے مشرق کی طرف کوئی ضلع کوئی شہر اور کوئی گاؤں ایسا نہیں تھا

لے یہ تمام واقعات حضرت امیر حزب اللہ کے خطبہ ہائے صدارت سے ماخوذ ہیں۔

جہاں مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کو بے دریغ قتل نہ کیا گیا۔ گاؤں منتخب کر لئے جاتے تھے۔ اور پھر رات کی تاریکی میں سکھ اور ہندو آبادی لہبئی ہم قوم پولیس اور فوج کی مدد سے نہتے مسلمانوں پر حملہ آور ہو جایا کرتی تھی اور بڑی سنگینی اور بے دردی سے قتل عام شروع ہو جاتا تھا۔ مسلمان قافلے بنا کر پاکستان کا رخ کرتے تھے اور تمام کے تمام مولیٰ گاجر کی طرح کاٹ دیئے جاتے تھے۔ مسلمان کیمپوں میں پناہ لیتے تھے اور کیمپوں پر شبخون مارے جاتے تھے۔ ریل گاڑیاں پناہ گزینوں سے لدی ہوئی روانہ ہوتی تھیں۔ اور جب لاہور پہنچتی تھیں تو ڈبے لاشوں اور چیختے کراہتے ہوئے زخمیوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ مسلمان کا خون پانی کی طرح بہ رہا تھا۔ اور سکھ اور ہندو درندے ہوئی کھیل رہے تھے۔ دس لاکھ سے زائد مسلمان قتل ہوئے پچاس ہزار کے قریب مسلمان عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ ایک کروڑ کے لگ بھگ مسلمان اپنے ملک، ملک، قیمتی جائیدادیں، زر خیز زمینیں اور شاندار عمارتیں چھوڑ کر سخت بے سروسامانی کی حالت میں پاکستان پہنچے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے یہی میت، بربریت، مسفاکی، بے دردی، تساوت قلبی اور اخلاق باختگی کا جو بدترین نمونہ دکھایا تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ بخت لہر چنگیز خان اور ہلاکو کی خونریزیاں بھی اس کے مقابلے میں بالکل بیچ ہیں۔

۱۲۔ ان حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ہوشیار پور کیمپ کی سرگذشت پڑھیں جو پروفیسر سلطان بخش نے مرتب کی ہے پروفیسر صاحب اس کیمپ کے منصرم تھے اور ان کی بیگم اس خلوص اور جذبہ بہدردی سے زخمیوں کی مرہم بنی اور تیمارداری کرتی تھی جس کا اظہار فلورنس ناسٹگیل نے سقوطی کے ہسپتال میں کیا تھا یہ علینہ سوال ہے کہ ان دونوں کو نہ تو حکومت کی امداد حاصل تھی اور نہ ہی ان کے پاس زر و مال تھا بلکہ حکومت مخالف تھی اور ہندو سکھ دشمن جانی بنے ہوئے تھے۔ صرف جذبہ خدمت تھا جس کی بنا پر وہ ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوئے۔ ۱۳۔

مال اس کی مثال اگر موجود ہے تو خود انہی کی تاریخ میں۔ اور نگ زیب
 عالمگیر کی وفات کے بعد بہادر شاہ اول کے زمانہ میں بندہ بہادر نے سرت نامی
 شورش پسندوں اور خون آشام لیٹروں کی مدد سے اسی مشرقی پنجاب میں
 مسلمانوں کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا تھا۔ معصوم بچوں کو ہوا میں پھینک کر
 تلواروں کی انی پر اس طرح اچھالا گیا تھا۔ اور کرپانوں سے پیٹ چاک کر کے
 مسلمان عورتوں کے گلے اسی طرح گرائے گئے تھے۔ اور کشتوں کے پشتے اسی
 طرح لگائے گئے تھے۔ لوہے کے بڑے بڑے پنجروں میں پچاس پچاس مسلمانوں
 کو بند کر کے درختوں کیسا لٹکا دیا جاتا تھا۔ اور نیچے آگ کا نارہ مشتعل کر دیا جاتا
 تھا پنجروں میں مقید مسلمان تڑپ تڑپ کر کباب ہو جاتے تھے۔ اور سرت
 نامی پاس کھڑے ہنستے، ناچتے اور کودتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ واقعات بھول
 چکے تھے مگر اس صدی کے بطل حریت رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے گول
 میز کانفرنس میں باواز بلند کہا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اس قدر اختلافات
 موجود ہیں کہ ان کا یکجا رہنا از قبیل ناممکنات ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ بھی
 اپنی تقاریر اور خطبات میں ہندوؤں اور سکھوں کی اس ہیمانہ فطرت کے مسلمانوں
 کو متنبہ فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جس طرح سات سو سال کی شاندار
 حکومت کے بعد سپین سے مسلمانوں کو بیک بینی و دو گوش نکال دیا گیا تھا ہندوؤں
 سے بھی انہیں ملک بدر کرنے کے منصوبے تیار ہو رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ مسلمان
 پوری طرح بیدار نہ ہوئے۔ اور اس نازک مرحلہ پر ابوالکلام آزاد، حسین احمد مدنی

تاریخ ہندی کی
 ایک مثال

۱۹۱۰ء میں پورٹوگال کی وفات لندن ۲۷ جنوری ۱۹۳۱ء بیت المقدس میں بعد احترام انبیاء کے دریا
 مدفون ہوئے۔ اسلام کے مایہ ناز سپوت اور تحریک آزادی ہند کے نقیب تھے۔ لارڈ ہارڈنگ نے
 ہند (۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۶ء عیسوی) نے کہا تھا کہ محمد علی جوہر کے سینے میں نیپولین کا دل موجود ہے۔

شیخ عبداللہ، خضر حیات ٹوانہ اور بیچو قسم دیگر مسلمان لیڈروں نے سواد اعظم سے علیحدہ ہو کر اور ہندوؤں اور انگریزوں پر بے جا اعتماد کر کے اسلامیان ہند کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

یہ قتل عام اور مسلمانوں کو لاکھوں کی تعداد میں ترک وطن پر مجبور کرنا ایک بہت بڑے اور سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھا۔ انگریز دور اندیشی سے کام لے کر ایشیا کی ابھرتی ہوئی تازہ دم ہندو قوم کو اپنا حلیف بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ عمدہ خاموش تھا۔ اور ہندوؤں اور سکھوں کو کھلی چھٹی دے رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کو کمزور بنانا چاہتا تھا۔ مبادا مضبوط پاکستان ایشیا اور افریقہ میں اتحاد اسلامی کا نعرہ بلند کر کے اس کے سامراجی عزائم کا خاتمہ کر دے اور بحر اوقیانوس، بحر ہند، بحیرہ عرب اور بحیرہ روم کی پہنائیوں کو اس کے لئے غیر محفوظ بنا دے۔ ہندو قوم لاکھوں مہاجرین کا بوجھ کمزور پاکستان پر ڈال کر اسے ادھر مصروف رکھنا چاہتی تھی اور خود ہندوستان کے زیادہ سے زیادہ رقبہ پر قابض ہونا چاہتی تھی۔ پاکستان کو اس مصیبت عظمیٰ میں مبتلا کر کے بھارتی افواج نے اسی لئے جونا گڑھ، مانگرول، مانادار اور حیدرآباد کی اسلامی ریاستوں پر قبضہ کر لیا اور بھارتی وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے ہمارا جہ کشمیر کے ساتھ خفیہ طور پر ساز باز کر کے اچانک ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اس ریاست کا الحاق بھارت سے کر لیا اور اگلی صبح بھارتی افواج ہوائی جہازوں کے ذریعے سرینگر پہنچا دیں۔ تقسیم ملک سے کچھ ایام پہلے اسی ہمہ گیر خطرناک منصوبے کے زیر نظر ہندو پریس اور پلیٹ فارم سے یہ آواز بلند ہونا شروع ہو گئی تھی کہ "وے کے رہیں گے پاکستان" ہندوؤں کا خیال تھا کہ لنگڑے، ٹوٹے اور اپاہج "پاکستان کو دیکھ کر مسلمان چھٹنے ٹیک دیں گے۔ ہندو راج کا خواب پورا ہو جائیگا۔ اور پھر وہ اطمینان سے ایشیا

کے مختلف ممالک اور بحر ہند کے کثیر التعداد جزائر میں اپنے سامراجی عزائم کی تکمیل کریں گے۔

ان سلبی حالات نے حضرت امیر حزب اللہ کو بیدار دکھایا۔ بالخصوص آپ کا ۱۹۴۶ء کا خطبہ صدارت اس سلسلہ میں شاہد عادل ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سطور بالا میں مشرقی پنجاب کے زہرہ گداز اور ہوش رُبا واقعات کے متعلق جو کچھ درج کیا گیا ہے وہ حضور کے جگر سوز بیان کا خلاصہ ہے۔ ان حالات میں آپ نے مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرمائی۔ علاوہ بریں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد مندرجہ بالا حالات سے مطلع ہونے پر فوراً آپ نے ایک تاریخی اور طوفانی دورہ فرمایا تاکہ اس پر آشوب ماحول میں مسلمانوں کا حوصلہ بلند رہے۔ ساتھ مقامات پر حوصلہ پرور، ہمت آفریں اور بصیرت افروز تقریریں کیں۔ پاکستان کے متعلق جو غلط افواہیں پھیل چکی تھیں ان کا کما حقہ انسداد فرمایا۔ مزید برآں اپنے حکومت کو ہاجرین کی آباد کاری کی طرف توجہ دلائی اور اپنی جماعت کے تمام ارکان اور برادرانِ طریقت کو پر زور طریق سے تاکید فرمائی کہ وہ سب کے سب ہاجرین کی امداد و اعانت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ اور اپنے اوقات کا ایک حصہ ان کی خدمت گزاروں کے لئے وقف کر دیں۔

انہی ایام میں مسلمانان کشمیر نے جہاد کشمیر شروع کیا تو جماعت حزب اللہ علی طور پر اس میں شامل ہوئی۔ تقریباً ایک ہزار اولوالعزم رضا کاران حزب اللہ جو کہ فوج سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ اور جنہیں فنونِ حرب سے پوری واقفیت تھی حضرت امیر کے ایام اور ترغیب پر میدان کشمیر میں پہنچ گئے اور کئی ایک نررز

۱۔ اس ضمن میں ہفتہ وار اخبار پروانہ کا استقلال نمبر بابت ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء صفحہ ۶۲ دیکھیں۔

تاریخی و طوفانی
دورہ

جہاد کشمیر
اور جماعت حزب اللہ

معزکوں میں داؤد شجاعت دمی اور کڑکڑاتی سر دیوں میں برف کے طوفانوں میں کرناہ، اوڑھی اور ٹیٹوال کے محاذ پر پورے چار ماہ لڑتے رہے۔ یہ تو بیرون ریاست سے جانے والے رضا کاروں کی تعداد تھی۔ لیکن پونچھ، میرپور اور مظفر آباد میں حزب اللہ کے کشمیری رضا کار جہاد کے آخری لمحات تک مصروف پیکار رہے۔ وہاں رضا کاران حزب اللہ کو "حزب اللہ آزاد کشمیر فودس" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آزاد کشمیر حکومت کے ذمہ دار افسران نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس موقع پر حزب اللہ کے رضا کاروں نے جو عملی کارنامے کر دکھائے وہ اس جنگ کی تاریخ مرتب ہونے کی صورت میں سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس موقع پر جہاد حریت شروع نہ کیا جاتا تو کشمیر کی بیاسی فیصدی مسلم آبادی کا بھی وہی حشر ہوا ہوتا جو مشرقی پنجاب کے ہندو اور سکھ ریاستوں میں مسلمانوں کا ہوا تھا جبکہ اسی نمونہ پر ہندو گورکھوں نے یہاں بھی قتل و غارتگری اور عصمت دری شروع کر دی تھی اور نسلی خباثیہ شروع کی تھی کہ بیچاری عصمت مآب مسلمان عورتوں کے پستان تلوار یا کرپان سے کاٹ لیتے تھے مختلف اسباب اور وجوہات کی بنا پر جہاد حریت اس وقت مسئلہ کشمیر کو حل نہ کر سکا لیکن کم از کم ایک سرحد پر پہنچ کر ہندوؤں کے جارحانہ عزائم میں رکاوٹ ضرور پیدا ہو گئی۔ اور کشمیر کے مسلمان قتل عام سے بچ گئے۔

عالی ہمت اور بلند نگاہ اعظم رجال ہمیشہ حالات کے روشن پہلو کو زیادہ مد نظر رکھتے ہیں۔ حضرت امیر حزب اللہ بھی اسی لئے تقسیم ہندوستان کے ایجابی پہلو کو زیادہ قابل اعتنا سمجھتے تھے۔ آپ نے آزاد مملکت پاکستان کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے کہا کہ دنیا میں

آزادی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور نہ غلامی سے بڑھ کر کوئی لعنت۔ قدس
 بندہ نواز کے الطاف و مہراحم کے باعث ہماری گردن سے غلامی کا طوق اتار
 لیا گیا ہے جو ایک صدی سے زائد عرصہ تک ہمارے گلے میں پڑا رہا۔ ہندوؤں
 کی تمام دسویسہ کاریوں کے باوجود پاکستان ایک بہت بڑا ملک ہے۔ دنیا
 کی حکومتوں میں بلحاظ وسعت آبادی پاکستان کا پانچواں درجہ ہے۔ اور اسلامی
 ممالک میں پہلا۔ حضور نے فرمایا ہماری جماعت حزب اللہ کو تو اور بھی زیادہ
 مسرور ہونا چاہئے۔ کیونکہ تعمیر پاکستان میں ہم سب سے پیش پیش رہے ہیں۔ تکمیل
 و استحکام پاکستان کی خاطر بھی آپ نے جماعت حزب اللہ کو مسابقت کرنے
 کی ترغیب دی اور بتایا کہ ملک کی مالی آباد کاری کے لئے صنعت و حرفت، تجارت
 گھریلو دستکاریوں اور تعلیم کی طرف فوری طور پر پیش از پیش توجہ کی ضرورت ہے۔
 ان سب سے بالاتر آپ نے پاکبازی، نیک خیالی، تقویٰ و طہارت، خدا
 ترسی و خشیتِ الہی، عبادت و ریاضت، صفائے قلب اور روحانیت کی
 تعلیم دی تاکہ اخلاقی انقلاب اور روحانی تبدیلی سے یہ مملکت اسم بامسمیٰ
 بن جائے اور جس غرض کے لئے اس کی تشکیل عمل میں آئی تھی پوری ہو۔ اور
 دنیا بھر کے انسان نفس پرستی اور طغیان و ضلالت کے طوفانی سمندر میں پاکستان
 کو اپنے لئے روشنی کا مینار تصور کریں۔

بڑے صغیر ہندو پاک کے سیاسی مستقبل اور بھارتیوں اور پاکستانیوں کے باہمی
 تعلقات کے متعلق بھی حضرت امیر حزب اللہ کے خیالات اس مخصوص منہاج
 کی طرف انگشت نمائی کرتے ہیں جسے آپ کی مبارک فطرت سے ازلی مناسبت
 ہے۔ آپ دینِ حقہ کی سر بلندی کے دل و جان سے آرزو مند ہیں۔ اور ہمیں
 معلوم ہے کہ زندگی بھر آپ اسی غرض کے حصول کے لئے سرگرم کار رہیں۔

اسلامیان ہند
 کے متعلق

اسی مقدس آرزو کے ضمن میں اس دین پاک کے نام لیواؤں کو مقتدر اور
 محترم دیکھنے کے بھی آپ شروع ہی سے خواہش مند رہے ہیں۔ اس لئے
 تقسیم ملک کے بعد مشرقی پنجاب، صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ اور صوبہ
 بہار میں مسلمانوں کی جب اس بات پر تذلیل اور خوزریزی ہوئی کہ وہ کلمہ
 طیبہ پر کیوں ایمان رکھتے ہیں۔ تو حضور سخت غمزدہ ہوئے اور آپ نے فرمایا
 کہ یا تو ہم اپنے بلند عزائم، مضبوط ہمتوں اور بے مثال قربانیوں اور سرفروشیوں
 کے طفیل نہ صرف اپنے بے گناہ شہید بھائیوں کا انتقام لیں گے۔ بلکہ مخالفین
 کو مجبور کر دیں گے کہ ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دیں اور ہندوستان کے اندر
 ہمارے باجگذار ہو کر رہیں یا دوسری صورت میں ہم مفتوح و معتبوب و مقہور
 ہو کر اپنے آپ کو دریائے اٹک کی پرشور موجوں کے حوالے کر دیں گے تاکہ
 ہماری لاشیں آبی جانوروں کی جھینٹ چڑھ جائیں اور دنیا ہمارے جیسے
 کم ہمتوں اور بے جہمتوں اور بے غیرتوں کے وجود سے ہمیشہ کے لئے پاک
 ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ قدرت کا فتویٰ ہمیشہ کمزوروں اور بزدلوں کے
 خلاف ہوا کرتا ہے۔ ہم بزدلوں کی موت مرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہماری
 غیرت، جذبہ ملی اور اسلامی عصبیت کا تقاضا ہے کہ مناسب وقت آنے پر ہم
 اپنے معصوم ذبح کئے ہوئے بچوں کے خون، باعصمت اور حیا دار بہنوں،
 ماؤں اور بیٹیوں کی عصمت درمی اور بے گناہ اور مظلوم بھائیوں کے ناحق
 قتل کا بدلہ لیں جب کہ نص قطعہ کے مطابق:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاتٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

اگر ہم نے بدلہ نہ لیا تو پھر ہم زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ بلکہ بے غیرتی اور بے ہمتی
 کی معون زندگی بسر کر کے خراب و خسراں کی غیر طبعی موت مر جائیں گے۔

اور بدلہ لینے کی صورت میں ہماری زندگی رشاکِ ارم ہوگی اور ہماری موت جسے قرآن کریم نے بَلْ أَحْيَاءُ کہہ کر زندگی سے تعبیر فرمایا ہے۔ شہداء کی موت۔

بھارت نے جب دیکھا کہ آزاد کشمیر کی افواج اور سرحدی پٹھانوں کے مقابلہ کی سکت اس کی فوجوں میں نہیں اور بزورِ شمشیر کشمیر پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا تو اس نے حفاظتی کونسل میں مسئلہ پیش کر دیا۔ اور پاکستان پر الزام لگایا کہ اس نے کشمیر میں جارحانہ اقدام کیا ہے۔ حفاظتی کونسل میں پاکستانی نمائندے نے اپنی مسلمہ قابلیت سے اس مسئلہ میں جان ڈال دی۔ اور پاکستان کو اخلاقی فتح حاصل ہو گئی۔ مگر حضرت امیر حزب اللہ نے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ یہ معاملہ غالباً کسی ایوانِ اعلیٰ میں نہیں ہوگا۔ بلکہ میدانِ جنگ میں فتح و شکست کی صورت میں اس کا فیصلہ ہو سکے گا۔ اس موقع پر آپ نے ایک اور بات ایسی فرمائی جو آپ کی غیر معمولی سیاسی بصیرت پر دلالت کرتی ہے۔ اہل الرائے میں سے کسی اور کی زبان پر یہ بات کبھی بھی نہیں آئی حضور نے فرمایا اس برصغیر کی لفظی تقسیم تو ہو چکی ہے۔ مگر یہ معنوی اور حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اس میں صرف ایک ہی قوم حکومت کر سکتی ہے۔ خواہ اس کا نام ہند ہو یا مسلمان۔ اب اس بات کا آخری فیصلہ ہم نے صادر کرنا ہے کہ یہاں کونسی قوم حکمران ہوگی۔ آپ نے فرمایا اس سرزمین میں اسلام اور ہندومت کی آخر کش مکش ہو کے رہے گی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان منافرت اور مخالفت کے ایسے جذبات موجود ہیں اور تقسیم ملک نے ایسے تنازعات پیدا کر دیئے ہیں کہ بھارت اور پاکستان کی دائمی صلح کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے اگر مسلمان ہندو کی غلامی کے لئے آمادہ نہیں اور انہیں ہونا بھی

تعمیر صرف لفظی
معنوی نہیں

نہیں چاہئے تو انہیں حق اور باطل کی آخری کشمکش میں مردانہ وار حصہ لینے کے لئے ہر وقت سرگم رہنا چاہئے۔ ہندو اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ حدود ہند میں صرف ایک قوم حکومت کر سکتی ہے۔ اس لئے اس نے ذہنی اور قلبی طور پر کبھی دو قوموں کا نظریہ قبول نہیں کیا۔ وہ ہمارے لئے ہر قسم کی مشکلات کو بیدار کر کے بین الاقوامی پراپیگنڈے کے زور سے یا آخری صورت میں فوجی طاقت استعمال کر کے ہماری آزادی سلب کرنا چاہے گا۔ اس مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ فسح و شکست کا دار و مدار تعداد یا سامان حرب کی افراط پر نہیں ہوتا۔ اس کے لئے عزم راسخ اور بلند ارادوں کی ضرورت ہے۔ اور قربانی کا وہ جذبہ چاہیے جو موت کو زندگی سے بھی زیادہ خوشی کے ساتھ لبیک کہتا ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو بنیان مرموص بن کر کفر کے مقابلہ میں آجانا چاہئے۔ اور یہ مجذوب کی بو نہیں۔ اگر تمہارے دلوں میں شوق جہاد پیدا ہو گیا۔ اور خواہش غزائے تمہیں صحیح معنوں میں بے تاب کر دیا تو پھر انشاء اللہ نصرت آپ کے ہمراہ ہوگی۔ اور آپ فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے علم جہاد بلند کئے فلک شکاف نعرہ ہائے تکبیر کے ساتھ دہلی کی چار دیواری کو پھانڈ کر لال قلعہ پر پاکستان کا جھنڈا گاڑ دیں گے۔

حضرت امیر حزب اللہ کے یہ خیالات ۱۹۴۸ء میں تھے۔ اس ضمن میں آپ حضور کا اس سال کا خطبہ صدارت پڑھیں۔ یہ خیالات اس بصیرت پر مبنی ہیں جو قرآنی تعلیمات کی پیدا کردہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاد کی جتنی آیات ہیں ان تمام کا بخوبی ہی ہے۔ آپ نے بھارت کے ہندوؤں کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا وہ آج سترہ سال بعد ۱۹۶۴ء میں بھی لفظ بلفظ درست ثابت ہو رہا ہے

استحکامِ پاکستان

ہماری بہترین توقعات کا مرجع و مال، ہماری زندگی و حیات کا حاصل، ہماری شبانہ روز جدوجہد اور تگ و دو کا منتہائے مقصود، ہمارے رویائے صادقہ کی صحیح تعبیر، ارتقائی منازل طے کرنے کے متعلق قرآنی ارشادات کی عملی تفسیر، الہامی لقب سے ملقب اور بہترین عنوان سے معنون ہونے والا پاکستان آج بصد خوبی و رعنائی و بہار کشش و دلفریبی صرف ہمارے سامنے نہیں بلکہ دنیا بھر کے سامنے جلوہ گر ہے۔ اس تخلیق میں مخلوق کا کوئی ہاتھ نہیں بلکہ خالق ازل نے لفظ کن کے ارشاد سے اسے عالم کون و مکان میں ایک ممتاز جگہ عطا فرمادی۔ ادھر اس کی تاسیس و تشکیل ہوئی اور ادھر اس کی شہرت چار و انگ علم میں پھیل گئی۔ پاکستان کا قیام فی الحقیقت ایک معجزہ ہے جس کا ظہور انسانی عقل و فکر سے بالاتر ہوا اور وہم و گمان کی اڑان سے بہت اوپر۔ چودھویں صدی کے اندر اس کا قیام قدرت کا ایک شاہکار سمجھ لیں اور غیر العقول خدائی کارناموں کا ایک حیرت انگیز کارنامہ جس صنایع ازل نے اس کی بنیاد رکھی ہے وہی حافظ حقیقی اسے شر اعداء و مخالفین سے محفوظ و مامون بھی رکھے گا۔ انشاء اللہ ہماری نوزائیدہ مملکت اور ہماری نئی حکومت کو تائید ایزدی حاصل ہے۔ !!!

سطور بالا میں حضرت امیر حزب اللہ نے پاکستان کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار جس بلاغت کے ساتھ کیا ہے راقم سطور نے اس کی مثال کسی بڑے سے بڑے معجز بیان نثر نگار کے ہاں بھی نہیں دیکھی۔ یہ تو دراصل نثر کی صورت میں شاعری کی گئی ہے جس کا مقابلہ کسی شاعر کا کلام بلاغت نظام بھی مشکل کر سکے گا۔ ان سطور سے پتہ چلتا ہے کہ برصغیر میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا قیام حضور کو کس قدر عزیز تھا۔ اور اس کے بقول کے لئے آپ کس طرح دل و جان سے دعا گو تھے۔ انہی سطور سے اس بات کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب پاکستان کے حصول کے لئے آپ نے اس قدر جدوجہد کی اس کے استحکام کی خاطر آپ کیا کچھ کرنا چاہتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ تخلیق پاکستان کے ساتھ ہی آپ کے استحکام کے لئے مصروف کار ہو گئے۔ آپ اس کی تکمیل ایسی مضبوط بنیادوں پر کرنا چاہتے تھے کہ صحر حواث پھر اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کے سالانہ دورے بدستور جاری رہے۔ ہر سال تین تین ماہ آپ خار مغیلاں اور سردی گرمی سے بالکل بے نیاز ہو کر صحرا نوردی فرماتے۔ او ہزاروں میل کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ

قیام پاکستان
کے بعد

۱۔ پاکستان کے متعلق جناب کرم حیدری کی مثنوی "حکمت بیدار" کا یہ بند بھی لطیف شے ہے

یہ ملت بیضا کی امنگوں کا بسیرا

یہ ارض مباحات یہ دنیا ٹے تے آخر

یہ دل کی تڑپ جاں کی صدارت کی آواز

یہ صفحہ تاریخ پہ احساس کی تصویر

یہ دامن تدبیر میں انعام خدا کا

یہ قوم کے افکار کا پُر نور سویرا

یہ جنتِ تخیل یہ فردوسِ تصور

یہ اپنی تمناؤں کا میدانِ تگ و تاز

یہ سوز و تپِ تاب کی منہ بولتی تصویر

یہ وقت کے ماتھے پہ نشاںِ حسن و وفا کا

اپنے مرکز پر پہنچتے۔ قریہ بہ قریہ جلسے اسی طرح منعقد ہوتے تھے۔ تقاریر اسی جوش و خروش کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ اور لوگوں کا اثر دھام اور ذوق و شوق بدستور تھا۔ حزب اللہ کے نظام کار میں سر مو فرق نہیں آنے دیا گیا تھا۔ سالانہ جلسوں کا اہتمام بھی حسب سابق ہو رہا تھا۔ اور خطبہ ہائے صدارت بھی اسی در و دل اور جوش و انہماک کا مظہر ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب آپ کی تمام تر سرگرمیوں کا واحد نصب العین پاکستان کی تعمیر اور اس کا استحکام تھا۔ ذاتی اغراض کو تو آپ نے اسی روز بالائے طاق رکھ دیا تھا جس روز مامور من اللہ ہو کر آپ نے حزب اللہ کی تاسیس و تشکیل تھی۔ ایک دھن تھی اور ایک ہی لگن جسے لے کر آپ ایک ایک گاؤں میں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ دلوں کا رشتہ پھر ذات حتی سے جوڑنا چاہتے تھے۔ تقریر اور تاثیر دونوں ذرائع استعمال کر کے آپ اذہان اور قلوب میں اسی ذات برحق کا خیال جاگزیں کرنا چاہتے تھے۔ اور اس طرح ملت اسلامیہ کو نئی زندگی عطا کرنا چاہتے تھے۔ یعنی آپ کے مد نظر وہ حیات اجتماعی تھی جو قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی برتری کا موجب بنی ہوئی تھی بالخصوص ۱۹۴۷ء سے جب حزب اللہ کے سالانہ اجلاس میں آپ نے علی رؤس الاشہاد رب العالمین کی عظمت اور بڑائی اور اس کی حکومت اور بادشاہت کا اعلان کیا تھا، آپ کی ہر تقریر کا محور حکومت الہیہ ہوا کرتا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ملت اسلامیہ کے نمائندے ہیں۔ آپ نے اس کی بنیاد حکومت الہیہ کی اطاعت پر رکھی تھی اور رب العالمین کی فرمانبرداری اپنا شعار زندگی بنایا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جد اعلیٰ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر اسی مرکز ثقل پر ملت اسلامیہ کو اکٹھا کیا۔ اب حضرت امیر حزب اللہ اسی مبارک سنت کی پیروی کر رہے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ خدا کے بندے

خدا کے قانون کی متابعت کریں۔ پاکستان بن چکا تھا۔ آپ کی دلی آرزو تھی کہ خدا کی عطا کردہ مملکت میں اسی کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو۔ زمین اس کی بندے اس کے، اس لئے حکم بھی اسی کا ہونا چاہئے۔ آپ بار بار فرماتے تھے کہ قانون الہی کے مرکزِ اطاعت سے جڑے ہوئے ہوں تو مسلمان اور ملت اسلامیہ دونوں با فروغ۔ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ہر لحاظ سے انہی خطوط پر حضور ملت پاکستانی کا استحکام چاہتے تھے۔

جماعت حزب اللہ کی تشکیل ۱۹۲۷ء میں ہوئی تھی اور اسی سال باقاعدہ

دوروں کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ حضور کا آخری دورہ ۱۹۵۸ء میں ہوا جب انہیں اور بائیں دونوں طرف فالج گرنے سے آپ بالکل معذور ہو گئے۔ یعنی پورے اکتیس سال تک کاروان حزب اللہ بڑے تزکِ احتشام کے ساتھ گرم سفر رہا اور اس کے جوش و خروش اور اس کی سبک داری میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ اس کا جو قدم اٹھا آگے کی طرف اٹھا۔ منزلیں طے ہوتی رہیں اور ان کو پیچھے چھوڑ کر یہ مبارک کاروان آگے سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کا جو کارنامہ سامنے آیا وہ پہلے کارناموں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ خدا کے فضل سے الحق یَعْلُوا وَلَا يُعْلَىٰ کے مطابق اسی دلیل سے اس کی حقانیت اور مقبولیت کا انداز لگایا جاسکتا ہے۔ اکتیس سال کا عرصہ معمولی عرصہ نہیں۔ اس میں شہرِ خوار کے پڑوسی پاکر پختہ کار جوان بن گئے اور جوان کہولت کے مرحلے میں داخل ہو گئے۔ اس مدت میں دنیا کے اندر سینکڑوں انقلابات آئے، بے شمار تبدیلیاں ہوئیں اور تعدادِ جماعتیں بنیں اور بگڑیں۔ کئی گوشہ گمنامی میں جا پڑیں۔ اور کئی ایک نے منازلِ ارتقا بھی طے کئے۔ اور جس طرح دنیا کی باقی کوئی چیز اس طویل عرصے میں اپنی ابتدائی حالت پر نہ رہی یہ ارتقاء پذیر جماعتیں بھی کچھ سے کچھ نہیں

حزب اللہ کا
ارتقاء پذیر بننے
مقابلہ اللہ کی

ان کے منشور تبدیل ہو گئے۔ ان کے اغراض و مقاصد میں بنیادی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان کا طریق کار یکسر متغیر ہو گیا۔ لیکن اس دوران میں جو جماعت اپنی اصلی صورت پر قائم رہی وہ جماعت حزب اللہ تھی یعنی اللہ جل شانہ کا گروہ۔ ذات الہی غیر متغیر اور غیر متبدل ہے۔ وہ الآن کما کان ہے اس لئے اس کی جماعت بھی اپنے اصلی رنگ روپ پر قائم رہی۔ وہی مبارک مقاصد، وہی پاکیزہ صفات، وہی صاف اور ستھرا طریق کار اس جماعت کی تعلیمات کا سرچشمہ کتاب ازلی یعنی قرآن مجید اور اسوہ رسول اکرم صلی علیہ وسلم ہے۔ اس لئے اس کے کسی کام میں کوئی فرق نہ آیا۔ زمانے کے ہونے والے تغیرات میں جماعت حزب اللہ نے عملی طور پر شرکت کی۔ اور وقت کے تقاضوں کو بڑی جوان ممتی اور بالغ نظری سے پورا کیا۔ لیکن اس نے اپنی اصلی حیثیت کو قطعاً خیر باد نہ کہا بلکہ اسے بڑی شان کے ساتھ قائم رکھا۔ یہ عملی درس ہے۔ جو اس مقدس جماعت نے مملکت پاکستان کو دیا تاکہ وہ زمانہ کے تغیرات کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی اصلی حیثیت کو قائم رکھے۔

تبادلہ آبادی کے وقت ملک میں عجیب حالات پیدا ہوئے۔ ہندو اور سکھ لوگ جو ساری تجارت پر قابض ہونے کی وجہ سے بے حد متمول تھے قیمتی ساز و سامان سے بھرے ہوئے گھر متقل کر کے بھارت روانہ ہو گئے۔ اگر اس تمام مال و دولت کو دیانت داری سے اکٹھا کیا جاتا اور پھر اسے ملکی اور ملی بہبود اور ہاجرین کی آباد کاری پر صرف کیا جاتا تو ہمارے لاتعداد مالی مشکلات دور ہو جاتیں اور لاکھوں ہاجر لوگ بھی مطمئن ہو جاتے۔ پاکستان بننے پر ابتدا میں مسلمانوں کے دلوں میں ملی بیت المال کے قیام اور اس کے احترام کا بڑا خیال تھا۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ قرون اولیٰ کے نمونہ پر تمام امور انصرام پائیں

گے۔ نہایت ہی پاکیزہ نفسیاتی ماحول موجود تھا اور اس سے کالے کراہت مٹالی ریاست کی بنیاد باسانی رکھی جاسکتی تھی۔ مگر حکومت کے افسران اور دیگر ملازم سرکار جو برطانوی حکومت کے دور میں رشوت ستانی اور بدعنوانی کے عادی ہو چکے تھے کھلے بندوں لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے۔ وزراء حکومت جو برطانیہ کے پیدا کردہ کج رویہ معاشرہ کے ممتاز افراد تھے۔ ہاتھ رنگینے سے باز نہ آئے۔ حتیٰ کہ کئی ایک بڑے بڑے جیہ اور عمامہ پوش بزرگ بھی اس حمام میں ہمیں ننگے نظر آتے ہیں۔ غیر مسلموں کے مال و اسباب کی لوٹ ان کی عمارات کا انہدام اور ملبہ کا سرقتہ و باکی طرح عام ہو گیا۔ ہر ملک کا ادنیٰ طبقہ ہمیشہ اس قسم کے مواقع کی تاک میں رہتا ہے۔ اس نے جب خود محتسب اور مفتی کو عملاً جواز کا فتویٰ جاری کرتے دیکھا تو پھر کیا تھا اس نے رہی رہی کسر بھی پوری کر دی۔

مگر جس طرح کہ کندن آزمائش کی کٹھالی میں پڑ کر اور بھی زیادہ چمک اٹھتا ہے۔ اراکین اور رضا کاران حزب اللہ کے بہترین اخلاق کا اس موقع پر نہایت ہی اعلیٰ مظاہرہ ہوا۔ حضرت امیر حزب اللہ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے غیر مسلموں کے مال و اسباب کو ہاتھ تک نہ لگایا اور ملک بھر میں جہاں کہیں انہیں اس کی حفاظت پر مامور کیا گیا انہوں نے انتہائی دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ اور انہوں نے ثابت کر دکھایا کہ حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی نے مسخ شدہ ذہنیاتوں کو درست کرنے کے لئے جو مبارک تعلیمات بیس اکیس سال کے طویل عرصہ میں پے در پے دی تھیں اور رشد و ہدایت کے لئے جو تدابیر اختیار کی تھیں کس قدر نتیجہ خیز اور کامیاب رہی ہیں۔ تنہا ہی جماعت تھی جس نے اس وبا کے عام میں قلوب کو ہر قسم کی اخلاقی بیماریوں

تذکرہ اسما و
بلاد اور عت
حزب اللہ

سے مکمل طور پر محفوظ رکھا۔ حزب اللہ کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ نفسا نفسی، خود غرضی اور بددیانتی کے اس آفاق گیر خلفشار میں پوری طرح ثابت ہو گیا کہ اگر اکیں اور رضا کار اپنی رفتار، کردار اور گفتار کو کمالاً حزب اللہ کے سانچے میں ڈھال چکے ہیں۔ اور خشیت الہی، فرض شناسی، رجوع الی الحق، تقرب الی اللہ، ایتار و قربانی، سیر چشمی و استغناء، بلند جوصلگی و بلند نظری، اطاعت امیر و تعمیل ارشاد، تحفظ و استحکام پاکستان کے لئے سینہ سپری اور ترویج احکام شریعت اور اجرائے احکام اسلامی کے لئے بیقراری اس مبارک قوم کا شعار بن چکا ہے۔ آخرت کے لزام و انعامات اور اخروی فوائد و ثمرات پر نظر رکھنے والے اس گروہ نے متاع دنیا کی پرواہ نہ کی۔ اپنا دامن کسی قسم کے جرم سے ملوث نہ ہونے دیا۔ اور ایک ذات پاک کے حصول خوشنودی کی خاطر ضبط علی النفس کی بہترین مثال پیش کی۔

ان حقائق سے پتہ چل سکتا ہے کہ جماعت حزب اللہ جسے حیات ابدی کا طفرائے امتیاز بارگاہ رب العالمین سے مل چکا ہے۔ پاکستان کے بقا و استحکام کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اور ملک میں پاکیزہ مشرب معاشرہ پیدا کرنے میں کیا کردار انجام دے سکتی ہے۔ ان تمہیدی سطور کے بعد ہم ذیل میں مختلف عنوانات قائم کر کے بتاتے ہیں کہ حضرت امیر باتدبیر نے قیام پاکستان کے بعد اپنی مبارک جماعت کے ذریعے ملکی اور ملی بہبود و ترقی کے لئے کیا کچھ کیا۔

جمعیتہ المشائخ

ناظرین کرام کو اس تصنیف کے لفظ لفظ سے واضح ہو چکا ہو گا کہ ایک

شیخ طریقت مسلمانوں کے مخدوش حالات کے زیر نظر حجرہ نشینی چھوڑ کر میدان عمل میں آچکے تھے اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں کو ملت اسلامیہ کے احیا اور عروج کے لئے استعمال میں لارہے تھے۔ اس سلسلہ میں حضور کو جس وسیع پیمانے پر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ بالخصوص ۱۹۴۶ء کے انتخابات اور تبادلتہ آبادی کے موقع پر ارکان و رضا کاران حزب اللہ کے کردار اور شاندار اخلاقی مظاہرہ نے آپ کو یقین دلایا تھا کہ مبارک نفوس کا یہ گروہ اگر منظم ہو جائے، یہ بھرے ہوئے موتی اگر ایک سلک میں منسلک ہو جائیں اور ان الائی ابدار کو ایک لڑی میں پرو دیا جاسکے تو مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لئے بے شک انمول کارنامے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ ذرا وقت نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ پاکستان و ہندوستان کے مشائخ عظام کا اتفاق و اتحاد ہر لحاظ سے بڑے دور رس نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ ان دونوں ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ اور بقا کا سوال شدت اختیار کر چکا تھا۔ اس لئے پہلے انہی اصحاب صدق و وفا اور ارباب معرفت نے اپنی روحانی قوت کے بل بوتے پر اس بڑے صغیر میں اسلام کو اقتدارِ عالی عطا کیا تھا۔ انہوں نے روجوں کو مسخر کیا، قلوب کو اخلاق کی زنجیروں میں مقید کیا۔ اور اجسام کو اطاعت و انقیاد کے سلاسل میں جکڑا۔ اب پھر روحانی قوت کے علمبردار ہی اسلام کو یہاں مقتدر بنا سکتے تھے۔

اس حقیقت کا احساس حضرت امیر حزب اللہ کو شروع ہی سے تھا۔ تقسیم ملک نے حالات سازگار بنا دیئے۔ جب آپ ۲۴ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۴۸ء خواجہ شمس العارفین کے عرس مبارک میں شمولیت کی غرض سے سیال شریف پہنچے تو حسین اتفاق سے آپ نے وہاں خاندانِ حثیت

کے مشاہیر مشائخ و سجادہ نشین حضرات کو موجود دیکھا۔ خصوصاً حضرت قبلہ دیوان
میر آل رسول علی خاں صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف کی
غیر متوقع تشریف آوری بہت ہی بر موقع ثابت ہوئی۔ اس مبارک اجتماع کو
عنایت سمجھ کر حضرت امیر حزب اللہ نے جمعیتہ المشائخ کی تاسیس و تشکیل کیلئے
تحریک شروع کر دی۔ چنانچہ حضرت دیوان صاحب قبلہ کے زیر صدارت ایک
جلسہ منعقد ہوا۔ حضرت امیر حزب اللہ نے ایک گھنٹہ تقریر فرمائی ہندوستان
میں مسلمانوں پر کفار و مشرکین کے مظالم بیان فرمائے۔ مساجد اور مقابر کی حالت
زار کا نقشہ چھینچا۔ اور واضح فرمایا کہ اہل ہند مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر
اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ادھر پاکستان کا مسلمان بھی ہر طرح خطرے میں ہے۔
اس لئے اپنے قابل احترام متقدمین اور اسلاف کرام کے مبارک نمونے کو سامنے
رکھ کر مشائخ عظام کو باغ اسلام اور قصر توحید کو بچانے کے لئے خانقاہوں سے
نکل آنا چاہئے۔ اور بنیائے مَرصُوحِ بن کر کفر کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ حضرت
خواجہ حافظ قمر الدین صاحب قبلہ سجادہ نشین سیال شریف اور حضرت
خواجہ محمد یوسف صاحب تونسوی نے نہایت جامع الفاظ میں حضور کی تائید
فرمائی اور جمعیتہ المشائخ کا قیام عمل میں آگیا۔

لِلّٰهِ الْحَمْدُ ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پر وہ تقدیر پدید

حضرت دیوان صاحب اس مقدس جمعیت کے صدر اور حضرت امیر حزب اللہ
ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ نائبین صدر کا انتخاب بھی عمل آیا۔ جن میں پاک پٹن
شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، گواڑہ شریف، علی پور شریف
اور مانگی شریف کے سجادہ نشین حضرات شامل تھے۔ نواب میان محمد حیات قریشی
مرحوم خازن تجویز ہوئے۔ ارکان کی بھی ایک طویل فہرست تیار ہو گئی۔ اس

مبارک جماعت کے قائم ہونے پر حضرت امیر حزب اللہ نے بعد مسرت و
انبساط زبان حال سے فرمایا ہے

شکر صد شکر میان من و اوستاد صلح فساد حوریال رقص کنناں سلنغر پیمانہ زوند

اس جلسہ میں کئی ایک قراردادیں بھی پاس ہوئیں۔ ایک قرارداد میں حکومت
ہند کو متنبہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں مساجد اور خانقاہوں کا احترام ملحوظ
رکھا جائے ورنہ نتائج نہایت خطرناک ہوں گے اور ایک میں حکومت
پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ پاکستان کے پورے نظام کو شریعت اسلامی
کے قالب میں ڈھالا جائے۔

حضرت امیر حزب اللہ نے بعد میں "جمعیۃ المشائخ" کے نام سے ایک
رسالہ مرتب فرمایا جس میں آپ نے جمعیت کے زیریں اصول و مقاصد عالیہ
دستور اساسی اور حقیقی نصب العین کی توضیح فرمائی۔ سطور اولیں میں آپ نے
اس بات پر زور دیا کہ عقل فکر کی بہاؤ اور عملی سائنس کی محیر العقول ایجادات
و اختراعات نے نوع انسانی کو اطلح اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے کہ وہ ان
حقائق کے پیدا کرنے والے یعنی خالق کائنات سے بالکل بے خبر ہو کے
رہ گئی ہے۔ اور اس وجہ سے جہاں آج کل انیسان اپنا شرف کھو بیٹھا ہے ہاں
آرام و آسائش کے اسباب کی کثرت کے باوجود تسکین احساس سے بھی محروم
ہو چکا ہے۔ حالانکہ معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز خم کرنے سے ہی وہ اس نعمت
کو حاصل کر سکتا تھا اور تجلیات الہیہ کا ضبط اور اسرار رحمانیہ کا مورد بن سکتا
تھا۔ اغراض و مقاصد کے سلسلہ میں آپ نے اعلا کلمۃ اللہ کے لئے جہاد و بالتفسر
جہاد بالسیف اور ملکی معاملات میں عملی دلچسپی لینے کی ترغیب دی۔ نصب العین کی
تشریح کرتے ہوئے شروع میں آپ نے یہ شعر تحریر فرمایا ہے

گفتا کہ کرا خواہی از خیل تان جامی: "ایں جملہ طفیل تو من از تو ترا خواہم" اور پھر بتایا کہ ہر جماعت کے سامنے کوئی نہ کوئی نصب العین ہوا کرتا ہے۔ لیکن آپ نے ظاہری تباولہ خیالات سے نہیں بلکہ باطنی مکاشفات سے جمعیتہ المشائخ کا نصب العین جو بہترین مطمح نظر تجویز کیا وہ ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

آپ نے فرمایا:

ہم جمعیتہ المشائخ سے تعلق رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اپنا نصب العین بنائے ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد اعلان کلمتہ اللہ ہوگا۔ ہم تمام اندادا من دون اللہ واربابا من دون اللہ سے روگردانی و اعراض کرتے ہوئے:

رَبِّي وَجِهَتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کے مطابق اپنے منہ کو فطر السموات والارض، خالق کائنات، واجب الوجود، مدبر الامر کی طرف پھیرتے ہیں۔ جس کی رضا جوئی ہماری زندگی کا مقصد اولین ہے اور جس کا قرب حاصل کرنا ہماری حیات کی علت غائی:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

ہماری نمازیں، ہماری قربانیاں، ہماری زندگی، ہماری موت سب اسی کے لئے ہے۔ ہم دنیا میں اس کا نام بلند کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس کے مرتب کردہ آئین کا نفاذ ہی مسلمانوں کو مسلمان بنا سکتا ہے۔ اور احکام الہیہ کی ترویج میں ہی مسلمان قوم کی نجات ہے۔ اس کے مقبول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چلنا ہمارے لئے از

بس لازم ہے۔ اور اللہ کے حبیب صلعم کی محبت کو دنیا کی ساری
محبتوں سے بڑھا لینا ہمارا جزو ایمان۔

دیکھئے اسلامی تعلیمات میں اس سے بہتر کوئی دوسرا صلب العین موجود نہیں۔ و نعم ما قبلہ
چھانسا وہ دل کدھس کی ازل میں نہ تھی پسلی پھر ک اٹھی نظر انتخاب کی
آپ نے اعلان فرمایا:

ہم نہیں چاہتے کہ سب سے بڑے حاکم کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا
حکمران ہو۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس کے مرتب کردہ آئین کے مقابلہ میں
کوئی دوسرا آئین بنایا جائے۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ فرزند ان توحید
کو پرستار ان باطل نیچا دکھلائیں۔ ہم یہ برواشرت کرنے کے لئے تیار
نہیں کہ جہاں اس کا نام صدیوں تک لیا جاتا رہا ہو وہاں ناقوس
چونکے جائیں یا گھنٹیاں بجائی جائیں۔

جمعیت المشائخ کا دوسرا اجلاس لاہور میں ۲۲ رجب المرجب ۱۳۶۸ھ مطابق

۲۱ مئی ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا۔ بڑا عظیم اجتماع تھا۔ تمام اخراجات حضرت امیر
حزب اللہ نے برواشرت فرمائے۔ اس کی مفصل کارروائی ہفتہ وار الجماعت
کراچی میں ۲۶ رجب ۱۹۴۹ء کو چھپی۔ اس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ
ملک میں دینی یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ علاوہ بریں مسٹر لیاقت علی
خان وزیر اعظم پاکستان پر زور دیا گیا تھا کہ وہ قرارداد مقاصد کے
مطابق پاکستان کا دستور بنانے کے لئے مشائخ اور علماء کی ایک معقول تعداد
کو دستور ساز اسمبلی میں شامل کریں تاکہ وہ قرآن و حدیث اور علوم فقہ کی روشنی
میں استنباط و استخراج مسائل کر سکیں۔ اس اجتماع میں نصاب تعلیم میں
تبدیلی، عسکری تربیت، فلسطین و کشمیر کے مسائل اور اسلامی ممالک کے

جمعیت کا دوسرا
اجلاس

اتحاد کے لئے بھی قرار دایں پاس کی گئیں۔ اس کارروائی سے جمعیتہ المشائخ کی افادیت اور کارکردگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس اجلاس میں حضرت امیر حزب اللہ نے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے مشائخ عظام اور علمائے کرام کو دہریت و الحاد اور کفر و ارتداد کے استیصال کے لئے خاص طور پر متوجہ فرمایا۔ آپ نے بتایا کہ مادہ پرست اور ملحد لوگ مسرت اور اطمینان کے متلاشی ہیں۔ اور ان کی نگاہیں اضطرابی طور پر روحانیت کی طرف اٹھ رہی ہیں اس ذہنی اور شعوری انقلاب کو مد نظر رکھتے ہوئے روحانیت کے داعیان حق کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ جب کہ دوست اور دشمن تمام ان سے امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ جب اپنا دل اللہ اللہ کی ضرب سے متاثر و مرعش نہ ہوتا ہو دوسروں کے دل کیسے لرزنے لگیں اور جب اپنے اخلاق کی تربیت نہیں ہو گی دوسروں کو تربیت اخلاق کا سبق دینے سے کیا حاصل۔ سب سے مقدم اپنی اصلاح ہے اور سب سے ضروری اپنے دل کے آئینے کو صاف کرنا۔ اس طرح روحانیت کے لطائف و رموز سے پوری طرح باخبر ہو کر اپنی بے پناہ روحانی قوت سے کام لیتے ہوئے اپنے اسلاف کرام کی طرح ترستی اور تڑپتی ہوئی دنیا کو تسکین و اطمینان کا آب زلال عطا کرنا چاہئے۔

قائد اعظم کی رحلت

ہرگز نمیر و آنکہ دلش زند شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام
کثرت کار اور بوجہ تفکرات کی وجہ سے قائد اعظم محمد علی جناح گورنر جنرل
پاکستان کی پھیپھڑے کی تکلیف بڑھ گئی۔ آپ نے عالی ہمتی سے کام لے کر مرض

کا مقابلہ کیا۔ ڈاکٹر بھی مسلسل علاج معالجہ میں مصروف رہے مگر آخر کار اسے
 ۱۹۶۸ء کو رات کے وقت دس بج کر پچیس منٹ پر بیسویں صدی عیسوی کا یہ مرد
 عظیم، پاکستان کا بانی، تدبیر و سیاست کا پیکر، دیانت و صداقت کا مجسمہ، اپنی
 نوزائیدہ مملکت اور مصائب و آلام سے محصور اپنی محبوب قوم کو ہمیشہ کیلئے
 و اذیغ مفارقت دے گیا۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**

حضرت امیر حزب اللہ نے قائد اعظم کی وفات کو ایک سانحہ ملی اور حادثہ

قومی سے تعبیر فرمایا۔ اپنے سالانہ خطبہ صدارت میں آپ نے بصد تاسف و احساں

حرفاں فرمایا کہ قدرت کے باغ میں ہمیشہ قسم قسم کے پھول پیدا ہوتے ہیں

مگر اپنی قسم کا نرالا پھول کبھی کبھی کھل کر جاؤپ نگاہ ہوا کرتا ہے۔ اندھوں کی

کی دنیا میں آنکھوں والے روز روز نہیں آسکتے۔ قومیں تو ہر وقت

موجود رہتی ہیں۔ لیکن ان کی اصلاح کرنے والے افراد قرون اور

صدیوں کے بعد تشریف فرما عالم ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے قائد اعظم کی خوبیاں

گنوائے ہوئے فرمایا کہ عزم و وقار، بلند خیالی، عالی ہمتی، اعتماد علی النفس،

ارادہ کی بختگی، زبردست قوت فیصلہ، سیاسی شعور، تدبیر و سیاست اور

سب سے بڑھ کر خلوص و لہیت، بے غرضی اور بے نفسی اور سچائی میں موجود تھے آپ

کی انتھک کوششوں اور بے پناہ قوت ارادہ کی طفیل پاکستان کا تخیل

ایک حقیقت بن گیا۔ استحکام پاکستان میں ان سے بہت بڑی توقعات بستیں اور دوست

تو دوست دشمنوں کے دل اگر چیر کر دیکھیں تو وہ بھی ان کی خوبیوں کے علاج

اور معترف نظر آئیں گے۔ یہی فضل و کمال کی اعلیٰ دلیل ہے۔ اور اب قائد اعظم

سے محبت کا عملی ثبوت اس طرح دینا چاہئے کہ ہم ان کے بنائے ہوئے پاکستان

کو مضبوط اور خوشحال بنائیں۔ اختیار کی دست بردار سے بچانے کے لئے سینہ

قائد اعظم کو
 خراج تحسین

سپر ہو جائیں اور اسے صحیح معنوں میں پاکستان بنا کے چھوڑیں۔

بھارت کے حالات

چاہیے تو یہ تھا کہ حصول آزادی کے بعد دونوں ممالک کے باہمی تعلقات نہایت ہی خوشگوار ہوتے۔ دونوں ملک طویل عرصہ کی غلامی کے بعد آزاد ہوئے تھے۔ دور غلامی میں ہندو اور مسلمان دونوں قومیں انگریزوں کو مورد الزام بناتی رہی تھیں کہ انہوں نے دوسروں کی آزادی سلب کر رکھی ہے۔ ان کی ملکی معیشت پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ان کے خون کا آخری قطرہ تک چوس لیا ہے۔ اب چاہئے تھا کہ جو الزام انگریزوں پر عائد کیا جاتا تھا اس سے بچنے کی کوشش کی جاتی۔ نہ صرف یہ بلکہ تمام عالم کے سامنے ایک ایسی عمدہ اور اعلیٰ مثال پیش کی جاتی جس سے تمام اقوام کو درسِ حریت ملتا۔ اخوت و مساوات کا ایک ایسا نمونہ ہوتا جو ہر ایک کے لئے روح پرورد، بصیرت افروز اور جرات آموز ہوتا۔ انقلابِ فرانس نے کسی ممالک کی غلامی کی زنجیریں توڑ کے رکھ دی تھیں۔ امریکہ کی جنگِ آزادی اسی کی مرہونِ منت ہے۔ گرافسوس ہے بھارت کے ہندو نے پورے بنیاد کا ثبوت دیا۔ اس کی فطرت میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ ”چمڑی جلے مگر مڑی نہ جائے“ اس کا وہی عرصہ آج بھی بند نہیں ہوتا۔ اس سے معاملہ بٹانہ لے لیا گیا مشکل ہے۔ اس کے طرف میں قطعاً وسعت نہیں۔ اسی لئے بھارت کبھی کسی عالمگیر تحریک کا منبع اور ماخذ نہیں بن سکا۔ ہندو کی اس فطرت کی وجہ سے حصول آزادی کے بعد بھارت اور پاکستان کے باہمی تعلقات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔

ادھر پاکستانی ملت قائد اعظم کی رحلت کی وجہ سے سوگوار تھی اور ادھر

بھارت نے اپنے بھاری ٹینک ریاست حیدرآباد میں داخل کر دیے
 سید قاسم رضوی جیسے غیور اور شجاع مجاہد اسلام کے تربیت یافتہ سرفروش
 رضا کاروں نے جب دیکھا کہ ان کی چھڑے والی بندوقیں ان کے ٹینکوں کی
 رفتار کو نہیں روک سکتیں تو وہ ہزاروں کی تعداد میں ان کے سامنے لیٹ گئے
 ٹینک انہیں روندتے ہوئے اور حُب قوم و ملت میں جان قربان کرنے والوں
 کے مقدس لاشوں کا بڑی سفاکی سے قیمہ بناتے ہوئے آگے نکل گئے۔ نظام
 بد انجام نے اپنی قارونی دولت کو بچانے کے لئے ہتھیار ڈال دیے۔ اور حیدر
 دکن کی مایہ ناز اسلامی ریاست کا سقوط ہو گیا۔ یہ ریاست مسلمانوں کا علمی گہوارہ
 تھی۔ اردو یونیورسٹی قائم تھی۔ مسلمان باشندے بڑے خوشحال اور فارغ البال
 تھے۔ ورنہ صفت بھارتی افواج نے ہر شے کا صفایا کر دیا۔ مسلمان جزیرہ نما
 دکن میں چاروں طرف سے محصور تھے۔ ان کے گھر لوٹے گئے۔ پر وہ نشیں مجسمہ عفت
 عصمت عورتوں کی کھلے بندوں عصمت دری کی گئی اور وہاں پھر چھوٹے چھوٹے
 بچوں اور ضعیف بوڑھوں کی لاشیں سنگینوں اور نیزوں پر چڑھائی گئیں۔
 ان حالات کی بنا پر پاکستان میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور عامۃ الناس کے
 حوصلے پست ہو کر رہ گئے۔ وزیر اعظم پاکستان نے دور اندیشی اور مصلحت بینی
 سے کام لے کر فوراً دورے شروع کر دیے۔ اور مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے
 حضرت امیر حزب اللہ کو اس صدمہ عظیمہ نے موردِ آلام و احزان بنایا۔ مگر آپ
 کے دل میں کوہ و قار عزا لم موجود تھے۔ حوادث کے تھپیڑے آپ کے پائے ثبات
 میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ آپ کو اچھی طرح سے علم تھا کہ نازک سے نازک
 مرحلہ پر بھی بظاہر مادی وسائل ختم ہونے کے باوجود مسلمانوں نے اپنے عزیز صمیم
 اور بلند حوصلگی سے کام لے کر آخری وقت میں ہمیشہ اپنی قسمت کا پانسہ کس طرح

سقوط حیدرآباد

پلٹتا ہے۔ اس لئے اس موقع پر آپ نے قوم کو جو پیغام دیا وہ سننے کے قابل ہے :

حیدر آباد کے سقوط نے ہمارے بلند ارادوں پر ناخوشگوار اثر ڈالا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم صبر و ضبط کے عنان کو ہاتھ سے دے کر سینہ کو بے لگیں یا نسوے بہائیں۔ بلکہ ہمیں اس واقعہ سے عبرت حاصل کر کے اپنی طاقت کو اور زیادہ مستحکم بنانا چاہئے اور اس امر کا اہیہ کر لینا چاہئے کہ انڈیا والوں نے ہمارے جو علاقے غصب کئے ہیں ہم انہیں لے کر رہیں گے۔ ریاست جو ناگڑھ جس نے پاکستان میں اپنی شرکت کا اعلان کر دیا تھا مگر اسے بزور شمشیر اپنے میں شامل کر لیا گیا۔ اور سو منات کی تاریخی مسجد کو پھر مندر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اگر اللہ کریم نے ہمارے بازوؤں میں قوت دی اور ہمارا قوت اپنی بڑھ گئی تو انشا اللہ ہم میں سے پھر کوئی محمود غزنوی پیدا ہو گا جو کہ سو منات کے مندر کو دوبارہ مسجد میں تبدیل کر دے گا اور حیدر آباد پر بھی ہمارا صدیوں سے قبضہ چلا آتا تھا۔ اس لئے ہماری زندگی میں یا ہمارے بعد کوئی ایسا وقت ضرور آئے گا جب اس پر بھی اسلامی جھنڈا لہرائے گا۔ اور اگر قاسم رضوی دلی کے لال قلعے پر ہلال کا پرچم نہیں لہرا سکا تو اس کی معنوی اولاد اس کی وصیت کو پورا کر کے دکھلائے گی۔ اگر یہ درست ہے کہ تاریخ

۱۷ مندر کی از سر نو تعمیر پر افغانستان میں بھی بڑا درد غم پیدا ہوا۔ راقم سطور ۱۹۵۷ء میں کابل گیا۔ استاد خلیل اللہ خان خلیلی افغانی نے فارسی زبان میں اپنی وہ زہرہ گداز نظم سنائی جس میں محمودیت شکن کے التماس کی گئی تھی۔ اٹھو۔ سو منات میں پھر بت نصب ہو رہے ہیں۔

اپنے آپ کو دہراتی ہے اور سومنات کا مندر پھرتن بن سکتا ہے تو
سومنات کی مسجد پھر مسجد بن جائے گی۔ اور وہی آگرہ اور حیدرآباد
بلکہ بحر ہند اور خلیج بنگال کے تمام ساحلی شہروں تک اسلامی عساکر کی
یلغار پہنچ جائے گی اور فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ پے در پے
شکستوں کے بعد بھی اللہ کے لشکر کی بالآخر فتح ہوگی اور خدائی
فوج کی نصرت۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَبْصَارِ

ہندوؤں نے حدود بھارت میں اسلامی تہذیب و تاریخ کے اثرات کو
مٹانے کے لئے جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ بین الاقوامی
رائے عامہ کی کوئی پروا نہ کر کے ہندوؤں نے پاکستان کے ناکرہ گناہوں کا
ڈھنڈورا پیٹا اور پراپیگنڈے کا ہنگامہ برپا کرنے کے بعد ان کے جی میں جو کچھ آیا
کر گذرے۔ بھارت میں رہ جانے والے چار کروڑ مسلمانوں کی حالت سخت
مخدوش تھی۔ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ہر وقت خطرہ تھا۔ ان کی زبان
ان کا کلچر اور ان کا تمدن غصب کیا جا رہا تھا۔ مختلف حیلوں بہانوں سے ان کی
جانداوین پھیلنی جا رہی تھیں۔ ان سے یہ مطالبہ ہو رہا تھا کہ ترک مذہب کرو یا
پاکستان چلے جاؤ۔ علی گڑھ یونیورسٹی کو مسلمانوں نے بڑے جان جو کھوں سے پروان
چڑھایا تھا۔ مگر اسے اسلامی تعلیمات سے خالی کر دیا گیا اور ان کی جگہ ہندی اور سنسکرت
کو رائج کیا گیا۔ مذہبی تعلیم اور زبان اردو پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ ڈاکٹر
مونیچے، پرکاش زائن، سردار پٹیل، ڈاکٹر کتجو اور دیگر بہت سے ہندو ماہرین نے خیالات
رکھنے والے لیڈروں کی تقریریں بے حد معاندانہ ہوا کرتی تھیں۔ مسٹر گاندھی شد
کی بجائے آہستہ آہستہ متحدہ قومیت کے جادو سے بھارت کی کلمہ گو آبادی کو رام
رام پڑھانا چاہتے تھے۔ اس زمرہ کی کو ناقابل عفو قصور سمجھا گیا اور ایک متعصب

بھارت میں
مسلمانوں کو

ہندو نے بیچارے گاندھی جی کا کام تمام کر دیا۔ بھارت کے مسلمانوں نے اپنی
ملکی حکومت سے توڑا اور عملاً اظہار و فواداری کیا۔ مگر ان کا واسطہ ایک شریف قوم
سے نہیں تھا۔ ایک کینے اور بزدل دشمن سے تھا جو نہتے اور پر امن شہریوں کی خویز
ایک مقدس فریضہ سمجھتا تھا۔

اس قوم نے کلکتہ، یوپی، سسی پی اور آسام کے صوبوں میں خون آشامی
اور قتل و نہب کے وہ انسانیت سوز مناظر دکھائے کہ الامان۔ قصہ اس طرح
شروع ہوا کہ سردار پٹیل نے کلکتہ میں جا کر ایک اشتعال انگیز بیان دیا۔ بعد میں
پنڈت نہرو کی تقریریں وہاں جا کر آگ بجھانے کی بجائے اس پرتیل چھڑک دیا۔ گویا لڈیے
نے بھیڑیوں کو دعوت دی کہ بھیڑوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاؤ۔ اس کا رد عمل مشرقی
پاکستان میں ہوا اور حکومت پاکستان نے حالات پر جلد قابو پا لیا۔ یہ ۱۹۵۰ء کی بات ہے
اس کے باوجود ہندو اخبارات اور بھارتی لیڈروں نے پراپیگنڈا جاری رکھا۔
اور بھارت کے ہندو بیچارے مسلمانوں کو بے دریغ مندرجہ بالا صوبوں میں تفرغ
کرتے رہے۔

ان حالات کی وجہ سے حضرت امیر حزب اللہ سخت آتش زیر پا تھے۔ آپ
ذرا حضور کے ان سالوں کے خطبات پڑھ کر دیکھیں۔ جن لوگوں نے ان ایام میں
حضور کی تقاریر سنی ہیں انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کس قدر پریشان تھے۔ مظلوم
اور بے کس چار کروڑ بھارتی مسلمانوں کے جان و ایمان کی حفاظت کا خیال آپ
کے لئے سخت روح فرسا تھا۔ یہی مسلمان تھے جن کی عملی قربانیوں سے پاکستان بنا
تھا۔ جو مسلم لیگ کے روح رواں تھے۔ اور جنہوں نے خود سب کچھ کھو کر پاکستان
والوں کا سب کچھ بنایا تھا۔ اس لئے پاکستان والوں کا فرض تھا کہ ان کی حفاظت
کرتے حضور سخت خائف تھے کہ اگر خارجی اعانت سے مایوس ہو کر اتنی کثیر تعداد

اسلام چھوڑ بیٹھی اور مرتد ہو گئی تو ہم قیامت کے دن کیا جواب دیں گے۔
 اسی طرح ان بچاس ہزار مسلمان عورتوں کا معاملہ حضرت امیر حزب اللہ
 کے لئے سخت سوہانِ روح کا موجب تھا۔ جو مشرقی پنجاب میں سکھ اور ہندو
 غنڈوں کے قبضہ میں تھیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں
 کو تعلیم دی تھی کہ صنفِ لطیف جو بلحاظ خلقت کمزور ہے ہر طرح لائق احترام
 ہے۔ حضرت جعفر طیارؓ ایک جنگ پر جا رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ عورتوں پر بالکل ہاتھ نہ اٹھانا۔ بوڑھوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ او
 نہ ہی مکانات یا کھیتیاں جلانا اور برباد کرنا۔ اسی طرح حضور رحمتہ للعالمین کے
 سامنے بنی طے کا باغی قبیلہ پیش ہوا۔ اس کی ایک عورت آنحضرت کے سامنے
 لائی گئی جو حاتم طائی کی بیٹی تھی۔ یہ معلوم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خاتون
 تمہیں اپنے باپ کے نام پر آزاد کیا جاتا ہے۔ بڑھیا نے عرض کی۔ حاتم کی بیٹی
 اپنے قبیلہ کو قید و بند میں چھوڑ کر تنہا آزاد نہیں ہونا چاہتی۔ درپائے رحمت جوش
 میں آیا اور حکم ہلا کہ سارے قبیلہ کو آزاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی گھٹی میں تو یہ پاکیزہ
 تعلیم پڑھی تھی مگر ان کے سامنے اب ایک سیس، رذیل اور کھینچہ قوم تھی جو
 جذباتِ خبیثہ کی بنا پر جنسِ لطیف کے ساتھ شرافت کا برتاؤ کرنا جانتی ہی نہیں
 تھی۔ ہندو پاک کی حکومتوں کے درمیان عورتوں کی واپسی کے متعلق کئی سمجھوتے
 ہوئے۔ بالآخر طے پایا کہ ایک ملک سے جتنی عورتوں کی بازیابی ہو اتنی دوسرے
 ملک سے واپس کی جائیں۔ مگر پاکستان میں ہندوؤں کی معدودے چند عورتیں
 تھیں جو تمام کی تمام لوٹا دی گئیں۔ ان کی ایک عورت بھی پاکستان میں نہ رہ گئی
 چونکہ تبادلہ آبادی کے وقت مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں کی عورتیں زیادہ
 تعداد میں نہیں چھینی تھیں اور اگٹا با آبرو قوم کے افراد کی طرح مسلمان شرفانے

اپنے ہاں غیر مسلموں کے پناہ گزین ہونے پر ان کی حفاظت سینہ سپر ہو کر کھٹی
 اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان سے ہندو اور کچھ عورتیں بارہ تعداد میں برآمد نہ ہو سکیں
 اور پھر سواکن سمجھوتے کی وجہ سے ہزار ہا مسلمان عورتیں جنہیں مشرقی پنجاب میں
 گھروں، کیمپوں، قافلوں اور گاڑیوں سے جبراً اچھین لیا گیا تھا۔ وہیں رہ گئیں۔
 مسلمانوں کے سینہ پر یہ مندرل نہ ہونے والا چرکارہ گیا۔ حضرت امیر حزب اللہ
 فرماتے تھے ایک وقت وہ بھی تھا جب ایک مسلمان لونڈی کی آواز "وامعتصماً!
 سن کر عباسی خلیفہ معتصم باللہ بے چین ہو گیا تھا۔ بغداد سے اٹھ کر قسطنطنیہ پر
 حملہ آور ہوا اور اس وقت تک اپنے آپ پر خواب و خور حرام سمجھا تھا جب تک
 کہ وہ لونڈی آزاد نہیں ہو گئی تھی۔ اور ایک وقت یہ بھی ہے کہ پاکستان کی حکومت
 اور یہاں کے مسلمان ان ہزار ہا عورتوں کی چیخ و پکار سننے کے باوجود پنبہ درگوش
 ہو چکے ہیں اور انہیں مشرقی پنجاب میں جانوروں کی طرح کوڑیوں کے مول گھر
 پکتے دیکھ کر حمیت اسلامی اور غیرت ایمانی سے محروم ہو چکے ہیں۔

بھارت نے پاکستان کو ذلیل اور تباہ کرنے کیلئے وہ سب کچھ کیا جو اس کیلئے
 ممکن تھا۔ نہروں کے پانی کی بندش کر دی گئی۔ دریاؤں کے رخ بدل دینے کے
 منصوبے تیار کئے گئے، کوئلے کی بہر سانی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تاکہ پاکستانی ریلوں
 کی نقل و حرکت یک قلم بند ہو جائے۔ علاوہ بریں پاکستان کا کروڑوں روپے
 کا قرضہ ڈکار لئے بغیر ہضم کر لیا گیا۔ بھارت نے پاکستانی سگے کی قیمت کو نقصان پہنچانے
 کے لئے ہر ممکن تدابیر اختیار کی۔ ہندوؤں کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کی نوزائیدہ
 مملکت اس وباؤ کی وجہ سے مالی اور اقتصادی لحاظ سے بالکل کمزور اور مغلوب
 ہو جائے اور انجام کار بھارت کے ایک صوبے کی حیثیت اختیار کرے۔ اتنی تعداد
 میں مہاجروں کو پاکستان دھکیل دینے میں بھی یہی ناپاک جذبہ کام کر رہا تھا۔

بیرونی دنیا میں پاکستان کے خلاف یہ پراپیگنڈا کیا گیا کہ یہ نئی مملکت مذہبی دنیاوی
پر قائم ہوئی ہے۔ آج کل کی مہذب اور ترقی یافتہ دنیا میں اس قسم کی رجعت پسند
اور متعصب ریاستوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ تو قرونِ مظلمہ کی چیز ہے۔ ان تمام
حالات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ دشمن جس قدر ظالم تھا اتنا ہی چالاک تھا
بھارت کے اس تمام عناد اور تعصب کو دیکھ کر حضرت امیرِ حزبِ اللہ نے فرمایا:

يُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبٰى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ
يُتِمَّ نُوْرَهُ وَاَوْكِرَ الْكٰفِرُوْنَ

کیوں ہر اسان سے بہیل فریں عدا، نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا

بھارت کی طرف سے مشکلات کے ان امٹتے ہوئے بادلوں اور بھارت
میں رہنے والے مسلمانوں کے قتل و نہب اور واروگیر کو دیکھ کر بعض ساوہ دل
اور کم ہمت پاکستانیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ اگر یہ تقسیم والا سلسلہ نہ ہوتا تو
شاید یہ مجبوریاں لاحق نہ ہوتیں۔ انہیں حضرت امیرِ حزبِ اللہ نے جواب دیا کہ
یہ بات قطعاً غلط ہے۔ اور معترضین کی حقیقت ناشناسی کی دلیل ہے۔ آپ نے
فرمایا کہ دراصل ہندوؤں اور سکھوں کا ناپاک ارادہ یہ تھا کہ انگریزوں کے چلے
جانے کے بعد مسلمانوں کو اپنی کثرت اور طاقت کے بل بوتے پر بالکل فنا کر
دیا جائے تقسیم سے پہلے صوبہ بہار میں خون چکاں واقعات ہوئے تھے اور
گڑھ مکتیشہر کا جو بیجان خیز سانحہ گذرا تھا ان سب کا محرک بھی یہی جذبہ تھا۔ غیر
مسلموں کے سامنے مسلمانوں کو برصغیر سے نکالنے یا انہیں مرتد کرنے کے بغیر
اور کوئی سوال نہیں تھا حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تو اللہ کا فضل تھا کہ پاکستان
کتیم عدم سے منصفہ شہود پر آیا اور مسلمانوں نے نیک ولی یا خوش اعتمادی سے
ہندوؤں پر بھروسہ کرنے اور متحدہ ہندوستان کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے

لئے ایک آزاد مملکت کے حصول پر اصرار کیا۔ ورنہ وسعت آباد ہند میں مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ موجود نہ ہوتی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھارت کی سازشوں اور پے درپے مفاہمتوں، ہندوستان میں بسنے والے چار کروڑ فرزند ان توحید اور ہندو سکھ غنڈوں کے قبضہ میں موجود ہزار ہا بے کس عورتوں کا صرف ایک علاج ہے۔ جو مظلوموں اور بیکیوں کا واحد مرجع و مال ہے۔ اور انہیں نچبہ استبداد سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس کے سوا اب کوئی اور چارہ کار نہیں۔ اور وہ ہے :

” جہاد “

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو مسلمانوں نے جہاد کے اہم ترین فریضہ کو طاق نسبان بنا ڈالا۔ قرآن مجید میں سورہ انفال اور سورہ توبہ سر تا سر مطالب جہاد پر مشتمل ہیں۔ علمائے کرام اپنے شاگردوں کو یہ سورتیں سرسری طور پر پڑھا دیا کرتے تھے مگر ان کی طرف توجہ منفق و تھی اور ان پر عمل کرنے کا بھی خیال تک دل میں نہیں آیا تھا۔ عظیم بھی منبر پر کھڑے ہو کر دیگر قسم کے مسائل بیان کرتے تھے۔ مگر جہاد کے احکامات سے اغماض برت جاتے تھے۔ مشائخ عظام کا حال بھی یہی تھا۔ تمام کی تمام قوم ترک جہاد کی معصیت میں مبتلا تھی۔ اٹا ایک گوشے سے یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ جہاد بالسیف اب واجبات میں سے نہیں۔ اور اس آواز کو سن کر علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا کہ

چوں جہاد و حج شاندار واجبات رفت جاں از پیکر صوم و صلوة

قوم کی حالت یہ تھی۔ مگر ازر وے قرآن جہاد ایک ایسا فریضہ تھا جس کو ادا کئے بغیر مسلمانوں کا مستقبل کبھی سدھر نہیں سکتا تھا۔ اس کا مقصد اللہ

کا نام بلند کرنا تھا اور جب مسلمان اللہ کی راہ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے نکلتے ہیں اور ہر قسم کی ذاتی اغراض سے بالاتر ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر طرح کی ظاہری اور باطنی امداد کے ذریعے ان کو فتح و نصرت عطا فرماتے ہیں کبھی کہیں شکست ہو بھی جاتی ہے تو انجام کار فتح مندی ان کے پاؤں چومتی ہے۔ مسلمانوں نے من حیث القوم یہ فریضہ ترک کر دیا تو مختلف غیر مسلم اقوام کے ہاتھوں ان کی ایسی تباہی اور بربادی ہوئی کہ جس کے چرکے طویل مدت تک وجودِ ملت پر موجود رہیں گے

حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی کو افتادِ طبیعت کے باعث اس مسئلے سے بڑا شغف اور اہمک تھا۔ آپ نے مسلسل ساری زندگی درسِ جہاد دیا۔ انگریزوں کی موجودگی میں آپ نے مسلمانوں کو اپنی آتش انگیز تحریروں اور تقریروں کے ذریعے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہنے کو فرمایا۔ اور مسئلہ جہاد کو از سر نو زندہ کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب ملت اسلامیہ ترک جہاد کی معصیت میں مبتلا تھی اور ایک فرقے نے اس ترک کے لئے شرعی جواز کی صورت بھی پیدا کر دی تھی تو اللہ نے آپ کو مامور فرمایا تاکہ جہاد کے حیات بخش پیغام قرآنی کو از سر نو مسلمانوں کے کانوں تک پہنچا جائے۔ ان کے طبائع میں روح جہاد چھونک دی جائے وہ ایک بار پھر مجاہد اور غازی بن جائیں۔ اور شہادت پانا سب سے بڑا اعزاز سمجھیں۔ آپ نے اپنی مبارک زندگی کے تیس سے زائد سال یعنی مسلمانوں کی دو نسلوں کو لگاتار جہاد کی تعلیم دی اور مجاہدین کی ایک منظم جماعت بھی تیار کی۔ حضور اپنی تقاریر میں فرمایا کرتے تھے۔ ہم تو قیامت کے روز اپنا ہی کار نامہ ذات باری عزائمہ کے سامنے بصدِ عجز و نیاز پیش کریں گے۔

روز قیامت ہر کسی کو دست گیر نامہ من نیز حاضر می شویم تصویر جانا اور بغل

جیسا کہ پیشتر ازیں بوضاحت بتایا چکا ہے۔ بھارتی حکومت اور عوام نے اس برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ہر طرح نہایت ہی اندوہناک حالات پیدا کر دیئے تھے۔ اور جوں جوں دن گزر رہے تھے صورتِ حالات اور بھی زیادہ المناک ہوتی چلی جا رہی تھی اس لئے حضرت امیر حزب اللہ نے فرمایا کہ پاکستان اور ہندوستان کے اندر بسنے والے مسلمانوں کے تحفظ و بقا کے لئے اگر کوئی چیز مفید ہو سکتی ہے تو وہ جہاد اور صرف جہاد ہے۔ ۱۹۴۶ء کے بعد کئی بار آپ نے اپنے سالانہ خطبات میں ضرورتِ جہاد کی طرف اراکین حزب اللہ اور عامۃ المسلمین کو متوجہ فرمایا لیکن حضور کا ٹیلیسیواں سالانہ خطبہ صدارت تو بالخصوص سرتاپا طبلِ جہاد ہے۔ یہ ۱۹۵۰ء کا ذکر ہے۔ ان ایام میں تمام بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ اور آپ نے بے تاب ہو کر بڑی درمندی اور دسوزی سے اعلانِ جہاد فرمایا۔ اس لحاظ سے یہ خطبہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو اس طرح مخاطب فرمایا:

مصر کے مسلمانو! عراق کے مسلمانو! ایران کے مسلمانو! افغانستان کے مسلمانو! ساری دنیا کے مسلمانو! اور خاص کر پاکستان کے اندر بسنے والے آٹھ کروڑ مسلمانو! قیامت کے دن تم سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے اپنے چار کروڑ بھائیوں کو ذبح ہوتے دیکھا۔ اپنی پاکباز بہنوں کی عصمت دری دیکھی۔ اپنے معصوم بچوں کے گلوں پر پھریاں چلتی دیکھیں۔ اسلام کے باغ کو اجڑتے دیکھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے لگائے ہوئے پودوں کو بے دردی کے ساتھ اکھڑتے دیکھا۔ مگر تمہاری رگِ حمیت حرکت میں نہیں آئی۔ تم نے انہیں چھڑانے کی تدبیر نہیں کی

اور تم نے اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہیں کیا۔

آپ کا خیال یہ تھا کہ اگر ظالم کا ہاتھ نہ روکا گیا تو اس کے حوصلے اور بھی بڑھینگے اور جہاں مرنے والوں اور جام شہادت پینے والوں کی تعداد میں بیچ شمار اصنافہ ہو جائے گا وہاں پاکستان میں اتنے مہاجرین آجائیں گے کہ انکے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے بطور تمام حجت پاکستان یہ مسئلہ جمعیت الاقوامہ کے سامنے بڑے جوش و خروش اور شد و مد سے پیش کرے۔ اور اگر ان کی دخل اندازی سے یہ قتل عام رک جائے اور آئندہ کے لئے بھارت والے مسلمانوں کے جان و مال کے ذمہ دار بن جائیں تو چشم ماروشن دلی ماشاؤ۔ ورنہ حکومت پاکستان بھارت کو باقاعدہ الٹی میٹم دے دے۔ اور ایک ہی مقرر کردے کہ اگر تم نے مسلمانوں کا قتل عام بند نہ کیا اور آئندہ کے لئے مسلمانوں کی ضمانت نہ دی تو پھر ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے بچانے کے لئے دخل انداز ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور پاکستانی افواج قاہرہ و عساکر جرار حرکت میں آجائیں گے۔

حضرت امیر حزب اللہ نے فرمایا کہ ہندو کی موجودہ نیت اور ذہنیت ظاہر کرتی ہے کہ اگر ہم نے اپنے چھٹکارے کی خاطر بھارت کے مسلمانوں کو تنہا بہ تقدیر چھوڑ دیا تو وہ ان کے قتل و غارت پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ وہ تو پاکستان کو زیر نگین بنانے اور یہاں کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو بھی شہ تیغ کرنے اور بھارت مانا کو بشمولیت پاکستان صرف اپنے لئے مخصوص کرنے اور انا و لا غیری کا خواب پورا کرنے کو اپنا منتہائے مقصود بنا چکا ہے۔ پھر جس صورت میں کہ جنگ ناگزیر ہے اور لڑے مرے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تو بجائے اس کے کہ بھارت کے ”دال خور سپوت“ وہاں کے مسلمانوں کی گردنیں کاٹ کر یہاں ہمیں ذبح کرنے کی خاطر آئیں اور ہم اپنی گردنیں جو خدا نے قدوس کے سامنے

بھارت کے مذہب
مسلمانوں کے متعلق

ہندو کی نیت اور
ذہنیت کا علاج

جھکایا کرتے ہیں ان کے سامنے کٹوانے کے لئے خم کر دیں، یہ زیادہ بہتر ہو گا کہ میدان جنگ میں ان سے دو دو ہاتھ کر لیں۔ گولیاں اپنے سینوں پر کھائیں۔ خون شہادت سے وضو کریں اور نماز جا کر جنت میں سید الشہداء علیہ السلام کی اقتدا میں ادا کریں۔

حضور نے فرمایا کہ ہندوستان میں اسلام اور کفر کے درمیان جو معرکہ ہونے والا ہے یہ آخری اور فیصلہ کن ہو گا۔ اور قدرت کی طرف سے مسلمان کے ایمان کا آخری امتحان ہو گا۔ اور اگر مسلمان اس میں کامیاب ہو گیا تو پھر اس کے لئے عیشِ جاودانی ہے اور دو جہان کی کامرانی۔ ناکامی کی صورت میں اس کا مستقبل انتہائی تاریک اور مہیبت ناک ہو جائے گا۔ مسلمان کو اس آزمائش کے لئے تیار ہو جانا چاہئے جہاد کی راہ سخت کٹھن اور مشکل ہے۔ کم ہمت اور بزدل لوگ اس پر خوف و خطر سفر کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتے۔

گریز از صفِ ہر کہ مردِ غوغا نیست کسی کہ کشتہ ز شد از قبیلہٴ مانیست

مگر ہماری قوم کے لئے یہ امتحان نیا نہیں۔ اسے اپنی چہارہ صد سالہ تاریخ میں بڑی بڑی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ قرونِ اولیٰ سے لے کر اب تک ہمیشہ مسلمان کی زندگی وقفِ مصائب و نوائب رہی ہے اور محض اس جرم میں کہ وہ ایک خدا کا پرستار کیوں ہے اور حضورِ نبی اکرم کی رسالت پر ایمان کیوں رکھتا ہے۔

بجز عیش تو ام می کشند غوغا نیست تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشا نیست

ایسے حالات میں مسلمان ہمیشہ گڑگڑا کر درگاہِ الہی میں استمداد کے لئے عرض کرتا رہا ہے۔ نصرتِ الہی اس کی اعانت کو پہنچتی رہی ہے اور ہمیشہ اس کا عزم بالجزم شکستہ و تکلیفات پر غالب آتا رہا ہے۔ اب بھی شوقِ جہاد اور جوشِ غزائیں مردانہ وار سینہ سپر ہو جانے کی ضرورت ہے۔ انشا باللہ تعالیٰ مسلمان کا قدم اٹھیکا اور نصرت

پھر ہمر کا سد ہو جائے گی۔ مسلمانوں نے جہاد کبھی بھی ہوس استعمار و ملوکیت کی بنا پر یا حدود و مملکت کی توسیع کی غرض سے نہیں کیا بلکہ ہمیشہ چند بلند اصولوں کے زیر نظر شمشیر اسلام برہنہ ہوئی ہے۔ ظلم و عدوان کے استیصال اور امن و امان کے قیام کے بغیر جہاد اسلامی کا کوئی اور مقصد نہیں۔ اب پھر انہیں بلند اصولوں کا تقاضا ہے کہ مجاہدین اسلام نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے ہندوستان پہنچ جائیں۔ مسلمان کے لئے ہمیشہ کی فتح مقدر ہو چکی ہے اور اسلام کی لغت میں شکست کا لفظ موجود ہی نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ روحانی اور ایمانی قوت اور مجاہدانہ عزیمت سے کام لیتے ہوئے اگر ہمارے قدم اٹھ گئے تو پیچھے نہیں ہٹینگے۔ اور اسلامی یلغار کو انشاء اللہ دنیا کی کولکھات نہیں روک سکیگی۔ آپ نے فرمایا کہ مجذوب کی بڑ نہیں بلکہ حقیقت نفس الامری ہے کہ مسلمان مجاہدین اللہ اکبر کا غلغلہ بلند کرتے ہوئے اقصائے ہند پر چھا جائیں گے۔ اور پھر اسلامی لشکر کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک سکے گا تو سمندر کا عمیق و عریض پانی اور بحیرہ عرب اور خلیج بنگالہ کا بحر بیکرا۔ حضور نے اس مرحلہ پر ایک اور خاص بات فرمائی جو ماضی بعید میں مسلمانوں کی فوقیت اور برتری کا موجب بنی تھی۔ لیکن چونکہ بالخصوص ہندوستان کے مغل حکمرانوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا اس لئے مسلمان زوال پذیر ہو گئے۔ وہ ایشیا کی بری وسعتوں سے اٹھ کر آئے تھے۔ اور ان کے لئے صرف بری علاقے اہمیت کے حامل تھے۔ حضور کا اس بات کی طرف اشارہ اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل پر بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ اور آپ کو اچھی طرح سے علم ہے کہ اس برصغیر میں ایک مضبوط اور ترقی پذیر قوم کی ضروریات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمان جو فن جہاز رانی کا پہلا فن کار ہے پاکستانی بیڑا تیار کر کے اشاعت اسلام، تبلیغ توحید اور ترویج دین کی خاطر یورپ اور امریکہ جا

بحری طاقت
بہا ہے

پہنچیکا اور طارقؒ ابن زیاد کی طرح پکارے گا ۵

”ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست“

یعنی آپ نہ صرف برسی لحاظ سے پاکستان کی فوقیت کے آرزو مند ہیں بلکہ اس کی بحری برتری بھی چاہتے ہیں۔ اور نظریہ پاکستان یا واضح تر الفاظ میں تعلیمات اسلامی کو دنیا بھر کے نظریوں پر غالب دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس ارفع و اعلیٰ منصب کے زیر نظر حضور نے فرمایا:-

بہترین ذہنی قوت

حزب اللہ کے سرفروش رضا کار و اور اللہ کی فوج کے جانباز فداکاروں جس وقت کا انتظار تھا آپہنچا۔ جس لیے اسے مقصود کی تلاش تھی وہ محل سے نکل آئی۔ مجنوں وار بڑھو اور اللہ کا نام بلند کرتے ہوئے نعرے تکبیر سے کافروں کے دل دہلاتے ہوئے میدان و غامیں کو دو جاؤ۔ اور اپنی موت سے اسلام کو زندگی بخش دو اور خود مرٹ کر پاکستان کو بچاؤ۔

ایسے الفاظ ہمیشہ دنیا کے بہترین جرنیلوں کی زبان سے نکلے ہیں۔ اور حضور کی ذات میں ایک بہترین فوجی قائد کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں موجود ہیں۔ جہاد کے لئے تیار کرنے کی خاطر آپ نے فرمایا کہ حکومت پاکستان کو پرجوش اور حساس مبلغین اسلام کے ذریعے ملک بھر میں اس مسئلہ پر وعظ و تبلیغ کا انتظام کرنا چاہئے۔ حضرات مشائخ اپنے اراد مندوں کو بتائیں کہ اوراد و وظائف سے مقدم مسئلہ جہاد ہے۔ الغرض تمام تقریروں اور وعظوں کو دعوت جہاد تک محدود کر دیا جائے۔ نوجوان سرپرکفن باندھ کر عساکر اسلامی میں شامل ہو جائیں بڑی سے بڑی علمی ڈگری رکھنے کے باوجود انہیں سپاہی رینک میں بھرتی ہونے سے دریغ نہ ہو۔ بچے اور عورتیں فتح اسلامی کیلئے دعائیں مانگ رہے ہوں۔

عورتوں کو بھی گولی چلانا آتا ہو۔ اور طبقہ امرا اور اہل صنعت و حرفت اور تاجر پیشہ لوگ اپنی آمدنی کا کثیر حصہ جنگی اخراجات کے لئے وقف کر دیں۔ اس طرح انشاء اللہ سب طبقات کا اشتراک عمل بالآخر کامیابی و کامرانی پر منتج ہوگا۔

نَصْرُ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

مسئلہ کشمیر

تقسیم ملک کے موقع پر گورداسپور کا واضح مسلم اکثریت والا ضلع بھارت کو بالکل ناجائز طور پر دے کر لارڈ ڈاؤنٹ میٹن نے ہندوؤں کو کشمیر پہنچنے کا راستہ دے دیا تھا۔ حالانکہ گورداسپور ضلع سیالکوٹ سے ملحق تھا۔ اور اصول تقسیم کے مطابق اسے پاکستان میں شامل ہونا چاہئے تھا۔ یہی راستہ ایک فتنہ عظیم کا موجب بنا۔ مہاراجہ کشمیر نے باہر سے سکھوں کے مسلح دستے منگائے۔ خود ڈوگرہ آبادی میں اتیشیں اسلحہ تقسیم کیا۔ تبادلاً آبادی کے وقت بہت سے ہندو اور سکھ جموں پہنچ گئے تھے۔ وہ بھی فتنہ و فساد بپا کرنے میں پیش پیش تھے جس طرح ریاست کپور تھلہ سے مسلمانوں کو نیست و نابود کیا گیا تھا باوجودیکہ وہاں ان کی اکثریت تھی۔ ریاست کشمیر میں بھی ان کو ختم کرنے کے لئے حملے شروع ہو گئے۔ کشمیریوں کی بھاری تعداد پناہ گزیں ہو کر کالا، واہ اور مانسر وغیرہ کیمپوں میں آگئی۔ اس موقع پر پونچھ اور میرپور کے غیرت مند بہادر مسلمانوں نے جہادِ حریت شروع کر دیا۔ سرحد کے پٹھان بھی ان کی مدد کے لئے پہنچ گئے۔ ڈوگرہ فوجیں ان کے مقابلہ کے لئے آئیں مگر مجاہدین نے دشوار گزار پہاڑوں اور دروں میں انہیں گھیر کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ دیکھ کر مہاراجہ کشمیر گھبرا اٹھا۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس نے فوراً ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کا الحاق بھارت سے کر دیا اور بھارتی

افواج ۲۷ اکتوبر کی صبح کو ہوائی جہازوں کے ذریعے سرینگر پہنچ گئیں۔ ادھر سے
 مجاہدین کے عساکر شوق شہادت میں مردانہ وار وادِ شجاعت دیتے ہوئے لگے
 بڑھے۔ فتح و نصرت نے ہر جگہ انہیں خوش آمدید کہا۔ بھارت نے سمجھا فرزند ان
 توحید کشمیر پر متصرف ہو جائیں گے۔ اس لئے اس نے مسئلہ کشمیر جمعیت الاقوام کی
 حفاظتی کونسل میں پیش کر دیا۔ چنانچہ اس کی مداخلت سے یکم جنوری ۱۹۴۹ء
 کو جنگ بند ہو گئی۔ جموں، وادی کشمیر اور لداخ بھارت کے قبضہ میں رہ گئے
 جو اب مقبوضہ کشمیر کے نام سے موسوم ہیں۔ اور یہ طے پایا کہ ریاست میں رائے
 شماری ہوگی۔ کشمیریوں کی اکثریت بھارت پاکستان میں سے جس ملک کے ساتھ
 الحاق کا فیصلہ کرے گی ریاست اسی ملک کے ساتھ شامل ہو جائیگی۔
 حفاظتی کونسل کا یہ فیصلہ بالکل جمہوری اصولوں کے مطابق تھا۔ خود بھارت
 نے اس پر صا د کیا تھا لیکن جنگ بند کرانے اور حد متنازعہ کے تعین کے بعد اس
 نے رائے شماری میں رکاوٹیں پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اسے خطرہ تھا کہ ریاست
 میں مسلمانوں کی آبادی پچاس فیصد ہی ہے اور پھر جغرافیائی، تمدنی، معاشرتی
 اقتصادی اور ثقافتی لحاظ سے کشمیر اور پاکستان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رائے
 شماری کا نتیجہ لازماً پاکستان کے حق میں ہوگا۔ جول جول وقت گذرتا گیا حفاظتی کونسل
 کے فیصلے کے علی الرغم کشمیر کو مستقل طور پر اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے بھارت
 نے تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں۔ قائد کشمیر شیخ محمد عبداللہ ابتدا میں بھارت
 کا ہمنوا تھا۔ مگر بعد میں جب اس کی نگاہوں نے مشاہدہ کر لیا کہ ہندو قوم کشمیر میں
 کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے وہ بھی مخالف ہو گیا۔ اس پر اسے قید میں ڈال دیا گیا
 اور بخشی غلام محمد کو اس کی جگہ مقبوضہ کشمیر کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ بھارت نے
 بخشی غلام محمد کے زیر اہتمام مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کا ڈھونگ رچایا۔ بھارتی

سنگینوں کے سائے میں انتحابات ہوئے۔ تمام نہاد کشمیر اسمبلی منعقد ہوئی جس نے بھارت سے الحاق کا فیصلہ کیا جسے بھارت کی قومی پارلیمنٹ نے منظور کر لیا۔ حکومت پاکستان بھارت کی ان تمام کارروائیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی رہی۔ کشمیر کے مسئلے پر حفاظتی کونسل کے اجلاس منعقد ہوتے رہے۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے کئی تدابیر زیر غور آتی رہیں۔ مگر بھارت رائے شماری کے وعدہ سے منحرف ہوتا چلا گیا۔ اور اپنی فطرت کے مطابق حجت طرازی سے کام لیتا رہا۔

حضرت امیر حزب اللہ کا شروع ہی سے خیال تھا کہ ہندو کا بنیادین کشمیر کے مسئلے کو حل نہ ہونے دے گا۔ آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ جمعیت الاقوام کا بے اختیار ادارہ اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس ہم ہیں تو لفظوں کے، تو ہیں ہیں تو تقریروں کی اور تلواریں ہیں تو زبانوں کی۔ بنا بریں مسئلہ کشمیر کا کوئی حل کار سوائے اس کے نہیں کہ کچھ وہاں کے مجبور و مقہور باشندے حصول آزادی کی خاطر ہاتھ پاؤں ماریں۔ کچھ آزاد کشمیر کی فوجیں حرکت میں آئیں اور سب سے بڑھ کر پاکستانی فوجیں ان کا ساتھ دیں اور مل جل کر وحشیوں اور درندوں کے گروہ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں کشمیر کی آزادی جہاد بالسیف سے وابستہ ہے۔ آپ نے فرمایا جہاد کی صورت میں حکومت سے مکمل تعاون اور تعامل کے لئے جماعت حزب اللہ ہر وقت اور ہر طرح تیار ہے۔ آپ پاکستان کو کشمیر کے بغیر جسم بلا و ماغ تصور فرماتے ہیں۔ تقسیم کشمیر کی تجویز کو ناقابل تسلیم قرار دیتے ہیں۔ اور آپ کا حتمی فیصلہ ہے کہ کشمیر اسی کو ملے گا جس کے آہنی بازوؤں میں کشمیر لینے کی ہمت ہوگی۔ آپ نے حکومت پاکستان کو ذہن نشین کرایا کہ اگر قضیہ کشمیر میں کمزوری دکھائی گئی اور اسے تن بہ تقدیر چھوڑ دیا گیا تو پھر پاکستان

امیر حزب اللہ
کی رائے

جس کی کشمیر
ہیں

کا کوئی علاقہ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ بھارت کی ضد کے زیرِ نظر
 الٹی میٹم دے کر محاذِ کشمیر پر حملہ کر دیا جائے۔ قرآنی تفاؤل اور روحانی بصیرت
 سے معلوم ہو چکا ہے کہ انشاء اللہ فتحِ پاکستان کی ہوگی اور دشمن مغلوب و مقہور ہوگا
 حضور نے حکومتِ پاکستان کو کئی بار کہا کہ اگر مصلحتیں جنگ کرنے سے مانع ہوں
 تو جماعتِ حزب اللہ کو اجازت دی جائے۔ امیر حزب اللہ جانیں اور مسئلہ
 استخلاصِ کشمیر۔ خدا پر توکل کر کے جہاد کا آغاز کر دیا جائے گا۔ اور رضا کارانِ حزب
 اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ سرزمینِ کشمیر کا ایک ایک چہرہ غاصبین
 اور ظالمین سے نرلے لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ حکومت ایک بار صرف "ہاں"
 کا لفظ منہ سے نکال دے اور پھر تماشاً دیکھے کہ اصحابِ فیل کو ابا بیل سے شکست
 دلوانے والا خدا ہے قدوس و قیوم تھوڑی تعداد اور قلیل اسلحہ رکھنے والے
 مسلمانوں کو کثیر التعداد اور مسلح کافروں کی فوجوں پر کس طرح فتح دے سکتا ہے
 اور اس مادہ پرست دنیا کو روحانیت کے زور سے کس طرح مغلوب کر سکتا ہے۔

دستورِ پاکستان

۱۹۷۴ء کے خطبہٴ صدارت میں وفور مسرت کے ساتھ حضرت امیر حزب اللہ
 نے حکومتِ الہیہ کو حزب اللہ کا مطہم نظر اور نصب العین قرار دیا تھا۔ اور حزب اللہ
 والوں کو ایسی حکومت کے قیام کی خاطر ہر قسم کی مالی و جانی قربانی کے لئے
 تیار رہنے کی پُر زور ترغیب دی تھی۔ ۱۹۷۹ء میں اپنے بائیسویں سالانہ
 خطبہٴ صدارت کے اندر آپ نے اس بلند نصب العین کی مزید توضیح فرمائی اور
 بالتصریح ارشاد فرمایا کہ جب تک خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں خلیفہ کی حیثیت
 ایک نائب و نگرانِ کار کی رہی، خشیتِ الہی و خوفِ خدا سے وہ ہر وقت

مرعوب و مبتلا رہا اور مسلمانوں کے سامنے اعلیٰ کلمۃ اللہ، اللہ کا نام بلند کرنے اور اپنے شہنشاہِ اعظم کی حکومت کا دائرہ اقصائے عالم میں وسیع کرنے کا جذبہ کارفرما رہا۔ فتح ان کے ہمراہ رہی اور نصرت نے ان کے قدم چومے۔ لیکن جب انہوں نے ایک واحد لائٹریک کی پرستاری کے ساتھ ساتھ بادشاہِ وقت کی غلامی کو بھی لازم قرار دے لیا تو محض اس شرک پرستی اور ترک توحید کے جرم میں ان کی حکومت کو پہلے زوال ہو گیا اور پھر وہ کلیدیہ درانت ارضی سے محروم کر دیے گئے۔ سقوطِ بغداد، تسخیرِ غرناطہ، زوالِ ترکی غصیب ہند اور روسِ اسلامی ممالک کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے بتدریج چلا جانا محض اسی وجہ سے ہوا۔ بنا بریں حضرت امیر حزب اللہ پاکستان میں ایسا دستور نافذ ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو حکومتِ الہیہ کے قیام کا مرادف ہو۔ اسی لئے آپ کے خیال کے مطابق قرآن حکیم ایسی جامع مانع کتاب کی موجودگی میں ترتیبِ آئین و دستور کے لئے کسی اور طرٹ رجوع کرنا قطعاً غیر ضروری ہے۔

تاریخ نے ایک بار پھر پاکستان کی صورت میں آئینِ اسلامی کے نفاذ کا زیریں موقع عطا کیا تھا۔ وہ آئین جس پر صدیوں تک لفظاً نہیں معنوی طور پر عمل ہوتا رہا تھا۔ جو امن کا ضامن، تہذیب کا علمبردار، مذہبیت کا محافظ، حقوق انسانی کی نگہداشت کرنے والا اور بڑی کامیابی سے زمانے کے ترقی پسندانہ عزائم کا ساتھ دینے والا ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ کے خیال کے مطابق اس موقع سے اگر فائدہ نہ اٹھایا گیا تو نہ صرف یہ کہ مسلمان اپنے آپ پر ظلم کریں گے۔ بلکہ تمام نوع انسانی کو بھی اس مبارک نمونے سے اکتسابِ فیض کے مواقع سے محروم کر دینگے جس کا خدائی آئین کے نافذ ہونے کی صورت میں تمام کی نگاہوں کے سامنے بصد جاہ و جلال موجود ہو جانا لازمی تھا۔ حضور نے فرمایا کہ قرآن کریم کی تفسیر حدیث

اللہ کی زمین میں
اللہ کا قانون

نبوی اور فقہ کی صورت میں موجود ہے۔ اور اگر نئی چیزوں مثلاً تباؤ لہ زر، بنکوں کے مسئلہ، دوسروں ملکوں سے لین دین میں سوو کے سوال وغیرہ کے متعلق کچھ وقت ہو تو قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں قیاس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

ملکی نظام کے بارے میں بھی آپ نے تصریح فرمادی کہ اسلام نے اس بارے میں جمہوریت اور شخصیت کے امتزاج کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ اور جہاں و شاور و ہم فی الامر اور و امرہم شورای بینہم کے ارشادات موجود ہیں وہاں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اِتَّبِعُوا الْاِمْرَءَ وَ لَوْ كَانَ فَاِسِقًا۔ ایک اور حدیث پاک میں فَاِسِقًا كِي بَجَائِ عِبْدًا حَبِشِيًّا کے الفاظ موجود ہیں۔ حضرت امیر حزب اللہ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد چونکہ قیام حکومت الہیہ تھا۔ اس لئے اپنے خطبہ صدارت میں اور دورہ کی تمام تقاریر میں آپ بڑی شد و مد سے اس پر زور دیا کرتے تھے۔ اور اپنے مطالبہ کی توضیح فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی زمین میں اللہ کا قانون نافذ ہونا ضروری ہے۔

قیام پاکستان سے پہلے مسلم لیگ نے بھی حکومت الہیہ کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا۔ اور اسی مسئلہ پر پاکستان کی جنگ لڑی گئی تھی۔ قائد اعظم مرحوم نے بھی اپنی کئی تقریروں اور تحریروں میں اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہوگا۔ پھر مرحوم لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو اپنی معرکہ الآرا قرار داد مقاصد ایوان اسمبلی میں پیش کی اور ارکان کی کثرت رائے سے پاس کرا کر آئین کے بارے میں ملت کے مطالبات کو عملاً تسلیم کر لیا۔ اس کے ذریعے جمہوری دستور کی تائید کی گئی۔ اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اصول جمہوریت، حریت و مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کو اسلام کی تشریح کے مطابق ملحوظ رکھا جائے گا۔ اور مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی

اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن کریم اور سنت رسول کی روشنی میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بیسویں صدی عیسوی میں سرزمین پاکستان ایک ایسی تجربہ گاہ تھی جس میں زمانے کے تمام جدید تقاضوں کا قرآن اور حدیث کی روشنی میں جائزہ لے کر ایک نہایت ہی ترقی پسند معاشرہ ظہور میں آنا تھا۔ عملی سائنس کی ایجادات، جدید علمی اور فنی اکتشافات، آمدورفت کے ذرائع میں محیر العقول آسانی اور صنعت و حرفت اور تجارت میں حیرت انگیز ترقی نے انسانی زندگی کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا ہے جو جوہری توانائی کی دریافت کے بعد جوہری توانائی کا دور کہلاتا ہے جس میں انسان کرہ ارض سے اپنا سر بلند کر کے خلائے آسمانی میں جھانکنے لگ گیا ہے۔ قرار و اہم مقاصد کی رو سے اس دور کی بنیادیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔ یہ بڑا ہی مبارک ارادہ تھا۔ سرمایہ داری اشتراکیت اور جدید تہذیب ثقافت کی بے راہ روی کے باعث دنیا بھر کے انسان سخت روحانی اذیت میں مبتلا تھے۔ اس نئے دور میں حقائق اسلام، و قائل ایمان اور مدارج ایمان کی طرف خلوص دل سے التفات کرنے اور شرف انسانی کو بحال کرنے کے لئے یہاں پاکستان میں ایک نہایت ہی مثبت اور جرات مندانہ تجربہ کرنے کے لئے آمادگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ شہید ملت لیاقت خاں مرحوم کو اس تجربے کی نوعیت کا اچھی طرح سے علم تھا۔ وہ ایران میں گئے تو انہوں نے بصد فرحت و انبساط اس کا ذکر ملت ایرانی سے کیا۔ اس کی وجہ سے بالخصوص مسلمانان عالم کے دلوں میں بڑی خوش آئند توقعات پیدا ہو گئیں۔ اور یہ خیال عام ہو گیا کہ حکومت الہیہ کا قیام اب یقینی ہے۔

حضرت امیر حزب اللہ قرار و اہم مقاصد سے بڑے مطمئن تھے۔ آپ نے

اس سلسلہ میں لیاقت علی خان کی مساعی کو بنظر استحسان دیکھا اور کی نیک نیتی کی تعریف کی۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ ترتیب دستور کے لئے مشائخ عظام اور علمائے کرام کی چند ممتاز اور قابل ہستیوں کی شمولیت ضروری ہے۔ تاکہ وہ صحیح معنوں میں اصول اسلامی کی پاسداری کر سکیں۔ محض یورپ یا برطانیہ یا امریکہ کے آئین کی مہارت یا انگریزی علم ادب میں کمال اسلامی دستور کی تیاری کی ضمانت ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس امر کا امکان موجود ہے کہ اصول اسلامی سے مراد وہ اصول لے لئے جائیں جنہیں کہ اس قسم کے اصحاب اپنے خیال کے مطابق صحیح تصور کرتے ہیں یا وہ ایسی دور از کار تاویلات سے کام لینے لگیں جن کی اسلام کے اندر کوئی گنجائش نہیں۔ قرواد مقاصد کے بعد جب ترتیب آئین و دستور میں تعطل پیدا ہوا تو حضرت امیر حزب اللہ کے لئے سخت صبر آزمات ثابت ہوئے۔ آپ نے فرمایا جب قرآن مجید، کتب احادیث، تعامل صحابہؓ، تمام مسائل پر مشتمل متون اور تفسیر جزئیات پر طویل تبصرے اور تنقیدیں اور ان امکانی صورتوں پر بحثیں جن کا سرے سے وقوع ہی نہیں ہوا موجود ہیں۔ یعنی جبکہ مسلمانوں کے پاس قانون کی تیاری کے لئے اس قدر مسالہ اور گنجینہ پایا جاتا ہے اور علوم و فنون دینیہ کی متداول کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ ہمارے آئین ساز اس قدر تاخیر سے کیوں کام لے رہے ہیں۔ ایک موقع پر حکومت نے کسی برطانوی ماہر کی خدمات مستعار لینے کا ارادہ کیا تاکہ وہ بیش بہا مشاہرہ لے کر پاکستان کا آئین تیار کرے۔ حضور نے اس موقع پر فرمایا کہ ایک تو اس اقدام سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ پاکستان میں کوئی بھی ایسا قابل انسان موجود نہیں جو آئین کو بہترین صورت میں ترتیب دے سکے۔ دوسرے یہ شبہات بھی پیدا ہونے لیقینی ہیں کہ جو قانون ایک فرنگی بنائے گا اس کا شریعت اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا۔

قانون کے ال
حضرت امیر
تأثرات۔

آپ نے فرمایا کہ پاکستان کا قانون وہ شخص زیادہ خوبی سے بنا سکیگا جس کا ذہن یورپ اور امریکہ کی مگر چاندنی کی بجائے تاجدارِ مدینہ کی جلائی ہوئی شمع کے نور سے منور ہو چکا ہو۔

حکومت کی غیر واضح حکمت عملی کے زیر نظر حضرت امیر حزب اللہ نے شروع ہی میں کھلے اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار فرمادیا کہ جو آئین بھی قرآن کریم کے صریح احکام کے خلاف بنایا گیا۔ جو قانون بھی قانون الہی سے متصادم اور متعارض ہو اہم اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔ اسے پائے استحقاق سے ٹھکرا دیں گے۔ اور مسلمان کی حیثیت سے اس کے خلاف مظاہرے کریں گے، صدائے احتجاج بلند کریں گے۔ اور جب تک اسے ردی کی ٹوکری میں نہ ڈلوادیں نہ خود چین سے بیٹھیں گے نہ بیٹھنے دیں گے۔ آپ نے واشکان الفاظ میں فرمایا کہ ہم نے تو قیام پاکستان کو حکومت الہیہ کا پیش خمیہ سمجھ رکھا تھا اور ہمارے خیال میں پاکستان اور حکومت الہیہ باہم مراد و مقارن ہیں۔ بلکہ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ اربابِ بسنت و کشتا و حدودِ شرعیہ کے نفاذ میں محض اس لئے مزاحم ہوں گے کہ ان کی زور براہ راست ان کی اپنی ذات اور ان کے لواحقین و متعلقین پر پڑتی ہے جب ۱۹۵۴ء میں بڑی انتظار کے بعد دستوری سفارشات سامنے لائی گئیں تو وہ بڑی مبہم، غیر واضح، ناقص اور شہ تہ تکمیل تھیں۔ ان میں صوبائی عصبیت کا رنگ جھلکتا تھا۔ بعض فرقوں سے نا انصافی کی گئی تھی۔ صدر کے انتخاب میں رائے عامہ سے بے اعتنائی برتی گئی تھی اور حدودِ شرعیہ قائم نہ کرنے، سو و کی لعنت سے مسلمانوں کو نہ بچانے۔ تباہ و زرا ایسے پیچیدہ مسائل حل کرنے کی خاطر علماء و مشائخ اور اہل الرائے قانون دانوں کی ایک مجلس

مرتب نہ کرنے اور ادھر علمائے کرام کو صرف ایک مشاورتی حیثیت دینے اور ترتیب
 دستور میں ان کو شامل نہ کرنے کی صریح فریادیں موجود تھیں۔ اس لئے آپ نے
 لگی لپٹی رکھے بغیر پھر فرمایا کہ مسلمان کبھی ایسے دستور کو قبول نہیں کر سکتے جو کہ
 یورپی ممالک سے مستعار لیا گیا ہو۔ اور جس کا ماخذ قرآن و حدیث یا فقہ نہ ہو آپ
 نے حکومت کو یقین دلایا کہ یہ آٹھ کروڑ مسلمان پاکستان کی مشترکہ آواز ہے۔ اور
 ان کا متفقہ مطالبہ ہے۔ ہم مسلمان پاکستان کے تحفظ و بقا کے لئے سب کچھ قربان کرنے
 کو تیار ہیں۔ مگر چند مغرب زدہ اور غیر اسلامی خیالات رکھنے والے افراد
 کی غلط روی اور کج فرائی کا آلہ کار نہیں بن سکتے۔ اور جب تک قرآن حکیم
 احادیث نبوی اور فقہائے عظام کے اقوال کی روشنی میں ایک دستور مرتب
 نہ کیا گیا اور اسے متبحر علماء اور مقتدر مشائخ کی تائید حاصل نہ ہوئی ہم کبھی
 نہیں ہو سکتے اور نہ ایسا خود ساختہ آئین قبول کرنے کو تیار ہیں۔

لیاقت علی خان کی شہادت

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی میں مسٹر لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان
 کی شہادت کا سانحہ عظیم رونما ہوا۔ قائد اعظم علیہ الرحمۃ کے بعد خاں مرحوم
 ان کے صحیح جانشین ثابت ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی قابلیت، فراست
 اور موزونیت کا سکہ چاروں طرف عالم میں بٹھا دیا تھا۔ اور ان کے دشمن بھی
 ان کے فضائل و کمالات کے مداح و معترف ہو گئے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے
 مدبر، سیاست دان، اعتماد علی النفس کی جلتی جاگتی تصویر، متمحل، بروہار
 منکر، زبردست قوت ارادی کے مالک، پاکستان کے سچے خیر خواہ اور مسلمانوں
 کے دلی بہادر تھے۔ حضرت امیر حزب اللہ نے فرمایا اس المناک اور اندوہناک

واقعہ نے پاکستان کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے جہاں تک اس
 حادثہ کا تعلق مرحوم کی ذات سے ہے انہوں نے جام شہادت نوش کر لیا
 اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں انہیں بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی ہے لیکن جہاں
 تک اس کا تعلق پاکستان سے ہے سب سے بڑا ماتم یہ ہے کہ جو جگہ وہ خالی کر
 گئے ہیں پُر نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان
 کا نعم البدل مل جانے کی استدعا اور گاہ رب العالمین میں کی اور فرمایا خدا
 کرے ان کے جانشینوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا ہو۔ اور
 ان کے اندر بھی عزیمت و استقلال، خودداری و عزت نفس کے وہ جذبات
 عالیہ پیدا ہو جائیں جو مرحوم کا ماہ الامتیاز تھے۔

پاکستان کے برتر اقدار طبقہ سے توقعات کا اعلان

”جرم کے روک تھام کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ خشیت الہی اور
 تعزیر کا ڈر۔ مگر یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ ایمانی کمزوری اور
 عام طبیعتوں میں کفر و الحاد کے گھر کر جانے کے باعث خوف خدا
 تقریباً ناپید ہو چکا ہے اور چونکہ جرم کی نوعیت کے مطابق سزا بہت
 ہلکی ہے۔ اس لئے لوگ سزا کو معمولی اور قابل برداشت سمجھ کر
 جرائم کا کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ
 کسی شریف کی عزت بد معاشوں کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ کوئی
 شخص ڈر کے مارے اکیلا سفر نہیں کر سکتا۔ غنڈوں کے حوصلے بڑھ
 چکے ہیں جبکہ انہیں قانون کا کوئی ڈر نہیں اور خیانت پیشہ لوگ اسی
 وجہ سے دلیر ہو گئے ہیں کہ بددیانتی کی لعنت میں غریب طبقہ سے

لیکر اعلیٰ طبقہ تک سب پھنس چکے ہیں۔ اور جب جرم کی نوعیت ایک ہے تو پھر طبقات کی تقسیم کیسے ہو سکے۔ اصلاح کی بظاہر کوئی صورت نہیں۔ تقشیر جرائم کرنے والے خود مجرم ہیں اور عدالت کرنے والے خود غاصب، محافظ لٹیرے اور محتسب خائن۔ ساپ تو نکل گیا ہے مگر لکیر موجود ہے۔ انگریز تو چلا گیا۔ مگر اس کا بنایا ہوا ملعون قانون ابھی تک پاکستان پر مسلط۔

یہ ہیں وہ الفاظ جو حضرت امیر حزب اللہ نے ۱۹۴۸ء میں حزب اللہ کے اکیسویں سالانہ جلسے میں پاکستان کے اندرونی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے استعمال فرمائے۔ ان دنوں قائد اعظم بقید حیات تھے اور پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ وزارت عظمیٰ کا قلمدان خان لیاقت علی خان کے ہاتھ میں تھا۔ پاکستان بنے ایک سال گزر چکا تھا۔ بعد میں جب قائد اعظم وفات پا گئے اور چند سال بعد لیاقت علی خاں بھی شہید ہو گئے تو حکومت کی باگ ڈور طالع آزمائوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ ایوان حکومت سازشوں کا گہوارہ بن گیا۔ رائے عامہ سے قطع نظر سیاسی رد و بدل صبح و شام ہونے لگے۔ وزارتیں پے در پے بنتی اور ٹوٹی رہیں وزارت سازی کے لئے ہر قسم کی بے اصولی جائز سمجھی گئی۔ نہ تو کسی کو پاکستان کی ملکی بیبود کا خیال رہا اور نہ ہی اس نظریے کی طرف دھیان جس پر اس مملکت کی اساس رکھی گئی تھی۔ اس لئے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔

جن سیاسی حالات کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے ان کی وجہ سے ملک میں بد نظمی اور بد انتظامی عام ہو گئی۔ قانون مروجہ کی وہ مٹی پیدا ہوئی کہ کیا کہنا قانون کی گرفت ڈھیلی پا کر وارداتوں کی انتہا نہ رہی۔ چوری، ماڈاکہ زنی، قتل عمد، اغوا، تخولیف مجرمانہ، رشوت ستانی، بددیانتی، قانون شکنی، غریب آزاری،

غارتگری اور ظلم و ستم کے دروازے کھل گئے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ بد امنی، لاقانونی، ہمیشہ انگیزی اور طوائف الملوکی کی صورت میں نکلا۔ تعزیرات پاکستان جو برطانوی راج سے ورثہ میں ملی تھی جرائم کی روک تھام کی بجائے جرائم کی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ اس لئے جرم کو جرم سمجھنا ترک کر دیا گیا۔ ساتھ ہی بد اعتقادی اور عملی اعتبار سے پاکستان کا مسلمان رُوبہ تنزل ہو گیا۔ منہیات شرعی کا ارتکاب اس قدر بڑھ گیا کہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا تحفظ جاتا رہا۔ ارکان خمسہ کی ادائیگی سے اجتناب برتا گیا۔ پاکستانیوں نے آزادی کامل کا یہ مطلب سمجھا کہ بے فکری سے بالکل نڈر ہو کر دنیا بھر کے جرائم اور جہان بھر کی برائیاں اپنالی جائیں۔ جہاں تک حکومت اور اصحاب اقتدار کا تعلق ہے وہ اس دوڑ میں عامۃ الناس سے آگے بڑھ گئے۔ بلکہ ہر برائی کے لئے عوام نے انہی کے نمونہ کو اختیار کیا، خود غرضی، مطلب پرستی، قبیلہ پروری اور خویش نواہی کا دور دورہ انہی کی وجہ سے ہوا۔ عدل و انصاف کا خون انہی نے کیا۔ لذت پرستی اور نفس پروری کا فلسفہ عوام نے عملی صورت میں اس باب اقتدار سے ہی سیکھا۔ اور انہی لوگوں کے باعث امور دین اور احکام شریعت سے بے توجہی اور بے اعتنائی شروع ہوئی۔

حضرت امیر حزب اللہ اپنی تقاریر اور خطبات کے ذریعے لگاتار اس باب حکومت اور عوام الناس کو متنبہ فرماتے رہے۔ اس غرض کے لئے آپ نے دوبار نامہ ہائی مفتوح پاکستان کے وزیر اعظم کو بھی لکھے۔ اصلاح احوال کے لئے آپ نے انہیں جامع لائحہ عمل سے آگاہ کیا جو ایک خاص نظریہ کی قائل خود دار مملکت کے لئے از بس ضروری تھا۔ آپ بار بار فرماتے رہے کہ ایک آزاد اسلامی حکومت سے مسلمانوں کی جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ اور اس ملک

نامہ ہائی مفتوح

انقلاب نے لوگوں کی ذہنیتوں، طبیعتوں، خیالات، جذبات، اعمال و افعال اور کردار و اطوار پر سخت بُرا اثر ڈالا ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ خلافتِ ارضی کو اللہ تعالیٰ نے چند شرائط سے مشروط کر دیا ہے۔ وہ شرطیں پوری نہ کی گئیں تو پھر :-

وَلَا يَسْتَبْدِلُ قَوْمًا بِغَيْرِ كَمٍّ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أُمَّةً لَكُمْ

کے مطابق کوئی دوسری قوم آکر تم پر مسلط ہو جائے گی۔ آیہ استخلاف کی رو سے اگر مومن نیک اعمال کے مالک ہوں، عبادتِ الہی کو اپنا شعار بنائیں، نماز ادا کریں، زکوٰۃ دیں اور اطاعتِ رسول کے پابند ہو جائیں تو خطہ ارضی

ان کی وراثت ہے۔ اسی بنا پر حضرت امیر حزب اللہ نے پاکستان میں حکومتِ الہیہ کے قیام پر پیش از پیش زور دیا اور آپ نے فرمایا کہ پاکستان میں رہنے والے مسلمان جب تک کہ لفظ پاکستان ناکی مناسبت سے پاک نہیں بنیں گے ان کی ذہنیت درست نہیں ہوگی، ان کی نیت پاک نہیں ہوگی، ان کے خیالات پاک نہیں ہوں گے، ان کے اعمال و افعال پاک نہیں ہوں گے۔ اور پاک ذات سے تعلق رکھنے والا مسلمان اپنے اندر پاکیزگی و طہارت، ورع و اتقا، نیک دلی و نیک روی اختیار نہیں کریگا۔ اس وقت تک وہ رحمتِ الہی و الطافِ خداوندی سے محروم رہے گا۔ انہی خیالات کو ایجابی صورت میں آپ نے اپنے پچیسویں سالانہ خطبے میں اس طرح بیان فرمایا :-

ہماری یہ دلی خواہش اور قلبی تمنا ہے کہ ہم پاکستان کو اسمِ باسْمِیٰ کی شکل میں دیکھیں جس کے باشندگان کے ارادے پاک، نیتیں سنا اعمال پسندیدہ، اخلاق حمیدہ، ذہنیتیں اصلاح یافتہ، طبیعتیں راستی پسند، خصلتیں اچھی، عادتیں نیک ہوں۔ اور اگر ایک طرف

انکی پاکباز نگاہ، پاک روی، پاک خیالی اور پاک عملی کی صورت نظر آئے تو دوسری طرف وہ ایشیا و قربانی کے پتلے بن جائیں۔ ان کے اندر تہور، شجاعت، بسالت، جواں ہمتی، مردانگی، بلند حوصلگی سیر چشمی، وسیع الخیالی کے جذبات پیدا ہو جائیں اور جہاد و سرفروشی کے لئے ان کی زندگیوں و وقت ہونے لگیں۔

یارتِ ایں آرزوئے من چہ خواست
تو بہ ایں مدعا مرابرساں
ان الفاظ کے آئینے میں اس ملتِ پاکستانی کو دیکھیں جو حضرت امیر حزب اللہ کے خیالات میں بس رہی ہے۔ اور جسے وہ حدودِ پاکستان میں جلوہ افروز دیکھنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے حضور کی تعلیمات کی بدولت وہ ملتِ مثالی جلد منصفہ شہوپور آجائے۔ تاکہ وہ اپنے حسن عمل اور جوشِ کردار سے پاکستان کو ایک مثالی ریاست بنا ڈالے۔ آمین۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی

حضرت امیر حزب اللہ کے خیالات بڑے حیات افروز اور ملت پرور ہیں آپ اس بات کے قائل نہیں کہ مسلمان اپنی گم گشتہ تہذیب و تمدن کھوٹی ہوئی عظمت و سطوت اور تاراج شدہ دولت و حکومت پر آنسو بہاتے رہیں یا زمانہ حال کی کوتاہیوں، فروگزاشتوں اور بے اعتدالیوں پر صرف ماتم بچھا کر بیٹھے ہیں بلکہ آپ اس امر کے داعی ہیں کہ اپنے ماضی پر ایک عبرانی نظر ڈال کر آئندہ زندگی کے متعلق ایسی عملی تدابیر اختیار کی جائیں جن کی بدولت سامنے آنے والا زمانہ شاندار روایات کا حامل ہو اور اسلافِ کرام کا وہ مقدس خون جو بے حسنی، بے حرکتی، آرام طلبی، عیش پسندی اور خود فراموشی کی برودت سے ہماری رگوں

میں جم گیا ہے تہور، شجاعت، مردانگی، احساس برتری اور رفعتِ تختیل کی حرارت سے پھر پگھل جائے اور الْوَلَدُ بِرَّآبِيهِ کے مطابق ہم سے بھی وہ کارنامے سرزد ہوں۔ ہم بھی اپنی محیر العقول کامیابیوں کی وہ یادگاریں چھوڑ جائیں اور دنیا ہماری الو العزمیوں، فلک پیمائیوں اور جہاں نور دیوں کو دیکھ دیکھ کر اسی طرح محو حیرت و استعجاب ہو جائے جس طرح کہ ہمارے پیشرو بزرگوں نے اپنی زبردست قوتِ ارادی، بیمثال عزم و استقلال اور عظیم النظر جرات و جسارت سے سارے عالم کو متحیر کر دیا تھا۔

حنور کے ان صحت مندانہ خیالات کی روشنی میں پاکستان کی خارجہ پالیسی آسانی سے متعین کی جاسکتی ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ ملت پاکستان اقوامِ عالم کے درمیان ایک نمایاں اور امتیازی مقام حاصل کرے۔ اور جن صفات کو اختیار کر کے اس ارفع اور اعلیٰ مقام کو حاصل کیا جاسکتا ہے ان کی تصریح بھی آپ نے فرمادی ہے۔ آپ پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی کی بنیاد ایک مضبوط اور جانناز برہی، بحری اور ہوائی فوج پر رکھنا چاہتے ہیں جو ایک ایسی ملت کی محافظ اور پشت پناہ ہو۔ جو اپنی اعلیٰ اخلاقی، ذہنی اور روحانی صفات کو لے کر تمام عالمِ اسلام میں پھیل جائے اور جس کے رشتے ناطے ان اقوام سے خاص طور پر استوار ہوں جو مسلمانوں کے ماضی کا احترام کرتی ہیں، ان کے مستقبل کو بھروسہ کی نظروں سے دیکھتی ہیں اور ان کی تہذیب و ثقافت کی قدر و منزلت ان کے دلوں میں موجود ہے۔

اپنے ان خیالات کی بنا پر حضرت امیر حزب اللہ دُولِ اسلامی کے باہمی اتحاد کے بڑے حامی اور موید ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ تمام اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ محاذ بن جائے اور ایک اسلامی معاہدہ کی رو سے اس میں شامل ہونے

و اے سارے ممالک باہم گراہی عملی بہمدرومی کا عہد و پیمان کریں اور اگر ایک پر کوئی مصیبت آجائے تو دوسرے اس کی عملی بہمدرومی کی خاطر میدان عمل میں نکل آئیں۔ اور اگر ایک حکومت باہر سے حملہ آور ہو جائے تو ساری حکومتیں اس کا ساتھ دیں۔ اس اتحاد میں انڈونیشیا، پاکستان، ایران، افغانستان، عراق، ترکی، مصر، نجد، مشرقی اردن، حجاز، یمن، شام، لبنان اور دیگر تمام اسلامی ممالک کو شامل ہونا چاہئے۔ اور اتحاد محض سیاسی اور فوجی نوعیت کا نہ ہو بلکہ تجارتی اور اقتصادی امور کو بھی اولین حیثیت دی جائے۔ ان ممالک کی تمام خام اشیاء جو قدرت کے نہایت ہی قیمتی زرعی اور معدنی خزانوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے اندر رہیں اور ان سے مصنوعات تیار کی جائیں، کارخانے عام کھولے جائیں۔ تیار شدہ چیزوں کا باہمی طور پر لین دین ہو۔ ذرائع آمدورفت کا سلسلہ ایسا مکمل اور ترقی یافتہ ہو کہ دنیائے اسلام میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی آمدورفت ہو سکے جس طرح یورپ میں ہوتی ہے اور پھر اسلامی نظریات کی بنا پر قائم شدہ اعلیٰ درجہ کی ترقی یافتہ علمی اور فنی درسگاہیں دنیائے اسلام میں عام ہو جائیں۔ جدید علوم و فنون کو رواج دینے اور نظریات کی اشاعت میں تمام اسلامی ممالک ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور اس تیزی سے آگے بڑھیں کہ سالوں کی منزلیں دنوں میں طے ہو جائیں۔ تاکہ ایک دفعہ پھر علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی ترقی اور سیاسی اور اقتصادی استحکام کے لحاظ سے دنیائے اسلام کو امتیازی مقام حاصل ہو جائے۔ !!!

۱۹۵۱ء میں جب کراچی میں مؤتمر عالم اسلامی منعقد ہوئی تو اس کا اخیر مقدم کرتے ہوئے حضرت امیر حزب اللہ نے جہا مندوبین کی نیک نیتی اور پاکیزہ خیالی کی تعریف کی وہاں اس بات پر زور دیا کہ شرکائے مؤتمر کو سب

شہداء اسلام
بہرین

باتیں چھوڑ کر پہلے ممالک اسلامی کے اتحاد کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح
 ایک سال پہلے جب چوہدری خلیق الزمان صدر مسلم لیگ یہ تخیل لے کر بلا و اسلامیت
 کے دورہ پر گئے کہ ساری حکومتیں اور ریاستیں ایک فاق کے ماتحت باہمی سمجھوتہ
 کریں تو حضرت امیر حزب اللہ نے پین اسلامزم یا اسلامستان کے سلسلہ میں
 اسے نہایت ہی مستحسن اقدام قرار دیا اور جماعت حزب اللہ کی طرف سے ہر قسم کے
 عملی تعاون کا وعدہ فرمایا۔ حالات زمانہ میں اگر کوئی ایسی تبدیلی ہوئی ہے جو
 حضور کے اس تخیل کے لئے سازگار تھی تو آپ ہمیشہ بڑے مسرور ہوئے ہیں
 ۱۹۵۰ء میں انڈونیشیا کو آزادی ملی تو آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ اسلامی حکومتوں
 کی برادری میں ایک گراں قدر اضافہ ہو گیا ہے۔ وہاں کے مسلمان بلحاظ پابندی
 صوم و صلوة و ادائیگی مناسک حج بڑے ممتاز ہیں۔ اس لئے حضور کو ان سے
 بڑی محبت ہے۔ آپ کو جزائر شرق الہند کی آزادی سے اس لحاظ سے بھی
 خاص مسرت ہوئی کہ ان جزائر کو مشرق بعید اور بحر ہند میں بڑی اہمیت حاصل
 ہے۔ اب ان کے اثر و اقتدار کی وجہ سے بھارت جیسا ہوس پرست اور استعمار
 پسند ملک ایشیا کو اپنا حکم بردار نہیں بنا سکے گا۔ ۱۹۵۴ء میں جب پاکستان کا رکی
 سے اتحاد عمل ہوا اور سیاسی اور فوجی معاہدات طے پائے تو آپ نے اسے
 نیک فال سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ موجودہ دور میں اسلامی دنیا
 کے اندر دو ہی طاقتیں ہیں جو کہ صحیح معنوں میں شجاعت اور بسالت کی زندہ لہرو
 ہیں اور وہ ہیں ترکی اور پاکستان۔ اس لئے ان دونوں کے اتحاد کو آپ نے
 قرآن السعدین سے موسوم فرمایا۔ اور پیشینگوئی فرمائی کہ انشاء اللہ ان دونوں
 ملکوں کا باہم گرا اتحاد و ارتباط آئندہ کے لئے خوشگوار نتائج اور ثمرات کا حامل
 ہوگا۔ آپ نے دعا فرمائی کہ یہ اتحاد عمل ہمیشہ قائم رہے۔ اسلامی اخوت و

اتحاد کے اسی جذبہ کی بنا پر حضرت امیر حزب اللہ نے مسلمانان فلسطین سے بڑی ہمدردی کا اظہار فرمایا جہاں بیچارے عرب مہاجرین ترک وطن پر مجبور ہو کر در بدر ٹھوکر میں کھاتے پھرتے تھے۔ نان شبینہ کو محتاج تھے۔ نہ تن پہ کپڑا تھا نہ منہ میں لقمہ۔ ان کی حمایت میں لڑنے کے لئے آپ نے حزب اللہ کے ایک ہزار مجاہدین کی پیشکش حکومت پاکستان کو کی اور وزارت خارجہ جو اب اطلاق دی کہ بشرط ضرورت رضا کاران حزب اللہ کو سب سے پہلے جہاد فلسطین کے لئے بھیجا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ مقدس سرزمین ہے جہاں ہمارا قبلہ اول ہے۔ جس کا ایک ایک چمپہ ہمارے لئے باعث یمن و برکت ہے اور جس کے کونے کونے میں ہمارے اسلاف اپنے خون کا دریا بہا چکے ہیں۔ اور بلال صلیب کی چقلش میں وہ ایک سو سال تک لڑائی کر کے زبردست فتوحات حاصل کر چکے ہیں۔ آج اسی پاک سرزمین میں اسلام کے مجاہدین و فاتحین کی آنکھیں ہمارا راستہ دیکھ رہی ہیں اور نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہما کی روحیں ہمیں پکار رہی ہیں۔

جہاد فلسطین
کے لئے حزب اللہ
کے رضا کار

خارجہ حکمت عملی کے یہ خطوط ہیں جنہیں حضرت امیر حزب اللہ نے بار بار اجاگر فرمایا۔ اسلامی ممالک میں چونکہ ہر لحاظ سے پاکستان کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے آپ کا خیال ہے کہ اسے اسلامستان کے قیام کے لئے پیش پیش رہنا چاہئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی تخیل کو سامنے رکھ کر غیر اسلامی ممالک کے ساتھ روابط قائم کئے جائیں۔ ۱۹۵۳ء میں جب پاکستان اور امریکہ کا فوجی معاہدہ ہوا تو آپ نے اسے بنظر استحسان دیکھا ایک تو اس وجہ سے کہ امریکہ نے ترکی اور امریکہ کو متحد کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ دوسرے اتحاد اسلامی کے سلسلہ میں یہ غیر جانبدار رہے۔ برطانیہ کے ساتھ

روابط آپ تاریخ کی روشنی میں چاہتے ہیں۔ اس ملک نے ہمیشہ اسلام دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ صلیبی جنگوں کا محرک ہی تھا۔ عزلی ممالک میں پے درپے سازشوں کے جال اسی نے پھائے۔ عرب سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور عرب اتحاد کا خاتمہ کیا۔ فلسطین میں اس کی یہود نوازی، مصر کے مظالم آزادی کے موقع پر اس کے مظالم، اتحاد اسلامی سے اس کا ازلی بیر اور خود پاکستان کے ساتھ اس کی منافقت کسے معلوم نہیں۔ ملت اسلامیہ کا جو برطانیہ کے لگائے ہوئے چرکوں سے پڑا گراہ رہا ہے۔ ان حالات کے زیر نظر حضرت امیر حزب اللہ کا حتمی خیال ہے کہ پاکستان کو دول مشترکہ مجلس سے مستعفی ہو جانا چاہئے اور جلد از جلد دول اسلامیہ کا ایک علیحدہ بلاک بنا لینا چاہئے۔ آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان ایک ایسی آزاد خارجہ پالیسی کی تشکیل کرے جو نہ تو برطانیہ کے اشارہ ابرو پر ناچ رہی ہو۔ نہ ہی امریکی کجگلاہ کی سمت اپنا قبلہ راست کرے۔ اور نہ روسی بلاک سے مرعوب ہو۔ پاکستان اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھ کر اقوام عالم کی برادری میں وقار حاصل کرے اور اچیلے ملت اسلامیہ کا داعی اور موجب بنے۔

اسلام اور اشتراکیت

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں جب حضرت امیر حزب اللہ اپنا عہد طفولیت گزار رہے تھے۔ سرمایہ داری کا غلبہ تھا۔ مغربی دنیا میں صنعتی انقلاب نے سرمایہ داری کو جنم دیا تھا۔ عملی اور نظری سائنس کی حیرت انگیز ترقی اور علوم و فنون کے فروغ نے اس کی جڑیں اور بھی مضبوط کر دیں۔ دنیا میں سرمایہ داری پنپ رہی تھی بنگلہ اور ناروا دار طبقے اور غلام کی قسمت میں صرف محرومی تھی

اس احساسِ محرومی کی بنا پر ہندوستان میں تحریکِ آزادی شروع ہوئی اور جب حکومتِ برطانیہ پاکستان اور بھارت کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئی تو اس کی گرفت باقی غلام ممالک پر بھی ڈھیلی پڑ گئی۔ اس لئے مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے کئی اور ممالک بھی آزاد ہو گئے۔ اور برطانیہ کی وہ سلطنت جو کراہے ارض پر اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ سورج ہر وقت اس پر چمکتا رہتا تھا سمٹ کر جزائرِ برطانیہ تک محدود ہو گئی۔ یہ دراصل سرمایہ داری کی شکست تھی۔ برطانیہ کی رجعتِ قہقری کے بعد امریکہ سرمایہ دارانہ نظامِ کامرہتی اور سرپرست بن کر نمودار ہوا لیکن اہل عالم کی آنکھیں اب کھل چکی تھیں اور ہر ایک کو اس بات کا اچھی طرح علم ہو چکا تھا کہ تہذیبِ مغرب انسانیتِ کبریٰ اور اعلیٰ انسانی اقدار کی محافظ نہیں۔ اس لئے امریکہ بھی سرمایہ داروں کی اجارہ داری کو سہارا نہ دے سکا اور علامہ اقبال مرحوم کی یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی کہ

گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مہداری گیا

برطانیہ کی رجعتِ قہقری سے بہت عرصہ پہلے روس میں اشتراکیت اُبھر چکی تھی۔ اور اس نے سرمایہ داری کی نسبتاً زیادیں متزلزل کر دی تھیں۔ اشتراکیت چاہتی تھی کہ جارحانہ انقلاب کے ذریعے سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور پھر تمام دولت میں ہر ایک کو برابر کا حصہ دار بنا دیا جائے کوئی بھی نکمہ اور بے کار نہ ہو۔ ہر ایک کمائے اور حکومت بلا امتیاز تمام کی ضروریات کی کفیل ہو۔ مساوات کا یہ نظریہ بڑا جاذبِ نظر تھا۔ خود برطانیہ اور امریکہ میں جو سرمایہ داری کے مضبوط حصار تھے۔ اشتراکیت کی نظام کے حامی پیدا ہو گئے۔ کیونکہ مفلس اور نادار طبقہ وہاں بھی بڑی طرح پس رہا تھا۔ اور ایشیا تو اشتراکیت کی آماجگاہ بن گیا۔ مشرق بعید کے ممالک اس سے

بدرجہ غایت اثر پذیر ہوئے۔ چین مکمل طور پر اس کے قبضہ میں چلا گیا۔ برما اور
 آسام بھی اس کی زد میں آگئے۔ اور اشتراکیت نے بھارت میں بھی وسیع مجال
 بچھا دیئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت امیر حزب اللہ نے حالات
 کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”یہ بلا کہیں باہر سے نہیں آتی بلکہ ملک کے اندر ہی
 خیالات و انقلاب انگیز جذبات کی ایک رو پیدا ہو جاتی ہے۔ دلوں کی دنیا
 میں اندر ہی اندر ایک تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور مزدور سرمایہ دار اور کاشتکار
 زمیندار کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ غریب جو امیروں کی امارت کو پہلے صرف
 للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ اب ان کی امارت کو خاک میں ملا دینے
 کے لئے میدان میں نکل آتے ہیں اور باہم گرتصادم و تقابل کے بعد مزدور
 اور غریب اپنی کثرت تعداد کی بنا پر اپنے تخریب پسند عزائم میں کامیاب ہو
 جاتے ہیں اور پھر جو نظام حیات قائم ہوتا ہے اس میں شکم پروری کا سامان تو ہوتا
 ہے۔ مگر روح کی اشتہاد و رکنے کے لئے کچھ نہیں ملتا۔ روح روز بروز مضحل اور
 پریشان ہوتی چلی جاتی ہے اور انسان سخت باطنی درو و کرب میں مبتلا ہو
 جاتا ہے۔“

حضرت امیر حزب اللہ ایک ایسے نظام حیات کے علمبردار ہیں جو انسان
 کا پیٹ بھی پالتا ہے اور روح انسانی کی پرورش کا بھی کفیل ہے۔ آپ چاہتے
 ہیں کہ اسلام کے زرین اصولوں کو صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنایا جائے۔ آپ
 اسلام کی اس تعبیر کے خلاف ہیں جو مغرب زدہ افراد یا اشتراکی ذہن رکھنے
 والے نوجوانوں کی پیش کردہ ہے بلکہ آپ اس اسلام کو جاری اور ساری
 دیکھنا چاہتے ہیں جو نبی اُمّی (روحی فداہ) لائے تھے اور جس نے عرب میں روح
 اور شکم کی اشتہا یکسر دور کر دی تھی۔ اسی لئے آپ پاکستان میں حکومت

الہیۃ کو جلد از جلد قیام پذیر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ یہاں سرمایہ داری جڑیں نہ پکڑ جائے۔ غریب دولت مندوں کے حصہ دار ہوں۔ "شریف" اور کمپنیاں کا سوال نہ رہے۔ زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ کا امتیاز اٹھ جائے زمیندار اپنے مزارعین کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔ امیر غریبوں کی دلچسپی کراہت کرنے لگیں۔ محتاجوں اور مفلسوں کے لئے کام ہتیا ہو جائیں۔ بیت المال سے مستحقین کو وظائف ملنے لگیں۔ یتیموں اور یتیم خانوں کی دستگیری ہو اور اسلامی بیت المال کے ذریعے زکوٰۃ، صدقات اور عشر وصول کر کے حق داروں پر تقسیم کئے جائیں۔ اسی طرح مزدوروں کی اجرت معقول ہو اور کام کا وقت محدود۔ حکومت رفاہ عامہ کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لے۔ صنعت و حرفت اور دستکاریوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ بشرطہ ضرورت کسانوں کے لئے حکومت کی طرف سے بلا سود قرض پریج ہیا کئے جائیں۔ بیل خرید کر تقسیم کئے جائیں۔ آمدنی کم ہو تو لگان یا ٹیکس معاف کر دیا جائے۔ تعلیم جبری اور مفت ہو۔ حفظانِ صحت کا خاص خیال رکھا جائے۔ حکام اور پولیس والوں کے جبر و ستم سے لوگوں کو رہائی دلائی جائے۔ اور ہر معاملہ میں انصاف اور رواداری سے کام لیا جائے۔ حضرت امیر حزب اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حکومت خدا کی ہو، اس کی ہیئت ترکیبی علیٰ نوح الشریعت ہو اور مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ ادنیٰ طبقہ کا ہمدرد اور غیر خواہ بن جائے تو پھر ایسی رفاہی مملکت وجود میں آئے گی جس کی مثال سرمایہ داری تو کیا پیش کر سکتی ہے اشتراکیت بھی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو پھر سے مسلمان بنایا جائے۔ عبادت میں، معاملات میں، اخلاقی اعتبار سے، تمدنی لحاظ سے اقتصادی اور معاشرتی حیثیت سے وہ بچے مسلمان بن جائیں۔ آپ فرماتے

ہیں کہ حریت، اخوت اور مساوات کے اسلامی اصول ایسے نہیں ہیں
 کہ ان کے سامنے اشتراکیت یا کسی اور نظریہٴ حیات کا افسوس نہیں چل سکتا۔
 جب حضرت امیر حزب اللہ یہاں پاکستان میں مساوات اسلامی کے عملاً
 اجبار، حکومت الہیہ کے قیام، نظام اسلامی کی ترویج اور قانون شرعی کے
 نفاذ کے لئے کوشاں ہیں دنیا کے سامنے ایک اور منظر بھی نمودار ہو چکا ہے
 روس اور چین کے درمیان جو دنیا کے دو بہت بڑے اشتراکی ملک ہیں اختلافات
 رونما ہو چکے ہیں۔ ہر ملک کا دعوے ہے کہ نظری اشتراکیت چونکہ اس کے ہاں
 موجود ہے اس لئے مرکزی حیثیت بھی اسی کو حاصل ہونی چاہئے۔ اس کا مطلب
 یہ ہے کہ سرمایہ داری تو پہلے شکست کھا چکی تھی۔ اشتراکیت کے قصر محفوظ میں بھی
 اب خطرناک شگاف پیدا ہو چکا ہے جو انجام کار اس کی اینٹ سے اینٹ بجا
 دے گا۔ ظاہر ہے کہ میدان اب اسلام کے لئے خالی ہے۔ علمبرداران اسلام
 کو بڑے خلوص، عزم و ہمت اور بالغ نظری کے ساتھ اب ذہنی، اخلاقی اور
 روحانی طور پر نوع انسانی کی امامت کے فرائض انجام دینے چاہئیں تاکہ اہل علم
 وَاللّٰهُ مِنْكُمْ نُورٌ ۙ وَكَوْكَرًا الْكَافِرُونَ ۝ کے جان پر و مناظر ایک بار پھر
 دیکھ لیں۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا شجاعت کا عدالت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

تحریر ختم ہو

دروال مسلم مقام مصطفیٰ است ابراوٹے ما زمانہ مصطفیٰ است
 حضرت ختم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کو افرادیت

کے دلوں میں جو مقام حاصل ہے وہی ملت کی بقا اور زندگی کا ضامن ہے
 اسی مقام کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت
 کے بنیادی عقیدہ سے انکار کر دیا اور اپنی خود ساختہ نبوت کے لئے فیض
 سازگار بنانا چاہی۔ لیکن جیسا کہ اس صدی کے ایک فاضل ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
 مرحوم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ محمد عربی (رانت ابی واقعی) نے اپنے اسوہ حسنہ
 سے نبوت کا ایک ایسا اعلیٰ معیار چھوڑا ہے کہ اب کسی اور کا دعویٰ نبوت
 لگا ہوں میں چتا ہی نہیں، سوادِ اعظم نے مرزائے انجہانی کی تاویلات ماننے سے
 انکار کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد قادیانیت کا مرکز ربوہ بنا آہستہ آہستہ پاکستان
 کی بڑی بھری اور ہوائی افواج اور حکومت کے دیگر محکموں کی کلیدی آسامیاں
 اس طرح قادیانی تصرف میں چلی گئیں کہ خطرہ پیدا ہو گیا وہ ملک جو محمد عربی
 کے غلاموں کے لئے وجود میں آیا تھا اور جہاں پیارے کلمی والے کا نام بلند
 ہونا تھا اس پر قادیانی قابض ہو جائیں گے۔ ساتھ ساتھ ربوہ کی تبلیغی سرگرمیاں
 روز افزوں صورت اختیار کر گئیں۔ ان حالات نے ختم نبوت کے مسئلے کو
 زندہ کر دیا اور ۱۹۵۳ء کے اوائل میں شمع رسالت کے پروانے اپنی فداکاری
 اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی ثبوت دے کر اس گئے گزرے
 زمانے میں قرونِ اولیٰ کے جان فروش اور جان نثار مسلمانوں کی یاد تازہ کرنے
 لگے۔ سارے ملک میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا اس موقع پر حکومت کے ارباب
 بست و کشاد کی بے تدبیری اور عدم تدبیر نے بھی اس معاملہ کو انتہا درجہ
 تک نازک بنا دیا۔

باوجودیکہ جماعت حزب اللہ کا کسی دوسری جماعت سے کوئی معاہدہ
 نہیں تھا اور نہ ہی ایک علیحدہ نظام ہونے کی وجہ سے حزب اللہ والے کسی

جماعت کے ماتحت تھے۔ لیکن سوال چونکہ حضور خاتم النبیین (روحی فداہ) کی عزت و ناموس کا پیدا ہو گیا تھا اور حکومت اس غلط فہمی میں جا پڑی کہ چند افراد نے یہ شرارت بپا کر دی ہے۔ اور عامۃ المسلمین کو اس تحریک سے کوئی بہرہ دہی نہیں، حضرت امیر حزب اللہ نے اپنی ضمیر کی آواز اور حمیت اسلامی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس جذبہ کے ماتحت اپنے آپ کو اس جرم کی پاوش میں گرفتاری کے لئے بمقام جہلم پیش کر دیا اور اسی امر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دوسرے دن رضا کاروں کی ایک کثیر تعداد کو قید و بند کی خاطر بھیج دیا وینہ، جہلم، سرائے عالمگیر اور مضافاتی دیہات و قصبات کے رضا کاروں نے بالخصوص اس موقع پر ایشار اور فدائیت کا بڑا روح پرور نمونہ پیش کیا۔

حضرت امیر حزب اللہ نے مسجد عید گاہ جہلم میں ایک ایمان افروز اور جوش پروا تقریر ارشاد فرمائی جس کی یاد اب بھی لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔ اس وقت کی حکومت نے جب حضرت امیر حزب اللہ کی گرفتاری کو اس لئے پسند نہ لیا کہ اس طریقہ سے عامۃ المسلمین کی بہرہ دہی اور بڑھ جٹے گی اور حکومت کے لئے زیادہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی لیکن حضور نے اس وقتی ضرورت کا پوری طرح احساس فرمایا اور عجز و نتائج سے لاپرواہ ہو کر اپنے آپ کو اظہار و فاداری و غلامی کی خاطر بارگاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر کر دیا اور یہ ان پاکیزہ جذبات ارادت اور مقدس خیالات عقیدت کا رد عمل اور نتیجہ تھا جو کہ ہر ایک مسلمان کے دل میں اپنے سارے جہان سے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق ہونے چاہئیں۔ بحمد اللہ کہ جماعت حزب اللہ کے دلوں میں ایمان کی یہ صریح علامت بدرجہ اتم موجود ہے۔ ولنعم ما قیل

بے خطر کو بڑا آتش فرود میں عشق عقل ہے جو تماشائے لب بام اہی

تحریکِ حزبِ اللہ پر ایک عبرانی نظر

”معتبر ضیاء کو اس بات کا ہرگز علم نہیں کہ اس فقیر کو اللہ تعالیٰ

کی جناب میں کیا منصب حاصل ہے اور کس قدر قرب“

حزب اللہ کے دور حیات پر تبصرہ فرماتے ہوئے اپنے ستائیسویں سالانہ

خطبے میں حضور نے یہ الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے تھے۔ ستائیس سال

کا عرصہ ایک طویل مدت ہے۔ اس کے دوران میں اس مبارک جماعت نے

حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے تھے جنہیں دیکھ کر ارباب بصیرت انشت بند

تھے۔ اور رفتار زمانہ پر نگاہ رکھنے والے لوگ کہہ رہے تھے خلوص اور عزم و

ہمت کی بنا پر جماعتیں کیا کچھ نہیں کر پاتیں۔ ان کارناموں کی وجہ سے اس جماعت

کو جہاں اہل عالم پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے وہاں بارگاہ رب العزت

میں بھی اسے بڑی مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ اور اس کے مجسمہ اخلاص اور

پیکر ایشاد حضرت امیر کو درگاہ رب العالمین میں جو مقام قرب نصیب ہوا تھا

اس کے لطائف بیان سے باہر ہیں۔ بایں ہمہ بے خبر اور مٹا و ہرم لوگ اعتراض

کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ دنیا آسانی سے کسی کی برتر صفات اور کمالات عالیہ

کی قائل نہیں ہوتی۔ اس قسم کے تمام لوگوں کے لئے یہ کتاب سرمد بصیرت کی

حیثیت رکھتی ہے تاہم چونکہ حضرت امیر حزب اللہ کا دستور تھا کہ اپنے سالانہ

خطبات میں بالالتزام اس مبارک تحریک پر تبصرہ فرمایا کرتے تھے۔ ہم بھی حضور

کا اتباع کرتے ہوئے اور حضور کے ارشادات سے استفادہ کے بعد اس باب

کے خاتمہ پر اس جماعت کے کارناموں کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں حضور نے عالم بیداری میں اور بالکل صراحتاً انہی ماویٰ انکسور

سے ایک دلفریب اور دلکش نظارہ دیکھا تھا اور انہی کانوں سے کچھ سنا تھا۔ اس نظارہ کے وقت آپ روحانی دنیا میں بسنے والے ملائکہ و مقربین کی خلوت گہ ناز میں پہنچ گئے تھے۔ آپ کے کندھوں پر ایک بارگراں رکھ دیا گیا۔ اور ساتھ ہی برداشت کی توفیق بھی عطا فرما دی گئی۔ آپ کے ذمہ کچھ خدمات کر دیے گئے اور بعض امورِ مہمہ کا آپ کو منجانب اللہ مامور بنا دیا گیا۔ اس لئے تحریک حزب اللہ میں مشاہدات اور مسلمات کی کار فرمائی تھی اور حضرت امیر حزب اللہ کی زبان سے جو کچھ نکلتا رہا وہ آپ کے جذبات و خیالات کا آئینہ دار نہیں تھا۔ بلکہ یہ بڑے بول والے کے بول تھے اور سچے قول والے کے قول۔ آپ نے جس جو امر وی اور الولعزمی سے اپنے فرائض کو انجام دیا اور مفوضہ امور مہمہ کو جس پامردی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا یہ مجاہدانہ داستان ہمیشہ یاد رہے گی۔ حزب اللہ کا جو کارنامہ آب زریں سے لکھنے کے قابل ہے وہ مسلمانوں کی اندرونی اور بیرونی اصلاح سے تعلق رکھتا ہے۔ اس جماعت نے اپنی مبارک تعلیمات اور بہترین رشد و ہدایت سے مسلمانوں کی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ ذہنیاتوں کی درستی کر دی ان کے اندر عبادات کا ذوق عمل پیدا کیا۔ اور ان کے معاملات کو ایسا سدھا دیا کہ اس جماعتی نظام سے باہر رہنے والوں اور ارکان و رضاکان حزب اللہ کے اندر جو اپنی رفتار، کردار اور گفتار کو حزب اللہ کے سانچے میں ڈھال چکے تھے ایک فرقہ عظیم نظر آنے لگا۔ خشیتِ الہی، فرض شناسی، رجوع الی الحق، تقرب الی اللہ، ایثار و قربانی، تہور و جو امر وی، بلند حوصلگی و بلند نظری، اطاعت امیر، تعمیل ارشاد، جہاد پر آمادگی، شوق شہادت، تحفظ و استحکام پاکستان کے لئے سینہ سپری، ترویج احکام شریعت و اجراءِ انہیں اسلامی کے لئے یقاری یہ ایسے امتیازات و خصوصیات ہیں جن پر جماعت حزب اللہ بجا طور پر

فخر و بہاوات کر سکتی ہے۔

اور پھر آغاز کار سے لے کر حزب اللہ نے جماعتی حیثیت سے ملک اور قوم کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی اور ایثار و قربانی کی ہر دعوت میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تخلیق پاکستان سے پہلے پورے بیس سال تک جماعت حزب اللہ مسلمانوں کی بہبودی کے لئے ہندوؤں، سکھوں، انگریزوں سے نبرد آزما رہی۔ بلی مفاد کو محفوظ کرنے کے لئے بڑی دلیری سے مناسب اقدامات عمل میں لاتی رہی اور باقی اسلامی جماعتوں کے ساتھ ہم نوا ہو کر براہِ بران ملت کے سیاسی شعور کو اس خوبی سے بیدار کیا کہ جب تعمیر پاکستان کا موقع آیا تو تمام مسلمانوں نے متفق اللفظ ہو کر قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کی آواز پر لبیک کہی۔ انگریز کے زمانہ میں لوگوں نے سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ لیا تھا۔ اور مسئلہ جہاد کو گلدستہ طاق نسیاں بنا ڈالا تھا۔ مگر حضرت امیر حزب اللہ نے ان دنوں میں بھی "السیاست فی الاسلام" کا نعرہ لگایا۔ سیاسی بیداری کو اچھائے ملی کا موجب قرار دیا۔ اور بانگِ وہل اعلان فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ قومی اور ملی حیات کا ضامن ہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران میں جماعت حزب اللہ نے سول نافرمانی کے موقع پر انتخابات کے سلسلہ میں اور ان دوسرے معاملات میں جن کے اندر مسلمانوں کے سود و بہبود کا راز مضمّن تھا۔ مسلم لیگ کے ساتھ بڑی گرجوشی سے اشتراکِ عمل کیا۔ اور پھر قیام پاکستان کے بعد اس کے تحفظ و بقا کے لئے، ہماری جماعت نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس طرح جنگِ آراوی کشمیر میں رضا کاران حزب اللہ کی شرکت اور جہادِ فلسطین کے لئے رضا کاروں کی پیش کش بھی جماعت حزب اللہ کی ملت پرستی کا بدیہی ثبوت ہے۔

حزب اللہ کی یہ تگاپوٹے و مادوم ہا یہ ساری جدوجہد اور ہنگامہ آفرینی

اور یہ ایثار پیشگی اور بے نفسی بنیادی طور پر اس غرض کے لئے تھی کہ اسلام پھر زندہ ہو جائے۔ مسلمان قرآنی تعلیمات کو اپنا اور ٹھنا بچھونا بنالیں اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا اپنا فریضہ اولین سمجھیں۔ مسلمان تہذیب مغرب سے مرعوب ہو چکے تھے۔ اور جدید نظریات زندگی کے سامنے ہتھیار ڈال چکے تھے۔ حضرت امیر حزب اللہ نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے اسلامی تعلیمات کی برتری ثابت کی اور واضح فرمایا کہ علم انسانی کچھ سے کچھ ہو جائے اور انسان پرواز کرتا کرتا باہم تریا سے بھی آگے نکل جائے قرآنی تعلیمات کی صدا بدستور قائم رہے گی اور اسلام زمانے کی ہر کوٹ میں روشنی کے اس مینار کی طرح ہمیشہ موجود رہے گا جو بھیانک تاریکیوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں سفر کرنے والوں کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ بیس سال سے زیادہ عرصہ تک ان خیالات کی نشر و اشاعت ہوتی رہی اور اس کا نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں کی قرآن اور اسلام سے وابستگی بڑھ گئی۔ ان کی قوت ایمانی میں معتد بہ اضافہ ہو گیا۔ اور ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ حکومت الہیہ کا قیام ممکن نظر آنے لگا۔ اس لحاظ سے جماعت حزب اللہ نے چودھویں صدی ہجری میں تجدید دین کا فریضہ ادا کیا ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ مجدد دین ہیں اور جلالپور شریف کا معتدس مقام تحریک احیائے اسلام کے بہت بڑے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

خون کی علالت خاندانی حالات

و
متفرقات

گھماں مبرکہ پہ پایاں رسید کارمغان
 ہزار بادۂ ناخوردہ در گب تا کہ است

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بابِ ششم

علالت

”بیماریوں نے بڑا تنگ کر رکھا ہے۔ صحت کی حالت روز بروز کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کاروان حیات قدم قدم پر تھکنے لگتا ہے پاؤں ڈگمگاتے ہیں اور جسم مر تعیش ہے۔“

سالہا سال تک مسلسل دوروں پے درپے تقریروں، سفر کی صعوبتوں اور شبانہ روز فزہنی کاوشوں کی وجہ سے حضور کے دماغی اور جسمانی قومی پر بڑا دباؤ پڑا اور آپ مختلف علل و اسقام میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن ایک طرف آپ لاہور کے ایک مشہور ڈاکٹر محمد ریست سے طبی مشورہ کے کر علاج معالجہ جاری رکھتے تھے۔ دوسری طرف عالی ہستی کی بنا پر اپنے انہماک میں بھی فرق نہیں آنے پیتے تھے۔ ویسے بھی آپ کی صحت کبھی قابل رشک صورت اختیار نہیں کر سکی تھی۔ شروع ہی سے کوئی نہ کوئی عارضہ لاحق رہتا تھا۔ مگر ۱۹۵۲ء کے قریب

آپ کی صحت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ اور آپ نے اپنے پیچیسویں سالانہ خطبے میں فرمایا :-

”اب کہولت کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں، صحت جو اب دے چکی ہے
 علل و اسقام کا آماجگاہ بن رہا ہوں۔ مگر بحمد اللہ کہ مارا راستی طبع کے
 باوجود دماغ درست حالت میں ہے۔ اعصاب و جوارح اگرچہ نسبتاً
 کمزور ہیں۔ مگر ارادہ اور ہمت اسی طرح بلند اور جسم کی نقابہت کے
 دل و دماغ پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ بلکہ جسمانی انحطاط کا نعم البدل
 روحانی ارتقاء کی شکل میں عطا ہو چکا ہے۔“

اس وقت آپ کی عمر مبارک اٹھاون برس تھی۔ جسم کمزور ہو رہا تھا۔ مگر روح ارتقاء
 پذیر تھی اور عزائم بدستور ولولہ آفریں تھے۔ لیکن حضور کی جسمانی حالت روحانی ترقی
 اور عزائم کی بلندی کا ساتھ نہ دے سکی اور ۱۹۵۷ء میں اپنے ستائیسویں سالانہ
 خطبے میں اپنی صحت کے متعلق آپ نے وہ الفاظ استعمال فرمائے جو اس باب کے
 یہی عنوان ہیں۔ ظاہر ہے حضور کی صحت تیزی سے خراب ہوتی چلی جا رہی تھی۔
 اس کے باوجود محولہ بالا الفاظ کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا :-

”بحمد اللہ کہ جسم کی کمزوری کا اثر روح کی طاقت پر ذرہ بھر نہیں اور دماغ
 کی تھکاوٹ خیالات کی درستی و صحت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکی۔ عزم
 بلند ہے اور ارادہ مضبوط۔ ہمت قومی سے اور عزیمت استوار
 جی چاہتا ہے کہ جو کام شروع کر رکھا ہے اس کی تکمیل اپنی آنکھوں
 سے دیکھ لوں۔ پاکستان کی حاصل کردہ زمین پر حکومت الہیہ کا عالی
 شان محل بھی فروس نگاہ بن جائے اور مسلمانوں کے دلوں کا اند
 عرش خداوندی کا جلوہ بھی نظر آئے۔“

جسمانی انحطاط کے باوجود دل میں کس قدر نیک عزائم موجود تھے۔ آپ اپنے دل میں ملک پاکستان اور مسلمانوں کے لئے کیسے پاکیزہ ارادے لئے پھرتے تھے۔ حکومت الہیہ کے نظر پر ور عالی شان محل کی تعمیر اور ولوں کو عرش خداوندی کے جلووں سے معمور کرنا آپ کے مد نظر تھا۔ مگر:

”عَرَفْتُ رَبِّي بِفَيْحِ الْعِزَّةِ“

سنہ ۱۹۵۸ء میں آپ نے حسب معمول ۱۶ جنوری سے اپنا دورہ شروع فرمایا جس نے ۱۹ مارچ تک جاری رہنا تھا۔ پچاس مقامات تھے اور اضلاع جہلم، راولپنڈی، میرپور، گجرات، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لاہور، منٹگمری، لائلپور اور سرگودھا کے مختلف علاقوں میں اعلیٰ کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دینا طے پایا تھا مگر آپ تیسرے مقام آدو وال سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضور کو اس مقام پر اندوہناک خبر ملی کہ آپ کے جواں سال اور جواں بخت بھتیجے سید مظہر الحق شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ اکسائز سرگودہ میں حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے ہیں۔ آپ نے دورہ منسوخ فرما دیا اور جلاپور شریف واپس ہو گئے۔ اس سے پہلے ۱۹۵۶ء میں آپ کے چھوٹے بھائی سید محمود شاہ صاحب پوسٹ ماسٹر جنرل مغربی پاکستان حرکت قلب بند ہونے سے فوت ہو گئے تھے دوسرا چہرہ کا تھا جو دل پر لگا۔ سید محمود شاہ مرحوم حضور کے بڑے اطاعت گزار اور وفادار تھے۔ انہیں آپ نے بڑے ناز و نعمت سے پالا پوسا تھا۔ ان کی تعلیم کے شاہانہ انتظامات کئے تھے۔ اور جب ان کا ستارہ اقبال اپنے اوج پر چمک رہا تھا وہ رگڑے عالم تھا ہو گئے حضور کے لئے ان کی وفات سخت روح فرسا اور جگرگداز ثابت ہوئی۔ اور کوئی ڈیڑھ سال بعد انہیں حالات میں پیارے بھتیجے کی وفات نے آپ کو بالکل تصویرِ عرماں بنا ڈالا۔ دل میں سابقہ ناسورا بھی موجود تھا۔ آپ نے پوری

طرح صبر و ضبط سے کام لیا لیکن وفور درد و غم کی وجہ سے دل کی جو حالت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو امراض و اسقام ان صدمات سے پہلے آپ کے عزم و ارادہ سے مغلوب ہو چکے تھے۔ اب آپ کے کمزور ہاتھکے ماندے، مضمحل و جوہر پر غالب آگئے۔ بیماریوں کے زیر نظر دورہ کے شروع ہونے سے پہلے پیر بھائیوں کا خیال تھا کہ آپ اپنے مجوزہ پروگرام کو مکمل نہیں کر سکیں گے اس تازہ صدمہ نے بیماریوں کی شدت میں اضافہ کر دیا اور دورہ نامکمل رہ گیا۔ یہ حضور کا آخری دورہ تھا۔

اسی سال کے ماہ ستمبر میں جب آپ راولپنڈی تشریف فرما تھے تو عین اس وقت جب آپ نماز میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ کے دونوں پہلوؤں پر فالج گرا اور آپ کو نہایت ہی مخدوش حالت میں لاہور بغرض علاج پہنچایا گیا۔ حالت مایوس کن تھی۔ خاندان عالیہ کے تمام افراد سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ اور پیر بھائی بے حد پریشان تھے۔ ابتدا میں آپ نے راجہ غضنفر علی خاں صاحب کی کوٹھی واقع گلبرگ میں قیام فرمایا۔ آپ کے برادر اصغر نواب سید محمد مہر شاہ صاحب نے علاج معالجہ کی طرف خاص توجہ دی۔ دوزیرہ گداز صدمات کا اثر آپ کے دل و دماغ پر موجود تھا لہذا فالج سخت خطرناک صورت اختیار کر گیا اٹھنا بیٹھنا، پہلو بدلنا، اعضاء کو حرکت دینا محال تھا۔ انہی مایوس کن حالات میں عرس مبارک منعقد ہوا۔ دسمبر کے ایام تھے۔ بیماری کے زیر نظر آپ نے اپنے فرزند اکبر صاحبزادہ سید برکات احمد کی خلافت کا اعلان بھی فرما دیا۔ عرس مبارک کے اختتام پر آپ واپس لاہور تشریف لے گئے۔ طبیعت کچھ سنبھلنے لگ گئی۔ اور آپ نے گلبرگ میں کوٹھی نمبر ۳۲۔ بی مستقل طور پر کرایہ پر لے کر وہاں رہائش اختیار کر لی۔ تاکہ علاج باقاعدگی سے جاری رہ سکے۔

بیماری کا غلبہ پاؤں، ہاتھوں اور زبان پر بہت زیادہ تھا۔ چلنا پھرنا بند ہو گیا۔ مشکل آپ اس قابل ہوئے کہ کسی کے تھامنے سے یا تنہا چند قدم اٹھاتے تھے۔ دائیں ہاتھ پر سوجن نمودار ہو گئی اور اس کی انگلیاں سیدھی نہیں ہو سکتی تھیں۔ بایاں ہاتھ بھی کمزور پڑ گیا۔ زبان مبارک پر گننت کا غلبہ ہو گیا۔ الفاظ کا ادا کرنا سخت مشکل ہو جاتا تھا۔ علاج کے بعد جب افاقہ ہوا تو مالش کی وجہ سے اعضا کی حرکت آہستہ آہستہ بحال ہونے لگ گئی لیکن دایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں بڑے عرصہ کے بعد کسی قدر قابل استعمال ہوئے حضور کے وہ ہاتھ پاؤں جو مجاہدین کے اعضا کی طرح فولاد کی مانند صلابت رکھتے تھے گوشت سے بالکل خالی ہو گئے۔ مرض کے دور ہونے میں حضور کی قوت ارادی کا بڑا دخل تھا۔ ذرا طبیعت سنبھلی تو انتہائی تکلیف کے باوجود آپ نے چلنا اور سیر پر تشریف لے جانا شروع کر دیا۔ ادویات کے استعمال اور خوراک میں باقاعدگی اور پرہیز کو ملحوظ رکھا۔ اللہ کا فضل تھا کہ دل اور دماغ مرض کے حملے سے بالکل محفوظ رہے۔ مرض بھی ایک نہیں تھا۔ سنگِ مشانہ، جوشِ خون، بلواسیر، فقدانِ بصارت۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر تکلیف دہ اور پریشان کن۔ مگر عنایتِ ربی تھی۔ بصارت اگر کم تھی تو بصیرت میں بیش بہا اضافہ ہو چکا تھا۔ جسم اطہر بڈیوں کا نحیف و نزار سا ڈھانچہ بن گیا تھا تو کیا ہوا۔ روحانیت میں وہ افزونی ہو چکی تھی کہ باید و شاید حضور کی کوٹھی مبارک کا ذرہ ذرہ برقی لہروں سے معمور محسوس ہوتا تھا اور اگر گننت زبان مبارک پر قفل ڈالنے میں کوشاں تھی مگر عربی، فارسی اور اردو کے بر محل اشعار ضرب الامثال اور آیات و احادیث اپنی روانی اور جوش سے اسے توڑے ڈالتی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضور پہلے بھی محبوب تھے۔ لیکن ان صفات مبارک نے آپ کی ذات گرامی کو محبوب تر بنا دیا۔

امراض کا شدید حملہ تھا اور ان میں افاقہ کے بعد جسمانی کمزوری اور ہاتھ پاؤں کی معذوری کے باعث آپ گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر صاحبِ نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ گوشہ نشینی ایک خاص معنویت کی حامل تھی۔ اسی معنویت کا نتیجہ تھا کہ مرض کے شدید ترین حملے کے وقت بھی آپ کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی اور اسی کی بنا پر مرض میں افاقہ کے بعد آپ بہ ہزار وقت کوشش کر کے قیامِ عود اور رکوع کی شرائط پوری کیا کرتے تھے۔ آپ کا اس طرح نماز ادا کرنا حضرت امام حسین علیہ السلام کی آخری نماز کی یاد تازہ کرتا ہے۔ واقعی حق و فاداری آگ کے شعلوں میں کود کر اور لوگِ شمشیر پر سینہ رکھ کر ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ راز نگاہوں کے سامنے عیاں ہوتا ہے کہ جن امورِ مہمہ کے لئے آپ کو مامور کیا گیا تھا وہ پایہ تکمیل تک پہنچ چکے تھے۔ اور آپ نے مجاہدانہ گرم جوشی سے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ان کی رفتار تسلی بخش طور پر جاری رہ سکتی تھی۔ اس لئے ان سے فارغ ہونے کے بعد آپ دنیائے معرفت و روحانیت کی سیر میں مصروف ہو گئے۔ احیاءِ اسلام و المسلمین کے سلسلہ میں مجاہدانہ ننگ دو اگرچہ عینِ رضائے الہی کے مطابق تھی لیکن ان مصروفیتوں میں انہماک کے باعث ذکر کے لئے فرصت بہت کم میسر آتی تھی۔ اور آپ کی دلی آرزو تھی کہ فرصت کی گھڑیاں ملیں اور آپ تصورِ جاناں کئے ہوئے بیٹھے رہیں۔ ۱۹۵۲ء کے خطبہ صدارت میں آپ نے فرمایا تھا:-

ایامِ مستعار کا اختتام جوں جوں قریب آرہا ہے، تمنائے وصال و خواہشِ تقرب اور بڑھ رہی ہے اور جی چاہتا ہے کہ سارے جہان کے کام جانِ جہاں کی خاطر چھوڑ دیئے جائیں۔ اور اس کی دھن میں مست ہو کر اس کی شرابِ محبت سے سرشار ہو کر اور اس کے

جمال پر انوار کے نظارہ دید میں محو ہو کر ہر شے کو ترک کر دیا جائے
 تاکہ اس کی دید کی پیاسی آنکھیں ہر وقت اس کی طرف ٹٹکی لگائے
 رکھیں۔ دنیا کی آوازیں سننے سے کان انکار کر دیں اور اس کے
 نواہے شیریں فرودیں گوش بنے رہیں۔ وہ دل جس میں کہ وہ ٹٹکن
 ہے، وہ حقیقی کعبہ جس میں وہ ساکن ہے اور وہ قلب صافیہ کی سرزمین
 جہاں کہ ہمیشہ اسی کا ورود ہوا کرتا ہے اب اسی کے لئے وقف ہو
 جائے۔ اس کے ارد گرد خاردار باڑ لگا دی جائے تاکہ کوئی غیر اس کی طرف
 جھانک نہ سکے۔ اور نہ ہی ہماری خلوت گاہ راز میں کوئی دخلی کار بنے۔

محبوب اور محبت دونوں غیور تھے۔ دونوں اپنے درمیان کسی اور کا دخیل کار
 ہونا برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے امراض گوناگون سے خاردار باڑ
 لاکام لیا گیا۔ اب محفل راز ہوتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے دید
 میں محو رہتے ہیں۔ اس لئے ظاہر ہیں نگاہیں جب حضور کو کرسی پر خاموشی
 سے جلوہ افروز دیکھیں تو محتاط رہنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی رفتار نگاہ
 کسی کی پیاری پیاری سرگوشیوں میں حال ہو جائے اور پھر حسین جلال پر شکن پڑ جائے۔
 او دیکھنے والے اس درجہ بے باک نہ بن گستاخ نہ ہو
 اس طرح لطافت جلووں کی مجروح نظر ہو جاتی ہے

حضور کی اس بیماری کے متعلق حاجی محمد علی کہتے ہیں کہ انہوں نے علمائے لاکھ
 سے جناب سید المرسلین کی اس حالت کے متعلق سنا ہوا تھا جو وحی نازل ہونے
 پر طاری ہوا کرتی تھی۔ اس وقت آنحضور کا وجود اطہر پسینہ پسینہ ہو جایا کرتا تھا
 حاجی صاحب نے بتایا کہ بیماری کے غلبہ کے ایام میں بالکل یہی حالت قبہ حضرت
 امیر حزب اللہ مدظلہ العالی کی تھی۔ فیوض رسالت اس شدت اور اس قدر وفور

کے ساتھ پہنچ رہے تھے کہ جسم مبارک ہر وقت پانی پانی رہتا تھا۔ سردی کا موسم تھا گرم لباس زیب تن ہوتا اور پسینہ قمیص مبارک کو تر کر کے گرم کوٹ تک پہنچ جاتا تھا۔ بار بار پونچھنے کے باوجود رطوبت کم نہیں ہوتی تھی۔ جب کیفیت میں اشتداد پیدا ہوتا تو قلق و اضطراب میں بھی افزونی ہو جاتی۔ جو حقیقت زیادہ تعجب انگیز تھی وہ یہ ہے کہ آپ کا بابرکت پسینہ اس قدر عطر بیزا اور معطر ہوا کرتا تھا کہ تمام کمرہ خوشبو سے ہلک اٹھتا۔ اور خدمتگار باہر نکلتے تو خوشبو کی لپٹیں پھر بھی محیط رہتیں۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ حضور کا پسینہ مشک ختن سے بھی زیادہ عطر بیزا اور روح پرور تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضور کے ہر وقت قریب رہنے کی وجہ سے حاجی صاحب کو اپنے لباس اور اپنے جوڑے بھی خوشبو آیا کرتی تھی۔ بقول

سعدی رحمۃ اللہ علیہ :-

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکلی یا عبیری؟ کہ از بوئے دلاویز تو مستم

گفتم من گلے ناچیز بودم ولیکن بدتے با گل شستم

جمال بمنتشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہاں خاکم کہ ہستم

حاجی صاحب نے ذکر فرمایا کہ پسینے کی یہ کیفیت ۱۹۵۱ء کے عرس مبارک تک رہی۔ جب حضور نے صاحبزادہ سید برکات احمد شاہ صاحب کو فرقہ خلافت

عطا فرمایا۔ اس موقع پر ایک روز حضور نے فرمایا۔ آج ہمیں تمام اختیارات

دے دیئے گئے ہیں۔ چاہیں تو اس دنیا میں رہیں چاہیں تو سفر آخرت اختیار کر

لیں۔ مگر ہم نے انشاء الہی کو مقدم سمجھا ہے۔ حاجی صاحب کا خیال ہے کہ ان

دنوں حضور کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کے ساتھ معیت

حاصل تھی۔ اور فیض نبوت عام تھا

اس بیماری کے دوران میں حضور کے برادر عزیز والا قدر نواب محمد ہر شاہ صاحب
حضور کے شریک حیات مخدومہ و محترمہ قبلہ مائی صاحبہ اور صاحبزادگان والا تبار
کے علاوہ حضور کی خدمت گزار میں جن صاحبان نے امتیاز حاصل کیا ہے ان
میں قاضی غلام فرید صاحب کو اولین مقام حاصل ہے۔ قاضی صاحب موصوف
نے جس خلوص اور جان نثاری سے اس موقع پر شب و روز کئی سال تک جملہ خدمات
انجام دیں ان کی مثال نہیں ملتی۔ ہم نے حضور کے خلفاء کے ذکر میں قاضی صاحب
کے حالات نسبتاً زیادہ تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ دوسرے درجہ پر سید رحمت حسین
شاہ صاحب سکند جھٹہ ہتھال ہیں۔ شاہ صاحب پہلے فوج میں ملازم تھے نیاز
مندمی کا وہ عالم تھا کہ راولپنڈی چھاو نی میں رہتے ہوئے جب باقی سپاہی رات
کو سو جاتے تو شاہ صاحب چپکے سے کھسک کر حضور کی کوٹھی پر پہنچ جاتے۔ رات
بھر ایک جان فروش کی طرح مٹھی چاپی کرتے اور علی الصبح اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو
جاتے۔ آخر کار حضور کی خدمت کے لئے فوج سے مستعفی ہو گئے اور اہل و عیال
کو فراموش کر کے اس طرح حق و فاداری ادا کیا کہ کیا کہنا۔ اس لحاظ سے حاجی محمد علی
صاحب بی، اے ساکن چک نمبر ۲۲ آر۔ بی ضلع لائلپور کا جذبہ ایثار
و وفا بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جو بیماری کے شدید حملہ کے دوران میں
اپنے گھر بار اور زمینداری کو بالکل بھلا کر حضور کی خدمت میں رہے۔ صوفی محمد
عباس خان نے بھی اپنے چک واقع ضلع منٹگمری سے گلبرگ لاہور میں حضور
کے لشکر شریف سے خدمت گزار کا اچھا رابطہ قائم رکھا۔ یہ چند نام برسبیل
تذکرہ لکھ دیئے گئے ہیں ورنہ دور و نزدیک کے تمام لاکھوں پیر بھائی حضور کی
بیماری کی وجہ سے محزون، مغموم اور ملول رہے۔ اطراف و اکناف سے حضور
کی بیمار پرسی کے لئے بار بار لاہور حاضر ہوتے رہے۔ اور انہوں نے اور اور استغناء

درود شریف اور ختم قرآن مجید سے جس طرح حضور کی صحت عاجلہ اور کاملہ کے لئے شافی مطلق عزا اسمہ سے شب و روز دعائیں مانگیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضور تمام کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں اور تمام حضور کی زندگی کو اپنے لئے بقا و حیات کا موجب سمجھتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ حضور کو باسہمہ محبوبیت عرصہ دراز تک اس دنیا میں قائم رکھیں۔ آمین تم آمین۔

حضور آج کل بھی سال کا بیشتر حصہ ۳۲۔ بی گلبرگ لاہور قیام فرما رہے ہیں وہاں طبی مشورہ باسانی اور بروقت مل سکتا ہے۔ صرف عرس مبارک اور عید الاضحیٰ کے موقع پر جلالپور شریف تشریف فرما ہوتے ہیں۔ حضور کی عدم موجودگی میں صوفی شیر محمد فراغی سجاوہ نشینی انجام دیتے ہیں۔ موسم گرما کے دو تین ماہ آپ تبدیلیٰ آب و ہوا کے لئے راولپنڈی قیام فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی کراچی کا سفر بھی اختیار فرمایتے ہیں اور پیر بھائیوں کے اصرار پر آتے جاتے شاہراہ یاریل کی سڑک کے قریب دو ایک مقام بھی منظور فرمایا کرتے ہیں تاکہ دورہ کی دیرینہ روایات تازہ ہوتی رہیں۔ اس سلسلہ میں چھٹی عالمشیر زور راولپنڈی، چکوال، گوہر خان دینہ، مرالی، منگمری اور رحیم یار خان کو یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ یکم دسمبر ۱۹۶۲ء کو آپ نے کوئی پانچ سال بعد سیال شریف عرس مبارک میں بھی شمولیت فرمائی اور ادھر ضلع جھنگ میں لانگ شمالی کے مقام پر براہِ طریقت میاں محمد سلیمان کی دعوت بھی منظور فرمائی جن کے ہاں حلیم میاں عبدالعزیز، صوفی محمد طفیل، صوفی خضر حیات اور ان کے ساتھ قرب جوہر کے ہزاروں اور پیر بھائی شرف قدمبوسی سے فیضیاب ہوئے۔ لوگ حضور کی زیارت کے لئے ترس رہے تھے۔ اس لئے انبوه در انبوه حاضر ہوتے رہے۔ واپسی پر آپ سرگودھا اور شاہ پور بھی تشریف لے گئے۔

اگرچہ راقم سلور کی بے خبری اظہار من الشمس ہے۔ پھر بھی یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضور کا موجودہ مقام جمال اور جلال کا مرقع ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اغوات و اقطاب فائز ہوتے ہیں اور کون مکان کی باگ ڈور ان کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ اس وقت وہ جو کچھ چاہتے ہیں ہو جاتا ہے۔ دکھائی کہیں دیتے ہیں اور موجود کہیں ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کی ذات ایک بستہ راز بن جاتی ہے۔ ناقص لوگ تو بجائے خود، کامل بھی بصد ادب احترام ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور کسب فیض کرتے ہیں ان کے اشارہ ابرو سے اموں مملکت طے پار ہے ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے مختلف گوشوں میں انہی کے فرامین کی تعمیل ہو رہی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات سے فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور کسی کی ذات سے بقا کی خلعت فاخرہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ دنیا ان کا ظاہر ہوتی ہے اور وہ دنیا کا باطن ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات اگرچہ مفصاح حقیقت ہوتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ ان جو اہر آبدار کی مانند ہوتے ہیں جنہیں جوش امواج کنارے پر پھینک دیتا ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ سمندر کی گہرائیوں اور وسعتوں تک کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ کسی کو کیا معلوم کہ سمندر کے اندر کیا کیا خزانے پوشیدہ ہیں۔ اس کی وجہ محض یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ دنیا کے آب و گل میں لامکان کے راز دار بن کر موجود ہوتے ہیں۔ اور لامکان کے حقائق کے متعلق ہی قرآن مجید میں کہا گیا ہے۔

هُوَ الْأُولُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

ہمارے دلی دعا ہے کہ حضور بایں آن بان تاویر اس دنیا کے آب و گل میں ان ظاہر سے آنکھوں کو نظر آتے رہیں۔ اور حضور از راہ قدرہ پروردی و کرم گستری اپنے تصرفات باطنی سے اپنے غلاموں کے دلوں کی زمین کو ہمہ پائیہ عرش بریں بنا کر

وہ روحانی مسرت حاصل کرتے رہیں جس کی تمتا ہمیشہ آپ کے دل میں رہی ہے۔

ایں وعاز میں واز جملہ جہاں آمین باد

خاندانی حسالت

محبوب سبحانی خواجہ غریب نواز حضرت پیر حیدر علی شاہ قرس سرہ العزیز کی اولاد کے لئے سر بلندی اور خوش حالی روزِ ازل کو لکھ دی گئی تھی لیکن ان کے اقبال میں جو حصہ حضرت ابوالبرکات مدظلہ العالی کا ہے وہ لاریب اپنی نظیر آپ ہے۔ ادھر ادھر سجاوہ نشین بزرگ اپنے بھائیوں سے بالکل قطع تعلق کر لیا کرتے ہیں اور بعض اوقات اس قدر خود غرضی کا اظہار کرتے ہیں کہ مقدمہ بازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور پھر یہی بات خاندان کے زوال کا موجب بنتی ہے۔ مگر جب حضور نے بڑی بے نفسی سے زندگی بھر تمام ملتِ اسلامیہ کو عروج سے آشنا کرنے کے لئے جہاد کیا ہے آپ اپنے خاندان کے ترفع سے کس طرح غافل رہ سکتے تھے ابھی آپ سجاوہ نشین نہیں ہوئے تھے کہ اپنے جان سے عزیز برادرانِ خورد کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے کوشاں ہو گئے قبلہ ثانی صاحب کی خدمت میں باصرار عرض کر کے حضور نے اپنے چھوٹے بھائیوں کو انگریزی تعلیم دلانے کے لئے انتظامات کئے۔ آپکل خیال مبارک تھا کہ تمام صاحبزادگان والا تبار نہ صرف یہ کہ خود کفیل ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس قدر مقتدر بن جائیں کہ ان کی وجہ سے پیر بھائیوں کو بالخصوص اور باقی مسلمانوں کو بالعموم فوائد کثیرہ حاصل ہوں۔ سجاوہ نشین ہونے کے بعد آپ نے اپنے خاندان کی بہبودی کی طرف پوری توجہ دی۔ اپنے برادرانِ گرامی کے مستقبل کو سوار



حضرت امیر حزب اللہ
مرضِ فِسانج سے شفا یاب ہونے کے بعد

کے لئے کھلے دل سے خرچ کیا۔ ہر معاملہ میں ان کے عزت و احترام کو ملحوظ رکھا۔ پرورش، تعلیم، تربیت، رفوٹھکار، مناکحت، العرض ہر موقع پر ان کی شاہزادگی کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے بڑے اہتمام سے کام لیا۔ یہ تمام واقعات ہر ایک کی نظروں کے سامنے گذرے ہیں۔ ہر ایک جانتا ہے کہ کس طرح حضور کی توجہات کی بدولت حضور کا خاندان عالیہ روز بروز ترقی کرتا چلا گیا۔

قبلہ نواب محمد مر شاہ صاحب اطلال اللہ عمرہ وادام اللہ برکاتہ بڑے معاملہ فہم، باتدبیر اور بلند اقبال ہیں۔ لیکن انہوں نے جس طرح الیکشن کے بڑے بڑے معرکے جیتے، سیاسی لحاظ سے جس طرح ان کی پشت پناہی ہوئی۔ اور ان کے وقار میں بفضلہ تعالیٰ جس طرح سرعت رفتار سے اضافہ ہوتا چلا گیا، مبالغہ آرائی نہیں ہوگی اگر یہ کہا جائے کہ یہ سب کچھ حضرت امیر حزب اللہ کی خاموش مسلسل مساعی کا نتیجہ تھا۔ حضور کی ڈاک منشی محمد عالم صاحب محرر لنگر شریف کے پاس محفوظ تھے۔ حضور کے اپنے مبارک ہاتھوں سے تحریر شدہ مراسلے ہیں ۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو مقام دورہ سے آپ لکھتے ہیں:-

واقعی مقابلہ سخت ہے اور سارے مخالفین نے ایک ایک کے عزیز القدر نواب صاحب کو شکست دینے کی ٹھان لی ہے۔ مگر قرآنی فرمان کے مطابق وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَنِعْمَ وَشَكَسْتِ خَدَاوَنْد کریم کے اختیار میں ہے۔ اپنی طرف سے پوری کوشش جاری رہنی چاہئے۔

اسی طرح ۲۹ نومبر ۱۹۵۲ء کے مراسلہ میں فرماتے ہیں:-
جس صورت حال میں مقابلہ ٹھن گیا ہے۔ اب مکمل کوشش ہونی چاہئے جبکہ عزت و آبرو کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔

اس مراسلہ میں حضور نے منشی محمد عالم کو وفود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ اور ہدایت کی ہے کہ ان میں معتبر، بااثر اور رعب دار لوگوں کو شامل کیا جائے۔ کیونکہ جتنے بااثر لوگ ہوں گے اتنا ہی وفد کامیاب رہے گا۔ صاحبزادہ سید کرم شاہ صاحب صاحبزادہ سید محمود شاہ صاحب اور دوسری والدہ سے اپنے پانچویں بھائی صاحبزادہ سید احسان الحق صاحب کے تمام معاملات میں بھی حضور نے اسی شفقت و محبت، خلوص و پھر دمی اور مسلسل اور متواتر توجہات خصوصی سے کام لیا۔

جب چھوٹے صاحبزادگان کی باری آئی تو آپ نے صلہ رحمی، کنبہ پروری اور اقربا نوازی کی انہی پاکیزہ اور درخشاں روایات کو قائم رکھا۔ اور اسی بات کا ثمرہ ہے کہ حضور کا خاندان خدا کے فضل و کرم سے پاکستان کا ایک نہایت ہی مقدر خاندان شمار ہوتا ہے۔ اور حالات نے جو خوشگوار رخ اختیار کیا ہوا ہے۔ اس سے خاص معجز نامی کی امید بھی دلوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ اس وقت بھی حضور کے خاندان کا اقتدار پر بھاپوں اور دیگر مسلمانوں کے لئے فیوض و برکات کا موجب بنا ہوا ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی اسلام اور مسلمانوں کو اس سے بے انتہا فوائد حاصل ہوں گے یہاں ان الفاظ کا اضافہ کر دینا بھی مناسب رہے گا کہ ایک بار راجہ غضنفر علی خاں صاحب نے حزب اللہ کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے تسلیم کیا تھا ان کی حیرت انگیز ترقی اور حکومت کے ممتاز عہدوں پر فائز المرامی بھی حضرت امیر حزب اللہ کی توجہات ظاہری و باطنی کا نتیجہ ہے۔ واقعی جس طرح حضور اُمّتِ مسلمہ کے لئے آیہ رحمت ثابت ہوئے ہیں۔ اپنے خاندان کے لئے بھی بے انتہا مہم و برکت کا موجب بنے ہیں۔

حضور کے برادران گرامی

نواب سید محمد مہر شاہ صاحب

آپ کی ولادت ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۸۹۶ء شنبہ کے دن ہوئی آپ نے عربی کی صرف و نحو اور فارسی سکندر نامہ تک پڑھی تعلیم کی طرف زیادہ رجحان نہیں تھا۔ مگر آپ حضرت خواجہ فریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب تھے۔ اس لئے تعلیم کی کمی تو جہات باطنی نے پوری کر دی۔ مبدیہ فیاض نے آپ کو معاملہ فہمی، حسن تدبیر، دور بینی اور دور اندیشی، جواں ہمتی اور عالی ظرفی کی صفات عالیہ اس قدر عطا فرمائی ہیں کہ انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے ہم نے بڑے بڑے زیرک اور چوٹی کے سیاست دانوں کو آپ کے سامنے دم بخورد پایا ہے۔ آپ بڑے وجیہ اور حسین ہیں۔ اس کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے خوش پوش بھی ہیں۔ ایک کمن بہن رکھی ہو اور طرہ دار کپڑی زیب سر ہو تو آپ یوسف نامی نظر آتے ہیں۔ اب عمر ۶۶ سال ہے مگر چہرہ بھی حسن اور وجاہت بے نظیر ہے۔ رعب داب اور ہیبت و جلال آپ کے بشرہ سے نمایاں ہیں۔ آپ قوی ہیکل اور شہ زور بھی ہیں۔

امور سیاست میں مہارت رکھنے کی وجہ سے عین عالم جوانی میں آپ ممتاز اور سربر آوردہ اکابر میں شمار ہونے لگ گئے۔ الیکشن کے آپ نے بڑے ہنگامہ آرا معرکے جیتے ہیں۔ کونسل آف سٹیٹ، برطانوی ہند کی مرکزی اسمبلی، پنجاب کونسل اور بعد میں پنجاب اسمبلی کے آپ سالہا سال تک ممبر رہے۔ انگریزی زبان میں آپ کو چند ان دسترس حاصل نہیں تھی۔ لیکن آپ کی انگریزی دانی میں کوئی

شک نہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ نے نواب اور سر کے خطابات آپ کی خدمت میں پیش کئے جو ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے راست اقدام کی تحریک شروع کرنے پر آپ نے ترک کر دیئے تھے۔ البتہ حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز نے پختے میں آپ کو نواب کے پرائیڈر لقب سے ملقب فرمایا تھا۔ اس لئے اب بھی آپ نواب کہلاتے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں آپ مسلمانوں کے مندوب کی حیثیت سے گولڈن کانفرنس میں بھی مقام لندن شریک ہوئے۔ ہر مرحلہ پر آپ نے مسلمانوں کی پیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ پیر بھائیوں پر بھی آپ بڑی شفقت کا اظہار فرمایا کرتے ہیں۔ آپ بے حد بلند اقبال ہیں۔ آپ نے یورپ اور امریکہ کی سیاحت بھی کی ہے۔

آپ کی پہلی شادی سید گلاب شاہ صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے متولد ہوئے :-

- ۱۔ سید مسعود احمد صاحب آپ بی بی اسے تک تعلیم یافتہ ہیں۔ اپنے والد ماجد کی طرح زیرک اور معاملہ فہم ہیں۔ آپ صوبائی حکومت میں ڈپٹی سیکریٹری کے عہدہ سے پینشن پر آئے۔ آج کل زمینداری اور کاروبار میں بڑی کامیابی سے حصہ لے رہے ہیں آپ کی شادی اپنے مرحوم چچا سید محمود شاہ صاحب پوسٹ ماسٹر جنرل کے گھر ہوئی تھی۔ آپ کے صاحبزادگان حصول تعلیم میں مصروف ہیں۔
- ۲۔ سید مظہر الحق صاحب۔ بی بی ایسے پاس کرنے کے بعد آپ محکمہ ایکسائز میں سپرنٹنڈنٹ رہے۔ ۱۹۵۵ء میں حرکت قلب بند ہونے سے آپ وفات پا گئے۔ آپ کی شادی سید محمود شاہ صاحب کی دوسری صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ مرحوم کی یادگار دو صاحبزادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمر خضر اور بخت سکندر عطا فرمائیں۔ آمین۔

نواب صاحب قبلہ کا دوسرا عقد لاہور کے تاریخی فقیر گھرانہ میں فقیر
جلال الدین کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ اس نکاح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو
مندرجہ ذیل صاحبزادے عطا فرمائے:

۱۔ سید مقبول احمد۔ وجیہہ نوجوان ہیں۔ بی۔ اے تک تعلیم ہے ملازمت
نہیں کی۔ کاروبار سے روکار رکھتے ہیں۔ تعلقات بڑے وسیع ہیں۔ انشاء اللہ
معاملہ فہمی اور جواں ہمتی کے باعث سیاست میں اپنے ممتاز والد بزرگوار کے
جانشین ثابت ہوں گے۔

۲۔ سید افتخار احمد۔ بی۔ ایس۔ سی انجینئرنگ پاس کرنے کے بعد ایگزیکٹو
انجینئر ہوئے۔ آج کل کینڈا میں انجینئر ہیں۔ بڑے ہونہار اور نیک سیرت
نوجوان ہیں۔

۳۔ سید آفتاب احمد۔ نیوی میں کمیشن ملا تھا۔ مگر مستعفی ہو گئے۔ آج کل
زمینداری اور کاروبار میں منہمک ہیں۔ فقیر منش نوجوان ہیں۔ فقر سے لگاؤ ہے۔
فطرت بڑی صالح پائی ہے۔ اپنے تالیماں قبلہ امیر حزب اللہ سے بیعت کرنے
کے بعد وارثی بھی رکھ لی ہے۔ اور صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند ہیں۔

۴۔ سید مختار احمد۔ آپ بنگال میں ایک کمپنی کے ممتاز افسر ہیں۔

۵۔ سید ظفر حیدر۔ محنتی اور ذہین نوجوان ہیں۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے طالب علم
ہیں۔ تعلیم میں کامیابی کے ساتھ فراغت کے بعد آج کل میوہ ہسپتال میں
خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

نواب صاحب قبلہ زمینداری جدید ترقی یافتہ طریقوں سے کراتے ہیں
نسل کشی کے لئے اعلیٰ درجے کے گھوڑے پالتے ہیں جن کے بچے ہزاروں روپے
میں فروخت ہوتے ہیں۔ ان کا اصطلبل آغا خان کے اصطلبل کے ہم پدہ ہے۔

آپ گائے بیل، بھینس، بھیڑوں، بکریاں بھی اعلیٰ نسل کی پالتے ہیں۔ جاہ و جلال، دولت و ثروت اور اولاد کے لحاظ سے خوش نصیب ہونے کے علاوہ قبلہ نواب صاحب مستجاب الدعوات بھی ہیں۔ کئی پیر بھائیوں کے حق میں حضور کی وعائے خیر اکسیر ثابت ہوئی ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ سے آپ کو بڑی محبت ہے۔ اور جس طرح آپ نے اپنے برادر بزرگ کا احترام دل و جان سے قائم رکھا ہے۔ اور حضور سے عملاً اور قولاً ہمیشہ اظہار و فاداری کیا ہے یہ ایک قابل تقلید مثال ہے۔ اپنے تمام افراد خاندان کے ساتھ آپ بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں۔

سید محمد کرم شاہ صاحب

حضرت امیر حزب اللہ کے دوسرے برادر خورد تھے۔ آپ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۰۱ء بروز شنبہ پیدا ہوئے۔ مذہبی تعلیم گھر پر پانے کے بعد آپ نے سکول اور کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ پنجاب سول سروس میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے ملازم ہوئے اور ترقی کر کے ڈپٹی کمشنر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ جس دلیری، جرات اور مردانگی سے آپ نے ملازمت کی یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کی شادی راجہ محمد اکبر خان مہسودپنجاہ کونسل کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپ کے سات صاحبزادگان ہیں۔ آپ کے فرزند اکبر سید اعجاز حیدر جلاپور شریف رہتے ہیں۔ اور زمینداری کرتے ہیں۔ آپ کے ایک فرزند سید مشتاق حیدر تھا نیدار ہیں۔ سید اقبال حسین انگلستان میں کاروبار کرتے ہیں۔ اور دو فرزند کینڈا میں آباد ہو چکے ہیں۔ سید محمد کرم شاہ صاحب یکم فروری ۱۹۶۳ء کو بمقام جہلم حرکت قلب بند ہونے

سے فوت ہو گئے۔ اور حضرت امیر حزب اللہ آپ کے سارے خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت فرمادیں۔ آمین

سید محمود شاہ صاحب

آپ حضرت امیر حزب اللہ کے تیسرے برادرِ خور و تھے۔ ولادت ۱۶ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۳ جون ۱۹۰۳ء بروز شنبہ ہوئی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ بطور سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانجات ملازم ہوئے اور ترقی کرتے کرتے پوسٹ ماسٹر جنرل کے جلیل القدر عہدہ پر پہنچے۔ مگر افسوس ہے کہ جب آپ کے عروج کا زمانہ تھا آپ ۱۹۵۶ء میں بعارضہ قلب وفات پا گئے۔ آپ نہایت ہی دور اندیش، حلیم الطبع اور شفیق بندہ تھے۔ حضرت امیر حزب اللہ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ اور آپ بھی حضور کا احترام دل و جان سے کرتے تھے۔ آپ کے اکلوتے بیٹے سید امجد حسین شاہ ہیں جو بی، ایس سی انجینئرنگ پاس کرنے کے بعد ایگزیکٹو انجینئر بنے۔ آج کل انجینئرنگ کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آسٹریلیا گئے ہوئے ہیں۔ بڑے خوبصورت اور قابل نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمر دراز عطا فرمائیں۔ آمین

سید محمد احسان الحق صاحب

آپ دوسری والدہ سے حضرت امیر حزب اللہ کے پانچویں بھائی ہیں۔ آپ کاسن ولادت ۱۹۱۵ء عیسوی ہے۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد آپ محکمہ ایکسائز میں ملازم ہوئے۔ آج کل کراچی میں اسسٹنٹ کلکٹر ہیں۔

حضرت امیر حزب اللہ کے مایہ ناز ماموں صاحب

راجہ غضنفر علی خان مرحوم حضور کے سگے ماموں تھے۔ آپ راجہ سیف علی خان جاگیر دار پنڈ وادو خان کے گھر ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ بی۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ آپ کے ماموں جماعتوں اور دوستوں میں سے سید احمد شاہ بخاری تھے۔ جو بعد میں اسی کالج کے پرنسپل بنے۔ اور انگریزی زبان میں مہارت تامہ رکھنے کی بنا پر تجویز اور تقریر میں وہ نام پیدا کیا کہ انجمن اقوام متحدہ کے سکرٹری ہوئے۔ راجہ صاحب نے بی۔ اے کے بعد لا کالج میں داخلہ لیا۔ لیکن قانون کی تعلیم کو مکمل نہ کر سکے ۱۹۲۳ء میں آپ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور وہاں قائد اعظم محمد علی جناح کی آزاد پارٹی میں شامل ہو گئے۔ مسٹر جناح ان کے جوشِ خطابت اور درو قومی سے ایسے متاثر ہوئے کہ انہیں اپنا دست راست اور معتمد بنا لیا۔ ریاست الوری میں مسلمانوں کو شکایات پیدا ہوئیں تو انہیں مطمئن کرنے کیلئے ہمارا راجہ الوری نے راجہ صاحب کو اپنے وزیر ام میں شامل کر لیا۔ جہاں آپ ۱۹۲۸ سے ۱۹۲۹ء تک رہے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۶ء تک آپ کونسل آف سٹیٹ کے رکن رہے۔ وہاں بھی درو قومی کی بنا پر آپ نے بڑی گرم گرم تقریریں کیں۔ تحریک حزب اللہ ۱۹۲۷ء میں شروع ہوئی تھی۔ ابتدا میں راجہ صاحب اس میں شامل ہو گئے۔ یہ ان کے دل کی آواز تھی۔ ہم نے حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں ان کی جو تقریریں سنی ہیں وہ آج بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں۔

۱۹۳۵ء میں جب انڈیا ایکٹ نافذ ہوا تو راجہ صاحب پنجاب اسمبلی کے

ممبر منتخب ہوئے۔ اور سردار سکندر حیات خاں مرحوم نے انہیں اپنا پارلیمنٹری سیکرٹری منتخب کیا۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ ان دنوں پنجاب اسمبلی میں وہ واحد مسلم لیگی ممبر تھے۔ سردار سکندر حیات خاں کی وفات پر خضر حیات خاں ٹوانہ پنجاب کے وزیر اعظم بنے۔ راجہ صاحب بدستور اسی عہدہ پر فائز رہے مگر اب ان کے جوہر کھلنے کا وقت آچکا تھا۔ خضر حیات ٹوانہ کو قومی اور ملی امنگوں سے قطعاً کوئی بہم ردی نہ تھی۔ وہ صرف انگریز پرست تھے۔ اس لئے راجہ صاحب نے جس جرات اور بے باکی سے خضر حیات خاں ٹوانہ اور ان کی یونیورسٹی پارٹی کو بے نقاب کیا وہ ایک بڑی حریت پرورد استان ہے۔ اس وقت سے راجہ صاحب قوم کے عظیم رہنماؤں میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۴۰ء میں قرار دیا پاکستان منظور ہوئی تھی۔ اور مسلم لیگ نے حضرت قائد اعظم کی قیادت میں اپنے نصیبین کے حصول کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی۔ راجہ صاحب قائد اعظم کے رازدانوں میں سے تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ اور قائد اعظم کا پیغام پنجاب کے کونے کونے میں پہنچایا۔ انہوں نے اپنی ذہانت، بذلہ سنجی، خطابت، خلوص اور دوسندی سے پنجاب کے عوام کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ لوگ ہر مقام پر جوق در جوق آپ کی تقاریر سننے کے لئے پہنچ جاتے تھے۔ خضر حیات ٹوانہ اور برطانوی راج کی گرفت پنجاب میں بڑی حد تک آپ کی پرجوش تقاریر کی وجہ سے ختم ہوئی۔ آپ نے کاروان آزادی کی رہنمائی کی۔ جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خلافت میں بھی آپ مجاہد کی حیثیت سے لڑتے رہے۔ نظریہ پاکستان پر آپ کا ایمان تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ کی طرح برصغیر میں مسلمانوں کی آزادی کی خاطر لڑنے والے آپ ایک عظیم مجاہد ثابت ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان میں عبوری حکومت بنی تو قائد اعظم نے

مسلم لیگ کی طرف سے جن با اعتماد رفقا کے نام پیش کئے۔ ان میں راجہ صاحب
 بھی شامل تھے۔ آپ کو صحت و خوراک اور زراعت کا قلمدان سپرد کیا گیا۔ انہی
 ایام میں کانگریس اور خان عبدالغفار خان کے اصرار پر سابق صوبہ سرحد میں لائے
 شماری ہوئی اور راجہ صاحب نے نظریہ پاکستان کی حمایت میں بڑا کام کیا۔
 ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا اور آپ کو ملک کی پہلی کاہنہ میں لے لیا گیا
 اگست ۱۹۴۸ء میں آپ کو ایران میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا۔ جہاں آپ جنوبی
 ۱۹۵۲ء تک رہے۔ ملتِ ایران کے ساتھ ہمارے مخلصانہ اور برادرانہ روابط
 پیدا کرنے میں نمایاں حصہ راجہ صاحب کا ہے۔ آپ کچھ عرصہ ترکی میں سفیر رہے
 پھر آپ بھارت میں پاکستان کے ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔ وہاں پاکستان کے حق
 میں سازگار فضا پیدا کرنے کے لئے آپ نے جو خدمات انجام دیں انہیں بھلایا
 نہیں جاسکتا۔ جنوبی ہند کے ہندو اور مشرقی پنجاب اور دہلی کے سکھ آپ کی
 شخصیت سے خاص طور پر متاثر تھے۔ ۱۹۵۶ء تک آپ وہاں رہے اور
 کوئی ایک سال تک اٹلی میں بھی آپ سفارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔
 جہاں پوپ سے آپ نے خاص روابط قائم کئے۔ غیر ممالک میں وسیع النظری
 اور فراخ دلی کے باعث ان کا بیحد احترام کیا جاتا تھا۔ اس طرح آپ بین الاقوامی
 شہرت کے مالک بن گئے۔ آپ حس ملک میں جاتے تھے عوام اور خواص تمام
 آپ کے مداح بن جاتے تھے۔ تمام سے کھل بل جانا آپ کے لئے معمولی بات
 تھی۔ چین کے ساتھ اتحاد کے آپ اولین حامی تھے۔ چنانچہ پاک چین سوسائٹی
 کے آپ صدر تھے۔ آپ نے آخری تقریر ۱۶ اپریل ۱۹۷۳ء کو سکھ یا تریوں
 کے سامنے ارشاد فرمائی جس میں آپ نے صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان
 کو سکھوں کے لئے لاہور کا گوردوارہ واگذار کرنے پر مبارکباد کہی۔

۱۷ اپریل ۱۹۶۳ء کو آپ نے اپنی کوچھی واقع گلبرگ لاہور میں نماز عصر ادا کی اور جائے نماز پر تسبیح کے ذکر کے لئے بیٹھ گئے۔ وہیں دل کا دورہ پڑا اور حرکت قلب بند ہونے سے جان بحق ہو گئے۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** آپ کی اچانک رحلت سے ملک کے سیاسی سماجی اور معاشرتی حلقوں میں غم و الم کی لہر دوڑ گئی۔ رحلت کی خبر سنتے ہی ان کی کوچھی پر سوگواروں کا بہت بڑا ہجوم ہو گیا۔ مرحوم کے آخری ویدار کے لئے جو لوگ سب سے پہلے پہنچے۔ ان میں سپریم کورٹ کے مسٹر جسٹس ایس۔ اے رحمان، پاکستان کے ریٹائرڈ چیف جسٹس عبدالرشید، میاں ممتاز محمد خان دولتاناہ اور امریکی قونصل جنرل شامل تھے۔ آپ کو اپنے آبائی گاؤں پنڈ وادنخاں میں اپنے جد اعلیٰ وادنخاں کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ تجہیز و تکفین اور فاتحہ خوانی کے مراسم نواب محمد مہر شاہ صاحب نے ادا کئے آپ کی بہن اولاد کوئی نہیں تھی۔ قیام پاکستان کے وقت ہاجر کیمپ سے تین لاوارث بچیاں لے کر اپنی بیٹیوں کی طرح آپ نے ان کی پرورش کی تھی۔ اور دو کی شادی کے فرائض سے بھی عہدہ برآ ہو چکے تھے۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے نواب محمد مہر شاہ صاحب کو راجہ صاحب کی وفات پر پیغام تعزیت بھیجا۔ قائد کشمیر چوہدری غلام عباس، مسلم لیگی رہنما چوہدری خلیق الزمان اور دیگر اکابر نے بھی تعزیتی پیغامات بھیجے۔ اخبارات اور رسائل نے آپ کے حالات زندگی، حلی و عنوانات سے شائع کئے۔ اور آپ کی ملکی اور ملی خدمات کو سراہا۔ قومی اسمبلی نے آپ کی وفات پر قرار واد تعزیت پاس کی اور فاتحہ خوانی کے بعد آپ کے احترام کے طور پر ایک منٹ تک خاموشی اختیار کی۔ شہروں میں جا بجا تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔ پاکستانی ملت نے متفقہ طور پر آپ کو رنگارنگ شخصیت قائد اعظم کا معتدسا تھی، جنگ آزادی کا نڈر سپاہی، ایک عظیم وطن

اور پاکستان کا بہت بڑا مدبر اور سیاست دان قرار دے کر زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ آپ کی وفات قوم کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ اخبارات نے لکھا کہ راجہ غضنفر علی خان جیسی شخصیتیں طویل سالوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ آپ پاکستان کے مایہ ناز سپوت تھے۔ اور آپ کی حسبِ وطنی ہمیشہ یادگار اور مشعلِ راہ رہے گی۔ راجہ صاحب مرحوم دارِ آخرت سے بجا طور پر نوجوانانِ ملت کو بہار کر کہہ سکتے ہیں۔

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت بنے لحدِ میری کہ خاکِ راہ کو بخشا ہے میں نے فوقِ لوزی

اولادِ امجاد حضرت امیرِ عرب اللہ

جیسا کہ ذکرِ جیب میں درج ہے کہ حضور کو پہلا عقد سیدِ نواب شاہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوا جو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے داماد اور بھانجے تھے۔ صاحبزادی صاحبہ جلد انتقال فرما گئیں۔ آپ کا دوسرا نکاح مکانِ شریفین میں حضرت حاجی میر آل رسول صاحب کی صاحبزادی سے اپریل ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ آپ عربی سے واقف تھیں اور فارسی میں خاص کمال رکھتی تھیں۔ آپ بھی ۱۲ شعبان ۱۳۳۵ھ (مطابق ۱۹۲۲ء) کو وفات پانگین۔ آپ کے صاحبزادگان والا تبار حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ سید برکات احمد۔ آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق

۱۲ مارچ ۱۹۱۶ء میں ہوئی اور احمد صاحب سابق ڈاکٹر اور کئی خدمات کو قلمبند کر چکے تھے۔ جو

تہنہ شہر سے مارشل لاک کے عنوان سے اخبارِ مشرق تراویپنڈی میں بالاقساط چھپ رہے ہیں۔

جسٹیا نوالہ باغ امرتسر کے سانحہ سے لے کر فیملی مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے برہمراقتدار آنے

تک کے واقعات ہیں۔

۲۴ فروری ۱۹۱۸ء بروز ووشنبہ ہوئی۔ آپ حضرت امیر حزب اللہ کے فرزند اکبر اور ولی عہد ہیں۔ صفات عالیہ اور کمالات باہرہ کے مالک ہیں۔ حضور نے آپ کو ۱۹۵۸ء میں خلافت عطا فرمائی۔ مفصل حالات خلفاء مجاز کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ سید حسنا احمد۔ ولادت ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۱۹ء یوم پنجشنبہ کو ہوئی۔ آپ کی تعلیم ملی۔ اے تک ہے۔ حضور کے لاڈلے فرزند ہیں۔ ہم نے ہمیشہ حضور کو صاحبزادہ صاحب کی ناز برداری کرتے دیکھا ہے۔ ابتداء میں فیج میں کپتان کی حیثیت سے ملازم تھے۔ بعد میں سول سروس میں آگئے آج کل ڈپٹی کمشنر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ بڑے جوان ہمت اور اولوالعزم ہیں۔ وجاہت، عقل و فراست اور اصابت رائے کے اعتبار سے اپنے عالی شان خاندان کی روایات کو آپ نے بڑی عمدگی سے قائم رکھا ہے۔ آپ جس قابلیت، احساس فرض اور دیانت داری کے ساتھ اپنی محکمانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں اور بالائی حلقوں میں آپ کی احسن کارکردگی اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے متعلق جو رائے قائم ہو چکی ہے۔ اس کی بنا پر بفضلہ تعالیٰ امید ہے کہ آپ کا مستقبل اور بھی زیادہ درخشاں ہوگا۔ پیر بھائیوں سے آپ کا خاص انس ہے۔

آپ کی شادی نواب محمد مہر شاہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپ کے صاحبزادگان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔ جو ماشاء اللہ اب جوان ہوئے ہیں۔ اور بڑے شوق سے حصول تعلیم میں مصروف ہیں۔

سید فاروق حسنا۔ تاریخ ولادت ۲۸ جنوری ۱۹۲۶ء۔ ایف۔ سی

کالج لاہور میں تعلیم پڑھ رہے ہیں۔ اور بارہویں جماعت میں پڑھتے ہیں۔

۱۔ سید انور حسناات - تاریخ ولادت ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء - آپ پبلک ہائی سکول سیالکوٹ چھاؤنی میں جماعت دہم کے طالب علم ہیں۔

۲۔ سید سہیل حسناات تاریخ ولادت ۱۵ جنوری ۱۹۵۰ء - آپ بھی پبلک ہائی سکول سیالکوٹ چھاؤنی میں تعلیم پاتے ہیں اور جماعت ہشتم کے طالب علم ہیں

۳۔ سید لمعات احمد - حضرت امیر حزب اللہ کے آپ تیسرے فرزند ہیں۔ ۲۱ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۲۲ء بروز سہ شنبہ پیدا ہوئے۔ آپ کو پچھنے سے علم سائنس کی طرف رغبت تھی۔ اسی فطری میلان کی بنا پر آپ نے ایم۔ بی بی ایس تک تعلیم پائی۔ اور پھر فوج میں ملازم ہو گئے اور میجر کے عہدہ پر فائز ہوئے اپنی جہدی نسبت کی بنا پر فوج میں آپ میجر بخاری کہلاتے تھے۔ آج کل آپ ایک انگریزی فرم کے چیف میڈیکل آفیسر ہیں۔ آپ کا نکاح سید کرم شاہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی صاحبزادی سے ہوا۔ آپ کے دو صاحبزادگان ہیں :-

سید پرویز حیدر - آپ کی ولادت ۲۰ فروری ۱۹۴۹ء کو ہوئی۔ آپ مسویں جماعت کے طالب علم ہیں۔

سید توقیر حیدر - آپ کی تاریخ پیدائش ۴ مارچ ۱۹۵۱ء ہے۔ آپ ساتویں جماعت میں پڑھتے ہیں۔

قبلہ حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی کا تیسرا عقد مکان شریف کے معزز اور محترم خاندان سادات میں سید محمد حسین شاہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ سید صاحب عالم جوانی میں رگبرائے عالم بقا ہو گئے تھے۔ صاحبزادی صاحبہ نے گھر پر مختلف علوم میں کافی دسترس حاصل کی تھی۔ اس نکاح سے بھی حضور کو اللہ تعالیٰ نے حرب فیل والا کبر بلند اقبال صاحبزادے عطا فرمائے :-

۱۔ سید شفقات احمد - ولادت ۲۱ جنوری ۱۹۲۶ء کی درمیانی شب کو ہوئی

بی۔ اسے پاس کرنے کے بعد فوج میں آپ کو کمیشن ملا جہاں آپ اب کرنل کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ بڑے خوبصورت، ذہین اور طباع ہیں۔ نہایت نیک سرشت بلند اخلاق اور عالی ہمت ہیں اور فوج کو آپ کی قیادت پر ناز ہے۔ آپ کے مستقبل کے متعلق دلوں میں انتہا درجہ کی خوش آئند توقعات پیدا ہو چکی ہیں پیر جہانی آپ کی شفقات کے مداح اور معترف ہیں۔ آپ کا عقد سید کرم شاہ صاحب ڈیپٹی کمشنر کی دختر بلند اختر سے ہوا۔ آپ کے صاحبزادگان کی تاریخ ہائے پیدائش اور اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

سید شاہد ندیر۔ ۸ نومبر ۱۹۵۲ء۔ آپ حال ہی میں وارڈ مکتب ہوئے ہیں۔
سید بشر حیدر۔ ۶ جنوری ۱۹۵۸ء۔ آپ کی صغر سنی میں بختہ بختہ باتیں حضرت امیر حزب اللہ کو بہت مخلوط کرتی ہیں۔

سید عمران حیدر۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۹ء۔ ابھی آپ عشرتِ آغوشِ شفقت کے رسیا ہیں۔

۲۔ سید جمیل احمد۔ قبلہ حضرت امیر حزب اللہ کے آپ پانچویں فرزند ہیں۔
۱۵ فروری ۱۹۳۲ء کی درمیانی شب کو پیدا ہوئے۔ آپ بھی بڑے ذہین ہیں۔
بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ایل ایل۔ بی میں داخل ہوئے ابھی قانون کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی کہ فوج میں کمیشن مل گیا۔ مگر فوج کی ملازمت پسند نہ آئی اور مستعفی ہو گئے۔ سی۔ ایس۔ پی کا مقابلے کا امتحان دیا۔ اعزاز کے ساتھ کامیاب ہوئے اور محکمہ پولیس کے لئے منتخب ہو گئے۔ مگر اس محکمہ کو بھی آپ نے پسند نہ فرمایا۔ آج کل آپ پاکستان کے محکمہ سیر و سیاحت کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔ قابلیت اور خوش اخلاقی کی وجہ سے آپ معروف ہیں۔ ودہ خیر کو دنیا بھر کے سیاحوں کے لئے کشش اور دلچسپی کا مرکز بننے کے لحاظ سے ایک شاندار حکیم

تیار کی ہے۔ جس پر حکومت پاکستان سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔

۳۔ سید طارق احمد۔ آپ حضور کے سب سے چھوٹے لڑکے ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۶ اپریل ۱۹۴۶ء ہے۔ آپ کالج میں تعلیم پا رہے ہیں۔ جبین مبارک سرشاہت اور فضیلت کے آثار نمایاں ہیں۔

نکاح سوم سے حضور کی تین صاحبزادیاں بھی پیدا ہوئیں۔ بڑی کا عقد سید محمود شاہ صاحب کے اکلوتے فرزند سید امجد حسین صاحب سے ہوا۔ اور حضور کے دو پیارے پیارے نبیرگان سید حامد اور سید عامر ہیں۔ ان سے چھوٹی کا عقد رجوعہ ضلع جھنگ میں سید محمد علی شاہ صاحب سے ہوا۔ جو بہت بڑے زمیندار ہیں اور حضور کے بھانجے ہیں۔

حضور کے خلفائے مجاز

خَلِيفَةُ الْوَلَدِ سَيِّدُ بَرَكَاتِ اَحْمَدِ سَلَّمَ اللهُ تَعَالَى

جیسا کہ پیشتر ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ آپ حضور کے فرزند اکبر ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۱۸ء ہے۔ چونکہ آپ ولی عہد تھے آپ کی پیدائش پر لنگر شریف میں بڑی خوشی منائی گئی۔ اس موقع پر صوفی محمد الدین نے جو قصیدہ تہنیت لکھا تھا وہ باب سوم میں درج ہے آپ نے میٹرک تک تعلیم گھر پر پائی۔ نویں اور دسویں جماعت میں راقم آثم آپ کی تعلیمی خدمات انجام دینے پر مامور رہا۔ بی۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ اس دوران میں عربی اور فارسی کی تعلیم آپ ساتھ ساتھ حاصل کرتے رہے گورنمنٹ بننے کے بعد جلاپور شریف میں آپ کی دینی تعلیم کا انتظام ہوا۔ مولوی

نجم الدین مرحوم پروفیسر و غیبات یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور آپ کے اتالیق
مقرر ہوئے۔ اور آپ نے فقہ، تفسیر، حدیث، منطق، صرف و نحو اور عربی
ادب میں نصاب نظامیہ کی تکمیل کی آپ کا ارادہ الا زہر یونیورسٹی قاہرہ میں داخلہ
لینے کا تھا۔ تمام تیاریاں ہو چکی تھیں۔ مگر ۱۹۳۹ء میں جنگ عالمگیر و دم شروع ہو
گئی۔ اور مصر نازیوں اور اتحادیوں کی باہمی کشمکش اور نبرہ آزمائیوں کا میدان بن
گیا۔ اس لئے آپ کا یہ مبارک ارادہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ اور بے کاری کو
نا پسند کرتے ہوئے آپ حکومت ہند کے محکمہ خوراک میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہو گئے۔
جوہر قابل جہاں بھی ہوتا ہے اپنی آب و تاب دکھاتا ہے۔ محکمہ خوراک میں آپ
نے بے نظیر محنت، مستعدی، فرض شناسی، دیانتداری اور بالغ نظری سے اپنے
فرائض منصبی کو انجام دیا۔ اور بہت جلد آپ ڈائریکٹر بن گئے۔ پاکستان بنا تو اسی
حیثیت سے آپ مرکزی حکومت کے محکمہ خوراک میں شامل ہو گئے اور انڈیا
ملک اور بیرونی دنیا سے حکومت پاکستان رسد اور خوراک کے سلسلہ میں جو
کچھ خرید و فروخت کرتی رہی وہ آپ کے ہاتھوں ہوتا رہا۔ اس سلسلہ میں آپ کو
مختلف ممالک میں آنے جانے کا اتفاق بھی ہوا۔ مرکزی حکومت میں آپ
کی دیانت و امانت، راستبازی اور شرافت ذاتی کا بڑا شہرہ ہو گیا۔ آج کل آپ
کی خدمات محکمہ خارجہ میں منتقل ہو گئی ہیں اور آپ اٹلی کے دار الخلافہ روما میں
حکومت پاکستان کے زراعتی اتاشی ہیں۔ دنیا بھر میں حکومت پاکستان نے زراعتی
اتاشی کی ایک ہی اسامی روما میں تجویز کر رکھی ہے اور اس پر قبلہ صاحبزادہ صاحب
فائز ہیں۔

آپ کو مطالعہ کا بڑا شوق ہے۔ مختلف علوم کی بلند پایہ کتب آپ کے
ذریعہ مطالعہ رہتی ہیں۔ آپ کا کتب خانہ اس لحاظ سے دیدنی ہے۔ دینی اور دنیوی

اعلیٰ تعلیم، بعا کے مطالعہ، سیر و سیاحت۔ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی
 اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ طبقہ میں رہنے سمنے اور شاندار خاندانی روایات نے آپ
 کے دماغ کو گنجینہ معلومات بنا دیا ہے۔ اور آپ کے اخلاق و کردار کو بڑی جلا
 عطائی ہے۔ انگریزی، عربی، فارسی اور اردو پر آپ کو کامل عبور حاصل ہے۔
 انگریزی اور اردو آپ اویسا رنگ میں لکھتے ہیں۔ مبدرفیاض نے ذہانت و
 فطانت کے ساتھ آپ کو سیرت کی خوبیاں بھی ارزانی فرمائی ہیں۔ آپ بڑے
 حلیم الطبع، سلیم الفطرت اور منکسر المزاج ہیں۔ اور انتظامی امور کو خوب
 سمجھتے ہیں۔

ان صفات عالیہ کے علاوہ حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی نے آپ
 کی باطنی تربیت پر بھی بڑی توجہ دی ہے۔ کراچی کا سفر حضور نے زیادہ تر اسی
 غرض کے لئے اختیار فرماتے رہے۔ ۱۹۵۸ء میں حضور نے پہلے لاہور میں آپ کو
 باقاعدہ طور پر بیعت فرمایا۔ اور پھر عرس مبارک کے موقع پر خلافت بھی عنایت فرما
 دی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ پر بے حد مہربان ہیں۔ ایک بار
 راقم سطور نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز آگے آگے
 جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے صاحبزادہ سید برکات احمد صاحب ہیں۔ راقم قبضہ
 صاحبزادہ صاحب کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ حضرت اعلیٰ آگے چلتے ہوئے اس
 بات کا اہتمام کر رہے ہیں کہ آپ کی پشت مبارک صاحبزادہ صاحب کی طرف
 نہ ہو۔ اس لئے وجود مبارک کو کافی ٹیڑھا کر کے چلتے ہیں۔ چونکہ حضور کو تکلیف
 ہو رہی ہے۔ اور حضور کے ادب و احترام کی اطاعتیں بھی متقاضی ہیں۔ قبلہ
 صاحبزادہ صاحب بار بار عرض کرتے ہیں۔ "حضور اس طرح تکلیف نہ فرمائیں۔"
 مگر حضرت اعلیٰ اسی طرح چلتے ہیں اور ہونہم، ہونہم فرما کر خاموش رہنے

کا اشارہ فرماتے ہیں۔ گویا آپ اپنے پاکیزہ فطرت اور بلند سیرت پوتے کے احترام پر مُصر ہیں۔ ظاہر ہے قبیلہ صاحب جزاؤہ صاحب ہر طرح کے ظاہری اور باطنی کمالات سے پوری طرح آراستہ ہیں۔ اسی لئے ارکان حکومت، افراد خاندان اور تمام پیر بھائی آپ سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔

آپ کا نکاح قبیلہ نواب سید محمد مہر شاہ صاحب کی والا نژاد صاحبزادی سے ہوا۔ سید انیس حیدر آپ کے فرزند اکبر ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف آپ خاص توجہ مبذول فرماتے ہیں۔

خلیفہ سوم: سید احمد شاہ صاحب

آپ گوہر متصل پنڈی بہاؤ الدین کے متوطن تھے۔ نہایت معتقد واقع ہوئے تھے۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہر سو مواری اور جمعہ کو حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور ان کا طریق عمل حضرت اعلیٰ کو نہایت پسند تھا۔ کیونکہ آپ کا ارشاد تھا:

خدمتِ مرشد میں رہ چوں بگل ہمراہ تہد • فیضِ صحبت کب تک نہ ملے ٹوٹ ٹوٹ
قبیلہ ثانی صاحب کے حسب ایماہ آپ کو اجازتِ خلافت حضرت امیر حزب اللہ نے عطا فرمائی۔

خلیفہ سوم: پیر امیر شاہ صاحب

آپ کا وطن پیر کھارا تحصیل پنڈواؤن خان ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ پیر کرم شاہ صاحب اپنے زمانہ میں ایک باکمال بزرگ گزرے ہیں۔ جن کی مزار پر انوارِ حج تک مرجعِ خلافت ہے۔ جناب خواجہ غریب نواز جلاپوری پیر کرم شاہ کا ذکر نہایت

تعریفی الفاظ کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ پیر امیر شاہ صاحب حضرت امیر حزب اللہ
 کے عہد طفلی کے رفیق ہیں اور اسی لئے حضور آپ بڑی نظر کرم رکھتے ہیں۔ پیر صاحب
 لنگر شریف کی خدمت بڑے خلوص سے کرتے ہیں۔ حسن عقیدت و اخلاص میں
 بزرگان سلف کا نمونہ ہیں۔ حضرت امیر حزب اللہ نے آپ کو عالم جوانی میں
 اجازتِ خلافت عطا فرمادی تھی۔ آپ کی طبیعت میں ذوق و شوق کی عجیب
 لطافت پائی جاتی ہے۔

خلیفہ چہارم: پیر بلاول شاہ صاحب

آپ بھی پیر کھار کے متوطن اور قریشی النسب تھے۔ رشتہ میں پیر امیر شاہ
 کے مامول تھے۔ نہایت صاف باطن، بے ریا اور زاہد مردوں میں سے تھے۔
 حضرت خواجہ غریب نوائے ان کی خاندانی وجاہت اور ان کے مورث اعلیٰ کے لحاظ
 کی وجہ سے ان کی طرف خاص توجہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ثانی صاحب کے حسب ایما
 آپ کو اجازتِ خلافت حضرت امیر حزب اللہ نے عطا فرمائی۔

خلیفہ پنجم: مولوی سید رسول صاحب

بچپن سے ذوقِ عبادت حاصل تھا۔ عمر بھر کوئی نماز قضا نہ ہوئی۔ اور نہ
 ہی دنیاوی فوائد کو مطالعہ نظر بنایا۔ بیعت سے پہلے بھی عبادات اور ریاضات میں
 مصروف رہا کرتے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ میاں محمد صدیق ولی کابل تھے۔ ہر جمعرات
 ان کے مزار پر گزارتے۔ آخر انہوں نے خواب میں فرمایا۔ میں جو کچھ دے سکتا تھا
 دے چکا۔ اب کسی زندہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کیجئے۔ چنانچہ سیال
 شریف حضرت خواجہ شمس العارفین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ارشاد

فرمایا۔ نہیں۔ آپ نے حضرت خواجہ غریب نواز جلاپوری کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنی ہے۔ حالانکہ وطن بٹو۔ ضلع جھنگ جو سیال شریف کے قریب جنوب کی طرف کوئی پندرہ میل کے فاصلے پر دریائے جہلم کے دائیں کنارے واقع ہے۔ مگر حکم جلاپور شریف حاضری کے لئے ہوا جو بٹو سے شمال کی طرف کوئی سو اسوئل کے فاصلہ پر چشمہ حیواں کی حیثیت سے موجود ہے۔ چاہئے بھی یہی تھا۔ بٹو کیلئے جہاں دریائے جہلم جلاپور شریف کی پابوسی کرتا ہوا آبِ شیریں کا تحفہ لاتا ہے وہاں معرفت و روحانیت کے آبِ زلال کی نوید بھی پہنچاتا ہے۔ چنانچہ خوش نصیبی مولوی صاحب مرحوم کو حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کی خدمتِ بابرکت میں لے آئی۔ شرفِ بیعت حاصل ہوا۔ اور ستارہٴ قسمت یک لخت چمک اٹھا۔

مولوی صاحب کے دل میں محبتِ شیخ نے گھر کر لیا۔ وطن رہتے ہوئے دل ہر وقت جلاپور شریف موجود رہتا تھا۔ نگاہیں طوافِ کوئے دلدار میں مصروف رہتی تھیں۔ خواجہ غریب نواز کی وہ نظرِ کرم ہوئی کہ دنیا والوں سے بالکل بے نیاز ہو گئے۔ اور اللہ کی عبودیت میں باقی ساری زندگی بسر کر دی۔ ان کی وجہ سے اس علاقہ کے اور بھی بہت سے اصحاب جلاپور شریف حاضر ہو کر بیعت سے شرفیاب ہوئے۔ برادرانِ طریقت کو ساتھ لے کر اکثر پیادہ جلاپور شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور ایسی غلامی نصیب ہوئی کہ اس پر آقائی قربان کی جاسکتی ہے۔ مولوی صاحب مرحوم بڑے باوقار، وجیہہ، وسیع النظر، وسیع الخیال عالی ظرف اور متحمل مزاج انسان تھے۔ اپنے سارے علاقہ میں انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چھوٹے بڑے، مرعوب رہتے تھے۔ حضرت اعلیٰ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے طبابت پیشہ اختیار کیا اور بڑے مشہور طبیب بنے۔ فطرت

کریم تھی اس لئے ادنیٰ اعلیٰ ہر ایک کے لئے سرچشمہ خیر و برکت ثابت ہوئے
ان کی وجہ سے ان کا گاڈن ایک دینی مرکز بن گیا۔ اور یہ سب کچھ خواجہ غریب نواز
کا فیض تھا۔ حضور کی نوازشات کا اس امر سے بھی پتہ چلتا ہے کہ لنگر شریف میں
اس زمانہ کی ایک بیاض موجود ہے جس میں ان ایام کے پیر بھائیوں کے پتے
درج ہیں۔ خط نوبت صورت شکستہ ہے جو ان دنوں میں راج تھا اور مولوی
صاحب کا نام اس میں سرفہرست ہے۔

حضرت قبلہ امیر حزب اللہ نے ذرہ نوازی فرماتے ہوئے مولوی صاحب
کو خلافت عطا فرمائی۔ مگر اس کے جلد بعد وہ کئی ماہ مرض سوء القیہ میں مبتلا
کر ۳ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو وفات پا گئے۔ راقم آثم ان کا پوتا
ہے۔ ان کی نیاز مندی کو دربار جلالپور شریف میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی
اور اسی کی برکت ہے کہ ان کی اولاد پر خاص نگہ التفات ہے۔

خلیفہ ششم: سید ملک شاہ صاحب

شکر علیہ ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ نہایت بے نفس، کم گو اور
ذاکر و شاکر بزرگ تھے۔ آج کل ان کے صاحبزادے سجادہ نشین ہیں۔ ان کی
دستار بندی بھی حضرت امیر حزب اللہ نے فرمائی تھی۔

خلیفہ ہفتم: مولوی محمد رسول صاحب

انگہ شاہ بلاول تحصیل خوشاب وطن تھا۔ اعلیٰ حضرت غریب نواز کے
خاص منظور نظر تھے۔ حضرت امیر حزب اللہ نے خلافت عطا فرمائی۔

خلیفہ ششم: حافظ فرستادین

لوہے تحصیل گجرات کے رہنے والے تھے۔ پندرہ بیس سال تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر رہے۔ خدمات اور خلوص کی بنا پر حضرت امیر حزب اللہ نے فرقہ خلافت سے نوازا۔

خلیفہ سہم: الحاج سید احمد شاہ صاحب

آپ حضرت اعلیٰ کے خلیفہ چہارم سید غلام شاہ صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ اگرچہ والد بزرگوار کے سجادہ نشین ہیں مگر اجازت خلافت حضرت امیر حزب اللہ نے عطا فرمائی۔ بڑے صاحب ذوق و شوق بزرگ ہیں۔ حسن اعتقاد اور خلوص کے اعتبار سے اپنے مایہ ناز والد مرحوم کی یاد ہیں۔ آپ کی صحبت میں سرور و کیف حاصل ہوتا ہے۔ آپ کی وجہ سے میرا شریف ضلع راولپنڈی سرچشمہ فیوض و برکات بنا ہوا ہے۔

خلیفہ دہم: سید فضل الحق شاہ صاحب

آپ کمیوہ ضلع گجرات کے رہنے والے ہیں۔ حافظ قرآن ہیں اور بڑے خوش الحان۔ عربی علوم پر انہیں خاصی دسترس حاصل ہے۔ ان کے والد ماجد سید میراں شاہ صاحب فاضل بزرگ تھے اور خانوادہ نقشبندیہ میں صاحب ارشاد تھے۔ اور عبادات و ریاضات میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان کے مزار مبارک سے حیات ابدی کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ سید فضل حق شاہ صاحب کو طبعا سلسلہ چشتیہ سے مناسبت تھی۔ اس لئے اپنے والد ماجد سے اجازت لے کر حضرت امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بیعت کی طبیعت فریاد

تھی اور فطرت صالح۔ اس لئے حضور نے بہت جلد نوازشات خصوصی سے مرفراز فرمانا شروع کر دیا۔ اور جب دیکھا کہ شاہ صاحب آداب فقر سے آگاہ ہیں تو خرقة خلافت بھی عطا فرما دیا۔ شاہ صاحب لنگر شریف کی خدمت بڑے خلوص اور بے انتہا نیاز مندی سے کیا کرتے ہیں۔ چونکہ علوم ظاہری و باطنی سے اچھی طرح باخبر ہیں اور اپنے کریم شیخ کا خاص فیض ہے اس لئے ان کے کام کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا ہے چہرہ مبارک دن بدن پُر نور ہوتا چلا جاتا ہے اور طبیعت میں وہ وقتاً پیدا ہو رہا ہے جو فقر کا خاصہ ہے۔

خَلِيفَةُ يَاسِرٍ قَاضِي غَلامِ سَيدِ صَاحِبِ

قاضی صاحب کا وطن بھال پڑی ضلع راولپنڈی ہے۔ ان کا گھرانہ اپنے علاقے میں علم و فقر کے اعتبار سے ممتاز رہا ہے۔ ان کے تایا جان قاضی احمد الدین صاحب کو جناب امیر حزب اللہ مدظلہ العالی نے خلافت عطا فرمائی۔ ان کی وفات پانے پر ان کے چھوٹے بھائی قاضی عطار الدین صاحب کو یہ شرف عطا ہوا۔ وہ وفات پا گئے تو حضور نے قاضی غلام فرید صاحب کی خدمت کی بنا پر انہیں یہ نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔ قاضی صاحب نے مدرسہ سے امتحان ریگلر فائنل پاس کیا اور کوئی پندرہ سال کی عمر تھی کہ اہل علاقہ کی درخواست پر حضور انہیں ساتھ لائے اور فرمایا کہ ان کی تعلیم و تربیت کے ہم خود ذمہ دار ہیں اس وقت سے حضور کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اور جلد معتمد علیہ بن گئے۔

ان کے جوہر خاص طور پر اس وقت چمکے جب حضور کے دونوں پہلوؤں پر فالج گرا۔ حضور چلنے پھرنے، اعضا مبارک کو حرکت دینے اور نطق سے معذور ہو گئے۔ اس وقت قاضی صاحب نے حضور کی خدمت اس جان نثاری سے

مستعدی اور سوصلے سے کی کہ کوئی دوش کسی بزرگ کی کیا کرے گا۔ حضور کے خورد و نوش علاج معالجہ اور نہلانے دھلانے کے تمام کام قاضی صاحب ایک خداکار کی طرح انجام دیتے تھے۔ حضور کے اشاروں اور حضور کی لکنت سے معمور گفتار مبارک کو سمجھنا انہی کا کام تھا۔ خدمت کی فکر میں انہیں کھانے پینے اور ذاتی آرام کا خیال تک نہ رہا۔ دن رات کمر بستہ رہتے۔ بیومی بچوں کو بھلا دیا۔ اور اپنے بچوں کی شناخت سے بھی عاری ہو گئے۔ یہ سلسلہ چند دنوں کے لئے نہیں بلکہ سالوں تک جاری رہا۔ قاضی صاحب کے بغیر اعزاز و اقرباء یا درویشوں میں سے کسی اور کی خدمت سے حضور کو سکون حاصل نہ ہوتا تھا۔ قبلہ کی پریشانی کا مداوا صرف قاضی صاحب کی حاضری تھی۔ حضور کی نگاہوں میں انہیں وہ مقام ملتا تھا کہ فی الواقعہ فرید العصر بن گئے۔

حضور کی بیماری دراصل فقر کا کمال تھا۔ جلال کا غلبہ ہوتا اور ساری کائنات کا پینے لگ جاتی۔ مگر قاضی صاحب سکون سے پاس موجود رہتے۔ جب حضور جمال کا رنگ اختیار فرمانے لگتے تو قاضی صاحب فوراً عرض کرتے کیا آپ چائے نوش فرمائیں گے۔ اور حضور اظہارِ آمادگی فرماتے۔ جب قاضی صاحب دیکھتے کہ بذراہ سنجی سے حضور کی طبیعت منظور ہوتی ہے تو بالکی بالکی طرافت سے ماحول کو لالہ زار بنا دیتے۔ اور کبھی کبھی سکھوں کی تمثیل نگاری سے حضور کو منساتے جس طرح پنہاب کے مشہور معروون عاشق صادق سید مجتھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا تھا: "رقاصہ ہنصے سے میری کسر نشان نہیں ہوتی۔ رقص کر کے مجھے اپنا محبوب منانے دو" قاضی صاحب بھی گاہے گاہے سکھوں کا روپ دہار کر ان کی حماقتوں کو ڈرامائی انداز میں پیش کرتے اور حضور خوش ہو جاتے۔ مگر منجیب مزاجی شناسی تھی۔ سو فیاضے کرام کی اصطلاح میں فنا فی اشخ کا عجیب و غریب

منظر تھا۔ قاضی صاحب حضور کے مختار گل بن گئے۔ تمام رقوم کے آپ ہی امین ہوتے۔ سارے معاملات آپ ہی طے کرتے۔ اور سفر کے پروگرام آپ ہی بنتے۔ حضور کا مزاج عالمانہ، حضور کے انتظامات شاہانہ، حضور کی خدمت میں حاضر ہونے والے لوگ والا دستگاہ، بلند مرتبت، زمانہ شناس، علم پرور اور عرفان نواز، علاوہ بریں حضور کی گفتگو آیات سے لبریز، احادیث سے معمور، اشعار اور ضرب الامثال سے بھرپور۔ حضور کی محفلوں میں نشست و برخاست کے اطوار اور آداب مجلس انتہا درجہ کے مہذبانہ۔ پھر حضور مسکینوں کے غم خواہ بے کسوں کے فریاد رس اور بیواؤں کے غم گسار اور ہمدرد، اس بصیرت افروز دل نواز اور روح پرور ماحول میں رہتے اہوتے قاضی غلام فرید صاحب کی تعلیم و تربیت اس انداز سے پایہ تکمیل کو پہنچی کہ کسی کو کیا نصیب ہوگی۔ اس لئے اب قاضی صاحب بڑے علم و فضل کے مالک ہیں۔ زمانہ اور اہل زمانہ کو خوب سمجھتے ہیں۔ فقر کی باریکیوں پر انہیں بڑا عبور حاصل ہے اور حضور کے خلفاء میں انہیں بڑا بلند مقام نصیب ہوا ہے۔ سچ ہے۔ خدمت انسان کو مخدوم بنا دیتی ہے۔ مگر خدا کرے خدمت بھی حضرت امیر حزب اللہ ایسے بے مثل و بے نظیر مرد کریم اور بطل جلیل کی نصیب ہو۔ آمین۔

خلیفہ دوازدہم: فقیر حیدری مولوی محمد شفیع صاحب

آپ دارالعلوم مظہر الاسلام۔ بیلی شریف کے مستند ہیں۔ چودہ سال کی عمر میں حضرت امیر حزب اللہ سے شرف بیعت حاصل ہوا۔ میانوال تحصیل پھالیہ میں مولوی ولی اللہ صاحب کے پاس تعلیم پاتے تھے تو ایک بار حضور کی خدمت میں جلالپور شریف حاضر ہوئے۔ حضور نے اپنا خطبہ صدارت عنایت

فرمایا۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا۔ ”اتنے رہ کے انہیاں نہ بننا۔“ حضور کے ان الفاظ نے ظاہری اور باطنی اندھا پن سے بچا لیا۔ مولوی صاحب کو بگھار شریف تحصیل کہوڑے سے خلافتِ مجددی بھی ملی۔ لیکن دل میں تڑپ تھی کہ غوثِ زمان کی زیارت ہو۔ ایک بار حضرت امیر عزم اللہ اور پینڈی میں کرنل شیر جنگ کی کوٹھی واقع پشاور روڈ پر تشریف فرما تھے۔ مولوی صاحب حاضر ہوئے۔ حضور نے خلوت میں ایسے اسرار و رموز منکشف فرمائے کہ انہیں یقین و اثق ہو گیا حضور ہی غوثِ وقت اور قطبِ زمان ہیں۔ اس موقع پر تجدیدِ بیعت بھی ہوئی اور حضور نے ان کی باطنی تربیت کی طرف خاص توجہ شروع کر دی۔ درود مستغاث اور درود کبریتِ اہم کی زکوٰتیں نکالنے کا حکم دیا۔ بعد میں لاہور کے مقام پر خلافت بھی عطا فرمائی نسبتِ خاصہ حاصل ہونے کے بعد مولوی صاحب پر ظاہری و باطنی نعمتوں کا ورود شروع ہو گیا۔ ایک بار حضور از راہِ کرم مولوی صاحب کے گھر جلوہ افروز ہوئے اور از خود ان کے مکان کی تیاری کے لئے دعائے خیر فرمائی چنانچہ اسباب پیدا ہو گئے۔ اور جلد نہایت عالیشان مکان تیار ہو گیا۔ مولوی صاحب نے بارہا آزمایا ہے کہ مصیبتوں نے گھیر لیا ہے یا کسی دشمن نے تنگ کرنا شروع کیا ہے تو حضور کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہو گئے اور تمام پریشانی آنا فانا کافر ہو گئی۔

شفا پاتے ہیں صد ہا جاں بلبِ مراض ہلکے

عجبے ار الشفا ہے آستانہ غوثِ اعظم کا

اسی طرح مولوی صاحب کا تجربہ ہے کہ حضور کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا۔ عریضہ بھیجا اور حیران کن طریقہ سے شوق پورا ہونے کی صورت نکل آئی۔ حضور کے باطنی تعین سے حضرت اعلیٰ خواجہ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی صاحب کو خاص نسبت پیدا ہو چکی ہے۔ اور ان کی باطنی کیفیات بڑی تیزی سے

ترقی پذیر ہیں۔ ساتھ ہی خواجہ عزیز نوانو کے روضہ اقدس کا بیجا احترام میں پیدا ہو چکا ہے۔ سوتے جاگتے، سفر ہو یا حضر، جلاپور شریف موجود ہوں یا وہاں سے دُور۔ کوئی فعل ایسا نہیں کرتے جس میں روضہ شریف سے سو ر ادبی کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو۔ اسی ادب کی بنا پر جب سوس مبارک سے فارغ ہو کر آرہے ہوتے ہیں تو دل میں یقین کامل ہوتا ہے کہ حج بیت سے شرفیاب ہو کر آرہے ہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں حضور کے فیوض و کرامات اس قدر ہیں کہ ان کو کما حقہ بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

نہ حسنش غایتی دارونہ سعدی راسخن پایاں
بیرد تثنہ مستسقی و دریاہ پچناں باقی

خلیفہ سیزدہم : میاں بہاول بخش

خورد سال تھے کہ حضرت اعلیٰ خواجہ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی عیت کا شرف حاصل ہوا۔ اور بڑے خلوص اور محبت سے جلاپور شریف سے نیاز مندانہ تعلق قائم رکھا۔ چونکہ وطن احمد وال ضلع جھنگ نزد سیال شریف ہے۔ اس لئے حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے سوس مبارک پر حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی کے ڈیرہ مبارک کے تمام انتظامات انہی کے ذمہ ہوا کرتے تھے۔ آپ کو ظاہری تعلیم سے حصہ نہ ملا۔ مگر انشراح صدر کی دولت حاصل ہوئی ہے۔ حضور نے خلافت اعطا فرما کر ان کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ ان کی پاک سیرت اور سادہ گو حقیقت سے بھری ہوئی باتوں کا عوام پڑا اثر ہوتا ہے۔ اور خواہیں بھی ان کی قدر کرتے ہیں۔

خلیفہ چہارم : صوفی خضر حیات

ان کی داستان سرتاپا دارتگی اور شیفنگی، عشق و محبت، خلوص و انقیاد اور رسوخ عقیدہ کی داستان ہے۔ ایک غریب کسان کے بیٹے ہیں مگر محبت شیخ نے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ نومبر ۱۹۲۵ء میں اپنے استاد سید ولایت شاہ حیدری کے ساتھ سیال شریف کے مقام پر قبیلہ حضرت امیر حزب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور کا عالم جوانی تھا۔ پر جلال اور پر انوار چہرہ اسفید اجلا لباس ہمدردی طلائی کلاہ پر طرہ دار دستار، سیاہ اور گھنی ریش مبارک، کرتے اور شلواری کے لئے مٹائی فرغل زینت افزا، اس طرح یوسف ثانی بنے، تسبیح مبارک ہاتھ میں لئے حضور مصیبت پر جلوہ افروز تھے۔ اپنے استاد کے ساتھ میاں خضر حیات نے بھی قدمبوسی کی۔ حضور نے نظر کرم سے دیکھا اور نگہ ناز سے دل کی نگری لورٹ لی۔ بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت عمر کوئی تیرہ چودہ برس ہوگی۔ دل کی کیفیت ہی بدل گئی۔ درد گداز اور گردیدگی و شیفنگی کا غلبہ ہو گیا۔ طبیعت بے قرار اور آنکھ اشکبار رہنے لگی۔ ذرا موقع ملتا اور افلاس کے باوجود زاہد راہ کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر کے یا بصورت آخر پیدل چل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اس وقت سے لے کر اب تک کوئی سزس مبارک قضا نہیں ہوا۔ ویسے بھی سال کے دوران میں کم از کم پانچ چھ دفع اور زیادہ سے زیادہ چودہ بار حاضری کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ حضور کا تصرف ان کے دل پر ایسا ہے کہ بہت سے مشائخ و علماء، امام و رؤسا اور حسینان مجازی نے انہیں پھانسننا چاہا۔ مگر کوئی مسخر ذکر سکا۔ ان کے دل میں بس ایک ہی دھن تھی اور ایک ہی خیال و اسنگیر تھا حضور کی قدمبوسی ان کے لئے دین دنیا کی سب سے بڑی سعادت اور دولت تھی اور اب بھی ہے۔

جبکہ تیرا کلام شیرین سنا ۵ پھر نہ آتش کسی کی بجائی بات

غلبہ محبت میں ایک بار ملازمت ترک کرنے کا ارادہ بھی ہوا۔ مگر حضور نے فرمایا
اسلام ربیانیّت کی تعلیم نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا۔ سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ یہی ہے۔

ادھر اللہ سے اصل ادھر مخلوق میں مثل خواص اس بزرگ کبریٰ میں حضرت شداد کا
صوفی خضر حیات کہتے ہیں۔ میری مثال کنول کے پھول کی طرح ہے۔ جس کی جڑیں
تہ پتے، شاخیں سب کے سب پانی کے اندر ہوتے ہیں مگر خود پانی کے اوپر
کھل کر اپنی بہار دکھاتا ہے اور کسی حال میں اپنے اندر پانی داخل نہیں ہونے
دیتا اور یہ سب کچھ حضور کی توجہ کامل کا نتیجہ ہے۔ حضور نے کئی بار فرمایا۔ علاقہ
چھتہ بخشہ ضلع جھنگ کی خاک سے پہلے شادو خاں حضرت تونسوی کے منظور نظر
تھے۔ اب ہمارے خضر حیات کی بھی وہی مثال ہے۔

حکومت انگلشیہ کے زمانے میں غیر زراعت پیشہ لوگ زمین نہیں خرید
سکتے تھے۔ حضور نے خاص کرامت سے صوفی خضر حیات کو پہلے زراعت پیشہ
اقوام میں داخل کرایا۔ پھر اتنی زمین لے دی کہ اب مزارع چڑھا رکھے ہیں۔ محکمہ
تعلیم میں ملازمت بھی ہے۔ حضور نے ان کی شادی لنگر شریف کے ایک معتمد
درویش میاں احمد دین کی دختر سے کرا دی جسے جہیز بھی لنگر شریف سے عطا کیا۔
تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں جو نہایت ہی عقلمند اور نیک ہیں۔ حضور نے
چاندیہ فراز سکونت تجویز فرمائی۔ خلافت بھی عطا کی اور اب زندگی بڑی عزت
سے بسر ہو رہی ہے۔

جب حضور نے تحریک حزب اللہ شروع کی تو صوفی خضر حیات ضلع جھنگ میں
تبلیغ و اشاعت کے کام میں منہمک ہو گئے۔ ہر موقع پر انہوں نے "ایک بنو اور زین بنو"
کا پیغام پہنچایا۔ شب و روز اسی کام میں مصروف رہتے تھے۔ ضلع جھنگ میں تمام

دور سے انہی کی تجویز پر مقرر ہوتے۔ ان کی وجہ سے کوئی بیس ہزار مسلمان حضور کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ ہولے ہولے ان کے رفیقانِ کار بھی پیدا ہو گئے۔ جن میں میاں خدانخش صاحب صابر غوث پوری، منشی احمد دین چھتوی، مولوی طفیل احمد میڈیا سٹرکلیئر، روسا میں سے میاں سلیمان اور غرباء میں سے میاں عبد کھار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گیتوں، نظموں، نعتوں، حضرت امیر حزب اللہ کی مدح سرائیوں، تقریروں اور نیک اور مثبت نمونوں سے حزب اللہ کے مقاصد کی تبلیغ بڑی سرگرمی سے کی۔ ارکان اور رضا کار بھرتی ہوئے۔ جمعے اور مرکز قائم ہوئے۔ رضا کاروں کی پرٹڈ ہوتی رہی اور ہر موقع پر حضرت امیر کے فرامین کی تعمیل دل و جان سے کی گئی۔

حضور کے متعلق صوفی صاحب کا خیال ہے کہ آپ نے ہمیں ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کو اس گئے گذرے زمانے میں دین و دنیا دونوں میں سرخرو ہو کر کامیاب زندگی بسر کرنے کا پورا نمونہ دیا ہے۔ آپ کی عملی زندگی میں غریب سے غریب آدمی سے لے کر بادشاہ تک کے لئے درسِ جیات موجود ہے۔ روحانی، اخلاقی، دنیاوی دینی ظاہری، باطنی، معاشرتی، سیاسی الغرض ہر طرح کی ترقی کا ایک ایک کھایا ہے۔ آپ کا ہر کام خواہ دینی ہو یا دنیاوی ہمارے لئے ایک زبردست سبق ہے۔ آپ واقعی ایک زبردست مصلح اعظم ہیں۔ دنیائے اسلام پر بالخصوص اور تمام جہان پر بالعموم آپ کا احسانِ عظیم ہے

جامع مسجد حسدِ می کی تعمیر

حضور نے ۶ جماد الثانی ۱۳۵۱ھ (۱۹۵۱ء) کو اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔

۶ نومبر ۱۹۵۲ء کو مسجد کے نقشہ وغیرہ کا کام شروع ہو گیا۔ ابتدا ایک پارسی انجینئر سوم جی نے کی۔ مگر نقشہ کی تکمیل خادم حسین انجینئر کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کا طول ۱۰۰ ایک صد فٹ ہے اور عرض پچاس فٹ۔ اس میں ۳۰ فٹ لمبے دس گارڈ لگے ہوئے ہیں جن کو سہارنے کے لئے اندر دس پائے بنائے گئے ہیں۔ چھت کا باقی حصہ سیمنٹ، بھری اور لوہے سے تیار ہوا ہے۔ مشرق کی طرف سات دروازے ہیں۔ اور پہلوؤں میں ایک ایک دروازہ ہے۔ کل آٹھ باریاں ہیں اور سولہ روشن دان۔ بڑی کھلی، ہوا دار اور مضبوط مسجد ہے اور اتنی ہی عظیم و جلیل جتنے عظیم و جلیل اس کے مؤسس حضرت امیر حزب اللہ ہیں۔

اس کے تین محراب ہیں۔ درمیان والا محراب بڑا کھلا ہے جس میں تین کھڑکیاں ہیں۔ اس کی سہ دہی چودہ فٹ مربع ڈیوڑھی ایک خاص چیز ہے۔ سامنے کھلا صحن ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ کا ارادہ ہے کہ مسجد کے ساتھ دارالعلوم حیدرآباد اور مجلس خانہ کی تاسیس و تعمیر بھی عمل میں آئے۔ بعد از تکمیل یہ دنیا کی عظیم مساجد میں شمار ہوگی۔ جس کی مثال صرف لاہور، دہلی، قاہرہ اور دمشق میں مل سکے گی۔ صوفی محمد بخش ولد مستری لعل دین ہرن پوری سنگ بنیاد رکھنے کے وقت سے مسجد میں کام کر رہے ہیں۔ حسابات اور تحریر کا کام، نقشہ کی تیاری، تعمیرات کی نگرانی سب کچھ انہی کے ذمے ہے۔ دروازوں کی رنگین اور خوبصورت جوڑیاں انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی مستری کرم دین ولد محمد وارث ہرن پوری کے ساتھ مل کر تیار کی ہیں۔ مستری کرم دین بھی شروع ہی سے مسجد سے متعلق رہے ہیں۔ سنگ بنیاد رکھنے کے لئے چاندی کی کارنڈی ملک محمد اشرف خان ہرن پوری نے پیش کی تھی اور صوفی خدا بخش ہرن پوری نے اس مبارک موقع پر ہرن پوری تقسیم کی۔ سنگ بنیاد رکھنے کا موقع تاریخی تھا۔ صاحبزادہ سید مقبول احمد

صاحب نے اس موقع پر عکسی تصویر اتاری۔ اس وقت تک مسجد پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ تکمیل مسجد کے لئے مزید ایک لاکھ روپے کا تخمینہ ہے۔ مسجد جہاں واقع ہے اسے بارہ درمی کہا جاتا تھا۔ حضرت خواجہ مغزب نواز کے وقت سے اس کے حصول کے لئے ہندوؤں سے تنازعہ شروع ہوا۔ مقدمہ لگانا پچاس سال تک جاری رہا اور لنکر شریف کا بے انتہا خرچ ہوا۔ آخر ۱۹۳۶ء میں عدالت عالیہ سے لنکر شریف کو قبضہ بلا قبضہ ملنے کے وقت سے اس جگہ مجالس عرس شریف منعقد ہونے لگ گئیں۔ ۱۹۶۳ء کے ماہ فروری میں جب سید کریم شاہ صاحب ذیلئے آخرت کو سدہا سے تو حضرت امیر حزب اللہ مظلومہ العالی نے جلالپور شریف رہتے ہوئے مسجد میں جمعہ پڑھانا شروع کر دیا۔ چھت پڑ چکی تھی اور جوڑیاں لگ گئی تھیں۔ مسجد کے اندر دس صفیں پڑ کرنے کے بعد نمازیوں کو باہر والان میں بھی صفیں بنانا پڑتی تھیں۔ بڑے ہنگامہ پر جمعے تھے گویا حضور نے تعمیر کے بعد مسجد جامع کو صحیح معنوں میں آباد کرنا بھی شروع کر دیا انشاء اللہ وہ دن بھی آئیں گے جب یہاں دارالعلوم حیدریہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی کا جواب ہوگی۔ اساتذہ اور طلباء کا ایک جم غفیر ہر وقت موجود رہے گا۔ دینی علوم کی تدریس جدید ضروریات کے مطابق ہوگی اور جوہری توانائی کے دور میں جلالپور شریف کی یہ درسگاہ دنیا بھر کے لوگوں کے لئے سرچشمہٴ رشد و ہدایت ثابت ہوگی۔ اور حضرت خواجہ مغزب نواز اور حضرت امیر حزب اللہ نے اسی اسلام کا جو خواب دیکھا تھا پورا ہو جائے گا۔

وَمَا ذَا لِكَ عَلَى اللَّهِ يَعْنِي

لنگر شریف کے انتظامات

حضرت اعلیٰ خواجہ محبوب سبحانی قدس سرہ العزیز نے لنگر شریف کے انتظامات کی اساس غریب پروری، کرم گستری اور فیاضی پر رکھی تھی۔ پیر بھائیوں کے علاوہ اور مسافرانہ خصوصاً پونچھ کے لوگ بڑی تعداد میں آگئے۔ دن کو وہ مزدوری کرتے رات کو لنگر شریف کے مہمان ہوتے۔ مہکئی کا انبار پڑا تھا۔ درویشوں نے عرض کی قبلہ ہر ایک کو سیر سیر مہکئی دے دیا کریں۔ بھٹنا لیں گے۔ روٹی کی کیا ضرورت ہے۔ قبلہ عالم نے فرمایا۔ روٹی بھی دو اور مہکئی بھی۔ دن بھر مزدوری کرتے کرتے بھوک لگ جاتی ہے۔ پچھلے پہر مہکئی بھٹنا لیا کریں گے۔ غریب نوازی کی یہ روایات قبلہ ثانی صاحب نے بھی جاری رکھیں۔ لیکن انہوں نے بہت جلد لنگر شریف کے تمام امور کا انصرام اپنے فرزند ارجمند سیدی و مولائی جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت اعلیٰ کے فیوض و برکات سے دربار عالیہ کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ حضرت ابوالبرکات مدظلہ العالی نے بڑے شاہانہ عزائم کے ساتھ لنگر شریف کے جملہ امور کو انجام دینا شروع کیا۔ وہی کشادہ دلی، وہی غریب پروری اور وہی بندہ نوازی جو آپ کو ورثہ میں ملی تھی بڑے پُر لطف طریقہ سے ظاہر ہونے لگی۔ جتنے کہ حضور نے خانہ بدوش لوگوں کو بھی رسد دیا۔ حضور نے یہ اصولی کار اختیار فرمایا کہ اگر ہمارے مہمانوں کو لنگر شریف سے وہی خوراک ملے جو انہیں گھروں میں ملتی ہے تو خوبی کیا ہوئی۔ کھانے کا ایسا معیار ہو کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھے۔ جہاں معیار یہ ہو اور مہمان بے شمار آیا کرتے ہوں وہاں عام لنگر مستقل طور پر جاری رکھنا صرف اس والا شان بزرگ کا کام ہے۔ جسے خزانہ غیب پر کلی بھروسہ ہو۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سفر میں کیا اور حضر

میں کیا۔ حضور نے ہر جگہ یہی معیار قائم رکھا۔ جنگل میں ڈیرہ لگا اور شاہانہ لنگروہاں بھی قائم ہو گیا۔ آپ نے ہمیشہ اس بات کا اہتمام کیا کہ آپ کی عدم موجودگی میں بھی جلاپور شریف میں لنگر اپنی پوری شان سے قائم رہے۔ اور کسی مہمان کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ جب تک کہ آپ کو یہ اطلاع نہ مل جائے کہ ہر ایک کی رہائش اور خوراک کا تسلی بخش انتظام کر دیا گیا ہے۔ آپ نے کبھی آرام نہیں فرمایا۔ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ کھانے کے مقررہ اوقات میں اگر ذرا سا فرق بھی آیا ہے تو آپ بے تاب ہو گئے ہیں۔

جمہدار محمد خان سکند چک جانی نے بتایا کہ جن انتظامی صلاحیتوں کا اظہار حضرت امیر حزب اللہ نے فرمایا۔ ان کی مثال تلاش کرنا ناممکن ہے۔ حضور اپنی فراست سے ہمیشہ موزوں شخص کا انتخاب کر کے کام اس کے سپرد فرمایا کرتے ہیں۔ آپ کی ہدایات نہایت ہی جامع ہوا کرتی ہیں۔ اور پھر کوئی بات آپ کی نگاہ سے اوجھل نہیں رہتی۔ معمولی سے معمولی جزئیات کے متعلق بھی آپ ہدایات دیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ آپ کی توجہ ہر کام کی طرف لگتا رہتی ہے۔ لیکن جس شخص کے ذمے آپ تفویض کار فرمایا کرتے ہیں۔ اس پر پوری طرح اعتماد بھی کرتے ہیں۔ اس کے مشورے قبول کرتے ہیں۔ اور اس کی ہر طرح مدد فرماتے ہیں۔ آپ گاہے گاہے اطمینان خاطر اور بہت افزائی کے لئے تشریف لے جا کر ذاتی طور پر نگرانی بھی فرمایا کرتے ہیں۔ نگرانی فرماتے ہوئے آپ اس معاملہ نہیں اور خود اعتمادی کا اظہار فرمایا کرتے ہیں کہ کام کرنے والوں کو اور بھی زیادہ احتیاط ہو ستمندی اور محنت سے مصروف کار ہونا پڑتا ہے۔ جب آپ نسبتاً زیادہ اہم مشاغل میں مصروف ہو کرتے ہیں تو ذمہ دار اشخاص کے خلوص نیت اور ان کی مستعدی اور کار کردگی پر کامل اعتماد فرمایا کرتے ہیں۔ اس طرح ہر کام بڑے نظم و ضبط، سکون

اور بے حد خوش اسلوبی سے انجام پاتے ہیں۔

راجہ صاحب موصوف نے ذکر کیا کہ عرس مبارک کی تقریبات اور دورہ
 حزب اللہ کے سلسلہ میں کوئی تیس تیس سال ان کے ذمے اہم سے اہم کام لگائے
 گئے اور خدا کے فضل سے ہمیشہ عمرگی سے انجام پذیر ہوتے رہے۔ عرس مبارک
 کے موقع پر گوشت تیار کرانا اور دگیوں میں پکوانا انہی کے سپرد ہوا کرتا تھا پہلے
 روز ہمیشہ پینتیس من گوشت پکا کرتا تھا۔ دونوں دنوں میں کوئی ڈیڑھ سو بوری اٹا
 خرچ ہوتا تھا۔ عام روٹی اٹھویں پہر کھلا کرتی تھی۔ ابتداء میں تو پرچیوں پر گوشت
 روٹی کی تقسیم ہوا کرتی تھی۔ لیکن بعد میں جب پتہ چلا کہ بعض لوگ اصل سے زیادہ
 آدمیوں کی پرچی حاصل کر لیا کرتے ہیں تو نیچے لنگر خانے کے دالان میں بٹھا کر روٹی
 کھلانے کا طریقہ رائج ہوا۔ کافی عرصہ نواب محمد مہر شاہ صاحب عام لنگر تقسیم فرمایا
 کرتے تھے۔ اور بعد میں صاحبزادہ حسنا احمد صاحب جوان ہوئے تو انہوں
 نے یہ کام سنبھال لیا۔ لنگر کی تقسیم بعض اوقات صاحبزادہ شفقات احمد
 صاحب نے بھی فرمائی۔ راجہ صاحب نے بتایا کہ عمائد و رؤسا، اعظم
 رجال اور بڑے بڑے مشائخ مثلاً خواجہ حسن نظامی دہلوی، سرکندر حیات
 خان مرحوم وزیر اعظم، سرچھوٹو رام آنجنہانی وزیر مالیات، غلام رسول مہراڈیٹر
 انقلاب، سید حبیب مدیر سیاست، ابوالاثر حفیظ جالندھری، قائد کشمیر
 چوہدری غلام عباس وغیرہ وغیرہ عرس مبارک پر حاضر ہوتے یا لنگر شریف کی
 دیگر تقریبات میں شمولیت کا شرف حاصل کرتے توجملہ انتظامات کو دیکھ کر حیرت زدہ
 رہ جاتے۔ راجہ صاحب مذکور نے بتایا کہ سرکندر حیات خان ان کے حسن انتظام
 کو دیکھ کر ان کے ذاتی دوست بن گئے تھے۔ اور یہ دراصل حضرت امیر حزب اللہ کا مال
 تھا کہ ذرہ ناچیز کو ہمدوش شریا بنا ڈالا۔

جلا پور شریف سے باہر رہتے ہوئے بھی حضور لنگر شریف کے تمام حالات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ اور چھوٹا بڑا کوئی کام ایسا نہیں ہوتا تھا جو حضور کی ہدایات کے مطابق انجام پذیر نہ ہوتا ہو۔ غلہ کی خرید و فروخت، فصلات کی کاشت و برداشت، مزارعان کی تبدیلی و تقرری، لنگر شریف کے حسابات لنگر شریف میں رات کو حفاظت کے انتظامات، عوام الناس سے تعلقات، افسران علاقہ سے روابط اور باقی تمام چھوٹے موٹے کام حضور کے ایہا سے طے پاتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ منشی محمد عالم محرر خصوصی ہر روز لنگر شریف کی زمینوں کے نگران مثلاً چوہدری اللہ بخش اور دیگر منتظمین سے تمام حالات معلوم کر لیتے تھے۔ اور پھر مفصل طور پر تحریر کر کے حضور کو ڈاک کے ذریعے بھیج دیا کرتے تھے۔ اور حضور بھی رات کو اس وقت استراحت فرماتے جب منشی صاحب کا مراسلہ بغور پڑھ کر اپنے قلم سے روزانہ مفصل جواب تحریر فرمادیتے۔ گویا باہر رہتے ہوئے بھی حضور عملاً جلا پور شریف موجود رہتے تھے۔

یہ خط و کتابت بڑی معنی خیز اور بصیرت افروز ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے حضور کی فراست کی داد دینا پڑتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ آپ فطرت انسانی کو کس عمدگی سے سمجھتے ہیں۔ ایک مکتوب میں آپ رقمطراز ہیں:-

لوگوں کی فطرت ہے۔۔۔۔۔ کہ انہیں کوئی بات بار بار سمجھائی

جائے یا ان کی تالیف قلب کے زیر نظر ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے

تو یہ زیادہ نخرے کرنے لگ جاتے ہیں۔

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:-

اس معاملہ کو اب نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے۔ ورنہ اس کی اہمیت

بڑھ جانے کا احتمال ہے۔

ان دونوں اقتباسات سے گہرے نفسیاتی مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح آپ بار بار ہدایات دیتے ہیں کہ اپنے ہمدردوں اور معاونین کار کی ہر ممکن مدد کی جائے کیونکہ اس سے اعتماد بڑھتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ مقیم رضا کاروں سے حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ اور انہیں اچھی خوراک دینی چاہیے۔ شر و فساد، فتنہ انگیزی مفت کے جھگڑوں اور عام لوگوں کے معاملات میں زیادہ دخیل کار ہونے سے احتراز کی تلقین بھی آپ بار بار فرماتے ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ لنگر شریف کا نیک نامہ ہر صورت قائم رکھا جائے۔ حکومت کے ملازمین سے برتاؤ کے سلسلہ میں آپ ہدایت فرماتے ہیں:-

ہر ملازم سے بگاڑ پیدا کر لینا کوئی مناسب بات نہیں۔ اور اس طریق سے عام ملازمین میں بے ولی اور نفرت پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔

آپ نے اپنے مراسلات میں اس بات پر بھی زور دیا کہ کسی معاملہ پیش دستی یا اقدام نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہ کہ ہر اقدام سے پہلے اس کے سارے پہلوؤں پر غور و فکر کر لیا جائے۔ یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہمیشہ لنگر شریف کے انتظامات بڑی کامیابی سے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

ان تمام امور سے پتہ چلتا ہے کہ آپ معاملات کے سلسلہ میں حسن سلوک کے قائل ہیں جسے کہ مشکوک لوگوں کے متعلق بھی آپ اسی طریق کار کو پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ آپ ان سے غافل نہیں رہنا چاہتے اور فرماتے ہیں کہ نہایت رازدارانہ طور پر ان کی نگرانی کی جائے۔ اور ان کی چال ڈھال اور خلط ملط پر نگاہ رہے انتظامات کے سلسلہ میں آپ سہل انگاری، غفلت اور کم کوشی کو برداشت نہیں کرتے بلکہ جب تک کہ ایک کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ جاتا۔ آپ مطمئن نہیں ہوتے

یعنی آپ تکمیل پسند منتظم ہیں۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ سخت نگران کار ہونے کے باوجود آپ ولداری کے پہلو کو کبھی بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتے۔ مثلاً ایک مراسلہ میں مکھڑ کایج کوہ مری ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو منشی محمد عالم صاحب کی ایک فروگزاشت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

ہم آپ کے حسن خدمات اور لنگر شریف کی دلی ہمدردی کے مدراج و معترف ہیں اور اگر نا تجربہ کاری یا غلط فہمی کے باعث ایک مخلص کارکن سے کوئی لغزش ہو بھی جائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ہوا کرتی۔

مندرجہ بالا تمام حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ایک اعلیٰ درجے کے منتظم اور منصرم ہیں آپ کو کمال درجہ کی دنیاوی سوجھ بوجھ حاصل ہے۔ اور عملی نفسیاتی میں آپ کی مہارت شک و ریب سے بالاتر ہے۔ اس معاملہ فہمی کے ساتھ ساتھ حضور کا فقر بھی ہر جگہ غالب نظر آتا ہے۔ مثلاً ۱۹۵۰ء میں بیسے میں آتش زدگی کا حادثہ رونما ہوا۔ اور لنگر شریف کا بے اندازہ نقصان ہوا۔ حضور کو جب اس کی اطلاع بھیجی گئی تو آپ نے رضا بقضا کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:

مرضی مولا از ہمہ اولی

حضور کی موجودہ حالت

کشنگان خنجر تسلیم کاشیوہ ہر وقت تسلیم و رضا ہوتا ہے۔ ان کا ہر عمل فرمان الہی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسوۂ حسنہ امت مسلمہ کے لئے چھوڑا ہے اس کا اتباع ان کا شعار ہوتا ہے۔ کتاب

سنت کی متابعت کے باعث ان کی مبارک زندگی ایک ایسے سانچے میں ڈھل جاتی ہے کہ جہاں ان کی صحت کے زمانہ کے تمام کام عامۃ الناس کے لئے قابل تقلید ہوتے ہیں ان کی بیماری کے دنوں کا ہر فعل بھی اس قابل ہوتا ہے۔ کہ اسے اپنے لئے نمونہ بنایا جائے۔ ہم نے صفحاتِ بالا میں دیکھا ہے کہ جب بیماری کی شدت تھی حضور کس طرح شرعی احکامات کی بجا آوری فرمایا کرتے تھے۔ اور اب جب کہ بیماری ختم ہو چکی ہے۔ مگر صحت کا وہ عالم نہیں جو جوانی کے زمانہ میں تھا۔ کہولت کا غلبہ ہے۔ بینائی برائے نام موجود ہے۔ وجود مبارک سخت کمزور ہو چکا ہے، اٹھنا بیٹھنا سخت مشکل ہے، بالخصوص دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کو حرکت دینا بیماری آزمائش میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔ آپ بدستور احکام شریعت کے اتباع کا بے حد اہتمام فرماتے ہیں۔ نمازیں اول وقت پر ادا فرماتے ہیں۔ اوقات نماز کے لئے بار بار بے تالی سے گھڑی کا وقت پوچھا کرتے ہیں۔ نماز باجماعت کا شوق حسب سابق ہے نوافل تہجد باقاعدگی سے پڑھے جا رہے ہیں۔ نماز جمعہ کے لئے اس اہتمام سے تشریف لے جاتے ہیں جس طرح آپ ایام جوانی میں کیا کرتے تھے۔ خود تقریر نہیں فرما سکتے مگر جمعہ کے مواعظ حسنہ اور خطبہ کے لئے مولوی صاحبان کو بلا لیا کرتے ہیں۔ مثلاً فروری اور مارچ ۱۹۶۳ء میں آپ نے کئی جمعے جلاپور شریف پڑھے تو اپنے مخلص نیاز مند مولانا غلام مصطفیٰ اچشتی ایلوہی یاسید فضل شاہ صاحب کھیوہ والے کو بلا لیا کرتے تھے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ باقی شرکائے جمعہ کے ساتھ حلقہ بنا کر درود و سلام کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے ہیں اور باواز بلند جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفہ سلام و نیاز پیش کرتے ہیں۔ شام کو آپ ختم خواجگان میں بھی شرکت فرمایا کرتے ہیں۔ عہد طفلی میں آپ نے محمد مصطفیٰ روحی فدوا

کی شرع مبارک کو زندہ کرنے کا جو ارادہ کیا تھا۔ اس وقت بھی آپ مستقل مزاجی سے اس ارادہ پر قائم ہیں۔ اتباع شریعت کا ظاہری نمونہ پیش کرنے کے علاوہ آپ اپنی توجہات باطنی سے دلوں میں شرع مصطفوی کی متابعت کی لگن بھی پیدا کر رہے ہیں اور یہی اولیائے کرام کا امتیازی وصف ہوتا ہے۔

حضور کے بعض معمولات ہیں جن پر آپ سختی سے پابند ہیں۔ سفر ہو یا حضر، گرمی ہو یا سردی، آپ لاہور میں ہوں، راولپنڈی جلاپور شریف یا کہیں اور، سیر کے لئے صبح و شام ضرور وقت نکالا کرتے ہیں۔ اور مقررہ وقت پر بالکی یا میٹر کار پر ضرور باہر تشریف لے جایا کرتے ہیں۔ لاہور رہتے ہوئے چھاؤنی کی کسی کھلی سڑک پر اور راولپنڈی میں ایوب پارک کے اندر ایک طرف جا کر شام کی سیر کے دوران حضور چلا بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ دائیں پاؤں کو حرکت دینا مشکل ہوتا ہے۔ مگر قاضی غلام فرید صاحب کی مدد سے آپ ضرور بعد اہتمام اپنے معمول کو پورا کیا کرتے ہیں۔ لاہور میں تو اپنی کوچھی کے سامنے صبح کے وقت بھی آپ خاصی دور تک ضرور چہل قدمی فرمایا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کم مرض فالج سے شفا یاب ہونے میں زیادہ دخل آپ کے عزم و ہمت اور آپ کے معمول کی پابندی کا ہے۔ مرض کے سخت حملہ کے باوجود ان صفات مبارکہ کا بدولت بفضلہ تعالیٰ حضور کا وجود مبارک مرض پر بتدریج غلبہ پاتا چلا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کہوت میں بھی حضور کی رگوں میں جو انی کا خون موجزن ہے۔

آپ نے زندگی بھر سیاسیات میں حصہ لینے سے گریز فرمایا ہے۔ یہ آپ کا منصب نہیں۔ لیکن چونکہ آپ کا مقصد حیات احوالے دین و ملت ہے۔ اس لئے آپ نے سیاست کے اس پہلو کو ہمیشہ مد نظر رکھا ہے جو اس مقصد بلند کے حصول میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ تحریک پاکستان میں آپ

کی عملاً شمولیت محض اسی غرض کے لئے تھی۔ آج بھی آپ تمام عوارضات لاحقہ کے باوجود بیرونی اور ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لئے محض اس خیال سے کوشش فرمایا کرتے ہیں کہ نئے حالات میں آپ کا مقصد زندگی کس حد تک نثر مند تکمیل ہو رہا ہے۔ پاکستان کے قیام و بقا سے آپ کو والہانہ شیفگی ہے۔ اس لئے متعدد بار آپ نے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کی ان مساعی جمیلہ کو سراہا ہے جو انہوں نے ملک کی بہبودی کے لئے انجام دی ہیں۔ حضور ہر وقت کوشش برآواز رہتے ہیں کہ بھارت میں ناقوس کی آواز نعرہ تکبیر کے مقابلہ میں کب دہتی ہے اور ہندوؤں کے تسلط سے وادی کشمیر کے آزاد ہونے کی خبر کئی پہنچتی ہے۔ معلوم نہیں قطب زماں کی حیثیت سے لاہور رہ کر اس مقصد کے حصول کے لئے باطنی طور پر آپ کیا کچھ کر رہے ہوں۔ اس حقیقت سے صرف ^{الغیب} جاں ہی پوری طرح آشنا ہیں۔

قرآن پاک سے حضور کی محبت مثالی ہے۔ جب تک حافظ صلابت مرحا ساکن حضور پور زندہ رہے۔ آپ ہر سال انہیں ماہ رمضان میں جلاپور شریف بلا لیا کرتے تھے۔ اور خاص ذوق و شوق کے ساتھ نماز تراویح میں قرآن مجید سنا کرتے۔ ۱۹۴۴ء میں آپ گلگ کشمیر شریف فرماتے۔ ماہ رمضان آگیا اور کوئی حافظ صاحب دستیاب نہ ہو سکے۔ آپ سخت بے چین ہوئے۔ اتفاقاً حسد سے چکوال کے حافظ محمد مخدوم صاحب وہاں پہنچ گئے۔ حضور نے انہیں ارشاد فرمایا چونکہ حافظ صاحب نے خود اپنی مسجد میں قرآن پاک سنا تھا وہ عشرہ آفر میں آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ چنانچہ حسب وعدہ حافظ صاحب موصوف ماہ رمضان کی پھیسویں تاریخ کو گلگ پہنچے اور انہوں نے ساڑھے سات پارے کی اوسط سے نماز تراویح میں قرآن مجید ختم کیا۔ حافظ صاحب کی آواز میں بڑا

جلال اور سیل رواں کی جولانی ہے۔ حضور بے حد مسرور ہوئے اور پچاس روپے نذر کئے۔ خدا کے فضل سے اس سال بھی ماہ رمضان میں حضور کا ختم قرآن قضا نہ ہوا۔ اس کتاب مقدس و مطہر سے والہانہ محبت کا یہ نتیجہ ہے کہ جب آپ نماز باجماعت یا مجلس عظیم میں قرأت فرماتے تھے تو سادگی کے باوجود آواز کی پُر آہنگ ساحری ہر ایک کو مدہوش کر دیتی تھی۔ آج بھی جب کہ آپ کی زبان مبارک میں لکنت ہے۔ آپ نماز میں قرأت اس روانی سے فرماتے ہیں کہ سننے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ تسکین ذوق کے لئے آپ باقاعدگی سے ہر صبح ریڈیو پر تلاوت قرآن سنا کرتے ہیں۔ اور اس بار یعنی ۱۹۶۳ء کے عرس مبارک پر آپ نے محبت قرآن کا ایک اور عجیب طریقہ سے اظہار فرمایا ہے جمادی الثانی کی درمیانی رات کو روضہ شریف پر لاؤڈ سپیکر نصب کر دیئے گئے اور رات کے دوران میں حافظ صاحبان نے غلام گروش کے جنوب مغربی گوشے میں کھڑے ہو کر بڑی سحر آفریں لے میں قرآن پاک ختم کیا۔ رات کی خاموشی حضور خواجہ غریب نوازؒ کے روحانی تصرف سے معمور فضا، پیر جانیوں کا ذوق و شوق اور وجدان، تمام رات ایک بلند مقام سے آیات قرآنی کی گونج اس طرح آتی رہی گویا بارش الہام ہو رہی ہے۔

الغرض حضرت امیر حزب اللہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا ایسا کامل و اکمل زندہ نمونہ ہیں جس کا قائم رکھنا فقر و تصون کا ہمیشہ فتہائے مقصود رہا۔ اور ایک عالم حضور سے مستفیض ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تادیر اس شان کے ساتھ آپ کو قائم رکھیں۔ آمین ثم آمین

اس سال بھی یعنی ۱۹۶۵ء کو عرس کے موقع پر حسب معمول عشاء کی نماز کے بعد سے ختم کلام پاک شروع ہوا اور گمراہ کو ختم ہوا۔ تقریباً بیس حفاظ نے اس میں حصہ لیا۔

سیرت و شخصیت

نگاہ بلند، سخن دل نواز، جان پر سوز؛
 یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کیلئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ہفتم

سیرت و شخصیت

سیرت نگاری میں موجودہ نظریوں کے مطابق سیرت و شخصیت کا باب اہم ترین شمار ہوتا ہے۔ اس میں سوانح نگار اس بنیادی جذبہ پر بحث کرتا ہے جس کے ارد گرد صاحب سیرت کی مکمل شخصیت گھومتی ہے۔ یہ بحث نفسیاتی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں شخصیت کے ارتقار، اس کی تکمیل یافتہ صورت اور پھر اس کے آئینے میں تمام اعمال و افکار کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس تصریح سے ظاہر ہے کہ علمی نقطہ نگاہ سے یہ تمام تحقیق جستجو اور کرد و کاوش نہایت معنی خیز اور دلچسپ ہوتی ہے۔ اس سے فطرت کے بعض ایسے اسرار سررہستہ نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں کہ جن کی وجہ سے بصیرت میں ہمیشہ بہار اضافہ ہو جاتا ہے۔ شعراء، ملوک اور دیگر تمام اعلاظم رجال کے سلسلہ میں یہ بحث چنداں مشکل

نہیں ہوتی۔ دیدہ ریزی اور غور و فکر سے کام لے کر شخصیت کا خود اور مرکز تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر اس کو جو وسعت حاصل ہوتی ہے اسے بھی نگاہِ تخیل اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ لیکن انبیاء اور اولیاء کے سلسلہ میں کما حقہ کامیابی ناممکن ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ان کی تمام تر حیات خداوند تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کے ارگرد گھومتی رہتی ہے۔ ان کے قلب کا سوز، ان کی گفتگو کا ساز، ان کے اعمال کا وارفتہ پن سب کچھ محبت الہی کا اعلان کر رہا ہوتا ہے لیکن محبت کی پوری پوری نوعیت سے آگاہ ہونا کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ محبوب ازل اور چاہنے والوں کا راز ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ سر بستہ رہا ہے۔ اور اسی طرح رہے گا۔ کال راکہ خبر شد خبرش باز نیامد
حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس راز کے متعلق حدیث قدسی میں فرماتے ہیں :-

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل
آنحضرت کا ارشاد ہے کہ ہمیں اللہ کی ذات کے ساتھ ایسے اوقات گزارنے کا ثمر حاصل ہوتا ہے کہ ان میں مقرب سے مقرب فرشتے اور بڑے سے بڑے مرسل نبی کی بھی گنجائش نہیں۔ اس لئے حضور صلعم کے کون سے سیرت نگار کی یہ حیثیت ہے کہ ان اوقات پر بحث کر سکے جو حضور کی شخصیت کا منتہائے کمال اور اس کی تمام توانائی کا واحد موجب ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ سرور انبیاء علیہ السلام کی بدیع المثال شخصیت کے اس بنیادی پہلو کی طرف کوئی صاحب نگاہ صرف استغارہ اور کنایہ سے کام لے کر کوئی نہایت ہی مجمل اشارہ کرے چنانچہ تذکرۃ الاولیاء کے بیان کے مطابق شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا :-

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دریائے بڑے نہایت کہ اگر قطرہ ازان دیرا

بیروں آمد سے ہمہ عالم و عالمیاں غرق شدندے۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کے مقابلے میں ساری کائنات اپنی بے پناہ وسعتوں کے

باوجود سمٹ کر ایک حقیر نقطے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جن کے متعلق

حضرت جبریل علیہ السلام ایسے اولوالعزم فرشتے نے بھی کہا تھا کہ

اگر ایک نمونے برتر پر م فروغ تجلی بسوزد پر م
اولیاء کرام بھی شکوۃ نبوت سے مستفیض ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت

کا یہ بنیادی پہلو بھی اسی لئے ہمیشہ نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ جہدم

سید رسول رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار وہ آیت من آیات اللہ

فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ محبوب سبحانی سید حیدر علی شاہ صاحب ^{قلوب العزیز}

کی زیارت سے مشرف ہو کر پیدل گھر کو واپس جا رہے تھے کہ ایک مقام پر ایک

سالک سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ انہیں جب جہدم صاحب مرحوم کے

سفر کا مقصد معلوم ہوا تو کہنے لگے :-

حضرت حیدر شاہ سمندر پی کر بیٹھے ہیں اور کھمال یہ ہے

کہ ایک قطرہ بھی باہر نہیں گرنے دیتے

اس فقرے پر غور فرمائیں۔ قطرہ باہر نہ گرنے دینے کا ایک معنی یہ ہے۔

کہ حضرت اعلیٰ نے وسعت قلب کی بنا پر انوار توحید اپنی ذات میں

اس طرح جذب کر لئے تھے کہ شمع بھر چھلکنے نہ پایا۔ اور دوسرا مطلب

یہ ہے کہ آپ کا سینہ اگرچہ گنجینہ اسرار بن چکا تھا مگر اہل عالم کی نگاہوں

تک سائی حاصل نہ کر سکی۔ ان دونوں معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ

کی جو حقیقت تھی وہ باقی لوگوں کے خواب و خیال سے بھی ماوردی ہے

اللہ اور اللہ والوں کے باہمی معاملات کچھ اسی قسم کے ہوا کرتے ہیں۔

حضرت امیر حزب اللہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حالات طیبہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب آپ نشۃ توحید سے پوری طرح سرشار ہو چکے تھے۔ تو حضرت اعلیٰ نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ اسی طرح وہ خدائی آواز بھی جس نے آپ کو تحریک حزب اللہ شروع کرنے سے پہلے کہا ہے

اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اسی سرشاری کا پتہ دیتی ہے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کے ایسے قرب اور مشاہدہ کا اظہار ہوتا ہے جو صرف انبیاء اور اولیاء کو نصیب ہوا کرتا ہے کوہ طور پر جلوہ الہی، غار حرا میں ما فوق الفطری مشاہدہ اور شب معراج کو عین ذات کا دیدار اگرچہ براتب بلند تر چیزیں ہیں۔ مگر ان تمام کی نوعیت ایک ہی ہے۔ اس لئے جہاں تک حضرت امیر حزب اللہ کی شخصیت مبارکہ کے اس پہلو کا تعلق ہے جس نے آپ کے باطن میں اسرار توحید کے وفور کے باعث ایک غیر معمولی ہنگامہ بپا کئے رکھا اس کی حقیقت سے یہ نتیجہ قطعاً نابلد ہے۔ اور اس کے متعلق اتنا بھی شعور حاصل نہیں کہ معمولی سا اشارہ بھی کیا جاسکے۔ البتہ اس بات کا پورا پورا یقین ضرور حاصل ہے کہ یہ سارا ہنگامہ باوہ توحید سے شری کی وجہ سے تھا۔ اس کی ماہیت سے باخبری کا دعویٰ اگرچہ ناممکن ہے مگر اس کی نوعیت کا یقین کامل ضرور ہے۔ اس لئے سیر و شخصیت کے عنوان کے تحت ہم حضور کے متعلق صرف ان باتوں کا ذکر کرتے ہیں جنہیں ہم تمام آنکھوں دیکھا ہے، لیکن اسکا مطلب نہیں کہ حضور کی شخصیت عالیہ کا یہ پہلو کلی طور پر نگاہوں سے اوجھل رہ گیا۔ برقی قمقمے جس محل کے اندر ونی حصے کو نورِ اعلیٰ پورے

سے ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ غار حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ناموس لائے تھے۔ یہاں صرف روحانی تجربہ کی حیثیت سے اس کا ما فوق الفطری ہونا ہمارے مد نظر ہے

بنا چکے ہوں۔ اس کی دیواروں میں سے انوار چھن چھن کر ضرور باہر نکلتے رہتے ہیں اور باہر کی فضا میں دھیمی دھیمی روشنی پھیلتی ہوئی یقیناً محسوس ہوتی ہے۔ علاوہ بریں اگر کبھی محل کا کوئی کوارٹا اتفاقاً کھل جائے تو انوار کا ایک طوفان ہوتا ہے۔ جو یک لخت باہر کا رخ کرتا ہے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ صوفی طفیل احمد فائق بیان کرتے ہیں۔ حضرت امیر حزب اللہ تحریک کی ابتدا ^{میں واقعہ} دورہ کے سلسلہ میں دھولکہ ضلع جھنگ تشریف لے گئے صوفی صاحب کہتے ہیں کہ ان کے لئے حضور کی زیارت کا پہلا موقع تھا۔ آپ حجرے میں تشریف فرما تھے۔ باہر جلسہ گاہ میں لوگ آپ کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔ دفعۃً دیوار کی اوٹ سے آپ باہر تشریف لائے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ جب ان کی پہلی نظر حضور پر پڑی تو دیکھا جسم اطہر سے نور کا ایک پوری جولانی کے ساتھ آسمان کی طرف بلند ہوا اور آفتاب عالمتاب سے آگے گزر گیا۔ اور انہوں نے پوری تسلی سے دیکھا کہ سورج اس نور کے سامنے ماند پڑ گیا۔ صوفی صاحب کہتے ہیں۔ واللہ علی ذالک شہید ہے

وصلی اللہ علی نور کز و شد نور ہا پیدا

زمین از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

صوفی خضر حیات ان کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس روز قیام، نشست اور جلسہ گاہ کا انتظام مدرسہ میں کیا گیا تھا۔ اور اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ جب آپ قیام گاہ سے باہر تشریف لائیں اور جلسہ کا رخ فرمائیں تو مدرسہ کا شمار اس ہندو ہیڈ ماسٹر آتش بازی کے ایک گولے کو آگ لگا دے۔ تاکہ ہر ایک حضور کی آمد سے مطلع ہو کر ادھر متوجہ ہو جائے اور آنکھیں فرش راہ کر دے۔ لیکن جب حضور قیام گاہ سے باہر نکلے اور

آپ کے چہرہ مبارک سے انوارِ الہی کی شعاعوں نے صعو و کیا تو نمٹتی شاید اس
 مذکور اس قدر مبہوت ہوا کہ گولے کو دیا سلائی تعالیت اضطراری میں لگا
 دی۔ مگر اُسے پھینکنا بھول گیا۔ چنانچہ گولہ اس کے ہاتھ میں پھٹا۔ اور ہاتھ
 زخمی ہو گیا۔ اپنے زخمی ہونے کا اسے احساس تک نہ ہوا اور عالم مدہوشی
 میں حضور کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس
 کا نام نذر حسین رکھا گیا۔ اور وہ آج بھی ۱۹۶۳ء میں وہیں ملازمت کر رہا
 ہے۔

برقع جو اپنے منہ سے اٹھایا سب کو خدا کے نور کا جلوہ دکھادیا
 صوفی خضر حیات کا بیان ہے کہ مظہر نور خدا پا کر اس روز صوفی طفیل احمد میاں
 محمد سلیمان لانگ اور ملک راجہ بگھلیرا نے شرف بیعت حاصل کیا اور عرب اللہ
 کے رضا کار بن گئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ راقم السطور کو بھی پیش آیا مگر اس موقع پر حضور
 کی اس حقیقت سے پردہ علمی رنگ میں اٹھا۔ ۱۹۶۱ء کے ماہ اگست میں جب
 حضور راولپنڈی میں صاحبزادہ سید برکات احمد شاہ صاحب قبلہ کی
 کوٹھی پر تشریف فرما تھے تو بندہ قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا۔ دیگر سربھائی
 بھی موجود تھے۔ حضور کرسی مبارک پر جلوہ آرائے۔ اور محفل پر سکوت

طاری تھا۔ بندہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا :

إِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللَّهُ

حضور نے اچانک بندہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ تیرا اعتقاد درست ہے۔

مولانا روم اسی لئے کہتے ہیں :

اولیا اللہ اللہ اولیا

لہذا حضور کی وہ شخصیت حقیقی جہاں اللہ ہی اللہ ہے ہم اپنی بے بسا عظمتی کے سبب کما حقہ نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اسی کا ذکر کریں گے جو دید میں آئی۔ سابقہ ابواب میں اس ضمن میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ یہاں بعض بنیادی حقائق کو ذرا مربوط صورت میں بیان کیا جائے گا۔ وَبَيِّدِهُ التَّوْفِيقُ

سطور بالا سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کا تعلق ذات باری سے بڑی گہری بنیادوں پر قائم تھا۔ یہ تعلق حضور کی زندگی کا محور بنا رہا۔ اور آپ کے تمام اعمال حیات اسی کے گرد گھومتے رہے۔ آپ نے زندگی بھر جو کچھ کیا اس میں یہی بنیادی جذبہ کار فرما تھا۔ ملت اسلامیہ سے آپ کے دل میں عمیق جذبہ ہمدردی کی وجہ محض یہ تھی کہ آپ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ خدائے واحد کے پرستار کسی اور کے سامنے سر جھکا لیں اور دنیا میں ذلیل و خوار ہوں۔ دنیا کے کسی کونے میں کہیں بھی کوئی توحید پرست موجود تھا اس کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھا تو آپ کے دل میں درد کی ٹیس ضرور اٹھی۔ عہد طفلی کے بعد جب آپ کے ذہن میں شعور نے انگریزی لی اور آپ نے اپنے ماحول اور دنیا کے اسلام کا جائزہ لیا تو آپ کو پتہ چلا کہ صرف ہندوستان کے مسلمان بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ملت بیضا کے افراد غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے سوچا۔ عجیب بات ہے۔ اس ذات برحق کے نام لیا پابند سلاسل بنائے جلتے ہیں جو احکم الحاکمین ہے۔ جو مالک کائنات ہے۔ اور جس کا سکہ بر و بحر اور زمین آسمان پر چل رہا ہے آپ نے خیال کیا۔ اللہ کا غلام اور کسی کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی آپ نے عزم بالجزم کیا کہ پرستان توحید کے پاؤں سے غلامی کی زنجیروں کاٹنے کے لئے سر دھڑکی بازی لگا دینی چاہئے۔ ظاہر ہے محبت

ذات باری سے
تعلق

ملت بیضا
غلام خوار

الہی نے اس طرح حضور کو ملت بیضا کا غمخوار و غمگسار بنا دیا۔ اور اہمیت سے سرشار ہو کر آپ نے اپنے دل میں مجاہدانہ عزم پیدا کئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ جذبہ توحید بھی تھا جس نے آپ کو زندگی بھر مضطرب اور سرگرم کا رکھا۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے غلاموں کو اقتدارِ اعلیٰ دلانے کے لئے آپ نے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیں۔ دشت و جبل عبور کئے ہزاروں میل کی مسافت طے کی۔ اور تحریر و تقریر دونوں طریقوں سے لوگوں کے خیالات اور ضمیر میں انقلاب پیدا کیا۔ اور چونکہ مقصود محض رضائے الہی تھا۔ آپ نے ایسے جوش و خروش اور انہماک کا اظہار کیا کہ ہر ایک سجد متاثر ہوا۔ قدرتی بات ہے اپنا سینہ جب سوز سے بھرا ہوا ہو دوسروں کے سینے ضرور گرم ہو جاتے ہیں۔ ازول خیز و برول ریزو

اس حقیقت سے بھی ہر ایک باخبر ہے کہ ہم جنسِ اشیا، خود بخود ایک دوسرے کی طرف کھینچتی چلی جاتی ہیں۔ اور جذبہ کی یکرنگی، اتحاد و فکرو عمل کا موجب بنتی ہے۔ بنا بریں ماضی اور حال کے ملت بیضا کے جتنے غمخوار بھی ہو گذرے ہیں ان سے قدرتی طور پر آپ کو بید لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اور ایسا نظر آتا تھا جیسا اپنی باری پر حضور انہی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے شمع توحید کو روشن رکھنے کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی۔ اور صلیبی جنگوں میں تنہا ساری عیسائی دنیا سے نبرد آزما رہا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ کے دل میں سلطان مرحوم کے جذبہ جہاد کی بے حد قدر تھی۔ اور جب آپ عزم جہاد کا پرجوش الفاظ میں اظہار فرماتے تھے تو اس طرح پتہ چلتا تھا گویا اسی مجاہد کبیر کی روح آپ کے سینہ میں بول رہی ہے۔ سید جمال الدین افغانی نے افغانستان

ایسی سنگلاخ و کورس زمین سے اٹھ کر تمام دنیا نے اسلام میں حریت اور آزادی کی روح پھونک دی تھی۔ اور ان کی وجہ سے مصر، ٹرکی، ایران اور ہندوستان میں آزادی کی تحریکیں شروع ہوئی تھیں۔ حضور کے دل میں ان کی بیدار قدر و منزلت تھی۔ آپ کی تحریک حزب اللہ بھی حریت اور آزادی کی علمبردار بنی اور اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ اس صدی کا افغانی اس تحریک کے ذریعے غلام مسلمانوں کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ اسی طرح حضور جب بلاد اسلامیہ کی سیاحت کے لئے گئے تو دمشق میں آپ امیر عبدالقادر الجزائری کے مزار مبارک پر بھی فاتحہ خوانی کے لئے گئے۔ امیر موصوف انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں الجزائر کی آزادی کے لئے فرانس کے خلاف جہاد کرتا رہا تھا۔ اور اس کی شجاعت اور معرکہ آرائی سے بڑے متاثر تھے۔ اور اس کے جذبہ جہاد کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ تحریک حزب اللہ شروع کرنے کے بعد حضور نے جب سرفروشی اور شجاعت کی تعلیم دینا شروع کی تو صاف نظر آتا تھا کہ ان تمام مجاہدین اسلام کی روح آپ کے دل میں ولولہ انگیز ہے ہندوستان میں دیگر بزرگان قوم کے علاوہ علامہ اقبال اور محمد علی جناح مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ اور اسی ہم خیالی کی بنا پر آپ انہیں محترم سمجھتے تھے۔ ہمدردی ملت، جذبہ جہاد اور حریت کوشی کی وجہ سے آپ آغاز کار ہی میں ان اکابر ملت کی صف میں شامل ہو گئے۔ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ قلوب ایک ہی صف میں نظر نہ آئیں جن کے تاروں کی لرزش ایک جیسی تھی، جن کا اضطراب ایک ہی طرح کا تھا۔ اور جو تمام توحید پرستوں کو آزاد اور سر بلند دیکھنا چاہتے تھے۔

اللہ کا غلام اور کسی کا غلام نہیں ہو سکتا۔ یہ جذبہ تھا جس کے تحت آپ
 عمر بھر سر بکف رہے۔ اس جذبہ کا اظہار حضور نے ہمیشہ ہر مقام پر عجیب و غریب
 طریقہ سے کیا۔ صوفی طفیل احمد فائق بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضور وہلی میں تشریف
 فرماتے تھے۔ انگریز سپہ سالار افواج ہند کو پتہ چلا۔ اسے علم تھا کہ جہلم اور راولپنڈی
 کے کافی پیر بھائی فوج میں ملازم ہیں۔ اس نے انتظام کیا کہ حضور انہیں مخاطب
 فرمائیں چنانچہ آپ نے دعوت منظور فرمائی۔ اور برطانوی حکومت کے ایام
 میں اور انگریز سپہ سالار کی موجودگی میں آپ نے سپاہیوں کو اللہ کی غلامی
 کا بڑے موثر پیرائے میں درس دیا اور ان سے عہد لیا کہ وہ احکامات
 خداوندی کو دیگر تمام احکامات پر ترجیح دیں گے

آپ نے فوج کو مخاطب کر کے فرمایا: دیکھو حکومت تمہیں وروسی، راشن
 اور تنخواہ دیتی ہے۔ اور اس کے عوض تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے بادشاہ،
 ملک اور وطن کے لئے جان تک قربان کرو۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ سب نے
 یک زبان ہو کر کہا: "جی ہاں" آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہونا چاہئے۔
 اور یہی حق و فاداری ہے۔ مگر یہ بتاؤ تمہارے مختلف افسر ہیں۔ اور ان کے
 مختلف مدارج ہیں۔ اگر ان کے احکام میں بیک وقت اختلاف ہو تو تم
 کس کا حکم مانو گے۔ مثلاً ایک حکم تمہیں نائک دیتا ہے۔ لیکن صوبیدار کا حکم
 اس کے خلاف ہے۔ تو پھر تم کس کے حکم کی تعمیل کرو گے؟ تمام نے کہا:۔
 "جناب ہم صوبیدار صاحب کے حکم کی تعمیل کریں گے" آپ نے پھر سوال
 فرمایا۔ اچھا اسی طرح ایک حکم صوبیدار دیتا ہے۔ مگر کرنل اس کے خلاف
 حکم دیتا ہے۔ پھر تم کس کا حکم مانو گے؟ حضور کرنل کا۔ یہ جواب سن کر
 آپ نے فرمایا لیکن کرنل کے حکم کے خلاف تمہیں کمانڈر انچیف کا حکم ملے تو

تم کیا کرو گے؟ تمام نے متفق اللفظ ہو کر کہا۔ ”جناب ہم کمانڈر انچیف کا حکم مانیں گے۔ حضور نے فرمایا بالکل درست یہی اصول ہے اور اسے ملحوظ رکھنا چاہئے۔“

اس سوال جواب سے انگریز سپہ سالار خوش ہو رہا تھا۔ اور وہ مطمئن تھا کہ افواج کو وفاداری کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ لیکن اس ساوہ دل کو اس بات کا قطعاً علم نہیں تھا کہ حضور بڑے احسن طریقہ سے احکم الحاکمین کی وفاداری کا عہد لینے کے لئے زمین تیار کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سوال و جواب کا اب اصلی نتیجہ نکلنے والا تھا۔ اور دیکھیں جس قوم کا یہ اصول ہے کہ

مَسِيحُ الْاِسْلَامُ بِنْدَانِيَّةٍ پِيئِشِ فِرْعَوْنَ سِرِيَّةٍ اَفْلَنْدَانِيَّةٍ

اس کے امیر اس حیات آفریں تعلیم کا کس طرح پرچار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اب یہ بتاؤ کہ حکومت تمہیں وروی، راشن اور تنخواہ دیتی ہے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ لیکن شہنشاہ کون مکان، خالق ارض و سما، رازق حقیقی جس نے تمہیں پیدا کیا، انسان بنایا، خوبصورت اور مفید اعضاء و جوارح بخشے، پاؤں دیئے جن کے ذریعے تم چلتے ہو، ہاتھ دیئے جن سے تم دنیا بھر کے کام لیتے ہو۔ آنکھیں دیں جن سے تم دیکھتے ہو۔ کانوں سے سنتے ہو۔ ناک سے سونگھتے ہو۔ اور زبان سے دنیا بھر کی نعمتوں کا لطف اٹھاتے ہو۔ اور پھر تمہیں گویائی، عقل، ہوش، صحت، زندگی، الغرض سب کچھ عطا فرمایا۔ جو سب بادشاہوں کا بادشاہ اور سب حاکموں کا حاکم ہے۔ اگر اس کے کسی حکم اور دنیاوی حاکموں کے احکام میں اختلاف پایا جاتا ہو تو تم کس کا حکم مانو گے؟ سب نے بیک آواز کہا: ”ہم بادشاہ حقیقی اپنے خالق اور مالک کا حکم مانیں گے۔“

حضور نے منبر پایا۔ بس میں یہی کچھ تم سے کہنا اور تمہیں سمجھانا چاہتا تھا۔

کیا تم میرے ساتھ وعدہ کرتے ہو کہ ایسی صورت میں صرف خداوند تعالیٰ کا حکم مانو گے؟ سب نے پورے جوش ایمانی کے ساتھ وعدہ کیا۔ اور حضور اپنے فریضہ کی انجام دہی کے بعد اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے گئے۔ حضور کے ساتھ عہد کرنے والے انہی فوجی پیر بھائیوں نے بعد میں اپنے آپ کو رضا کاران حزب اللہ کے طور پر پیش کیا۔ اور حصول پاکستان کی جنگ اور جہاد کشمیر میں اپنے امیر کے حکم کی متابعت کرتے ہوئے ہمت و شجاعت کا ثبوت دیا۔

یہ واقعہ اعلا کلمۃ اللہ کی بڑی عمدہ مثال ہے۔ عشاق کو ہمیشہ صرف اپنے محبوب سے سروکار ہوتا ہے۔ نظیری نیشاپوری کہتے ہیں

از حدیث سوسو و ابی روم دیوانہ وار حرف لیلے گوی تاوانی کہ مجنوں عاقل است
مجنوں کی عقل و تمیز کا واحد معیار لیلے کا نام تھا۔ یہ نام سنتے ہی وہ پوری پوری عقلمندی کا ثبوت دیا کرتا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ کے نزدیک بھی عقل و ہنسنش کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ محبوب ازل یعنی اللہ جل شانہ کا نام بلند کیا جائے۔ اسی لئے اعلا کلمۃ اللہ حضور کی زندگی کا مقصد تھا۔ اور آپ نے ان مقامات پر جا کر بھی اللہ کا نام بلند کیا جہاں کرۃ ارض کی خلقت سے لے کر اس وقت تک شرک اور بت پرستی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔

میاں محمد شفیع خٹیبان کرتے ہیں کہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۶ء کو حضرت امیر حزب اللہ بسلسلہ دورہ رستہ سے گذرتے ہوئے ان کے گھر ڈھانگری مرزا میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ مقام ٹلہ جوگیاں ضلع جہلم کے مضافات میں واقع ہے۔ ٹلہ کی اونچی پہاڑی پر شروع ہی سے ہندو جوگی رہتے چلے آئے تھے اور مشرکانہ مراسم کی ادائیگی میں مصروف رہتے تھے۔ مسلمانوں کو وہاں جانے کی اجازت شاذ و نادر

نہایت ہی حکم

ملا کرتی تھی۔ اور وہ بھی صرف جوگیوں کے ضروری امور کی انجام دہی کے لئے۔ اس روز قریبی گاؤں بھیٹ میں حزب اللہ کا جلسہ منعقد ہوا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد قبل از نماز عصر حضور نے ٹکے جوگیاں پر جانے کا ارادہ فرمایا دیگر ہمراہیوں کے علاوہ مولوی نور محمد مرحوم، منشی محمد غازی، محمد اکبر درویش قاضی غلام فرید، بوٹا خان نمبردار چند اور میاں احمد دین درویش جلو میں تھے۔ گوکہ توحید بڑی آن بان سے نکلا۔ حضور چند قدم پیدل چلے پھر گھوڑی پر سوار ہو گئے جو جوگیوں کے گروہوں کے لئے خاص طور پر بھیجی تھی۔ بنوہری کے مقام پر نماز عصر باجماعت ادا کی گئی۔ اذان قاضی محمد افضل نے دی۔ گویا اذان کے ذریعے اس بات کا اعلان ہوا کہ ٹکے جوگیاں کے کفر زار میں نعرہ تکبیر بلند ہونے والا ہے۔ بھیٹ کے صوبیدار نادور خان نے جوگیوں کے گروہ کو حضور کی تشریف آوری کی اطلاع دے دی تھی۔ انہوں نے آپ کے استقبال کا شاہانہ انتظام کیا۔ اپنے چیلوں کو سہد و انہ قیمتی لباس پہنایا اور حضور کی پیشوائی کے لئے بہت دور آگے تک بھیجا۔ جوگی نادبجاتے تھے اور ان کے بلائے ہوئے مراٹھی باجا اور شہنائیاں بجا رہے تھے۔ ادھر فرزند ان توحید نعرہ تکبیر بلند کرتے اور کلمہ طیبہ بہ آواز بلند پڑھتے جا رہے تھے۔ ناد اور شہنائیوں کی آواز تکبیر و تہلیل میں دہتی چلی جا رہی تھی۔ پیر کلا ناتھ گدی نشین ٹکے جوگیاں کی پاس خاطر کے لئے آپ نے اوپر مکان کی سیڑھیوں پر پہنچ کر ہاتھ کے اشارہ سے ہمراہیوں کو خاموش ہونے کے لئے کہا۔ اہل اللہ ہمیشہ حسن سلوک سے قلوب کو مسخر کرتے رہے ہیں۔ کلا ناتھ نے جب آپ کے اخلاق عالیہ کا مظاہرہ دیکھا تو ہمانداری کے فرائض کا احترام کرتے ہوئے کلمہ طیبہ اور نعرہ تکبیر جاری رکھنے کے لئے اشارہ کیا۔ چنانچہ عجیب روح پرور غلغلہ توحید بلند

گروہوں کے جوگیوں کا استقبال

ہوا۔ جس میں ناقوس کی آواز ہمیشہ کے لئے دب گئی۔ شام کی نماز آپ نے نہیں ادا فرمائی اور ایک خوش الحان رکن حزب اللہ نے اذان دی۔

بنو مان کے مندر کے سامنے وسیع صحن میں غالیچے بچھے ہوئے تھے۔ حضرت امیر حزب اللہ کے ساتھ ایک کرسی پر کلانا تھا بھی بیٹھ گیا۔ باقی حاضرین مؤدب ہو کر غالیچوں پر بیٹھ گئے۔ ایک ہندو جوگی نے پنجابی زبان میں ہارمونیئم پر حضور کی تعریف میں ایک نظم پڑھی جس کے پانچ چھ بند تھے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے۔

میں قربان جاواں پیر فضل شاہ سے جیہڑے دسدے نے راہ خدا واسے

یعنی خود ہندو حضور کی دعوت حقہ کا اقرار اور اعتراف کر رہے تھے پیر کلانا تھا نے آپ کی خدمت میں خشک میوے پیش کئے۔ آپ نے بھنڈا لے کے لئے پانچ روپے عنایت فرمائے۔ واپسی پر گورد صاحب نے گیس روشن کرا کے آپ کے ساتھ کر دیا۔ اور آپ تار یک رات میں گیس کی روشنی سے مدو لے کر چار میل کا دشوار گزار رستہ طے کر کے مقام دورہ پڑنے تک جگیاں پر مجاہدانہ یلغار کا یہ نتیجہ نکلا کہ شرک اور کفر کا یہ گڑھ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ کراچی سے لے کر سرینگر تک حضور اسی طرح اعلان کلمۃ اللہ فرماتے رہے۔ اور مسلسل دعوت الی الحق دیتے رہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں میں محبت الہی کو راسخ کرنے کے لئے دین اسلام کی تعلیم دی تھی۔ اس لئے بعد میں امت مرحومہ میں جتنے مصلح پیدا ہوئے۔ انہوں نے دین اسلام کو زندہ رکھنے کے لئے پوری پوری سرگرمی کا اظہار کیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی الدین اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسلام کو نئی زندگی

عطا کی تھی۔ دلوں میں تعلیمات دینی کے لئے وہی ذوق و شوق پیدا کیا تھا جو قرونِ اولیٰ کا خاصہ تھا۔ حضرت پیران پیر کے اپنے پاکیزہ نمونے سے تعلیمات اسلامی پر عمل کرنے کے لئے ایک نئی لگن پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت امیر حزب اللہ نے بھی یہی طریق کار اختیار کیا اور اس خالص دینِ اسلام کی تعلیم وہی جس کا یہ پیران نمونہ قرونِ اولیٰ میں نظر آتا ہے۔ آپ حضور کی تمام تحریرات کا مطالعہ کر جائیں ابتداء سے لے کر انتہا تک آپ کو یہ جذبہ کار فرما نظر آئے گا کہ حضور صرف اسلام کو جاری اور ساری دیکھنا چاہتے ہیں جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اولادِ آدم کے سامنے پیش کیا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ اسلام میں کسی قسم کی آویزش کو روا نہیں سمجھتے اور نہ ہی مغرب و مشرق کے کسی نظریہ کی روشنی میں اسلام کے اندر ترمیم یا تنسیخ کے قائل ہیں۔ آپ کتاب و سنت کو ہر زمانہ کی انسانی ضروریات کے لئے کافی اور وافی سمجھتے ہیں۔ اور انہیں ماضی حال یا مستقبل کے تمام نظریوں پر فائق اور غالب قرار دیتے ہیں۔ آپ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے اسی عقیدہ کی اشاعت فرمائی اور اپنے مبارک نمونے سے لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔ سال ہا سال تک آپ اسی کام کو انجام دینے میں مصروف رہے۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اسی اسلام کی محبت پیدا کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ موجودہ زمانہ سیاسی لحاظ سے نظامِ جمہوری کا قائل ہے۔ اور ہر ملک اور ہر قوم نے اپنی اپنی روایات اور ضروریات کے مطابق اپنے ہاں جمہوری نظام قائم کر رکھا ہے۔ حضرت امیر حزب اللہ پاکستان میں اس جمہوری نظام کو قائم کرنا چاہتے ہیں جو خلفاء راشدین نے علی منہاج النبوة قائم و نافذ فرمایا تھا۔ اسی بنا پر حضور کی کوششیں حصولِ پاکستان کے بعد ختم نہ ہوئیں۔ بلکہ اس کے قیام سے پہلے

۱۹۴۴ء میں ہی آپ نے حکومتِ الہیہ کو اپنا مطمح نظر قرار دے دیا تھا۔ یعنی ملتِ پاکستان کو آپ مکمل طور پر اسلامی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں اور یہاں اسلام کو اس طرح زندہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ باقی اہل عالم بھی اس سے استفادہ کر کے اپنی نظریاتی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی گتھیاں سلجھا سکیں۔ اس نقطہ نگاہ سے آپ بھی محی الدین ہیں۔ اور صوفی طفیل احمد فائق حضور کے ملفوظ کے ذریعے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ صوفی صاحب کی موجودگی میں حضور نے ایک مجلسِ خاص میں فرمایا۔ "دربارِ نبوی آراستہ تھا۔ صحابہ کرام اور اولیاءِ عظام موجود تھے کہ میرا نام پکارا گیا۔ حضور نے اس وقت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک سند اٹھائی اور حضرت پیر دستگیر محبوب سبحانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے مبارک ہاتھوں میں دی۔ حضرت پیر ان پیر نے سند مجھے عطا فرمائی جس پر سنہری الفاظ میں محی الدین ثانی کا خطاب درج تھا۔"

دینِ الہی کے ساتھ جذبہٴ محبت پیدا کرنے کے لئے آپ نے مختلف طریقے اختیار کئے۔ محبتِ قربانی چاہتی ہے۔ اس لئے آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کا عام پرچار کیا۔ حالانکہ محرابِ منبر سے جہاد کے لئے آواز اٹھنا بالکل بند ہو چکا تھا۔ اور ایک گوشے سے دوسرے سے جہاد کی مخالفت شروع ہو چکی تھی۔ جذبہٴ جہاد ہی تمام عبادات میں تڑپ پیدا کرتا ہے۔ دن بھر راہِ حق میں شمشیر زنی کرنے کے بعد جب رات کو غازی درگاہِ الہی میں جذباتِ عبودیت پیش کرتا ہے تو اس کی کیفیت قابلِ دید ہوتی ہے۔ یہ کیفیت راہِ حق میں سرکھن ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور پھر مسلمانوں کی سیاسی کمزوری بھی ملت کو جانفروشی و جانبازی کا درس

دینے کی متقاضی تھی۔ جبکہ ایک آزاد اسلامی سلطنت کے بقا کے لئے
 جہاد کی ضرورت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضرت امیر حزب اللہ
 نے جہاد کو اور اڈو وظائف پر بھی ترجیح دی اور اس اعتراض کو باطل کر دیا
 کہ صوفی زندگی کے حقائق سے گریز کرتے ہیں۔ آپ کی دعوت تبلیغ و ارشاد
 کا یہ نمایاں پہلو تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ارکان اسلامی کی پابندی پر
 زور دیا۔ نماز باجماعت کا شوق دلایا۔ اور مسلمان لگاتار تیس سال تک تمام
 مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں میں جس طرح فوق و شوق سے قطار اندر
 قطار آپ کی اقتدا میں نماز باجماعت ادا کرتے رہے اس کے مناظر کی یاد
 آج بھی ایمان کو تازہ کرتی ہے۔ اراکین حزب اللہ کو آپ نے بالائے تمام جمعہ پٹھنے
 کا حکم دیا اور پھر تمام غیر اسلامی رسومات کو ترک کر کے پوری طرح اسلامی رنگ
 میں رنگے جانے کی موثر ترغیب دی۔ اس طرح آپ نے باقی مصلحین امت
 کی طرح عملاً اور اعتقاداً تجدید دین کی۔ ان تمام امور کا تذکرہ پیشتر ازیں تفصیلاً
 ہو چکا ہے۔

اپنے مقاصد عالیہ کو حاصل کرنے کے لئے حضور نے تحریر، تقریر اور
 تاثیر کے ذرائع استعمال فرمائے۔ تحریر سے کالم کے اصلاح امت کا فریضہ
 انجام دینا آپ نے ۱۹۱۰ء میں شروع کر دیا تھا جب کہ آپ کی عمر ابھی
 صرف سولہ سال تھی۔ آپ کا پہلا مقالہ "ذکر حبیب" کے عنوان سے رسالہ
 صوفی میں جون ۱۹۱۰ء کو چھپا تھا۔ بعد میں آپ کے مقالات رسالہ
 صوفی اور ملک کے دیگر مقتدر رسائل و اخبارات میں چھپتے رہے
 آپ کے کافی مقالات ہماری نظروں سے گزرے ہیں لیکن افسوس ہے
 بہت سے دستیاب نہیں ہو سکے۔ آپ نے جو تقاریر لکھ کر ارشاد فرمائی

تھیں ان کا ذکر ہم نے موقع بموقع صفحات سابقہ میں کر دیا ہے۔ یہ تمام چھپی تھیں اور لنگر شریف میں علیحدہ علیحدہ موجود ہیں۔ آپ نے خاتونِ جنت اور ذکرِ حلیب و تصنیفات کے بڑے عالمانہ و میاچے تحریر فرمائے جنہیں ہر صاحبِ ذوق مطالعہ کر سکتا ہے۔ آپ کی ہتم بالشان تصنیف حزب اللہ ہے جو کمیاب ہے۔ علاوہ بریں آپ نے حزب اللہ کے سالانہ جلسوں میں خطبہ ہائے صدارت ارشاد فرمائے۔ اور اکثر کو طبع کرا کے پیر بھائیوں میں مفت تقسیم فرمایا۔ حضور کی ان تمام تحریرات کو تاریخی ترتیب سے یکجا کر کے مختلف جلدوں میں شائع کرا دیا جائے تو نہایت ہی مفید اور ایمان افروز لٹریچر محفوظ ہو جائے گا۔ اور تاریخ کے طالب علم اس سے استفادہ کر سکیں گے کیونکہ حضور نے ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ ضروری حالات اور جزئیات کو محققانہ ذرف بینی سے بیان کر دیا ہے۔ حضور کی ان تمام نگارشات سے ان اضطراب انگیز حالات سے بخوبی آگاہی ہو جاتی ہے جس میں اسے اس دور کے اسلامیان ہند گزرے ہیں۔

حضور کے ایک ایک لفظ سے احیائے اسلام و المسلمین کی تڑپ اٹکارا ہے۔ یہ وہی تڑپ ہے جو امام غزالیؒ، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہؒ کے دلوں میں پیدا ہوئی اور جس نے کاروان اسلام کو سیدی راہ پر ڈال دیا آپ کے اسلوبِ تحریر میں حیرت انگیز زندگی اور جاویدت ہے۔ بڑے بے ساختہ پن اور بجد آمد کے ساتھ بڑے موثر اور ادیبانہ رنگ میں آپ کا ذہن خلاق اپنے خیالات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ مطالب دریا کی سی روانی کے ساتھ قلم سے نکلتے ہیں۔ آپ کی ترکیبات حسین، متین اور عالمانہ ہوتی ہیں۔ علم اور ادب کا بڑا پر وقار اور حسین امتزاج نگاہوں کے سامنے

آتا ہے۔ کہیں قلم شوکت اور جلال کا مظاہرہ کرتا ہے اور کہیں ندیوں کی سبک
 خرامی کا۔ ہر فقرہ الہامی اور ہر لفظ ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ حضور کے
 اسلوب بیان میں مولانا ظفر علی خان کی شوکت بیان، ابوالکلام آزاد کی
 جزالت، علمیت اور ادبیت اور شبلی نعمانی کی متانت تحریر موجود
 ہے۔ اس لئے ادبی نقطہ نگاہ سے آپ کی تحریرات کا رتبہ سجد بلند ہے
 آپ اس عہد کے بہترین نثر نگاروں میں سے ہیں۔

چونکہ آپ نے بڑی بلند نظری اور انہماک سے نصاب نظامیہ کی تکمیل کی
 تھی اور بعد میں بھی اوقات فرصت میں کتب بینی آپ کا مشغلہ رہا اس
 لئے علمی لحاظ سے آپ کا پایہ بڑا بلند ہے۔ الحاج خواجہ محمد امین چشتی بیان کرتے
 ہیں کہ جب ۱۹۲۸ء میں حضور ساروہ ایکٹ کے سلسلہ میں شملہ تشریف فرما
 تھے تو علامہ اقبال مرحوم ہر شام حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے اور
 زمان و مکان جیسے ادق مسائل پر گھنٹوں تباولہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔
 علامہ موصوف سے آپ کی ایک ملاقات کا پتہ رسالہ صوفی۔ عرس نمبر
 بابت ماہ مارچ ۱۹۱۸ء سے بھی چلتا ہے۔ اس پرچہ کے صفحہ آٹھ پر درج ہے
 کہ اس ملاقات میں موضوع گفتگو حقیقت تصوف تھا اور علامہ مرحوم نے
 اعتراف کیا تھا کہ اس سلسلہ میں ان کی معلومات کا دائرہ مافی الکتاب اور
 قال تک محدود ہے۔ علم و فضل کے اعتبار سے بلند پایہ رکھنے کی وجہ سے
 حضور کی تحریرات میں بڑے علمی نکات موجود ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کا اسلوب
 جامع الصفات بن گیا ہے۔

جس طرح تحریر میں آپ کی معنوی شخصیت پوری طرح جلوہ گر دکھائی
 دیتی ہے اسی طرح تقریر کے وقت آپ کے معنوی وجود کا جلوہ دیدنی ہوتا تھا

۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے اور فقرہ صوفی علامہ اقبال کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ باقی صفحہ ۵۷۸

علامہ اقبال
 تباولہ خیالات

تقریر

دل کی آواز ہوتی تھی جو بڑی بیساختگی سے اہل مجلس کے کانوں تک پہنچ رہی ہوتی تھی۔ فصیح اور بلیغ فقرات، بر محل آیات و احادیث، موزوں اشعار و ضرب الامثال کا ایک سیلاب رواں ہو جاتا تھا۔ آپ کی تقریر میں فصاحت و متانت پائی جاتی تھی جس کا ہنگامہ آفرینی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ آپ جو کچھ کہتے تھے۔ سوزِ دل سے نچوڑ کر کہتے تھے۔ درد اور سوزِ تقریر بن کر نکل رہا ہوتا تھا۔ چونکہ تقریر کا تعلق ایک مربوط اور منضبط تصور سے ہوتا تھا اس لئے سلسلہ کلام میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ اور ربط و نظم برابر قائم رہتا تھا۔ یہ سب کچھ آپ کی متانت فکری، خلوص کی گہرائی اور منضبط شخصیت کا ثبوت ہے۔ اس عہد نے مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مولانا ابوالکلام آزاد اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے نامور مقرر اور خطیب پیدا کئے ہیں۔ ان کی تقاریر اور اپنی تقریریں صرف یہ فرق ہوتا تھا کہ وہ عام طور پر شہروں میں لطق آ رہے ہوا کرتے تھے اور حضور دیہات میں۔

دیہات میں جو مبلغ تقاریر کرنے کے عادی تھے وہ بھی آپ کے ارشادات سنتے تھے تو ایجاز اور اسجاز اور ربط و تاثر کو دیکھ کر انگشت بندال رہ جاتے تھے۔ بلکہ ضلع جھنگ میں آپ نے تقریر فرمائی۔ صوفی طفیل احمد کہتے ہیں کہ اس علاقہ کے نامور مبلغ پیر مبارک شاہ بغدادی مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے بعد میں ہر جگہ تمام لوگوں کو بتایا کہ حضور کی تقریر آوری نہیں آئی تھی۔ آپ جو کچھ تقریر فرما رہے تھے اس طرح معلوم ہوتا

(بقیہ صفحہ) ویسے حضرت امیر مدظلہ العالی نے علامہ موصوف کے روحانی مقام کی بندی کا کئی بار ذکر فرمایا ہے۔

تھا۔ الہام ہو رہا ہے۔ صوفی خضر حیات بھی اس بیان کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام مقامات پر آپ کی تقریر کا یہی عالم ہوتا تھا۔ صوفی خضر حیات بڑے والہانہ انداز میں اس کیفیت کا ذکر کرتے ہیں جو حضور پر اس وقت طاری ہوتی تھی جب آپ موعظ حسنہ کے لئے سٹیج پر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک خوش پوش اور حسین بزرگ انکسار اور استغراق کی مٹی جلی کیفیت کے ساتھ جلسہ گاہ کی طرف تشریف لے جاتے تھے گویا السام کی بارش شروع ہو چکی ہوئی تھی۔ تمام لوگ آپ کو دیکھ کر مسخر ہو جاتے تھے۔ اور دل ہی دل میں کہتے تھے

دل بھلا ایسے کو لے رو نہ دیکھے کیونکہ ایک تیرا ہے اور تیرا ہر جہاں ہے

صوفی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ ہر مقام سے حضور کی روانگی کے وقت بھی یہی سما ہوتا تھا۔ ہر ایک آپ کی جدائی میں آبدیدہ ہو جاتا اور یوں سمجھتا کہ میرا دل آپ کے ساتھ جا رہا ہے۔

سر و سیمینا بصرامے روی سخت بے مہری کہ بے ملامے روی

حضور فرمایا کرتے تھے کہ ہم تقریر کے لئے نہیں تاثیر کے لئے بادیہ پیمالی کر رہے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس حقیقت کی بنا پر ایک عام واعظ اور مقرر اور اہل اللہ کے درمیان حد فاصل قائم ہو جاتی ہے۔ ایک بڑا ہی معنی خیز شعر ہے۔

مسجد سے نہ مکتب کے ہے در سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اہل اللہ کی نگاہ ایسی پر تاثیر ہوتی ہے کہ جس پر پڑتی ہے اس کے دل میں محبت الہی کا چراغ روشن کر دیتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کب اتنے لمبے چوڑے خطبات ارشاد فرمائے تھے۔ صرف آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہی دل کو عجیب و غریب کیفیات سے معمور کر دیتی تھی۔ آنجناب کا اپنا

وجودِ اظہر ایک بڑا معجزہ تھا۔ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی اس تاثیر کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا وہ اس دنیا سے خائبے خاسر ہو کر گئے۔ حشری بزرگوں کی صحبت میں نگاہ کا فیض خاص طور پر حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنے سوزِ قلبی کو نگاہوں کے ذریعے اپنے نیاز مندوں کے سینوں میں منتقل فرما دیتے ہیں اور لہائیت کا جذبہ پہاڑ کے چشموں کی طرح ابل پڑتا ہے۔ میاں محمد بخش صاحب سیف الملوک میں اس حقیقت کو پنجابی زبان میں اس طرح بیان فرماتے ہیں :-

مرشد لائے جاگ پر م دی تال جے و وھ پانی

پریم کا معنی ہے پریم، محبت، عشق، میاں صاحب فرماتے ہیں کہ مرشدِ طریقت محبت کا جذبہ سینوں میں پیدا کرتے ہیں۔ اور اس طرح سینے انوارِ الہی سے معمور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اپنے خواجہ عزیز نواز رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں فیضِ صحبت کو اس لئے بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ آپ کی زبانِ فیض ترجمان پر یہ شعر عام روال رہتا تھا :-

خدمتِ مرشد میں رہ چوں برگِ گل ہمراہِ قند
فیضِ صحبت کب ملے جب تک تلے ٹوٹ ٹوٹ

برگِ گل اور قند جب ملتے ہیں تو بالکل یک جان ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان مرشدِ طریقت کی خدمت میں رہتا ہے تو فیوضِ باطنی اس کے وجود میں اس طرح تحلیل ہو جاتے ہیں کہ پھر دوئی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ ان تمام تصریحات سے یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ حضرت امیرِ حزب اللہ کا مقصد اسی قسم کی تاثیر ہوتا تھا۔ آپ کے لئے تقریر اتنی زیادہ اہم نہ تھی۔

کسی چیز پر
مطلب تھی

زندگی میں لاکھوں لوگوں کو آپ کے قریب آنے کا شرف حاصل

ہوا۔ اور ہر شخص اپنے قرب کی نسبت سے بقدر ظرف مستفیض ہوا۔ کوئی بھی محروم نہ رہا۔ بالکل لاشعوری لیکن محسوس طور پر ہر ایک کا رجوع اللہ کی طرف بڑھ گیا۔ اور یہی فیض نگاہ اور تاثیر ہے جس کا ذکر ہم نے آغاز میں کیا تھا۔ راقم سطور نے ہر جگہ اپنے پیر بھائیوں کو بغور دیکھا ہے اور پتہ چلا ہے کہ ماشاء اللہ الثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی ہمت و استعداد کے مطابق یادِ الہی سے شغف رکھتے ہیں اور ذوق و شوق اور سوز و ساز کے مالک ہیں۔ بہت سے بھرا در ان طریقت نے یہ بتایا ہے کہ حضور نے خواب میں انہیں نماز ادا کرنے اور تہجد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ کئی پیر بھائیوں نے یہ ذکر کیا کہ وہ کسی موقع پر گمراہ ہو کر بد اعمالی کا ارتکاب کرنا چاہتے تھے اچانک نیند آگئی اور حضور نے خواب میں زجر و توبیح فرمائی۔ یہ سب کچھ حضور کی باطنی توجہات کا نتیجہ تھا۔ اس طرح بھی آپ نے لوگوں کو بھاری تعداد میں پابندِ شریعت بنایا۔ جو لوگ نسبتاً زیادہ استعداد کے مالک تھے۔ آپ نے انہیں مدارجِ فقر طے کرائے۔ اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ زبان سے ہدایات ہمیشہ کم دیں۔ دلوں میں آگے بڑھنے کا شوق از خود پیدا ہو گیا۔ اور حضور نے کسی عجیب موثر اشارے سے رہنمائی فرمادی۔ جو شخص جس قدر استعداد کا مالک نظر آیا اسی قدر فیض نگاہ سے اسے نوازا اور اس طرح اس کے حال کی تربیت فرمائی۔ حضور نے ہمیشہ تدریج اور اہمال کو مد نظر رکھا ہے۔ تاکہ حال مقام کی صورت اختیار کر جائے۔ لیکن طالب کے ذوق و شوق کی فراوانی، سوز و گداز کی پذیرائی کی بنا پر جب کبھی مصلحت اس بات میں نظر آئی تو آپ نے ایک ہی نگاہ میں بے تاب کر دیا۔ ہم نے ایسے کئی پیر بھائیوں کو عالم بخودی میں اشکبار دیکھا ہے۔ او

یہ بھی دیکھا ہے کہ حضور کی صحبت میں چند لمحات بیٹھنے سے احساسات و جذبات کی بدرجہ اولیٰ تطہیر ہو گئی ہے اور ارشادات دینی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے دل میں بڑے پاکیزہ ارادے از خود پیدا ہو گئے ہیں۔ ان سطوح سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کی دعوت تبلیغ و ارشاد کیوں اتنی زیادہ کامیاب رہی۔ فی الحقیقت اس میں آپ کی باطنی توجہات اور روحانی تصرفات کا زیادہ دخل ہے۔

حضور کی تربیت کا ایک خاص وصف قابل ذکر ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے لوگ مختلف صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ایک اگر ذہنی معاملات کو سلجھانے کا ملکہ رکھتا ہے تو دوسرا امور دینی کو انجام دینے کی طرف طبعاً مائل ہوتا ہے کسی کا رجحان بچپن سے کاروبار کی طرف ہوتا ہے تو کسی کا صنعت و تجارت کی طرف، کوئی شعر و سخن سے لگاؤ رکھتا ہے تو کوئی علم و فن سے۔ اور کوئی افلاک پر پرواز کر کے حقائق کائنات کا کھوج لگانا چاہتا ہے تو کوئی اپنے باطن میں غوطہ زن ہو کر حقیقتِ حقہ کا گوہر آبدار حاصل کرنا چاہتا ہے۔ الغرض جس طرح دنیا میں رنگ برنگے پھول پائے جاتے ہیں اسی طرح مختلف طبائع رکھنے والے انسان موجود ہیں۔ اسی اختلاف طبائع سے دنیا کی ہماہمی اور رونق قائم ہے۔

تربیت کا ایک خاص وصف

گہانے رنگ رنگ سے نینت چمن اے فوق اس جہاں کو ہے زیرِ اختلاف
تربیت کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ جس شخص میں جو صلاحیت موجود ہو وہ اپنے کمال کو پہنچے۔ حضرت امیر حزب اللہ کی ذاتِ برکات اس خوبی کی بدرجہ اتم مالک ہے۔ آپ نے اپنے نیاز مندوں کے دلوں میں محبت الہی کا جذبہ پیدا کر کے انہیں لارا ہوں پر ڈال دیا جن کے لئے وہ فطرتاً اہلیت رکھتے تھے جو

کاروبار کی طرف مائل تھے ان کے ذہن کو آپ کی توجہات سے ایسی جلا نصیب ہوئی کہ ان کا کاروبار خوب چمکا جو علم کی طرف میلان رکھتے تھے انہیں علمی لحاظ سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی جن کے دل میں تہور کا مادہ پایا جاتا تھا وہ افواج میں شامل ہوئے تو شجاعت اور مردانگی کے لحاظ سے نامور ہوئے۔ اور جن کے قلوب فقر کی چاشنی سے پرورش پانے والے تھے۔ انہیں حسب استعداد روحانی غذا عطا فرمائی۔ قصہ کو تاہ حضور نے اپنے نیاز مندوں کو زندگی کے ہر میدان میں اپنی اپنی افتاد طبع کے مطابق پستی سے بلند پڑھنچایا، ادنیٰ سے اعلیٰ بنا ڈالا۔ یہ برتر روحانیت کا کمال تھا ہے کہ ناقص کامل بن جاتا ہے۔ خاک کسیر کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ پر کاہ سے سنبل و ریحان کی خوشبو آتی ہے۔ خزن ریزے لعل و گوہر کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور ذرہ ناچیز بدر کامل بن جاتا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی منتظر تربیت سے اہل عالم نے دیکھا کہ گلہ بان اعلیٰ درجہ کے جہان بان اور جہاں گیر بنے، معمولی درجہ کی سوچھ بوجھ رکھنے والے لوگ بہترین قسم کے مقنن اور مدبر ثابت ہوئے اور جو بے سواد تھے وہ ان حضور کے دارالترتیب سے اعلیٰ درجے کے مفسر، محدث اور فقہ بن کر نکلے عرب کے بدوؤں کا کونسا جوہر تھا جو پوری آب و تاب سے نہ چمکا۔ وہ ذرہ خاک نشین تھے۔ اور بدر کامل بن گئے۔

تیری نگاہ سے ذرے بھی نہ رہا بنے گدے بے سرو ساماں جہاں پناہ بنے
حضرت امیر حزب اللہ کی تربیت کا یہ وصف بھی دراصل حضور ختمی مرسلت
فداہ امی و ابی کا فیض بے پایاں تھا۔

آپ بنیادی طور پر روحانیت کے داعی ہیں۔ آپ نے ہمیشہ اپنے آپ کو
فقیر کہا ہے۔ فقر محمدی آپ کی روح کی غذا ہے۔ آپ نے کبھی مال و زر

کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے اندازہ دولت عطا فرمائی
لیکن آپ نے اپنے دامن فقر کو اس کی محبت سے کبھی آلودہ نہ ہونے دیا جو دولت
آتی رہی غریب و مساکین اور اقرباء کی بہبودی کے لئے صرف کر دی۔ اپنے پاس
ایک پیسہ نہ رکھا۔ آپ نے اپنے لئے نہ کوٹھیاں تعمیر کرائیں اور نہ مربع خریدے
حالانکہ آپ باسانی اس طرح کر سکتے تھے۔ بظاہر زندگی بڑے طمطراق سے
گذاری مگر باطن فقر سے وابستہ رہے۔ آپ نے ہمیشہ اس حقیقت کو پیش نظر
رکھا کہ روح صرف حالت فقر میں زندہ رہ سکتی ہے۔ مال و زر کی محبت و کثرت
سے نہیں۔ آپ نے براہِ ان تلت، عزیزانِ قوم اور اعزاء و اقرباء کو حکومت
سلطنت اور مال و دولت کا مالک بنایا۔ لیکن خود ان چیزوں سے بالکل بے
نیاز رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی مایحتاج سے بے نیاز کر کے جہاں
بالنفس کی دعوت دی۔ اللہ سے لو لگانے کا پیغام دیا۔ تخلیق انسانی کی علتِ غائی
بتائی اور واضح فرمایا کہ بے شک دنیا میں شان سے زندگی بسر کرو، عزت اور
سر بلندی مسلمانوں کے لئے وقف ہو چکی ہے۔ لیکن ہمیشہ اس بات کے لئے
سامی رہو کہ موت ایمان کے ساتھ آئے۔ آپ نے اسی لئے مسلمانوں کو یہ پیغام
دیا: **وَلَا تَتُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ**

زندہ رہو تو شان کے ساتھ اور مرو تو ایمان کے ساتھ

یہ آپ کا فقر ہی تھا جس نے مسلمانوں میں دولتِ ایمان عام کر دی۔
اس دولتِ ایمان کے مناظر زندگی میں کیا اور نزع کی حالت میں کیا بڑے
روح پرور تھے۔ زندگی میں ہمارے براہِ ان طریقت نے ایمان و ایقان کے
سلسلہ میں جو دل افروز مظاہرہ کیا اس کا ذکر مختصراً ہو چکا ہے۔ اب عالم نزع
کے چند ایک حالات سنئے۔ مولوی عبدالجبار خاں مرحوم و مغفور کی رحلت کا

شان کی زندگی
اور ایمان کی
موت

عالم نزع کے
مناظر

ذکر بیشتر ازیں ہو چکا ہے۔ کس طرح صبح نماز میں فرائض امامت ادا کئے۔ روضہ شریف پر حاضری دی۔ ایک آدھ بار گھر جا کر پھر لنگر شریف میں واپس آئے وقت آخر آگیا تو گھر پہنچے۔ رفع حاجت کے بعد استنجا کیا اور ذکر کرتے ہوئے بڑے سکون دل کے ساتھ جاں بحق ہو گئے۔ منشی شیر باز خان مرحوم لنگر شریف کے ناظم الامور کی فوتیگی بھی اسی طرح ہوئی۔ منشی صاحب ہر روز بوقت صبح روضہ النور کا سات بار طواف کیا کرتے تھے۔ اس کی برکت سے کوئی آدھ گھنٹہ کی معمولی علالت کے بعد آپ نے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے داعی اجل کو لبیک ہی حضرت امیر عرب اللہ سفر کیلئے تیار تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے رک گئے۔ اور نماز جنازہ خود پڑھائی۔ درویش صاحبان کا زیادہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ روضہ اطہر کے سانے میں رہتے ہوئے ان کے دل اگر انوار الہی سے معمور نہ ہوں تو کس کے ہوں۔ اب ذرا اور رہنے والے پیر بھائیوں کے آخری لمحات کے واقعات سن لیں۔ فقیر محمد شفیع حیدری حضور کے خلیفہ مجاز لکھتے ہیں کہ ان کا ایک مستری فقیر محمد بوقت انتقال چار پانی سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ حضور خود بہ نفس نفیس تشریف لائے ہیں۔ میں کیسے چار پانی پر بیٹھا ہوں۔ اس کے ۲ منٹ بعد فوت ہو گیا ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد جہاں نیاز مندے کہ بوقت جاں سپردن لبش رسیدنی
 فقیر صاحب موصوف اپنی چھوٹی صاحبہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ انتقال کے وقت فرمانے لگیں۔ رستہ سے ہٹ جاؤ حضور تشریف لارہے ہیں اور اس کے بعد فوت ہو گئیں۔ مولوی نور عالم صاحب شمس پوری (مصنف "ملفوظات حیدری") کے آخری لمحات تھے تو روح نے جلاپور شریف کا سفر شروع کر دیا۔ بار بار کہتے اب رستہ کے فلاں شہر میں پہنچ گئے، اب فلاں میں پہنچ گئے اور اس طرح تصویبات

طور پر روضہ انور کی زیارت کر کے جان جاں آفریں کے حوالے کر دی۔ علاقہ
 دھن نزد مہال کے یکے معمر پیر بھائی دورہ کے ایام میں قدمبوس ہوئے اور عرض
 کی قبلہ دعا فرماویں۔ خاتمہ بالخیر ہو۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد نماز ظہر ادا کر رہے
 تھے۔ کہ سجدہ میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ پیر بھائیوں نے
 حضور کی اس کرامت کا ذکر سنا تو جوق در جوق نماز جنازہ کے لئے پہنچ گئے۔
 راقم آثم کے اپنے چچا مولوی صالح محمد مرحوم کا آخری وقت آیا تو بیہوشی کا عالم
 تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے ہوش میں آئے تو تمام عزیزوں کو اپنی چارپائی کے
 ارد گرد جمع کر لیا اور کہا مبارک ہو میری رسائی دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ
 وسلم میں ہو گئی ہے۔ سبحان اللہ حضرت امیر حزب اللہ کے فیوضات روحانی
 کا کیا کرشمہ ہے۔ زندگی مومنین مخلص کی حیثیت سے گزاری اور فوت ہوتے وقت
 سعادت اخروی کا طغرائے امتیاز بھی حاصل کر لیا۔ الحق یہ کہنا بجا ہے کہ
 حضور کی ذات مظہر انوار الہی ہے۔

لا الہ کو یاں دواں با شیم سوئے فضل شاہ

تا عیاں بنیم نور حق ز روئے فضل شاہ

اس قسم کے لاتعداد واقعات ہیں۔ یہ تصنیف اس قدر طوالت کی متحمل نہیں۔ لہذا
 اس تذکرہ کو ختم کر کے ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔

تربیت کی غرض سے لوگوں کو آپ کے قریب تر لانے کے موجب کئی اور
 امور بنے۔ جہاں آپ کی خوش پوشی، خوش ذوقی اور خوبصورتی دوسروں کیلئے
 باعث کشش تھی۔ وہاں آپ کی خوش اخلاقی بھی جادو کا اثر رکھتی تھی۔ آپ
 نے ہر پیر بھائی کے ساتھ ذاتی رابطہ قائم فرمایا۔ دور دراز کے رہنے والے
 لاتعداد برادران طریقت جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضور

خوش ذوقی بھی
 اور خوش اخلاقی بھی

ان کا نام لے کر مخاطب فرماتے، ان کے بال بچوں رشتہ داروں کے متعلق استفسار فرماتے۔ ان کے متعلقین کا ذکر ہوتا اور حضور ان کی پیش آمدہ ضروریات اور تکلیفات کا از خود تذکرہ فرماتے تو ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہتی اور حضور کی گرم پروری اور غریب نوازی سے سفر کی تھکاوٹ آن واحد میں دور ہو جاتی۔ انہیں یقین ہو جاتا کہ حضور ان کے ہر معاملہ کو اپنا ذاتی معاملہ تصور فرماتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ آپ کو پوری پوری ہمدردی ہے۔ سفر میں ہوتے یا حضر میں حضور اہل وقت تک آرام نہ فرماتے جب تک ایک ایک پیر بھائی کی رہائش اور خوراک کے متعلق آپ کو اطمینان بخش اطلاع نہ پہنچ جاتی۔ اس قدر گرم کستری، خبر گیری اور ہمدردی کی وجہ سے ہر پیر بھائی کو ہمیشہ آپ کی ذات والا صفات پر ناز رہا۔ اسی بنا پر پیر بھائیوں کی جرأت بڑھی اور ان کی ہمت افزائی ہوئی حضور ان کی خاطر داری کے لئے معمولی معمولی باتوں کی طرف بھی متوجہ رہتے۔ اور کبھی کبھی ان کے ساتھ خوش طبعی سے بھی پیش آتے۔ آپ کی خوش طبعی میں بھی لطف و کرم کا پہلو غالب ہوتا اور اسی لئے جن سے آپ اس قسم کی گفتگو فرماتے ان کا چہرہ فرط مسرت سے تمنا اٹھتا اور ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھتیں۔ عام طبقہ کے پیر بھائیوں سے تو آپ کو خاص طور پر انس ہے۔ ان کی سادہ اور خلوص سے بھری ہوئی باتیں آپ کو بے حد عزیز ہیں۔ آپ جہاں تشریف فرما ہوں پھٹے پرانے کپڑوں والے ان بندگان مخلص کو آپ خوش آمدید کہتے ہیں اور جب آپ ان کے درمیان موجود ہوں تو آپ کے چہرے پر بڑی تسکین ہوتی ہے پیر بھائیوں سے آپ کی محبت و شفقت کا یہ عالم ہے کہ بیماری کی شدید ترین تکلیف کے وقت بھی اس میں فرق نہ آیا۔

علاوہ بریں بے شمار پیر بھائی ایسے ہیں جن کی خوشحالی حضور کی پرورش اور

سرپرستی کی مرہون منت ہے۔ آپ نے ظاہری اور باطنی طوع پر ان کی امداد فرمائی۔ جب ان کے حالات روبرو اصلاح ہو رہے ہوتے تھے ہمیشہ آپ استفسار فرماتے رہتے۔ اور جب آپ کو یقین ہو جاتا ان کے حالات سدھر چکے ہیں تو پھر آپ عموماً خاموشی اختیار فرمائیے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

خداوندِ روزی بحق مشغول پراگندہ روزی پراگندہ دل

حضور اسی لئے کوشاں رہتے تھے کہ پیر بھائی فکر معیشت سے بے نیاز ہو جائیں۔ تاکہ پھر وہ نسبتاً سکون خاطر سے عبادت الہی جاری رکھ سکیں۔ حشری بزرگوں میں یہ طریقہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا۔ آپ نے فرمایا تھا ہمارا معتقد مفلس نہیں ہوگا۔ اس مبارک طریقہ پر محبوب سبحانی حضرت اعلیٰ خواجہ غلام حیدر علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے خاص طور پر عمل فرمایا اور حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی نے ان شاندار روایات کو بڑی عمدگی اور خوبی کے ساتھ جاری رکھا۔ وسیع پیمانے پر حضور کی فیاضی کی غرض و غایت بھی دراصل یہی تھی۔ اسی لئے حضور کی ذات میں و سعادت کا موجب بنی اور صوفی خضر حیات بجا طور پر کہتے ہیں کہ جس موضع میں آپ کا مقام ہوتا تھا چمتوں کی بارش ہونے لگتی جسے صالح لوگ اپنی آنکھوں سے آسمان پر سے اترتے دیکھتے۔ وہ موضع زرخیز سرسبز اور آباد ہو جاتا اور وہاں کے لوگ فارغ البال ہو جاتے۔

تربیت کے سلسلہ میں جہاں حضور یہ چاہتے تھے کہ ہر ایک جامِ اُنس سے سرشار ہو اور اپنی اپنی استعداد اور افتاد طبع کے مطابق دنیا میں ترقی کی منازل طے کر رہا ہو۔ وہاں آپ اس بات کے بھی خواہشمند تھے کہ وہ امور سست

دین باسیاست

سے اس قدر ضرور باخبر ہو کہ اس کے ملی مفاد کو نقصان نہ پہنچے بلکہ ضرورت
 زمانہ کے مطابق وہ ایسا طریق کار اختیار کرے جس سے اجتماعی طور پر ملت
 کو عظمت اور قوت حاصل ہو۔ حضور نے خود ساری زندگی اسی طرح بسر فرمائی
 جس زمانے میں دوسرے سارے لوگ قومی اور ملی مسائل سے قطعاً بے خبر
 تھے۔ آپ نے اس زمانے میں بھی اتہا درجہ کی باخبری اور موقع شناسی کا
 اظہار فرمایا۔ اور ایسے اقدامات کئے جن سے مسلمان نہ صرف زمانے کے خطرات
 سے محفوظ ہو گئے بلکہ ان کی اجتماعی حیثیت کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ جو
 قوم دنیا میں سیاسی لحاظ سے کمزور ہوتی ہے وہ اپنی تہذیب اور اپنے
 تمدن سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے اور انجام کار صفحہ ہستی سے نابود ہو جاتی ہے
 حضور اس راز کو خوب سمجھتے ہیں اور اسی لئے بچنے ہی سے آپ ساعی اور
 کوشاں رہے ہیں۔ کہ ملت اسلامیہ سیاسی لحاظ سے بڑی مضبوط ہو فقر و
 تصوف کی دنیا میں یہ بات بالکل انوکھی تھی۔ عام اذہان کے لئے اہل فقر کا یہ
 طریق کار بڑا تعجب انگیز تھا۔ ان کے نزدیک فقر اور کی سنت محض گوشہ نشینی
 ہے۔ حالانکہ

نہ فقر کے لئے موزوں سلطنت کیلئے وہ قوم جس نے گنواؤں متاع تیموری
 متاع تیموری ہی حقیقت میں سلطنت، فقر، تہذیب و تمدن اور دین مذہب
 کی محافظ ہوتی ہے۔ اسی لئے حضور نے جذبہ جہاد اور سیاسی قوت کو ملت اسلامیہ
 کے لئے از بس ضروری قرار دیا۔ آپ نے ہمیشہ تفرقہ بازی اور انتشار سے پرہیز
 فرمایا اور مسلمانوں کو :

”ایک بنو اور نیک بنو“

کی تعلیم دی۔ یہ پانچ الفاظ حضور کی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔ آپ نے اپنی خاندانی

زندگی میں اتحاد قائم رکھا۔ پیر بھائیوں کو متحد رہنے کا سبق دیا اور دوسرے تمام اسلامی فرقوں کو دعوت اتحاد دی۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں اور تقسیم ملک کے موقع پر جو فسادات ہوئے انہوں نے اس بات کی تائید کر دی کہ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان امتیاز روا نہیں رکھتیں۔ بلکہ ان تمام کو کلمہ گو ہونے کی بنا پر کشتنی اور گردن زدنی قرار دیتی ہیں۔ اس حقیقت ثابتہ کے زیر نظر حضرت امیر حزب اللہ نے کلمہ طیبہ کی بنیاد پر تمام مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی تاکہ سب کلمہ گو یک مشت ہو کر ایک عظیم طاقت بن جائیں اور اپنی ملت اور تہذیب و ثقافت کو محفوظ کر لیں۔ انہی بصیرت افروز خیالات اور عقائد کو اپنے اپنے متبعین کے دلوں میں راسخ و استوار کر دیا۔ چنانچہ جب پاکستان کے لئے جدوجہد کا موقع آیا تو حضور کی آواز پر تمام نے لبیک کہی اور فرقہ وارانہ تنگ نظری سے بالاتر ہو کر تمام متفق اور متحد ہو گئے۔

تخلیق پاکستان میں حضور کا کردار بڑی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ بعض رہنماؤں نے قوم پاکستان یعنی مسلمانوں کے لئے آزاد مملکت کے نظریے پر بتدریج پہنچے۔ پہلے ان کے خیالات کچھ اور تھے، بعد میں کچھ اور ہوئے۔ اور پھر انجام کار انہوں نے یہ نظریہ اپنایا۔ سیاسی لحاظ سے جب انہیں پے درپے ٹھوکریں کھانی پڑیں تو بالآخر انہوں نے مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کا تصور قائم کیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ جب پاکستان کے لئے جدوجہد ہو رہی تھی تو وہ اس میں شامل ہوئے اور نہ ہی اس نظریے کے قائل ہوئے۔ البتہ جب پاکستان دنیا کے نقشے پر جلوہ گر ہو گیا تو انہوں نے اسے ایک پائیدار حقیقت سمجھ کر اس کے استحکام کے متعلق اپنے اپنے خیال کے مطابق کوشش شروع کر دی۔ پاکستان کی حمایت کرنے والے اس قسم کے تمام رہنما اور اکابر کے مقابلہ میں حضرت امیر حزب اللہ

عربی پاکستان
میں ایک اور

کی حیثیت بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ حضور نے شروع ہی سے مسلمانوں کو مکمل آزادی کا پیغام دیا۔ ۱۹۲۷ء میں جب آپ نے اصلاح قوم، اتحاد بین المسلمین اور اسلام کے تحفظ و بقا کی خاطر جماعتِ حزب اللہ قائم کی تو اس وقت یہ مقصد واضح طور پر آپ کے ذہن میں موجود تھا۔ حزب اللہ کے ”رسالہ کلال“ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں :

”کیا مسلمانوں نے ہندوستان میں نہیں رہنا، کیا انہیں اس دنیا کی سکونت چھوڑ کر مریخ میں اپنی نوآبادی بنانی ہے اور کیا وہ ایک غلامی سے نکل کر دوسرے کی غلامی اختیار کرنا چاہتے ہیں؟“

صاف ظاہر ہے حضور مسلمانوں کو متحد کر کے بزور بازو اسی برصغیر ہند میں ان کے لئے ایک آزاد وطن حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسی رسالہ میں آگے چل کر آپ فرماتے ہیں :

”حزب اللہ میں شامل ہو کر تمام مخالف قوتوں اور طاقتوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ تمام طاغوتی لشکر اور اہر منی عساکر، الہی جمیوش اور خدائی قوت کے مقابلہ میں ہتھیار ڈال دیں گے۔ اس کشمکش اور تصادم و تقابل کا آخری نتیجہ وہی نکلے گا جو ہمیشہ نکلا کرتا ہے :-“

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ
کوئی غم اور فکر نہ کرو کیسی تشویش کو دل میں نہ آنے دو۔ کوئی گھبراہٹ اور سراسیمگی تمہارے پاس پھٹکنے نہ پائے۔ کیونکہ تم غالب ہو دوسرے مغلوب، ماتم فاتح ہو دوسرے مفتوح اور تم آقا ہو اور دوسرے غلام! بشرطیکہ تمہارے دلوں میں ایمان کی نعمت موجود ہو، ایمان کی لذت موجود ہو اور ایمان کی حلاوت موجود ہو۔“

اس اقتباس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ دوسری اقوام سے مسلمانوں کے تصادم و تقابل کا نتیجہ آپ کی نگاہوں کے سامنے عیناً تھا۔ آپ مسلمانوں کو غالب، فاتح اور آقا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے انہی ایام میں بتا دیا تھا کہ دست قدرت نے پردہ غیب سے نکل کر اشارہ کر دیا ہے۔ منزل مقصود کا رستہ بتا دیا ہے اور عمل لیلے کی طرف رہنمائی کر دی ہے :

”میری آنکھوں نے ایک ایسا دلخوش کن نظارہ دیکھ لیا ہے جو آپ کے تخیل میں بھی نہیں آسکتا۔ میرے کانوں نے ایسے نعمہ ہائے دلکش سن لئے ہیں جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ اور میرا دل ان بھوت انگیز و نشاط خیز کیفیات و تاثرات سے ہلکا ہو چکا ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

حضور نے ۱۹۲۶ء میں ہی اس آزاد مملکت کا دلخوش کن نظارہ دیکھ لیا تھا جو بعد میں پاکستان کے نام سے موسوم ہوئی یہی وجہ ہے کہ جب پاکستان کے حصول کے لئے مسلمانان ہند نے کوشش کی تو آپ کسی ذہنی الجھن میں مبتلا نہ ہوئے بلکہ آپ نے یہی سمجھا کہ ہم اس رستے پر منزل مقصود کی طرف برابر آگے بڑھ رہے ہیں جس پر دست قدرت نے پردہ غیب سے نکل کر شروع ہی سے آپ کو ڈال دیا تھا۔ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ اب ہمسفروں کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اور رفتار پہلے کی نسبت بہت تیز ہو گئی تھی۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں الجھن میں یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں
ان حقائق کو سامنے رکھ کر آپ حضرت امیر حزب اللہ کے مقام بلند کا اندازہ لگائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب پاکستان قائم ہوا تو آپ نے اسے اپنے ”رویائے صادقہ کی صحیح تعبیر“ قرار دیا۔ اس ضمن میں آپ اس اقتباس

کا ایک دفعہ پھر مطالعہ کریں جو ہم نے کتاب ہذا میں استحکام پاکستان کا عنوان قائم کر کے درج کیا ہے۔ ان تمام دلائل و براہین کے زیر نظر ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ آپ مامور من اللہ ہو کر دوروں کی تمام کٹھن اور جانکاہ منزل طے کرتے رہے۔ حضور کی سیرت و شخصیت اور کارناموں کے متعلق ہم نے اب تک جو کچھ کہا ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جائے کہ ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دل و دماغ کی کونسی صلاحیتیں درکار ہوں گی۔ ذمہ داری کا احساس کس درجہ کا ہو گا۔ کس قدر جذبہ ہمدردی، وسعت قلبی، فراخ حوصلگی، اولوالعزمی، عالی ہمتی، مستقل مزاجی اور ثابت قدمی ہوگی جس سے کام لے کر حضور اپنے تمام فرائض کو انجام دیتے رہے اور اس ذہانت و فطانت، نکتہ رسی، زمانہ شناسی، حقیقت نگری، وقت نظری اور غور و فکر کا کیا عالم ہو گا جسے استعمال میں لا کر حضور زندگی وہ راہیں متعین کرتے رہے جن پر چل کر مسلمانوں نے دینی اور دنیاوی مقاصد عالیہ حاصل کئے۔ آپ کے مقاصد اس قسم کے تھے کہ ان کے حصول کے لئے عمر بھر آپ کو اپنے معمول کی سختی سے پابندی کرنی پڑی، آپ کی پابندی اوقات کو دیکھ آپ کی خدمت میں رہنے والے لوگ حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔

دوسرے رہبران قوم حصول پاکستان کے بعد اپنی منزل مقصود پہنچ گئے لیکن حضور کے لئے ابھی یہ پہلا قدم تھا۔ حضور کا منتہا مقصود "قیام حکومت الہیہ" تھا۔ اس لئے آپ کو تو عمر بھر تک دو اور جدوجہد میں مصروف رہنا پڑا۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ زندگی میں آپ کی مصروفیتوں کا کیا عالم رہا صرف نگر شریف کے انتظامات ایک پوری سٹیٹ سلطنت کی ذمہ داریوں کے مرادف تھے۔ لیکن آپ نے ان کے ساتھ اصلاح ملت، احیائے اسلام

حصولِ وطن ملی اور قیامِ حکومتِ الہیہ کے مقاصدِ مہتمہ بھی شامل کر لئے جن میں سے ہر مقصد دل و دماغ کو شب و روز مصروف رکھنے کے لئے کافی تھا۔ نامور فاتحین اور مشہور عالم بادشاہوں کی مصروفیتوں کو ان کے مقابل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا شب و روز انہماک حضور کی صدرنگ شخصیت کا صرف ایک آدھ پہلو تھا۔ اس سلسلہ میں ہماری نگاہیں انجام کارِ اسوۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ ہائے رنگارنگ کو دیکھ کر خیرہ ہو جاتی ہیں کیونکہ حضرت امیرِ حزب اللہ نے اپنی شخصیت میں جو بوقلمونی پیدا کی وہ مشکوٰۃ نبوت کا ایک پرتو تھا۔ لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۃ حسنہ میں جو جامعیت ہے اس کو اپنے لئے نمونہ قرار دینا ہر کہ و مہ کا کام نہیں۔ حد درجہ کے عالی ظرف اور بلند ہمت لوگ یہ ارادہ اپنے دلوں میں پیدا کر سکتے ہیں :

برکفے جامِ شریعت برکفے سندانِ عشق ہر بوسنکے نداند جام و سندانِ بلخاقن

انہی بے نظیر مقاصد کا نتیجہ تھا کہ ان کی خاطر حضرت امیرِ حزب اللہ کو آرام اور سکون ترک کرنے کے علاوہ اپنی صحت اور توانائی کی قربانی بھی دینی پڑی۔

یہ موقع ہے کہ قائدِ تحریک کی حیثیت سے بھی حضور کی صفاتِ کاملہ پر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے۔ کسی تحریک کا جاری کرنا، اس میں زندگی کی حرکت اور قوت کا برقرار رکھنا اور ان مقاصد کا حاصل کرنا جن کی خاطر اسے جاری کیا گیا تھا۔ کوئی آسان کام نہیں۔ بعض قائدین فرضی یا حقیقی خطرات بیان کر کے اپنی تحریکوں میں جان ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض انہیں نیم عسکری صورت دے کر ان میں زندگی اور حرکت پیدا کرتے ہیں۔ حضور نے جب اپنی تحریک شروع کی تو ملتِ استقامت چاروں طرف سے خطرات میں گھری ہوئی تھی۔ مسلمان سبھے ہوئے تھے۔ حزب اللہ کی تحریک ان کے لئے شجر سایہ گستر ثابت ہوئی جس کے سائے تلے انہیں اطمینان

قائدِ تحریک

اور سکون نصیب ہو۔ انہوں نے سمجھا اس سے منسلک پیوستہ رہنے میں ہی عاقبت ہے۔ اس احساس نے اس تحریک کو اتفاق و اتحاد اور ربط و نظم عطا کیا جو قوت اور طاقت کا سرچشمہ تھا یعنی حضور نے اس وقت تحریک شروع کی جب اس کی ضرورت ہر طرف محسوس کی جا رہی تھی۔ اور حضور کے دوروں، سالانہ اجتماعات، رضا کاروں کے جلس، حضور کی اپنی شخصیت اور جلالپور شریف کی مرکزیت نے اسے فعال تحریک بنا دیا۔ یہ سب کچھ تھا۔ لیکن مشکل اس وقت آن پڑتی ہے جب تحریک میں حرکت و عمل قائم رکھ کر اسے اپنے دشمنوں سے بھی محفوظ رکھنے کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی خاکسار اعظم نے خاکسار تحریک بڑی کامیابی سے چلائی اور دیکھتے دیکھتے یہ عظیم تحریک تمام ہندوستان میں پھیل گئی۔ لیکن انگریزوں نے جب اسے ختم کرنا چاہا تو علامہ موصوف نے لاشعوری طور پر ایسا طریق کار اختیار کیا جو انگریزوں کی خواہشات کو پورا کرنے کا موجب بنا اور اس طرح یہ نہایت ہی مفید تحریک ختم ہو گئی۔ ہندو، سکھ، انگریز اور بعض کچ فہم اور کوتاہ اندیش مسلمان تحریک حزب اللہ کے مخالف تھے۔ لیکن حضور نے اس طرح تدبیر، زمانہ شناسی اور معاملہ فہمی سے کام لیا کہ ہر ایک کے معاندانہ جذبات و خیالات کے باوجود یہ مبارک تحریک اپنی پوری قوت کے ساتھ رواں دواں رہی۔ جس طرح بیس و انتوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی زبان خوب تیزی اور طراری دکھاتی ہوتی ہے۔ اسی طرح مختلف اعداء کی مخالفت کے باوجود تحریک حزب اللہ خوب جولانی دکھاتی رہی۔ کوئی خطرہ اس کے لئے سدراہ ثابت نہ ہو سکا۔ اور بالآخر اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو گئی۔

ہم نے اس پر صغیر میں مسٹر گاندھی کو اپنی سیاسی تحریک چلاتے ہوئے

دیکھا ہے۔ وہ ایسے حالات پیدا کر دیتے تھے کہ ملک میں امن بھی ہوتا تھا اور یہ بھی نظر آتا تھا کہ فساد و باکی طرح پھیلا ہوا ہے۔ پُر امن فساد کی یہ حالت حکومت کے لئے سخت پریشانی کا باعث بنی رہتی تھی۔ جو اہر لعل نہرو انہی کے نقش قدم پر چلے اور بھارت کی آزادی کے بعد اپنی خارجہ پالیسی کی بنیاد پر امن فساد کی انہی شاطرانہ چالوں پر رکھی۔ چنانچہ چین کے ساتھ جنگ نہ ہونے کے باوجود اس نے جنگ کی فضا پیدا کر دی اور بیک وقت امریکہ، برطانیہ اور روس کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ لیکن خالص سیاسی نقطہ نگاہ سے بھی اس طریق کار میں واضح اور خطرناک قسم کی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو اس قسم کے طریق کار سے اہل عالم کو زیادہ دیر تک دھوکے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ دوسرے ممکن نہیں کہ کبھی بھی مکر و فریب سے کام لے کر دنیا میں امن و سکون قائم کیا جاسکے۔ اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہے۔ یہ انسانوں کو عصبانی کیفیت کا شکار بنانے کی کبھی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے مومن مخلص کی حیثیت سے حضرت امیر حزب اللہ نے گاندھی کی وسیسہ کاری کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اپنی تحریک کو راست روی اور راست گوئی، عدل و انصاف اور حق گوئی اور حق رسی کے سان ستھرے اصولوں پر چلایا۔ آپ صرف ایک سیاسی رہنما نہیں تھے۔ بلکہ آپ معلم اخلاق تھے، دینی اور روحانی پیشوا تھے۔ آپ ایسے پاکیزہ اصولوں کے علمبردار تھے جو انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنا دیتے ہیں اس لئے سیاست میں ذخیل کار ہونے کے باوجود آپ نے اپنے پاکیزہ اصول بڑے خلوص دل سے اپنائے اور پابندی سے ان پر عمل کیا۔ بالخصوص موجودہ دنیا میں صاف ستھرا طریق کار بے حد صبر آزما اور سخت جہاں فرسا ہوتا ہے مگر راہ حق پر چلنے کی صورت میں جو مشکلات پیش آتی ہیں محمد عربی کے غلام

کچھ دیر تک
کے متعلق

ان پر غلبہ پانا جانتے ہیں۔

لیکن ان تمام مشکلات کے سامنے سینہ سپری اور نقد جاں کی یہ قربانی کسی دنیاوی غرض کے لئے نہیں تھی۔ کسی ذاتی مقصد کو سامنے رکھ کر حضور نے ساری زندگی اس دماغ سوزی، کاوسی اور سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ آپ کو طلب جاہ تھی نہ خواہش مال و زر، نامود و نمائش کی ضرورت تھی نہ داد و تحسین کی تمنا۔ ناظرین کرام نے ان صفحات میں اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ حضور نے اتہا درجہ کی بے غرضی اور بے نفسی سے تمام فرائض سرانجام دیئے۔ للہیت کا جذبہ بیاب تھا جس نے عمر بھر آپ کو مضطرب رکھا۔ کم نظر لوگ معترض ہوتے ہیں مگر حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے بعد انہیں ناوم ہونا پڑا۔ حضور کو صرف رضائے الہی و رکار تھی۔ رسول اکرم کی رضا مندی مطلوب تھی۔ صرف اسی مقصد کے لئے آپ نے مخلوق خدا کی خدمت کی اور امت محمدیہ علیہ افضل التیمہ والسلام کی بہبودی کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ بے غرضی اور بے نفسی کا یہ بلند معیار بالخصوص پاکستان میں نہیں خال خال دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ اقوام اور مل کی قسمت اسی سے وابستہ ہے۔ اس درجہ کی بے غرض خدمتگذاری کے بغیر کوئی قوم دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس لئے یہ معیار قائم کر کے حضور نے پاکستان میں ایک نہایت ہی عمدہ مثال قائم کی ہے۔

حضور کی طبیعت میں جو استغناء ہے اس سے ہر وہ شخص متاثر ہوتا ہے جسے آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع مل جائے یا جو اپنی آنکھوں سے آپ کی فیاضی اور کرم گہتری کو دیکھ لے۔ غریب نوازی کے جو طریقے آپ نے شروع میں اختیار فرمائے تھے رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا چلا گیا علاوہ بریں بعض ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے جنہوں نے حضور کی بے نفسی

اور بے غرضی کا سکہ دلوں میں بٹھا دیا۔ ذیل میں ہم اس قسم کے چند ایک واقعات درج کرتے ہیں۔

غلام محمد کھار عرف گلا سکند ڈھوک نواں لوک نزد منڈی بہاوالدین چھ سو روپے نقد چند بھیڑیں، ایک بہترین نسل کا دنبہ اور چند گدھے لایا اور تمام چیزیں حضور کی نظر کر دیں۔ یہ سب کچھ اس نے بسااں کے اڈے پر مزدوری کر کے کھایا تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا یہ نذر قبول ہے۔ لیکن ہم بطیب خاطر لنگر شریف کی طرف سے یہ تمام چیزیں تمہارے اہل و عیال کو دیتے ہیں۔ اس نے عرض کی قبلہ رات کے لئے یہ رقم قاضی غلام فرید صاحب کے پاس بطور امانت رکھنے کی اجازت دیں۔ حضور نے فرمایا۔ بہتر۔ غلام محمد بھیڑیں اور دنبہ لنگر شریف کے بیلے میں چھوڑ آیا۔ گدھے لنگر شریف کی حویلی میں باندھ دیئے اور خود راتوں رات بھاگ گیا۔ حضور کو جب علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ یہ تمام چیزیں امانت ہیں انہیں پہنچایا جائے۔ لنگر شریف کے گڈریے نے عرض کی۔ دنبہ اعلیٰ نسل کا ہے یہ رکھ لیا جائے۔ اور اس کی جگہ دوسرا دنبہ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ شوق ہے تو اس قسم کے دنبے پر جس قدر قیمت خرچ ہو خود لے لو۔ مگر یہ امانت ہے۔ اسے ضرور واپس کریں گے۔ اگلے روز میاں کرم دین سکندہ بار موسے اور ایک درویش کے ذریعے یہ تمام چیزیں غلام محمد کے پاس نواں لوک بھجوا دیں۔ لوگوں نے جب اپنی آنکھوں سے اتنی مالیت کی چیزیں واپس ہوتے دیکھیں تو حیران رہ گئے۔ جو سنتا تھا بھاگا بھاگا آتا تھا اور بڑے استعجاب سے درویشوں کی زیارت کرتا تھا۔ تمام کہتے تھے۔ عام پیر تو مریدوں کی چمڑی بھی اتار لیا کرتے ہیں۔ یہ عجیب بزرگ ہیں کہ اتنی نقدی اور اتنی قیمتی چیزیں واپس کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کی بے غرضی اور بے نفسی کو دیکھ کر تمام اہل دیہہ نے حضور کی بیعت کر لی۔

اسی طرح بڈھا خان گوجر ساکن جاتریا کلاں متصل لالہ موسے اپنے گھر کا تمام اثاثہ لے آیا۔ اور بیوی بچے تک حضور کی نذر کر دیئے۔ آپ نے بڑا سمجھایا۔ سب کچھ لے جاؤ اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کرو۔ مگر وہ نہ مانا۔ آخر کار آپ نے فرمایا۔ اب یہ چیزیں ہماری ہیں۔ ہم جس طرح چاہیں مصرف میں لائیں تم معترض نہیں ہو سکتے۔ بڈھا خاں نے عرض کیا۔ قبلہ اب میرا کیا اختیار ہے۔ حضور نے وہ سارا اثاثہ اس کے بچوں کو عنایت فرما دیا۔ ایک بار چیلپا نوالے کے مریدان باصفانے اپنی جائداد کا قبلاہ لکھ کر حضور کی نذر کیا۔ مگر آپ نے واپس فرما دیا۔ ۱۹۵۶ء میں صوفی طفیل احمد فائق نے بمقام کلیہ ضلع جھنگ اپنی تمام نقدی جو تین چار ہزار روپے پر مشتمل تھی حضور کی خدمت میں پیش کی۔ حضور نے ان کی تسلی کے لئے قبول فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا۔ اپنے پاس رکھو یہ ہم آپ کو دیتے ہیں۔ اسی رقم سے حضور نے صوفی صاحب کوچ بیت اللہ کے لئے بھیجا۔ حالانکہ وہ بار بار عرض کرتے رہے قبلہ میرے لئے حضور کی قدمبوسی حج بیت اللہ سے کم نہیں ۱۹۶۱ء کا ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ آپ ۳۲ بی گلبرگ سے ایک مرید گھرانے کے پر زور اصرار پر شیخوپورہ تشریف لے گئے۔ حضور کے چھوٹے صاحبزادے قبلہ طارق احمد صاحب طال اللہ عمرہ وزاد مجدہ و شرفہ بھی ساتھ تھے۔ واپسی پر ان لوگوں نے خاموشی سے سونے کا ایک ہار صاحبزادہ صاحب کے گلے میں ڈال دیا۔ حضور اگلی سیدٹ پر تشریف فرما تھے۔ لاہور جا کر معلوم ہوا تو حضور نے ہار واپس کر دیا۔

ایشاد و فدویت کے اس قسم کے بیسیوں اور واقعات ہیں۔ پیر بھائیوں نے فرط محبت اور عقیدت سے سب کچھ حضور کی ذات پر نثار کر دینا چاہا۔ مگر آپ نے کمال لطف و کرم اس کی اجازت نہ دی۔ آپ سر تا پا لطف و کرم تھے۔ آپ نے

کبھی بھی اپنی ذات کے لئے کسی نیاز مند کو آزمائش اور تکلیف میں مبتلا نہ کیا۔
 حالانکہ ہر نیاز مند پروانہ... وار آپ کی ذات پر شمار ہو جانا چاہتا تھا۔ اس نیلے
 آسمان کے نیچے ہر زمانے میں بے شمار پروانے دیکھنے میں آئے مگر آپ کے پروانوں
 کی شان بالکل زراعی ہے۔ حضور کی پاکیزہ شخصیت کا یہ اثر ہے کہ آپ کے نیاز مند
 آپ کی زیارت کرتے ہیں تو مست ہو جاتے ہیں اور مستی کے عالم میں چاہتے ہیں
 کہ فریش راہ بن جائیں اور آنکھوں سے حضور کے تلووں کا بوسہ لیں۔

آرزو دارم کہ خاکِ آں قدم طوطیائے چشم سازم دمبدم
 تاریخ شاہد ہے کہ عقیدت و محبت کے اس قسم کے جذبات کو لوگوں نے اکثر و بیشتر
 اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے استعمال کیا ہے۔ مگر ان جذبات کے بدلے حضور
 نے اپنے نیاز مندوں کو نور ایمان عطا فرمایا۔ دین و دنیا کی سر بلندی اور سر خروئی
 عطا فرمائی۔ دنیاوی خوشحالی سے مالا مال کیا۔ وہ انگریز کے غلام تھے۔ انہیں اللہ کا
 غلام بنایا۔ وہ دولت آزادی سے محروم تھے۔ انہیں آزادی سے ہمکنار کیا۔ الغرض
 لوگوں کے پاکیزہ احساسات اور جذبات کو وسیع تر معنوں میں آپ نے صرف
 قومی اور ملی بہبود کے لئے استعمال فرمایا اور جہاں تک حضور کی اپنی ذات کا تعلق
 ہے آپ ہمیشہ تحریر و تقریر کے ذریعے اور علی طور پر ارشاد فرماتے رہے۔

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

میں اپنی تمام محنت کا اجر صرف اللہ کی ذات پر چھوڑتا ہوں۔ بے نفسی اور بے غرضی
 کی اس سے بہتر مثال آپ کو اور کہاں ملے گی؟ ایک کریم ہے جس کی روح صرف
 اعمالِ سخا و کرم سے غذا حاصل کرتی ہے۔ اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ ایک
 جفاکش اور جواں بہت بطل جیل ہے جس کی آنکھیں صرف اس منظر سے خوش ہوتی
 ہیں کہ اس کی قوم مطمئن ہے۔ خوشحال ہے اور فارغ البال ہے۔ ایک مرد فقیر ہے

مَا اسْتَأْذَنُكُمْ
 مِنْ رَجْوٍ

جو اپنے ارد گرد ایک جم غفیر کو اس لئے جمع کر رہا ہے کہ مل کر رب العزت کا دامنِ جلال مضبوطی سے تھام لیں۔ کیونکہ انسان کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں۔

سبحان اللہ اس سیرت والے بزرگ کہاں ملتے ہیں !!!

حضور کی سیرت و شخصیت کے متعلق بہت کچھ کہا جاسکتا تھا۔ مگر ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔ دراصل اس تصنیف کا ایک لفظ حضور کی سیرت و شخصیت کی آئینہ داری کر رہا ہے۔ آؤ اب ہم آپ کے فلسفہ حیات پر طائرانہ نگاہ ڈال لیں۔ کیونکہ یہی عامل بحث ہے۔

حضور کا فلسفہ حیات سر تا پا حرکت ہے۔ آپ عمل کے دائمی ہیں۔ جدوجہد ^{ایمیر حزب اللہ کا} اور گرم جوشی آپ کے نزدیک زندگی کا اصل راز ہے۔ ہر وہ چیز زندہ ہے جس میں ^{فلسفہ زندگی} حرکت موجود ہے۔ جو ہر دم روال دوال ہے۔ جس کا خون گرم ہر آن بدن میں ایک برقی کیفیت پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور جو چیز نئے سے نئے کارنامے انجام دینے کے لئے ہر وقت بے تاب اور مضطرب رہتی ہے۔ آپ نے اسی لئے روح جہاد زندہ کی اور مسلمانوں کو سر بکف رہنا سکھایا۔ آپ کے خیال کے مطابق مسلمان زوال کا شکار محض اس لئے ہو گئے تھے کہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے یک لخت ٹھہر گئے۔ انہوں نے سستانا چاہا۔ دوسری قومیں آگے نکل گئیں۔ سکون اور جمود ان کی قومی اور ملی زندگی کے لئے پیغام مرگ ثابت ہوا۔ اور اب جب وہ پھر جاوہ پیمائے منزل ہو چکے ہیں ان کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے لگا ہے۔ اور ان کی زندگی کے آثار از سر نو نمایاں ہو چکے ہیں۔ دوسری قوموں کی رفتار ترقی کے زیر نظر اب مسلمانوں کو اس قدر گرم رفتاری کی ضرورت ہے کہ وہ دنوں کی مسافت منٹوں میں طے کریں۔ حضرت امیر حزب اللہ ^{ست} جہانتے ہیں کہ حرکت قومی زندگی کے ہر پہلو میں پیدا ہونی ضروری ہے۔ ہماری سیاست جمود سے پاک ہو۔ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی حرکت کرے۔ اور اقصائے عالم

پہ چھا جائے۔ اقتصادی لحاظ سے ملک کو خوشحال بنانے کے لئے نئے سے نئے منصوبے تیار کئے جائیں اور ان پر بڑی تیز رفتاری سے عمل کیا جائے۔ علمی لحاظ سے ہمارے نوجوان اس بلند ہمتی کے ساتھ تحصیل کمال کریں کہ جس طرح پہلے فضلاء عالم ہمارے آباؤ اجداد کے خوشہ چینیوں میں سے تھے۔ اب ان کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ جدید علوم میں اب ہمارے نوجوانوں کو سبقت حاصل کرنی چاہئے۔ ہمارے زوال کا باعث علمی لحاظ سے ہمارا جمود بھی تھا۔ ہم نے سمجھا جہاں تک ہمارے آباؤ اجداد کا ذہن رسا پہنچا ہے اس سے آگے بڑھنا محال ہے حالانکہ علم کا مطلب ہے آیات اللہ سے آگاہ ہونا۔ اور آیات اللہ کی انتہا نہیں۔ اس لئے علمی ترقی کی بھی انتہا نہیں۔ اس میدان میں بھی ہر لمحہ آگے بڑھنے کی لگن چاہئے۔ اسی طرح ہماری اخلاقی زندگی پر بھی زوال کی گرد پڑی ہوئی ہے۔ اسے اتار پھینکنا چاہئے۔ انسان جب سستانے کے لئے لیٹ جاتا ہے تو ہوا ادا اور اُدھر کی گرد لاکر اس کے وجود پر ڈال دیتی ہے اور جب وہ اٹھ کر پھر سرگرم سفر ہوتا ہے تو اس گرد کو ایک جنبش سے اتار پھینکتا ہے اس لئے جس طور طریقے کے ساتھ ہم زوال کے ایام میں اپنی حیات مستعار بسر کر رہے تھے۔ اسے یکسر ترک کر دینا چاہئے۔ ترقی پذیر اقوام باہمت ہوتی ہیں، دیانتدار اور مخلص ہوتی ہیں۔ ایثار و قربانی ان کا پیشہ ہوتا ہے وہ ہر کام میں قومی اور ملی بہبود کو ترجیح دیتی ہیں اور بڑی بے نفسی اور بے غرضی سے اپنے فرائض کو انجام دینے میں مصروف رہتی ہیں۔ حضرت امیر حزب اللہ چاہتے ہیں کہ اخلاقی لحاظ سے بھی ہماری صفات ترقی پذیر اقوام کی طرح ہوں۔ قرون اولیٰ کے مسلمان اپنی اخلاقی زندگی پر سے ایام جاہلیت کی گرد ہٹا کر آگے بڑھے تھے۔ اب ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہیے۔ حرکت کی روح سے معمور فلسفہ حیات لازمی قرار دیتا ہے کہ ملک کی بری، بحری اور فضائی

طاقت مضبوط ہو، اس کی صنعت و حرفت اور تجارت کو پوری طرح فروغ حاصل ہو اور اس میں علوم و فنون درجہ کمال تک پہنچے ہوئے ہوں۔ حیاتِ قومی کے لئے حضرت امیر حزب اللہ کے تمام نظریات کا یہ نچوڑ ہے۔

لیکن ہر قوم و وسیع انسانی برادری کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ اس لئے حضور اپنا فلسفہ حیات اس بلند مقام پر بیٹھ کر بیان فرماتے ہیں جہاں سے تمام انسانیت کبریٰ آپ کی نگاہوں کے سامنے موجود ہوتی ہے۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس میں تمام نوع انسانی کی بہبودی مضمون ہوتی ہے۔ آپ انسان انسان میں امتیاز کے روادار نہیں۔ آپ اولادِ آدم میں رنگ، نسل، قوم، زبان، پیشے یا دولت کی بنا پر تفریق و تمیز کے قائل نہیں۔ آپ عالمگیر اخوتِ عربیت اور مساوات کے علمبردار ہیں۔ آپ مذہب کو بھی اس عینک سے نہیں دیکھتے جس سے اسلام ایک مخصوص فرقہ کی دولت نظر آئے اور اس کی وجہ سے دنیا کے متعصب اور تنگ نظر فرقوں میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے۔

اس لئے ۱۹۴۳ء میں اپنے خطبہ صدارت میں آپ نے ارشاد فرمایا :

”اوسب مل کر اسلام کے جھنڈے کو سب جھنڈوں سے اونچا کریں۔ خدائی احکام کو دنیاوی احکام سے مقدم بنائیں۔ شہنشاہِ ارض و سما کی حکومت دنیا میں قائم کریں۔ اور اسلامی راج کی نہیں خدائی راج کی بنیاد ڈالیں۔“

یہ بھی دراصل حضور کے حرکی فلسفہ حیات کا اثر تھا۔ کوئی جامد نظریہ زندگی اپنے اندر اس قدر وسعت نہیں رکھتا اور نہ ہی نوع انسانی کے تمام طبقوں اور گروہوں کو مساویانہ حیثیت دینے کی کوشش کرتا ہے۔

سہیہاں اسلامی راج یعنی مسلم راج استعمال ہوا ہے۔

ہم نے کہا ہے کہ حضور کا فلسفہ حیات سر تا پا حرکتی ہے۔ اس مرحلے پر ایک بنیادی حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ ہر پہلیہ اس سلاح کے ارد گرد گھومتا ہے جو اس کے وسط میں موجود ہوتی ہے۔ وہ سلاح نہ رہے تو اس کا گھومنا ختم ہو جائے۔ اسی ایک سلاح پر اس کی تمام جولانی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ ہماری حیات ملی کا چکر بھی ایک سلاح کے ارد گرد حرکت میں مصروف رہتا ہے۔ وہ سلاح اس کے وسط حقیقتی میں موجود رہے گی تو اس کی حرکت بڑی تیزی سے جاری رہے گی۔ اس سے ہماری مراد توحید و رسالت ہے ہی ہماری زندگی کا محور ہے۔ یہ قائم رہے تو ہماری زندگی رواں دواں رہتی ہے۔ اس کے بغیر ہماری زندگی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے یہ محور جس قدر مضبوط ہوگا ہماری زندگی اتنی ہی مستحکم رہیگی۔ اسے مضبوط رکھنے کے لئے ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے جس کی دلائل و براہین ایسی ہیں کہ ان کے مقابلے میں کوئی اور دلیل نہیں ٹھہر سکتی۔ انسانی علم جس قدر ترقی کرنا چلا جائے گا۔ وہ قرآنی علم کے سامنے ناقص رہے گا۔ کیونکہ یہ اس ذات بے ہمتا کا کلام ہے جس کے سامنے ماضی اور مستقبل دونوں کھلی ہوئی کتاب کی مانند موجود ہیں اس کی اپنی تخلیق ہیں کوئی متحدہ یازم خویش روشن خیال انسان کسی زمانے میں اس کی تعلیم میں ترمیم نہیں کر سکتا کیونکہ کسی انسان کی نگاہیں اس کے گرد و پیش تک بھی پڑی طرح نہیں پہنچ سکتیں اس لئے یہ کتاب مسبین ہستی دنیا ملک انسانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ کوئی اور کتابت فرضیہ انجام نہیں دے سکتی۔ انسانی روح کا اصل جوہر ازلی یعنی توحید ہے توحید کے ساتھ یہ وابستہ ہے گی تو اس کا قیام اور بقا یقینی ہے ورنہ اس کی فنا مستلزم۔ اس حقیقت کے زیر نظر حضرت امیر عرب اللہ بڑی شد و مد کے ساتھ توحید اور رسالت کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ اور اپنے فرمایا ہے کہ اس محور کو قائم رکھ کر زمانے کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ کائنات تمہارے پاؤں چومے گی اور اس کی تمام وسعتوں پر تمہارا سکہ چلے گا۔ اور تم ایک ایسے درختاں مستقبل کی تعمیر کرو گے جس میں تمہارے ماضی کی شاندار روایات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہوں گی۔

خوارق عادات و کرامات

المشاهدات مواريت مجاهدات

(حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

خَوَارِقِ عَادَاتِ وَكَرَامَاتِ

حضرت قبلہ عالم عالمیان خواجہ غریب نواز محبوب سبحانی پیر غلام حید علی
شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ و طاب اللہ مضجعہ ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو واپس
کی طرف مراجعت فرما ہوئے مگر اس سے پہلے حضور نے اپنے نیرۃ بلند اختر صاحبزادہ
سید محمد فضل شاہ صاحب مدظلہ العالی کو مراتب سلوک طے کرادیئے تھے اور سفر
آخرت اختیار کرنے سے پہلے حضرت خواجہ شمس العارفین کے عرس مبارک میں
جب آپ نے شمولیت فرمائی اور روضہ مبارک پر حاضری کے وقت دروازہ
بند کر کے صاحبزادہ صاحب کے ساتھ اندر رہے تو گویا انہیں معرفت ولایت
کی دستا فضیلت اپنے فیاض پیر و مرشد کے بابرکت ہاتھوں سے زیب سر کرانی

تھی۔ اس لئے صاحب جزاؤہ صاحب کا وجود اطہر مجسم کرامت بن گیا اور باطنی کمالات کا ایسا اظہار ان سے ہوتا رہا کہ پیر بھائیوں کو ہر گھڑی محسوس ہوتا تھا سجادہ مبارک پر خود حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہیں اور حقیقت بھی یہی تھی۔ "نفحات المحبوب" کے مصنف صوفی نور عالم مرحوم لکھتے ہیں کہ حضرت محبوب سبحانی کے وصال سے پہلے ایک پیر بھائی نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ محبوب سبحانی اور صاحب جزاؤہ سید محمد فضل شاہ صاحب دامت برکاتہما ایک مصلے پر اکٹھے تشریف فرما ہیں۔ صاحب جزاؤہ صاحب حضور کے بالکل مشابہ ہیں۔ اس حالت میں حضرت محبوب سبحانی کا وجود انور صاحب جزاؤہ صاحب کے وجود میں آہستہ آہستہ غائب ہو گیا۔ اور مصلے پر صاحب جزاؤہ صاحب قبلہ کا وجود مبارک مستوی اور قائم رہ گیا۔ اس خواب کے بعد ایک ہفتہ کے اندر حضرت محبوب سبحانی کا وصال ہو گیا۔ انہی فیوضات حیدری کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوالبرکات نے جس شاہانہ انداز سے لنگر شریف کو چلایا، روضہ اطہر اور جامعہ حیدری کو جس عظمت و جلال کا مظہر بنایا، اپنے خاندان عالیہ کو جس طرح اوج کمال پر پہنچایا اور عز اللہ کی عظیم تحریک سے جس طرح ملت اسلامیہ کو نئی زندگی بخشی اور شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات تازہ عنایت فرمائی یہ سب کچھ خوارق عادات اور کرامات سے کم نہیں۔ یہ حضور کی معجزانہ نمائی ہے اور کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔

یک خواب

ان غیر العقول معجز نمایوں کے علاوہ پیر بھائیوں نے آپ کی بے شمار اور کرامات دیکھیں چشم بدوہ پیر بھائیوں کی تعداد لاکھوں پر مشتمل ہے۔ راقم سطور کو کوئی براہ طریقیت ایسا نہیں ملا جس نے حضور کی تین چار کرامات نہ سنائی ہوں۔ اور کافی اصحاب نے تو یہ بتایا کہ ان کا اپنا اپنا وجود ہر لحاظ

لا تعداد کرامات

سے حضور کی محترم کرامت ہے اور اگر وہ ان تمام کرامات کو مدقون کریں جو ذاتی طور پر انہوں نے حضرت ابوالبرکات گرامی سے ظہور پذیر ہوئی دیکھیں تو ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ تمام نے متفق رائے ہو کر کہا کہ حضور نے زبان مبارک سے جو کچھ فرمایا پورا ہو گیا۔ جس کام کے لئے دعا خیر فرمائی حسب منشا انجام پذیر ہو گیا۔ جہاں قدم رنجہ فرمایا وہاں خیر و برکت نے اپنا مسکن بنا لیا۔ جس پر نگہہ کرم ڈالی اسے جسمانی اور روحانی آرام و اسقام سے نجات حاصل ہو گئی، ناقص کو کامل بنا ڈالا، ادنیٰ کو عالی کر دیا اور ذرہ بے پایہ کو بدر منیر سے زیادہ تابانی عطا فرمائی۔ یہ سب کچھ اس مقبولیت کا نتیجہ تھا جو آپ کو حضرت رب العزت میں حاصل ہوئی۔ اور اس محبوبیت کا مظہر تھا جو آپ کو دربار مصطفویٰ میں نصیب ہوئی۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اس مختصر باب میں ہم حضور کی تمام کرامات کا ذکر کر سکیں کیونکہ لازماً مجبور ہو کر ہمیں کہنا پڑے گا۔

دفعہ تمام گشت بہ پایاں رسید عمر ماہ پچنالیں در اول صیفا تو ماندہ ایم

قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضور نے کرامات کے ذکر کو کبھی مستحسن نہیں سمجھا۔ ان کے ذکر سے آپ نے ہمیشہ پہلو تہی اور کنارہ کشی اختیار فرمائی ہے جب کبھی کسی نے زبان پر لانے کی کوشش کی آپ نے گریز فرمایا اور پیر جہانیموں کو اس قسم کی باتیں کرنے سے روکا۔ اسلام کی بنیاد علم و حکمت پر ہے اور یہ اپنے نام لیواؤں سے عزم و ہمت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے وسیع تر معانی کے لحاظ سے کرامات بھی علم و حکمت اور عزم و ہمت پر مبنی ہوتی ہیں مگر اس درجہ پر رسائی ہر کہ و مہ کا کام نہیں اس لئے حضور نے عمر بھر ان باتوں پر زیادہ زور دیا جو عام افہان کے لئے باآسانی قابل قبول ہو سکتی ہیں اور اس لئے آپ کی محفل میں ہمیشہ کتاب اللہ اور اتباع رسول اکرم کا اس طرح ذکر ہوتا رہا کہ عامی سے

اصل حقیقت اور اس کیلئے روشنی

عامی انسان بھی مستفیض ہو سکتا تھا۔ اصل شے ظاہری اور باطنی لحاظ سے کتاب و سنت پر عمل کرنا ہے۔ اس لئے آپ نے کوشش فرمائی کہ محض وجود ظاہری پابندِ شرع نہ ہو بلکہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق قلب و روح بھی شرع مصطفویٰ کی کیفیات پاکیزہ سے سرشار ہو جائیں۔ حضور کی اپنی ظاہری زندگی علم و حکمت اور عزیمت نفس کے تمام تقاضوں کو بڑی عمدگی سے پورا کرتے گزری ہے۔ اور کرامات کا ظہور آپ کی ذات والا صفات سے از خود اس طرح ہوتا رہا ہے جس طرح آفتاب عالم تاب بارش انوار برساتا رہتا ہے۔ اور کسی قسم کی خاص کوشش کے بغیر اس کا وجود نورانی تمام عالم کو نور سے معمور کر دیتا ہے۔ ہر ایک جانتا ہے مشک عنبر جہاں موجود ہوں فنا خود عطر بیز ہو جاتی ہے۔ اس میں مشک عنبر کے ارادہ کا دخل نہیں ہوتا۔ ان کی فطرت کی تعمیر اس طرح ہوئی ہوئی ہے کہ ان کے وجود سے خوشبو کی لپٹیں خود بخود ادھر ادھر پھیلتی رہتی ہیں البتہ ان بے جان چیزوں اور اولیائے کرام میں ایک خاص فرق ہوتا ہے۔ یہ شعور سے عاری ہوتی ہیں۔ مگر ان کے شعور اور ادراک کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ جو اس خمسہ تو ادراک کا معمولی سرچشمہ ہیں۔ باطنی ادراک ہر لحاظ سے غیر معمولی چیز ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ پیشتر ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے اس ادراک کامل کی بنا پر اپنی کرامات پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود وہ مکمل سکوت اختیار کئے رہتے ہیں اور انتہا درجہ کی پردہ داری سے کام لیتے ہیں۔ ان کا مقصد کرامات کے زور سے مسحور کرنا نہیں ہوتا بلکہ علم و حکمت کے عام پیمانوں کے ذریعے صاحب بصیرت بنانا ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ارادتمند فطرت کاملہ رکھتے ہیں انہیں مشاہدہ اور مکاشفہ کے مقام پر پہنچانے

ذات کا ظہور
از خود۔

لہذا اس لحاظ سے جہلت کبیر کا یہ دوہا بھی بڑا معنی خیز ہے۔ بیخ اندری ہیں لیان کی چپٹوں اندری بدھ
من اندری ہے ساؤی رچے بودے سدھ + ایک اندری کے گیارہ سے (دو جی ہے انجان) اس گریا کی جات کا

سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

معجزہ اور کرامت

معجزہ اور کرامت اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں فوق العادہ ہیں اور دونوں کا ذکر قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں موجود ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا بیان قرآن مجید میں بار بار ہوا ہے۔ دیگر مقامات کے علاوہ کرامات کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلہ میں بھی ہوا ہے جہاں آصف بن برخیا عرض کرتے ہیں کہ میں بلقیس کا تخت آنکھ جھپکنے کی دیر میں لاسکتا ہوں۔ ہر ایک یہ جانتا ہے یہ معجزہ نہیں تھا۔ بلکہ اس بزرگ کی کرامت تھی جس کے پاس علم الکتاب تھا۔ اسی طرح حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہ کرام کو امام ماضیہ کا ایک قصہ سنایا کہ کس طرح تین مسافر جب رات بسر کرنے کے لئے ایک غار میں گئے۔ تو اتفاقاً ایک بہت بڑا پتھر لڑھکتا ہوا غار کے دروازے کے سامنے آگیا۔ ان کا باہر نکلنا ناممکن تھا۔ انہوں نے کہا اب ہمارے اعمال ہی ہمیں نجات دلا سکتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک نے بارہائی اپنے ایک ایک بے ریا عمل کا ذکر کیا۔ ہر ذکر کے بعد تھوڑا سا پتھر غار کے منہ سے ہٹ جاتا تھا اور جب تیسرے مسافر نے اپنا قصہ سنایا اور کہا کہ بارالہ اگر یہ سچا ہے تو پتھر غار سے دو کھمبے پتھر دو جا پڑا اور مسافر باہر نکل آئے یہ کام خلاف عادت تھا اور اسی کو کرامت کہتے ہیں۔

معجزہ و کرامت سے انکار کا جواب

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو معجزات اور کرامات کا انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قوانین فطرت کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن انہیں علم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ نظام کائنات کو ایک قانون پر چلانے کے بعد نعوذ باللہ معطل نہیں ہو گیا بلکہ کائنات کی زمام تدبیر و انتظام اب بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور واقعات کے عادی رفتار میں جزئی یا کلی طور پر جس طرح چاہتے

کر سکتا ہے۔ علاوہ بریں واقعات کی عادی رفتار مادی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ روحانی زندگی کے قوانین اور ہیں اور ہمارے حواسِ خمسہ اور قوائے متخیلہ یا متصورہ ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ قرآن و حدیث اس امر کے شاہدِ عادل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے اثبات نبوت کے طور پر لوگوں کے مطالبہ کرنے پر ایسے واقعات دکھائے جو قدرت کے عام قوانین سے ہٹ کر تھے۔ کرامت بھی ولایت کی ایک دلیل ہے۔ اور اس کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ ایک صالح بندے کی پشت پر رب العالیٰ کا ہاتھ ہے اور جہاں نبوت کی تصدیق کے بعد اعلامِ کلمۃ اللہ کے لئے راہ صاف ہو جاتی ہے۔ غیب سے اس طرح ولایت کی شہادت ملنے کے بعد دعوتِ تبلیغ و ارشاد بدرجہا مؤثر اور زیادہ نتیجہ خیز ہو جاتی ہے۔ اسی لئے تبلیغ و اشاعتِ اسلام میں جس طرح نمایاں کردار اولیاء کرام نے ادا کیا ہے۔ عام علماء اس سے محروم ہیں۔

ہم نے کہا ہے کہ عام عقل معجزے اور کرامت کی کتنی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور تو اور وجدان جو علماء کے خیال کے مطابق عقل سے برتر ذریعہ ادراک ہے۔ اور جس کی رسائی ان حقائق تک بھی ہو جاتی ہے جو عقل کے وہم و گمان سے بھی ماوراء ہیں، سنت اللہ کا ایسا کامل علم حاصل کرنے سے عاجز ہے جس کے دائرے میں معجزہ اور کرامت بھی شامل ہو جائیں۔ وجدان ایک چمک بھتی ہے جو کبھی آناخانگانگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ لیکن انبیاء اور اولیاء کا ادراک ایک مسلسل اور متواتر فعل ہوتا ہے اسی لئے ان کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں۔ عام آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں، جو کچھ وہ سنتے ہیں عام کان اس کے سننے سے عاری ہیں اور تفقہ

کا جو معراج انہیں حاصل ہے اس کا تصور کرنا بھی عامۃ الناس کے لئے ناممکن ہے۔ اور یہ تو ہر ایک جانتا ہے کہ یہ مقدس گروہ نہایت ہی راست باز، راست رو اور راست گو ہوتا ہے۔ ان کی صداقت اور دیانت شک شبہ سے بالاتر ہوتی ہے اور جو دلائل اور براہین ان کی طرف سے دی جاتی ہیں، ناقابل تردید ہوتی ہیں۔ عام مشاہدہ کی باتوں کو یہ بزرگ ایسے معقول پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے لئے ان کے نقطہ نگاہ کو صحیح اور درست تسلیم کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ لیکن وہ حقیقت جو ان کے سیرت و کردار کو اس قدر پاکیزہ بنا دیتی ہے اور ان کی گفتار میں اس قدر تیقن اور قطعیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے عام سطح پر زندگی بسر کرنے والا ذکی سے ذکی انسان بھی نا آشنا رہ جاتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء کی شخصیتوں کے اس راز سر بستہ سے عام لوگوں کی بے خبری ظاہر کرتی ہے کہ بہت سے قوانین فطرت ایسے ہیں جن کا ادراک عام لوگوں کا کام نہیں۔ یہ اسی پاکیزہ گروہ سے مختص ہے۔ یہ گروہ ان قوانین سے علی قدر مراتب آشنا ہوتا ہے۔ اس لئے ان قوانین سے کام لے کر ایسے افعال کا صدور ان سے ہوتا رہتا ہے جو ہوتے تو بالکل سنت اللہ کے مطابق ہیں لیکن اپنی ناقص عقل کی بنا پر دوسرے لوگ خیال کرتے ہیں ان کا صدور قوانین سے ہٹ کر ہوتا ہے۔ عامۃ الناس اور انبیاء و اولیاء کے درمیان اس فرق سے بخوبی باخبر ہونے کی بنا پر عارف رومی فرماتے ہیں ۷

کار پاکال راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
ان فضاؤں میں جب سے زندگی رونما ہوتی ہے۔ یہ آگے کی طرف بڑھتی
رہی ہے۔ اور اہل نے اپنے آپ کو برقرار رکھے اور اپنی رفتار کو قائم رکھنے
کی خاطر کئی تدابیر اختیار کی ہیں۔ جو اس خمسہ، عقل مددگار اور قوت متحدہ کا

تعلق بھی انہی تدابیر سے ہے۔ زندگی ان کے ذریعے اپنے رستے کی مشکلات کو دور کرتی ہے اور آگے بڑھتی رہتی ہے۔ یہ قوتیں دراصل زندگی کی آنکھ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن یہ آنکھ کوئی اتنی زیادہ بینا نہیں ہوتی۔ جو اس خمسہ قریب تر کے ماحول کے متعلق جو معلومات بہم پہنچاتے ہیں انہی پر اس کی نگاہیں مرکوز رہتی ہیں۔ بعید تر راہوں کے متعلق اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ اس لئے بسا اوقات یہ آنکھ اپنے ماحول کی چار دیواری میں الجھ کر رہ جاتی ہے اور رفتار حیات سُست پڑ جاتی ہے۔ اس وقت زندگی غیر معمولی عزائم سے کام لے کر ان الجھنوں میں سے نکلنا چاہتی ہے اور آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ اس وقت یہ نبوت اور ولایت کی آنکھ سے دیکھتی ہے جو بے حد بینا ہوتی ہے۔ اور جس کی نگاہیں بہت دور تک دیکھتی ہیں۔ اس طرح بعید تر اور بدرجہا ارفع اور اعلیٰ منازل سامنے آجاتی ہیں۔ اور زندگی زیادہ جوش اور زیادہ گرم رفتاری کے ساتھ اپنا سفر دوام جاری کر دیتی ہے۔ اس وقت نئے ادوار شروع ہوتے ہیں نئی تہذیبیں جنم لیتی ہیں تمدن اور معاشرت کو نیا فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ازل سے یہی ہوتا چلا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا۔ نوع انسانی کی تاریخ اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ رفتار حیات کو انبسیا اور اولیاء کے نفس گرم نے ہمیشہ تیز تر کیا ہے اور معجزے اور کرامت کی یہ ایک ہتم بالشان صورت ہے۔ اس ضمن میں آپ موجود اہل قلم میں برسوں کی کتاب تخلیقی ارتقا اور ٹائین بی کی تاریخ عالم کا مطالعہ کریں۔ اور کیمیائے سعادت، احیائے علوم الدین، مثنوی مولانا روم اور فتوح الغیب کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

فقر و تصوف کی برتری اس لئے مسلمہ ہے کہ یہ انسان کو وہ بصیرت عطا کرتا ہے۔ جو ویسے کسی طرح حاصل نہیں ہوتی۔ باقی علوم بھی انسان کو بصیرت

عطا کرتے ہیں۔ مگر ان تمام نذر کا تعلق محبتِ جہانی سے ہوتا ہے۔ اس لئے محسوساً درگاہِ عالمِ جسمانی سے آگے نہیں جاسکتے۔ عالمِ روحانی کی بصیرت صرف فقر و تصوف کے اعمال و اذکار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جسے اس عالم کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اس کی فراست عالمِ جسمانی کے متعلق بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے:

اتَّقُوا مَن فِرَاسَتِ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ

انسان جب مذموم صفات و اعمال کو ترک کر دیتا ہے اور مجاہدہ سے کام لے کر دل میں پاکیزہ احساسات اور جذبات کی پرورش کرتا ہے۔ اس کے دل میں محبتِ الہی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ بغض و عناد اور ماسوا اللہ سے لگاؤ کے جذباتِ رفیلہ اس کے لئے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ اپنے دل کو وہ اس طرح محفوظ کر لیتا ہے کہ ماسوا اللہ کا اس میں دخل نہیں ہوتا۔ اس کے لب غیر اللہ کا ذکر نہیں کرتے، اس کی آنکھیں غیر اللہ کو دیکھتی نہیں، اس کے کان غیر اللہ کی آواز نہیں سنتے یعنی وہ اپنے سوا اس کو اس طرح پابند احکام الہیہ کر لیتا ہے کہ دل کی نسبت عالمِ ملکوت سے قائم ہو جاتی ہے اور اس کے باطن کی تمام سعتیں صرف محبت اور معرفتِ الہی سے معمور ہوتی ہیں تو اس وقت حضرت امام غزالیؒ کے قول کے مطابق دل سے علومِ الہی کی سوتیں جاری ہو جاتی ہیں۔ اس کے دل کی آنکھ کے سامنے عالمِ ملکوت کے حقائق آنے لگ جاتے ہیں۔ ملائکہ اس سے ہم کلام ہوتے اور ایسے عجیب و غریب مکاشفات ہوتے ہیں کہ عامۃ الناس ان کی دید و شنید کی تاب نہیں لاسکتے۔ اور یہ سب کچھ تزکیہ قلب اور جہاد بالنفس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ مبداء فیاض نے تمام امکانات فطرتِ انسانی میں ودیعت کر دیے ہیں صرف ان کو برو سے کار لانے کی ضرورت ہوتی ہے

جو کچھ ہوتا ہے عین قوانین فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ مگر چونکہ یہ عامۃ الورد ویشی نہیں لوگ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔

اس بصیرت روحانی کے ساتھ تصرف اور اختیار میں بھی بیش بہا اور حیران کن اضافہ ہو جاتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے نظام عالم فرشتوں کے ذریعے چلایا ہوا ہے۔ جب خداوند تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا تعلق عالم ملکوت سے قائم ہو جاتا ہے تو ملائکہ بحکم خداوندی ان کے معین و مددگار ہوتے اور انصرام مو میں مشیت ایزدی کے مطابق ان کی مرضی پر کام کرتے ہیں۔ - كما قال الله تعالى
تتنزل عليهم الملائكة ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم
توعدون نحن اولياءكم في الحياة الدنيا وفي الآخرة ط

ان کی ظاہری زندگی کا ہر فعل شرع کے عین مطابق ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ کے لئے اس کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی ہے۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا تو اں لبت جز در پے مصطفیٰ

لیکن ان کے باطن کی جو کیفیت اور حالت ہوتی ہے اس کی حقیقت سے صرف ان کے ہمپا یہ لوگ آشنا ہوتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا۔ ان کے متعلق عام لوگوں کے علم کا یہ حال ہوتا ہے کہ کبھی کبھار اچانک کوئی بات کانوں میں ٹنگی یا کوئی بات نگاہوں کے سامنے آگئی اور وہ بھی اس لئے کہ کریم بزرگ نے چاہا ان کم نظروں کو اس گنج گراں مایہ کی طرف اشارہ کر دیا جائے جو انہیں مہمبت ربانی سے عطا ہوا ہے تاکہ یہ اس کی برکات اور سعادات سے محروم نہ رہ جائیں ورنہ اپنی ذاتی بے بصارتی اور بے بضاعتی کی بنا پر اس کے سمجھنے سے یہ لوگ کلیتہً عاری ہوتے ہیں اسی روحانی بصیرت اور تصرف کی بنا پر وہ تمام کرامات صادر ہوتی ہیں جن کو اہل اللہ سے منسوب کیا جاتا ہے اور پھر ان کرامات کے لئے اہل اللہ کو کسی

اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وجود آفتاب سے انوار کا اشراق از خود ہوتا رہتا ہے۔

اس مقام پر اس بات کا از سر نو اعادہ ضروری ہے کہ کرامات بے مقصد نہیں ہوتیں۔ ان سے اس تعلق کا اظہار ہوتا ہے جو مسند ارشاد پر جلوہ افروز بزرگ کو عالم غیب سے ہوتا ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس بندۂ مومن کی پشت پر دست غیب کی کار فرمائی ہے۔ خداوند قدوس کی نصرت اور یادری کے بغیر اثبات و تبلیغ اسلام کے وہ امور ہمہ انجام نہ پاتے جنہیں اس مرد کامل نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنے متبعین کے درمیان ایک ولی اللہ وہی فرماں انجام دیتے ہیں جو انبیائے کرام اپنی اپنی امتوں میں دیتے رہے ہیں۔ مقولہ ہے: الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ اپنی قوم میں شیخ زمان کا وہی مقام ہوتا ہے جو نبی کا اپنی امت میں۔ بنا بریں جس طرح معجزہ اثبات نبوت کے لئے اپنی جگہ پر ضروری سمجھا جاتا تھا کرامت بھی اثبات ولایت کے لئے نمایاں کردار انجام دیتی ہے۔ مقصد دونوں کا دعوت الی اللہ ہوتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء اپنی ذات سے فانی ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مترذات حق کے لئے ہوتی ہے۔ ان کا ہر فعل اور ہر قول اثبات توحید اور اعلان رسالت کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے اس مقصد سے الگ ہو کر معجزہ اور کرامت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں اس بات کی طرف پھر اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ انبیائے کرام اور اولیاء اللہ نے معجزہ اور کرامت پر تبلیغ و ارشاد کو کبھی منحصر نہیں سمجھا۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو عام لوگوں کی سمجھ بوجھ کے قریب لاکر اپنے پاکیزہ عمل اور عام فہم استدلال کے ذریعے ان کے دلوں میں نور ایمان پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں نور عقل کا چراغ روشن کرتے ہیں۔ اور ان کی روح کو نور بصیرت سے منور کرتے

ہیں۔ ان کا مقصد ہر ایک کو ایمانی حکمت و بصیرت کی دولت سے ان کی ذاتی استعداد کے مطابق مالا مال کرنا ہوتا ہے۔ اور اس کی بنیاد وہ صرف اپنی پاکیزہ زندگی اور متابعت شرع مصطفوی پر رکھتے ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص ساہا سال تک رہا۔ اور بڑے غور سے آپ کی ہر بات کو دیکھتا رہا۔ اس نے کہا کہ میں نے آپ کی ذات میں اتنی سنت کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا ہمارے پاس اس کے بغیر اور ہے بھی کچھ نہ۔ صحیح الفطرۃ لوگ پاکیزہ زندگی کو سب سے بڑی کرامت اور سب سے بڑا معجزہ سمجھتے ہیں۔ سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نبوت کا سب سے بڑا معیار یہی تھا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خواست معجز از نبی بوجہل سگ وید ولفز ووش ازاں الا کہ شگ

لیک آل صدیق جن معجز بنخواست گفت این رو خود نگوید غیر راست

وسیع تر نقطہ نگہ سے یہ کہنا درست ہو گا کہ معجزہ اور کرامت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اہل عالم صرف عام قوانین فطرت تک سنت اللہ کو محدود نہ سمجھیں۔ بلکہ انہیں یقین ہو جائے کہ پر وہ غیب میں ایسے عجائبات موجود ہیں جن کی نظیر مادی زندگی پیش نہیں کر سکتی۔

فقر و تصوف کے متعلق اہل مغرب نے ہمارے پڑھے لکھے طبقے کو بڑے مغالطہ میں مبتلا کیا ہے۔ اہل مغرب کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح انہوں نے گذشتہ دو ایک صدیوں میں تلوار اور استعمار کے ذریعے اہل مشرق اور بالخصوص مسلمانوں کے جسم کو غلام بنایا ہے۔ علمی لحاظ سے بھی ان کے اذہان غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیئے جائیں لیکن دل میں یہ خیال پیدا کر کے خود اہل مغرب بہت بڑے مغالطے میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اولاً مسلمانوں کو ابھی تک اپنی تسخیر آزماتیاں نہیں بھولیں

اہل مغرب کی مغالطہ
وہی و ابلیسی

بدر و حنین، نہاوند و سپین اور ہلال و صلیب کے معرکے انہیں ابھی تک یاد ہیں۔ ان کی رگوں میں اس وقت بھی اپنے آباؤ اجداد کا خون گرم موجزن ہے۔ ان کی تلوار کچھ وقت کے لئے زنگ آلود ضرور ہو گئی تھی۔ ٹوٹی نہیں تھی۔ اور نہ ہی ٹوٹنے والی تلوار ہے۔ سیف اللہ ٹوٹ نہیں سکتی۔ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی رگوں میں اپنے آباؤ اجداد کا خون گرم پھراہلنے لگا ہے۔ اور اگرچہ ابھی تک سیف اللہ نیام سے باہر نہیں آئی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلامی ممالک ایک ایک کر کے آزاد ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور انصار اللہ فضاؤں میں نعرہ ہائے تکبیر پھر گونجنے والے ہیں۔ ثانیاً مسلمانوں کی آنکھ میں خاک مدینہ و نجف کا سرمہ ہے۔ جلوہ اہل فرنگ اسے خیرہ نہیں کر سکتا۔ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے دوسری اقوام کی علمی اور فنی ترقی مسلمانوں کو مبہوت نہیں کر سکتی جمیع علوم بتمام و کمال کتاب اللہ میں موجود ہیں۔ اہل زمانہ کی ذرا آنکھ کھلتی ہے اور وہ اپنی کسی تازہ علمی دریافت پر اترانے لگتے ہیں۔ تو کتاب اللہ جھٹ اپنی ایک آئیہ کریمہ نبی اُمّی (فداہ روحی) کی زبان حقیقت ترجمان سے سنا کر کہہ دیتی ہے کہ یہ بات تو مسلمانوں کو ساتویں صدی عیسوی میں معلوم ہو گئی تھی۔ تم آج بیسویں صدی عیسوی میں اس پر کیسے اترا رہے ہو۔ الغرض جب مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے قرآن حکیم موجود ہے اہل مغرب کی کوئی علمی ترقی ابد الابد تک انہیں مسخر نہیں کر سکتی ہے۔

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ تَقَاصِرُ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ

فقرو تصوف کے متعلق اہل مغرب نے یہ پرچار شروع کر رکھا ہے کہ یہ غیر اسلامی چیز ہے۔ یورپ کے مستشرق کہتے ہیں کہ قرون اولیٰ میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ مگر زمانہ سے دین اور دنیا کی تفریق پیدا ہو گئی۔ اور جہاں حاکم

سے اکل کے صحرا سے جس نے روم کی سلطنت کو الٹ دیا تھا۔ سنہ ۶۱۰ء میں نے یہ قدیموں کے ذریعہ ہوشیار بنا کر (اقبال)

اہل مغرب کا تصور
کا متعلق پریشانی

طبقة نے صرف دنیاوی امور سے سرکار رکھا وہاں متدین طبقہ نے ایسے خانقاہی نظام کی بنیاد ڈالی جو غیر اسلامی تھا۔ بعض مستشرق کہتے ہیں۔ یہ عیسائی راہبوں کا اثر تھا۔ بعض کہتے ہیں نو فلاطونی مفکرین کے زیر اثر حکمت پسند صوفیوں نے خانقاہوں کی بنیاد ڈالی اور بعض کہتے ہیں یہ ایرانی مجوسیت، بدعت کے گیان دھیان، یا ہندومت کے ویدانت کا اثر تھا کہ خانقاہیں عام ہو گئیں اور مسلمان فقرا ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔ یہ تمام خیالات سرتاپا غلط ہیں۔ مسلمانوں کا تصوف خود اسلام کی پیداوار ہے۔ توحید اس کا مغز ہے۔ غارِ حرا کی آغوش میں اس کی تخمیر ہوئی۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ کے فرمان نے تو انامی، بخششی اور رِی مَعَ اللَّهِ وَقْتًا کی بشارت نے اسے بال و پر عطا کئے۔ صحابہ کرام خود بہت بڑے صوفی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں ایک مسلمان بیک وقت سپہ سالار بھی ہوتا تھا، حاکم وقت بھی، فقیہہ اور مفسر بھی، دین حنیف کا بہت بڑا پرستار اور اعلیٰ درجے کا صوفی بھی۔ لیکن بعد میں یہ جامعیت قائم نہ رہ سکی۔ ملوک کی خود غرضی نے برسر اقتدار طبقہ کو روحِ اسلام سے بیگانہ کر دیا۔ اس لئے صوفیائے کرام نے اسے زندہ اور تابندہ رکھنے کے لئے دینی مراکز قائم کر لئے جنہیں عرف عام میں خانقاہیں کہتے ہیں۔ ان کے ذریعے انہوں نے بڑی بے نفسی سے فقر محمدی کی تبلیغ و اشاعت کی۔ ان خانقاہوں میں قَالَ اللَّهُ وَقَالَ الرَّسُولُ كِي دِل نواز صدائیں بلند ہوتی رہیں اور فرمانِ الہی اور اسوہ رسول کی روح کو پہنانے کے لئے سعی بلیغ کی گئی۔ اتباع رسول کا اس قدر اہتمام ہوتا تھا کہ معمولی سے معمولی بات جس کے متعلق حدیث نبوی خاموش تھی روا نہیں رکھی جاتی تھی۔ ایک صوفی اعظم نے عمر بھر خر بوزہ اس لئے نہ کھایا کہ معلوم نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کس طرح استعمال

فرمایا۔ ہماری اپنی نگاہوں کے سامنے جلالپور شریف کی خانقاہ معلّے موجود ہے جس کا آغاز آج سے کوئی ایک صدی پہلے ہوا۔ اس عرصہ میں ہم نے یہاں تعلیمات اسلامی کے عملی اور زبانی پرچار کے بغیر اور کچھ نہیں دیکھا۔ جلالپور شریف میں فیض سیال شریف اور تونسہ شریف کے رستہ پہنچا ہے۔ وہاں بھی اہل علم کی نگاہوں کے سامنے فقر محمدی کے علاوہ اور کچھ نہیں آیا اور کہیں بھی ویدانت یا دیگر انواع کے غیر اسلامی تصوف کا اثر دکھائی نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ صوفیائے کرام کا مقصد وحید ہمیشہ فقر اسلامی کی ترویج رہا ہے۔ اس لئے مستشرق بار بار کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا تصوف غیر اسلامی ہے تو یہ ان کی بد باطنی ہے۔ اول اس تعصب اور عناد کا اظہار ہے جو عیسائی دنیا کے دل میں ہمیشہ اسلام کے خلاف رہا ہے۔ ان کا مقصد محض یہ ہے کہ سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے روح پرورداروں سے بدظن کیا جائے۔

اہل مغرب کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر ہمارے پڑھے لکھے لوگوں میں سے بعض افراد فقر و تصوف پر ایک اور ناولے سے بھی معترض ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی تصوف نے خدمت خلق سے کامل بے اعتنائی برتی ہے اور ہمارے معاشرہ میں اس نے مبالغہ آمیز انفرادیت کو ترقی دی ہے ان کا خیال ہے کہ نجات کوشی اور تزکیہ نفس کے سلسلہ میں صوفی بزرگ خانقاہوں میں صرف اپنی ذاتی بہبود کی طرف متوجہ رہے اور حیات اور مسائل حیات سے بالکل کٹ کر رہ گئے۔ ان کے اس اعتراض سے ظاہر ہے کہ انہوں نے علم صرف انگریزی زبان کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ انہوں نے صوفیائے کرام کے مستند تذکروں کی کبھی ورق گردانی نہیں کی۔ انہوں نے کبھی بھی امام غزالی، حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ محبوب الہی اور مجدد الف ثانی یا دیگر

اگر تصوف کے حالات کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ مخلوق خدا کی بہبودی کے لئے ان بزرگوں کے کارنامے کس قدر خیر العقول ہیں۔ ان گزشتہ راہ متقلدین مغرب سے راقم سطور مختصراً عرض کرے گا کہ تمام صوفی بزرگوں کی نجات اس بات سے وابستہ تھی اور ان کا تزکیہ نفس اس امر پر منحصر تھا کہ وہ دل و جان سے اتباع رسول کریں۔ حضور رحمۃ للعالمین کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھ کر خدمت خلق کریں۔ مخلوق خدا کے ساتھ قوی اور عالی طور پر اظہارِ شفقت کریں ہمدردی، احسان اور مروت ان کا شعار ہو۔ لوگوں سے کسی چیز کا طمع نہ رکھیں۔ اپنے پاس جو کچھ ہو ان کے لئے حاضر کر دیں۔ بے نفسی اور بے غرضی کا پیکر بن جائیں اور بالخصوص بے کسوں کے لئے مجسمِ رحمت ہوں۔ بگڑے ہوئے کے اخلاق سدھاریں اور اپنے سوزِ نفس سے ان کے دلوں میں محبتِ الہی کا چراغ روشن کریں۔ ہر معاملہ میں اتباعِ رسول کا پاس رکھیں اور اپنے بے غرض اور مخلصانہ عمل سے دوسروں کو اتباعِ رسول کی موثر ترغیب دیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے قلب کو ہر اس صفت سے پاک کیا جو مذموم ہے اور ہر اس صفت سے مزین کیا جو محمود اور مستحسن ہے۔ بڑی محنت اور خوبی کے ساتھ انہوں نے صفاتِ الہیہ کو اپنایا۔ وہ مخلوق میں بھی شامل ہوتے تھے۔ اور اللہ سے بھی واصل ہوا کرتے تھے۔ مخلوق سے دور رہ کر اسلامی تصوف میں نجات اور تزکیہ نفس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں صوفیائے کرام کے کارنامے آپ زور سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ انہوں نے سینوں کو گرمایا۔ ملتِ اسلامیہ کے دلوں میں روحِ قرآنی کو زندہ اور تابندہ رکھا۔ اور اسلامی تحریک کو اقصائے عالم میں پہنچایا۔ وہ انفرادیت پسند نہیں تھے۔ اجتماعیت

پسند تھے۔ معاشرہ کی نجات اور فلاح و بہبود کی خاطر انہوں نے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی مخالفت کی اور ذرہ بھر خوف محسوس نہ کیا۔ اُمراء اور ملوک نے مال و دولت، جاہ و حشمت اور عیش و عشرت کو اپنا مطمحہ نظر بنایا لیکن ان بزرگوں نے کمال درجہ کے ایثار سے کام لے کر صرف اقدار عالیہ کی شمع روشن کی۔ بنا بریں مبالغہ آمیز انفرادیت کا مرض جو اس وقت ملت میں موجود ہے۔ اس کی ذمہ داری ارباب تصوف پر عائد نہیں ہوتی وہ تو اس کے معالج رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف اسلامی نے اعلیٰ درجہ کے انسان اتنی تعداد میں پیدا کئے ہیں کہ مغرب و مشرق کی کوئی تہذیب کیا پیدا کرے گی۔ یہ بزرگان انسانیت کا پیکرِ مثالی تھے۔ جسے یہودیوں نے دیکھا تو نبی اکرم کی مخالفت چھوڑ کر آنحضرت کے غلام بن گئے۔ عیسائیوں نے دیکھا حلقہ نگوش اسلام ہو گئے آتش پرستوں کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو توحید پرست بن گئے۔ بدھوں کے سامنے آیا تو رسولِ عزلی کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ اور ہندوؤں نے اس کا جلوہ دیکھا تو رام رام چھوڑ کر بے اختیار کلمہ طیبہ پڑھنے لگ گئے۔ اور جہاں تک خود مسلمانوں کا تعلق ہے عوام کیا اور خواص کیا۔ رعایا کیا اور راعی کیا، علماء کیا اور حکما کیا انہوں نے تعلیمات دینی کے اس پیکرِ مثالی کی زیارت کی تو ان کا تزکیہ نفس ہو گیا اور ان کا جذبہ ایمان قومی سے قومی تر ہو گیا۔

بسم اللہ والبسنگان جلالپور شریف نے گزشتہ سو سال میں یہاں تصوف عالیہ کا نہایت ہی کامل اور جامع نمونہ دیکھا ہے اور ہم تمام غلامانِ حیدری کو اس پر بجا طور پر فخر ہے۔ حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت و ریاضت، اوراد و وظائف اور نوافل کی پسندی، صبر و شکر، اخفائے راز اور عدم شہرت پسندی کے علاوہ خدمتِ خلق، مسکین نوازی، غریب پروری

والبسنگان
جلالپور شریف

مروت اور ہرولعزیزہ کی، غنائے قلب اور استقامت کی جو صفات عالیہ دکھائیں
ان کی وجہ سے اہل عالم آج بھی انکشت بدندان ہیں۔ خلافت سے پہلے بھی آپ مسافر
کی جس طرح خدمت کیا کرتے تھے وہ تمام قصے آج بھی جلالپور شریف میں
دہرائے جاتے ہیں۔ آپ صحیح معنوں میں غریب نواز تھے۔ قبلہ ثانی صاحب
نے مخلوق خدا کی خدمت کا یہ کام بدستور جاری رکھا۔ اور جب حضرت
امیر حزب اللہ کی باری آئی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ تصوف عالیہ کی سنہری
روایات کو زندہ کیا بلکہ تعلیمات اسلامیہ کو بھی حیات نو کے خلعت فاخرہ سے
آراستہ فرمایا۔ آپ کی فطرت میں واہب العطا یا نے جامعیت کا وہ وصف
انتیازی پیدا کیا ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو عطا ہوا تھا۔ آپ صوفی
بھی ہیں عالم بھی۔ روئے فقر بھی آپ کے وجود اطہر کے لئے موجب نیت
وزیبا نش ہے۔ اور فضیلت علمی کی دستار پر انوار بھی آپ کے سر مبارک پر
جلوہ افروزی کرتی ہے۔ آپ جہاد بالنفس کے داعی بھی ہیں اور جہاد بالسیف
کے بھی۔ جہاد بالسیف کی تبلیغ آپ نے اس زمانہ میں کی جب انگریزوں
کی سنگینیں ہر وقت سر پر چھائی رہتی تھیں۔ اور جہاد کا نام لینا بھی خود کو
حکومت کا باغی بنانے اور موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ علمائے
دین نے سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ لیا تھا۔ ان حالات میں آپ نے
السیاست فی الاسلام کا نعرہ لگایا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک
کوئی قوم سیاسی لحاظ سے مقتدر رہتی ہے اس کا عروج قائم رہتا ہے۔ اور
اس کے تمام قومی ادارے فروغ پذیر ہوتے ہیں۔ حضرت امیر حزب اللہ نے
مسلمانوں کی شاندار قدیمی روایات کو بھی زندہ کیا اور زندگی کے جدید تقاضوں
کے مطابق حیات قومی کو ڈھالنے کا طریقہ بھی سکھایا۔ آپ نے دلوں کو

امیر حزب اللہ کی
دعوت والا ہے

سوز عشق عطا کیا اور یہ درس دیا کہ اس سوز کو لے کر میدانِ عمل میں نکل آؤ اور
جان کی بازی لگا دو۔ کیونکہ اب حجرہ نشینی کا وقت نہیں ہے آپ نے انبیاء
کی سنت پر عمل کر کے دعوت الی الحق دی اور نظام اسلامی کا قیام اپنی زندگی
کا نصب العین ٹھہرایا۔ اولیاء کرام کی سنت کو سامنے رکھ کر دلوں کا ٹوٹا ہوا شہ
ذاتی باری تعالیٰ سے جوڑا۔ بڑے بڑے مصلحین کی طرح عملی فکری، تمدنی، معاشرتی
اور اقتصادی برائیوں اور کمزوریوں کا مداوا کیا۔ خطابت کی آتش انگیزی سے
سینوں میں آگ لگائی اور فصاحت و بلاغت کی شعلہ نوالی سے دلوں کو
گرمایا۔ امیرانِ عسا کر کی طرح عزم و ہمت، عملِ پیہم، ایشارہ و جانبازی اور بالغ
نظری کا مظاہرہ کیا۔ ملت کے پہلو میں درواٹھا تو اس کی ٹیس آپ نے اپنے
سینے میں محسوس کی اور آپ بے تاب ہو گئے۔ غریبوں اور مسکینوں کو تکلیف
ہوئی تو آپ کا جگر خون خون ہو گیا بمصدق سے

خنجر چلے کسی پہ ترپتے ہیں ہم میرے سارے جہاں کا دروہا جگر میں سے
ذرا غور فرمائیں اگر فقر و تصوف اسی کا نام ہے جس کا مخیر العقول اور
نادرا الوجود نمونہ ہم نے جلالپور شریف میں دیکھا ہے تو پھر لوگ تمام اعتراضات
کو ترک کر کے اس کی صداقت کے قائل کیوں نہیں ہو جاتے اور اس کے سامنے
سر تسلیم خم کیوں نہیں کر دیتے

قتال را بگداز مرد حال شو پیش مرد کا ملے پامال شو
اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہم نے یہاں جلالپور شریف میں فقر و تصوف
کو اپنی اصلی اور خالص صورت میں دیکھا ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی یہ بات
واضح ہو گئی ہے کہ شریعت سے الگ ہونا تو کجا تصوف اس کی کامل ترین صورت
کا نام ہے۔ یہ محض ظاہر پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ ظاہر اور باطن دونوں کو راستہ

فقر و تصوف

کرتا ہے۔ اور زندگی کی تمام سرگرمیاں اس سے بڑی صفائی اور گرمی حاصل کرتی ہیں۔ مختصر الفاظ میں تو بالاً عملاً بہر حقیقت سے اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تصوف ہے۔ اور تذکرے شاہد ہیں کہ اکابر حقیقتیہ کی ساری زندگیاں ہمیشہ تصوف اسلامی کا کامل نمونہ رہی ہیں۔

ناظرین کرام! خوارق عادات اور کرامات کے سلسلہ میں بطور تمہید ہم نے جو کچھ گوش گزار کرنا تھا سپرد قلم کر دیا گیا ہے۔ اب آپ ان تمام مطالب کو سامنے رکھ کر سطور آئندہ میں بغور دیکھیں کہ پیر بھائیوں کے لئے حضرت امیر حزب اللہ کا وجود باجود وافر و اکس قدر خیر و برکت اور عین سعادت کا موجب ثابت ہوا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گروا غہا سکینہ را گلے گلے باز خوال این قصہ پاریزہ را
لڑکا آجائے گا چودھری سکندر خاں ذیلدار سکندہ جو کالیاں ضلع گجرات نے بتایا کہ کوئی سات آٹھ سال کی بات ہے کہ ان کا لڑکا فیض احمد عمر پندرہ سال کم ہو گیا پھر والے پریشان ہو گئے۔ فالیں نکلوانے کا ارادہ کیا۔ گرو دل نے کہا جلا پور شریف حاضر ہو کر قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں ماجرا بیان کیا جائے۔ چنانچہ ایک روز بوقت شام حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور اپنی تکلیف بیان کی۔ حضور نے فرمایا۔ آجائے گا۔ اگلی صبح آپ بالائی منزل پر شریف فرما تھے۔ پھر ازراہ کرم فیض احمد کے متعلق استفسار فرمایا اور تمام حالات از سر نو سن کر فرمانے لگے۔ "جلد آجائے گا۔" آنے پر ڈاک کے ذریعہ اطلاع دیں۔ حضور کے اس فرمان کو سن کر چودھری صاحب گھر واپس چلے گئے۔ تیسرے روز لوگوں نے بتایا کہ فیض احمد اپنے مرتبے کی حد پر بیٹھا ہے گھر والے دوڑتے دوڑتے گئے اور خوشی خوشی اسے لے آئے۔ حالات پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں تحصیل خانیوال میں بڑی خوشی سے رہ رہا تھا۔ ایک معزز

زمیندار خاندان مجھے اپنے کنبے کا فرد خیال کرتا تھا۔ تمام بڑی خاطر مدارات سے پیش آتے تھے۔ دو تین روز گزرے ایک شام بے چین ہو گیا۔ صبح روئی بھی نہ کھائی۔ گھر کے بچوں نے بڑوں سے ذکر کیا۔ خاندان کے سربراہ نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا والدین کے لئے اداس ہوں۔ وہ کہنے لگے خط لکھ کر بلا لیتے ہیں۔ مگر میں نے خود آنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ انہوں نے نئے کپڑے بنوا کر مجھے پہنائے اور کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔ چوہدری فضل احمد بیان کرتے ہیں کہ دوسرے روز لڑکے کو لے کر قبہ حضرت صاحب کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے۔

مکاشفہ کے ذریعے اعتقاد درست | ڈاکٹر عبدالرؤف ویرانی کا بیان ہے
 کہ حضرت امیر عزمیہؒ ۱۹۵۱ء میں دورہ کے سلسلہ میں کھوتھیاں نزد چکوال تشریف لائے۔ میں وہیں سہگل آباد ڈسپینسری کا انچارج تھا۔ جب دوپہر کے وقت حضور قیلوہ فرما رہے تھے تو چند پیر بھائی ایک بیٹھک میں حضور کے تذکار طیبہ بیان کرنے لگ گئے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ آپ (راقم اثر) نے حضور کی چند کرامات بیان کیں۔ میں ان دنوں حضرت امیر عزمیہؒ کے کلمات باطنی کا قائل نہیں تھا۔ میں سن کر دل میں کہنے لگ گیا دیکھئے خاصے پڑھے لکھے لوگوں نے بھی کہا نبیاں گھڑ لی ہیں۔ اب ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ حضور کی روانگی کے چند روز بعد میں ایک صبح لباس تبدیل کر کے ہسپتال جانے کے لئے تیار تھا۔ گھڑی پر دیکھا تو پندرہ منٹ باقی تھے کسی پر بیٹھ گیا اور نوبت کی انتظار کرنے لگ گیا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے کیا دیکھتا ہوں کہ گولڑہ شریف پہنچ چکا ہوں۔ روضہ انور پر حاضر ہوں۔ لنگر شریف میں قیام کیا۔ کئی ماہ وہاں رہا۔ نمازیں زائرین کے ساتھ باجماعت ادا کرتا رہا۔ ایک روز ایک درویش نے کہا تیرا فیض جلا پور شریف ہے۔ گولڑہ شریف اسٹیشن

پر آیا اور گاڑی پر سوار ہو کر لاہور پہنچ گیا۔ وہاں والد صاحب وفات پا گئے
 تھے۔ آٹھ دس روز مہمانوں کی آؤ بھگت میں مصروف رہا۔ فارغ ہوا تو
 گاڑی پر سوار ہو کر ہرن پور کے رستہ جلا پور شریف پہنچا۔ اس سے پہلے اس
 مقدس شہر میں کبھی حاضر نہیں ہوا تھا۔ حضرت امیر حزب اللہ مغربی باغ
 والی کوٹھی میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ کو درد گردہ کی تکلیف تھی۔ اجازت
 لے کر میں نے علاج کیا۔ اور حضور بفضلہ تعالیٰ صحت یاب ہو گئے۔ صاحبزادگان
 والا تبار سجد خوش ہوئے اور چیک کاٹ کاٹ کر بندہ کو کرا قدر انعامات سے
 نوازا۔ حضور نے ازراہ فدہ نوازی فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب آج سے آپ ہمارے
 خاندانی ڈاکٹر ہیں۔ لنگر شریف سے آپ کو چار صد روپیہ ماہانہ ملا کرے گا۔ میں
 بے حد خوش ہوا۔ حضور کے الطاف شاہانہ نے دل میں گھر کر لیا۔ روضہ اقدس
 پر حاضر ہوا۔ روح کو عجیب سرور حاصل ہوا۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے
 ایک روز میں حضور پر نور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور عرض
 کی قبلہ چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اجازت عنایت فرمائیں حضور نے اپنے مخصوص
 کریانہ انداز میں دعائے خیر فرمائی اور میں رخصت ہو کر کھوتھیاں پہنچ گیا۔
 اب کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے گھڑی پر نونج رہے تھے۔ اللہ اکبر۔
 ان پندرہ منٹ میں میں نے کیا کیا دیکھ لیا تھا۔ کہاں کہاں پہنچا تھا۔ کن کن
 الطاف و عنایات سے مستفیض ہوا تھا۔ سبحان اللہ یہ چند لمحات کیسے معجز نما
 اور کس قدر روح پرورد تھے۔ دل کی عجیب حالت تھی۔ طبیعت سخت بیتاب
 ہو چکی تھی۔ فوراً الحاج ملک محمد حسین صاحب ساکن کھوتھیاں کو بلا بھیجا۔ تمام
 حالات بتائے اور عرض کی ملک صاحب مجھے جلد از جلد حضور کی خدمت
 میں لے چلیے۔ چنانچہ اگلے اتوار ہم دونوں حضور کی خدمت میں راولپنڈی

پہنچ گئے حضور نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب مکاشفہ کی بنا پر آگے بندہ

نے سر جھٹکا دیا۔ بیعت کی اور حضور کی توجہات باطنی سے مالا مال ہوا

مگر زندہ ہو گیا | میاں خدا بخش سکندہ آلہ حلفاً بیان کرتے ہیں کہ

۱۹۱۵ء میں جب حضور کی ولیمہ کا زمانہ تھا۔ اور قبلہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کے ہر وقت عالم استغراق میں رہنے کی وجہ سے خلافت کے تمام فرائض

حضور ہی انجام دیا کرتے تھے۔ اور حضور کی نشست اس کمرہ میں ہوا کرتی

تھی جہاں آج کل روضہ اطہر کا براآمدہ ہے، میں بیمار ہو گیا۔ عرصہ دراز تک

بستر پر پڑے رہنے کی وجہ سے بخار کی جلن کے باعث پیٹھ پر زخم پڑ گئے۔

ایک دن میں مر گیا۔ لاکھ میری روح آسمان پر لے گئے۔ وہاں حساب و کتاب

ہوا۔ حساب بالکل صاف نکلا۔ اور خوشنودی الہی کا پروانہ مل گیا۔ اس

وقت ندا آئی کہ سید محمد فضل شاہ صاحب سفارش فرماتے ہیں کہ خدا بخش

کو واپس بھیجا جائے۔ چنانچہ میری واپسی کا حکم ہو گیا۔ لیکن میں نے انکار

کر دیا۔ میں نے عرض کی اب تو خداوند کریم کی رضا مندی حاصل ہو گئی ہے

دنیا میں گیا تو غلطیاں سرزد ہوں گی۔ گرفت ہو گی۔ اور مجھے آخرت کی سوائی

نصیب ہو گی۔ اس وقت مجھے یقین دلایا گیا کہ پھر آنے پر تمہیں موجودہ درجہ

ضرور ملے گا۔ فکر نہ کرو۔ اس یقین دہانی کے بعد میں زمین پر واپس آ گیا۔

میرے وجود میں حرکت پیدا ہوئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا چار پائی کے ارد گرد تمام

رو رہے ہیں مجھے پھر زندہ دیکھ کر سب حیران ہو گئے اور رونا دھونا بند

کر دیا۔ حقیقی موت کے بعد یہ نئی زندگی تھی۔

گم شدہ مثل مل گئی | میاں خدا بخش صاحب مذکورہ بالانے بتایا کہ راجہ

محمد عباس سکندہ و تو چوڑہ ڈپٹی کمشنر گجرات کے ریڈر تھے۔ ان سے ایک تم

مثل کم ہو گئی۔ راجہ صاحب بے حد پریشان ہوئے۔ پیر بھائی تھے۔ ہر وقت خیال قبلہ حضرت امیر عرب اللہ کی طرف رہنے لگا۔ ایک رات حضور نے خواب میں فرمایا گھبراؤ نہیں۔ مثل کھیوہ کی تھی مگر غلطی سے مانگٹ کے بستہ میں باندھ دی گئی ہے۔ وہاں سے لے لو۔ راجہ صاحب صبح دفتر گئے اور جاتے ہی پیر ایک کو کہا مبارک ہو مثل مل گئی ہے۔ سب سے پوچھا کہاں ہے۔ انہوں نے کہا مانگٹ کا بستہ لاؤ۔ تمام کے سامنے کھولا۔ دیکھا تو مثل موجود تھی۔ حضور کی کرامت کو دیکھ کر ہر ایک حیران رہ گیا۔

بارش تھم گئی | یہی میاں خدا بخش کہتے ہیں کہ ایک بار قبلہ حضرت صاحب آلہ استیشن پر تشریف لے جا رہے تھے۔ ریل پر سوار ہونا تھا۔ دریا عبور فرمایا تو آسمان پر بادل چھا گیا۔ بارش شروع ہو گئی۔ حضور پنڈی الیانی کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور انتظار فرمانے لگے کہ کب بارش تھمتی ہے کئی گھنٹے گذر گئے۔ مینہ موسلا دھار برس رہا تھا اور ہر لحظہ اس کا زور بڑھتا چلا جاتا تھا۔ پرنا لوں سے چھاجوں پانی گر رہا تھا۔ چاؤں طرف دھند پھیلی ہوئی تھی بادل گرجتے تھے۔ بجلی چمکتی تھی اور ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ جب بڑی دیر ہو گئی اور گاڑی نکل جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو حضور نے فرمایا۔ خدا بخش باہر جاؤ اور بادلوں کو کہو۔ اب تھم جاؤ۔ خدا بخش کہتے ہیں میں بستے مینہ میں باہر نکلا اور گھنگھور گھٹاؤں کو مخاطب کر کے کہا۔ قبلہ حضرت صاحب فرماتے ہیں "اب تھم جاؤ"۔ بارش فوراً مدھم پڑ گئی۔ بادل چھٹنے لگے۔ اور تھوڑی دیر میں مطلع صاف ہو گیا۔

دریا پیچھے ہٹ گیا | لنگر شریف کا زمین زمین مقامات پر دریا کے قریب ہے طغیانی کے ایام میں جب دریا کا بہاؤ زوروں پر ہوتا ہے تو

کنارے کی زمین دریادرو ہونے لگ جاتی ہے اس طرح لنگر شریف کی زمین کو کئی بار خطرہ لاحق ہوا ہے۔ یہ زمین اس لحاظ سے ضروری ہے کہ وہاں بخت ہیں۔ زیر درستی عام ہے۔ سرکنڈوں اور گھاس کا وجود ہے۔ اس لئے یہ زمین بیخ سے بیلہ کے نام سے موسوم چلی آئی ہے۔ جہاں شریف کے مولشی اور ریوڑ چرا کرتے ہیں۔ نیز ویسے بھی اور عرس مبارک کے لئے بھی لنگر شریف میں ایندھن وہاں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ایک بار جب دریا اپنے دائیں کنارے کو گراتا گراتا بیلے کے قریب پہنچ گیا تو مولشیوں کا محافظ میاں مکھانہ حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور حقیقتاً حال بیان کی حضور نے ارشاد فرمایا۔ روزانہ بیلے سے دریا کا فاصلہ ماپ لیا کرو۔ انجام کار دریا بالکل قریب آ گیا۔ میاں مکھن پریشان ہو کر حاضر خدمت ہوا حضور نے فرمایا جا کر ہماری طرف سے بعد از سلام کہو کہ بیلہ غریب درویشوں کے کام آئے اسے رہنے دیجئے ورنہ آپ کی مرضی دریادرو کے پیغام کو سن کر پیچھے ہٹ گیا اسی طرح حضور نے ایک بار میاں مکھن درویش کو روانہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ دریائے کنارے دو نفل پڑھ کر ہمارا سلام اور پیغام دینا۔ میاں مکھن کیچڑ اور پانی میں سے گذرنا ہوا کیا اور تعمیل ارشاد کی۔ دریائے پیغام سن کر سر تسلیم خم کر دیا۔ ایک بار حضور نے چودھری اللہ بخش کو فرمایا کہ ہماری طرف سے جا کر کہو کہ زمین غریب درویشوں کے لئے رہنے دی جائے۔ یا صبح کے وقت دریا لنگر شریف کی زمین کے بالکل قریب بڑی طغیانی کے ساتھ بہ رہا تھا یا دوپہر کے وقت ملاحوں نے دیکھا کہ دور جنوب کی طرف ہٹ گیا ہے۔ بار بار اس طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ لنگر شریف کی زمین کے قریب دریا ٹم کھا کر آگے نکل گیا ہے۔

بیماری دور۔ اعتقاد درست۔ غلام رسول صاحب درویش

نگر شریف کہتے ہیں کہ ان کا لڑکا حافظ غلام احمد سخت بیمار ہو گیا۔ جان کے
 لائے پڑ گئے۔ گھر سے اطلاع پہنچی تو حضور کی خدمت میں عرض کی گئی حضور
 نے ازراہ نوازش دعائے خیر فرمائی اور صوفی صاحب کو ارشاد فرمایا۔ آپ
 کو گھر جانا چاہئے۔ صوفی صاحب سفر کا ارادہ لے کر رات سوئے تو خواب میں
 بشارت ملی کہ غلام احمد تندرست ہو چکا ہے۔ آپ صبح روانہ ہو کر گھر پہنچے۔ اہل خانہ
 اور ڈاکٹر نے بتایا۔ لڑکا کھل سے رو بصوت ہے۔ چنانچہ چند ایام میں اس کی صحت
 بحال ہو گئی۔ بعد اس کا اعتقاد خراب ہو گیا۔ والدہ بھی اس کی ہمنیال تھی۔ صوفی
 صاحب گھر گئے جب اپنے کانوں سے غلام احمد کی زبانی شکایت سنی تو اس سے
 بالکل برگشتہ خاطر ہو گئے۔ لیکن حضرت صاحب قبلہ بیحد تعلق پرور ہیں۔ حضور
 صوفی صاحب کو ہمیشہ فرمایا کرتے۔ غلام احمد آپ کا بیٹا ہے۔ والد کی حیثیت
 سے اس کے لئے دعائے خیر کہا کریں۔ جب صوفی صاحب آنکھوں کے علاج کے
 لئے لاہور گنکارام ہسپتال میں حضور کے حکم سے داخل تھے تو حافظ غلام احمد
 جوان دنوں لاہور توپ خانے میں امام تھا۔ اچانک اپنے بیٹے عبدالقدوس
 کے علاج کے لئے آگیا۔ والد کو دیکھ کر معافی کا خواستگار ہوا۔ قطع تعلق کے
 بارہ سال گزر چکے تھے۔ صادق اعتقاد صوفی صاحب نے فرمایا۔ تجھے قبلہ حضرت
 صاحب معاف فرمائیں گے ۳۲۔ بی گلبرگ جاؤ۔ جہاں حضرت پیام فرمائیں
 حافظ غلام احمد حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ معافی مانگی۔ رحیم اور
 کریم مرشد پاک نے معاف فرمایا۔ اس وقت سے غلام احمد صوفی صاحب کا
 خدمت گزار ہے۔ حضور کا نیاز مند ہے۔ فاسد عقائد ترک کر چکا ہے۔ جناب سرور
 کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کی مدح سرائی میں مصروف ہے
 گویا حضور کی کرامت سے غلط عقیدے کو چھوڑ کر صحیح معنوں میں داخل سلام

ہو چکا ہے۔

حضور کے درویش بھی ولی | مولوی عبد الجبار صاحب کم و بیش چالیس سال

تک لنگر شریف کے امام مسجد رہے۔ بڑے مرعبان مرنج قسم کے درویش تھے۔
 خاموشی اور باقاعدگی سے اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ ۵ جولائی ۱۹۶۲ء
 کو بروز جمعرات آپ نے حسب معمول صبح کی نماز پڑھائی۔ مسجد سے فارغ ہو کر
 روضہ شریف پر حاضر ہوئے۔ پھر محل شریف کی ویلیز کا بوسہ لیا۔ قبلہ حضرت
 صاحب کی عدم موجودگی میں حضور کی محبت اور عقیدت آپ کو محل شریف
 کی ویلیز پر لے جاتی تھی اور بعد عجز و نیاز بوسہ لیا کرتے تھے۔ وہاں سے آپ گھر
 گئے۔ گھر سے پھر لنگر شریف میں حاضر ہوئے اور لستی نوش فرمائی۔ لستی پینے کے
 بعد آپ جا رہے تھے کہ راستہ میں سردار درویش ملے۔ ان سے کہا کیا آپ کو
 علم ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رسول اکرم تھے۔ پھر مسجد میں جا کر تمام
 چیزیں درست کیں اور چودھری اللہ بخش کو کہا جو کوزے بنوائے گئے ہیں۔ صبح
 بھر کے لئے کافی ہیں۔ زوال بعد آپ گھر لوٹ گئے۔ اپنی صاحبزادیوں کو کہا۔
 پیٹ میں تکلیف ہے۔ چائے تیار کرو۔ چائے پینے کے بعد اجابت ہوئی۔ استنجا
 کیا۔ بڑے اطمینان سے وضو کیا۔ اٹھنے لگے تو کمزوری محسوس ہوئی۔ پیچموں کو
 کہا مجھے اٹھا کر چار پائی پر لٹا دو۔ چار پائی پر لیٹے۔ پیچموں نے پاؤں دبانے
 چاہے۔ مولوی صاحب نے کہا اب بیکار ہے اور جان بحق ہو گئے۔ یہ مرو
 درویش ایک ولی اللہ کی طرح چلتے پھرتے، بیماری کی کسی خاص آزمائش میں مبتلا
 ہوئے بغیر سکون اور اطمینان کے ساتھ جمعرات کو جو مبارک روز شمار ہوتا ہے
 وصال پا گئے۔ ان کی وفات سے چند سال پہلے لنگر شریف کے کاردار منشی
 شیر باز خان بھی اسی طرح اچانک بہ سکون قلب انتقال فرما گئے تھے۔ بیماری

کا کوئی عارضہ لاحق نہ ہوا تھا۔

صاحب اولاد ہو گئے | مستری کرم دین کہتے ہیں کہ انہیں شادی کئے گیارہ سال ہو چکے تھے۔ اولاد نہ ہوتی تھی۔ ایک روز غالباً ۱۹۲۹ء میں حضور بہن پور میں حاجی فضل دین کے ہاں تشریف فرما تھے۔ کئی لوگ معروضات پیش کر رہے تھے۔ بعض عورتوں نے بھی دعائے خیر کے لئے اپنی درخواستیں حضور کے گوشگزار کیں۔ مستری کرم دین کی والدہ خاموش رہیں۔ حضور نے فرمایا آپ کیوں خاموش ہیں۔ انہوں نے دستہ بستہ التماس کی کیا عرض منظور ہوگی۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ مستری صاحب کی والدہ نے عرض کی قبلہ کرم دین بے اولاد ہے۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی اور کہا اللہ فضل کریگا چنانچہ ایک سال بعد اولاد شروع ہو گئی۔ مستری کرم دین کہتے ہیں اس طرح حضور کی دعائے خیر سے انہوں نے کئی مایوس لوگوں کو صاحب اولاد ہونے دکھا ہے۔

یاس میں آس | راقم کے چچا میاں عبدالعزیز نے اپنے فرزند عبدالقیوم کی شادی کی بعد میں اپنی بیٹی کو بیاہ دیا۔ مگر دونوں بہن بھائی کئی سالوں تک اولاد سے محروم رہے۔ مایوس ہو کر عمولیم صاحب کے دل میں خیال آتا تھا کہ اکلوتا بیٹا ہے۔ دوسری شادی کر دینی چاہیے۔ راقم سے ذکر ہوا۔ بندہ نے عرض کی۔ جلد از جلد قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔ عمولیم صاحب نے بندہ کو ساتھ لیا اور بہو اور بیٹی دونوں کو لے کر حضور کی خدمت میں ۳۲ بی بلاک گلبرگ لاہور حاضر ہوئے۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی۔ قبلہ مائی صاحبہ نے تعویذات عنایت فرمائے۔ اور سال کے اندر اندر دونوں لڑکیوں کی گودہری ہو گئی۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے چاند جیسے خوبصورت

پیدے عطا کئے۔ حضور نے ایک نام عبدالحی رکھا اور دوسرے کا امین الرشید۔

بولنے سننے والی اولاد نصیب ہوئی اسی طرح بندہ کے دوسرے چچا میاں عطا محمد کے دو پوتے اور ایک پوتی پے درپے بہرے گونگے پیدا ہوئے بے انتہا درد و غم لاحق ہوا۔ عمویم صاحب نے بچوں کے باپ عبد الرزاق اور اس کی بیوی کو جلا پور شریف حضور کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی۔ بیک وقت دو لڑکے پیدا ہوئے۔ حضور نے محمد یعقوب اور محمد اسحاق نام تجویز فرمائے۔ جب بولنے کا وقت آیا تو ایک کی زبان رواں تھی اور دوسرے کی ذرا اٹکتی تھی۔ عمویم صاحب نے عریفہ کے ذریعے حضور کی خدمت میں ماجرا بیان کیا۔ ادھر سے ڈاک حضور کا گرامی نامہ لائی۔ اور ادھر دوسرے بچے کی زبان بھی رواں ہو گئی۔

نمبرداری مل گئی | چوہدری اللہ بخش ساکن چک جنوبی ضلع سرگودھا کے والد ماجد دسمبر ۱۹۳۲ء میں فوت ہو گئے۔ چوہدری صاحب ابھی کمسن تھے۔ ان کے والد مرحوم کی جگہ نمبردار کی تعیناتی کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ کئی اور لوگوں نے درخواستیں دیں۔ اپنی اپنی جگہ پر وہ تمام صاحب جائیداد، بار سوخ معتبر اور تجربہ کار تھے۔ علاوہ بریں سفارشیں بھی شروع ہو گئیں۔ چوہدری صاحب خور و سال تھے۔ اس لئے سخت گھبرائے۔ بار بار حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے جناب نواب صاحب یا صاحبزادہ سید محمود شاہ صاحب تشریف لے جا کر افسران سے سفارش کریں اور پھر درخواست دی جائے۔ ایک بار جہلم کے مقام پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ درخواست ابھی وہی ہے یا نہیں۔ چوہدری صاحب نے عرض کی قبلہ نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ اسی وقت جاؤ اور درخواست دے دو۔

چودھری صاحب پسی پر جلالپور شریف روضہ اقدس پر حاضر دیتے گئے۔ وہ کہتے ہیں یا تو کوئی ان کی بات سنتا نہ تھا یا پھر ہر ایک ان کا ہی خواہ بن گیا۔ عرضی نوٹس نے بڑی مدلل درخواست لکھی۔ تحصیلدار صاحب نے فرمایا۔ میرے پاس کوئی سفارش نہ لانا۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور اگر سول کا کوئی ملازم رشوت مانگے تو مجھے بتانا۔ دوسرے امیدواروں کے لئے تحصیلدار صاحب کے اپنے رشتہ داروں نے ان کے پاس سفارش کی۔ انہوں نے کہا اگر تم بقضائے الہی فوت ہو جاؤ اور مجھے تمہاری جائداد تقسیم کرنے کا اختیار ہو تو کیا چاہو گے کہ تمہارے کمسن یتیم بچوں کی بجائے اوروں کو جائداد اور نمبر داری وغیرہ دے دوں۔ دارالپور کے راجگان راجہ طالب ہمدی خان ڈپٹی کمشنر سمیت کاروں پر سوار ہو کر ایک امیدوار کی سفارش کے لئے گئے۔ مگر تحصیلدار صاحب نے راجہ طالب ہمدی خاں کو کہا۔ آپ محکمہ مال کے مقدمات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ تمام مثل دیکھ کر خود فیصلہ لکھ دیں میں نیچے دستخط کر دوں گا۔ بہر حال ایک طرف دنیا دار اڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اور دوسری طرف ایک ولی کامل کی دعا تھی مقدمہ ایک سال رہا لیکن حضور کی توجہ کا وہ اثر تھا کہ سفارش کرنے کا خیال تک دل سے نکل گیا۔ حالات خود بخود موافق ہوتے چلے گئے۔ جب آخری تاریخ قریب آئی تو حضور نے فرمایا۔ اب بھی نواب صاحب کی سفارش ضروری سمجھتے ہو چودھری صاحب نے عرض کی قبلہ نہیں حضور نے فرمایا ڈپٹی کمشنر صاحب کے سامنے جا کر روضہ شریف کا تصور قائم کر لینا۔ تحصیلدار صاحب نے دوسرے امیدواروں کی خامیاں نکال کر چودھری اللہ بخش کے حق میں زبردست سفارش کی۔ اور جب ڈپٹی کمشنر فیصلہ لکھ رہا تھا تو سامنے کھڑے ہو کر چودھری صاحب محسوس کر رہے تھے کہ اونا قلم حضرت صاحب قبلہ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ انہیں نمبر داری

مل گئی۔

سینہ کھل گیا صوفی شیر محمد قائم مقام سجادہ نشین جلالپور شریف کہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی حتیٰ کہ ناظرہ قرآن مجید بھی اچھی طرح نہیں پڑھا۔ مگر حضور سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اور حضور خاص نظر التفات سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک بار ۱۹۵۸ء کے موسم گرما میں صوفی صاحب قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے خود بلا بھیجا تھا۔ جمعہ کا روز تھا حضور نے خطبہ کے دوران میں مختصر تقریر ارشاد فرمائی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ اپنے اندر جھانکو اور اپنی حقیقت معلوم کرو۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ اس وقت حضور نے ایک ایسی نگاہ ان پر ڈالی کہ معلوم ہوا بجلی کو ندی ہے اور پھر انشراح صدر ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مطالب اور معافی جن کا کبھی وہم و گمان بھی دل میں نہیں گزرا تھا از خود زبان پر جاری ہو گئے۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ کاش حضور ایک بار پھر اسی قسم کی نگاہ آپ پر ڈالتے۔

عطشِ خلافت | صوفی شیر محمد صاحب کا بیان ہے کہ جس روز ان کے دل کو گنجینہ معافی بنایا گیا اس روز ایک اور عجیب و غریب واقعہ بھی رو پذیر ہوا۔ وہ دن اس لحاظ سے تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور جب جماعت کراتے ہوئے سجدہ کرنے لگے تو آپ کا دایاں ہاتھ اٹھنے سے رہ گیا۔ یعنی نماز پڑھاتے ہوئے اچانک فالج گرا۔ حضور درگاہ الہی میں سر بسجود ہونا چاہتے تھے مگر ہاتھ اٹھتا نہیں تھا۔ ہمارے براہِ طریقت سید محمد فضل الحق شاہ صاحب ساکن کھیوہ بیچھے صف میں موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا حضور سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف عزم سجدہ ریزی ہے اور دوسری طرف مفلوج ہاتھ کی بے حرکتی۔ شاہ صاحب نے لہٹ نماز توڑ دی۔ حضور کے ہاتھ مبارک کو اٹھا کر

آگے رکھا۔ حضور نے سجدہ کیا۔ سر اٹھاتے اور سجدہ کرتے وقت حضور کا ہاتھ شاہ صاحب اسی طرح اٹھا کر زانو پر رکھتے اور پھر سجدہ گاہ پر۔ اس طرح حضور کی نماز ادا ہوئی۔ حاضرین کی تشفی کے لئے حضور نے شاہ صاحب سے استفسار فرمایا آپ نے نماز کیوں توڑ دی۔ شاہ صاحب نے عرض کی۔ قبلہ میں نے فقر و تصوف کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ اگر ولی اللہ اس طرح تکلیف میں مبتلا ہوں تو ان کی مدد کے لئے نماز توڑنا جائز ہے۔ حضور نے شاہ صاحب کی ذات میں خلوص و عقیدت اور نیاز مندی کا پاکیزہ جوہر دیکھا تو اسی وقت فرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

فقر غیبی صوفی شیر محمد موصوف کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گاؤں بھال پڑھی کنواں کھدوانا چاہا۔ پہاڑی علاقہ میں کنواں کھدوانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ صوفی صاحب کا ارادہ تھا کہ حضور بسلسلہ دورہ عزب اللہ تشریف لائیں گے تو آپ کی دعائے خیر کے بعد کھدائی شروع کی جائے گی۔ مگر بعض احباب کے مشورہ پر عمل کر کے صوفی صاحب نے عجلت سے کام لیا۔ اور ایک اور بزرگ سے دعائے خیر کہلا کر کام شروع کر دیا۔ آٹھ دن کے بعد حضور دورہ پرتشریف لائے۔ باوجودیکہ صوفی صاحب نے روضہ شریف کی منت ۲۰ روزے مانی ہوئی تھی۔ مگر فقر غیبی کچھ اور چاہتا تھا۔ وہاں درہم و دینار پر گاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ حضور نے صوفی صاحب سے کوئی بات نہ کی جب صوفی صاحب کوشش کرتے تو حضور کسی اور طرف متوجہ ہو جاتے۔ فقر و تصوف میں توحید مطلب کا تقاضا ہوتا ہے کہ عقیدہ مند اپنے شیخ کے بغیر اور کسی بزرگ سے فیض کی امید نہ رکھے۔ قبلہ حضرت صاحب یہی بنیادی بات صوفی صاحب کو ذہن نشین کرانا چاہتے تھے۔ صوفی صاحب کو پتہ چل گیا کہ حضور ناراض ہیں

حضور کا قیام وہاں ایک دن رات تھا۔ روانگی کے وقت پیر بھائیوں نے عرض کی حضور صوفی شہر محمد کے کنوئیں کے لئے دعائے خیر فرمائی جائے۔ آپ خاموش رہے۔ دوبارہ تمام نے عرض کی۔ آپ نے دعائے خیر تو فرمادی مگر کلام نہ فرمائی اب پانی تو نکل آیا اور بڑے زور سے نکلا۔ لیکن اوپر سے پتھر گرنے شروع ہو گئے اور کسی صورت تھمتے نہیں تھے۔ صوفی صاحب نے سمجھا ابھی ناراضگی باقی ہے۔ لوگ منع کرتے رہے۔ مگر انہوں نے کام کسی اور کے سپرد کیا اور خود جلالپور شریف روانہ ہو گئے۔

بیس کوس طے کرنے کے بعد رات ایک مسجد میں بسیرا کیا۔ کسی نے ازخود باہر سے آکر کہا۔ روٹی لے لو۔ صوفی صاحب نے فرط غم اور ندامت کی وجہ سے کہا۔ مجھے ضرورت نہیں۔ اس شخص نے کہا۔ تمہارے لئے تیار ہوئی ہے لپنی پڑے گی۔ صوفی صاحب نے لے لی۔ تین کھانے پکائے گئے تھے۔ اگلے روز باقی بیس کوس کا فاصلہ طے کر کے صوفی صاحب جلالپور شریف پہنچ گئے۔ روزِ شریف پر حاضر ہو کر دعا مانگی۔ پیر محمد شاہ مرحوم قائم مقام سجاوہ نشین تھے۔ انہوں نے حال پوچھ کر فرمایا غمناک نہ ہوں۔ آپ عقیدتمند ہیں۔ کام انشاء اللہ بن جائے گا۔ اس وقت قبلہ نواب صاحب شریف لائے۔ انہوں نے بھی دعائے خیر فرمائی مگر واپسی کی رخصت عنایت نہ فرمائی۔ اگلے روز قبلہ حضرت صاحب مراجعت فرما ہوئے۔ حضور بدستور کبیدہ خاطر تھے۔ صوفی صاحب نے بھی تہیہ کر لیا کہ اب یا تو حضور راضی ہو جائیں گے۔ یا پھر جلالپور شریف میں ہی موت آجائے گی۔ دو دن اسی طرح گذر گئے۔ تیسرے روز حضور جب قبیلوہ کے لئے محل شریف میں استراحت فرما ہونے لگے تو پیر بھائیوں کو حسب دستور فرمایا۔ اب آپ جائیں صوفی صاحب اٹھ کر بغلی کمرے میں چلے گئے۔ جہاں حضور وضو غسل فرمایا کرے

ہیں۔ اور شدت غم کے باعث اس قدر روئے کہ بیان سے باہر ہے۔ حضور آرام فرمانے کے بعد اسی بغلی کمرہ میں وضو کرنے لگے تو صوفی صاحب کھسک کر باہر چلے گئے۔ اور جا کر مسجد میں نماز شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی نے آکر کہا۔ شیر محمد کو حضور طلب فرماتے ہیں۔ صوفی صاحب خوش ہو گئے اور دل میں کہا الحمد للہ۔ اب آزمائش ختم ہو گئی ہے۔ بھاگ کر گئے۔ اور توشے کی خاطر چار روپے پیش کئے۔ حضور نے پوچھا۔ شیر محمد کس وقت آئے۔ صوفی صاحب نے مناسب حال جواب دیا۔ حضور نے پیسوں کی طرف اشارہ کر کے استفسار فرمایا یہ کس لئے ہیں۔ صوفی صاحب نے عرض کی توشہ کے لئے۔ چنانچہ منظم توشہ کو یہ رقم دی گئی۔ ایک روپیہ زائد تھا۔ صوفی صاحب نے عرض کی۔ حضور کے دورہ پر دو بچا تھا۔ اس کا گھی بنا کر بیچا تھا۔ یہ سن کر حضور نے روپیہ منظور فرمایا۔ اگلے روز اجازت ملی۔ صوفی صاحب واپس گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ جب وہ جلاپور شریف پہنچ کر روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اس وقت ادھر کنوئیں میں آخری پتھر گرا۔ اس کے بعد کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ اور کنواں خیر و خوبی تکمیل پذیر ہوا۔ چند روز بعد جب قبہ حضرت صاحب بسلسلہ دورہ موڑہ امین پہنچے تو فرمایا۔ شیر محمد کنواں تو جلاپور شریف سے مکمل کرا کے چلے تھے۔

چشمہ شیریں نکل آیا | رسالہ "شان محبوبی" کے مصنف غوث محمد

ساکن جلاپور شریف رقمطراز ہیں کہ حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی محبوب خدا ہیں۔ اور جیسا کہ "نفحات محبوب" میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ مبارک درج ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی کوئی نعمت رو نہیں کرتے۔ قبلہ حضرت امیر حزب اللہ کا بھی یہی حال ہے۔ خداوند کریم نے آپ کی کبھی کوئی دعا رو نہیں کی۔ ایک بار حضور دورہ حزب اللہ کے سلسلہ

میں موضع چک شفیق تشریف لے گئے جو پنڈواونخاں سے شمال کی طرف دو کوس کے فاصلے پر کوہستان نمک کے دامن میں واقع ہے۔ اس علاقہ کو تھل کہتے ہیں۔ زمین شور ہے اور پانی سخت تلخ۔ پیر بھائیوں اور باقی مسلمانوں نے عرض کی ہم لوگ سخت لاچار اور مجبور ہیں۔ پانی لانے کے لئے تین کوس کے فاصلے پر لب دریا جانا پڑتا ہے۔ خدا را ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں لوگوں کی فریاد سن کر حضور کے دل میں جذبہ بھدرومی پیدا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے ساتھ چلو۔ تمام لوگ دستہ بستہ حضور کے ساتھ ہوئے۔ آپ گاؤں سے جنوب مشرق کی طرف نصف میل کے فاصلے پر پہنچے تو پہاڑی نالہ آیا۔ اہل کنارے پر کھڑے ہو کر آپ نے دعائے خیر فرمائی۔ پھر اپنے عصائے مبارک سے زمین پر ایک گول نشان بنایا اور فرمایا تم لوگ اس دائرے کے اندر جتنے کنوئیں نکالو گے بفضل خدا میٹھا اور مفید پانی ہو گا۔ چک مذکور کے پیر بھائیوں نے فوراً کنواں کھودا اور نہایت ہی میٹھا اور لذیذ پانی نکلا جو آٹا گوندھنے اور بانڈی پکانے کے لئے بھی مفید ثابت ہوا۔ اس طرح کئی ہزار سال بعد حضور نے:

و اذا استسقى موسى لقومه فقلنا اضرب بعصاك الحجر

فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا قد علم كل اناس مشربهم

کا معجزہ تازہ کر دکھایا۔ اس کنوئیں سے اب چرند، پرند، انسان، باقی حیوان پانی پیتے ہیں۔ اور حضرت امیر حزب اللہ کو دعائیں دیتے ہیں۔ قریب کے موضع کسلی والوں نے سمجھا۔ شاید نالے کے بارانی پانی کی وجہ سے کنارے پر میٹھے پانی کا کنواں نکل آئے۔ انہوں نے دوسرے کنارے پر کنواں کھودا تو اس کا پانی بدستور تلخ اور ناقابل استعمال تھا۔ راجہ محمد افضل صاحب کچک جانی

نے بتایا کہ وہ ایک بار چک شفیع میں گئے تو لوگوں نے وہ کنواں دکھایا اور بتایا کہ حضور کی یہ زندہ کرامت ہے۔

کوڑھ اور جذام دور | لالہ موسیٰ کے قریبی گاؤں کا ایک شخص رحماں کوڑھ اور جذام کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں سے سفید رطوبت جاری ہو گئی۔ اور اس وجہ سے انگلیوں کی لمبائی گھٹنے لگ گئی۔ گھر والوں نے خوفزدہ ہو کر اسے گاؤں سے باہر چھوڑ دیا۔ کس میسرسی کے عالم میں وہ بیچارہ گھر والوں کو اطلاع دیے بغیر جلا پور شریف حاضر ہو گیا۔ حضور پر نور کی خدمت میں اپنی درو بھری داستان عرض کی۔ حضور نے فرمایا جاؤ۔ باغ والے کنوئیں کی گاوی پر بیٹھا کرو اور پیلوں کو ہانکا کرو۔ وہاں پر رہنے والے درویشوں نے عرض کی۔ حضور جب رحماں ایسے خطرناک مرض میں مبتلا ہے تو کیا ہم اس سے پرہیز کریں۔ حضور نے فرمایا۔ جو ڈرتا ہے وہ اس سے اس طرح دور بھاگے جس طرح شیر سے ڈر کر بھاگا جاتا ہے۔ اور جو نہیں ڈرتا اسے فکر نہیں درویش ادا شناس تھے وہ بے فکر ہو کر اس کوڑھی اور جذامی کے ساتھ ننگر شریف کی وال روٹی کھاتے رہے۔ دو چار روز میں اس کی انگلیوں کی رطوبت نکلنا بند ہو گئی۔ پھر انگلیاں بڑھنے لگ گئیں۔ حتیٰ کہ ان کی اصلی حالت عمو کر آئی۔ وہ چنگا بھلا ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے رشتہ دار آئے۔ اور حضور سے اجازت لے کر اسے گھر لے گئے۔

خنازیر غائب | ایک شخص سلیمان حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی قبضہ پونچھ کا رہنے والا ہوں۔ گلے اور سینے پر خنازیر کے زخم ہیں۔ ڈاکٹر اور جراحوں نے وجود کے اس حصے کو چھلنی بنا ڈالا ہے۔ پرپ ہر وقت جاری رہتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو بندہ ننگر شریف میں ٹھہر جائے۔ حضور نے فرمایا۔ کیا

کام کرو گے۔ اس نے عرض کی حضور جو حکم دیں گے حضور نے ارشاد فرمایا۔ اچھا سبیلے میں جاؤ اور لنگر شریف کے ریوڑ کے ساتھ رہو۔ سلیمان نے ریوڑ کو چرگاہ میں لے جانا شروع کر دیا۔ لنگر شریف سے اُسے روٹی پہنچ جاتی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اسکے زخم رسنے بند ہو گئے۔ اس کے بعد گلے، سینے اور وجود کے نچلے حصے میں جتنی گلٹیاں تھیں دور ہو گئیں۔ خنازیر کا نام و نشان بھی نہ رہ گیا۔ وہ دس سال تک لنگر شریف کی خدمات بجالاتا رہا اور پھر کسی خانگی مجبوری کی وجہ سے واپس پونچھ چلا گیا۔

تپ و ق ختم | ایک شخص تپ و ق کا مریض تھا۔ گھر والوں نے اسے اس خون سے بھگا دیا کہ یہ موذی مرض ہمیں نہ چمٹ جائے۔ اس بے چارے کو ایک پناہ گاہ نظر آئی اور وہ لنگر شریف تھا۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا۔ جاؤ باغ والے کنوئیں کی گاڑھی پر بیٹھا کرو۔ جب کنوئیں پر بیل جوڑے جاتے تو وہ پھڑی لے کر گاڑھی پر بیٹھ جاتا۔ اور بیلوں کو ہانکا کرتا۔ حضور کی توجہ نے کنوئیں کی ہوا اور گاڑھی کے چکروں میں ایسی حیات آؤنی تاثیر پھونک دی کہ اس کا لاغر اور منحنی جسم از سر نو نشوونما پانے لگ گیا۔ فزوی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ خوراک وہی لنگر شریف کی وال روٹی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ بالکل تندرست تو انا ہو گیا۔ اس کے لواحقین آئے اور حضور کی خدمت میں عرض کی ہمارا آدمی یہاں آیا تھا۔ آپ نے فرمایا باغ والے کنوئیں سے پتہ کرو۔ وہ گئے تو رشتہ دار اس کو پہچان نہ سکے۔ اس نے انہیں پہچان کر سارا حال بتایا اور پھر اجازت لے کر گھر چلا گیا۔

۱۰ بربانی چودھری اللہ بخش میاں اللہ ہو و میاں ملک اور لنگر کے باقی درویشوں کی زبانی۔

صنعتِ جگر دور۔ نورِ ایمان حاصل | اگر ٹھا احمد شاہ ضلع گجرات کے

میاں علی محمد صاحب نے بتایا کہ انہیں صنعتِ جگر ہو گیا اور وجود اس طرح نحیف و نزار ہو گیا کہ چلنا پھرنا و دبھرتھا۔ سانس پھول جاتا تھا۔ گھر والوں نے اپنا فرض ٹالنے کے لئے شادی کر دی۔ یہ مصیبت در مصیبت تھی۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ طفلی اور بے خبری کے عالم میں والد نے ان کی بیعت احمد شاہ صاحب سے کرادی تھی۔ وہ وفات پا چکے تھے۔ مایوس ہو کر جلا پور شریف قبلہ حضرت صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے تین تعویذ عنایت فرمائے۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ وہ تعویذ انہوں نے بیک وقت کھائے۔ اس خیال سے کہ مل کر اپنا تصرف دکھاتے رہیں گے۔ بعد میں موقع ملنے پر بیعت کے لئے عرض کی۔ حضور کچھ متامل ہوئے۔ لیکن چونکہ احمد شاہ مرحوم آپ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ نے بیعت فرمایا۔ میاں صاحب واپس گھر گئے۔ تو عشاء کی نماز ادا کئے بغیر سو گئے۔ حضور نے خواب میں فرمایا۔ پانچوں وقت نماز ادا کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس کے بعد میاں صاحب کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی۔ انہوں نے لنگر شریف میں باقاعدہ حاضری شروع کر دی۔ حضور نے بیلے سے دودھ لانے کا کام سپرد فرمادیا۔ کبھی کبھی منڈی بہاؤ الدین بھی برف لانے کے لئے بھیج دیتے۔ بیماری باقی تھی۔ لیکن تکلیف کی پرواہ نہ کر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ایک روز حضور خدام کے ساتھ بیلے کی طرف سیر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ادھر سے میاں علی محمد دودھ کا برتن سر پر رکھے آ رہا تھا۔ حضور کو دیکھ کر برتن ایک طرف رکھا اور دوڑ کر قدمبوسی کی۔ ایک بجلی سی وجود میں سرایت کر گئی۔ حضور نے فرمایا۔ صوفی علی محمد دودھ لارہے ہو۔ اس کے بعد حضور صوفی کہہ کر مخاطب فرمانے لگے۔ آہستہ آہستہ مرض خود بخود کا فور ہو گیا۔ اور وجود کو واپس اپنی حالت حاصل ہوئی جو پہلے کبھی نہ تھی۔ اب صوفی صاحب

صاحبِ اولاد بھی ہو چکے ہیں اور جلالپور شریف حاضری اس طرح سمجھتے ہیں جیسے بیت اللہ کی زیارت ہو گئی۔ حضور کی زیارت نصیب ہوتی ہے تو یقین ہوتا ہے جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیا۔ اور انوارِ الہی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئے۔ صوفی صاحب یہ ذکر کر رہے تھے تو فرطِ محبت اور عقیدت سے ان کی آنکھیں رم بھم رم بھم برس رہی تھیں۔

جلالپور شریف کی ڈیوٹی سے بیمار والد شفا یاب | صوفی اللہ دتہ ساکن تترال نے بتایا کہ قبلہ حضرت امیر حزب اللہ دورہ کے موقع پر گوجر خان تشریف فرما ہوئے۔ ارد گرد کے بہت سے پیر بھائیوں نے شرفِ قدمبوسی حاصل کیا۔ ایک پیر بھائی اپنے بوڑھے قریب المرگ والد کو بصدِ مشکل گدھی پر سوار کر کے لے آیا وہ جب قدمبوسی کر چکا تو حضور نے اسے فرمایا تم نے لنگر شریف ڈیوٹی پر حاضر ہونا ہے۔ اس نے عرض کی قبلہ والدِ سخت بیمار ہے۔ آج بھی بہ ہزار وقت گدھی پر بٹھا کے صرف اس لئے لایا ہوں کہ ان کا اصرار تھا۔ موت سے پہلے حضور کی زیارت تو کر لوں۔ ان کی خبر گیری کر رہا ہوں۔ ورنہ جلالپور شریف ضرور حاضر ہو جاتا۔ حضور نے فرمایا۔ تیرا والد تو اللہ کے فضل سے شفا یاب ہو جائے گا۔ ویسے تیری مرضی۔ اس نے عرض کی۔ جناب اگر اس کی طرف سے بے فکر ہے تو میں انشاء اللہ آج اسے گھر پہنچا کر کل صبح جلالپور شریف چلا جاؤں گا۔ اس وقت اس کا والد دیوار سے اوٹ لگائے سخت تکلیف میں پڑا تھا۔ لڑکے نے اسے گھر پہنچایا اور اگلی صبح خود جلالپور شریف روانہ ہو گیا۔ وہ بیمار صبح بیدار ہوا تو اس کے دل نے چاہا ذرا زمین کا چکر لگاؤں۔ طبیعت کچھ سنبھل چکی تھی۔ زمین میں گیا تو بدن کو چست پایا۔ بیل جوڑے اور ہل چلانے لگ گیا۔ گھر واپس آیا تو اہل خانہ دیکھ حیران رہ گئے۔ اگلے روز دوسرے ہل کے لئے مہضے کو ساتھ لے گیا۔ اور اس طرح

صحت یاب ہو کہ اس کے بعد کئی سال تک زندہ رہا۔

مقدمہ قتل سے بری | آدو وال نزد جلا پور شریف کے رحمان، زماں

وہ وغیرہ مقدمہ قتل میں ماخوذ ہو گئے۔ رحمان اور زماں فوراً جلا پور شریف حضور کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور عرض کی سخت مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ رحمان کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ لنگر شریف کی خدمت ایک سال تک کرو گے۔ رحمان کہنے لگا۔ حضور یہ کونسی مشکل بات ہے عہد و قرار کے بعد دعائے خیر ہوئی وہ چلے گئے۔ گرفتاریاں ہوئیں اور مقدمہ شروع ہو گیا۔ آخر مقدمہ سیشن جج کی عدالت میں پہنچا۔ جب فیصلے کی تاریخ تھی تو حسن اتفاق سے حضور بھی جہلم سیشن پر تشریف فرما تھے۔ ملازم رحمان کا والد حضور کی چار پائی پکڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ آخری فیصلہ ہو رہا ہے جاؤ اپنے بیٹے کو تم دیکھ آؤ۔ اس نے عرض کی میں حضور کی زیارت کروں گا۔ سیشن جج نے رحمان سمیت باقی ملازموں کو بری کر دیا۔ اور چار کو تین تین سال قید کی سزا سنائی۔ حضور نے اپیل کے لئے فرمایا۔ اور وہ بھی بری ہو گئے۔ رحمان حسب وعدہ ایک سال تک لنگر شریف میں رہ کر خدمات بجالاتا رہا۔

جیل میں رہائی کی بشارت | کوٹ اسلام نزد چیلیاں والا ضلع گجرات

میں تقریباً تمام کے تمام پیر بھائی بستے ہیں۔ وہاں کے بعض آدمیوں نے ایک قتل کیا ہوا تھا۔ مقتول کے لواحقین نے انتقام لینے کے لئے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ چنانچہ غلام احمد، مہدی وغیرہ سات آدمی ماخوذ ہو گئے۔ بڑا ہنگامہ خیز مقدمہ شروع ہو گیا۔ ملازموں کے رشتہ داروں نے لنگر شریف دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ تو سئل کے لئے لاکھ لاکھ بار درود شریف پڑھانے کا کئی بار اہتمام کیا۔ سیشن جج کی عدالت سے تمام کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا

ملازموں کے رشتہ دار سخت گھبرائے۔ اور قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اپیل کرنے کے لئے فرمایا۔ جس روز اپیل کا فیصلہ ہونا تھا رات ملازم غلام احمد جیل میں نیم خوابی کی حالت میں تھا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ قبلہ حضرت صاحب تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں غلام احمد گھبراؤ نہیں، مصیبت کے دن ختم ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رہائی دلا میں گے۔ غلام احمد نے اسی وقت دوسرے ساتھیوں کو جو الگ الگ کوٹھڑیوں میں تھے پکار کر کہا۔ مبارک ہو۔ قبلہ حضرت صاحب ابھی ابھی رہائی کی بشارت دے گئے ہیں دن ہوا اور عدالت عالیہ نے ان کی رہائی کا حکم صادر کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد وہ ساتوں سیدھے جلاپور شریف پہنچے۔ حضور کی قدمبوسی کی روضہ شریف پر حاضری دی۔ اور پھر گھر گئے۔ اب وہ عرس مبارک پر ہمیشہ اکٹھے حاضر ہوا کرتے ہیں۔

قتل پر شدید عتاب اور معافی | منشی خضر حیات خلیفہ مجاز کا بھتیجا قتل
 کر بیٹھا۔ اس نے نعش ایک جوڑے میں پھینک دی اور منشی صاحب کو ساتھ لے کر سیدھا جلاپور شریف پہنچا۔ حضور کی خدمت میں ماجرا بیان کیا۔ حضور سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا۔ تم لوگوں پر مہربانی کی جاتی ہے۔ مگر تم بگڑ کر فساد انگیزی اور خوزیزی شروع کر دیتے ہو۔ لنگر شریف سے نکل جاؤ۔ عرس مبارک قریب تھا پیر بھائی آنے لگ گئے۔ منشی صاحب نے کوشش کی کہ حضور کے منظور نظر غلام سفارش کریں۔ مگر کوئی جرأت نہ کر سکا۔ ہر ایک نے کہا مار پڑتی رہے مگر حضور کا آستان کرم نہ چھوڑا اور جس وقت موقع ملے خود عرض کرو۔ عرس مبارک ختم ہو گیا۔ حضور اسی طرح ناراض تھے۔ آپ فرماتے تھے۔ ہمارا بن کر کوئی شخص کیوں خوزیزی کرے۔ آخر ایک روز جب منشی خضر حیات دروغم اور ندامت کی تصویر

بنے دست بستہ حضور کے سامنے پیش ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ قاتل کہاں ہے؟
منشی صاحب نے عرض کی۔ قبلہ یہیں حضور نے فرمایا جاؤ ہنلا دھلا کر با وضو اسے یہاں
لاؤ۔ جب قاتل ظاہری کثافت دور کر کے حاضر ہوا تو حضور نے پہلے دو نفل پڑھے
کو فرمایا۔ پھر توبہ کرائی۔ اس طرح باطن کی اصلاح کی اور دعائے خیر فرما کر کہا اب جاؤ
واپس گیا تو پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔ تفتیش ہوئی۔ ہزار کوشش کے باوجود جوہر
سے نعش نہ ملی۔ ثبوت بہم پہنچ نہ سکا۔ ملزم برمی ہو گیا۔ اور وہ اپنی توبہ پر بستہ
قائم اور صالحانہ زندگی گزارتا رہا۔

جن نے بیعت کی۔ | صوفی شیر محمد صاحب نے بیان کیا کہ میں بھال پڑی تھا۔

وہاں جمعہ کمہار کی اندھی لڑکی کو آسید ہو گیا۔ چکی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے دانے
ڈالتی تھی۔ اور چکی اس زور سے گھومتی تھی کہ نگاہ میں نہیں ٹھہرتی تھی۔ نماز ظہر کے
بعد لڑکی کی تکلیف سن کر صوفی صاحب وہاں گئے۔ لڑکی بڑے جوش سے چکی چلا رہی
تھی۔ والد نے سوچا کہ جاؤں اور کسی جھاڑ پھونک کرنے والے کو بلا لاؤں۔ تاکہ
آسید کا علاج کرے۔ لڑکی جھٹ بول اٹھی جو لگانا ہے لگالو۔ میں اسے نہیں
چھوڑوں گا۔ کوئی ارمان رہ نہ جائے۔ صوفی صاحب نے جب سنا تو انہیں افسوس
ہوا۔ انہوں نے کہا۔ یہ بیچاری اندھی لڑکی ہے۔ اسے دکھائی تو کچھ دیتا نہیں۔
اس کا کیا قصور ہے۔ جن لڑکی کی زبان سے بولا۔ تو پھر مجھے بیعت کرا دو۔ وہ لڑکی
اور اس کا باپ تو حضرت صاحب قبلہ کے ہاتھ پر پہلے بیعت کر چکے تھے۔ صوفی صاحب
نے مقصد سمجھ لیا اور فرمانے لگے۔ بیعت تو میں کرا دوں گا۔ لیکن یہ اندھی لڑکی ہے
رستے میں تم نے تکلیف دی تو میں کیا کروں گا۔ آواز آئی۔ آپ بیعت کرانے کا وعدہ
کریں میں کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ صوفی صاحب نے فرمایا۔ اچھا عرس مبارک رہا
ہے۔ میں انشاء اللہ بیعت کرا دوں گا۔ وعدہ ہونے کے بعد تکلیف فوراً ختم ہو گئی

صوفی صاحب عرس مبارک سے دو ہفتے پہلے جلاپور شریف پہنچ گئے۔ کیونکہ انہوں نے لنگر شریف کے کچھ فرائض انجام دینے تھے۔ عرس مبارک آیا تو جمعہ کہا بھی اس لڑکی کو لے کر آگیا۔ صوفی صاحب کے اپنے خاندان کی دو تین لڑکیاں بھی ساتھ آئیں۔ اگلی صبح روضہ مبارک پر حاضری کے بعد صوفی صاحب انہیں محل شریف میں قبلہ حضرت صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ اور پیر بھائی بھی موجود تھے۔ حضور نے دیکھتے ہی فرمایا۔ لڑکیاں آگئیں۔ جب بیٹھ گئیں تو حضور نے از خود اندھی لڑکی کی طرف دیکھ کر فرمایا بیعت ہو گئے۔ جن کا مقصد ان واحد میں پورا ہو گیا تھا۔ اور لڑکی کانپی۔ اور صوفی صاحب کو قبلہ حضرت صاحب کے جلال کی وجہ سے کچھ یاد نہ رہا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ کہا۔ یہ تو پہلے بیعت ہو چکی ہے۔ لیکن لڑکی کو کانپتے دیکھا تو اصل مقصد یاد آگیا۔ اس دوران میں حضور ادھر سے فارغ ہو کر دوسرے پیر بھائیوں کی طرف متوجہ ہو چکے تھے صوفی صاحب نے دوبارہ عرض کی کہ اس نے بیعت ہونا ہے۔ تیسری بار عرض کرنے والے تھے کہ حضور نے فرمایا۔ جب اس نے حکم مان لیا تو بیعت ہو گئی۔ بعد میں صوفی صاحب ایک بار بھال پڑی گئے تو لڑکی کو پھر تکلیف ہو گئی۔ صوفی صاحب نے جا کر کہا۔ تم اچھے پیر بھائی بنے ہو۔ پھر اسے تکلیف دے رہے ہو اس نے آواز دی۔ نہیں۔ صرف۔۔۔ آپ سے ملاقات کے لئے آیا ہوں۔ جلاپور شریف میں تو آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور ڈیوٹی بھی انجام دیتا ہوں۔ لیکن میں نے کہا آج بھال پڑی بھی ملاقات ہو جائے۔

متلی کی تکلیف | صوفی شیر محمد صاحب جب کبھی لاری کا سفر کرتے انہیں متلی کی تکلیف ہو جاتی تھی حضور کے دورہ کا موقع ہوتا تو صوفی صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش رہا کرتی تھی کہ پیدل اگلے مقام پر پہنچ جائیں۔ ایک بار

حضور دورہ کے سلسلہ میں جند تحصیل چکوال تشریف فرما تھے۔ اور دیوال
جانے کا پروگرام تھا۔ صوفی صاحب نے قاضی غلام فرید صاحب سے ذکر کے
پیدل جانا چاہا۔ حضور نے از خود ارشاد فرمایا جاؤ موٹر میں بیٹھو۔ موٹر پر سوار
ہونے کا موقع آیا تو صوفی صاحب چھپ کر پیچھے جا بیٹھے تاکہ متلی ہو تو حضور کے
لئے پریشانی کا موجب نہ بنے۔ موٹر روانہ ہوئی تو حضور نے پیچھے مڑ کر ایک
نگاہ صوفی صاحب پر ڈالی۔ نگاہ کا یہ اثر ہوا کہ صوفی صاحب کو دنیا و مافیہا کا
پتہ نہ رہا اور بخیریت دیوال پہنچ گئے۔ وہاں سے حضور براستہ جہلم جلاپور تشریف
موٹر پر ساتھ لے گئے۔ کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اس کے بعد اب تک موٹر کے سفر
کی وجہ سے متلی کی تکلیف نہیں ہوئی۔ سترہ اٹھارہ سال گذر چکے ہیں۔

نمبر دار بڑا خلیت لفظ ہے صوفی کہو | صوفی شیر محمد صاحب کے ذکر کیا کہ
میں بھال کا نمبر دار ہوں۔ کوئی بیس سال کا عرصہ ہوا کہ حضور نتھوال تحصیل جہلم
سلسلہ دورہ تشریف لے گئے۔ ایک پیر بھائی کی دعوت تھی جو موچی تھا۔ اس
کی بیوی تین روز پہلے فوت ہو گئی تھی۔ اور تین چھوٹی چھوٹی بچیاں رہ گئی تھیں۔
سخت پریشان تھا۔ رہائش وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام نہ کر سکا۔ حضور نے وضو
فرمانا چاہا تو صوفی صاحب نے دیکھا کہ بغلی حجرے میں چمڑے کے ٹکڑوں کا ڈھیر
پڑا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ فکر نہیں ایک طرف کر دو۔ وضو کی تجدید ہو جائے
اگر آرام مقصود ہوتا تو نگر تشریف کے محلوں میں بیٹھے رہنے۔ رات سونے کا وقت
آیا تو اسی کمرہ میں درویشوں اور مولوی صاحبان کو بھی حضور کی چار پائی کے ارد گرد
لیٹا پڑا۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ اس خیال سے کہ اندر ہر ایک کو ذرا کافی
جگہ مل جائے۔ وہ خود باہر ایک پرانی قسم کے برآمدے میں لیٹ رہے۔ قاضی
غلام فرید صاحب نے دیکھا تو فرمایا۔ نمبر دار صاحب اندر آ جاؤ۔ حضور نے سنا تو

خفا ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا۔ صوفی کیوں نہیں کہتے۔ قاضی صاحب نے حسب دستور بات پیدا کی کہ پھر چودھری اللہ بخش نمبر دار کو بھی صوفی کہیں گے۔ حضور نے فرمایا نہیں بس یہ صوفی ہے۔ چنانچہ صبح ہر ایک کی زبان پر صوفی صوفی تھا۔

تنگدستی دور ہو گئی | مستری کرم دین ولد مستری محمد وارث سکندہ ہرن پور نے بتایا کہ میں تنگدست مقروض اور بے روزگار تھا۔ ایک روز ملکوال ڈاک بنگلے میں حضور آرام فرما تھے۔ دورہ کا موقع تھا۔ اور سحر ہونے والی تھی۔ بندہ خدمت میں حاضر تھا۔ اور پاؤں داب رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی حال سناؤ۔ بندہ نے اپنی مصیبت کی داستان بیان کی۔ حضور نے دعا خیر فرمائی اور کہا۔

اللہ تعالیٰ بہت جلد تکالیف دور فرمادیں گے۔ چنانچہ دس ماہ کے اندر اندر قرضہ اتر گیا۔ روزگار میں برکت پیدا ہو گئی۔ بھائی چٹھی ان سے سب پوسٹا سٹری ہو گیا۔ جو جل پور شریف میں بھی متعین ہوا۔ اور سکنی جائداد جو مرہونہ تھی واپس مل گئی۔ **نارمل میں داخلہ مل گیا** | منشی گلزار حسین گھنجیرہ ساکن بلو ضلع جھنگ نے

بیان کیا کہ حضور سر دھی ضلع جہلم میں قیام فرما تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضور کے لئے چکوال سے رت لے گیا۔ رات کو حضور استراحت فرما رہے تھے۔ اسے پاؤں دابنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دوسرے درویش محو خواب تھے۔ حضور نے تمام حالات پوچھنے شروع کئے۔ منشی صاحب نے عرض کی۔ یتیم ہوں۔ پرائیویٹ طور پر امتحان فائنل پاس کیا ہے۔ اب نارمل میں داخلہ چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ داخل ہو جاؤ گے۔ نمبر بالکل کم تھے۔ اس کے باوجود معمولی سی کوشش سے نارمل سکول چنیوٹ میں داخلہ مل گیا۔ حضور کی دعا سے منشی صاحب اپنے خاندان کے پہلے باعزت ملازم ہیں۔

رحمن اور قرضہ فائز | مستری قادر بخش ساکن بلو نے بیان کیا کہ میں

حضور دورہ کے سلسلہ میں جند تحصیل چکوال تشریف فرما تھے۔ اور دیوال
جانے کا پروگرام تھا۔ صوفی صاحب نے قاضی غلام فرید صاحب سے ذکر کی
پیدل جانا چاہا۔ حضور نے از خود ارشاد فرمایا جاؤ موٹر میں بیٹھو۔ موٹر پر سوار
ہونے کا موقع آیا تو صوفی صاحب چھپ کر پیچھے جا بیٹھے تاکہ متلی ہو تو حضور کے
لئے پریشانی کا موجب نہ بنے۔ موٹر روانہ ہوئی تو حضور نے پیچھے مڑ کر ایک
نگاہ صوفی صاحب پر ڈالی۔ نگاہ کا یہ اثر ہوا کہ صوفی صاحب کو دنیا و مافیہا کا
پتہ نہ رہا اور بخیریت دیوال پہنچ گئے۔ وہاں سے حضور براستہ جہلم جلالپور تشریف
موٹر پر ساتھ لے گئے۔ کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اس کے بعد اب تک موٹر کے سفر
کی وجہ سے متلی کی تکلیف نہیں ہوئی۔ سترہ اٹھارہ سال گذر چکے ہیں۔

نمبر دار بڑا خلیت لفظ ہے صوفی کہو | صوفی شیر محمد صاحب کے ذکر کیا کہ
میں بھال کا نمبر دار ہوں۔ کوئی بیس سال کا عرصہ ہوا کہ حضور نتھوالہ تحصیل جہلم
سلسلہ دورہ تشریف لے گئے۔ ایک پیر بھائی کی دعوت تھی جو موچی تھا۔ آل
کی بیوی تین روز پہلے فوت ہو گئی تھی۔ اور تین چھوٹی بچیاں رہ گئی تھیں۔
سخت پریشان تھا۔ رہائش وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام نہ کر سکا۔ حضور نے وضو
فرمانا چاہا تو صوفی صاحب نے دیکھا کہ بغلی حجرے میں چمڑے کے ٹکڑوں کا ڈھیر
پڑا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ فکر نہیں ایک طرف کر دو۔ وضو کی تجدید ہو جائے
اگر آرام مقصود ہوتا تو ٹنکر تشریف کے محلوں میں بیٹھے رہنے۔ رات سونے کا وقت
آیا تو اسی کمرہ میں درویشوں اور مولوی صاحبان کو بھی حضور کی چار پائی کے ارد گرد
لیٹا پڑا۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ اس خیال سے کہ اندر ہر ایک کو ذرا کافی
جگہ مل جائے۔ وہ خود باہر ایک پرانی قسم کے برآمدے میں لیٹ رہے۔ قاضی
غلام فرید صاحب نے دیکھا تو فرمایا۔ نمبر دار صاحب اندر آ جاؤ۔ حضور نے سنا تو

رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ فضل کریگا۔ جلسہ کے بعد بہت سے لوگ راجہ محمد یعقوب سے ناراض ہوئے کہ جب حضور اپنی قیام گاہ پر تشریف لاتے تو دعائے خیر کہلائی جاسکتی تھی۔ اس طرح تقریر کے دوران میں ہزار ہا لوگوں کے سامنے ولی اللہ کو کیوں آزمائش میں ڈالا گیا۔ بیچارہ راجہ بھی مجبور تھا۔ سکندر حیات ملزم نے ڈاکٹر نذر محمد سکندر جہلم کی لڑکی جو ایم بی بی۔ ایس پاس تھی۔ سے شادی کی تھی بعد میں کسی سازش کی بنا پر اس لڑکی کو زہریلی اور سکندر حیات کو ملزم ٹھہرایا گیا تھا۔ اللہ کا فضل ہوا اور حضور کی دعا سے ہائی کورٹ نے اسے بری کر دیا۔

ڈاکٹر کبھی اندھے بھی ہو جاتے ہیں | قاضی غلام حسین صاحب ساکن سہتال میانہ ضلع راولپنڈی نے ذکر کیا کہ ان کا لڑکا محمد ایوب جسمانی نقص رکھتا تھا۔ کان خراب تھے۔ اس لئے فوج میں ملازم نہیں ہو سکتا تھا۔ تعلیم مڈل تک تھی اور ضائع ہو رہی تھی۔ فوجی افسر اور ڈاکٹر معائنہ کے بعد نکال دیا کرتے تھے مایوس ہو کر قبیلہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا اسے بھرتی کرادو۔ قاضی صاحب نے عرض کی۔ حضور ڈاکٹر اسے لیتے نہیں۔ کان خراب ہیں۔ حضرت صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا۔ ڈاکٹر کبھی اندھے بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اسے پھر بھرتی کے لئے بھیج دو۔ حضور کے فرمان کے مطابق محمد ایوب چک لالہ بھرتی کے لئے حاضر ہو گیا۔ دوسرے امیدواروں نے قطار باندھی۔ یہ بھی شامل ہو گیا۔ ڈاکٹر اور ریکروٹنگ افسر آئے اور ابتدائی چھانٹ میں ہی اسے نکال دیا۔ مگر وہ وہیں کھڑا رہا۔ دوسروں نے کہا اب کس امید پر کھڑے ہو اس نے کہا قبیلہ حضرت صاحب کا فرمان ہے خالی نہیں جلتے گا۔ ڈاکٹر تیس امیدوار منتخب کر کے اندر لے گیا۔ ان کا طبی معائنہ کیا۔ جب منتخب شدہ امیدواروں کی

مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ بیومی کو سائے کی تکلیف تھی۔ بڑے تعویذ حاصل کئے گئے مگر ناکامی ہوئی۔ علاوہ بریں سر پر قرصہ کا بڑا بوجھ تھا۔ اور سخت گھبراہٹ تھی۔ قبلہ حضرت امیر حزب اللہ کی خدمت میں عرضینہ بھیجا۔ ابھی حضور کی طرف سے نواز شامہ موصول نہیں ہوا تھا کہ ایک زبیومی پخت بہوشی طاری ہوئی اور جن اس کی زبان سے کہنے لگا تم مفت حضرت پیر فضل شاہ کے تعویذ منگاریے ہو۔ ان کے آنے سے پہلے میں ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔ میری کیا مجال۔ دو ایک روز بعد حضور کے تعویذ لفافے میں پہنچ گئے۔ حسب ہدایت استعمال کئے۔ جب لگانا آرام رہا تو بیومی کو ساتھ لے کر جلالپور شریف حاضر ہوا۔ وہاں قرص کی بات بھی عرض کی۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی۔ واپس ہوا۔ قرصہ بھی چند دنوں میں غائب ہو گیا۔ حضور کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے تمام مصائب سے نجات دلا دی۔ کچھ عرصہ بعد حضور کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بلو سے روانہ ہوا تو اچھی طرح نگاہ دوڑائی کوئی قرصہ تو نہیں۔ ایک دوکاندار کا صرف ڈیڑھ آنہ دینا تھا۔ جس سے تازہ تازہ کھجور خریدی تھیں۔ خوش و خرم لاری پر سوار ہو گیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حالات بیان کئے۔

مقدمہ قتل سے بری | طورہ خاں چٹرا سی سکندہ خلاص پور ضلع جہلم نے بتایا کہ ان کے گاؤں میں حضور دورہ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ نیاز مند ہزاروں کی تعداد میں جلسہ میں شامل ہوئے۔ حضور جب مسجد میں تقریر فرما رہے تھے تو راجہ محمد یعقوب کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کی ہمارا ایک لڑکا راجہ سکندر حیات ولد راجہ محمد حیات ساکن چکری جرم قتل میں ماخوذ ہے۔ سیشن جج جہلم نے پھانسی کا حکم دیا ہے۔ اب ہائی کورٹ لاہور میں اپیل دائر کی گئی ہے۔ حضور دعائے خیر فرمائیں۔ حضور نے بڑے توجہ سے دعائے خیر فرمائی۔ تمام حاضرین جلسہ دیکھ

اسے میدان جنگ میں کوئی نہیں بھیجے گا۔ | مذکورہ بالا قاضی غلام حسین

صاحب نے حضرت امیر حزب اللہ مظللہ العالی کی ایک اور کرامت بھی بیان کی
قاضی صاحب جنگ عالمگیر دوم کے دوران میں جلالپور شریف حاضر ہوئے
اور حضور کی خدمت میں عرض کی قبلہ محمد ایوب عراق سے واپس آچکا ہے۔ مگر اسے
دوبارہ میدان جنگ میں بھیجا جا رہا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ اسے جلالپور شریف
بھیج دو۔ یہاں حاضری دے جائے۔ اسے میدان جنگ میں کوئی نہیں بھیجے گا۔
چنانچہ محمد ایوب حاضری دے آیا۔ اب ایک ماہ کے بعد محمد ایوب کی کمپنی کو میدان
جنگ میں جانے کا حکم ہو گیا۔ اور محمد ایوب بھی اپنی کمپنی کے ساتھ بمبئی پہنچ گیا
اٹھ روز کے بعد کمپنی جہاز پر سوار ہوئی۔ جہاز کی روانگی میں پانچ منٹ باقی تھے
تو ایک انگریز افسر فوجی لباس پہنے آگیا۔ اور تمام کو دیکھتے دیکھتے محمد ایوب کے
پاس آیا جو عرشہ جہاز پر اپنے سامان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اسے خفا ہو کر کہا تمہیں
کس نے بھیجا ہے۔ تم کیوں جہاز پر سوار ہو گئے ہو۔ جہاز کے روانہ ہونے میں بھی
پانچ منٹ باقی ہیں۔ اتر جاؤ۔ اب محمد ایوب نیچے اتر آیا۔ اور اسے واپس اولپنڈی
بھیج دیا گیا۔

فقیری ظاہر کرنے کی چیز نہیں | پیر امیر شاہ صاحب سکنہ پیرکھار اشریف

قبلہ حضرت صاحب کے خلیفہ جاز ہیں۔ آپ نے ذکر کیا کہ ایک بار عرس مبارک
کی تقریب سعید کے سلسلہ میں جلالپور شریف حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ ان
کے ذمے حسب سابق نذر اٹھانا تھا۔ حضور کی خدمت میں دونوں بیٹھے بیٹھے
کافی دیر ہو گئی اس لئے طبیعت تھک گئی۔ حاجی فضل دین صاحب مرحوم کو اپنی
جگہ پر ٹھایا۔ اور خود اپنے ڈیرے پر چلے گئے جہاں پیر صاحب کے ماموں پیر
بلادل شاہ مرحوم کا بھی ڈیرہ تھا۔ اور ساتھ ہی ایک اور مجذوب بزرگ بھی قیام

آخری فہرست پکاری جا رہی تھی تو ساتویں نمبر پر قاضی محمد ایوب کا نام بھی تھا لوگ حیران ہوئے۔ ڈاکٹری معائنہ کے بغیر کیسے بھرتی ہو گیا۔ محمد ایوب نے کہا ایک ولی کامل کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ تھے۔ حضور نے خود فہرست میں نام درج فرمایا ہے۔ قاضی غلام حسین و ظائف باقاعدگی سے پڑھا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا یا تو آپ ولی ہیں یا آپ کے مرشد طریقت۔ قاضی صاحب نے کہا میرے مرشد غوث زماں ہیں۔ یہ ان کی کرامت ہے۔

یہ بھی جمعدار، صوبیدار ہو گا | قاضی غلام حسین صاحب مذکور نے بیان کیا کہ اُن کا بھائی قاضی سید عالم فوج میں ملازم تھا۔ عہدہ دفعدار تھا۔ ایک دفعہ جلالپور شریف بعد از نماز عصر حضور باہر سیر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ تو قاضی غلام حسین صاحب نے عرض کی جناب دوسرے لوگ جمعدار صوبیدار ہو رہے ہیں۔ دعا فرمائیں۔ میرا بھائی بھی ہو جائے۔ حضور ٹھہر گئے اور قاضی صاحب کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ تجھے جب دنیا و آخرت کا جمعدار بنا دیا ہے۔ کیا یہ جمعدار ہی اس سے کم ہے؟ قاضی محمد افضل سکنا پھڈیال ساتھ تھے۔ انہوں نے قاضی غلام حسین کو دبی آواز میں کہا۔ خاموش کیوں ہو گئے پھر عرض کرو۔ چنانچہ پھر عرض کی گئی۔ اور حضور نے فرمایا یہ بھی جمعدار، صوبیدار ہو گا۔ اب کچھ دنوں بعد قاضی سید عالم دفعدار کی حیثیت سے پنشن پر آ گیا۔ مگر قاضی غلام حسین اسے دفعدار کی بجائے جمعدار کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ لوگ منع کرتے۔ مگر قاضی صاحب کہتے حضور کا فرمان ہے پورا ہو کر رہے گا۔ سید عالم کچھ وقت گزرنے کے بعد لاہور گئے وہاں کول صاحب ایک انگریز کرنیل نے انہیں جمعدار کے طور پر از سر نو بھرتی کر لیا۔ قاضی سید عالم پھر صوبیدار بھی ہو گئے۔ اور اب صوبیداری کی پنشن لے رہے ہیں۔

صاحب گونگا شاہ صاحب کو ناراض ہو رہے تھے۔
 پیر امیر شاہ صاحب نے یہ کرامت سنا کر کہا کہ خوش قسمتی سے حضور کا بچنے
 سے ساتھ رہائے۔ سفر میں حضر میں ہر جگہ ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ حضور
 کو کبھی نیند کی حالت میں نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی آپ کی زبان مبارک سے کبھی غصے
 کی حالت میں بھی کوئی بات خلاف شریعت سنی ہے۔ حضور کی ذات ایک سمندر ہے
 اور کمالات وافرہ آپ کے وجود پاک میں اس طرح سمائے ہوئے ہیں کہ ایک قطرہ
 بھی تصرف سے باہر نہیں رہتا۔

موت کے منہ سے نکال لیا | مسٹر ظفر اقبال صاحب نے بتایا کہ گوجران
 کے مخلص برادر طریقت، ڈاکٹر عبدالعزیز کالو کا عبد الرشید طالب علم جماعت وازوہم
 ایک اور لڑکے کے ساتھ میرپور کی سیر و سیاحت کے لئے گیا۔ دونوں جہلم سے لاری
 پر سوار ہوئے۔ جب لاری نہراپہر جہلم کے کنارے کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی تو
 کلینز اور ڈرائیور کے درمیان پیسوں کی تقسیم پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ دونوں آپس
 سے باہر ہو گئے۔ غصے میں ہوش نہ رہا کہ لاری نہر کے کنارے پر جا رہی ہے۔
 اچانک لاری دھڑام سے نہر میں جا گری تو بجلی کی تیزی سے اس کے دل میں قیلہ
 حضرت صاحب کا خیال آیا اور پھر اس نے دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ نمودار
 ہوئے جنہوں نے انہیں لاری سے کھینچ کر نہر کی پٹری پر بحفاظت تمام رکھ دیا
 اس کی شلوار لاری سے اٹک کر بالکل پھٹ گئی۔ ڈرائیور کلینز سمیت باقی تمام
 مسافر حادثہ کا شکار ہو گئے۔ اگلے روز اخبارات میں عبدالرشید کا فوٹو چھپا۔
 ڈاکٹر عبدالعزیز کی زبان حضور کا شکریہ ادا کرتے کرتے تھکتی نہیں تھی۔

لنگر شریف کے چلانے میں معجزنمائی | قاضی محمد شفیع کیش اوور سیر
 بڑے مخلص اور صادق الاعتقاد پیر بھائی ہیں۔ وہ ایک بار رات گئے جلاپور

پذیر تھے۔ جنہیں لوگ گونگا شاہ کہتے تھے۔ اور اصل نام علی احمد شاہ تھا۔ منہ سے ہر وقت رال ٹپکتی تھی۔ اس لئے سینہ پر قمیص بھیکارہتا تھا۔ سر پر ٹوپی پہنتے تھے۔ بیعت حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ ان کا گھرا ولپنڈی کی طرف تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد پیر امیر شاہ صاحب اٹھے۔ پرانے تالاب والی جوہلی میں وضو کیا اور پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر نذر اٹھانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد گونگا شاہ صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے دیکھتے ہی بھڑک کر فرمایا۔ شاہ صاحب فقیر می ظاہر کرنے کی چیز نہیں۔ جس کو ٹھٹھی میں ہو اسے مقفل رکھنا چاہئے۔ شاہ صاحب نے عرض کی۔ قبلہ۔ حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نوازؒ کی طرف سے تین بار ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ اس لئے ابھی دوبار باقی ہے۔ پیر امیر شاہ صاحب نے دل میں خیال کیا۔ خبر نہیں کیا بات ہے۔ حضور نے دوسرے پیر بھائیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ یہ لوگوں کو کہتا رہتا ہے میں تمہاری جڑ اکھیر پھینکوں گا۔ رات کے دو بجے جب حضور نے آرام کرنے کا ارادہ فرمایا تو پیر صاحب کو بھی اجازت عطا ہوئی۔ آپ ڈیرے پر پہنچے۔ پیر بلاول شاہ مرحوم نے دروازہ کھولا اور فرمانے لگے۔ آج آپ کو ایک خاص بات بتانا ہوں۔ انہوں نے کہا

کہ آپ کے چلے جانے کے بعد گونگا شاہ صاحب نے پوچھا تھا کہ آپ کے خاندان کے کونسے ایسے بزرگ ہیں جن کے چہرے پر نظر نہیں ٹھہرتی۔ اور جن کی پیشانی سے لمعات نور بلند ہوتے ہیں۔ وہ ابھی ابھی یہاں سے اٹھے ہیں اور فرماتے تھے ہمارے آدمی یہاں آیا کرتے ہیں۔ ان کا خیال رہے۔ پیر بلاول شاہ صاحب نے کہا کہ میں نے جو آدیا وہ پیر جمال شاہ نوری بھیروسی ہیں۔ پیر امیر شاہ صاحب نے جب یہ ذکر سنا تو اس وقت انہیں پتہ چلا کہ اسی راز کو افشا کرنے کی وجہ سے قبلہ حضرت

کہ جن ایام میں حزب اللہ کے رضا کاروں کو تلوار رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ وہ وردی لگائے تلوار پہنے عرس مبارک میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے روانہ ہوئے۔ اور پیر بھائی بھی ساتھ تھے۔ رستہ میں انہیں شرارت سوچی۔ سلا نوالی کے قریب چک ۳۲ بھوکڑی میں پہنچے تو پیر بھائیوں کو چھوڑ کر ایک بد معاش لالو مصلی کے گھر چلے گئے۔ لالو ڈاکہ ڈکیتی کیا کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ گھر پر نہیں تھا۔ اس کی ماں موجود تھی میاں علی محمد نے رعب دار الفاظ میں کہا۔ لالو کہاں ہے۔ میں تھانہ بڑانہ کا سپاہی ہوں۔ تیرا بیٹا بڑا بد معاش ہے۔ تھانیدار صاحب اسے بلار ہے ہیں تم بھی اسے منع نہیں کرتی ہو۔ وہ بیچاری کانپنے لگ گئی۔ اور کہنے لگی۔ وہ تو چک ماجھی گیا ہوا ہے۔ وہ چور ڈاکو نہیں آتا ہے تو اسے تھانے بھیج دوں گی۔ اس دوران میں باقی پیر بھائی آگئے اور میاں صاحب ان کے ساتھ ہوئے۔ رستہ میں چند آدمی ملے۔ ان سے پوچھا۔ تمہارا نمبر دار کہاں ہے۔ اتفاقاً نمبر دار ان میں موجود تھا۔ اس نے کہا جی میں یہاں ہوں۔ میاں علی محمد نے کڑک کر کہا۔ تم بد معاشوں کو پناہ دیتے ہو۔ لالو مصلی جیسے چور اور ڈاکو کو تم نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے بڑانہ کے تھانیدار صاحب تمہیں بلار ہے ہیں۔ میں اب ملزم لے جا رہا ہوں۔ واپسی پر آؤں گا اور تمہیں لے جاؤں گا۔ یہ کہہ کر پیر بھائیوں کا قافلہ روانہ ہو گیا۔

جب میاں علی محمد جلالپور شریف پہنچے تو حضور نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ تین دن وہاں حاضر رہے۔ لیکن قدمبوسی کا شرف تک حاصل نہ ہوا۔ یا تو التفات و عنایات کی انتہا نہ ہوتی تھی۔ یا اب اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ میاں علی محمد اور حضور کے درمیان سد سکندر می حائل ہے۔ عرس مبارک ختم ہو گیا۔ میاں صاحب بے نیل مرام، مایوس و نامراد، منموم و مہجور واپس لوٹ گئے۔ راہ میں خیال آیا۔ یہ اسی شرارت کی سزا ہے۔ بڑے روئے۔ اگلے سال عرس مبارک پر حاضر

حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اور شخص تھے جو پیر بھائی نہیں تھے۔ انہیں سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہ بار بار ادھر ادھر کے لنگروں کا ذکر کرتے تھے جس سے مترشح ہوتا تھا کہ وہاں کا انتظام بہتر ہے۔ قاضی محمد شفیع دل ہی دل میں بڑی حققت محسوس کر رہے تھے۔ لنگر شریف میں کھانا تقسیم ہوئے دیر ہو چکی تھی تمام کار پر دازان سوئے پڑے تھے۔ قاضی صاحب نے اپنے سر کو اس طرح لپیٹا کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ اور پھر چھپ کر اوپر کی منزل میں اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں قبلہ حضرت صاحب اسراحت فرما رہے تھے۔ خاموش ہو کر دست بستہ دروازے کے باہر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور نے اندر لیٹے ہوئے قاضی غلام فرید صاحب سے پوچھا۔ لنگر شریف ٹھیک تقسیم ہوا تھا۔ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ قاضی صاحب نے عرض کی قبلہ نہیں۔ حضور نے پھر استفسار فرمایا۔ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ قاضی صاحب نے عرض کی قبلہ نہیں۔ حضور نے فرمایا قاضی محمد شفیع رہ گیا ہے۔ قاضی صاحب اب تک چھپ کر دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ یہ التفات کریمانہ دیکھ کر بے اختیار ہو گئے اور جھٹ اندر چلے گئے۔ قدمبوس ہوئے گریہ طاری ہو گیا۔ فرط مسرت سے بار بار قدمبوسی کرتے تھے۔ حضور نے قاضی غلام فرید صاحب کو فرمایا۔ کوئی روٹی ہے۔ انہوں نے عرض کی قبلہ۔ آپ نے فلاں شخص کے لئے دو آدمیوں کا کھانا رکھوایا۔ وہ موجود ہے کیونکہ وہ تو آیا ہی نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ محمد شفیع کو دے دو اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ یہ فقیر اپنی بساط کے مطابق لنگر شریف کے چلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا ہاں اگر کوئی بہتر طور پر چلا سکتا ہے تو ہم اس کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ یہ یکم اگست ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے۔

کسی کا دل نہ دکھاؤ | میاں علی محمد سکند بڑا نہ ضلع جھنگ نے بتایا

کر دیا۔ کنارے پر ایک شخص موجود تھا۔ اس نے پوچھا۔ کہاں جانا ہے۔ پیر صاحب نے کہا جلالپور شریف۔ وہ کہنے لگا۔ ناؤ تو ملتان جا رہی ہے۔ عورتیں اور چلائیں پیر صاحب نے اطمینان دلایا۔ مگر وہ چپ نہ کرتی تھیں آخر اچانک بادِ موافق چل پڑی اور ناؤ خود بخود اپنے پتے پر پہنچ گئی۔ حضور کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ اس طرح کیا کریں۔ تکلیف ہوتی ہے۔

سفر زیارت میں مرشدِ طریقت ذمہ دار | میاں علی محمد ساکن بڑا نہ ماہ بانہ

قبلہ حضرت صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوس ہو کر تے تھے۔ ایک بار زیادہ عرصہ ہو گیا۔ اس لئے طبیعت سخت بیتاب ہو گئی۔ جلالپور شریف پہنچے۔ وہاں پتہ چلا کہ حضور غریب نواز سرینگر تشریف لے گئے ہیں شوقِ بیتاب کہتا تھا۔ حضور جہاں تشریف فرما ہیں وہاں پہنچو۔ لیکن زاوراہ صرف جلالپور شریف تک تھا۔ آخر شوق غالب رہا اور اداہ کر لیا کہ پیدل ہی ہی۔ پیا سرینگر ہیں۔ وہیں جائیں گے۔ دریا کو عبور کر کے آہلے پہنچے تو وہاں کے ایک پیر بھائی سے ملاقات ہوئی۔ ان سے اپنے مبارک عزم کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا۔ چند روز میرا کام کرو میں مزدوری دے دوں گا۔ میاں علی محمد مستری تھے۔ لکڑی کا کام کرتے رہے۔ مزدوری اور ادھار ملا کر چھتیس روپے بنائے اور گاڑی پر سوار ہوئے راولپنڈی پہنچے تو سرینگر کی تمام لاریاں جا چکی تھیں۔ ایک ٹیکسی تیار تھی ٹیکسی والوں نے لاری کا کرایہ لیا اور بٹھالیا۔ کشمیر کی سرحد میں داخل ہونے لگے تو لاشی ہوئی۔ ریاست میں تلوار، لاشی، کلہاڑی کا راستہ بند تھا۔ میاں صاحب کے پاس تلوار تھی۔ مگر تھا نیدار کا اس طرف دھیان نہ گیا۔ ٹیکسی سری نگر پہنچ گئی میاں صاحب کو راجہ کے محلات کے قریب اتار گیا۔ پولیس کے سپاہی موجود تھے۔ وہ ششدر رہ کر تلوار کی طرف دیکھتے رہے۔ مگر کسی معترض ہونے کی

ہوئے تو تمام پیر بھائیوں سے الگ تھلک آئے۔ صرف اپنے اہل و عیال ساتھ تھے۔ حضور دیکھتے ہی مسکرا پڑے اور فرمایا ہم ناراض نہیں۔ لیکن کسی کا دل بلا وجہ نہیں دکھانا چاہئے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

ناؤ پٹن پر پہنچا دی | پیر امیر شاہ صاحب سکندہ پیر کھار نے بتایا کہ وہ کسی

زمانہ میں حضرت مشکل کشا جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے عرس مبارک پر ۲۱ ماہ رمضان المبارک کو ہمیشہ جلا پور شریف پہنچا کرتے تھے۔ ایک بار موسم گرما میں یہ موقع آیا اور پیر صاحب براستہ آکہ دریا کے کنارے پہنچے۔ گرمی کی شدت تھی روزے کی تکلیف دور کرنے کے لئے نہائے اور کچھ دیر آرام کیا۔ اب دریا کو عبور کرنا تھا۔ آخری کشتی جا چکی تھی۔ بعد میں ایک ناؤ روانہ ہو رہی تھی۔ ملاح نے پیر کھار کا نام سن کر ناؤ کو ٹھہرایا اور لے گیا۔ اور عرض کی میں حضرت پیر کھار کا مرید ہوں جب کبھی تشریف لائیں ناؤ موجود ہوگی۔ واپسی پر رات کا وقت تھا۔ قبلہ حضرت صاحب نے استفسار فرمایا۔ اب آپ کیسے جائیں گے؟ پیر صاحب نے عرض کی۔

حضور ناؤ موجود ہوگی۔ اندھیری رات تھی۔ ناؤ روانہ ہوئی تو دونوں بانس یکے بعد دیگرے دریا میں گر گئے۔ اب موسم گرما کا پانی سے بھر پور دریا تھا۔ اور گرداب میں گھری ہوئی ننھی ناؤ۔ پیر صاحب نے ملاح سے فرمایا گھبراؤ نہیں ہم حضور سے دعائے خیر کہلا کر چلے ہیں۔ چنانچہ ناؤ خود بخود کنارے پر پہنچ گئی۔ ایک بار پھر آلہ کے رستے آئے۔ ناؤ تو کھڑی تھی ملاح کوئی نہیں تھا۔ دو تین پیر بہنوں نے بھی دریا عبور کرنا تھا۔ پیر صاحب نے خود بانس سنبھالا اور ناؤ کو دریا میں روانہ کر دیا۔ تجربہ نہ تھا۔ بانس کے نیلے سخت سخت ریشے ہاتھ میں چبھ گئے۔ دو تین بار ناؤ بانس پر چڑھ گئی۔ اور گرتے گرتے نچے۔ آخر بانس ناؤ میں رکھ دیا اور پیر صاحب بیٹھ گئے۔ ناؤ دریا کے رخ بہنے لگ گئی۔ عورتوں نے چیخنا چلانا اور حضرت صاحب کو پکارنا شروع

راجہ سکندر خان کے پاس رہ گیا ہے۔ اس لئے آپ نے وہاں سے میاں علی محمد کو
 کو شاہ نگر روانہ فرمادیا جہاں راجہ صاحب گاڑی کی انتظار کر رہے تھے۔ اس
 گاڑی نے شاہ جیونہ سے جانا تھا۔ میاں صاحب اس پر سوار ہو گئے۔ حضور نے
 فرمایا تھا کہ شاہ نگر اور کھوکھر کا درمیانی فاصلہ زیادہ ہے۔ رات رستے میں بسر کر
 لینا۔ گاڑی شاہ نگر پہنچی تو ادھر راجہ صاحب اور پیر صاحب اس پر سوار
 ہوئے۔ ادھر میاں علی محمد نے دوڑ کر پکارنا شروع کیا۔ راجہ صاحب نے آواز
 سن کر باہر بھاگنا۔ میاں صاحب نے حضور کا قلم مانگا۔ انہوں نے اپنے جیب
 ٹوٹے تو قلم موجود تھا۔ سخت متاسف ہوئے۔ اور قلم میاں صاحب کے حوالے
 کر دیا۔

اب میاں صاحب نے سوچا۔ رات حضور سے علیحدہ رہنا ٹھیک نہیں۔
 لوگوں سے رستہ معلوم کیا۔ راہ میں دریائے جہلم بھی پڑتا تھا۔ پھر رستہ بھی صاف اور
 سیدھا نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے کمر ہمت باندھ لی۔ کانٹوں کی پرواہ کی نہ بل
 جتنی ہوئی زمین کے ڈھیلوں سے ڈرے۔ کہیں چلتے۔ کہیں بھاگتے۔ اڑھائی بجے
 بعد از دوپہر روانہ ہوئے تھے۔ حضور کا تصور کر کے رواں دواں تھے۔ جب پانچ
 بج رہے تھے اور نماز عصر کا وقت تھا تو میاں صاحب کوئی اٹھائیس تیس میل کا
 نہایت ہی دشوار رستہ طے کر کے اور دریا کو بھیچور کر کے کھوکھر کی حد و دیں داخل
 ہو گئے۔ ایک کنوئیں پر نماز ادا کی۔ ادھر سے لوگوں نے امیر حزب اللہ زندہ باد کے
 نعرے لگانے شروع کئے۔ جو حضور کے کھوکھر میں داخلہ کا اعلان تھا۔ اور ادھر
 سے میاں صاحب بھی پہنچ گئے۔ جب حضور اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور قاضی غلام فرید
 صاحب آپ کے ایک بوٹ کا تسمہ کھول رہے تھے تو دوسرے بوٹ کا میاں
 صاحب نے بوسہ لیا۔ حضور نے پوچھا یہ کون میاں صاحب کو دیکھ حیران ہوئے

جرات نہ ہوئی۔ میاں صاحب ڈاکخانہ میں گئے وہاں سے حضور کی قیام گاہ کا پتہ معلوم کیا۔ کافی فاصلہ تھا۔ رستہ میں تلوار کو لوگ تعجب انگیز نگاہوں سے دیکھتے تھے اور خاموش رہ جاتے تھے حضور نمازِ شام ادا فرما چکے تو میاں صاحب نے جا قدم بوسی کی۔ حضور نے فرمایا۔ تم کہاں اور یہ تلوار کیسے لائے۔ رستہ میں کسی نے رکاوٹ نہیں کی؟ ہمارے تو پستول بھی وہاں رکھ لئے گئے تھے۔ میاں صاحب نے عرض کی۔ حضور کا کرم ہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے فرمایا۔ یہ تو تیری کرامت ہے۔ میاں صاحب نے کہا۔ سب کچھ حضور کی اپنی نوازش اور اپنی کرامت ہے حضور کا لہجہ ذرا نرم ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہے۔ اور پھر فرمایا۔ مرید جب بغرض زیارت آتا ہے تو واپسی تک مرشدِ طریقت اس کے سفر اور گھر بار کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ دو چار روز کے بعد پڑتال کرنے والے تھانیدار بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے نام احمد شاہ تھا اور چکوال کی طرف گھر تھا۔ پیر بھائی تھے۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے اس پیر بھائی کو میں نے سرحد پر دیکھا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا کہ لطف کی بات ہے یہ تلوار ساتھ لے آئے۔ تھانیدار متعجب ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ چلو میری تو نظر نہ پڑی لیکن سرینگر میں راجہ کی ساری پولیس اندھی ہو گئی تھی۔ اصل بات تو یہ ہے۔ شیروں کی دربانی کرنے والے کتے بھی شیر ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ شعر پڑھا

سگِ بارگیلاں شوچو خواہی قرب بانی کہ بر شیراں شرف دارو سگِ بارگیلانی

تصویرِ شیخ کی معجز نمانی | حضور دورہ کے سلسلہ میں لانگ شمالی ضلع جھنگ

شب بائش ہوئے۔ پیر امیر شاہ صاحب اور راجہ سکندر خاں مرحوم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ وہاں سے اگلے مقام کھوکھر کے ارادے شاہ نگر سٹیشن پہنچے تو ان دو معزز ہمایوں کو گھر جانے کی اجازت عنایت فرمائی اور خود شاہ جیونہ کی طرف گاڑی پر سوار ہو گئے۔ گاڑی شاہ جیونہ پہنچی تو آپ کو خیال آیا۔ پارک قلم

اپریشن روم میں پہنچ چکا ہے۔ ڈاکٹروں نے نو بجے صبح وقت مقرر کیا تھا حضور نے حجام کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ روغنہ شریف کی طرف رخ فرما کر دعائے خیر کہی اور فرمایا اللہ فضل کریگا۔ اگلے روز ان کے گاؤں کے لوگ پہنچ گئے۔ انہوں نے آکر خوشخبری دی کہ اپریشن کامیاب رہا ہے۔ حضور کی خدمت میں عرض کی گئی کہ تمہیں ٹھیک ٹھاک ہے۔ آپ نے فرمایا اب بھی ٹھیک ہے۔ کل بھی ٹھیک تھا۔ خدا کے فضل سے عزیز جلد تندرست ہو گیا۔ واپس جا کر اپنے فرائض منصبی انجام دینے شروع کر دیے اور اس کی تھا نیدارمی کے کاغذات بھی تیار ہو گئے۔

خواب میں نماز تہجد کا فرمان | میاں محمد عبد اللہ صاحب ساکن نگاٹل عمر خان تحصیل گوہر خان نے ذکر کیا ہے کہ تحریک حزب اللہ کا آغاز تھا۔ اور حضرت صاحب قبلہ نے آپ کے ہاں مقام منظور فرمایا۔ ایک رات میاں صاحب سوئے ہوئے تھے کہ دیکھا حضور موٹر سائیکل پر سوار ہیں۔ اور کوئی اور بزرگ موٹر سائیکل چلا رہے ہیں۔ اور نگاٹل عمر خاں تشریف لے آئے ہیں۔ اس خواب سے میاں صاحب کے جذبات میں ایک تہلکہ سا برپا ہو گیا۔ جاگے تو نماز تہجد کا وقت تھا۔ انہوں نے سمجھا۔ حضور اسی لئے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ لہذا اٹھ کر نوافل تہجد ادا کئے بعد میں ان نوافل کے لئے حضور نے کئی بار مختلف طریقوں سے جگایا۔ میاں صاحب نے کہا کہ نماز تہجد کی پابندی محض حضور کی ان توجہات باطنی کا نتیجہ ہے۔ حضور نے زبانی طور پر بھی حکم دیا تھا مگر باطنی تصرف کا اظہار نہ فرماتے تو ان اہم نوافل کی پابندی نہ ہو سکتی۔

چار بار حج نصیب ہوا | حاجی محمد لطیف خان صاحب ساکن ڈھوک للہا تحصیل راولپنڈی بڑے خاص اور نہایت ہی عقیدتمند برادر طریقت ہیں۔ انہیں پہلی بار زیارتِ حرمین الشریفین کا موقع بلا توجہت اور اشتیاق میں بڑا اضافہ

دوسرے پیر بھائی دم بخود تھے کہ اتنا فاصلہ اڑھائی گھنٹے میں کیسے طے ہو گیا۔
 حضور نے گھڑی دیکھی۔ پانچ بج چکے تھے۔ بڑی چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ حضور جب
 کھوکھر سے واپس جا رہے تھے ریل گاڑی میں ایک معزز پیر بھائی نے عرض کی میاں
 بہام چنیوٹی کا تو سنا تھا۔ کہ لوگ انہیں ابھی ایک مقام پر دیکھتے تھے اور آنا
 فنا دوسرے مقام پر پہنچ جاتے تھے۔ لیکن علی محمد کی بات تسلیم کرتے تامل ہوتا
 ہے۔ حضور کی طبیعت پر یہ بات گراں گزری۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے علی محمد کو فقر کی
 ٹوپی یونہی عطا نہیں کی۔ یہ بہام سے کم نہیں۔

اطمینان سے عرس مبارک پر پہنچ جاؤ قاضی عبدالرحمن صاحب سکند

دلی دھمیال تحصیل گوجر خان نے بتایا کہ ۱۹۶۱ء میں عرس مبارک قریب آ رہا
 تھا تو ان کا بھتیجا محمد لیسین حوالدار پولیس سالمی ہسپتال میں داخل ہوا۔ ڈاکٹروں
 نے کہا پھیپھڑے کا آپریشن ہوگا۔ اس لئے محمد لیسین کے والد قاضی محمد عالم اور قاضی
 عبدالرحمن دونوں سخت گھبرائے۔ ڈاکٹروں نے کہا ۱۳ نومبر بروز سوموار آپریشن ہو
 گا۔ اب عرس مبارک ۱۲، ۱۵ نومبر مطابق ۵-۶ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ ہجری کو تھا
 اور قبلہ حضرت صاحب مدظلہ العالی ۷ نومبر سے جلاپور شریف تشریف فرما ہو چکے
 تھے۔ قاضی عبدالرحمن صاحب نے حضور کی خدمت میں عرضہ روانہ کیا اور التماس
 کی کہ اگر حضور تسلی دیں تو عرس مبارک کی تقریب سعید میں شمولیت کا شرف حاصل
 کر لوں ورنہ معذور تصور فرما کر آپریشن کے موقع پر سالی جانے کی اجازت عنایت
 فرمائی جائے۔ حضور نے جواباً تحریر فرمایا اطمینان سے ۱۲ نومبر کو جلاپور شریف پہنچ
 جاؤ۔ اللہ فضل کرے گا۔ قاضی صاحب اس تاریخ کو حضور کی خدمت میں پہنچ گئے
 ۱۳ کی صبح کو حضور محل شریف کے سامنے حجامت بنوا رہے تھے۔ روضہ شریف
 سامنے تھا جب نوبت لگے تو قاضی صاحب نے عرض کی۔ قبلہ۔ اب عزیز محمد

کپڑے اتارے اور غسل شروع ہوا۔ شاہ صاحب حضور کو نہلا رہے تھے۔ اچانک ایک بلند آواز پیدا ہوئی اور چولہا بجھ گیا۔ شاہ صاحب نے اسے اٹھایا اور وہ ان کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ اب شاہ صاحب اسے جھٹکتے ہیں اور وہ ہاتھ سے جدا نہیں ہوتا دو تین منٹ تک یہی حالت رہی۔ حضور کو پتہ چلا تو آپ سخت پریشان ہوئے۔ آپ نے استفسار فرمایا کیا بات ہے۔ بجلی نے شاہ صاحب کو دماغ ماؤٹ کر دیا تھا۔ زبان پر ہر لگاڑی تھی۔ آپ کچھ عرض نہ کر سکے۔ اتنی دیر تک بجلی کی گرفت میں آکر زندہ رہنا ایک معجزہ تھا۔ حضور کی باطنی توجہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ کسی درویش نے آکر چولہے کی تار کا بٹن بجلی کے بورڈ سے علیحدہ کر دیا۔ بجلی کے منقطع ہونے پر چولہا شاہ صاحب کے ہاتھ سے جدا ہو کر گر پڑا۔ اصل بات یہ ہوئی تھی کہ تار ایک جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ اس پر کپڑا لپیٹ دیا گیا تھا۔ غسل کے پانی سے وہ کپڑا بھیگ گیا۔ اور بجلی کا استخراج شروع ہو گیا اس لئے تمام کیلا فرش بجلی کی گرفت میں آچکا تھا۔ چولہا شاہ صاحب کے ہاتھ سے چمٹا ہوا تھا۔ پیچھے فرش بجلی سے معمور تھا۔ آگے چوکی پر حضور تشریف فرما تھے۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ شاہ صاحب بالکل موت کے منہ میں جا پڑے تھے ایسے حالات میں حادثہ سے محفوظ رہ جانا حضور کی خاص کرامت ہے۔ واقعی برق کی شعلہ زنی، صاعقہ کی ہلاکت انگیزی اور باد و باران کی طوفان خیزی، اولیاء کرام کے تصرفات کے سامنے امن و سلامتی کی راہ اختیار کر لیتی ہے۔ حادثہ سے بچ جانے کے بعد شاہ صاحب نے قبد عالم کو اطمینان اور سکون سے نہلایا

سیلمانی ٹوپی | حافظ خلیل احمد۔ بی۔ اے ایل ایل بی۔ سرگودھانے بتایا۔
 کہ جب انہوں نے میٹرک کا امتحان دیا تو حضور کی خدمت میں جلالپور شریف حاضر ہوئے۔ واپسی پر ان کے پاس صرف ایک روپیہ تھا جو لاری والوں نے لیا اور ہرن پور تک پہنچایا۔ وہ ٹکٹ کے بغیر ریل پر سوار ہو گئے۔ اور اوپر والی نشست

ہو گیا۔ قبلہ حضرت صاحب مدظلہ العالی کی خدمت عالیہ میں عرض کی دعائے خیر فرمائیں اللہ کریم پھر حج کا شرف عطا فرمائیں۔ حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان منزل مساجیہ پر موجود ہیں۔ ایک مسجد ہے۔ جس کی دیواریں خام ہیں۔ ایک طرف منگے گاڑے ہوئے ہیں جن میں ماشکی پانی ڈالتے ہیں۔ اور لوگ وہاں سے پانی لے کر وضو کرتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب کی وہاں زیارت ہوئی۔ حاجی صاحب تیسری صف میں موجود تھے۔ حضور نے وہاں سے اٹھا کر صف اول میں بٹھا دیا۔ انہیں بڑی مسرت ہوئی ان کا بھتیجا محبوب الہی منعل چوتھی صف میں موجود تھا۔ حاجی صاحب کے دل میں خیال آیا اپنے عزیز کو بھی فیض پہنچایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ غالباً جماعت حضور نے کرائی اور منزل مساجیہ کی بسیط فضا میں بڑے روح پرور انداز سے تکبیر کا غلغلہ بلند ہوا۔ جب حاجی صاحب خواب سے بیدار ہوئے تو دل فرحت و انبساط سے لبریز تھا۔ اور یہ خواب ایسا بابرکت ثابت ہوا کہ آپ نے صرف حج ثانی نہیں بلکہ خواب کے مطابق ثالث کے بعد رابع بھی کیا اور زیارات سے جی بھر کر مستفیض ہوئے۔

بجلی کی گرفت سے نجات | سید رحمت حسین شاہ صاحب سکنتہ جھٹہ ہتھیال

تحصیل راولپنڈی حضور کی خدمت میں ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے ہیں۔ بیماریا کے ایام میں حضور کی سب سے زیادہ خدمت قاضی غلام فرید صاحب کے بعد آپ نے کی ہے۔ جنوری ۱۹۶۲ء کو ایک دفعہ بروز جمعرات حضور نے حجامت کے بعد غسل فرمانا تھا۔ آپ اپنی کوٹھی ۳۲۔ بی گلبرگ میں تشریف فرما تھے۔ غسل خانے کو گرم کرنے کے لئے بجلی کا چولہا (Heater) روشن کیا گیا۔ حضور چوکی پر تشریف فرما ہوئے

ایل ایل۔ بی جب لار کالج پشاور میں تعلیم پاتے تھے تو چند و چند خانگی پریشانیوں کی وجہ سے دوبار ایف۔ ای۔ ایل یعنی قانون کے پہلے امتحان میں ناکام ہو گئے۔ اب صرف ایک موقع باقی تھا۔ اس لئے سخت گھبرائے۔ اس موقع پر امتحان دینے سے پہلے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ راولپنڈی پشاور روڈ پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے دعا خیر فرمائی اور کہا۔ اللہ تعالیٰ افضل کرے گا۔ امتحان دے کر ملک صاحب سرگودھا چلے گئے۔ ابھی عرس مبارک میں دو ایک دن باقی تھے۔ کہ نومبر کی پہلی تاریخوں میں بذریعہ تار کامیابی کی اطلاع ملی، عرس مبارک پر حاضر ہوئے۔ حضور کی قدمبوسی کی۔ روضہ شریف پر حاضری کے وقت دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اگلے جون میں حضور کی دعا اور برکت سے ایل ایل۔ بی میں کامیاب ہو گئے۔ گویا ایک سال میں دو مشکل امتحانات پاس کئے۔

نوشتہ تقدیر لگا ہوں گے سامنے تھا | ایک مرتبہ جب کہ حضور
سالانہ تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں شادی وال ضلع گجرات پنجاب میں قیام فرماتے تھے۔ اور خواجہ محمد امین چشتی جلاپور جٹاں میں تھے تو خواجہ کے پاس ملک فضل حسین موضع حاجیوالہ سے تشریف لائے اور کہا کہ حاجی غلام محمد صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ کئی روز سے بیمار ہوں۔ لہذا آپ شادیوں جا کر میری صحت کے لئے دعا خیر کرائیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب ملک فضل حسین کے ہمراہ شادی وال پہنچے اور حضور سے دعا کے لئے عرض کی لیکن حضور نے ان کی التجا پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور ایک اور پیر بھائی سے باتیں شروع کر دیں شام اور عشاء کو پھر عرض کی اور اگلی صبح کو بھی التماس کی۔ لیکن حضور نے دعا

۱۷۷ روایت خواجہ محمد امین چشتی

پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے خوشاب اسٹیشن پر اترنا تھا۔ رستہ میں تین چار بار ٹکٹ کی پڑتال ہوئی۔ متعلقہ ریلوے افسر نے ہر بار ہر ایک کے ٹکٹ دیکھے۔ اور باوجود اس کے کہ اس کی نگاہ کسی بار بھی ان پر نہ پڑی۔ حضور کی توجہ نے انہیں ایسی طلسمانی ٹولی پہنا دی تھی کہ ریلوے افسر انہیں دیکھ نہ سکا۔ یہ حقیقت ہے کہ جب پیر جانی حضور کی خدمت میں باریاب ہوتے ہیں تو آغاز سفر سے اختتام تک حضور اپنی توجہات باطنی سے ان کی نگہبانی کرتے رہتے بلکہ ان کے گھر بار کی محافظت بھی اپنے ذمے لیا کرتے ہیں۔

دور کی گفتگو سے باخبری | ایک رات میاں محمد ذاکر قریشی کی کوٹھی واقع لاہور چھاؤنی میں حافظ خلیل احمد اور راقم اپنے ایک آدمی کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ حافظ صاحب ان دنوں لاہور میں تعلیم پاتے تھے۔ حضور کے دورہ فاج کازور تھا اور آپ راجہ غضنفر علی مرحوم کی کوٹھی پر قیام فرماتے تھے۔ راقم کہتا تھا کہ ہمارے محترم بڑے زیرک اور جہاندیدہ آدمی ہیں مگر ان کی دوستی شک و شبہ سے بالاتر نہیں۔ راقم نے کئی واقعات سنائے مگر حافظ صاحب اتفاق نہیں کرتے تھے۔ صبح ہم دونوں گبرگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قدمبوسی کر کے بیٹھے ہی تھے کہ حضور نے جہانی تکلیف اور زبان کی شدید لکنت کے باوجود حافظ صاحب کو مخاطب کر کے دوہین بار فرمایا۔ "خیر کمال بیوقوف دوست وانا دشمن سے بہتر ہوتا ہے"۔ اس طرح حضور نے ازراہ ذرہ نوازی راقم کے خیالات کی تائید فرمائی اور ایک عام ضرب المثل میں بڑے بصیرت افروز طریقہ سے بنیادی تبدیلی فرمادی۔

ایک سال کے اندر دو مشکل امتحانات میں کامیابی | ملک محمد افضل بی

نے دیکھتے ہی فرمایا۔ تم آگے۔ اچھا ہوا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تمہارے آنے کا انتظام
کر ہی دیا۔ سبحان اللہ

اولیاءِ اہست قدرت ازالہ : تیرگشتہ بازگرداند زیر راہ
فقرے نیاز نے ایک سومریج اراضی کی حکومت برطانیہ کی پیشکش ٹھکرادی ۱۹۲۸ء
میں قیامِ شملہ کے دوران علامہ سر محمد اقبال اکثر حضور کی خدمت میں تشریف
لاتے تھے۔ اور کئی کئی گھنٹے بیٹھتے۔ کبھی تصوف، کبھی ماضی و حال کے فلسفہ اور
کبھی اسلامی فلسفہ پر گفتگو ہوتی۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب موصوف تشریف فرما
تھے۔ کہ اس وقت کے انگریز گورنر پنجاب سر جفرے مونٹ مورنسی کا ایک جسطری
لفافہ پہنچا۔ جسے حضور قبہ کے حکم سے ڈاکٹر صاحب نے ہی کھولا۔ اور پڑھ کر حضور
کو سنایا۔ اس میں لکھا تھا کہ آپ کے لشکر کے کثیر اخراجات کے پیش نظر حکومت
برطانیہ کو ایک سومریج زرعی زمین دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ امید ہے کہ آپ حکومت
کی اس پیشکش کو قبول فرمائیں گے۔ اور اپنی رضامندی سے مطلع فرمائیں گے
یہ خط سنانے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت امیر عرب اللہ
سے پوچھا کہ قبلہ حضرت صاحب اس خط کا آپ کیا جواب دینا چاہتے ہیں۔ حضور نے
فرمایا کہ لکھا جائے فقیر نے آج تک حکومت کی نہ کوئی خدمت کی ہے اور نہ
آئندہ ہو سکے گی۔ لہذا میں کسی حالت میں بھی خود کو اس پیشکش کا اہل نہیں سمجھتا
حکومت کے اس احساس کا بہت بہت شکر ہے کہ لشکر شریف کے اخراجات کا اسے
خیال پیدا ہوا۔ لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ لشکر بادشاہوں کے محتاج نہیں
ہوا کرتے۔ یہ جواب سن کر ڈاکٹر صاحب وجد میں آگئے۔ اور بے اختیار
بول اُٹھے :

اوہ حضرت صاحب خدا کی قسم باقی پیروں کو بھی اپنے جیسا بنا لیجئے۔

کے لئے ہاتھ نہ اٹھائے۔ اور انہیں یونہی رخصت فرما دیا۔ خواجہ صاحب جب واپس جلاپور جہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قاضی صاحب کل چار بجے انتقال کر گئے ہیں۔ حضور کی نکاحیں نہشتہ تقدیر دیکھ رہی تھیں اس لئے خاموشی اختیار فرمائی تھی۔

روحانی تصرف کراچی سے گوجر خان کارپورٹ تک مہیا فرما دیا حکومت پاکستان کے محکمہ خوراک میں ایک پیر بھائی ملازم ہیں۔ وہ ہر سال حضرت اعلیٰ پیر جید علی شاہ علیہ الرحمۃ کے عرس مبارک پر حاضری دیا کرتے تھے۔ مگر ۱۹۵۸ء اور ۱۹۵۹ء کے دو سال ایسے گزرے کہ خانگی اخراجات کے باعث جلاپور شریف نہ جاسکے عشق کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ راتیں کروٹ لیتے بسر ہوتی تھیں اور آنکھیں اشک حسرت بہاتے بہاتے سو جگنیں۔ آخر ایک شب عالم یاس میں انہوں نے حضرت امیر حزب اللہ کا تصور کیا اور دعا کے لئے التجا کی۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر جب وہ دفتر کی تیاری میں مصروف تھے ایک نر و رنگ کا کاغذ صحن میں پڑا ہوا دکھائی دیا۔ جسے انہوں نے اٹھا کر دیکھا تو ریلوے وارنٹ تھا اور اس پر بزبان انگریزی

Karachi to Gujranwala (کراچی سے گوجر خان)

لکھا ہوا تھا اور سرخ سیاہی کے ساتھ حسب ذیل عبارت درج تھی :-
یہ وارنٹ کراچی سے ایسٹیشن کے بکنگ آفس میں دے کر ٹکٹ حاصل کیا جاسکتا ہے۔
یہ صاحب اسی وقت ریلوے اسٹیشن پر گئے اور وارنٹ بکنگ کلرک کو دکھایا۔
اس نے کسی پس و پیش کے بغیر گوجر خان کا ٹکٹ انہیں دے دیا۔ یہ صاحب ٹکٹ لے کر اپنے دفتر میں گئے۔ اور ایک ہفتہ کی چھٹی کی درخواست افسر کو پیش کی جو اسی وقت منظور ہو گئی۔ اور دوسرے ہی دن موصوف جلاپور شریف حاضر ہو گئے جنہوں

لہ بڑایت خواجہ محمد امین چشتی۔

عائد کرنا ہے۔ احکامات اسلامی میں مداخلت کر کے شادی کر کے نکاح مقرر کی جا رہی ہے۔ اس کی مخالفت کے لئے ہم شملہ آرہے ہیں۔ لہذا تم ہمارے آنے سے پہلے اس کی مخالفت کے لئے میدان ہموار کرو اور اس سلسلہ میں ہمارا ہتھیار بنانے کیلئے مسلمان ممبرانِ اسمبلی سے ملاقاتیں کرو۔

اس سلسلہ میں خواجہ محمد امین چشتی نے مولانا شفیع داؤدی۔ مسٹر حسن پٹنہ، سیٹھ عبداللہ ہارون کراچی، سیٹھ محمد عثمان مدر اس سرشاہنواز پنجاب، میاں محمد رفیق کلکتہ، مولوی غلام باری لائل پور، دیگر کئی ممبرانِ اسمبلی اور کئی مذہبی انجمنوں کے سرکردہ اراکین سے ملاقاتیں کیں۔ چشتی صاحب نے متقی صاحب کو بھی حضور کا خط دکھایا۔ اور حضور کی خدارسیدہ شخصیت سے روشناس کرایا۔ لیکن متقی صاحب چونکہ شمارہ ڈا ایکٹ کے حامی تھے لہذا انہوں نے نہ صرف مخالفت کی بلکہ یہ کہا کہ میں ان پیروں کو نہیں مانتا یہ سب دوکاندار یاں چلا رہے ہیں۔ چشتی صاحب نے کہا بھائی جب تک کسی کو دیکھا نہ جائے اس کے متعلق رائے قائم کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ سب انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ مگر متقی صاحب اپنی رٹ لگاتے رہے۔

چند یوم بعد حضرت امیر حزب اللہ شملہ پہنچ گئے اور لانگ وڈ ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔ حضور کی آمد سے ممبرانِ اسمبلی اور دور دراز کے صوبوں سے آئے ہوئے اکابر کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا۔ دوسری شام متقی صاحب اور خواجہ محمد امین چشتی صاحب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ بارش ہو گئی تھی اس لئے اس شام وہاں کوئی نہ تھا۔ حضور ایک بڑے کمرے میں آرام کر سی پر تشریف فرما تھے۔ مین کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ مگر یہ دونوں نیچے درسی پر ہی بیٹھ گئے۔ اتنے میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال تشریف لائے۔ اور

قبلہ حضرت امیر حزب اللہ ڈاکٹر صاحب کے بیساختہ پن پر کرائے اور فرمایا
فقیر تو انگریزی جانتا نہیں آپ ہی اس کا جواب تیار کیجئے۔ چنانچہ اگلی صبح ڈاکٹر
صاحب اور میاں عبدالحی صاحب وکیل نے مل کر جواب کا مسودہ تیار کیا جو ٹاپ
کرا کے گورنر پنجاب کو بھیج دیا گیا۔ حضور کے اس استغنا کے متعلق خواجہ محمد امین
چشتی لکھتے ہیں ۷

مری نظر میں قلند وہی ہے جسے چشتی جو بے نیاز کرم ہائے شہر پار ہے
گورنمنٹ آف انڈیا کی وزارت خارجہ کے ایک بڑے افسر کی بیعت | سید

ارشاد حسین متقی ایم اے رامپور ضلع جالندھر کے ایک بلند مرتبت خاندان
سادات کے چشم و چراغ تھے۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا کی وزارت خارجہ میں بہت
بڑے افسر تھے۔ انگریزی سوٹ پر ترکی ٹوپی پہنتے تھے۔ بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔
مگر یکے عبادت گزار اور نیک دل مومن انسان تھے۔ دو بچے شب بیدار ہو کر نماز
تہجد ادا کرتے۔ اور صبح کی نماز تک نہ کر الہی میں مشغول رہتے۔ اسلامی کاموں کا بہت
شوق رکھتے تھے۔ اور انجمن اسلامیہ شملہ کے جنرل سیکرٹری کے فرائض بڑی
محنت اور خلوص نیت سے انجام دیتے تھے۔ خواجہ محمد امین چشتی کے مخلص
دوست اور پڑھی بدل بھائی تھے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۲۸ء میں میلاد النبی صلعم کے جلسوں
کی تقریروں کے سلسلہ میں چشتی صاحب موصوف مسلمانان شملہ کی دعوت پر جب
گئے تو مشقی صاحب کی کوٹھی واقع کیتھو (شملہ) میں مسلسل دو ماہ مقیم رہے۔
انہی ایام میں چشتی صاحب کے ایک عریضہ کے جواب میں حضرت امیر
حزب اللہ مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا کہ سر ہر بلاس شار و امبر سنٹر اسمبلی ایک
بیاہ شادی ایکٹ اسمبلی میں پیش کر رہے ہیں۔ جس کا مقصد شادیوں پر پابندی
۷ بردایت خواجہ محمد امین چشتی۔

زباں زکوة فروماند ورا ز من باقیست | خواجہ محمد امین چشتی اپنے متعلق

لکھتے ہیں کہ درس نظامیہ کے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود دنیاوی مشاغل میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ نماز، روزہ اور فرائض دینیہ سے دور کا واسطہ بھی نہ رہا۔ حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز سے بیعت تھی۔ حضور کا وصال ۱۹۰۸ء میں ہو چکا تھا۔ بنابرین ۱۹۲۵ء تک جلالپور شریف میں حاضر ہونے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس سال اپنی والدہ محترمہ کے ارشاد کے مطابق جلالپور شریف روضہ اطہر کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ اور اس طرح حضرت امیر عرب اللہ کی قدبوسی سے شرفیاب ہونے کا پہلی بار موقع ملا۔ حصول زیارت کے بعد ایک طرف بیٹھ کر چشتی صاحب نے ایک عریضہ لکھا۔ جس میں اپنی بے راہ روی کا سارا قصہ درج کیا اور حضور سے التماس کی کہ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے دعائے خیر فرمائی جائے۔ عریضہ پڑھ کر حضور مسکرائے۔ اور حاضرین سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو فرمایا۔ دعا کے بعد چشتی صاحب آستانہ عالیہ سے باہر نکلے تو ظہر کی اذان ہو رہی تھی۔ انہوں نے اپنے دل سے پوچھا اذان ہو رہی ہے مسجد میں نماز پڑھنے کے متعلق کیا خیال ہے۔ دل نے جواب اثبات میں دیا۔ چنانچہ وضو کر کے نماز باجماعت ادا کی۔ یہ پہلی نماز تھی جو کئی برس کے بعد ادا کی۔

آستانہ عالیہ سے لوٹنے کے بعد چشتی صاحب کی زندگی ایک نئے رنگ میں رنگی گئی۔ جوانی کی بہار آفرینیوں کی جگہ سوز و گداز نے لے لی۔ خوش گپیاں ختم ہو گئیں۔ احباب کی رنگیں محفلوں سے دل اکتا گیا۔ نوبت باہر جا رسید کہ

تنہائی کے سبب ان میں تنہائی کی سببیں؛ اب ہونے لگیں ان سخلوت میں ملاقاتیں

انہیں دیکھتے ہی حضور نے حشمتی صاحب کو فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کو کرسی دو۔
ڈاکٹر صاحب بیٹھ گئے تو پھر اسلامی فلسفہ حیات پر گفتگو شروع ہو گئی۔ اور
یہ دونوں صاحبان اجازت لے کر چلے گئے۔

رستہ میں جب دونوں ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے اور تنہائی
تھی۔ متقی صاحب نے کہا مجھے حضرت صاحب کو مل کر سخت افسوس ہوا
ہے۔ میں نہ کہتا تھا۔ پیر صاحبان دوسروں کو انسان نہیں سمجھتے۔ انہوں نے
ڈاکٹر صاحب کو تو کرسی پیش کر دی۔ مگر مجھے نہ دی۔ حالانکہ میں ڈپٹی سکریٹری
ہوں۔ انجمن اسلامیہ شملہ کا سکریٹری ہوں۔ کئی قومی کام میرے ہاتھوں انجام
پذیر ہوئے ہیں۔ اور پھر سید ہوں۔ حشمتی صاحب ان کی باتوں پر خاموش رہے۔
اس خیال سے کہ مرشدِ کامل خود ان کی تسلی فرمادیں گے۔ دوسری صبح اتوار کا دن
تھا۔ نماز فجر کے بعد متقی صاحب مُصر ہوئے کہ حضور کی خدمت میں چلیں۔ رات
خواب میں میرے جدِ اعلیٰ نے کہا ہے کہ اپنے خیالات سے توبہ کرو۔ اور
ان کی بیعت کرو چنانچہ یہ دونوں اسی وقت روانہ ہو پڑے۔ لانگ وڈ
ہوٹل میں پہنچے تو نیاز مندوں کا جھوم تھا۔ حضور نے دیکھتے ہی حشمتی صاحب
کو فرمایا۔ متقی صاحب کو کرسی دے دو۔ پھر دونوں کے درمیان گذشتہ رات
جنگل میں جو گفتگو ہوئی تھی کہہ دی۔ اس کا جواب بھی دے دیا اور پھر فرمایا
آپ کے جدِ امجد خواب میں ملے تھے اور آپ کی نیک دلی کی تعریف کر رہے تھے
متقی صاحب پر اس واقعہ کا گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں جلالپور
شریف حاضر ہوئے۔ اور حضور کی بیعت سے سرفراز ہوئے۔

۱۔ فقر کی اولین سیر بھی احساس استکبار کو توڑنا ہوتا ہے۔ حضور نے یہی کچھ کیا ہے

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جسامی کاہدیں راہِ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

زبان نکتہ فروماند و راز من باقیست بضاعت سخن آفر شد و سخن باقیست

روحانی بصیرت سے کام لیکر حسب استعداد تلاوت کی اجازت دی لکھتے ہیں کہ غالباً ۱۹۴۱ء آزاد کشمیر سے کرنل محمد

میں انہیں حضور والا کی خدمت اقدس میں بمقام جلالپور شریف حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ ان دنوں انہیں ورور و وظائف میں زیادہ سے زیادہ وقت مشغول رہنے کا شوق لاحق تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور نے کچھ عرصہ پہلے نہایت شفقت سے انہیں ان کی درخواست کے بغیر ایک قلمی مجموعہ وظائف عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضور والا سے چند اوراد اور سوا پارہ قرآن کریم بطور وظیفہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ حضور نے اوراد کی اجازت تو دیدی مگر قرآن شریف کی تلاوت کے متعلق فرمایا کہ جس قدر آسانی سے پڑھ سکو روزانہ پڑھ لیا کرو۔ اس پر انہوں نے دوبارہ عرض کیا کہ روزانہ سوا پارہ تلاوت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مگر حضور والا نے پھر فرمایا جس قدر منزل آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ حمید صاحب کو پھر بھی اطمینان نہ ہوا۔ جرأت کر کے تیسری بار بھی سوا پارہ تلاوت کی اجازت طلب کی۔ حضور نے کرمانہ انداز میں فرمایا اچھا ایک پاؤ پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد انہیں جرأت نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ تو ربع پارہ روزانہ آسانی سے پڑھتے رہے۔ مگر بعد میں جب قرآن کریم کی تفسیر کا بغور و فکر مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا تو ایک پاؤ تلاوت انتہائی کوشش کے باوجود مشکل کر سکتے تھے اور اب کافی عرصہ سے یہ حالت ہے کہ بڑی مشکل سے ایک پاؤ تلاوت روزانہ انجام پاتی ہے۔ حمید صاحب حضور کے بڑے ممنون احسان ہیں کہ اپنی روحانی بصیرت سے ان کی قابلیت اور استعداد کو جانپ لیا۔ اور اسی کے مطابق تلاوت قرآن مجید کی اجازت عطا فرمائی۔

نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک مقدس شبیہ سامنے آتی اور اپنی طور صفت
برق پاشیوں سے قلب کی تاریکیوں کو روشن کر دیتی۔ پرانے بے تکلف دوست آتے
اور دوستانہ مذاق کے انداز میں مخاطب کر کے چشتی صاحب کی خاموشی کو توڑنا
چاہتے لیکن ان کی حیرت نظارہ بنی ہوئی اشک زانگاہیں ان کی طرف التفات
نہیں کرتی تھیں۔ اور تصورات کی دنیا میں کھوجاتی تھیں۔ اور دل پھر اسی محبوب
صورت سے باتوں میں مصروف ہو جاتا تھا۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
اس طرح کافی عرصہ گزر گیا اور حضور اقدس کی روحانی تجلیات چشتی صاحب کے
ظلمتکدہ دل کو صیقل کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ماہ صیام آ گیا۔ اس مرتبہ رمضان
شریف اپریل، مئی کے مہینے میں آیا۔ خاصی گرمی تھی چشتی صاحب نے کبھی سردیوں
میں بھی روزے نہیں رکھے تھے۔ لیکن حضور کی توجہات عارفانہ نے قلب جوارح
میں وہ قوت پیدا کر دی کہ جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ روح کی پاکیزگی نے ایک
دفعہ پھر انگریزی۔ ادھر رمضان کا چاند دکھائی دیا اور ادھر چشتی صاحب
نماز تراویح کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ آخر صبح کا بھولا شام کو گھر آ گیا
اور کئی سال کے بعد وہ پھر خدا کے حضور عجز و نیاز کے ساتھ کھڑے ہو کر قرآن کیم
سن رہے تھے۔ روزے رکھے اور اس طرح جیسے پیدائشی صائم ہیں عید الفطر
لیکن روزہ کی لذت و جلالت کچھ اس طرح رکھنے میں سرایت کر گئی کہ عید
کے دوسرے ہی دن پھر روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ اور کئی ماہ تک رکھتے
چلے گئے۔ کئی سال گذر چکے ہیں۔ حکایت طویل ہے جس کے لکھنے کے لئے ایک
الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ لہذا جگہ کی قلت کے پیش نظر چشتی صاحب
اپنی داستان اس شعر پر ختم کرتے ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مسیح الملک حکیم اجل خان دہلوی،
 ڈاکٹر محمد اقبال وغیرہم جلوس میں شامل تھے۔ حضور قبلہ عالم اور ڈاکٹر محمد اقبال
 ایک کار میں سوار تھے۔ حضور کی کار ایک مقام پر ٹھہری جہاں صوفی خدائش
 بھی کھڑے تھے۔ انہیں حضور کی شخصیت اور نورانیت تمام حضرات پر حاوی
 نظر آئی۔ چنانچہ صوفی صاحب نے حضور کی طرح میں فی البدیہہ ایک نظم پڑھی۔
 ڈاکٹر صاحب نے پوچھا یہ کون ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ حضرت اعلیٰ خواجہ
 غریب نواز کے نیاز مند ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے۔ میرا بھی ارادہ تھا کہ
 حضرت اعلیٰ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ مگر حاضری کا اتفاق نہ ہوا۔ اور امروز
 فردا میں آپکا وصال ہو گیا۔

اسی طرح محمد افضل صاحب نے راجہ عباس خان سکندہ تختی راجگان
 ضلع راولپنڈی کی زبانی بیان کیا کہ جب حضور کے اہتمام سے جمعیت المشائخ
 کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تو حضور مشائخ کرام کے درمیان اس طرح
 جلوہ افروز تھے جیسے چاند ستاروں کے درمیان ہوتا ہے۔ بے اختیار
 ہو کر راجہ صاحب نے حضور سے عرض کر دیا کہ ماشاء اللہ آپ تمام بزرگان
 کرام سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ حضور نے ہاتھ کے اشارے سے خاموش
 کرادیا۔ اور فرمایا تم تھکے ہوئے ہو جا کر سو جاؤ۔

دُعا سے خیر سے حقیقی بیوی کی محبت دل میں پیدا ہوگی۔ چوہدری خدائش

والد بزرگوار کی بیعت حضرت اعلیٰ سے تھی۔ انہوں نے عرس کے موقع پر بتایا
 کہ ان کی لڑکی اپنے چچا زاد سے بیاہی گئی۔ مگر وہ لڑکا ایک عیسائی لڑکی پر بچھ
 گیا۔ اور نکاح کر کے اسے گھر لے آیا۔ اور چوہدری صاحب کی لڑکی کو گھر سے

ایک نگاہ سے سینہ کھل گیا | برادر طریقت محمد افضل صاحب سپرنٹنڈنٹ
دفتر اکوٹمنٹ جنرل آزاد جموں و کشمیر گورنمنٹ مظفر آباد تحریر فرماتے ہیں۔ کہ
ایک دفعہ آزاد کشمیر کے میاں احمد دین درزی حضور کی قدمبوسی کے لئے جلالپور
شریف حاضر ہوئے حضور روضہ شریف سے فاتحہ خوانی کے بعد واپس محل شریف
تشریف لارہے تھے کہ انہوں نے جھک کر قدمبوسی کی حضور نے ایک خاص نظر
سے دیکھا۔ اور پھر یہ حالت ہو گئی کہ جہاں کہیں بھی کوئی بات ہونے والی ہوتی
تھی انہیں اطلاع مل جاتی تھی۔ انشراح صدر ہو گیا۔ انہوں نے آئندہ کے
کئی واقعات لوگوں کو پیش از وقت بتا دیئے۔ انشانے راز کی وجہ سے کچھ
عرصہ بعد ان سے وہ نعمت چھین لی گئی۔

خواب میں حضور کی زیارت سے پریشانیوں دور | محمد افضل صاحب
موصوف لکھتے ہیں کہ آزاد کشمیر کے جہاد کے زمانہ میں ان لوگوں کو بڑی پریشانیوں
سے دوچار ہونا پڑا۔ جائداد لوٹی گئی۔ گھروں کو ہندو اور سکھوں نے آگ لگا
دی۔ اور یہ سب پریشانی کی حالت میں قریہ بہ قریہ در بدر پھرتے اہل دیال
کو لئے گوجر خان گئے۔ اور پھر وہاں سے مظفر آباد میں آکر آباد ہو گئے۔ جب کبھی
انہیں سخت پریشانی لاحق ہوتی تھی حضور قبضہ عالم گھر کے کسی فرد کو خواب میں
نظر آتے تھے جس سے ان کی تسلی ہو جاتی تھی اور انجام بخیر ہوتا تھا۔

حضور کی شخصیت اور نورانیت تمام حضرات پر چامنی | محمد افضل صاحب
موصوف نے صوفی

خدا بخش صاحب مرحوم و مغفور سکند آباد وال نزد ہرن پور کی زبانی سنا کہ حضور
ایک دفعہ لاہور قیام فرماتے تھے۔ غالباً تحریک خلافت کے سلسلہ میں جلوس
نکلنا تھا۔ حضور کو بھی باصرار جلوس میں شمولیت کے لئے راضی کر لیا گیا۔

خیال آیا جب میرا اپنا رہبر کامل ہے۔ ان سے اجازت لے لی جائے۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہ صاحب سے ملاقات اور وظیفہ کا سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور نے فرمایا۔ فی الواقعہ اس وظیفہ کی مداومت سے محویت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اپنے اہل و عیال اور ضروریاتِ زندگی کا خیال دل سے محو ہو جائے گا۔ ذکر اللہ میں اس طرح مستغرق ہو جاؤ گے کہ جو ذمہ داریاں فریضہ کا حکم رکھتی ہیں وہ بھول جائیں گی۔ بہتر یہ ہے کہ باہوش رہ کر یاد خدا کرو۔ اور احکام الہی کی تعمیل میں دنیاوی فراموشی کو بھی انجام دو۔ چنانچہ حکیم صاحب نے مولانا نور شاہ صاحب کا بتایا ہوا وظیفہ پھر نہ پڑھا۔

روضہ شریف کی خاک سے بینائی بحال ہو گئی | مذکورہ الصدِّقِ برادرِ طریقت
محمد افضل صاحب ساکن

مظفر آباد نے حضور پر نور کی زبان فیض ترجمان سے بیان کیا کہ ہمارے ایک پیر بھائی سید امام شاہ صاحب سکندھ کھاریاں حضرت اعلیٰ جم کے غلام تھے۔ ان کی بینائی کم ہو گئی۔ شاہ صاحب نے آپ کی خدمت میں عرض کی ان دنوں جلاپو شریف میں جو ڈاکٹر متعین تھے وہ امراضِ چشم کے ماہر تھے۔ حضور نے شاہ صاحب کی آنکھیں انہیں دکھائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ ایک ماہ تک بینائی مکمل طور پر نابود ہو جائے گی۔ شاہ صاحب سن کر بڑے گھبرائے اور رونے لگے۔ حضور کو ترس آیا اور شاہ صاحب سے فرمایا۔ روضہ پاک سے خاک اٹھالے جاؤ اور بطور مسمرہ استعمال کرو۔ شاہ صاحب نے تعمیل کی بینائی مکمل طور پر بحال ہو گئی۔ حضور نے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا تو وہ حیران رہ گئے۔

سمندر میں ڈوبنے والے کو نوید نجات دی | مذکورہ بالا محمد افضل صاحب کو

نکال دیا۔ بہت سمجھا یا گیا۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ کچھ عرصہ بعد حضور دورۂ حزیب اللہ کے سلسلہ میں ادھر تشریف لے گئے اور جس سڑک پر سے حضور نے گزرنا تھا۔ وہ مظلوم لڑکی اس کے کنارے دودھ کا ایک پیالہ لے کر کھڑی ہو گئی۔ حضور نے قریب پہنچ کر ازراہ کرم کا ٹھہرائی۔ اس نے دودھ پیش کیا اور عرض کی حضور پر اس ناچیز کی حالت روشن ہے۔ اب میں کدھر جاؤں۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی۔ اور فرمایا۔ کھراؤمت اللہ تعالیٰ خیر کرے گا۔ چنانچہ چند یوم کے اندر اندر چودھری صاحب کا بھتیجا ان کے پاس آیا۔ معافی کا خواستگار ہوا۔ اپنی بیوی کو گھر لے گیا۔ عیسائی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ اس لڑکے نے بیان کیا کہ وہ کرسچین لڑکی اسے بالکل سوڑ کی شکل میں نظر آتی ہے۔

اس وظیفہ سے محویتِ نبی اللہ تو حاصل ہوگی مگر اہلِ سعیاں کخیالِ محو ہو جائیگا

براہِ طریقت حکیم غلام احمد صاحب مرحوم سکندہ مظفر آباد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری دیوبندی سرینگر آئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً وہ بھی سرینگر موجود تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے غیر اللہ کا خیال دل سے نکل جائے انہوں نے پوچھا کہ تمہاری بیعت کہاں ہے۔ حکیم صاحب نے عرض کیا جلالپور شریف اس پر شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ آیا خواجہ غریب نواز سید حید علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہے یا موجودہ سید محمد فضل شاہ صاحب دام اللہ برکاتہم سے۔ حکیم صاحب نے عرض کی موجودہ حضرت صاحب قبلہ سے۔ سید انور شاہ صاحب محدث اسلام کہنے لگے۔ دونوں بزرگوں میں کوئی فرق نہیں۔ پھر ایک وظیفہ پڑھنے کو بتایا۔ حکیم صاحب کے دل میں

امتحان دیا تو پریکٹیکل سائنس کا امتحان دیتے ہوئے اتفاقاً ایک آکھ ٹوٹ گیا۔ اس کے ٹوٹ جانے کے بعد سوال حل نہیں ہو سکتا تھا۔ بس اب امتحان میں ناکامی یقینی تھی۔ گھبراہٹ کی وجہ سے غشی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس حالت میں حضور قبلہ عالم کو دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے۔ گھبراؤ مت۔ فلاں طریق سے سوال حل کرو۔ ملک صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ حسب الارشاد عمل کیا اور کامیاب ہو گئے۔

اُسے اپریشن کے بغیر آرام آجائے گا ملک محمد حیات خان صاحب موصوف

کے چھوٹے بھائی سردار محمد اقبال صاحب جو آج کل لاہور ہائی کورٹ کے جج ہیں زمانہ طالب علمی میں بمقام لاہور انٹرنیوں کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ ڈاکٹر بی۔ رائے نے ان کا اپریشن ضروری قرار دیا۔ ملک محمد حیات خان پونچھ میں تھے۔ لاہور سے انہیں تار بھیجا کہ آؤ اور سردار محمد اقبال کا اپریشن کراؤ۔ ملک محمد حیات پہلے حضور کی خدمت میں جلالپور شریف حاضر ہوئے اور عرض حال کی۔ حضور نے دعا خیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اپریشن کی ضرورت نہیں۔ اس کے بغیر آرام آجائے گا اب ملک صاحب لاہور پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ سردار اقبال کو اپریشن کے لئے ہسپتال میں لے گئے ہیں۔ ہسپتال میں پہنچے تو سردار اقبال اپریشن روم کے اندر تھے تختہ پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور اوزار لے کر ڈاکٹر اپریشن کے لئے تیار تھا۔ ملک صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں یقین تھا حضور کے فرمان کے مطابق اپریشن نہ ہوگا اور آخری وقت پر ٹلی جائے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر نے انگلی پیٹ پر ماری اور کہا ابھی پیٹ کچا ہے اس لئے اپریشن بعد میں ہوگا۔ ملک صاحب سردار اقبال کو اپنی قیام گاہ پر لائے۔ اور حضور کے عطا کردہ تعویذات استعمال کرائے جن سے وہ ٹھیک ہو گئے۔

جلالپور شریف کے سفر میں ایک بھائی نے بتایا کہ اس کا بھائی گذشتہ جنگ عظیم
انگریزی بحری بیڑے میں سپاہی تھا۔ جاپانی سمندر میں دشمن کے تارپیڈو سے
اس کا جہاز غرق ہو گیا۔ وہ ایک تختہ پر سوار ہوا اور سخت گھبراہٹ کے باعث
بے ہوش ہو گیا۔ اس وقت اس نے ایک بزرگ کو دیکھا جو اسے تسلی دیتا ہے
اور کہتا ہے جو امر دیکھنا نہیں کرتے۔ حیر ہو جائے گی۔ اسی اثنا میں اس سمندر
میں انگریزوں کے ایک تارپیڈو نے ایک جاپانی جہاز کو غرق کیا۔ اوپر سے جاپانی
ہوائی جہاز آگئے اور رستے نیچے لٹکا کر ڈوبتوں کو اٹھانا شروع کیا۔ جب رستہ پکڑ
کر کوئی اوپر جہاز کے قریب جاتا تو اگر جاپانی ہوتا اسے جہاز میں سوار کر لیتے اگر
دشمن کا آدمی ہوتا تو دھکا دے کر نیچے سمندر میں گر اویٹے۔ اتنے میں ایک جہاز
اس شخص کے برابر اوپر آیا۔ اس نے سفید رومال لہرایا اور جہاز نے اس کے برابر
نیچے رسہ لٹکایا۔ جسے پکڑ کر وہ اوپر آ گیا۔ نزدیک جانے پر ایک جاپانی اسے دھکا
دے کر گرانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے افسر نے روک دیا۔ اور اسے ساتھ لے جا
کر مختلف خدمات لیتے رہے۔ جنگ کے خاتمہ پر اسے رہا کیا گیا۔ وہ گھر آیا
حضور قبلہ عالم کی خدمت میں جلالپور شریف حاضر ہونا چاہتا تھا۔ مگر وہ دور
عزب اللہ کے سلسلہ میں جلد ادھر تشریف لے گئے۔ اس شخص نے قبل ازیں
حضور کی زیارت نہیں کی تھی۔ دیکھتے ہی فوراً کہنا شروع کر دیا یہ تو وہی بزرگ
ہیں جنہوں نے سمندر میں ڈوبتے وقت مجھے تسلی دی تھی۔ اور پھر میں سچ گیا۔

انگلستان میں بوقت امتحان فرمایا۔ گجرات امت۔ اس طرح سوال حل کرو

ملک محمد حیات خان ریٹائرڈ کنسرویٹیو جنکلات ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ انگلستان
میں ٹریننگ کے لئے امتحان دینے کے لئے گئے اور چار سال کا کورس ختم کر کے

لہ بروایت محمد افضل صاحب موصوف

اس پر مجلس میں موجود ہونے کی بنا پر انہوں نے حضور سے عرض کی کہ کیا اس شخص کا تباہ ہو گیا۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں بعد میں وہ شخص آیا اور شکر گزار تھا۔ یہی واقعہ اپنے ضلع جھنگ کے ایک مقام پر دورہ میں خصوصی مجلس میں بیان فرمایا تھا تو اختتام پر صوفی خضر حیات نے دریافت کیا کہ جناب کا کیا مقام ہے تو حضور نے فرمایا کہ ہم تو درویشوں کی جوتیاں سپیدھی کر نیوالے ہیں پھر آپ نے خواجہ تونسوی کا واقعہ بیان فرمایا کہ خواجہ تونسوی کے وصال کے وقت جب خواجہ اللہ بخش نے عرض کی کہ دعا فرمادیں کہ میں آپ کے درویشوں کی جوتیاں سپیدھی کرنے کے قابل ہو جاؤں۔ حضرت تونسوی نے اس وقت تمام خلفاء کی طرف دیکھا جو عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے اور پڑھا **وَنَفَّخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي** اور پھر خواجہ اللہ بخش صاحب کے منہ میں پھونکا جس سے ان کی قلب ماہیت ہو گئی۔

بیعت ہو جانے کے بعد ایک نخت روحانی عروج حاصل ہوا محض حسب موصوف کی والد ماجدہ کو خفتان کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ بہر چند علاج کیا گیا۔ مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ مایوس ہو کر سائیں میرا ان بخش صاحب مرحوم و مغفور کی طرف رجوع کیا گیا۔ جن کی بیعت حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز سے تھی اور موجود حضرت صاحب کے بھی منظور نظر تھے۔ ریاست پونچھ میں ان کے فقر کا بڑا شہرہ تھا۔ مگر نذر فضل صاحب کے والد بزرگوار ان کے معتقد نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے سائیں صاحب کو کھلے الفاظ میں دیا کہ اگر یہ تندرست نہ ہوتی تو پھر اس علاقہ میں آپ کا مکر و فریب نہیں چل سکتے گا۔ سائیں صاحب کراٹے ٹھہر کے وقت ان کے گھر جا کر مرلیضہ کو دیکھا اور پھر کہا کہ اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں بمقام جلالپور شریف جا رہا ہوں۔ حضور کی خدمت میں عرض کی جائے جو کچھ ارشاد ہو گا۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔ سائیں صاحب نے جلالپور شریف

رجال الغیب میں سے ایک نے حاضر ہو کر عرض کی قبلہ اس علاقہ سے میرا تبادلو کر لیں

حضور نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ بمقام سرسنگر محمد افضل خان مرحوم سابق وزیر ریاست جموں و کشمیر کے ہاں آپ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنے ایک درویش نے اطلاع دی کہ باہر ایک آدمی آیا ہے جو ملنا چاہتا ہے۔ اسے اندر بلا یا گیا۔ میلے کچیلے کپڑے، نحیف البدن مگر چہرہ نورانی اس نے کہا کہ ریاست کے ایک وزیر کا لڑکا ہوں۔ گریجویٹ ہوں۔ لیکن فقر کی برکت سے اب وادی کشمیر کا روحانی محافظ ہوں۔ ریاست کشمیر کے تمام احکامات پہلے ہم روحانی طور پر جاری کرتے ہیں اور بعد میں ان کا اجرائے ظاہری طور پر ہمارا جہ یا دیگر حکام کی طرف سے ہوتا ہے۔ چونکہ سرسنگر کی آب و ہوا مجھے راس نہیں۔ اکثر پیش کی تکلیف رہتی ہے۔ اس لئے یہاں سے تبادلہ چاہتا ہوں۔ ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ شیخ نور الدین ولی جن کا مزار شریف بمقام چراڑ ہے۔ مجھے فرماتے ہیں کہ پیر حیدر شاہ صاحب کے پوتے سرسنگر آئے ہوئے ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرو۔ وہ قبلہ پیر حیدر شاہ صاحب کی خدمت میں سفارش کر کے تبادلہ کرا دیں۔

حضور نے مزید فرمایا کہ اس شخص کو کہا گیا کہ تمہاری ولہبسی کے لئے سواری کا کوئی انتظام کرو یا جائے۔ مگر اس نے کہا ہم لوگوں کو سواری کی ضرورت نہیں ہوتی ہم لحظہ بھر میں دور دراز کی مسافت اٹے کر لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ شخص باہر چلا گیا۔ اسی وقت راجہ محمد افضل خاں صاحب کچھری سے واپس آگئے۔ ان سے ذکر ہوا تو انہوں نے آدمی پیچھے دوڑائے مگر وہ شخص نہ ملا۔

محمد افضل صاحب موصوف سپرنٹنڈنٹ دفتر اکوٹنٹ جنرل آزاد کشمیر تجریہ کرتے ہیں کہ حضور پر نور نے یہاں تک واقعہ کا ذکر کر کے خاموشی اختیار فرمائی۔

نہ بروایت محمد افضل صاحب موصوف۔ مظفر آباد۔ آزاد کشمیر۔

کا درس دے کر ملک کے حصے بخرے کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔ اس زمانہ میں چوہدری نور محمد خان صاحب تحصیلدار حضور کی قارمبوسی سے فیضیاب ہونے کے بعد لوٹے تو محمد افضل صاحب کو ملے اور کہنے لگے کہ ملکی حالات کے زیر نظر حضور نے فرمایا ہے۔ آپ سب لوگ رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَاَنْتَصِرْ کا وظیفہ پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی یہ وظیفہ شروع کر لیا اور چند دنوں میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے حکومت پر قبضہ کر کے ملک کو تباہی سے بچا لیا۔

محمد افضل صاحب راجہ عباس خان صاحب سکندہ تختی راجگان کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ پاکستان میں مارشل لار کے قیام کے دس روز قبل حضور نے ارشاد فرمایا کہ ملک میں مارشل لا جاری ہو گیا ہے۔

حضرت کے روحانی جلوے سے مجھ پر ہو گئے | محمد افضل صاحب مذکور تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہندوستان کے

ایک مشہور خطیب نے پونچھ میں تقریر کرتے ہوئے درگاہ جلالپور شریف کے متعلق طنزاً کہا تھا کہ وہاں تو کونسل آف سٹیٹ کی ممبری ہے۔ ان کی مراد حضور قبلہ علم کے برادر خرد نواب عالم تاب سید محمد ہر شاہ صاحب مدظلہ سے تھی جو ان دنوں ہندوستان کی کونسل آف سٹیٹ کے ممبر تھے۔ شاہ صاحب کے اس انداز بیان سے جلالپور شریف کی درگاہ عالیہ کے متعلق عوام میں کچھ بدظنی سی پیدا ہو گئی چنانچہ محمد افضل صاحب کو ان کے ماموں دوست محمد خان ہمدکنسٹیبل پولیس پھوچی زاد بھائی محمد اکبر خان سب انسپکٹر پولیس اور محمد زمان خان نمبردار موضع پنڈی کھٹانہ اکثر طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم ایسے پیر کے مرید ہو جو محض دنیا دار ہے لیکن جب حضور قبلہ عالم پہلی مرتبہ بسلسلہ درۃ عرب اللہ پونچھ شریف لے

حاضر ہو کر حقیقت حال عرض کی حضور قبلہ عالم نے سائیں صاحب کو ایک وصال
عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مریضہ کو اس رومال پر ہماری طرف سے بیعت
کر لیں اور فلاں فلاں تسبیح اور وظائف پڑھنے کی تلقین کریں۔ آئندہ کے لئے
بھی حضور نے سائیں صاحب کو اجازت دی کہ اس رومال پر ایسے خواہشمند اصحاب
کو جو کسی وجہ سے جلالپور شریف حاضر نہ ہو سکتے ہوں ہماری طرف سے بیعت
کر لیا کریں۔ واپسی پر سائیں صاحب نے حضور قبلہ عالم کی طرف سے مریضہ کو
بیعت کیا اور تسبیح اور وظائف کی تلقین کی۔ چنانچہ تادم مرگ انہیں مرض خفقان
سے نجات مل گئی۔

محمد افضل صاحب لکھتے ہیں کہ بیعت ہو جانے کے بعد ان کی والدہ صاحبہ
کو بڑا روحانی عروج حاصل ہوا۔ وہ اسے انخفا میں رکھنے کی کوشش کرتی تھیں
لیکن ایک دن جب سخت اضطرابی کیفیت طاری تھی تو انہوں نے ان سے
پوچھا۔ موصوفہ نے فرمایا کہ ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ مکان کے
اندر بستر میں لیٹے ہوئے بھی وہ مکان کی چھت سے اوپر کسی ایسی دنیا میں
پہنچ جاتی ہیں جس کی کیفیت بہت مختلف ہے۔ اور اس سے انہیں گھبراہٹ
لاحق ہو جاتی ہے۔

رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَاَنْتَصِرْ کَاَوْطِیْفٍ پڑھیں محمد افضل صاحب موصوفہ

ذکر کرتے ہیں کہ پاکستان میں مارشل لاء جاری ہونے سے پہلے ملک کی حالت
بہت خطرناک ہو چکی تھی۔ خزانہ روپیہ سے خالی تھا۔ سگمنگ عام تھی۔ چیزیں
بازار سے غائب ہو جاتی تھیں۔ اور پھر بلیک شروع ہو جاتی تھی۔ غلط قسم
کے لیڈر ملک میں تفرقہ بازی پیدا کر رہے تھے۔ فرقہ دارانہ جذبات سے
کھیلا جا رہا تھا۔ اور سندھی، پنجابی، سرحدی وغیرہ لوگوں کو قومی عصیت

پھر بھی کسی مسافر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ حتیٰ کہ ڈر ایبورا اور کلینر بھی بچ گئے۔
 راجہ صاحب حادثہ کے بعد سیدھے حضور کی خدمت میں لال کڑاٹی پہنچے۔ اوٹ
 گھر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ حضور کا اجازت نہ دینا اسی حکمت پر مبنی تھا۔ اب
 انہیں سمجھ آئی۔ بعد میں اس حادثہ کے متعلق ایک پیر بھائی سے حضور نے فرمایا
 ایک کی وجہ سے تمام مسافر بچ گئے۔

رخصت دینے میں مصلحت نہ ہاں | مولوی ولی محمد صاحب بتاتے
 ہیں کہ جب ۱۹۲۶ء میں ملک

تقسیم ہوا اور عام بلچل مچی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک روز بعد از نماز ظہر حضور
 سے گھر جانے کے لئے رخصت مانگی۔ حضور متامل ہوئے۔ دو تین بار عرض کرنے کے
 بعد حضور نے دعائے خیر تو فرمائی۔ مگر چہرہ انور پر تردد کا سایہ بار بار نمایاں ہو جاتا
 تھا۔ مولوی صاحب نے قدمبوسی کی اور روانہ ہو گئے۔ آگ کے پل پر پہنچے تو ہنگ
 سکھ نیرے تانے پھر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر غیظ و غضب کی آگ بھڑک رہی
 تھی۔ ایک ہنگ سکھ انہی دنوں قتل ہو گیا تھا۔ مولوی صاحب آگ اسٹیشن کے
 آگے لائن کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے تو سکھ فوجیوں سے بھری ہوئی جیب کا پیس
 یکے بعد دیگرے جاتی دیکھیں۔ انہوں نے بندوقیس اٹھائی ہوئی تھیں اور مولوی صاحب
 کو گھور گھور کر دیکھتے تھے۔ انسانی جان کی ان دنوں کوئی قیمت نہ تھی۔ جنگل بیابان
 تھا۔ اور مولوی صاحب دشمن سکھوں کی گولی کا بالکل زد میں تھے۔ ان کا وجود خوف
 سے پسینہ پسینہ ہو چکا تھا۔ اگر کوئی سکھ سپاہی گولی مار کر انہیں ٹھنڈا کر دیتا تو
 ان کی نعش گیدڑوں نے پھاڑنی تھی۔ اس وقت انہیں پتہ چلا کہ حضور رخصت کرتے
 ہوئے کیوں اس قدر تردد تھے۔ مولوی صاحب بار بار سوچتے تھے۔ میرے گھر پہنچنے
 تک حضور کو باطنی طور پر کس قدر متوجہ رہنا پڑا ہوگا۔

گئے اور صبح کا کھانا کھانے کے لئے موضع و بگوار تڑواں میں حضور کا قیام ہوا تو ہر
حضرات نے حضور کا دیدار پاتے ہی محمد افضل صاحب کے والد مرحوم کی خدمت میں
اصرار شروع کر دیا کہ ہمیں فوراً حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرایا جائے۔ انہوں
نے مشکل انہیں روکے رکھا۔ تا آنکہ حضور کھانا تناول فرما کر خیمہ سے باہر تشریف
لے آئے۔ اور ان تینوں کو بیعت کی سعادت نصیب ہوئی حضور کے نورانی جلوہ
نے انہیں اتنا مسحور کیا کہ ایک بیخودی کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ اور بیعت
کے بعد حضور کے بڑے تخلص عقیدتمند بنے۔ حضور کے نورانی جلوہ سے عوام اور
خواص تمام بہت متاثر ہوئے۔ تمام دیکھنے والوں کی زبان سے واہ واہ سبحان اللہ
کی آوازیں شروع ہو گئیں اور پھر جب پونچھ کے مقام پر لوگ حضور کی زیارت اور
مواعظ سے مستفیض ہوئے تو تمام بدنظمی ہمیشہ کے لئے کافور ہو گئی۔

ایک کی وجہ سے مسافر بچے | راجہ محمد اکبر سکند گڑھا منگوٹ تحصیل
گوجر خان حضور کی خدمت میں حاضر

تھے۔ حضور کالال کڑتی واقع راولپنڈی قیام تھا۔ راجہ صاحب نے حضور سے
گھر جانے کے لئے اجازت چاہی۔ حضور آمادہ نہ ہوئے۔ کئی بار عرض کی آپ
انکار نہ مانتے رہے۔ راجہ صاحب نے آخر رویش صاحبان سے سفارش کرائی
اور رخصت مل گئی۔ چنانچہ گھر جانے کے لئے لاری پر سوار ہو گئے۔ لاری جب ایوب
پارک سے گذر کر پہاڑی سے اترنے لگی تو بے قابو ہو گئی۔ ڈرائیور نے ہزار کوشش
کی مگر ناکام رہا۔ لاری کا ایک ایک نختہ جدا ہو گیا اور انجام کار انجن بھی پڑے
پڑے ہو گیا۔ مگر خدا کی قدرت کسی مسافر کو کوئی نقصان نہ پہنچا صرف معمولی
خراشیں آئیں۔ کچھ دیر بعد راولپنڈی سے پولیس اور سول کے کئی افسران آگئے
اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ تمام حیران تھے کہ اتنا شدید حادثہ ہوا ہے اور

میٹرک تک تعلیم پانے کے بعد کچھ عرصہ فوج میں رہے۔ مگر تاثیر بیعت کا غلبہ تھا
 ذکر جہر دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا۔ اسی حالت میں جلالپور شریف حاضر ہوئے حضرت
 نے فرمایا۔ تمہارا غلام اور کسی کا غلام نہیں ہو سکتا۔ نوکری چھوڑ دو۔ چنانچہ مستعفی
 ہو گئے۔ دینی تعلیم حاصل کی اور بہت سی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ دینی اور دنیاوی
 کامیابی حاصل ہوئی۔ کاروبار پھلا پھولا۔ بھائیوں کا اتفاق دوسروں کے لئے باعث
 رشک بنا۔ اور عجیب سرور و کیف سے زندگی بسر ہونے لگی۔ یہ سب کچھ حضور کی
 نگاہ کرم کا نتیجہ تھا۔

ہمارے محمد اکرم کو کوئی خطرہ نہیں | صوفی محمد عباس صاحب مذکور نے

بتایا کہ ان کا بھائی محمد اکرم پہلے زبردست جھگڑالو قسم کا انسان تھا۔ آٹے دن
 کسی نہ کسی ہنگامے یا جھگڑے میں پھنس جاتا۔ شکایات عام ہو گئیں حضور کی خدمت
 میں عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے محمد اکرم کو کوئی خطرہ نہیں۔ اب ایک
 موقع پر عجیب اتفاق ہوا۔ دورو کے سلسلہ میں حضور کا تختی راجگان میں مقام تھا
 اور محمد اکرم کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں بحیثیت ملزم مجسٹریٹ کی عدالت میں حاضر
 ہونا پڑا۔ جب عدالت ختم ہونے لگی تو مجسٹریٹ نے کہا۔ محمد اکرم ضمانتی لاؤ یا اندر جاؤ
 ضمانتی کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ ہتھکڑی لگا دی گئی۔ اور سپاہی لے کر روانہ ہو پڑا۔
 محمد اکرم کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی تھا وہ گھبرا کر سٹیشن پہنچا گیا تاکہ گاڑی پر سوار ہو
 کر گھر جائے۔ تھوڑی دیر بعد مجسٹریٹ عدالت ختم کر کے چلا گیا۔ اب ریڈر خود بخود
 کہنے لگا۔ دیکھو مجسٹریٹ نے غلطی کی ہے۔ مفت میں بے چارے کو حوالات بھیج دیا،
 جہاں اسے ایک ہفتہ رہنا پڑے گا۔ پھر چپڑاسی کو کہا جاؤ ابھی سپاہی رستہ میں
 ہوگا۔ اسے واپس بلا لاؤ۔ سپاہی محمد اکرم سمیت لوٹ آیا۔ ریڈر نے کہا۔ غلطی ہوئی
 ہے اسے ہتھکڑی نہیں لگانی چاہئے تھی۔ کھول دو۔ سپاہی نے کھول دی۔ پھر ریڈر

نگاہ کرم نے کایا پلٹ دی | راجہ محمد عباس خان ولد لقیظت شہا مدظا

وکتوریہ کر اس ہولڈر سکندہ تختی راجگان چھوٹی عمر میں ہی نماز، روزہ اور نیک کاموں کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ عموماً ہم عمر بچوں کے ساتھ ایک جھنڈا اٹھا کر کلمہ شریف کا ذکر بلند آواز میں کیا کرتے تھے۔ غالباً ۱۹۳۹ء میں حضور ان کے گاؤں تختی راجگان کے قریب جھٹہ ہتھیال بسلسلہ دورہ تشریف لے گئے۔ ان کے گاؤں کے بہت سے نیاز مند شریک جلسہ ہوئے۔ یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ کلمہ شریف کا ذکر جہر کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو کہا تھا وہاں جا کر چاول کھائیں گے۔ بچے خوش تھے۔ جونہی ان کی جماعت جلسہ گاہ کے پاس پہنچی ذکر جہر سن کر حضور نے پوچھا یہ کون ہیں۔ راجہ سمندر خان سکندہ جھٹہ ہتھیال نے عرض کی۔ قبلہ جس لڑکے نے جھنڈا اٹھایا ہوا ہے وہ ایک فوجی افسر کا بیٹا ہے۔ جسے وکتوریہ کر اس ملا ہوا ہے۔ اس لڑکے کو کلمہ شریف پڑھنے کا بڑا شوق ہے جھنڈا اٹھائے دوسرے لڑکوں کو ساتھ لے کر جہر کرتا رہتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ اس لڑکے کو پیش کر دینا پھر راجہ سمندر خان نے راجہ محمد عباس اور ان کی پارٹی کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کوئی تین چار ہزار حاضرین شریک جلسہ تھے۔ وعظ ہو رہا تھا۔ پارٹی کے حاضر ہونے پر حضور نے نفس نفس کر سی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ راجہ عباس خان کو اپنے قریب بلایا پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا لوگو دعا کرو۔ ہم نے آج اس بچے کو دین کا وکتوریہ کر اس عطا کر دیا ہے۔ حکومت نے اس کے والد کو دنیا کا وکتوریہ کر اس دیا تھا۔ ہم اسے دین کا وکتوریہ کر اس عطا کرتے ہیں۔ یہ بچہ بہت اچھا ہے پھر فرمایا یہ ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ اس کی پارٹی کو چاول کھلانے جائیں۔ حضور کے فرمان کی تعمیل ہوئی اور راجہ صاحب اپنی پارٹی کو چاول کھلا کر گھر واپس لے گئے۔ اس کے بعد راجہ صاحب کی باطنی حالت تبدیل ہونے لگی

سننے ہیں تو پھر بڑا محتاط رہنا چاہئے۔

گاڑی رُکی رہی، میاں حبیب باورچی لنگر شریف نے بتایا کہ ان کی ابتدائی عمر تھی۔ ماہ رمضان شروع ہونے والا تھا۔ حسب سابق حافظ صلابت مرحوم نماز تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے آچکے تھے۔ مگر کوئی سامع نہیں تھا۔ جس روز ماہ رمضان کا چاند ہونے کی توقع تھی۔ حضور نے صبح ساڑھے آٹھ بجے فرمایا کہ حبیب جاؤ منڈی بہاوالدین سے گاڑی پر سوار ہو کر چیلیاں والی اترو قریب کوٹہ اسلام ہے۔ وہاں سے آج ہی حافظ لے آؤ۔ گاڑی منڈی بہاوالدین دس بجے پہنچتی تھی۔ میاں حبیب روانہ ہو پڑے وریا پہنچے تو لنگر شریف کے ڈکوریٹ میاں احمد اور میاں غلام رسول بھی موجود تھے وہ لنگر شریف کا کچھ مال گدھے پر لاد کر منڈی بہاوالدین جا رہے تھے۔ کشتی پر کوئی ملاح نہیں تھا۔ دیر کے بعد آیا۔ وریا کو عبور کر کے کھیوہ کے پاس بڑی نہر پہنچے تو میاں احمد اور میاں غلام رسول نے کہا۔ اب گاڑی نہیں مل سکتی۔ یہاں سے پیدل چیلیاں والی چلے جاؤ۔ میاں حبیب نے کہا۔ میں تو گاڑی پر جاؤں گا۔ حضور کا فرمان ہے۔ نہر سے آگے بڑھے تو گاڑی ملکوال کی طرف سے منڈی بہاوالدین پہنچتی نظر آئی۔ ابھی دو میل سفر باقی تھا۔ میاں احمد مزاح کرتے تھے۔ اب کیسے پہنچو گے؟ میاں حبیب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ تھک جاتے تو چلنے لگ جاتے۔ سٹیشن پر پہنچے تو گاڑی موجود تھی۔ ٹکٹ خریدا۔ پلیٹ فارم پر گئے۔ لوگوں نے بتایا ایک انجن لالہ موسیٰ جا رہا تھا جو چیلیاں والی کے قریب خراب ہو گیا ہے۔ اس لئے گاڑی رُکی ہوئی ہے۔ میاں صاحب نے پنج پر بیٹھ کر سستانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد میاں احمد اور میاں غلام رسول بھی اپنے گدھے کے ساتھ آ پہنچے۔ میاں حبیب نے کہا آؤ۔ اب تم بھی گدھے سمیت سوار ہو جاؤ۔ جب دونوں وریاں نے سوار

نے محمد اکرم کو کہا۔ جاؤ اگلی تاریخ پر کوئی ضمانتی بھیج دینا۔ خود نہ آنا۔ اب محمد اکرم سٹیشن پر پہنچا تو بوڑھا سا تھی موجود تھا۔ وہ سخت گھبرایا۔ اور کہنے لگا تم بھاگ آئے ہو۔ تم اپنی عادتوں سے باز نہیں آتے۔ مجھے بھی مصیبت میں ڈالو گے۔ اسے اصل واقعہ کا پتہ چلا تو پھر خاموش ہوا۔ صوفی محمد عباس علیحدہ گھر میں گھبرائے ہوئے تھے حضور کے مقام کا انتظام کرنا تھا۔ جب محمد اکرم گھر پہنچا تو اسے سخت تنبیہ کی۔ جب سارا ماجرا سنا تو کہا۔ واقعی جس کا مرشد کامل ہو اسے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگلے روز حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی نے تشریف فرما ہونا چاہا لگی لانے کے لئے اور بھائیوں کے ساتھ صوفی محمد عباس ماڈرن سٹند ان پہنچے حضور نے دیکھتے ہی از خود مسکرا کر فرمایا محمد اکرم آگیا ہے۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے حضور کی توجہات سے اب محمد اکرم بڑا صالح اور سعادتمند نوجوان بن چکا ہے۔

۱۹۵۶ء میں حضور
بلسلہ تعینات

حضور اس طرح سنتے ہیں تو پھر گفتگو میں بڑا محتاط ہونا چاہئے

حسب دستور جلاپور شریف پہنچے۔ سید فضل الحق شاہ صاحب اور راقم آثم بھی حاضر خدمت ہوئے۔ اس موقع پر دوپہر کو ہم نے مسجد لنگر شریف کے جنوبی کمرہ میں کھانا کھایا۔ اس میں فقر و تصوف کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ بندہ نے عرض کیا کہ حقیقت تصوف کے متعلق ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد ہم روضہ شریف کے نیچے مسقف رستہ کے شمال والے حجرہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جو وہی ہم بیٹھے حضور نے فرمایا۔ حقیقت تصوف کے متعلق کتاب لکھنے کا ارادہ مبارک ہے۔ اہل زمانہ کو حقیقت نفس سے آگاہ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ جب شاہ صاحب موصوف اور بندہ کو علیحدگی میں گفتگو کا موقع ملا تو شاہ صاحب نے فرمایا۔ بھئی اگر حضور اس طرح دور کی باتیں

گڑ کھد چکا تو پانی کے آثار نمایاں ہوئے اور اندازہ ہو گیا کہ پانی بہت جلد نکل آئے گا۔ اس پر کچھ شمیر بینی لے کر اس پر درود شریف پڑھا۔ اور تقسیم کر دی۔ لوگوں کو بلایا۔ ان کی حنیافت کی۔ کنواں کھدوا کر صاف کر آیا۔ میاں گل حسن رقم طراز ہیں کہ انہوں نے نیچے اتر کر دیکھا معلوم ہوا کہ پانی نکلنے کے پانچ چستے ہیں۔ گل کنواں آٹھ گز ہے۔ پانچ گز تعمیر شدہ اور تین گز پتھر کھود کر بنایا گیا ہے۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ ایک زندہ کرامت ہے جو کہیں دور نہیں جس شخص کے دل میں تنگہ استیاء پایا جاتا ہو آکر دیکھ لے۔ سٹیشن مندرہ سے بسا لی گاؤں میں پہنچنا قطعاً مشکل نہیں۔

استغنائے طبیعت | سید ملک شاہ صاحب سکند منارہ نزد

دینہ ضلع جہلم کو حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ فوت ہونے لگے تو انہوں نے چند آدمیوں کو بلا کر وصیت کی کہ میرے پاس اس وقت تین ہزار روپے ہیں جو بطور امانت رکھے ہوئے ہیں۔ وہ وصول کر کے حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی کی خدمت میں پہنچانے ہیں۔ حضور صبری میرے وارث ہیں۔ ان کی وفات کے بعد یہ اطلاع نگر شریف میں بھیجی گئی۔ منشی محمد عالم حجر خصوصی رقم لے گئے اور حضور کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ یہ رقم جامع مسجد حیدری کی تعمیر پر خرچ کی جائے۔ شاہ صاحب مرحوم کو نامہ پہنچے گا۔ چنانچہ اسی مد میں تمام رقم خرچ کر دی گئی۔

۲۰ مئی ۱۹۵۶ء بروز اتوار ہمارے برادر
باوقار اور باعزت سمجھوتا ہوا۔ | طریقت منشی فیض رسول پٹواری ضلع
 گجرات اپنے پٹوار خانے میں بیٹھے تھے اور سرکاری کام کر رہے تھے۔ کپتان محمد خان
 قوم گوجر سکند نندروال آیا۔ اس نے قوم گوجر چوہان اور کٹھانہ کا شجرہ نسب لینا تھا

ہوتے دیکھ لیا تو گاڑی روانہ ہو پڑی۔ اس طرح چیلینا نوالی ہو کر کوٹ اسلام گئے اور حافظ کوٹے کر شام سے پہلے جلالپور شریف پہنچ گئے۔

زندہ پیر کی زندہ جاوید کرامت | میاں گل حسن سکندہ ٹھوک میاں غلام
داغی بساوی ضلع راولپنڈی اپنے

ایک خط مطبوعہ رسالہ صوفی بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں کہ ان کے پانی کی سخت قلت ہے۔ کنواں نہیں۔ ایک رات خواب میں حضور کو دیکھا کہ ایک جنگل میں گنگشت فرما رہے ہیں اور میں حضور کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ آپ نے ایک جگہ ٹھہر کر پانی طلب فرمایا۔ میں نے گزارش کی۔ یہاں پانی کہاں اس پر آپ نے اپنا پانچ شاخ والا عصا فرما کر حکم دیا کہ اپنے پاؤں کی جگہ گاڑ دو۔ میں نے امتثال امر کیا۔ پھر ارشاد ہوا۔ اسے نکالو۔ میں نے باہر کھینچا۔ لیکن عصا اپنی جگہ سے نہ ہلا دوبارہ حکم ملنے پر دوبارہ ہمت صرف کی۔ لیکن بے سود۔ آخر حکم ہوا کہ یہ عصا ہمت ہی سے نکالو گے۔ میں نے تیسری مرتبہ خوب زور لگایا۔ عصا زمین سے باہر نکل آیا۔ اور اس کے ساتھ ہی پانی کے پانچ چشمے جاری ہو گئے۔ میں ہاتھ دھو کر آپ کو پانی پلایا اور خود بھی پیا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔ اب تمام دنیا کے پینے کیلئے یہ کنواں کافی ہے اس پر میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں اپنی بیداری پر حسرت و افسوس کے ہاتھ مل کر رہ گیا۔ کاش یہ خواب قیامت تک جاری رہتا تو حضور کے دیدار سے محروم نہ رہتا۔ یہ تہجد کا وقت تھا۔ اٹھ کر نماز ادا کی۔ صبح ہونے پر اس مقام کی تلاش کر کے جہاں میں نے حضور کے ارشاد سے خواب میں عصا گاڑا تھا نشان لگا دیا۔ اور چند آدمی ساتھ لے کر زمین کھودنا شروع کی۔ ایک گز کی کھدائی کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں ایک پرانا کنواں ہے۔ جو پُر ہو چکا ہے اور لوگوں کے علم سے باہر ہے۔ تین روز کھودنے کا کام جاری رہا۔ جب سارے زمین

پھر دعائے خیر کہلا کر جانا۔ چنانچہ شیخ صاحب اپنے چچا شیخ محمد مقبول اور خان فیض محمد خان برادر اخیانی نمبر دار سلطان پور ضلع رحیم یار خان کے ساتھ اگلی صبح حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دونوں صاحبان بھی بغرض زیارت راولپنڈی آئے تھے۔ حضور نے دعا خیر فرمائی۔ منصحت عنایت کی اور ارشاد فرمایا خدا حافظ۔ شیخ صاحب اور ان کے ہمراہی واپس ہوئے تو اسٹیشن سے ٹرین نکل چکی تھی۔ اس لئے آپ لارہی پر سوار ہو گئے۔ اور لاہور سے ۸ بجے شام کے بعد کراچی ایکسپریس پر سوار ہو گئے۔ شیخ صاحب انجن کے ساتھ والے ڈبے میں تھے۔ گاڑی تیزی سے جا رہی تھی۔ رات کے گیارہ کا وقت ہو گیا۔ اوکاڑہ سے گاڑی آگے نکل گئی۔ بعض مسافر سو رہے تھے بعض آپس میں محو گفتگو تھے۔ گیمبر سٹیشن کے بیرونی سکنل کے قریب پہنچی تو تیل بردار گاڑی سے اچانک ٹکر ہوئی۔ دونوں انجن ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ تیل والی گاڑی کے پانچ چھ اور مسافر گاڑی کے دو ڈبے پٹری سے گر گئے۔ شیخ صاحب انجن کے ساتھ والے ڈبے میں تھے۔ یہ گر کر اٹھا اور پہلو کے دو پہیوں پر کھڑا ہو گیا۔ چھت اور نشستیں چور چور ہو گئیں۔ صرف وہ نشست بچی جس پر شیخ صاحب اور ان کے دونوں ساتھی تھے۔ باہر نکلنے لگے تو ایک پاؤں ٹوٹے ہوئے پھٹوں سے نیچے چلا گیا۔ اور اس لئے کچھ خراشیں آگئیں۔ پاؤں باہر کھینچا۔ کھڑکیوں کے رستے پیچھے سے نکلے۔ اور تیسرے ڈبے میں سے نیچے اترے۔ اس دوران میں تیل کے ڈبوں کو آگ لگ چکی تھی۔ برہمتے ہوئے شعلوں نے شیخ صاحب کے بالوں مجلس ڈالا۔ بھاگ کر دوڑ جا بیٹھے۔ آگ اٹا فانا پھیل گئی۔ تیل کی ٹینکیوں کے پھٹنے سے ایٹم بم کی طرح دھماکا ہوتا تھا۔ دُور دُور تک ٹینکیوں کے ٹکڑے اس طرح اڑتے تھے۔ جیسے گولیاں برس رہی ہیں۔ ہزاروں مسافر بڑی طرح زخمی ہوئے۔ بیسیوں زندہ جل گئے۔ ایک برات

منشی صاحب نے مرتب کیا۔ مگر اس دوران میں کپتان مذکور غرور اور تکبر کی بنا پر تیزکلامی پر اتر آیا۔ دشنام طرازی سے کام لیا اور اجرت دیئے بغیر شجرہ نسب اٹھا کر چلتا بنا۔ منشی صاحب موصوف نے اسی وقت تحصیلدار صاحب سے اجازت لی کہ سارا ماجرا جناب ڈپٹی کمشنر صاحب گجرات کی خدمت میں بیان کریں کپتان مذکور نے بھی اپنے ساتھ بہت سے آدمیوں کو شامل کر لیا اور غلط سلط شکایات کا طومار لگا دیا۔ حالات زیادہ بگڑتے نظر آئے تو منشی صاحب نے حضور کی خدمت میں عرضہ ارسال کیا۔ آپ نے ازراہ نوازش ۸ رجون کو مکھڑ کا ٹچ پٹی پوائنٹ کوہ مری سے نواز شمارہ میں لکھا:

لوگوں کے دلوں میں آپ کے عزت و احترام قائم ہونے کے لئے بارگاہِ مجیب الدعوات سے بتوسل حضرت غریب نواز رحمت اللہ علیہ استدعا کی گئی ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ انشاء اللہ بہتری ہوگی۔ اور آپ کو لاحق تکالیف سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

حضور کی دعا بابرکت تھی۔ تمام شکایات غلط ثابت ہوئیں۔ ہنگامہ فرو ہو گیا۔ حضور کی مبارک پیشگوئی کے مطابق لوگوں کے دلوں میں منشی صاحب کا احترام قائم ہو گیا۔ اور کپتان محمد خان نے سر مجلس منشی صاحب اور ان کے ساتھیوں سے معافی مانگی۔ بڑا باعزت اور باوقار سمجھوتا ہوا۔

شیخ محمد حسن ساکن رحیم
گیمبر کے تباہی خیر حادثہ ریل سے بچے ایار خان حضور کی خدمت

میں راولپنڈی حاضر ہوئے۔ قیام مغلسرائے ہوٹل میں کیا۔ واپس ہونے کا وقت آیا تو ۳ اکتوبر ۱۹۵۷ء کی شام کو حضور کی کوٹھی پر حاضر ہوئے اور دعا خیر کے لئے عرض کی۔ صبح کرچی ایکسپریس پر جانے کا ارادہ تھا۔ حضور نے فرمایا۔ صبح جاتے ہوئے

ماحول کے زیرِ نظر آپ نے روحانیت پر تقریر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس لئے صوفی
 علی اصغر صاحب نے "ماویت کے زمانہ میں روحانیت کا پیغام" عنوان قائم
 کر کے اشتہارات طبع کرائے۔ جلی الفاظ میں حضور کی تشریفِ آوری کا ذکر کیا۔ اور
 اشتہارات تمام شہر میں تقسیم کئے۔ قبلہ حضرت امیر حزب اللہ کی روحانی
 کشش تھی اس لئے روزِ مقررہ کو لوگ انبوه دو انبوه آنے لگ گئے۔ ہزار ہا
 متلاشیانِ حق جمع ہو گئے۔ حضور کی تقریر بڑی اثر انگیز، بصیرت افروز اور عالی
 تھی۔ لنگر تقسیم کرنے کا وقت آیا تو صوفی صاحب نے اندازہ لگایا خوراک کا انتظام
 مہمانوں کی تعداد کے مقابلہ میں تھوڑا ہے۔ مگر انہوں نے حضور سے دعائے خیر
 کہلا کر کھلے دل تقسیم شروع کر دی۔ مہمان گروہ در گروہ آکر کھاتے رہے۔ لوگوں کو
 بلا بلا کر بٹھاتے تھے۔ جب ہر ایک کھا چکا اور صحت کام کرنے والے رہ گئے تو
 صوفی صاحب کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس اجتماعِ عظیم کے باوجود ہر چیز بڑی
 مقدار میں بچ گئی تھی۔ جو انہوں نے مجتہد والوں اور دیگر واقف کاروں میں
 بطور تبرک تقسیم کر دی۔ یہ برکت حضور کی توجہ کا نتیجہ تھی۔

چودھری غلام حیدر صاحب سکند سوہا وہ
 بٹ کے رہیگا ہندوستان | ضلع گجرات نے پاکستان بننے سے پہلے
 ایک بار خلوت میں حضور کی خدمت میں عرض کی۔ قبلہ منڈی بہاؤ الدین کے
 ہندوؤں سے جب کبھی گفتگو ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ہندوستان نہیں
 بننے دیں گے۔ انہوں نے بڑا شور مچا رکھا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر بتائیں کیا بٹ کے
 رہیگا ہندوستان حضور نے فرمایا ہاں بٹ کے رہیگا ہندوستان۔ چودھری صاحب کہتے ہیں اس کے بعد جب کبھی منڈی
 کے ہندو واویلا مچاتے تھے تو میں انہیں کہتا تھا۔ مجھے ایک مرد کامل نے بتایا
 ہے کہ۔ بٹ کے رہے گا ہندوستان۔ اس لئے اب تمام واویلا بیکار ہے۔

سالم کی سالم ختم ہو گئی۔ صرف دوپہے کی ماں رات کی تاریکیوں میں جگر سوز
 بین کرنے کے لئے زندہ رہ گئی۔ لوگ چیخ رہے تھے۔ آہ و زاری کر رہے تھے
 گراہ رہے تھے۔ شور قیامت مچا تھا۔ بلا مبالغہ دو ہزار مسافر جاں بحق ہوئے
 شیخ صاحب نے جب جسم یا رخاں پہنچ کر ذکر کیا کہ انجن کے ساتھ والے ڈبے
 میں ہونے کے باوجود بچ گئے ہیں تو تمام لوگ حضور کی مسیحائی کے معترف ہو گئے۔

زمین اپنے نام رکھو۔ اللہ تعالیٰ اولاد زینہ دینگے | چودھری غلام حسین
 سکندرنگاہ تحصیل حاکم

کی اولاد زینہ فوت ہو چکی تھی۔ صرف لڑکیاں تھیں۔ رشتہ دار خوش تھے۔ کہتے تھے
 ان کی جائداد ہمیں ملے گی۔ بعض لوگوں نے چودھری صاحب کو مشورہ دیا کہ تمام
 زمین لڑکیوں کے نام انتقال کرادو۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر حضور سے
 اجازت لینے کے لئے جلاپور شریف حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کی بیوی کی طرف
 ذرا دیکھا اور پھر فرمایا۔ غلام حسین۔ زمین انتقال نہ کرادو۔ اپنے نام رکھو۔ اللہ تعالیٰ
 اپنے فضل و کرم سے اولاد زینہ دیں گے۔ حضور کی دعا سے ایک سال کے اندر
 اندر بہ یک وقت دو لڑکے پیدا ہوئے۔ حضور نے خود نام تجویز فرمائے۔ احمد خاں
 اور محمد خان۔ لنگر شریف سے ان کے لئے کپڑے بھیجے اور فرمایا تبرک کے طور
 پر انہیں رکھنا لینا بلکہ بچوں کو پہننا دینا۔ حضور کی دعا سے دونوں لڑکے بڑے
 خوبصورت ہیں اور ہائی سکول کی بالائی جماعت میں تعلیم پا رہے ہیں۔

خوراک کا نسبتاً کم انتظام مگر ہزار ماہانوں کیلئے کافی ہوتی | صوفی علی اصغر
 چشتی حیدری

سکند لال کڑتی راولپنڈی نے ۱۹۵۶ء میں حضور کی آمد کے متعلق ہر طرف تشہیر کی
 حضور نے شروع ہی میں اپنی تقریر کا موضوع متعین فرمایا۔ راولپنڈی کے

گی۔ صوفی صاحب خاموش رہے۔ جب مانکیا لہ آیا تو گاڑی ٹھہر گئی۔ اور صوفی صاحب جھٹ اتر گئے۔ سامنے عبدالرزاق اسٹیشن ماسٹر بھاگے بھاگے آ رہے تھے کہ ٹرین خلاف معمول کیوں ٹھہر گئی ہے۔ وہ صوفی صاحب کو جلتے تھے اور حضرت امیر حزب اللہ کی کرامات کے قابل تھے۔ فوراً کہنے لگے اب سمجھ آگئی گاڑی آپ کے لئے رُکی ہے۔

صوفی محمد اسماعیل صاحب نے بتایا کہ ایک رات حضور نے خواب میں فرمایا۔ چار نفل

نفل تسکین قلب پڑھو

تسکین قلب پڑھا کرو۔ بعد میں حضور راولپنڈی تشریف فرما ہوئے تو صوفی صاحب نے عرض کی۔ جناب کا خواب میں یہ فرمان ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا شیطان کبھی پیر کامل کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ خواب بالکل صحیح ہے۔ یہ نفل ضرور پڑھنے چاہئیں۔

صوفی محمد اسماعیل نے ۱۹۲۷ء کا ایک واقعہ سنایا۔ حضرت امیر حزب اللہ

لے جانے کیلئے موٹر لوٹ آئی

مدظلہ العالی نے انہیں اور راجہ سمندر خاں صاحب سکھتے جھٹہ ہتھیال کو پیر صاحب مانکی شریف کی خدمت میں ایک کار خاص کے لئے روانہ فرمایا۔ پیر صاحب کے وطن جا کر معلوم ہوا کہ وہ تو پشاور گئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خان عبدالقیوم خان اور دیگر ذمہ دار اشخاص نے مل کر ایک اہم قومی مسئلہ کے متعلق ایک سر سے مشورہ کرنا تھا۔ چنانچہ صوفی صاحب اور راجہ صاحب مانکی شریف سے پشاور جانے کے لئے نوشہرہ چلے۔ اب سڑک پر کوئی لاری نہیں ملتی تھی۔ ٹریلوں کی آمدورفت بھی بند و مسلم شہید کی کے باعث ہفتے میں صرف دو بار ہوا کرتی تھی۔ کافی دیر کے بعد ایک موٹر والا آیا۔ راجہ صاحب نے ٹھہرانے کیلئے

ٹبرین ٹھہر گئی | صوفی محمد اسماعیل صاحب سفیر حزب اللہ ساکن اہرن چک
 تحصیل راولپنڈی کو ایک بار حضرت امیر حزب اللہ نے سالانہ دورہ کی ترتیب
 کے بعد جلالپور شریف طلب فرمایا۔ صوفی صاحب کو حضور نے تحصیل راولپنڈی
 تحصیل کہوٹہ نصف اور تحصیل فتح جنگ ضلع کیمپور کا سفیر مقرر فرمایا ہوا تھا
 ان کی سفارشات پر حضور نے مقام کھدر پیر تحصیل راولپنڈی دورہ کے پروگرام میں
 شامل فرمایا تھا۔ پیر احمد شاہ صاحب سجادہ نشین میرا شریف پروگرام مرتب
 ہونے کے بعد جلالپور شریف حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کھدر پیر کی بجائے
 میرا شریف مقام منظور فرمایا جائے۔ حضور نے فرمایا صوفی محمد اسماعیل سے
 مشورہ کر کے فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہی ان علاقوں کے سفیر ہیں۔ صوفی صاحب
 حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کی قبلہ۔ کھدر پیر کے غریب پیر بھائیوں نے
 بڑے شوق سے مقام منظور کرایا ہے۔ ان کی بڑی دل شکنی ہوگی۔ شاہ صاحب
 امیر کبیر ہیں۔ دورہ کے بعد بھی مقام رکھا سکتے ہیں۔ حضور نے فرمایا درست ہے
 ہم غریبوں کی دل شکنی نہیں کرتے۔ صوفی صاحب واپس ہوئے تو لالہ موسیٰ سے
 ڈاک گاڑی پر بیٹھ گئے۔ مندرجہ جنکشن پر گاڑی تبدیل کرنے کا ارادہ تھا۔ کیونکہ
 ان کے سٹیشن مانکیالہ پر ڈاک گاڑی نہیں ٹھہرتی تھی۔ مگر وہ سوئے رہے اور سوار
 بھی درمیانہ درجہ میں تھے۔ آنکھ کھلی تو باہر جھانکا۔ پتہ چلا۔ گاڑی مانکیالہ پہنچنے
 والی ہے۔ سخت گھبرائے۔ جلالپور شریف کی طرف رخ کر کے حضور سے استمداد کی
 درخواست کی۔ عرض گزار سی قبلہ گاڑی یہاں نہ ٹھہری تو پھر چک لالہ جاڑے گی۔
 اور پکڑا گیا تو ذلیل ہونا پڑے گا۔ جیب میں پیسہ ایک بھی نہیں۔ یہ عرض کر کے
 صوفی صاحب نے اپنا سامان اٹھا لیا اور اترنے کے لئے تیار ہو گئے، ہم سفر
 سکھ لوگ تھے۔ انہوں نے کہا عقل تو ٹھکانے ہے، گاڑی اب چک لالہ جاڑے

نے خواب بیان کیا۔ اور اجازت چاہی۔ حضور نے فرمایا۔ ایک لاکھ مکمل کرو۔
چنانچہ مکمل کیا گیا۔ اور جنوں رفع ہو گیا۔ حضور نے اپنے تصرفِ روحانی سے کسی
اور بزرگ کے پاس نہ جانے دیا۔ حالانکہ ایک دفعہ پہلے تذکرہ فرمایا تھا کہ لال شاہ
محبوب فقیر ہے۔

اللہ اپنے ساتھ ظہر کی نماز باجماعت میں شامل فرمائیں، ملک سلطان احمد
نمبر دار موضع پڑھ

تحصیل پنڈ وادخان بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۲۷ء کے ساون بھادوں کے مہینہ
میں وہ اپنے ماموں ملک محمد بخش کے ساتھ راستہ کھیڑہ ملک وال بندریجیل
آئے۔ اور آلہ اسٹیشن پر اترے۔ اور پیر مھالی بھی تھے۔ گیارہ بجے دریا کے کنارے
پہنچے۔ کشتی ان کے جانے سے پہلے روانہ ہو گئی۔ اب اس نے تین بجے شام آنا
تھا۔ باقی پیر بھائی تو تو چوڑھ چلے گئے۔ لیکن اپنے ماموں کے ساتھ ملک صاحب
دریا کے کنارے بیٹھ گئے۔ بارہ برس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ ان کے ماموں صاحب
نے چھ سات دفعہ حضور کو لپکار کر عرض کی کہ قبلہ ابھی ابھی پارے جا میں اور خدرا
نماز ظہر اپنے ساتھ پڑھائیں۔ وہاں سے فاصلہ کوئی تین کوس ہو گا۔ اس کے بعد
اپنی اپنی چھتری کا سایہ کر کے سو رہے۔ کوئی بارہ بجے کا وقت تھا کہ آواز آئی تم
کون ہو۔ اور کہاں جانا ہے۔ دیکھا تو محکمہ جنگلات کا ایک سپاہی تھا۔ اور ایک
ملاح۔ ناؤ لئے نزدیک کھڑے تھے۔ ملک صاحب نے کہا ہم جلاپور شریف
جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تمہیں دریا پار چھوڑ آئیں گے اور پھر لوٹ آئیں
گے۔ یہ دونوں سوار ہو گئے۔ انہوں نے کہا لڑکے کو بھی لے جائیں۔ ہم کراہیں گے
مگر وہ نہ مانیں۔ ناؤ کو کھیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ ہم پنڈی الہانی میں بیٹھے
تاش کھیل رہے تھے۔ . . . کہ یک لخت دل میں خیال آیا چلو چکر لگا آئیں

اشارہ کیا۔ مگر ڈرائیور اپنے خیال میں مگن آگے نکل گیا۔ صوفی صاحب نے اس کی بے رخی کا مظاہرہ دیکھا تو سخت مشغوش ہوئے۔ اور گھبرا کر کہنے لگے جنور کام پر بھیج دیا کرتے ہیں مگر روحانی امداد نہیں فرماتے۔ اب پشاور کیسے جائیں اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہی موٹر واپس آ رہی ہے۔ قریب پہنچ کر ڈرائیور نے موٹر روک لی۔ انہیں سوار کیا اور روانہ ہو پڑا۔ اس نے کہا کہ پورا ایک میل آگے جا کر صرف آپ کے لئے لوٹ آیا ہوں۔ وہ انہیں پشاور صدر لے گیا۔ جہاں انہوں نے جانا تھا۔ اور کرائے کا ایک پیسہ بھی نہ لیا۔

رفع جنوں کے لئے آیہ کریمہ پڑھو صوفی محمد اسماعیل نے یہ بھی ذکر کیا کہ ان کا بیٹا محمد اعظم چار سال تک مرض

جنوں میں مبتلا رہا۔ اس سلسلہ میں اسے لاہور پاگل خانہ میں بھی داخل کرایا گیا مگر ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ مری کے قریب ٹوپہ کے مقام پر لال شاہ مجذوب کے پاس جاؤ۔ یہ ارادہ لے کر رات کو سوئے خواب میں دیکھا بری شاہ لطیف میں موجود ہیں۔ قبر کھلی۔ شاہ لطیف رحمۃ اللہ علیہ باہر نکل کر ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور صوفی صاحب کو کہا کہ لڑکے کی صحت کے لئے آیہ کریمہ پڑھو۔ صوفی صاحب نے سوچا۔ جب تک حضرت امیر حزب اللہ کا فرمان نہ ہو کیسے پڑھوں۔ آنکھ کھل چکی تھی اور ابھی رات تھی پھر نیند آگئی۔ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز اور جناب امیر حزب اللہ دونوں کی زیارت ہوئی۔ حضور نے فرمایا۔ آیہ کریمہ خود بھی پڑھو اور دوسروں کو بھی پڑھاؤ۔ صبح آپ بذریعہ ریل راولپنڈی سے تشریف لارہے تھے۔ اور جلالپور تشریف جانے کا ارادہ تھا۔ ایک روز قبل صوفی صاحب راولپنڈی پہل قدمی ہوئے۔ صبح سیشن پر حاضر ہو کر صوفی صاحب

کریں۔ جب دریا کو عبور کر چکیں تو دس بیس کرم تک سوار نظر آیا اور پھر
یکدم نظروں سے غائب ہو گیا۔ حالانکہ سامنے کم از کم ایک میل تک چٹیل
میدان تھا۔

سب سے بڑا جھنڈا پیر حیدر شاہ کا ہوگا۔ انہی ملک سلطان احمد صاحب

کا بیان ہے کہ ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں وہ موضع روال تحصیل پنڈو ادوستان میں کھڑی
طریدنے کے لئے گئے۔ واپسی پر موضع گوجر سوڈھی میں اپنے ایک دوست مسمتی
محمد علی کے ہاں شب باشتی کی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ اپنے گاؤں پڈھ کی گلی میں
شمال کی طرف منہ کر کے کھڑے ہیں۔ اور تحصیل چکوال کے پیر بھائی اور پیر بہنیں کٹر
سے نہایت اچھا لباس پہنے آ رہے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جلالپور شریف جا رہے
ہیں۔ ملک صاحب نے انہیں کہا حضرت امیر حرب اللہ لاہور شریف لے گئے
ہیں۔ اور تین دن کے بعد واپس ہوں گے۔ اسی آتما میں انہوں نے دیکھا کہ خود
انہوں نے حاجی صاحبان کی طرح احرام باندھا ہوا ہے۔ اور ایک فٹ بلند
چوکی پر شمال کی طرف منہ کر کے کھڑے ہیں۔ اس وقت غیب سے آواز آئی سلطان احمد
ان لوگوں کو سنا دو کہ قیامت کے روز سب مرید اپنے اپنے پیران طریقت کے
جھنڈوں کے تلے ہوں گے۔ اور پیر حیدر شاہ کا جھنڈا سب سے بڑا ہوگا۔ یہ خواب
جلالپور شریف حاضر ہو کر ملک صاحب نے حضور کی خدمت میں بھی بیان
کیا۔

ہماری زمین کوئی نہیں لے سکتا ملک غلام محمد صاحب ساکن کھوکھر
ضلع جھنگ نے بتایا کہ انہوں نے اپنی

کچھ زمین کے حق شفع کے لئے دعویٰ دائر کیا۔ وکیل نے سستی کی۔ وقت پر زینم
داخل نہ کرایا۔ اور جج نے مقدمہ خارج کر دیا۔ ملک صاحب نے نقول حاصل
کرنے کے لئے وکیل کو کہا۔ اور خود جلالپور شریف حاضر ہو گئے حضور اس وقت

فوراً چل پڑے۔ یہاں آپ کو دیکھا۔ خیال آیا۔۔۔۔۔ یہ لوگ دریا کے پار جانے والے ہیں۔ انہیں لے جائیں۔ پار پہنچ کر ملک صاحب اور ان کے ماموں تیزی سے روانہ ہو پڑے۔ بچلی جوہلی میں وضو کیا اور اوپر مسجد میں گئے تو حضور جماعت کر رہے تھے۔ ایک رکعت ہو چکی تھی۔ یہ بھی شامل ہو گئے۔

حضور نے سواری عنایت فرمائی | اسی موقع پر ملک سلطان احمد اور ان کے ماموں نے واپس ہونا تھا

ماموں صاحب کا خیال تھا۔ گھوڑیاں کرائے پر لے لیں۔ پنن وال جائیں۔ اور وہاں سے ٹانگہ کراہ کر کے بہرن پور چلے جائیں۔ ان دنوں لاریاں کوئی تھیں نہیں۔ گرمی سے بچنے کے لئے آدھی رات سفر کرنے کا ارادہ تھا۔ حضور سے اجازت مانگی۔ مگر آپ خاموش رہے۔ دوبارہ عرض کی تیلہ راتوں رات چل کر پنن وال پہنچ جائیں گے۔ اور اس طرح دن کی دھوپ سے بچ جائیں گے۔ حضور نے ازراہ گرم چند منٹ کے بعد فرمایا۔ لنگر تشریف کی گھوڑیاں صاحبزادگان والاتبارسید کرم شاہ صاحب اور سید محمود شاہ صاحب کو لانے منڈی بہاوالدین جائیں گی۔ آپ درویشوں کے ساتھ ان پر سوار ہو کر چلے جائیں۔ اور منڈی بہاوالدین سے ریل کے ذریعے گھر واپس جائیں۔ اس طرح سواری کے لئے گھوڑیاں مل گئیں۔ حالانکہ ذکر تک نہیں کیا تھا۔

رہنمائی کے لئے غیر سے سوار نمودار ہوا | ملک صاحب مذکور کی والدہ تیس تیس پیر بہنوں کے ساتھ آئے

اسٹیشن سے اتر کر دریا کے کنارے آئیں۔ کاتک کا ہیٹھ تھا۔ دریا میں کم پانی تھا۔ مگر یہ پتہ نہ تھا۔ دریا پایاب کہاں ہے۔ اس لئے دریا کے کنارے بیٹھ گئیں اچانک ایک سوار آگیا۔ اس نے کہا۔ بے فکر ہو کر میرے پیچھے پیچھے دریا کو پار

حضور پر نور نے خواب میں فرمایا۔ اٹھو۔ دشمن آگئے۔ ملک صاحب بیدار ہوئے
 ادھر ادھر دیکھا۔ کسی کو قریب نہ پا کر پھر سو گئے۔ اس دوران میں دشمن بالکل
 قریب پہنچ گئے۔ حضور نے پھر خواب میں فرمایا۔ اٹھو۔ دشمن پہنچ گئے۔ ملک
 صاحب نے آنکھ کھولی تو سامنے کچھ فاصلے پر ان چار آدمیوں کو دیکھا۔ ملک
 صاحب نے پوچھا۔ کون ہو اور کیسے آئے؟ انہوں نے آئیں بائیں باتیں کرنی
 شروع کر دیں۔ ملک صاحب نے اٹھ کر اپنا ہتھیار سنبھال لیا۔ پھر انہیں بٹھا لیا
 اور ان سے پوچھا بتائیے کیسے آئے۔ انہوں نے اس وقت تو ٹال دیا۔ لیکن بعد
 میں پتہ چل گیا کہ قتل کے ارادے سے آئے تھے انہوں نے خود بھی تسلیم کیا۔ اور
 ان کی جماعت کے لوگوں نے بھی عام کہنا شروع کر دیا۔ کہ کھوکھر صاحبان پر
 حملہ ہوا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے وہ جاگ رہے تھے۔ اس لئے بیچ گئے۔ ان
 بیچاروں کو اس بات کا کیا علم کہ ان خوش نصیبوں کو جگانے والا کون تھا۔

غالباً ۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ خزاں کے آغاز میں
جلالپور شریف پہنچو فصلی تعطیلات ہوئیں۔ ان ایام میں بندہ کوٹ
 مومن ہیڈ ماسٹر تھا۔ اپنے وطن بکو پہنچا تو پتہ چلا کہ ہماری حویلی میں مولوی
 غلام حسین پیر سواگ کی رہائش کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ مولوی صاحب مرحوم
 نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ضلع مظفر گڑھ وطن تھا۔ ہمارے علاقہ میں ان
 کے معتقدین بھاری تعداد میں موجود تھے۔ بندہ کے چچا مولوی صالح محمد مرحوم
 نے انہیں دعوت دی تھی چچا صاحب انتظامات سے فارغ ہو کر باقی لوگوں
 کے ساتھ پیر سواگ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر چلے گئے۔ میری حالت
 عجیب تھی۔ ذہن سوچنے سے قاصر تھا۔ دل دولت انشراح سے عاری۔ بس
 ایک پتھر سا تھا جو میرے وجود کی صورت میں بصد مجبوری متحرک تھا۔ پیر صاحب

محل شریف سے اٹھ کر باہر آنے والے تھے۔ ملک صاحب نے قدمبوسی کی توپھر
 سجادہ مبارک پر تشریف فرما ہو گئے۔ ملک صاحب نے اپنی عرض پیش کی
 آپ نے فرمایا اللہ فضل کرے گا۔ اب دعا کا وقت ہے۔ روضہ شریف پر حاضر
 ہو کر دعا مانگو۔ ملک صاحب اجازت لے کر واپس جھنگ پہنچے اور سیشن جج
 کی عدالت میں اپیل دائر کر دی۔ ایک رات ملک صاحب کا چھوٹا بھائی غلام
 اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا ہر طرف نور ہی نور پھیل
 چکا ہے۔ موٹر کے آنے کی آواز آرہی ہے۔ اور حضور تشریف فرما ہوئے ہیں۔ حضور
 نے فرمایا۔ غلام قادر۔ وہ زمین دکھاؤ۔ جس کا جھگڑا ہے۔ حضور زمین میں پہنچے تو
 آپ نے فرمایا۔ ہماری زمین کوئی نہیں لے سکتا سیشن جج نے اپیل پہلی پیشی پر ہی
 منظور فرما دی۔ مقدمہ واپس سینئر جج کے پاس پہنچا تو وہ حیران رہ گیا کہ اتنی
 جلدی اپیل منظور ہو گئی۔ ملک صاحب خوفزدہ ہوئے کہ یہ مخالف ہے۔ فیصلہ
 خلاف نہ کر دے۔ انہوں نے رات نمازِ عشاء کے بعد وہیں سے غائبانہ طور پر حضور
 کی خدمت میں عرض کی۔ قبلہ اس جج کا کوئی علاج ہونا چاہئے۔ چنانچہ وہ جج فوراً
 تبدیل ہو گیا۔ اور نئے نے آتے ہی پہلی پیشی پر فیصلہ ملک صاحب کے حق میں کر دیا
 اٹھو۔ دشمن آگئے | ملک غلام محمد صاحب مذکور بتاتے ہیں کہ اٹھو

نزد کوٹ شاکر ضلع جھنگ میں ان کی زمین
 ہے۔ کچھ بلوچ لوگوں کی زمین بھی ان کے ساتھ ہے۔ اس لئے بلوچوں کے ساتھ
 مال مویشی یا حد بر آرمی کے سلسلہ میں کوئی نہ کوئی جھگڑا رہتا ہے۔ ایک دفعہ
 ان لوگوں نے سازش کی کہ کھوکھر خاندان کا سرکردہ غلام محمد ہے۔ اس کو ختم کر دیا
 جائے تو معاملہ صاف ہے۔ ایک رات انہوں نے چار مسلح آدمی بھیجے موسم گرما
 تھا۔ ملک صاحب دو اور آدمیوں کے ساتھ اپنے ڈیرے پر سوئے ہوئے تھے

تعالیٰ علیہم کی زیارت کی ہے۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چٹائی پر دراز تھے۔ اور باقی دو اصحابؓ ساتھ تشریف فرما تھے۔ شبہا نوالہ سے روانگی پر باقی تلو والوں کو رخصت مل گئی۔ مگر بندہ کو پیر صاحب موصوف اپنے ساتھ جھنگ مگھیانہ سے جنوب کی طرف باغانوالہ کے مقام لے گئے۔ وہاں بھی زانوں کے پاس بیٹھنے پر اصرار تھا۔ جب آپ نے وعظ فرمایا تو رقت طاری ہو گئی۔ اور میں نے اپنی بیسی ہونی آنکھوں سے تمام اہل مجلس کے سروں پر رحمت ربی کے سبز سبز انوار برف کے گالوں کی صورت میں نازل ہوتے دیکھے۔ ایک رات پیر صاحب نے فرمایا تم ہم فقیروں سے بیعت کب کرو گے۔ تم امیروں کے مرید بنو گے۔ لیکن ہاں اسم ذات یعنی اللہ اللہ ہر روز دو ہزار بار پڑھا کرو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم از راہ کرم ہر ہفتے تمہارے گھر تشریف فرما ہوا اپنا فرض سمجھیں گے۔ میں نچو اسی پر مگھیانہ سے تسبیح خریدتی اور اسم ذات کا ورد شروع کر دیا چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ اس لئے گھر سے ہوتا ہوا واپس کوٹ مومن اپنے فرائض منصبی کو انجام دینے کے لئے پہنچ گیا۔

اسم ذات کا ورد کرتے ابھی ایک ہفتہ نہیں گذرا تھا کہ جمعرات کو میں نے خواب میں دیکھا شمال کی طرف انوار پھیل گئے ہیں۔ پھر ایک نورانی تخت فضا کے آسمانی میں پرواز کرتا ہوا آیا جس کے پہلوؤں پر سنہرے حروف میں جلی قلم سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ تخت پر دو نور تھا۔ کچھ دیر تک تخت مبارک اس ناچیز کے گھر کے اوپر معقول رہا اور پھر جنوب کو روانہ ہو گیا۔ صبح جب بیدار ہوا تو زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفیاب ہونے کی بنا پر چاہیئے تھا طبیعت پر انبساط کا غلبہ ہوتا۔ مگر القباض طاری ہو گیا۔ ہاتھوں نے تسبیح پکڑنے سے ابا کی زبان نے اسم ذات کا ورد کرنا ترک کر دیا حتیٰ کہ

شہر کے شمال مغربی گوشے کی طرف سے آنے والے تھے۔ مجھے کوئی طاقت مجبور کرتی تھی کہ جنوب مشرقی گوشے کی طرف بھاگ جاؤ۔ آخر بحالت اضطراب میں بھی لوگوں میں شامل ہو گیا۔ پیر صاحب تشریف لائے۔ لوگوں کی فرحت و انبساط کا کیا کہنا۔ لیکن میری طبیعت پر انقباض طاری تھا۔

یہ حالت عشاء کی نماز تک قائم رہی۔ جب ویز کی رکعتیں پڑھ رہا تھا تو خیال آیا کہ جدم مرحوم مولوی سید رسول حضرت خواجہ غریب نواز سید حیدر علی شاہ جلالپوری کے مریدان باصفائیں سے تھے۔ حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے انہیں خرقہ خلافت بھی عطا کیا تھا۔ اب ہمارا سارا خاندان بھی حضور کا حلقہ بگوش ہے۔ یہ انقباض جلالپور شریف کی وجہ سے نہ ہو۔ یہ خیال آنا تھا کہ دل کا قفل دور ہو گیا۔ سینہ کھل گیا۔ دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ آنسوؤں کی جھڑی گاسکتی۔ اور روح پر عجیب پر سرور کیفیت طاری تھی۔ باقی نماز اسی کیفیت کے ساتھ ادا کی۔ بعد از نماز میں نے عموم صاحبان سے کہا آپ نے پیر سواگ کو دعوت دے کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

ادھر یہ حالت تھی۔ ادھر پیر سواگ نے بندہ ناچیز پر اپنی توجہ کریمانہ مرکوز کر دیں۔ اپنے زانو مبارک کے پاس بٹھانے کا شرف بہ اصرار عطا فرمایا۔ پیر صاحب کی عمر اس وقت کوئی پینسٹھ (۶۵) سال ہوگی۔ بڑے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ بیسیوں ہندو صرف آپ کی توجہ سے کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے۔ جب بتو سے روانہ ہوئے تو بندہ کے علاوہ تقریباً اپنے تمام نیاز مندوں کو ساتھ لے لیا۔ شیہانوالہ ضلع جھنگ میں دعوت تھی وہاں مراقبہ میں اس طرح معلوم ہوا جیسے میں نے اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ

حالت بالکل معمولی تھی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایک وزیر پیکر ٹڈل سکول کا ہیڈ ماسٹر تھا۔ اور صرف بی اے پاس تھا۔ یہ بات از قبیل محالات نظر آئی۔ لیکن دل کی دل سے باتیں جاری ہیں۔ اگلی صبح بروز اتوار قبلہ جاں و کعبہ دل جناب حضرت امیر حزب اللہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ عرض کی۔ اجازت عطا فرمائیں۔ واپسی کا ارادہ ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا جس کام کے لئے آئے ہو وہ تو کر لو یہ فرمایا اور بے طلب دامن امید لعل و گہر سے مالا مال فرما دیا۔

جو دیابے طلب دیا تو نے جو لیا بے طلب لیا میں نے تسلیم خم ہوا۔ اور حضور کی نوازش سے اس طرح خم ہوا کہ ابدیت اس خمیدگی کو حیرت سے دیکھا کرے گی۔ ایک مفروضہ کو بعد الطاف حلقہ بگوش بنایا۔ اگرچہ ویسے ۱۹۲۶ء کے آغاز میں بندہ حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہو چکا تھا۔ مگر حقیقی بیعت اب ہوئی تھی۔ حضور نے درود مستغاث اور سلسلہ شریف پڑھنے کو فرمایا۔ درود مستغاث کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ بتایا۔ حضور کی کرامت دیکھیں۔ زکوٰۃ ماہ رمضان کے پہلے بدھ کو شروع ہوتی ہے۔ اتوار حضور کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور دو روز بعد ماہ رمضان کا پہلا بدھ تھا۔ یعنی روحانی تار برقی کے ذریعے اس وقت بلا یا جب زکوٰۃ نکالنے کے ایام بالکل قریب تھے۔ حضور نے ازراہ کرم اپنے وظائف منگائے اور درود مستغاث اور سلسلہ شریف پڑھ کر عملاً بندہ کو آداب تلاوت سکھائے۔ زال بعد چھپا ہوا درود مستغاث اور سلسلہ شریف منگایا۔ اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ اور یہ وظائف بندہ کو عنایت فرما دیئے۔ ان دستخطوں کو اب تک بندہ نے حرزِ جان بنا رکھا ہے۔

یہ حقیقت ہے اور یہ کہتے ہوئے ندامت سے سز جھک جاتا ہے کہ اس بے نظیر کرامت کو دیکھنے کے باوجود بندہ کما حقہ آدابِ غلامی بجا نہیں لاسکا۔

نعوذ باللہ نماز متروک ہو گئی۔ اور دنیاوی کاموں میں بھی کوئی الجھسی نہ رہی۔ اب وجود
پھر ایک سنگ گراں تھا جو سمجھ نہ آتی تھی کیسے متحرک تھا۔

اگلے جمعہ کار و ز آیا۔ بعد مشکل وجود متحرک کو مسجد میں پہنچایا۔ وضو کیا۔ سر کا
انماز تھا۔ جب مسجد کے اندر خطبہ جمعہ کے بعد نماز کے لئے صفیں کھڑی ہو گئیں اور
تکبیر اولیٰ کے بعد مسجد کے وسیع مکان میں کامل سکوت طاری ہو گیا تو میرے
ان کانوں نے سنا۔ جلالپور شریف پہنچو۔ یہ آواز کس قدر سامعہ نواز اور
روح پرور تھی بس سے

فنا و سامعہ در موج کوثر و نسیم

آن واحد میں تخر و جود سے دھل گیا۔ روح ہلکی پھلکی ہو گئی۔ انشراح صدر کا
کیا کہنا۔ آنکھیں فرط انبساط سے اشکبار تھیں۔ حق الیقین تھا کہ درگاہِ رب العالمین
میں حاضر ہوں۔ اور عنایات و احسانات کی انتہا نہیں۔ حضورِ رحمتہ للعالمین سامنے
تشریف فرما ہیں۔ زیارت سے فیضیاب ہو رہا ہوں۔ اور مجھ سے زیادہ خوش نصیب
اور خوش وقت اور کوئی نہیں۔ انہی جاں پرور مناظر کو دیکھتے دیکھتے اور انہی دنوں
کیفیات کے ساتھ نماز ادا ہوئی۔ یہ یادگار نماز تھی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد گھر پہنچا۔ زاوراہ لیا۔ اور بھلوال ملکوال کے
رستے گاڑی کے ذریعے اگلی صبح آستانہ عالیہ جلالپور شریف پر حاضر تھا۔ قبلہ
حضرت امیر حزب اللہ مدنیو ضہم کی قدمبوسی سے شرفیاب ہوا۔ نہ بندہ نے
عرض کی کہ کیسے حاضر ہوا۔ اور نہ حضور نے کچھ استفسار فرمایا۔ لیکن دل ہی دل میں
باتیں ہو رہی تھیں۔ مجھے یاد ہے۔ روضہ اقدس کے مغربی برآمدے میں جا رہا
تھا۔ میرے قلب نے سنا۔ تم بھی ملک محمد حسین کی طرح ہو جاؤ گے۔ ملک صاحب
ان دنوں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اور ایم اے پی ۱۰، ایس تھے۔ میری

سُننا ہوں میں سناؤ مشہور ہے یہ خوجہ
خالی جو آیا دامن بھر کر گیا یہاں سے
تیر می نظر نے لاکھوں آقا بنا دیئے ہیں
آتے ہیں تیر واپس نکلے ہوں جو کہاں سے
تیرے کمال کی تیرا تیر سُن چکے ہیں
فرے بنے ہیں مجھ اک نظر عنو فشاں سے
ہو گی کمی نہ ہرگز بخشش سے میرے آقا
مل جائے کچھ مجھے بھی اس بھڑیکراں سے
عاصی ہے پر خطا ہے لیکن گدا ہے تیرا
شیدا نہ جائے خالی درگاہِ درفشال سے

مولوی سوار الدین شیدا روہتاسی کے بھائی ملک
دوسری شادی کر لی جلتے | نظام الدین ایم اے بی ٹی۔ المعروف نظامی

صاحب کے گھر اولاد زینہ نہ تھی۔ پہلی بیوی سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ دس بارہ
سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ حضور کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا دوسری شادی
کر لی جائے۔ دو ایک جگہ نا طہ کی تلاش کی گئی۔ مگر ان کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ سابقہ
بیوی کو طلاق دی جائے۔ ایک اور جگہ پسند کے رشتہ کا علم ہوا۔ مولوی صاحب
نے حضور کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا اچھا رشتہ ہے تو کر لیں۔ مولوی صاحب
نے طلاق کے مطالبہ ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا پہلی بیوی کو طلاق نہ دی جائے۔ اور جا کر
ان لوگوں سے دریافت کیا جائے۔ وہ رشتہ دے دیں گے۔ جلالپور شریف سے
واپس آکر مولوی صاحب نے ان سے رشتہ طلب کیا۔ وہ کسی مطالبہ کے بغیر فوراً
آگاہ ہو گئے چنانچہ اللہ کے فضل سے نظامی صاحب کو دوسرے نکاح سے چار
لڑکے عطا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زندگی بخشے۔

لا لٹین آگتی | مولوی سوار الدین اپنی بھانجی اور بہو کو ساتھ لے کر جلالپور
شریف حاضر ہوئے۔ رات کے نو بج رہے تھے حضور محل

کی چھت پر آرام فرمائے۔ پردہ داروں کو نیچے بٹھا کر مولوی صاحب خود بالا خانہ پر
حضور کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہو گئے۔ حضور نے کچھ پوچھے بغیر فرمایا۔ آپ کے ساتھ

لیکن حضور کی نوازشات بدستور جاری ہیں۔ اب بندہ گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہے۔ تعلیم ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی تک ہے۔ یعنی اس ملک کی انتہائی علمی ڈگریاں مل چکی ہیں۔ اور گزٹڈ پوسٹ اس روز سے حاصل ہے جس روز سے بندہ پروفیسر بنا۔ یہ سب کچھ حضور کا فیض ہے۔ باطنی لحاظ سے بھی ناشکری کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل ہے۔ اگر ہر موئے بدن ہزار ہزار بانوں کی صورت اختیار کر لے اور شب روز ثناء و شکر کا ورد کرے پھر بھی عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے۔

خشش کا بحر بیکراں حضور دورہ حزب اللہ کے سلسلہ میں بنگیاں

موضع چاہ گنجہ متصل قلعہ رہتاس چائے کا انتظام ہوا۔ ماسٹر عاشق حسین ساکن رہتاس نے مولوی سوار الدین شیدا کی منظوم التجا قوالی کی صورت میں پڑھی۔ حضور بہت محظوظ ہوئے۔ اور حیب خاص سے ماسٹر صاحب مذکور کو انعام عطا فرمایا۔ دیگر عقیدتمندوں نے بھی حضور کا اتباع کرتے ہوئے ماسٹر صاحب کو پیلے نذر کئے۔ حضور کو مہربان دیکھ کر ماسٹر صاحب کے دل میں جرات پیدا ہوئی۔ اور مولوی سوار الدین کی معرفت عرض کی کہ پانچ چھ لڑکیاں ہیں۔ اولاد زریہ کوئی نہیں حضور نے دعا فرمائی اور کہا۔ اللہ فضل کرے گا۔ چنانچہ اگلے سال ہی ماسٹر صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ ان کا تعلق فرقہ شیعہ سے ہے۔ مگر حضور کے خاص معتقد ہو گئے۔ سال بسال عرس مبارک پر حاضر ہوتے ہیں اور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے ان کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ منظوم التجا جو انہوں نے بصورت قوالی پڑھی یہاں درج کی جاتی ہے۔

اٹھے گامرنہ میرا تیرے سنگ آستان سے بھر جائے گانہ دامن جب تک یہاں سے
سبیط نبی علی ہو شمس ہو تو نسوی ہو عالی ہے شان تیرا اعلیٰ ہو ہر نشان سے

یعنی نذیر احمد کے چچا حضور کی خدمت میں گلبرگ لاہور حاضر تھے حضور نے فرمایا۔
 نذیر احمد کا کیا حال ہے۔ اسے لفٹیننٹ ہو جانا چاہئے۔ نظامی صاحب نے عرض کی
 حضور کی دعا سے وہ ہو جائے گا۔ حضور نے دعائے خیر فرمائی۔ جو درگاہ رب العالمین
 میں فوراً مقبول ہوئی۔ اسی روز کمانڈر انچیف نے نذیر احمد خان کو دفتر میں بلا کر
 لفٹیننٹ ہونے کا مشورہ سنایا اور اسی دن جب نظامی صاحب واپس گجرات
 پہنچے جہاں وہ بحیثیت اے۔ ڈی۔ آئی۔ اے مدرس متعین تھے۔ تو انہیں کراچی سے نذیر احمد
 خان کا تار بلا کہ مبارک ہو آج لفٹیننٹ بنا دیا گیا ہوں۔

اشتیاق زیارت ہے توجہ فرمائیں **فقیر حیدری صوفی محمد شفیع صاحب**
 بٹالین نمبر ۲ پی پی سی میں خطیب
 تھے۔ بٹالین گلپور تحصیل کوٹلی کے مقام پر تھی۔ کئی بار تیار ہوئے کہ حضور کے دیدار
 فیض آثار سے مشرف ہوں۔ مگر کوئٹہ نہیں بنتا تھا۔ دل سخت مضطرب تھا۔
 محرومی کے ایام طویل ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ایک روز تنگ آکر مرشدِ حق
 کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ملاقات کا سحت اشتیاق ہے۔ مگر مشکلات پریش
 ہیں۔ ازراہ غریب پروردی توجہ فرمائی جائے۔ ادھر حضور کی خدمت میں ڈاک
 والوں نے یہ عریضہ پیش کیا۔ اور ادھر بٹالین کو حکم ملا کہ سنٹر رسالپور میں پہنچ جائے
 بٹالین گلپور سے روانہ ہو کر دوسرے دن راولپنڈی پہنچی اور سبحان اللہ حضور
 پرنور کاورد مسعود بھی راولپنڈی میں ہو گیا۔ فقیر حیدری کے دل میں خیال آیا
 عین ممکن ہے ہمارے محبوب مرشد طریقت مریدِ حسن میں جلوہ فرما ہوں۔ یہ القا
 ہونا تھا کہ فقیر صاحب اپنے مخلص برادر طریقت چودھری خدا بخش صاحب کے
 ہاں مریدِ حسن پہنچے اور پتہ چلا کہ صرف چند منٹ پہلے حضور کا نزول اجلال ہوا
 ہے۔ مکان میں داخل ہوئے۔ کعبہ مراد جلوہ افروز تھے۔ قدموں پر گرے اور

بچے ہیں۔ جا کر انہیں آرام سے بٹھائیں۔ ایک درویش کو حکم دیا کہ انہیں مکان اور کھانا دیا جائے۔ مولوی صاحب حیران تھے کہ بچوں اور زنانہ ساتھ کا ذکر بھی نہیں کیا اور آپ نے از خود فرما دیا ہے۔ درویش نے انہیں مکان، بسترہ، کھانا سب کچھ دیا انجام کار درویش چلا گیا۔ کھانے کے برتن خالی ہونے پر وہ بھی لے جا چکا تھا۔ اور ان کی طرف سے بالکل فارغ ہو چکا تھا۔ مولوی صاحب کی بھانجہ نے کہا کہ بچے ساتھ ہیں اگر ماچس اور موم بتی لاتے تو اچھا تھا۔ رات کو پیشاب کریں گے تو کیا ہوگا۔ کچھ دیر گزری تو ایک آدمی نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ حضور نے فرمایا ہے آپ کے ساتھ بچے ہیں۔ یہ لالٹین لے لیں اور اسے ساری رات جلاتے رکھیں۔ مولوی صاحب کی بھانجہ کے میکے والے فقرا کے چنداں قابل نہ تھے۔ مگر اس نے جب یہ حال دیکھا تو کہنے لگی۔ ”سبحان اللہ خدا کے مقبول بندے کیا کچھ دیکھتے، سنتے اور جانتے ہیں۔ کس طرح بن کہے کر مفرمانی کرتے ہیں۔ ہم نے آہستگی سے روشنی کا ذکر یہاں کیا۔ مگر حضور نے دور چھت پر سن لیا اور لالٹین بھیج دی۔ میں تو ضرور حضور کی بیعت ہوں گی چنانچہ صبح اس نے بیعت کر لی۔“

بفضل خدا میں ضرور لیفٹیننٹ ہو جاؤں گا | مولوی سوار الدین شیدائے بیٹے
نذیر احمد خان بحری فوج میں

ملازم تھے ۱۹۵۲ء میں انہوں نے کمیشن کا امتحان پاس کر لیا۔ مگر ڈاکٹری معائنہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چونکہ نذیر احمد خان حضور کے زبردست معتقد ہیں۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ میرا پیر کامل ہے۔ میں انشاء اللہ لیفٹیننٹ ہو جاؤں گا۔ تجربہ کے لحاظ سے ان کی بڑی شہرت تھی۔ انہیں ایک ایسے کام پر متعین کیا گیا جو بڑا پیچیدہ تھا۔ اس میں بھی انہوں نے بڑی مہارت کا اظہار کیا۔ اس طرح وقت گزرتا گیا۔ ان کا پھر ڈاکٹری معائنہ ہوا تو کامیاب ہو گئے۔ اب ایک روز نظامی صاحب

صاحب . صوفی ولی داد اور جیسل ضلع جھنگ کے دیگر نیاز مندوں سے کیا اور ولید داد صاحب نے راقم کے پاس روایت کی خود راقم نے بھی شاہ صاحب موصوف کی زبانی یہ ذکر سنا ہے۔ واقعی مرحوم بڑے صاحب جذب درویش تھے۔ بات بات سے بزرگی مترشح ہوتی تھی۔ اور نگاہ استغراق کا پتہ دیتی تھی۔

مذکورہ بالا صوفی ولی داد صاحب مدرس نے
دق و سل سے نجات | بھی روایت کی اور راقم نے بھی صوفی صاحب

صاحب ساکن جیسل کی زبانی کئی بار سنا کہ خود انہیں عین عالم شباب میں دق اور سل کی مرض ہو گئی۔ وجود بالکل لاغر ہو گیا۔ لاہور کے حکیم نیر واسطی اس مرض کے مشہور معالج تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ سے علاج معالجہ کیا مگر۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ساتھ ساتھ مالی حالت بھی تیلی ہوتی چلی گئی۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا خیر کے لئے عرض کی۔ حضور نے خاص توجہ سے دعا فرمائی۔ مسیحائی نے اپنا کرشمہ دکھانا شروع کر دیا۔ جسم فریب ہو گیا اور مرض گلیتہ دور ہو گیا۔ یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے۔ اب ۱۹۶۳ء میں بھی صوفی صاحب موٹے تازے رہتے ہیں۔ وہ بلا پن نام کو نہیں آتا۔

صبر و تحمل اور تدبیر و فراست معجزہ سے کم نہیں تھا | صوفی ولی داد صاحب
 مدرس بڑا نہ لکھتے

ہیں کہ حضور غریب نواز کا مقام چوکیہ ضلع سرگودھا تھا۔ جیسل اور احمدیہ ضلع جھنگ کے پیر بھائی بھی شامل جلسہ ہوئے۔ جمعہ کا روز تھا۔ مولوی احمد شاہ صاحب چوکیہ والے دیوبندی عقائد رکھتے ہیں۔ انہوں نے از خود لوگوں میں مناظرہ کی خاطر مناوی کراوی۔ جلد جلد جمعہ کی آذان دلوائی۔ حضور تشریف لائے تو فوراً مولوی صاحب مہر چڑھ گئے۔ اور خطبہ دینا شروع کر دیا۔ حضور صبر و تحمل سے سب کچھ

دو تین گھنٹے خوب سیر ہو کر آفتاب ولایت کی تجلیات باہرہ سے اپنے قلب و روح کو مستنیر کرتے رہے اور دل کی پیاس بجھاتے رہے۔ گویا یہ

ناگہانی آن مغيث ہر دو کون مصطفیٰ پیدا شدہ از راہِ عون
والا نقشہ نظر آیا۔ فقیر حیدری رقمطراز ہیں کہ انہوں نے بارہا آزمایا۔ جب کبھی شوق
ملاقات نے بیتاب کیا عریضہ ارسال خدمت کیا اور کوئی نہ کوئی سبب پیدا ہو گیا
فقیر صاحب کہتے ہیں کہ پیر بھائی بے شک اس نسخے کو آزمائیں۔ حضور کی یہ خاص
کرامت ہے۔

جلد می جامع مسجد شرفی میں جائیں | پیر سیدن شاہ صاحب کن پند سوسو کہ

حضرت غریب نواز کے غلام تھے۔ قبلہ
ثانی صاحب نے خلافت عطا فرمائی۔ حضرت امیر حزب اللہ کی نوازشات باطنی سے
مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امیر مدظلہ العالی اپنے محل میں روٹی
افروز تھے اور شاہ صاحب خدمت میں حاضر تھے۔ حضور نے فرمایا۔ شاہ جی جامع مسجد
شرفی میں فوراً جائیں۔ شاہ صاحب مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا جناب سیدنا
سرور کونین حضور رحمۃ للعالمین تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم محفل آرائے ہیں اور
قبلہ حضرت امیر حزب اللہ کے پاس تشریف فرما ہیں۔ جناب سرور عالم سے حضرت
امیر عرض کی۔ شاہ صاحب کے لئے دعا خیر فرمائیں۔ دعائے خیر کے بعد آپ نے شاہ
صاحب کو ارشاد فرمایا جلدی محل میں واپس چلے جائیں۔ شاہ صاحب وہاں حاضر
ہوئے تو قبلہ عالم جناب امیر حزب اللہ وہاں پہلے موجود تھے حضور نے استفسار
فرمایا۔ شاہ صاحب مسجد سے ہو آئے انہوں نے عرض کی ہاں۔ شاہ صاحب اپنے
عجز العقول مشاہدہ کے متعلق زباں کشائی کرنے والے تھے کہ حضور نے اشارے سے
خاموش فرما دیا۔ اس مشاہدہ اور مکاشفہ کا ذکر پیر سیدن شاہ مرحوم نے صوفی حسن علی

اہل بیت کے دشمن ہیں۔ یہ دونوں فرقے حد اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں ہم
 اہل سنت والجماعت اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ صحابہ کرام اور
 اہل بیت عظام دونوں کی محبت ہمارے دل میں ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں
 کہ حضور نے ایک بار فرمایا کہ ایک سید صاحب کہنے لگے اگر پیری مریدی کا سلسلہ
 نہ ہوتا تو ہم شیعہ ہو جاتے۔ لیکن آپ نے شاہ صاحب کو فرمایا۔ ہم حق پرست
 ہیں۔ ہمیں اگر اہل تشیع حق پر نظر آتے تو مریدوں کی پرواہ نہ کرتے اور وہی مذہب
 اختیار کر لیتے۔ اسی طرح حضور نے مولوی حسین علی ساکن وال بھچراں ضلع میانوالی
 کے متعلق فرمایا کہ حضرت پیر دستگیر ایسے مقبول بارگاہِ الہی اور خادمِ دین محمدی
 کی ذات والا صفات کے ساتھ سوء ادبی کر کے انہوں نے اپنے آپ کو ناقابل
 تلافی نقصان پہنچا یا ہے۔ صوفی ولید صاحب نے حضور کے اس ارشاد سے
 مولوی صاحب مذکور کو مطلع کیا اور توبہ کرنے کو کہا۔ مگر مولوی صاحب خاموش
 رہے۔ اپنے اس ارشاد کے بعد حضور اگلے سال دورہ پر تشریف لائے۔ خود بخود
 حاضرین مجلس کو فرمایا کہ تم میں سے ایک صاحب نے مولوی حسین علی کو تائب
 ہونے کے لئے لکھا تھا۔ مگر وہ نہیں ہوئے۔ صوفی ولید صاحب تحریر کرتے ہیں کہ باربائے
 صحیح عقائد کی توجیح اور اشاعت کر کے حضور نے ہمارے ایمان کو قوت بخشی۔

صوفی طفیل محمد مدرس ہائی سکول کوٹ شاہ
 ریلوے انجن کی حرکت بند | ضلع جھنگ لکھتے ہیں کہ حضور غریب نواز

ہریہ اسٹیشن پر تشریف لائے۔ ملکوال کے رستے جلالپور شریف جانے کا ارادہ تھا
 سورج اسی وقت غروب ہوا تھا۔ بکٹیں حاصل کر لی گئیں۔ گاڑی کے آنے میں صرف
 تین منٹ باقی تھے۔ لیکن حضور نے ارشاد فرمایا کہ اذان کہو۔ نماز مغرب ادا کر لی جائے
 چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی۔ اذان کہہ چکے تھے کہ گاڑی بھی آ پہنچی۔ ہریہ اسٹیشن پر

دیکھتے سنتے رہے۔ بعد میں مولوی صاحب مصتے پر کھڑے ہو گئے۔ اور جماعت شروع کرادی حضور نے تمام پیر بھائیوں سمیت مولوی صاحب کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کی۔ نماز کے بعد حضور نے کرسی پر جلوہ افروز ہو کر آیات قرآنی کی تلاوت کے بعد حاضرین سے خطاب فرمایا۔ اب ادھر ادھر سے رقعے آنے شروع ہو گئے جھوٹے تدبیر اور فراست سے کام لے کر مولوی احمد شاہ صاحب کی طرف رخ فرمایا اور پوچھا کیا آپ ہمارا ذبیحہ کھالیں گے مولوی صاحب نے جواب دیا کیوں نہیں۔ اب ذبح کریں۔ ابھی کھالیں گے۔ حضور نے آپ کو اسی وقت بلا توقف دعوتِ طعام دی جو انہوں نے منظور کر لی۔ حضور نے اس کے فرمایا ہمارا مسک الْحُبُّ لِلَّهِ وَالْبُغْضُ لِلَّهِ ہے۔ ہم دین الہی کی حفاظت کے لئے ہندو اور انگریز کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمارا کام تعمیری ہے۔ تخریبی نہیں۔ ہم مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کے علمبردار ہیں۔ ان کے اندر نا اتفاق نہیں چاہتے۔ اس طرح حضور نے اپنے زریں خیالات کھل کر بیان فرمائے اور حزب اللہ کی عیون تمام مسلمانوں تک پہنچائی۔ جن لوگوں کا مقصد ہنگامہ پیدا کرنا تھا وہ ناکام رہے۔ حضور نے اپنی تقریر کے دوران بڑے تدبیر سے موزوں ماحول پیدا کر کے یہ شعر پڑھا۔

دین پاکاں فی سبیل اللہ جہاد دین مٹا فی سبیل اللہ فساد

صحیح عقائد پر استقامت بھی آپ کی کرامت تھی | صلح جھنگ بدقسمتی سے عجیب و غریب

عقائد کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ صوفی ولیداد صاحب ساکن جیل نے حضور کی خدمت میں رافضیوں اور خارجیوں کے عقائد کے متعلق عریضہ بھیجا جس نے تحریر فرمایا کہ رافضی صحابہ کرام سے عناد اور بغض رکھتے ہیں۔ اور خارجی

بعد دیکھا کہ حضرت امیر حزب اللہ جلوہ فرما میں۔ وجود پاک کا ایک ایک بال مشعل نور کی طرح روشن ہے جس کا اظہر تمام کا تمام ہے۔ پیر بازر نور ان فریق بن چکا ہے۔ اور ساری فضا بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ اس مشاہدہ سے اس طرح انشراح صدر ہوا کہ پھر جاہا صاحب کے دل میں کبھی کوئی دوسو سہ پیدا نہ ہوا اور نہ ہی وہ پھر کبھی بابا سلطان کے پاس گئے۔

اولاد زینہ ہوگی | پیر اعظم شاہ صاحب سکند بھیرہ کے گھر یکے بعد دیگرے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ پیر صاحب انہیں رحمت کا موجب سمجھ کر بالکل مطمئن تھے۔ کسی سے اولاد زینہ کے متعلق عرض نہ کی۔ ایک روز جلالپور شریف میں حضرت امیر حزب اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اپنے بالا خانے کے سامنے چھت پر چہلی قدمی فرما رہے تھے۔ آپ نے پیر صاحب سے از خود استفسار فرمایا۔ کیا آپ کا کوئی لڑکا بھی ہے؟ انہوں نے عرض کی۔ قبلہ نہیں۔ لڑکیاں ہیں۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ لڑکے بھی دیں گے۔ اور دعائے خیر فرمائی۔ چنانچہ پے در پے چار لڑکے پیدا ہوئے۔ جن میں سے تین زندہ ہیں۔ اور جوان ہو کر برسر روزگار ہیں۔

پیر صاحب کے ساتھ خان محمد حیات خان ساکن خوشاب نے بتایا کہ ان کی بھی لڑکیاں تھیں۔ حضور نے پیالہ لکھ دیا۔ خان صاحب لاہور سے لکھا لائے۔ حضور بہا تھے۔ آپ نے فرمایا۔ حسن اتفاق دیکھئے یہ آخری پیالہ لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا دایاں ہاتھ فالج کرنے سے معذور ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکا عطا فرمایا جس کا نام حضور نے محمد شعیب رکھا۔ اس لئے کہ ماہ شعبان میں پیدا ہوا تھا۔

اپنے حسابات کوئی نہیں دیکھ سکتا | منشی فیروز خاں جامع مسجد اولیٰ پٹی کے عزرائلی تھے۔ انتظامیہ میں بارہا با

گاڑمی صرف تین چار منٹ ٹھہرتی تھی۔ اس لئے تین چار منٹ گزرنے کے بعد گاڑ
 نے سیٹی بجائی۔ ڈرائیور نے انجن کو حرکت میں لانے کے لئے اپنی ساری قوت اور
 مہارت صرف کر دی مگر انجن وہیں کھڑا رہا۔ گاڑ سیٹی پر سیٹی دے رہا تھا۔ اور
 ڈرائیور کم بجالانے میں کوشاں۔ اس طرف اس ہنگامے سے بالکل بے نیاز ہو کر
 حضور کامل اطمینان سے نماز باجماعت پڑھا رہے تھے۔ فرائض کے بعد سنتیں اور
 نوافل بھی مکمل سکون کے ساتھ ادا ہوئے۔ خدام نے نماز سے فارغ ہو کر اپنا سامان
 گاڑمی میں رکھا۔ اور جب حضور نے قدم مبارک اپنے ڈبے میں رکھا تو رکے ہوئے انجن
 نے بزبان حال اپنے ڈرائیور کو کہا۔ گھبراہٹ میں نہیں۔ جن کا انتظار تھا وہ تشریف لے
 آئے۔ اب میں روال دواں ہو جاؤں گا۔

نور علی نور | حاجی محمد علی صاحب بی اے ساکن چک ۲۴۷ آر۔ بی۔ ضلع
 لائل پور نے ذکر کیا کہ ایام طالب علمی میں لاہور رہتے ہوئے

وہ حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر حاضر ہوا کرتے تھے
 چنانچہ انہیں کے فیوض کا کرشمہ ہے کہ حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی سے شرت
 بیعت حاصل ہوا۔ بعد میں حاجی صاحب کو بابا سلطان علی لائلپوری کی خدمت میں
 حاضری کا موقع ملا۔ بابا صاحب کوہ نور مل کے سامنے رہائش پذیر تھے۔ اور قادری
 بزرگ تھے۔ انہوں نے حاجی صاحب پر نوازشات خصوصی شروع کر دیں۔ انہیں اپنے
 خاص خلفاء سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ حاجی صاحب کے دل میں بھی خیال
 پیدا ہو گیا کہ جلاپور شریف بہت دور ہے۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہیں بیعت ہوتی۔
 حاضری اور استغاثہ کے عام مواقع ملتے۔ ایک رات وہ سو رہے تھے۔ خواب
 میں کیا دیکھتے ہیں کہ بابا سلطان علی سامنے موجود ہیں۔ نورانی چہرہ ہے۔ مگر اس طرح
 معلوم ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں ایک ننھے سے چراغ کی لو ہے۔ تھوڑی دیر

اور حضور کے ساتھ نماز بھی ادا کرتے رہے۔ مگر آپ دیکھ کر لگا ہیں پھیر لیتے تھے۔ تیسرے روز صوفی فیض بخش صاحب کو سمجھ آئی۔ انہوں نے گلے سے تعویذ توڑ کر جیب میں رکھ لئے کہ کنوئیں میں یا دریا میں پھینک دیں گے۔ اور روتے ہوئے محل شریف میں گئے جہاں حضور تشریف فرما تھے۔ دس کرم کے فاعلہ سے اچھل کر حضور کے قدموں میں جا کرے۔ آپ نے ازراہ کرم تین بار ان کی پلٹھ پر بڑی شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ اپنے مبارک ہاتھوں سے تعویذ لکھ دیا۔ جو ان کے پاس اب تک موجود تھے اور فرمایا یقین کامل رکھا کرو۔ اس کے بعد نہ دل کی دھڑکن رہ گئی نہ بدحواسی۔

صوفی فیض بخش صاحب موصوف اپنی بیعت

دیکھ کر بیعت کروں گا

کا بڑا ایمان افروز اور اعتقاد پرور حال

لکھتے ہیں۔ ان کے والد خواجہ غریب نواز کے مرید صادق الاعتقاد تھے۔ صوفی فیض بخش کی عمر ابھی گیارہ سال تھی کہ والد وفات پا گئے۔ جب سترہ اٹھارہ برس کا سن ہوا تو والدہ نے کہا۔ بیٹا ہم خواجہ غریب نواز کے غلام ہیں۔ جاؤ حضرت پیر فضل شاہ صاحب سے بیعت ہو آؤ۔ مگر انہوں نے کہا۔ میں دیکھ بھال کر بیعت کروں گا۔ آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ وہ بیچاری یہ جواب سن کر خاموش ہو رہی۔ مگر دل ہی دل میں یہ آرزو موجود تھی کہ خدا کرے یہ رشتہ عقیدت قائم رہے۔ اس بات کے بعد جب رات کو فیض بخش سویا کرتے تو تقریباً ہر دفعہ دیکھتے۔ ایک بہت بڑا خوشنما باغ ہے۔ صوفی صاحب اس میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک محل میں پہنچتے ہیں جس کی دیواریں بلور کی ہیں۔ ایک دیوار کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی صورت دیکھنی چاہی تو قبلہ عالم سید محمد فضل شاہ صاحب کا چہرہ انور نظر آتا ہے۔ اس طرح خواب لگانا تین چار ماہ تک دیکھتے رہے۔ آخر مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں

شروع ہو گئی۔ مولوی عارف اللہ صاحب نے سابقہ انتظامیہ کمیٹی ختم کر کے نئی
بنائی اور منشی صاحب موصوف کو نیا نیا چاہا منشی صاحب نے حضور کی خدمت
میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا مولوی عارف اللہ کو خواجہ غریب نواز کی طاقت
کا علم نہیں۔ وہ اپنی موت آپ مرے گا۔ چنانچہ خلاف قانون تقریر کرنے کی بنا پر
خارج البلد ہوا۔ بعد میں مسجد کا بھگڑا اور بھی بڑھ گیا اور دیوانی عدالت نے
حکم دیا کہ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۰ء تک جملہ حسابات پیش کئے جائیں۔ منشی صاحب
سخت گھبرائے۔ جلالپور شریف حاضر ہو کر حضور کی خدمت میں عرض کی حضور
نے فرمایا۔ آپ کے حسابات کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ حضور کے اس ارشاد کے بعد
اس طرح ہوا کہ تاریخ آنے پر حج کی والدہ وفات پا گئی۔ دو ماہ بعد مارشل لا
لگ گیا۔ انتظامات ڈپٹی کمشنر صاحب نے سنبھال لئے اور کوئی ڈیڑھ سال
بعد مسجد حکمہ وقف کی تحویل میں چلی گئی۔

صوفی فیض بخش ولد غلام نبی قوم بہرل راجپوت
دل کی دھڑکن دور | سکندہ ملکوال ریلوے پولیس میں ملازم ہیں۔ انہیں

۱۹۴۹ء میں دل کی دھڑکن اور بدحواسی کی تکلیف ہو گئی۔ انسران بالائے سول
سرجن سے ملاحظہ کرایا۔ مگر اس نے کہا یہ تو تندرست ہے۔ اس کے باوجود اسے
پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ مگر وہاں سے بھی واپس بھیجنے کا حکم ہوا۔ اس دوران
میں صوفی صاحب جلالپور شریف حاضر ہوئے۔ دو پشت سے حضور کی غلامی کا
شرف حاصل تھا۔ اس لئے حضور کی دعا اور برکت سے محکمہ والوں کی پے درپے
مخالفت صوفی صاحب کا بال بیکانہ کر سکی تھی۔ لیکن اس بدحواسی کے موقع پران
سے ایک غلطی ہو گئی۔ ادھر ادھر تعویذ نویسوں سے تعویذ لئے۔ اور گلے میں
باندھ لئے۔ اب جب حضور کی خدمت میں پہنچے تو باوجود یکہ تین دن وہاں رہے

مل گئی۔ صوفی صاحب بید خوش ہوئے۔ اور کہنے لگے سبحان اللہ جب حضور اپنے غلاموں کی معمولی معمولی باتوں پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کی مہمات دینی و دنیاوی حضور کی نظر سے کیسے اوجھل رہ سکتی ہیں۔ مرشد طریقت ہوں تو ایسے ہوں۔

بروایت صوفی طفیل احمد صاحب فائق ایک
پیر صاحب کو کامل پایا | مولوی صاحب جو ماورزا دہلی تھے۔ اور ایک

بزرگ کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ ۱۹۲۷ء میں حضور کی خدمت میں ٹھٹھی خیرا ضلع جھنگ کے مقام پر حاضر ہوئے۔ مولوی صاحب کا اسم گرامی محمد سعد اللہ تھا۔ حضور نے ازراہ قدروانی اپنے قریب جگہ دی۔ مولوی صاحب نے التماس کی۔ اگر اجازت ہو تو دو ایک باتیں عرض کر لوں۔ حضور نے فرمایا ضرور۔ مولوی صاحب نے وجدانی انداز سے باوا زبند توحید و رسالت اور فلسفہ کرامت پر تقریر کی۔ کھانے پر بیٹھے تو حضور نے اپنے کھانے سے عنایت فرمایا۔ مولوی صاحب نے عرض کی۔ قبلہ عرصہ سے اسہال کی تکلیف ہے علاج معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ خدا کرے۔ حضور کے تبرک کی برکت سے یہ دیرینہ تکلیف دور ہو جائے۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا۔ آج ایک عاشق صادق کو دیکھا۔ حضور کے تبرک کی برکت اسہال اسی دن بند ہو گئے۔ علاوہ بریں مولوی صاحب کی طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا۔ اس سے پہلے طبیعت پر ہر وقت جلال طاری رہتا تھا۔ اپنے کشف و کرامات کا اظہار کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے ہم نے یہ کر دیا وہ کر دیا۔ اس کے بعد دعائے خیر کے لئے صرف ہاتھ اٹھا دیا کرتے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ منظور فرماتے تھے۔ حضور کی ان کرامات کو دیکھ کر مولوی صاحب فرمایا کرتے۔ پیر صاحب کی کامل پایا ہے۔ خدا کی قدرت مولوی صاحب کا جب وصال ہوا تو حضور نے ان کی حقیقت کے متعلق جو بیغ فقرہ ارشاد فرمایا تھا اس کے مطابق ان کی تاریخ وفات "واہ عاشق صادق برکت" ہوئی۔

حاضر ہوئے۔ صبح آٹھ بجے کا وقت تھا۔ حضور تالاب والی حویلی میں موجود تھے بہت سے نیاز مند بھی ساتھ تھے۔ حضور بسلسلہ دورہ کہیں جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ فیض بخش صاحب نے عرض کی۔ قبلہ بیعت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا تم پہلے بیعت ہو چکے ہو۔ فیض بخش صاحب اس بات کو نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے پھر عرض کی حضور تالاب کے قریب لکڑی کے ایک تخت پر تشریف فرما ہو گئے انہیں بیعت فرمایا۔ وظائف بتائے۔ بیعت ہونے کے بعد صوفی صاحب گھر واپس گئے تو والدہ بیچد خوش ہوئی۔

پچھلے سال کی قمیص موجود ہے

صوفی طفیل احمد صاحب فائق لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امیر حزب اللہ مدظلہ العالی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خاکی وردی میں ملبوس ہو کر جلالپور شریف عرس مبارک اور حزب اللہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حاضر ہونا تھا۔ کپڑا تباہ تھا۔ خصوصاً دیہات میں تو مشکل سے ملتا تھا۔ بہت تلاش کی۔ صرف اتنا خاکی کپڑا ملا جس سے پانچامہ تیار ہوا۔ پگڑی موجود تھی۔ مگر قمیص کے لئے کپڑا نہیں ملتا تھا۔ روانگی میں صرف ایک دن باقی تھا۔ اور صوفی صاحب کا دل نہیں چاہتا تھا کہ تعمیل ارشاد میں ذرہ برابر بھی فرق آئے۔ ملحقہ دیہات سے پتہ لگایا مگر ناکامی ہوئی۔ طبیعت سخت پریشان تھی۔ رستہ میں خریدنے اور سلوانے کا وقت ملتا محال تھا۔ مغموم ہو کر دوپہر کو لیٹ رہے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ذرا اونگھ آئی تو قبلہ عالم نے خواب میں فرمایا۔ طفیل احمد اس قدر مغموم اور حیران کیوں ہو جبکہ پچھلے سال کی قمیص گھر میں موجود ہے۔ بیدار ہو کر انہوں نے بیوی سے پوچھا جواب ملا یاد نہیں۔ وہ تو غالباً پرانی ہو کر پھٹ چکی ہے۔ صوفی صاحب نے کہا حضور کا ارشاد ہے۔ گھر میں ہر جگہ دھونڈو۔ تلاش کی گئی تو صندوق میں سے

اندر کر لیں حضور بھی بالا خانے سے محل شریف میں تشریف لائے۔ پھر کیا تھا
 زورق پر سوار ہو کر ساری رات مینہ برستارہ گیا۔ صبح ہوئی پھر بھی تھکنے
 کا نام نہ لیتا تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرنی تھی پانی ہی پانی۔ پھر شریف کی
 گلیوں میں بھی پانی کے دریا بہ رہے تھے۔ صوفی طفیل احمد موڈ بانہ محل شریف میں
 پہنچے۔ زمین بوسہ کے بعد وزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضور مسند مبارک پر تشریف فرما
 تھے۔ فرمانے لگے۔ کیا کل حاضری ہے؟ انہوں نے عرض کی بندہ پرورد حضور کو حاضری
 سے کیا آپ تالاب تراہیں۔ حضور ذرا مسکرا کر چپ ہو گئے۔ یا تو زور کی بارش تھی یا معاً
 تھم گئی۔ فرمایا۔ حاضر ہونا چاہئے۔ اس کے بعد چائے منگوائی۔ صوفی صاحب اور
 ان کے ساتھیوں نے پی۔ دریا عبور کرنے سے منع فرمایا۔ اور ایک شخص کو ہرن پو
 اسٹیشن پر سوار کرانے کا حکم ارشاد فرما کر انہیں رخصت فرما دیا۔

ہمارے خضر حیات کو بارگاہ نبوی میں راعوت پیشہ منظور کر لیا گیا ہے | صوفی خضر حیات

صاحب کے والدین کھیتی باڑی کرتے تھے۔ لیکن اپنی زمین نہیں تھی۔ حضور کے کرم سے
 جب فارغ البال ہوئے تو زمین خریدنے کا ارادہ کیا۔ لیکن برطانوی حکومت نے
 راعوت پیشہ اور غیر راعوت قبائل کی تقسیم کر رکھی تھی۔ غیر راعوت پیشہ اقوام
 زمین نہیں خرید سکتی تھیں۔ صوفی صاحب کی قوم کا غذات مال میں کھل ورج تھی۔
 لیکن کمل قوم ضلع جھنگ میں راعوت پیشہ شمار نہیں ہوتی تھی۔ علاقہ کے حاسد
 لوگوں نے بھی مخالفت شروع کر دی۔ حضور کی خدمت میں عرضداشت پیش ہوئی۔
 عرض کرنے والے صوفی صاحب کے ان پڑھ بھائی تھے۔ حضور نے صوفی خضر حیات
 کو فرمایا کہ یہ لوگ ان پڑھ ہیں۔ آپ درخواست دے دیں۔ اس کے علاوہ آپ نے
 دعائے خیر بھی فرمائی۔ مختلف مزارات گئے اور ان سے واسطہ پڑا۔ جب کبھی کسی سفر

اس سال تالاب لبریز ہوتا ہے یا نہیں | صوفی طفیل احمد فائق بیان کرتے

ہیں کہ ایک بار انہیں ۹ محرم الحرام
دولت پابوسی نصیب ہوئی۔ حضور نے نمازِ ظہر اداں وقت میں پڑھ کر قرآن مجید کی
تلاوت فرمائی۔ اور پھر اٹھ کر حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز، ثانی صاحب قبلہ اور
صاحبزادہ قائم الدین شاہ صاحب کے مزارات مقدسہ پر باری باری پھول چڑھائے
پانی چھڑکا اور فاتحہ خوانی کی۔ پھر پاکی پر سوار ہو کر بزرگانِ خاندان کے مزارات پر فاتحہ
پڑھنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ کافی عقیدتمند جلوں میں تھے۔ بڑے دنوں کے بعد حضور
جلالپور شریف مراجعت فرما ہوئے تھے۔ آپ جب تالاب کے پاس پہنچے
تو بہت سے لوگ نہا دھور رہے تھے۔ تالاب بھرا ہوا تھا لیکن پانی کناروں سے
قدرے نیچا تھا۔ حضور والا نے پنجابی زبان میں دریافت فرمایا کہ اس سال تالاب
تربیا نہیں (اس سال تالاب لبریز ہوا ہے یا نہیں) حضور عجیب شان سے پاکی مبارک
میں تشریف فرما تھے۔ طرہ مبارک کی آن بان کا کیا کہنا۔ پاکی بردار جلدی جلدی چل
رہے تھے۔ حضور کے استفسار کے جواب میں ایک نیاز مند نے عرض کیا: غریب نواز
بھریا ہے تربیا نہیں (بھرا ہے لبریز نہیں ہوا) حضور نے ذرا تر چھی نگاہ سے
آسمان کی طرف دیکھا۔ صوفی طفیل احمد کہتے ہیں کہ انہیں اسی وقت یقین ہو گیا کہ اب
تالاب لبریز ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیوں کہ کارکنانِ قدرت تو اولیاء اللہ کے اشارہ
آبرو کے منتظر ہوتے ہیں۔ حضور پہلے اپنے آبائی قبرستان میں تشریف لے گئے
پھر درویشوں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کی۔ فارغ ہو کر واپس لنگر شریف میں پہنچے۔
نمازِ عشاء کے بعد جب لنگر شریف تقسیم ہو چکا تھا۔ ہر ایک محو خواب ہو گیا۔ ہوا
میں کچھ جلس سا تھا۔ ویسے مطلع بالکل صاف تھا۔ نرم سی ہوا چلی۔ بادل کی ٹپکی ٹپکی
ٹکڑیاں آسمان پر نمودار ہو گئیں۔ بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ہر ایک نے چار پائیاں

شہرِ لعیث کے بادشاہ آ رہے ہیں | مودا نام ضلع جھنگ کا ایک شہر ہے۔

یہ شہر لعیث کے بادشاہ آ رہے ہیں اور غسل استنجی وغیرہ سے بالکل بے نیاز ہے۔ حجامت نہیں بنواتا۔ اور شہر روز دوڑتا رہتا ہے۔ بچے اس کے پیچھے ہوتے ہیں اور پتھر مارتے ہیں۔ کھانا پیتا بھی کھڑے کھڑے ہے۔ کوئی نوالہ منہ میں ڈالا کوئی کتوں کو پھینکا۔ کوئی بچوں کو دیا۔ صوفی خضر حیات کہتے ہیں کہ بار مودا مذکور حضرت امیر حزب اللہ کی لانگ شمالی تشریف آوری سے دوڑنے پہلے آ گیا۔ نئے کپڑے سلوائے۔ حجامت بنوائی غسل کیا اور کہتا رہا "شہر لعیث کے بادشاہ آ رہے ہیں۔ حضور کا ورود مسعود ہوا تو موٹر کے ساتھ دوڑتا تھا۔ فوراً مسرت سے بیتاب تھا اور کہتا تھا۔ سبحان اللہ شہر لعیث کے بادشاہ آ گئے۔ حضور سریر آرائے سجادہ ہوئے تو دوڑ کر دولت پابوسی حاصل کی۔ لوگوں کو کپڑے لانا تھا اور بیعت کرتا تھا۔ کھانے کے وقت حضور کے ساتھ حلقہ نشین ہو کر کھانا کھاتا رہا۔ یعنی طرح شہر لعیث کا احترام کیا۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی مجازیب کو حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرتے دیکھا ہے۔ جنہوں نے اعلان کیا کہ حضور نے ایک ہی نظر میں انہیں سلوک کی رُکی ہوئی منزلیں طے کرادیں۔

صوفی صاحب مذکور لکھتے ہیں کہ عرش بریں سے پنجتن پاک آ رہے ہیں | مہر فلک شیر بھروانہ بی۔ اے۔ ایل

ایل۔ بی۔ وکیل جھنگ نے حضور کی بیعت کی۔ مہر صاحب شیعہ عقائد رکھتے ہیں اور بڑے زمیندار ہیں۔ ان کے رشتہ دار معترض ہوئے کہ شیعہ ہو کر تو نے ایک سنی پیر کی بیعت کر لی۔ مہر صاحب نے انہیں بتایا ہم شیعہ لوگ سادات عظام اور پنجتن پاک پر زبردست عقیدہ رکھنے والے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو میں آپ کو تبادول کنس وقت امیر حزب اللہ پالکی سوار تھے۔ میں نے یہل سمجھا کہ آپ اس وقت عرش بریں

نے مخالفت کرنے کا ارادہ کیا تو صوفی صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور غریبؐ کو خواب میں دیکھا کہ ان پر روحانی تصرف ڈال رہے ہیں۔ ان کا ارادہ تو کچھ اور ہوتا تھا۔ لیکن انجام کار ان کی قلم صوفی صاحب کے حقی میں چلتی تھی۔ ایک سلمان افسر کو حضور نے خواب میں فرمایا تو کیوں مخالفت کر رہا ہے۔ ہمارے خضر حیات کو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زراعت پیشہ اقوام میں منظور کر لیا گیا ہے چنانچہ صبح اس نے مسل منگوا کر ان کے حقی میں سفارش کر دی اور فنا نشل کمشنر نے ان کی درخواست منظور کر لی۔

ہماری زمین کوئی نہیں لے سکتا | صوفی خضر حیات صاحب مذکور نے ایک زمین کا سودا کیا۔ غلطی یہ ہوئی کہ بائع سے

صرف بہ اقرار زبانی تحصیلدار علاقہ کے سامنے بیان دلوادیا۔ چونکہ اندراج میں کچھ غلطی تھی اس لئے انتقال اگلے دورہ پر ملتوی کر دیا گیا۔ مخالف لوگوں کو بتہ چل گیا انہوں نے بائع کو زیادہ رقم دے کر وہی زمین رجسٹری کرالی۔ صوفی صاحب کو بھی علم ہو گیا۔ انہیں سخت اندیشہ لاحق ہوا ممکن ہے پاکستانی افسر اقرار زبانی کو کوئی وقعت نہ دیں۔ پھر رشوت ستانی اور سفارش کا بھی دور دورہ ہے۔ مخالف لوگ چست چالاک، دولت مند اور رسائی والے بھی تھے۔ صوفی صاحب گھبرائے ان کا روپیہ ضائع نہ ہو جائے۔ عالم اضطراب میں چلتے جاتے تھے کہ یکایک حضور والا شان بنفس نفیس سامنے تشریف لائے۔ اور بڑے جلال سے فرمایا خضر حیات فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ زمین ہماری ہے۔ کوئی ہماری زمین نہیں لے سکتا صوفی صاحب مطمئن ہو گئے اور حضور کا وجود روحانی بھی پر وہ پوش ہو گیا۔ انہیں دنوں میں تحصیلدار صاحب آگئے اور مخالف فریق کی رسائی سے پہلے انتقال صوفی صاحب کے نام ہو گیا۔

کرنے کی آرزو ہے۔ اور مدینہ منورہ حاضری کا از حد شوق ہے لیکن جیب خالی ہے
یہ سعادت کیسے حاصل ہو۔ آخر میاں لال نے اصرار کیا کہ حضرت امیر حزب اللہ
کی خدمت میں لے چلیں۔ آپ مقبول بارگاہ ہیں حضور کی عاجز شکل کشائی کر دیگی صوفی
صاحب انہیں ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی زیارت حرمین
شریفین کے شوق بیتاب اور ان کی مفاسی کا ذکر کے دعائے خیر کہلائی۔ حضور نے فرمایا
اللہ تعالیٰ کو سب توفیق حاصل ہے۔ ضرور سعادت حاصل ہوگی۔ چنانچہ اسی سال
حج بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی حاضری نصیب ہوئی واپس ہوئے تو صوفی صاحب
کو ساتھ لے کر پھر جہلا پور شریف حاضر ہوئے اور سارے حالات بیان کئے۔
یہ بھی عرض کیا کہ ایک بار عرب حکومت نے ہم مسکینوں کو کپڑے جیل میں بند کر دیا تو
حضور غریب نواز وہاں خود تشریف لائے اور تسلی دی کہ تمہیں آج ہی
حکومت رھا دے گی۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ اسی دن ہمیں چھوڑ دیا گیا
اور ہم نے مراسم حج ادا کئے۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ میاں لال نے کہا اور کئی
مقامات بھی سفر حج کے دوران میں حضور غریب نواز نظر آئے حضور سن کر مسکرائے اور
خاموش رہے۔ میاں لال نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ صوفی خضر حیات کو بھی
مدینہ منورہ کی زیارت سے فیض یاب فرمایا جائے۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ خضر حیات کا
مدینہ منورہ یہیں ہے۔

۳ نومبر ۱۹۵۱ء کو جمعہ
سب طلب حاصل ہوئے ان باہوجے پیر نظر ایک تکے ہوئے کے روز حضور کا مقام

چاندیہ فراز ضلع جھنگ تھا۔ صوفی خضر حیات صاحب نے بڑا انتظام کیا ہوا تھا۔
کانی علامہ کرام اور حاجی صاحبان آئے ہوئے تھے حضور جیل بھٹیاں سے ساٹھ میل
کی مسافت طے کر کے ساڑھے بارہ بجے دوپہر موٹر پر تشریف لائے۔ اور جمعہ

سے نبی اکرمؐ، علی مرتضیٰؑ اور حسینؑ کی شان لے کر اترے ہیں۔ اس لئے میں نے
فی الفور سعادت بیعت حاصل کر لی کہ کہیں محروم نہ رہ جاؤں۔ یہ بات سن کر تمام
لاجواب ہو گئے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ انہوں نے اسی طرح کئی مقامات پر
شیعوں کو رضاکار حزب اللہ بنتے اور حضور کی بیعت کرتے دیکھا ہے۔

روشنی کا ہونا نہ ہونا ہمارے لئے برابر ہے | صوفی صاحب موصوف کو جلا لیا
شرف دولت پابوسی نصیب

ہوئی۔ رات کے وقت جب حضور اپنے معمولات سے فارغ ہوئے تو ایک مضمون
لکھنا شروع کیا۔ صوفی صاحب خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک بتی بجھ گئی۔ ان
یام میں حضور کا خاص خدمت گزار محمد اکبر درویش تھا جسے آپ اکو کہہ کر پکارا کرتے
تھے۔ آپ نے فرمایا اکو بتی ٹھیک کر کے لاؤ۔ بتی کے ٹھیک ہونے میں پندرہ
بیس منٹ لگ گئے۔ اس دوران میں حضور حسب سابق انہماک سے اندھیرے
میں لکھتے رہ گئے۔ صوفی صاحب صریح قلم سنتے تھے اور حیران ہوتے تھے۔ بتی
آئی تو حضور نے انہیں بکمال مہربانی سارا مضمون پڑھ کر سنایا جو بالکل صحیح تھا۔ حضور نے
مسکراتے ہوئے فرمایا۔ اگر بتی نہ آتی پھر بھی ہم بقیہ مضمون باطنی روشنی میں تحریر
کرتے رہتے۔ اور بتی کا ہونا نہ ہونا ہمارے لئے برابر ہے۔ سبحان اللہ

اے شہنشاہِ فلک منظر و بے مثلِ نظیر اے جہاندارِ کرم شیوہ و بے شبہ و عدیل
پاؤں سے تیرے لیے فرق ارادت اور رنگ فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکیل
تیرا انداز سخن شانہ زلفِ الہام تیری رفتارِ قلم جنبشِ بانِ جبیریل

حج بیت اللہ کے شرف سے نوازا | میاں لال قصاب ساکن چانڈیہ فراز
ایک فاقہ کش آدمی ہے۔ مگر بڑا

نیک ہے۔ صوفی خضر حیات صاحب مذکورہ بالا لکھے اگر کئی سال روتنا رہا کہ دل میں حج

کی طرف سے معافی مانگی۔ اور صلح کی کوشش کی جس مولوی صاحب کو پٹیا گیا تھا
 اس نے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ حضور نے معافی دے دی۔ لیکن وہ صوفی صاحب
 کو معافی دینے پر رضامند نہ ہوئے۔ آخر حضور نے جلال میں آکر فرمایا۔ مولوی صاحب
 خضر حیات بھی میں، گنہگار بھی میں، اور معافی بھی میں مانگ رہا ہوں
 جلال ولایت نے مولوی صاحب کو نرم کر دیا۔ نرمی پیدا ہوئی تو سعادت واریسی
 نے انہیں اپنے آغوش میں لے لیا۔ بے اختیار حضور کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ روزانہ شرف
 کر دیا۔ اور کہا میں نے خضر حیات کو دونوں جہانوں میں معاف کیا۔ اور تین بار کہا۔ اب
 صلح ہو گئی۔ اتفاقاً جلسہ میں آگئے تھے۔ مولوی صاحبان بھی محروم نہ گئے۔
 حضور نے صوفی صاحب کے متعلق جو الفاظ استعمال فرمائے تھے۔ انہوں نے
 تاقیامت ان کا درجہ بلند کر دیا تھا۔ اس کے باوجود حضور کے تشریف لے جانے کے بعد
 وہ ندامت، شرمندگی، مایوسی، نامرادی کے ملے جلے احساسات و جذبات کے
 باعث سخت مضطرب اور مضطرب تھے۔ اندر پڑے رہتے تھے۔ اور روتے رہتے تھے۔
 محسوس ہوتا تھا کہ دنیا بھر میں ان سے زیادہ بد قسمت انسان کوئی نہیں۔ پندرہویں
 دن یہی حالت رہی۔ عشق میں اضطراب یک طرفہ نہیں ہوتا۔ کسی کی شان کیری جوش میں
 آئی۔ روتے روتے ایک رات آنکھ لگی تو نگاہوں کے سامنے ذیلے رنگ و نور
 موجود ہو گئی۔ قلب و روح مسرور ہو گئے۔ غمزہ دل کنول کے پھول کی طرح کھل
 گیا بے چینی اور اضطراب کا نام و نشان نہ رہا۔ طمانیت قلبی بدرجہ وافر حاصل ہوئی
 وہ چیز ملی جس کے عمر بھر متلاشی رہے تھے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
 تشریف فرما ہوئے اور ان کے مکان کی غزلی جانب زمین پر ہی جلوہ آرا ہو گئے
 آنحضرت کے ساتھ اور بھی بہت سے سفید ریش بزرگ تھے۔ وہ بھی تشریف فرما ہو
 گئے۔ سامنے نظر گئی تو محفل قدس میں غریب نواز حضرت سید محمد فضل شاہ صاحب

کے لئے غسل فرمانے لگے۔ حضور ایک سچ کر پندرہ منٹ پر تیار ہو کر باہر تشریف لائے تو مولوی صاحبان نے عجلت سے کام لے کر نماز پڑھا دی تھی۔ حضور کا جمعہ قضا ہو گیا۔ آپ سخت دلگیر اور پریشان ہوئے۔ اور فرمایا۔ لوگوں نے ہمارا انتظار نہیں کیا۔ نماز جمعہ قضا ہو گئی۔ کوئی جلسہ وغیرہ نہیں ہوگا۔ ہم تھکے ہوئے ہیں۔ نماز پڑھ کر آرام کریں گے۔ حضور کا یہ انداز ناراضگی صوفی صاحب کے لئے صاعقہ آسمانی سے کم نہیں تھا۔ اس لئے بدحواس ہو کر باہر بھاگے۔ مولوی صاحبان سے اُلجھ پڑے اور ایک کوزہ و کوب بھی کیا۔ ایک انہیں مارنے کو دوڑا تو رضا کاروں نے اسے پیٹا برسمی ہاتھ پائی کی صورت اختیار کر گئی۔ اور اس کی وجہ و فور عشق تھی۔ عشق کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔ ایک عاشق صادق عرصہ سے انتظامات کر رہے تھے کہ رشک شمس و قمر حضرت امیر حزب اللہ سیٹھی پر جلوہ افروز ہوں گے۔ نظارہ عام ہوگا لکن داؤدی سامعہ نواز ہوگا۔ روح سرور کیفیت سے معمور ہو جائے گی۔ لیکن اب یہ ساری آرزوئیں مولوی صاحبان کی عجلت کے باعث پامال ہو گئی تھیں۔ جو محروم تمنا بامراد ہونے والا تھا اسے نامراد کر دیا جائے۔ تو وہ بدحواس نہ ہو تو اور کیا کرے صوفی صاحب نے اس ناجائز اقدام کو مولوی صاحبان کی شرارت پر محمول کیا۔ اور پھر بدحواسی میں صرف دست درازی نہ کی بلکہ اپنی بدقسمتی پر رو بھی رہے تھے۔ جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے بڑا شور پیدا ہوا۔ مولوی صاحبان تو ففروا ہو چکے تھے۔ عوام نے صوفی صاحب کے خلاف واویلہ شروع کر دیا۔ حضور نے جب اس شور و غوغا کو سنا تو صوفی صاحب کو بلا کر ناراض ہوئے۔ اور ایک طرف بٹھا دیا۔ حضور کی ناراضگی دیکھ کر یہ بیچارے اور زیادہ مغموم ہوئے۔ شرح سبکدوش سے آنسو ندی کی طرح رواں تھے۔ جیران تھے۔ مجھ پر کیا گزری۔ ادھر مولوی صاحبان تھانے میں رپورٹ کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ حضور نے انہیں بلا بھیجا۔ صوفی صاحب

یہ ایک بھرپور مکاشفہ اور روحانی تجربہ تھا۔ صبح ہو چکی تھی روتے روتے صوفی صاحب کی گھگی بندھی ہوئی تھی۔ سر ہانہ آنسوؤں سے تر پتر تھا۔ بدن پر اس قدر پسینہ آیا تھا کہ بستر نثر ابور ہو چکا تھا۔ مؤذن نے آذان کہی۔ اس آواز کو سن کر آنکھ کھل گئی۔ نظارہ غائب ہو گیا۔ صوفی صاحب آنسوؤں کرتے اور روتے تھے۔

آنکھ کھلتے ہی تصویر کار و پوش تھا پھر وہی میں تھا وہی دریا غم کا جوش تھا
اس خواب کے بعد صوفی صاحب کی تمام پریشانی جاتی رہی۔ اعنظراب اطمینان کی صورت اختیار کر گیا۔ صوفی صاحب نے حضور کی ذات سے خلوص اور محبت کا اظہار کیا۔ آزمائش کے وقت نہ صرف ثابت قدم رہے۔ بلکہ نتائج سے بالکل بے پرواہ ہو کر اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا۔ لوگوں کے لعن طعن سے بے نیاز ہو گئے۔ ایمان کامل کی یہی نشانی ہوتی ہے وَلَا يَخَافُونَ يَوْمًا لَا تُمْرَبُونَ بِهٖ مَوْتًا كَمِثْلِ مَوْتِ الْبَشَرِ
یہ آیت کریمہ ہے
یہ مومنین کا ملین کی نشاندہی کرتی ہے۔ عشق نے قربانی دی اور حسن نے نوزا۔ ذوق نواز فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضور بننا ڈالا اور اس شان سے کہ گھنٹوں صرف انہی کے لئے آغوش رحمت و ابرہی۔ مرشد کامل اسی کو کہتے ہیں۔ سلطان العارفين
حضرت باہر رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں سے

س سے روز سے سے نفل نمازاں سے سجدے کر کر تھکے ہو
سے واری مگے حج گزارمی تے دل دی دوڑ نہ مگے ہو
چلے چلیے تے جنگل بھوناں اس گل تھیں مول نہ پکے ہو
سب مطلب حاصل ہوون باہو جے پیر نظر اک تکے ہو

صوفی محمد شفیع اختر ولد میاں محمد عظیم ساکن
ریت کھانڈ بن گئی | ڈھانگری مرزا نر و تگہ جو گیاں ضلع جہلم پٹے مخلص

بھی حسب معمول براق اور خوبصورت لباس پہنے دستہ بستہ کھڑے تھے۔ دوسری جانب دونوں مولوی صاحبان بھی سخت نادم ہو کر کھڑے تھے۔ گویا ملزم کی حیثیت سے موجود ہیں۔ صوفی صاحب نے جب یہ نظارہ دیکھا تو دل ہی دل میں کہنے لگے

تعالیٰ اللہ چہ دولت دارم امشب کہ آمدنا کہاں دلدارم امشب
چمل دیدم منے زیبا سجدہ کردم بحمد اللہ چہ خوش کردارم امشب

دوڑے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور مقدس قدموں پر سر رکھ دیا۔ رقت طاری ہو گئی۔ زار و قطار رونے لگ گئے۔ رحمت مجسم نے دست شفقت صوفی صاحب کی پشت پر پھیرا اور نطق آراہ ہوئے۔ "خضر حیات کا کوئی قصور نہیں۔" مولوی صاحبان کو کیا حق حاصل تھا کہ فضل شاہ کے ہوتے ہوئے پیش امام بن کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد رحمت عالم نے حضرت امیر حزب اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "پیش امام ایسا ہو۔ جو صاحب عزت اور صاحب شان ہو۔" صوفی صاحب کی حالت عجیب تھی۔ انشراح ہی انشراح تھا۔ روتے تھے اور حضور سرور کائنات کے نورانی قدموں پر سر رکھ دیتے تھے۔ بار بار سر پر دست شفقت پھیرتے تھے۔ صوفی صاحب کی زبان فصیح اور بلیغ بن چکی تھی۔ از خود نعتیہ کلام وارد ہو رہا تھا۔ مرصع، مسجع اور مستغنی فقرات زبان سے نکل رہے تھے۔ جوں جوں حضور سید الانبیاء کی تعریف و توصیف بیان کرتے تھے۔ زبان اور رواں ہوتی تھی۔ خدا جلنے ہزاروں بار قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ ساری رات یہی کیفیت رہی۔ بڑے سکوت کے بعد جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ موجودہ وقت میں تمام عالم اسلام کے لئے ہم نے فضل شاہ صاحب کو بادشاہ، پیشوا اور رہنما بنا کر بھیجا ہوا ہے۔ ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور کی طرف اشارہ بھی فرمایا۔

حضور کے بیرون فانی منقلا

برادر طریقت ہیں۔ جب حضرت امیرِ حزب اللہ مدظلہ العالی کے حالات قلم بند کرنے کا فریضہ گراں
 راقم آتم کے سپرد ہوا تو دل میں بڑی گھبراہٹ ہوئی۔ موادِ نایاب تھا۔ انہی صوفی صاحب
 نے سب سے پہلے کافی مواد مہیا کر دیا۔ اس بات کا اعتراف پیش لفظ میں ہو چکا ہے لیکن کام کھانے
 والے کی ہمت افزائی کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ وہی ہمت افزائی دراصل کام کو بخیر و خوبی انجام
 دینے کا موجب بنتی ہے۔ اس لئے اختر صاحب کا بندہ سید ممنون احسان ہے وہ اگر حضور کا مجموعہ مقالات
 و خطبات نہ لادیتے اور اپنا روزنامہ حوالے نہ کرتے تو تصنیف کا کام شروع ہی نہ ہو سکتا۔ اور معلوم
 نہیں کیسے انجام پاتا۔ اس لئے جن کی حوصلہ افزائی اس مبارک کتاب کو شروع کرنے کا سبب بنی اسے
 ختم کرتے ہوئے بھی اظہارِ امتنان و تشکر کے لئے انہی کے روزنامہ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

صوفی صاحب موصوف ۲۷ جولائی ۱۹۳۶ء مطابق ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۵۶ھ کو رقم طراز

ہیں کہ اس سال حضور دورہِ حزب اللہ کے سلسلہ میں چراہِ تشریف لے گئے۔ ایک ٹھہرا کی طرف سے دعوت
 تھی۔ بارش تھی اس لئے حضور پورے قریب سیشن قیام فرمایا۔ بڑھیا بیچاری بڑی مایوس ہوئی
 قاضی غلام فرید صاحب نے ایک کوٹھڑی میں ریت رکھ دی تھی تاکہ حضور بوقتِ ضرورت رفع حاجت فرما
 سکیں۔ مگر حضور نے اس ریت پر رفع حاجت بھی نہ فرمائی۔ بڑھیا کہتی تھی اگر قیام یہاں نہیں ہوا
 تھا تو کم از کم اس ریت پر پیشاب فرما لیتے۔ یہ بھی عظیم شرف تھا۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ ہفتہ
 کے بعد اس گاؤں والے ایک آدمی کو درد ہو گیا۔ ٹکڑے کے لئے ریت کی ضرورت پڑی۔ بڑھیا نے کہا میرے گھر
 موجود ہے مایوسی کی وجہ سے اس نے ابھی تک کوٹھڑی کو بند پڑا رہنے دیا تھا۔ ریت کے لئے اب کھولا
 تو کیا دیکھتی ہے وہاں تو خالص کھانڈ موجود ہے۔ بڑھیا بے حد خوش ہوئی۔ کہتی تھی میرے دل میں سخت
 افسوس تھا کہ حضور نے میری استدعا کو رد فرما دیا اور قیام نہ فرمایا۔ لیکن آج مجھے سب کچھ مل
 گیا۔ جب ریت کھانڈ بن گئی ہے تو اور کیا فیوض حاصل نہ ہوئے ہوں گے۔ اس لئے تمام کھانڈ
 تبرک کے طور پر گاؤں میں تقسیم کر دی اور ملکوال کے مقام پر پہنچ کر خوشی سے سارا ماجرا حضور
 کی خدمت میں بیان کیا۔ آپ نے سُن لینی ان سُننی کر دی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب نم

خدائی آواز

آج سے پورے تینیس سال پہلے اس فقیر کی بظاہر محدود مگر حقیقتاً وسیع دنیا کے ایک انقلاب عظیم رونما ہوا۔ ہدایت و رشد کی تمام راہیں مجھ پر کھول دی گئیں۔ مناظر قدرت جنہیں پہلے سرسری نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ بصیرت کی آنکھیں کھل جانے سے اپنی پوری رعنائی و زیبائی کے ساتھ میرے سامنے جلوہ گر ہو گئے۔ مظاہر فطرت جن کی بوقلمونی اور عجوبہ روزگاری پر ایک ہلکی سی چلمن پڑی ہوئی تھی۔ دست شوق نے اس کو ہٹا دیا۔ اور کمال زیبائش اور آرائش کے ساتھ صاف طور پر مجھے نظر آنے لگے۔ آنکھیں پہلے ہی روشن تھیں۔ مگر ان کی قوت بصارت بڑھادی گئی۔ گناہ پہلے ہی سننے والے

۱۰ یہ حضور کے ۱۹۵۱ء کے خطبہ صدارت کا اقتباس ہے۔

در پس آئینه طوطی صفتم داشته اند
آنچه استاد ازل گفت بهماں و محمدیم

میں حوصلہ شکن اور صبر آزما ہوگا۔ اور بعض میں ہمت افزا اور اطمینان بخش۔

لیکن یہاں تو صرف تحدیثِ نعمت مطلوب تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ خدائی آواز جو ہمیں ماضی کی داستانیں سنا کر اصلاح حال کرنا چاہتی ہے اور جس کا منتہائے مقصود انسانی مستقبل کو سنوارنا اور اقوام و ملل کے سامنے ایک بہترین لائحہ عمل پیش کرنا ہوتا ہے۔ موجودہ وقت میں اس کی پکار کیا ہے؟

یہ خدائی آواز وہی ہے جو فاران کی چوٹیوں پر سنی گئی۔ جبل بو قیس پر اس کی گونج پیدا ہوئی۔ اور حرم مکہ، غار حرا اور مسجد نبوی کے اندر اس کے دلکش ترنم اور سامع نواز نے ایمان پر ور قلوب کے اندر ارتعاش پیدا کر دیا۔ اور ان کے سارے جسم خون و رجا کے دو گونہ اثرات سے تھر تھرانے لگے۔

قدرت نے فتویٰ دیا۔ فطرت نے اسے دہرایا۔ انسانیت نے اسے قبول کیا۔ روحانیت نے اس پر تصدیق ثبت کر دی کہ وراثتِ ارضی کے مالک صالحین ہیں اور جس قوم کے اندر صلاحیت بقا موجود نہ رہے اس کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ اور جس قوم کے توانے عمل مضبوط ہوں اس کے ارادے اور حوصلے بلند ہوں، اس کے عزائم قوی ہوں۔ ایثار اور قربانی اس کا شیوہ ہو اور سرفروشی و جانبازی اس کا و طیرہ۔ اس کو بقائے دوام، سر بلندی اور کامیابی حاصل ہوگی خدائی آواز آئی کہ ہم کسی قوم کو مٹانا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر وہ اپنے مٹ جانے کے پلے ہو جائے تو ہم اس کی مدد بھی نہیں کرتے۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے کہ آگے بڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحمت کے دروازے بند کر دیے جائیں۔

میں نے دیکھا کہ سب آگے بڑھنے والی قوم سب پیچھے رہ گئی ہے۔ مسلمان جو اگلا علوٰن کا لقب لے کر آیا تھا۔ اب احساس کہتری کا شکار ہو کر سب سے نیچے

تھے۔ مگر قوت سامعہ میں اضافہ ہو گیا۔ دل پہلے ہی سے حساس واقعہ ہوا تھا۔ مگر
 یکایک تقاببت سے بھرپور ہو گیا۔ اور یہ تمام نعمتیں جو مجھے حاصل ہوئیں۔ اکتسابی نہیں
 تھیں۔ بلکہ وہی اور عطائی۔ ان کا حصول بتدریج و امہال نہیں ہوا بلکہ مَرَّةً وَاحِدَةً
 آنکھ چھپکتے دیر لگتی ہے۔ مگر ان کے میسر آنے میں کوئی وقت صرف نہیں ہوا۔ اور دوسرے
 الفاظ میں یہ ایک حقیقی معجزہ تھا۔ اور بدیہی کرامت کہ دیکھتے دیکھتے قلب ماہیت ہو گئی
 دماغ کے اندر بجلی جیسی چمک پیدا ہوئی جس نے سارے جسم کو منور کر دیا۔ دل کے اندر ایک
 نورانی شعاع ڈالی گئی جس سے کہ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

میں نے اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں دیکھا۔ مسلمانوں کا مستقبل شروع میں
 دلخراش، غم انگیز، ستم زرا مگر آخر میں راحت آمیز، فرحت خیز و انبساط در آغوش
 آج سے تیس سال پہلے میں نے انہی آنکھوں سے مشرقی پنجاب، ریاستہائے
 چھلکیاں، دہلی بہار، گڑھ مکتیشتر، حیدرآباد دکن، کلکتہ وغیرہ کے خونیں مناظر دیکھے۔
 ملت مرحومہ کے لاکھوں فرزند خاک و خون میں تڑپتے نظر آئے۔ میں نے انہی کانوں
 سے زخمیوں کی چیخ پکار، مرنے والوں کی زعمی سسکیاں، یتیموں کے نالے اور
 بیواؤں کی آہیں سنیں۔ ہولی کا تہوار چند دن ہوئے گزر چکا ہے۔ جبکہ ہندوستان
 کے اندر بسنے والے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ اور یہ سلسلہ تین چار سال سے
 برابر جاری ہے۔ مگر میرے لئے یہ چیز مطلقاً تعجب انگیز نہیں۔ جبکہ یہ جاں گزار، روح سل
 اور لرزہ بر اندام کرنے والے نظارے میں عالم تخیل میں نہیں بلکہ جہان تکوین میں پہلے
 دیکھ چکا ہوں۔ ابھی بہت سے واقعات متضاد حالات کتیم عدم سے منصفہ شہود پر
 آنے والے ہیں جن کا عوام کو علم نہیں۔ مگر مجھے ان کا علم ہے۔ جن کا ظہور بعض صورتوں

لے یہاں ان فسادات کا ذکر ہے جو ہندوؤں نے تقسیم ملک سے پہلے اور بعد مسلمانوں کا صفایا کرنے
 کر لئے نپا کئے۔ ۱۲

دیکھ لیا۔ اور بنی نوع انسان کو راہِ راست پر چلانے والی تعلیم کے رموز و نکات میرے
 ذہن نشین ہو گئے۔ پھر میں نے اسی خدائی آواز، اسی پیغامِ حق، اسی ندائے
 ایقان کو لوگوں کے کانوں تک پہنچانے کی خاطر ہر سال مسلسل اور طویل دورے
 کئے۔ جہاں تک میری زبان نے میرے خیالات و جذبات کی ترجمانی میں میرا ساتھ
 دیا۔ اس سے کام لیا۔ اور اس ساری تکلف و دو، اس ساری کوچہ و صحرا لودھی، ان
 سارے دوروں، ان ساری تقریروں، ان سارے جلسوں سے مقصد یہی تھا کہ
 خدا کے بندوں کو خدائی آواز سنا کر انہیں خدا کا بنایا جائے۔ اور جب وہ صحیح
 معنوں میں خدا کے بن گئے تو پھر خدا کی ساری کائنات کے وہ مالک ہو جائیں
 گے۔ اور خدا کی حفاظت میں آجانے والوں پر کوئی دشمن، کوئی غنیم غالب
 نہیں آسکتا۔

چلا گیا ہے۔ اور اس کی غلط روی اور کج رفتاری کی صرف ایک وجہ تھی کہ اس نے ساری آوازیں سننے کے لئے اپنے کان کھول دیئے مگر خدائی آواز سننے کے وقت کانوں میں روئی ٹھونس لی وہ دنیا بھر کے عجائبات دیکھنے کے لئے بیتاب رہا اور ہر چیز کا تہیہ سے مطالعہ کیا۔ مگر مناظر قدرت و محاسن فطرت جب اس کے سامنے آئے تو اس ظلوم و جہول نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اس نے اپنی بیماریا کلفتوں اور مصیبتوں کا اظہار بہرہ راہگیر کے سامنے کیا مگر شافی مطلق، مسبب الاسباب مصیبتوں سے نجات دلانے والے، تکالیف رفع کرنے والے حکیم علی الاطلاق کی درگاہ عالیہ کی طرف جانے میں اس نے ہچکچاہٹ محسوس کی اور وہ اس کے آستانِ قدس پر اظہارِ عجز کے لئے فرصت نہ نکال سکا۔

اس بغاوت و سرکشی کی سزا ملنی مستلزم تھی اور ان کوتاہیوں اور غلطیوں کا اٹھانا لازم۔ پھر وہی کچھ ہوا جو ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ حکومت گئی، عزت گئی، دولت گئی، رعب گیا، اقتدار گیا، اور مسلمان کو عرش سے اتار کر فرش پر پھینک دیا گیا۔

خدائی آواز پر کان نہ دھرنے والوں پر خدا کی بے آواز لاٹھی پڑی۔ اور انہیں بہ یک بینی و دو گوش خلافت ارضی، تاج و تخت، حکومت و سلطنت سے محروم کر دیا گیا۔ اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو ان پر مسلط۔ جنہوں نے باقی کسر بھی نکال دی۔ اور ہندوستان کے اندر فاتح مسلمان مفتوح اور آقائی اقتدار رکھنے والا غلامی کی لعنت میں مبتلا ہو گیا

میرے کان چونکہ حقیقی سماعت رکھنے والے تھے۔ میری آنکھیں چونکہ حقیقت میں واقع ہوئی تھیں۔ اور میرا دل دانائے راز۔ اس لئے میں نے خدائی آواز کو پوری توجہ سے سنا۔ قدرت کے غیر مرئی مگر نشان منزل دینے والے ہاتھ کے اشاروں کو

میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے انفاس قدسیہ کی برکت سے دنیا میں تہذیب و
 شائستگی، مدنیت و عمرانیات پھیل جاتی ہے اور بد امنی کی جگہ امن، ظلم کی جگہ
 انصاف، بد اخلاقی کی جگہ خوش اخلاقی لے لیتی ہے۔ اور وہی زمین جو اپنے ساکنین
 کی بے اعتدالیوں، ستم شعاروں اور بے راہ رویوں سے تنگ آ کر چیخ پکارا، جمع
 و فزع کر رہی تھی۔ اپنے بسنے والوں کی اعتدال پسندی اور بلند سیرتی سے فخر و
 سبابت کرنے لگتی ہے۔ اس قسم کے واقعات فلک پیر نے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں
 دفعہ مشاہدہ کئے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اس وقت سے چل رہا ہے جب سے دنیا
 قائم ہے۔ اور اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک کہ دنیا موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہمیشہ ایسے زمانوں میں ہوتی رہی ہے جبکہ خداوند
 کریم کو ایک قوم کی ہدایت منظور ہوئی۔ اور ایسی قوم سے ایک ایسے فرد کو اپنا
 پیغام عمل پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا جو اس امانت کے تحمل کی صحیح اہلیت رکھنے
 والا ہوتا۔ ہمارے انتخاب میں کسی غلط فہمی، کسی جلد بازی اور کسی ہنگامی اور وقتی
 تاثر کا امکان ہو سکتا ہے۔ لیکن قدرت کی نگاہ انتخاب حقیقت میں اور دور رس ہوا
 کرتی ہے۔ اور اس کا انتخاب بہترین انتخاب ہوا کرتا ہے۔

نبوت و رسالت کی تشریح

نبوت و رسالت کے متعلق یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ چیزیں اکتسابی نہیں
 ہوا کرتیں۔ بلکہ وہی اور عطائی ہوتی ہیں۔ کوئی شخص خود بخود اگر متقی بنا چاہے
 پرہیزگار بنا چاہے۔ قوم کا راہنما بنا چاہے تو بن سکتا ہے۔ لیکن نبی اور رسول
 نہیں بن سکتا۔ دنیا بھر کے اوصاف اپنے اندر پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن نبوت
 اور رسالت کے انوار نہیں پیدا کئے جاسکتے۔ بلکہ جس فرد کو قدرت اس کا اہل

تذکار بیع الاول

ما ان مدحت محمد ابقتی لکن مدحت مقالتی به محمد

قانون قدرت

یہ ایک قانون قدرت ہے کہ جب زمین پر کفر و الحاد، شرک و طغیان نسبتاً
 فحور کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا جائیں۔ انسانیت کی جگہ ہیمنیت لے لے۔ شیطانی
 اور اہر منی طاقتیں غلبہ و استیلا حاصل کر لیں، ظلم و عدوان کا دور دورہ ہو۔
 فساد و عناد کی گرم بازاری ہو۔ دنیا میں وحشت و بربریت کا ایک طوفان برپا ہو
 جائے تو اس یاس و قنوط کی حالت میں جب مظلوم کی چیخ پکار سننے والا کوئی نہیں
 رہتا۔ جب امن کا دیوتا مانعوتی شرانگیزیوں کی تاب نہ لا کر گنہگار کے پردے میں سوپا
 ہو جاتا ہے۔ اور جب شیطانی طاقتیں ہر ایک قسم کے مستح ہو کر اخلاق و ایمان
 کی بسنیوں کو غارت و برباد کرنا شروع کر دیتی ہیں تو ہدایت کا سپریمہ کسی سنگلاخ
 قطعہ ارض سے پھوٹ نکلتا ہے۔ جو کہ اپنی رو میں بد اعتقادوں اور بد عملیوں کے تمام
 حسن و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے۔ اسلام کا سورج طلوع ہوا کرتا ہے جس کی لامہ
 افروزی اور ضیاء ریزی سے تمام ظلمات دور ہو جاتے ہیں۔ ہر قسم کی تاریکیاں رفع ہو
 جاتی ہیں جس کی باصرہ نواز روشنی میں ہر ایک چیز اپنی اصلی ہیئت ترکیبی میں نظر آنے
 لگتی ہے۔ اور انسانی پیکر میں ایک فرشتہ رحمت آتا ہے اور اپنے بہترین اقوال و
 افعال، اپنے اخلاق و کردار اور اپنے محیر العقول کارناموں سے پہلے دنیا والوں کو
 محو حیرت اور استعجاب بنا دیتا ہے۔ اور پھر اپنی روحانی کشش و انجذاب سے لوگوں
 کے دلوں میں ایک بے برست تغیر، طبیعتوں میں ایک بہت بڑا انقلاب اور ذہنی

جو کسی کالج یا مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر نہیں نکلے۔ اور جنہیں فلسفہ اور سائنس سے کبھی دور کا واسطہ بھی نہیں رہا۔ خالق الکائنات کے منظور نظر ہو کر عالم الغیب والشہادۃ سے بلا واسطہ معلومات حاصل کر کے اور متصرف حقیقی کے تصرف سے بہرہ اندوز ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں تو بارش برسے لگے۔ انگلی کا اشارہ کریں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے، پتھر بولنے لگیں، درخت جھکنے لگیں۔ عصا اڑو ہا بن جائے دستِ شفقت پھیرنے سے اندھے سجا کھے ہو جائیں۔ مجذوم تندرست ہو جائیں بلکہ مرے زندہ ہو جائیں۔

در اصل یہی وہ ماہہ الامتیازات ہیں جن سے ہم نبی اور منتہی رسول اور شعبدہ باز، پیغمبر اور جادوگر میں فرق کر سکتے ہیں۔ اور آج اکثر معترض یہ کہتے ہیں کہ خرق عادت محال ہے، غیر مری اور غیر محسوس غیر موجود ہے۔ تو انہیں کہنے دیں۔ انسانی کمزوریوں میں سے سب سے بڑی کمزوری یہی ہے۔ الناس اعداء بما هم جاہلون کے مطابق جہاں علم عدم سے عدم علم کا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے وہاں اگر خورساختہ نبی تاویلات سے کام نہ لیں تو اور کریں ہی کیا۔ جب کہ ان کے پاس اپنے بے سرو پا دعاوی کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ ان میں اور ایک دوسرے شخص میں قطعاً فرق نہیں۔ حالانکہ نبوت اور رسالت کا منصب بے حد رفیع ہے اور اس کے ساتھ معجزات و خرق عادت کا ہونا مستلزم۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

انبیاء علیہم السلام کی بعثت حالات زمانہ کے مطابق ہوتی رہی

اگر باب رسالت و نبوت پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اُس زمانہ کے لوگوں کے حالات کی اصلاح ہوا کرتا

سمجھتی ہے صرف اس پر یہ راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ ہر انسان اپنے وجود میں
 سینہ اور اس میں حرکت کرنے والا دل رکھتا ہے۔ مگر انشراح صدر ہر ایک کا
 نہیں ہوا کرتا۔ ہر ایک دیکھنے والی آنکھ اپنے گرد و پیش کی چیزیں دیکھ لیا کرتی ہے
 اور پھر بصارتوں میں علی قدر مراتب تفاوت بھی ہے۔ مگر دوربین کی مدد کے بغیر
 سینکڑوں اور ہزاروں کو اس تک دیکھنے والی آنکھ بہت کم نظر آئے گی۔ ہر ایک
 کان اگر وہ قوتِ سماعت سے عاری نہ ہو، چھوٹی بڑی آوازیں سن سکتا ہے۔ مگر عرب
 میں بیٹھ کر پیکین کے بازاروں میں پھرنے والی لڑکیوں کے پازیموں کی جھنکار سننا
 کارے دار و بیہی وہ خصوصیاتِ نبوت و رسالت ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک
 سہیم نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں۔ موجودہ سائنس کے زمانہ میں بہت سے
 مفروضات اب واقعات کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اور بعدیت مکان و زمان اب
 رفتہ رفتہ زائل ہو کر قرب و جوار کی صورت حاصل کر رہی ہے۔ باینہم عقلیات
 و نظریات سے بلند و بالا ایک روحانیت کا عالم بھی موجود ہے۔ جس طرح ہم
 اور تم موجود ہیں۔ وہاں بھی بے تاریقی اور لاسلکی کے سیشن قائم ہیں۔ وہاں بھی
 مخصوص الفاظ و اشارات سے تبادُلہ خیالات ہوا کرتا ہے۔ وہاں بھی سریع السیر
 اور فلک پیما ہوائی جہاز پائے جاتے ہیں۔ وہاں کے رہنے والے بھی ہوا پر
 قابض و متصرف ہو کر اپنا تخت اس کے کندھوں پر رکھ کر چل دیا کرتے ہیں۔ اور
 اس سے بڑھ کر یہ کہ سائنس دان اتنے ایجادات و اختراعات اتنی فہم و فراست
 اور اتنے تدبیر و تفکر کے باوجود نظام کائنات میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ قدرت
 کے کارخانہ میں ان کی آواز طوطی کی آواز سے بھی کم درجہ رکھتی ہے۔ اور وہ راز کائنات
 کو سمجھنے سے اسی طرح عاری ہیں جس طرح کہ ایک عامی سے عامی شخص۔ لیکن وہ متقدم
 ہستیاں جن کا زانوٹے شاگردی کبھی کسی ظاہری استاد کے سامنے نہ نہیں ہوا۔

تھا۔ اور جس قوم میں جس قسم کی خرابیاں رونما ہو جایا کرتی تھیں۔ اس زمانہ کے نبی اس قسم کی تعلیم لے کر آیا کرتے تھے جس سے ان کا ازالہ و اندفاع ہو سکے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو ٹونے کے لوگ بے حد معتقد تھے۔ اور یہ چیزیں اسلامی عقائد کے خلاف ہیں۔ اہل لٹے ان کی تعلیمات اور معجزات زیادہ تر البطلانِ عمر سے متعلق نظر آتے ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ علم و ہنر کا زمانہ تھا فلسفہ و حکمت اور تشریح علم الابدان کا زمانہ تھا۔ یونانی حکما کے پیش کردہ نظریات لوگوں سے خراج تحسین وصول کر چکے تھے۔ اس لئے وہ ایسے معجزات لے کر آئے۔ ایسے ایسے کمالات دکھائے جن سے عامۃ الناس سے قطع نظر بڑے بڑے ماہر فلاسفر اور حکیم بھی انگشت بندھاں رہ گئے۔ اور جو مریض کہ یونانی اطباء کے متفقہ اور مسلسل و پیہم کوششوں اور علاج سے تندرست نہ ہو سکے وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ لگانے سے بھلے چنگے ہو گئے۔ حیات مابعد الموت جسے یونانی مبصرین ناممکن العقل ثابت کر چکے تھے۔ انفاس عیسوی نے ممکن الوقوع کر دکھلایا

عرب کی ساری شعریت، ساری قاور الکلامی، فصاحت و بلاغت قرآن حکیم کے اسچیلنج یا دعوتِ مقابلہ کے سامنے ختم ہو گئی کہ فاتوا بسورۃ من مثله ان کنتم صدقین ہ کہ اگر تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن حکیم خدا کا کلام نہیں تو اس جیسی ایک سورۃ تو بنا لاؤ۔

یہ باتیں تو اظہارِ تفوق اور برتری کیلئے ہیں اور ان سے مقصود محض الفین کے دعائیہ باطلہ کا بطلان اور ان کے غرور و تجرنا کا سر نیچا کرنا تھا۔ ورنہ اگر مزید غور و فکر سے کام لیں تو انبیاء علیہم السلام فطرت انسانی کے صحیح نبائن کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے۔ اور جس قسم کی روحانی بیماریوں میں اس زمانہ کے لوگ مبتلا تھے۔ اسی قسم کے نسخ انہوں نے تجویز فرمائے۔ جن کے استعمال سے ان کی تمام بیماریاں کافور ہو گئیں

کامل انسانیت کا درجہ بلند کرنے کی خاطر اپنے قدوم مسیحت لزوم سے خطہ ارضی کو مشرف فرمائے۔ اور نمونہ کا شخص آکر اپنی پاک سیرت، اپنا بہترین کیریئر اور اپنے بلند اخلاق کے لوگوں کے سامنے ایک عملی مثال پیش کرے۔ ہر زمانہ کے بلیوں نے اپنی اپنی امتوں کو ایک مقدس و جامع الصفات ہستی کے ظہور کی بشارت دی ہر ایک الہامی کتاب میں اس کے آنے کی پیش گوئی موجود تھی۔ بالآخر جب دنیا کا پیمانہ انتظار لبریز ہو گیا، جہاں گناہوں اور معصیتوں سے بھر گیا اور ہدایت کی تمام شمعیں بجھ گئیں۔ کفر اور شرک کے اندھیروں سے عالم سفلی تیرہ و تار ہو گیا۔ اور عالم علوی کے ساکنین بنی آدم کی سفایوں اور خوریزیوں اور بد معاشیوں کو دیکھ کر تھرا اٹھے تو عرب پر چھائی ہوئی جہالت اور بت پرستی کی گھاؤں سے آفتاب ہدایت نے جھانکا۔ اس کی تیز شعاعوں سے سیاہ بادل بیک بیک چھٹ گئے۔ سارے طوفان تھم گئے۔ فضائے بسیط میں موج کی جگہ خوشکوار سکون پیدا ہو گیا۔ مدینہ کے چاند نے بطحا کی وادیوں سے طلوع کیا اور اپنی سرور انگیز، طرب افزا اور روح پرور لطیف چاندنی سے سارے جہاں پر ایک وجد آفریں کیفیت طاری کر دی۔

انقلاب عظیم

اس کے ظہور پر نور سے دنیا میں ایک عظیم انقلاب رونما ہو گیا۔ وہ انقلاب شخصی اور نوعی انقلاب نہ تھا۔ بلکہ قومی اور مذہبی، تمدنی اور معاشرتی انقلاب اقتصادی و سیاسی انقلاب، ذہنیوں کا انقلاب، طبیعتوں کا انقلاب، اخلاقی و اطوار کا انقلاب، طریق معاشرت و طرز بود و ماند کا انقلاب، ایک ایسا عجیب و غریب انقلاب جس کی نظیر پیش کرنے سے اوراق تاریخ عاجز اور مورخین بے بس ہیں۔ اس کے ورود سے پہلے انسان انسانیت سے محروم تھا۔ اور ہیبت

رسولوں کو ہم نے بعض پر فضیلت اور ترجیح دے رکھی ہے بحیثیت رسول اور نبی ہونے کے سب برابر ہیں۔ لافوق بین احد من رسلہ اور اسی پر ہمارا ایمان ہے لیکن درجہ اور بزرگی میں تفاوت موجود۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لیں کہ بحیثیت ڈاکٹر ہونے کے سب مساوی ہیں اور ڈاکٹری کی ڈگری رکھنے والے بلحاظ استعداد علمی یکساں۔ لیکن تجربہ اور تشخیص کے اعتبار سے ان کے درمیان فرق ضرور ہوا کرتا ہے۔ پھر ڈاکٹروں میں کئی ایک بعض امراض کے سپیشلسٹ (ماہر خصوصی) ہوا کرتے ہیں۔ کہ گو وہ علاج تو تمام امراض کا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک مرض کے اسباب و علل کا بخوبی مطالعہ کر لینے کے بعد اس میں انہیں خصوصی مہارت نامہ ہو جایا کرتی ہے۔ اور یہی حال انبیاء علیہم السلام کا تھا کہ بحیثیت طبیب روحانی وہ تمام روحانی امراض کی کیفیت سے واقف تھے۔ لیکن اس زمانہ میں جو مرض متعدی صورت میں پھیلا ہوا تھا اس کا علاج کرتے کرتے انہیں اس میں ایک خاص قسم کی مہارت پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس مرض کے علاج کے وہ ماہر خصوصی ہوا کرتے تھے۔

آنچہ خوباں ہمہ دار مذلو تنہا داری

لیکن دنیا کو ایک ایسے معالج کی ضرورت تھی ایک ایسے حکیم کی تلاش تھی۔ اور ایک مصلح کی احتیاج جو کہ تمام انسانی بیماریوں کا علاج کر سکتا ہو۔ جس کے دار الشفا سے کوئی مریض بھی مایوس نہ جائے۔ جس کے دفتر حکمت میں جملہ علل و اسقام کے مجرب اوتیر بہد ف نسخے موجود ہوں۔

ہر زمانہ میں مصلحین اور ریفارمر، رشی، مہارشی، اوتار اور دیوتا۔ بلکہ اس

سے بڑھ کر نبی اور رسول علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوتے رہے۔

مگر ان کی بعثت الگ الگ ملک، الگ الگ جماعت، الگ الگ فرقہ کے

ساتھ مخصوص رہی۔ دنیا بے تابی سے منتظر تھی کہ ایک مصلح اعظم آئے۔ ایک انسان

چاندنی بارش اور لطیف ہے۔ ستارے اس لئے جاذب توجہ تھے کہ وہ ان گنت تھے اور چمکنے والے۔ اسی پر اکتفا نہیں۔ انسانی تخیل نے اپنے ہاتھوں سے بت تائے اور انہیں کے آگے سر بسجود ہو گیا۔

درختوں کی پوجا ہونے لگی۔ سانپوں اور کچھوؤں کی پوجا ہونے لگی۔ گائے کی عظمت اور تقدیس قائم ہو گئی۔ اور معلوم نہیں یہ گمراہ کن دور اور شرک و معصیت کتنی دیر تک برقرار رہا کہ آفرینندہ عالم کو اپنی مخلوق کی اس گمراہ روی پر رحم آگیا۔ اور اپنے آخری پیغامبر کی زبانی مخلوق کو پہلے ان الفاظ میں تنبیہ کی گئی:

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ بَلْ تَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ

ان كانتم آية تعبدونہ

کہ نہ سجدہ کرو سورج اور چاند کے سامنے۔ بلکہ اس خدائے قدوس کے آستانِ جلال پر جنہیں نیاز رکھو جس نے کہ ان کو پیدا کیا ہے۔ اگر تمہارا ضمیر اس کی پرستش کی رہنمائی کر رہا ہو۔ اور پھر انسان کو اس کی اعلیٰ اور حقیقت سے واقف بنکر بتلایا گیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز سے پیدا کیا ہے اور ساتھ ہی وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ کہ ہم نے بنی آدم کو دوسری تمام مخلوقات پر مجد و شرف امتیاز و افتخار عطا فرمایا ہے۔ اس طرح عزت و تکریم کا تاج فضیلت انسان کے سر پر رکھ دیا گیا۔ اس کی خلقت و پیدائش کی نکتہ غائی و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدونہ کے حسب ارشاد عبادت و انابت رکھی گئی۔ اور اسے تسلیم دینی لینی کہ کائنات اور اس کی ہر چیز تمہاری خاطر بنائی گئی ہے۔ مگر تمہاری تخلیق محض اس لئے عمل میں آئی کہ تم خالق کائنات کے سامنے ہمیشہ سرنگوں رہا کرو۔ تمہاری جہین عقیدت صرف ایک چوکھٹ پر گرے، جانے۔ تمہارا سر نیاز اگر کسی کے آگے جھکے تو وہ ایک ہی

و وحشت کا نمونہ۔ اس نے آکر انسانیت کا تاج انسان کے سر پر رکھ دیا۔ اسے انسانیت کی صحیح معنوں میں تعلیم دی۔ ایک طرف خالق کے ساتھ اس کا لوٹا ہوا رشتہ جوڑ دیا۔ اور دوسری طرف مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرنے کے اس کو طور طریق سمجھانے اس کی تعلیم کا لب لباب الطاعة لامر الله والشفقة على خلق الله - خداوند کریم کے احکام کی متابعت اور مخلوق خدا سے حسن معاملت میں مرکوز ہے۔

راز کائنات

اس نے آکر جو سب سے بڑا کارنامہ دکھلایا۔ وہ راز کائنات کی عقدہ کشائی تھی اس سے پہلے لوگوں میں قوت تمیزی کا فقدان تھا۔ ان کی آنکھیں تھیں مگر قوت بصر سے محروم۔ ان کے کان تھے مگر قوت سماعت سے عاری۔ ان کے پہلو میں دل تھے لیکن فقاہت یا معاملہ فہمی سے نا آشنا۔ سورج قرلوں سے چمک رہا تھا۔ چاند زمانوں سے ضیاء ریز تھا۔ ستارے صدیوں سے اپنی چمک دمک دکھلا رہے تھے رعد ہمیشہ گرجتا رہا۔ مینہ ہمیشہ برستا رہا۔ قوس و قزح کی رنگینیاں عرصہ سے موجود تھیں۔ لیکن انسانی بددماغی اور بے ذوقی ملاحظہ ہو کہ کسی کو کارخانہ قدرت کے ان شاہکاروں کو اس نظر سے دیکھنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ جس سے کہ نہیں دیکھا جانا چاہئے تھا۔ بالآخر حقائق اشیاء کے مفسر نے آکر ہر ایک چیز کو اس کی اصلی صورت میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ ضعیف العقیدہ انسانوں نے مادی اشیاء کی عظمت سے متاثر ہو کر اپنے لئے کئی ایک معبود بنا رکھے تھے۔ اور ہر ایک شے جس کی کہہ تک اس کا کمزور دماغ پہنچ نہ سکتا تھا۔ اس کیلئے پہلے ایک عجوبہ روزگار اور پھر سجدو ہو کر رہ گئی۔ انسان سورج کی پرستش اس لئے کرتا تھا کہ سورج دیوتا کی روشنی سارے جہان کو روشن کرتی ہے۔ چاند کی پوجا اس لئے ہوتی ہے کہ چند دیوتا کی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے دعا کرو کہ میرے علم کو درجہ کمال تک پہنچا دے اور پھر دعا کی اجابت بدیں الفاظ ہوئی **وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ** کہ پیار سے نبی ہم نے تجھے وہ سب کچھ سکھلایا ہے جس سے کہ تم پہلے بے خبر تھے۔ اور جو کچھ سکھلایا گیا۔ اس کی تحدید و تعیین ہمارے حیطہ امکان سے بالاتر ہے۔

انہوں کو اجمال کہ پرسد ز جبرئیل احمد چغت اور چہ شنید و خدا چہ کرد

اور ہم آج کل کے بعض تنگ نظر علماء کی طرح کلی و جزئی کے مباحث لاطائل سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اسی پر اکتفا کریں گے کہ سکھلانے والا خدا اور سیکھنے والا حبیب خدا محمد مصطفیٰ !!! یہ سوال کہ کتنا سکھلایا گیا؟ کیا کیا سکھلایا گیا؟ اس کے متعلق خداوند کریم کا ارشاد موجود کہ **فَاوحِیْ اِلَیْ عَبْدِکَ مَا اَوْحَیْ**۔ ہمارے بڑھانے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم بڑھ نہیں سکتا۔ اور گھٹانے سے گھٹ نہیں سکتا۔ پھر یہ تو تو، میں میں کیسی؟ دراصل یہ ساری باتیں کوتاہ بینی اور کج فہمی پر دلالت کرنے والی ہیں۔ ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ربانی انت و اُمّی کا علم خواہ کلی ہو یا جزئی ہو۔ ذاتی ہو یا عطائی۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ اس کی وسعت اور پہنچائی ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصب اتنا رفیع و درجہ اتنا بلند اور مرتبہ اتنا اونچا ہے کہ ہم اس کی سر بلندی و رفعت کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔

تو آل سفیج جنابی کہ ساکنانِ فلک باستان تو داند میل و ربانی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ وہ راز کائنات جزا بتدائے آفرینش سے اخصی و مستور چلا آتا تھا۔ اور جس کے سمجھنے کے لئے دنیا بھر کے محقق و مدقق فلاسفر اور حکماء و ماغ سوزیاں کرتے رہے اور اپنے ذہن لڑاتے رہے۔ اور اس دریائے بے پایاں میں غوطے لگاتے رہے مگر اپنے دامن مقصود کی گویہ ہر راہ

آستانِ عظمت و جبروت ہے۔ تم خلیفۃ اللہ فی الارض بنا کر بھیجے گئے ہو تمہاری گردن میں ایک کا طوق غلامی ہے۔ پھر تم خود ساختہ معبودوں کی پرستش کیوں کرنے لگے ہو؟ بلکہ تمہاری شان امتیازی یہ ہے کہ شہنشاہ کون و مکان اور خالقِ زمین و آسمان کے تحت ہیبت و جلال کے سامنے جھک جاؤ اور جمادات و نباتات و حیوانات کے ہر ایک نوع کو اپنے آگے جھکا ہوا دیکھ لو۔ تم اپنی گردن احکم الحاکمین کے احکام کے سامنے رکھ دو تاکہ کائنات کے ہر ذرہ کی گردن تمہارے احکام کی تکمیل میں خم ہو جائے۔ یا بالفاظِ دیگر

تم خدا کے ہو خدائی ہے تمہاری ساری
تم خدا کے حقیقی معنوں میں غلام بن جاؤ اور دنیا کی ہر ایک شئی کو اپنا تابع فرمان
بنا لو۔

یہ تھا وہ رازِ کائنات جس کی عقدہ کشائی یونانی حکماء سے نہ ہو سکی۔ ہندستان کے فلاسفر اپنے ناخنِ تدبیر سے اس پیچیدہ گتھی کو نہ سلجھا سکے۔ اور یورپ باوجود ادعائی علم و فضل دانش و پیش من اناہ (میں کون ہوں) کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ لیکن قربانِ جانیں عرب کے اس ہمہ دان، ہمہ رس، اور ہمہ بین مبشر و فلاسفر کے جس نے چالیس سال غارِ جبر میں تخت کرتے کرتے، تدبیر و فکر سے کام لیتے لیتے کتابِ کائنات کا بنظرِ اسحاقِ مطالعہ کرتے کرتے بالآخر وہ حقیقت معلوم کر لی جو کہ اپنی نوع انسان کی نظروں سے اب تک پوشیدہ تھی۔ مخلوق سے خالق کا، صنعت سے صنایع کا، علت سے معلول کا استناد پہلے بھی ہوتا رہا۔ لیکن ان سب چیزوں کی علتِ غائی اور وجہِ تخلیق ایک حکم رکھنے والی تھی۔ اور اس کے سمجھنے سوچنے اور غور کرنے کے لئے ایک ایسے علم کی ضرورت تھی جو کہ اکتسابی نہ ہو۔ بلکہ کلیتہً وہی عطا کی ہو چنانچہ دنیا کے سب سے بڑے فلاسفر اور حکیم کو حکم ملا۔ قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا

وہ یہ کہ حضور اقدس و اطہر (روحی فداہ) کی بعثت کی حقیقی غرض و غایت کیا تھی۔ آپ کو خدائے قدوس قیوم نے اپنا آخری کھل پیغام دے کر بھیجا تھا۔ اس کا ماحصل اور لب لباب کیا تھا۔ اور الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً تکمیل دین، اتمام نعمت اور دین اسلام کے انتخاب کے جو پر وائے خورشیدی اور سارٹیفکیٹ مسلمانوں کو اس زمانہ میں بارگاہ ایزدی سے عطا ہوئے تھے ان کے عطا کا باعث کیا تھا۔ اور مسلمانوں نے کون سے کارہائے نمایاں کر دکھائے کہ لقد رضی اللہ عن المؤمنین خدائے پاک کی رضامندی انہیں حاصل ہو گئی اس کے متعلق ہم اپنی طرف سے نہیں بلکہ خود حضور مقرر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جن سے بڑھ کر جامع الفاظ نہیں مل سکتے کہ: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق و لاعلاء کلمۃ اللہ ہی العلیاء میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ:-

۱۔ بہترین اخلاق کی تکمیل کروں۔

۲۔ اور خدا کے برگزیدہ نام کو بلندی پر پہنچا دوں

مکارم اخلاق

اخلاق کا وسیع المعنی لفظ اپنے اندر جو جامعیت رکھتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے ساتھ اس کا جو تعلق ہے وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں عادات و اطوار، خصائل و کردار، طریق معاشرت، طرز بود و ماند، نشست و برخاست، رفتار و گفتار، اکل و شرب، طرز تکلم، طرز گفتگو، مجلسی آداب، تہذیب شائستگی، حسن معاشرت، حسن سلوک، عفو و درگزر، انصاف و رواداری

سے نہ بھر سکے۔ قدرت انسانی دماغ کی اڑان کو حقارت آمیز نظروں سے مطالعہ کرتی رہی۔ ظاہری علوم و فنون کے ولد ادگان کی فرش نشینی اور عرش مزاجی کی کیفیت دلچسپی سے دیکھتی رہی اور حکمائے ہند و یونان کی علمی سرگرمیوں اور عقلی جولانیوں کی محدودیت پر ہنستہم ریز رہی۔ لیکن کہاں انسان ضعیف البیان کا مبلغ علم اور کہاں قدرت کے غرر امض و اسرار۔ کہاں انسان کا کمزور تخیل اور کہاں قدرت کی بلند نگاہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہارتھک کر، نامراد و مایوس ہو کر اور اپنی ناکامیوں کا رونا روتے ہوئے سب نے متفقہ فیصلہ دے دیا ہے

معلوم شد کہ بیچ معلوم نشد

اپنی ناکامی کا اعلان بزبان حال جب تمام اہل عالم کر چکے تو باعث ایجاد عالم فخر بنی آدم (روحی فداہ) نے مبعوث ہو کر نہایت سادہ موزوں اور چمکے الفاظ میں یہ حقیقت کھول کر رکھ دی کہ الدنيا خلقت لكم وانتم خلقتم للاخرة کہ دنیا کی ہر چیز تمہاری خاطر کتم سے عالم شہود میں آئی ہے اور تمہاری تخلیق آخرت کے لئے ہوئی ہے یا یہ ساری دنیا کا متصرف حضرت انسان ہے اور اس کا مالک و متصرف یوم الدین کا مالک، آخرت میں جزا و سزا دینے والا اور دونوں جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے و لنعم ما قیل

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا

وہ راز اک کجلی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور اس کے اغراض و مقاصد

اب ہم ایک دو ضروری اور اہم نکتے سامنے لانا چاہتے ہیں جن کی طرف اصحاب سیر اور سوانح نگاروں نے بہت کم توجہ کی ہے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پاک و حیات طیبہ میں سب سے زیادہ قابل ذکر یہی چیز ہے اور

رفدہ امی وابی کی ذات ہمایوں میں بھی موجود ہیں اور ہمارے خیال میں جو چیز کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ماہہ الامتیاز قرار دی جا سکتی ہے اور جس کی بنا پر ہم حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کو دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام پر فوقیت دینے میں حق بجانب
 ہیں وہ معجزات نہیں۔ خوارق عادات نہیں بلکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات
 مجتمع الصفات اور وجود با جو دوسرے جس کے اندر دنیا بھر کی خوبیاں اور جہاں بھر کے
 محاسن پائے جاتے ہیں اور لطف یہ کہ مخالفین و معاندین اسلام کی تعلیمات پر
 اپنی کوتاہ بینی یا کج فہمی کی وجہ سے کتنی نکتہ چینی کیوں نہ کریں۔ لیکن اگر ان کے دلوں
 میں انصاف دوستی اور واقعات پسندی کا ذرا بھی مادہ موجود ہو تو وہ حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ زندگی، بہترین حیات اور مبارک سیرت میں کوئی بھی
 نقص نہیں نکال سکتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال بھی
 یہی ہے کہ مخالفین کو دعوتِ مقابلہ دے کر اس امر پر آمادہ کیا گیا۔ وہ آئیں اور حضور
 اقدس (روحی فدایہ) کی گذشتہ زندگی پر خوردہ گیری کر کے دکھلائیں۔ ملاحظہ ہو ارشادِ
 خداوندی :

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ ا فلا تعقلون

کہ ان مشرکین کے سامنے دوسرے دلائل و براہین کے علاوہ یہ چیز بھی خصوصیت
 کے ساتھ پیش کرو کہ میں اپنی عمر کا ایک کثیر حصہ خود تمہیں میں رہ سہہ کر بسر کر چکا
 ہوں اور پھر اگر میری پہلی زندگی بے داع تھی۔ میری گذشتہ عمر بے لوث تھی تو اب
 تم عقل و خرد سے کام لو۔ اور میری تعلیم کو آویزہ گوش بناؤ۔ سبحان اللہ! یہ تھا
 دنیا کی عظیم ترین ہستی کا ماہہ الامتیاز، یہ تھا فخر بنی آدم کا نشان امتیازی اور
 یہ تھی انسانِ کامل کی سب سے بڑی خصوصیت کہ اپنی سچائی اور صداقت کی دلیل
 کے لئے خود اپنے آپ کو بطور حجت و برہان پیش کر دیا۔

تکمل و برداشت، صبر و ضبط، جرأت و جسارت، علم و ہنر، دانش و تدبیر، نیک
انسانیت کے تمام لوازمات پر اس کا اطلاق ہوا کرتا ہے اور حضور سید المرسلین
شیخ المذنبین رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
دنیا میں اس لئے تشریف لائے تھے کہ دنیا والوں کے سامنے بہترین اخلاق
پیش کریں۔ اور خود ان کا عملی نمونہ بن کر دکھلائیں۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق پر ایک نظر ڈال کر یہ ثابت کرنا
چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تمام محاسن و مکارم اخلاق
کی جامع تھی۔ اور خدائے قدوس و قیوم نے بھی حضور کو کہا کہ محمد رسول اللہ تم بلند ترین
و عظیم ترین اخلاق کا ایک نمونہ ہو اور یہ کہ خدائے کریم کی مسلمانوں پر ایک خاص
رحمت ہے کہ تم نرم دل اور بردبار، حوصلہ مند اور متحمل مزاج واقع ہوئے ہو اور
بالمومنین روف الرحیمہ رکھو۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں پر مہربانی اور
رحم کرنے والے ہیں ان کے تعریفی الفاظ سے مخاطب فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے پسندیدہ اخلاق کا مضمون اتنا وسیع اور سلسلہ اتنا غیر مختتم ہے کہ اس کے بیان
کے لئے ایک طویل فرصت کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے
سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول پر اکتفا کریں گے۔ کسی شخص نے
ام المومنین سے دریافت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق کیسے تھے۔ انہوں
نے فرمایا کیا تم نے قرآن پڑھا ہوا ہے اور جواب اثبات میں پا کر ارشاد ہوا۔
کان خلقہ القرآن کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآنی اخلاق تھا یعنی
اخلاق کے متعلق قرآن حکیم میں جتنی تصریحات موجود ہیں وہ تمام کی تمام حضور اقدس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے تین دور

بچپن کا زمانہ لہو و لعب کا زمانہ کھیل کود کا زمانہ اور بے فکری کا زمانہ ہو کر رہا ہے۔ لیکن بانی مخلق عظیم روحی فداہ کے بچپن کی شہادت آپ کے چچا ابو طالبؓ کی الفاظ سے رہے ہیں:-

لما رمنہ کذبت لاضحکا و جاہلیۃ و لا وقف مع الصبیان

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی میں نے جھوٹ بولتے ہوئے، بے موقع منستے ہوئے جاہلیت کی فضول رسموں سے رچسپی لیتے ہوئے اور عام لڑکوں کے ساتھ بے تکلفی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ عالم شباب میں شیخ سعدی کے قول "در ایام جوانی افتد چنانکہ دانی" کے مطابق جذبات کا ہیجان ہوا کرتا ہے۔ نئی نئی امنگیں، نئے نئے ولولے، شہوات و تحریصات کا جوش خروش، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شباب ایسا پرسکون اور حضور کی طاقتوں کا استعمال ایسا بر محل نظر آتا ہے کہ جس کی مثال قطعاً ناپید ہے۔ جوانی کا شغل کیا تھا۔ غار حرا میں جا کر گھنٹوں بلکہ دنوں مراقب رہنا۔ دنیوی تعلقات کے باوجود اپنے اوقات کا کثیر حصہ تلاش حق میں صرف کرنا اور بحث کرنا۔ تحدت سے مراد جیسا کہ عینی شرح بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ سبحان ذالک کان بالتفکر والاعتبار۔ فکر و اعتبار سے یعنی جہان کی ساخت اجرام فلکی کی بناوٹ و سجاوٹ، زمین کی وسعت، آسمان کی بلندی، پہاڑوں کا استحکام، دریا کی روانی، سمندر کی گہرائی، یہ ساری چیزیں جاذب توجہ ہو رہی تھیں اور صنعت کاملہ سے صانع ازلی کے وجود کا منطقی نتیجہ اخذ کیا جا رہا تھا۔ بالآخر تلاش بے سود نہ رہی اور دعائے خلیل اور نوید مسیحا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا صیغہ جانشین، ملت ابراہیمی کا چشم و چراغ اور دین فطرت، دین الہی اور دین حنیف

پہلے زمانہ سے قطعاً آج زہد و تقدس کے علمبرداران اور اقدار و پرستگاری کے ٹھیکہ داران کو جا کر کہو کہ وہ دنیا کے سامنے اپنے آپ کو بطور نمونہ پیش کر کے دکھائیں اور دنیا والوں کو موقع دیں کہ وہ ان کے دور حیات پر تنقیدی نظر ڈال سکیں۔ پھر اگر ان کے تقدس کا وہ ڈھول جو زور شور سے بیٹا جا رہا ہے ایک لمحہ کے اندر چھٹ نہ جائے۔ ان کی دستار فضیلت جسے سر پر باندھ کر یہ اناؤ کا خیر ہی کا دم بھر رہے ہیں ایک ساعت میں تار تار نہ ہو جائے۔ ان کی ابلہ فریبی، خدع و ریا کارانہ ایک منٹ میں طشت از بام نہ ہو جائے تو پھر ہم ہر ایک سزا بھگتے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن قربان جائیں تاجدارِ مدینہ سالارِ عرب شہنشاہِ کونین ربانی انتہائی کی اس و لفریب اور اس دلکش ادا اور اس دلچسپ ارشاد پر کہ آفتاب آمد یلیا آفتاب یہ نہیں فرمایا کہ میری تعریف تو رات میں جا کر دیکھو۔ میری آمد کی بشارت انجیل میں پڑھ لو۔ اور میری بعثت کے واقعات زبور میں مطالعہ کرو۔ بلکہ ارشاد ہو ا تو یہ کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کا ثبوت خود میری ذات، خود میرے عادات و اخلاق اور خود میرا عمل ہے۔ الفصل ما شہدت بہ الاعداء کے مطابق اس کی تصدیق ہم ایک صبح واقعہ سے عرض کریں گے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ کے خلاف قریش کی مخالفت حد سے متجاوز ہو گئی اور وہ نت نئے منصوبے کاٹنے لگے تو ان میں سے ایک رئیس نضر بن حارث کی رگ حمیت پھٹ کر اٹھی اور اس نے قریش کے ایک مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”اے قریش۔ محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا۔ وہ تم سب سے زیادہ پسندیدہ، راست گو اور امین تھا۔ اس وقت تم نے بے اعتمادی ظاہر نہ کی۔ مگر اب جب کہ بالوں میں سفیدی آچکی ہے تو تم اسے سحر کاہن اور شاعر کہنے لگے ہو۔ خدا کی قسم وہ ان الزامات سے پاک ہے۔“

پیدا کرنے کی دھن، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پیچھے کیا ترکہ چھوڑا، کیا جائیداد چھوڑی، کتنا مال و متاع اپنے وارثوں کو دو جہاں کا بادشاہ دے کر عالم فنا سے وارالبقاہ کو سدھارا سو اس کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اور کون شاہد ہو سکتا ہے جو فرماتی ہیں کہ:

مات محمد الا ترک درہما ولا دیناراً ولا عبداً ولا اہلاً

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور اپنے پیچھے نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ دینار نہ کوئی غلام نہ کوئی لونڈی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اور جس دن کو حضور آقائے دو جہاں (بابی انت وامی) نے سفر آخرت اختیار فرمایا رات کی تاریکی دور کرنے کی خاطر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی ایک پڑوسن سے تیل اُدھار لے کر جلا رہی تھیں۔ لیکن آپ اگر بنظر غائر ملاحظہ کریں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار متروکات ہیں جو کہ آپ اہل بیت کرام، صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بلکہ تمام افراد امت کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ وہ کیا ہیں حمیدہ اخلاق کے جواہر ریزے، بہترین عادات کے جواہر پارے، اور بلند کردار کا سیم وزر اور یہ ایک اتنا قیمتی خزانہ ہے۔ اتنا بڑا کنج شاکمان ہے۔ اتنا بیش قیمت ساز و سامان کہ جس سے بڑھ کر کوئی قیمتی چیز دنیا میں نہیں

اَسْوَأُ حَسَنَةٍ

مگر تم اخلاقِ روحی فداہ) نے اپنی تعلیمات سے نہیں بلکہ اپنے تمام حرکات و سکنات سے، اپنے اقوال و افعال سے، اپنی گفتار و کردار سے دنیا کے سامنے ایک مثال قائم کی۔ دنیا والوں کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا اور جہاں کے سامنے ایک نقشہ کھینچ کر رکھ دیا جس پر عمل پیرا ہونے، جسے اختیار کر لینے اور

کا علمبردار اپنے دادا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی تقلید کرتا ہوا، اندازاً
 من دون اللہ سے بریت کا، اجرام سماوی کے مہبوط و تنزل کا، اور انی للاحب
 الافلین فنا ہونے والی چیزوں سے بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہوئے پکارا اٹھا:
 اِنِّی وَجْهَتُ وَجْهَی لِّلذِّی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

کہ میری فطرت سلیم صنعت کی بھول بھلیوں میں پڑ کر صانع کو فراموش نہیں کر سکتی
 میں کوتاہ نظر علما کی طرح معمول کتے پیچھے پڑ کر علت کو بھول نہیں سکتا، اور میں مادہ پرستوں
 کے اجزائے ویتقراطیسی اور اجزائے لایتجزی کی موٹسگافیاں نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ نہایت
 سادہ اور قابل فہم الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عبادت کے لائق ایک مستی مافوق
 الاوراک ہے۔ جو کہ تمام جہان کی خالق، آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والی اور ہر
 ایک چیز پر اپنا تصرف و اقتدار رکھنے والی ہے۔ پھر پکارنے والے کی پکار خالی نہ
 گئی۔ متلاشی حق نے حق کو پایا۔ طلب صادق کامیاب ہو گئی۔ وحی الہی کا نزول
 ہونے لگا۔ ہدایت کے چشمے پھوٹ نکلے۔ نبوت کے دروازے کھل گئے۔ اور ایک
 جوان نے اپنی جو امردی اور علو ہمتی سے کام لے کر وہ کچھ کر دکھایا جس سے کہ آج کل
 کے جوانوں کے تخیل نا آشنا ہیں۔ اور وہ تھا اپنی تمام قوتوں، اپنے تمام حواس اور اپنے
 تمام اعضاء و جوارح کا صحیح استعمال کہ آنکھ لگی تو کہاں جہاں کہ جو نظارہ ہو کر پھل گیا
 دوسری طرف جھپک نہیں سکتی، کان لگے تو کہاں جہاں سے آنے والی آوازوں کو
 سن کر پھر وہ دوسری آواز سن ہی نہیں سکتے۔ اور دل لگے تو کہاں جہاں کا دلدادہ
 پھر اپنے دل میں کوئی دوسرا تصور قائم ہی نہیں کر سکتا !!!

بڑا بچے کا زمانہ، شیخوخت کا بسن، حرص اور آرز کا وقت، پس ماندگان کے
 لئے کچھ چھوڑ جانے کا خیال، جائز و ناجائز آمدنی کے ذریعے ایک وسیع جائیداد

باقی رہی ان کی تفصیل و تشریح تو بقول شاعر
 ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کز شمه دامن دل می کشد کہ جای نجات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات

ایک بات ہو تو بیان کی جاسکے۔ ہزاروں واقعات سامنے ہیں۔ احادیث و سیرت کی کتابیں ان کی کیفیت سے بھری پڑی ہیں۔ مشتے از خروارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں علی نمونہ بنا کر سکھلایا ہے کہ تمہارے ذمہ دو قسم کے حقوق ہیں۔ (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔ خداوند کریم کے حقوق یہ ہیں کہ تم اس کی رضا جوئی سب سے مقدم سمجھو۔ عبادت و انابت میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ اس کی محبت سب محبتوں پر غلبہ حاصل کرے۔ پھر اطہار محبت اطاعت کی شکل میں ہو۔ اور حقوق العباد سے یہ مقصد کہ تمہارے ذمہ مختلف قسم کے حقوق ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا تمہارے لئے لازم اگر تم خداوند ہو تو بیومی کا حق تمہارے ذمہ ہے کہ اس سے حسن سلوک روارکھو۔ اور اس پر بے جا تشدد نہ ہونے پائے۔ کھانے پینے اور ٹھننے بچھونے، رہنے سہنے کی اسے تکلیف نہ ہو۔ اگر تم بیومی ہو تو اپنے خاوند کی وفاداری و اطاعت تمہارے لئے ضروری ہے۔ اگر تم باپ ہو تو اپنی اولاد سے پیار اور ان کی جائز خواہشات پوری ہونی چاہئیں۔ ان کی تعلیم ان کے اخلاق کی تربیت کے لئے تم خود ذمہ دار ہو۔ اگر تمہاری حیثیت بیٹے کی ہے تو ماں باپ کے تابع دار بن کر رہو۔ انہیں کسی بات پر مت جھڑکا کرو۔ گالی گلوچ تو کہاں۔ تمہیں ان کے سامنے اُن کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ اگر تم پڑوسی ہو تو حق الجوار کا خیال رہے۔ اگر قدرت تمہیں بادشاہ بنا دے تو رعایا کے ساتھ تمہارا سلوک بہت اچھا ہونا چاہئے۔ عدل و انصاف تمہارا شیوہ ہو۔ اور ان کی بھل روی تمہارا فرض اولیں۔ رعایا کی

جس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں بنی نوع انسان کی حقیقی نجات ہے اور خالق
الکائنات کا یہی فرمان ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
مسلمانوں تمہارے لئے خدا کے رسول کا اسوہ حسنہ یا بہترین نمونہ ایک قابل
تقلید امر ہے۔

اندریں حالات مسلمانوں کے لئے کسی واعظ کی ضرورت نہیں کسی
مبلغ کی ضرورت نہیں، کسی ہادی اور رہنما کی ضرورت نہیں جبکہ ہمارا واعظ
سارے جہاں کے واعظوں کا واعظ ہے۔ واحسن ما قبل:

نگار من بکتاب زنت وخط ننوشت بغزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد
بلکہ ہمارا مبلغ تمام مبلغ کو تبلیغ سکھانے والا ہے اور ہمارے ہادی اور رہنما کی ہدایت
اور رہنمائی کے بغیر کوئی شخص رشد و ہدایت حاصل ہی نہیں کر سکتا۔ حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کی پاک سیرت اور نیک نمونہ اگر ہمارے روبرو ہو اور ہم اس
کی صحیح معنوں میں تقلید کریں تو پھر مسلمانوں پر یہ افتاد کیوں پڑے۔ ہماری یہ
ذہنوں حالی ہمیں یہ روز بد کیوں دکھائے۔ اور مسلمانوں کو دنیا کی قوموں کے سامنے کیوں
ذلیل و خوار ہونا پڑے۔

آؤ ہم سب مل کر معلم اخلاق دروچی فداہ کی پاک سیرت پر غور کریں۔ اپنے بچوں
کو حضور علیہ الصلوٰۃ کے بچپن کے حالات سنائیں۔ اپنے جوانوں کے سامنے حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کی جوانی کے واقعات پیش کریں اور اپنے بوڑھوں کے روبرو
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ شجیت کی باتیں بیان کریں۔ اس کے علاوہ
باعثِ نکوین عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اخلاق فاضلہ و عاداتِ حسنہ کا مظاہرہ
اپنے طریقِ عمل سے کیا ہے ہم ہر وقت اس پر نظر رکھیں اور وہی خصائل اپنے اندر
پیدا کرنے کی کوشش کریں جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر موجود تھے۔

معراج النبی ﷺ پر ایک فلسفیانہ نظر

چوبشہنوی سخن اہل دل کو کہ خطا است؛ سخن شناس نہ دلبر خطا است
 ارباب بصیرت و اسمان و صحاب و دانش و بینش سے یہ امر مخفی نہیں کہ
 دنیا میں ہزاروں چیزیں ایسی موجود ہیں جن کے وجود کا تا حال بڑے سے بڑے
 مبصرین، سائنس دانوں اور فلاسفروں کو بھی علم نہیں ہو سکا۔ حقائق الاشیا
 کی کنہ اور حقیقت معلوم کرنے کے لئے انسانی دماغ سوزیاں اور موٹو گافیاں تمام
 بیکار ثابت ہو چکی ہیں اور راز کائنات ہمارے عقل و ادراک، فکر و شعور، تخیل و
 تحقق کے لئے آج بھی اتنا ہی ناقابل فہم ہے۔ جتنا کہ ابتدائے آفرینش انسانی کے
 وقت تھا۔

کیا ہوگا کہ علم طبیعیات کے ماہرین کی ان تھک کوششوں اور مسلسل کدو
 کاوش سے چند نئے ایجادات و اختراعات ہمارے سامنے آچکے ہیں یا نئے نئے
 انکشافات انسانی مبلغ علم میں اضافہ کا موجب بن رہے ہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے
 کہ عالم و ما فیہا کن عناصر سے مرکب ہے اس کی تخلیق و تعمیر، اس کی ترتیب و ترکیب،
 اس کی تعدیل و تزئین کس طرح سے عمل میں لائی گئی ہے۔ اجزائے دیمقراطیسی و
 اجزائے الہی تجزی کے حدوث و قدم سے قطع نظر ان کا مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار
 کرنا، عجیب و غریب مناظر پیش کرنا۔ لیل و نہار کے اوقات مقررہ پر شمس و قمر کا معین
 طلوع و غروب، کواکب و سیارات کا نظم و نسق، کہکشاں کی جلوہ نمائی، توس و قزح کی
 رنگیں ادائی، سرسبز پہاڑ کی دیدہ زیبی، مرغزاروں کی دل فریبی، سمندروں کی پہنائی

صورت میں مسلمان بادشاہ کی وفاداری اور اس کے ملک میں قیام امن کی ذمہ داری تمہارے فرائض میں داخل ہے علیٰ بن ابی القیس تجارتی معاملات، داد و ستد کی صورتوں اور ناپ تول میں دیانتداری ضروری ہے۔ دوستوں سے پیار محبت اور دشمنوں سے درگزر اور شفقت ہی انسانی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سب سے اچھا وہی شخص ہے۔ جو کہ گھر والوں کی نظروں میں اچھا ہو۔ معلم اخلاق (روحی فداہ) نے ہمیں باہمی اتحاد و یکجہالت کی تعلیم دی۔ باہم دگر سخت و سہاروی کی تعلیم دی اور سارے جہان کے مسلمانوں کو ایک جسم واحد سے تعبیر فرمایا کہ ایک عضو کے متنازی ہونے سے سارے اعضاء کی بے قراری کا فلسفہ سکھایا۔ آہ یتیم، نالہ بیوہ اور فریاد مظلوم پر ہمیں خصوصیت کے ساتھ متوجہ کیا۔ امیر طبقہ کے فرائض الگ ظاہر کر دیئے کہ وہ غریبوں کی دستگیری کریں۔ اسی طرح غریبوں کو فرمایا کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی جگہ اپنے بازوؤں کو حرکت میں لائیں اور الکاسب بحیب اللہ کے مطابق خدا کی دوستی کا درجہ حاصل کریں۔ قصہ کوناہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے اعزاز میں ایک عرض مکارم اخلاق کی تکمیل تھی جس کا مختصر بیان یہاں کیا گیا ہے۔

ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے داخل،
خواص اس پرینچ فکری میں ہے عرب مشرق کا

صانع، اور ان میں روشنی پیدا کرنے والی ایک واجب الوجود ذات ہے۔ ایک بلند و بالا ہستی ہے۔ کہیں نظر نہ آنے والی لیکن ہر ایک چیز میں دکھائی دینے والی ایک طاقت ہے۔ جس کی قوتوں، جس کی عظمتوں، جس کی وسعتوں، جس کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے انسانی تخیل قاصر رہ جاتا ہے اور انسانی دماغ معطل ہو جاتا ہے اور وہی ذات اربعہ عناصر کی خالق و متصرف ہے۔ وہی ان کے درمیان امتزاج اور تنوع پیدا کر کے ان کے مختلف اور متعدد اقسام بنانے والی ہے۔ اور وہی تمام افروزیوں، تمام رعنائیوں اور تمام زیبائیوں کو منظر عام پر لانے والی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط

پھر جب ہم تسلیم کر لیں کہ حضرت انسان با اینہمہ ادعائی علم و فضل و با اینہمہ اظہار غرور و تنجس ہر ایک معاملہ میں کسی دوسری طاقت کا محتاج ہے۔ کسی کے لطف و کرم پر اس کی زندگی کا انحصار ہے۔ اگر کسی کے دست شفقت و عنایت پر گذر اوقات ہو تو ایسی کم مانگی اور بے بضاعتی، دست نگری اور محتاجی، عجز و انکساری رکھتے ہوئے اسے کیا حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے خالق، اپنے منعم، اپنے متصرف کے امور میں دخل انداز ہو۔ اور قدرت کے کارخانہ میں اپنی آواز جو کہ مفروضہ طوطی کی آواز سے بھی پست ہے بلند کرنا نظر آئے۔ نہیں بلکہ اس کی عبودیت و انابت کا یہ تقاضا ہے کہ

دیکھو جو کچھ سامنے آجائے اسے کچھ نہ بول سیکھ لینے کی پیدا کروہن تصویر کا وہ احکام الہی کی متابعت کا پابند ہے۔ وہ خدائی ارشادات کی تعمیل کا مکلف ہے اور اسے یہ حق حاصل نہیں کہ قوانین قدرت میں دخل کا بنے۔ بلکہ اس کا یہ ایک مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ خدا کی ہستی کا اقرار کرنے کے بعد مالک الملک کو اپنا شہنشاہ حقیقی تسلیم کرنے کے بعد اور عبد و معبود و ساجد و مسجود، خالق و مخلوق کا تعلق قائم

دریاؤں کی روانی، آبشاروں کا گرنا، صحراؤں کی وسعت، حیوانات کی ہزاروں قسمیں اور قسم کے اندر تنوع، انسانی مزاجوں میں اختلافات، رنگتوں کا فرق، اعضاء و اجزا میں تفاوت، ہوش و خرد میں تبائن، غرض کہ دنیا کی ایک شے کائنات کا ایک ذرہ اور جہاں کا ہر ایک منظر اگر ایک طرف اپنے اندر زبردست کشش و انجذاب رکھنے والے ہیں تو دوسری طرف دیکھنے والوں کو محو حیرت و استعجاب بنا رہے ہیں آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اربع عناصر کی آمیزش اور کارفرمائی سے قسم قسم کے دلکش مناظر ہمارے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔ مگر اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ خود اربع عناصر کی تخلیق کیسے اور کس طرح ہوئی۔

ہمارا روئے سخن خدا پرستوں اور خدا شناسوں کی طرف نہیں بلکہ ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جو کہ مادہ کے قدم اور قائم بالذات ہونے کے قائل ہیں جو کہ غیر مرنی مگر غیر محسوس ہاتھ کو غیر موجود مانا کرتے ہیں اور جنہیں خالق الارض و السموات کا اقرار و اعتراف نہیں۔ وہ بتائیں جب ہر ایک چیز میں صانع اور صنعت، خالق اور مخلوق، سبب اور مسبب کا عمل و دخل ہے۔ انسانی وجود ماں باپ کے بغیر کتم عدم سے منصفہ شہود پر نہیں آسکتا۔ پوشیدہ نی پارچات کی تیاری کارخانوں میں ہوتی ہے جیب میں چلنے والی گھڑی گھڑی سازوں نے بنائی ہے مسکونہ مکانات از خود نہیں بنے بلکہ معماروں نے تیار کئے ہیں۔ گھر کا تمام سامان کسی نہ کسی کاریگر کے دست و ذمہ کا شکر مندہ احسان ہے۔ فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ بھول لگائے جاتے ہیں درخت اگائے جاتے ہیں آٹا پیسا جاتا ہے گوشت پکایا جاتا ہے اور یہ سب نظریہ و اصول ہمارے گرد و پیش ہر ایک چیز میں جاری و ساری ہے۔ پھر اگر ہم یہ دیکھیں کہ پہاڑ خود بخود نہیں بنے۔ زمین خود بخود نہیں کھچی۔ آسمانوں کا شامیانہ خود بخود نہیں بنا۔ سورج اور چاند اور ستارے خود بخود روشن نہیں ہوئے بلکہ ان کی خالق ان

اڑنے لگے؟

اس نظریہ کے ماتحت آپ کو باور کر لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام ہمارے اور آپ کی طرح جسم رکھنے کے باوجود اپنے اندر وہی اور عطائی روحانی قوتیں رکھنے کی وجہ سے وہ باتیں سن سکتے ہیں جنہیں عام لوگ نہیں سن سکتے۔ وہ مناظر دیکھ لیا کرتے ہیں جو کہ عامۃ الناس کی نظروں سے پوشیدہ ہوں اور چند منٹوں بالحوں میں وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں عام انسان سالوں میں پہنچتے ہیں۔ آج جب کہ لوگ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر چھ سو میل کا طویل فاصلہ ایک گھنٹے میں طے کر سکتا ہے۔ بلکہ آواز سے بھی زیادہ تیز رفتار طیارے بن چکے ہیں۔ جب ہندوستان کے کسی شہر میں بیٹھ کر ریڈیو کے ذریعے ولایت اور انگلینڈ کے گانے سنئے جاسکتے ہیں بلکہ مستقبل قریب میں وہاں کی چلتی پھرتی تصاویر بھی دیکھی جاسکیں گی جب کہ مکبر صوت سے آواز کئی گنا بڑھ جاتی ہے تو پھر اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پڑھتے ہوئے جنت کو اپنے سامنے دیکھ لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تہذیب پاک میں منبر پر بیٹھے ہوئے لشکر کی بے راہ روی مشاہدہ کر کے یاساریۃ الجبل کی آواز اس کے کانوں تک پہنچا دی۔ یا حضور خیر صادق علیہ اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق شہداء بدر نے چین کے کسی شہر میں چلنے والی لڑکی کے پازیبوں کی جھنکار سن لی تو اس میں استبعاد ہی کیا ہے۔ ایسے واقعات حیرت انگیز کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ اور کونسا سلیم الدماغ شخص ہے جو کہ انسانی سائنس کی عدم تکمیل اور روحانی قوت کے مکمل ہونے کو مد نظر رکھتے ہوئے علم طبیعیات کے پیش کردہ نظریوں کو تو درست مان لے اور خدائی قوتوں کی اہمیت اور قوت کا قائل نہ ہو۔

معراج کے واقعہ کو بھی آپ انہی دلائل کی روشنی میں مطالعہ کریں۔ آپ کو تسلیم

سے یہ مضمون غیر منقسم ہندوستان کے زمانہ میں لکھا گیا تھا۔ چنانچہ اب ٹیلی ویژن ہی کرشمہ دکھا رہا ہے

کرنے کے بعد وہ اپنا سر نیچا اس کے سامنے رکھ دے۔ اپنی گردن اطاعت اس کے آگے جھکا دے۔ اور اس کے تمام امور و نوادہی پر صادق دل سے کار بند ہو۔

یہ ضروری نہیں کہ قدرت کا ہر کام ہماری مرضی یا منشاء کے مطابق ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ خداوند کریم تدوین و قیوم کا ہر ارشاد و ہمارے خواہشات کا تابع ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ کتاب الہی کا ہر قانون اور ہر ایک دفعہ ہمارے تعقل سے باہر نہ جاسکے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کی سب تعلیمات فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور عقل سلیم کے عین موافق۔ لیکن بعض چیزیں آپ کو ایسی بھی نظر آئیں گی جو اپنی خیر العقول نوعیت کے ماتحت کسی قدر ناقابل فہم یا ناممکن العمل ہوں گی۔ مگر محض باومی النظر میں سطحی اعتبار سے۔ ورنہ درحقیقت وہ قابل فہم اور ممکن العمل ہیں۔ جس طرح کہ انسانی طبائع مختلف ہوا کرتی ہیں جس طرح قوت حافظہ، قوت گویائی اور قوت جسمانی میں تفاوت ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح قوت بصارت اور قوت سماعت میں بھی علی قدر مراتب فرق

ناگزیر ہے۔ اگر آپ سو گز کے فاصلہ سے بعید نہیں دیکھ سکتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی دوسرا شخص بھی اس فاصلہ سے آگے نہ دیکھ سکے۔ اگر آپ کے کان دور کی آواز نہیں سن سکتے تو آپ کے بھائی بند ایسے بھی موجود ہیں جنہیں آپ کی طرح نقل سماعت کا عارضہ نہیں اور وہ دور سے آنے والی آواز کو بھی ایسا ہی سن سکتے ہیں جیسا کہ نزدیک سے آنے والی آواز کو۔ اگر آپ دن بھر سفر کرتے رہنے سے نمشکل ہیں میل کا فاصلہ طے کر سکتے ہیں تو اس قسم کی اور مثالیں بھی آپ کے سامنے موجود ہیں کہ ایک شخص نے ایک دن میں ستر اسی میل کا فاصلہ پیدل بڑھی آسانی سے طے کر لیا اگر آپ کے جسم کی کثافت آپ کو ہوا میں اڑنے سے مانع ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص کا لطیف اور سبک جسم اپنی لطافت کے اعتبار سے ہوا میں

(۳) انس پیار علیہم السلام کے اندر روحانی طاقتوں کا موجود ہونا
 پھر منطقی اعتبار سے آپ اس صغریٰ کبریٰ کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ کر لیں کہ خدا کی عطا کردہ
 طاقتوں سے کام لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسد عنصری کے ساتھ
 چند منٹوں اور چند لمحوں کے اندر تمام آسمانوں کی سیر کر آئے۔ جنت اور دوزخ کو
 دیکھ آئے۔ خدا سے نہ صرف ہم کلام ہوئے۔ بلکہ وَكَانَ قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی
 کے مطابق بے حد تقرب بھی حاصل کیا۔ اور بقول شاعر سے
 زنجیر بھی ملتی رہی بستر بھی رہا گرم اک دم سر عرش گئے آئے محمدؐ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقٍ مَّحَمَّدٍؐ وَالرَّاهِبِ اَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

انتر صحیح کی آئی ہے فلک سے آواز
 خذو زک جی آپ جو شیوہ ہے آج کائنات
 یہ ایک عالم ہے بہت کے لئے عرشِ بیاب
 کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے عراج کی رات
 راجب

معرج کا واقعہ
 کرنا پڑے گا کہ یہ ناممکن الوقوع امر نہیں ہو سکتا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی
 طاقت، جسمانی لطافت اور نورانی ہیبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ سب باتیں جو
 حضور نے شبِ معراج کی صبح کو بیان فرمائیں اسی طرح درست تھیں جس طرح دو اور دو
 چار ہوا کرتے ہیں۔

مجھے ان علماء کی توجیہات پر منسی آتی ہے جو کہ معراج کی جسمانی یا روحانی بحث
 میں پڑ کر "علم علم سے علم عدم" کا نتیجہ اخذ کیا کرتے ہیں۔ اور روایات کی آڑ لے کر واقعہ
 معراج کو روحانی معراج تک محدود کیا کرتے ہیں۔ اگر معراج کا سارا واقعہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

کے مطابق ہے تو پھر خداوند کریم کو سبحان کا کلمہ تعجب بیان فرمانے کی کیا ضرورت تھی ؟
 اسری بعیدہ کی صراحت سے کیا مطلب تھا۔ اور پھر سورۃ وَالنَّجْمِ میں تو کوئی
 مغالطہ بھی نہ رہا۔ سورۃ اسری میں اختصار تھا تو سورۃ وَالنَّجْمِ میں تفصیل
 موجود ہے۔ جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی یہی رائے ہے ایک دو کا
 اختلاف کثرت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ خواہیں تو ہر ایک کو آما کرتی
 ہیں۔ آپ نے کئی دفعہ آسمان کے سیر کئے ہیں فرشتوں کی صورتیں دیکھی ہیں۔ عظیم
 کے بیان کردہ جنات کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ روز مرہ کی معمولی باتیں ہیں۔ قصہ معراج
 تو ایک حد تک بڑھ کر غیر معمولی واقعہ ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ واقعہ ضرور
 ہی ظہور پذیر ہوا ہے۔ اسی طرح سے جو کچھ کتب احادیث میں مذکور ہے اس کا
 وقوع و تحقق ایک فلاسفی یا حقیقت شناس کی نظروں میں ظنی یا تخمینی نہیں یہ کسی
 عقیدت و ارادت کے ماتحت نہیں بلکہ یقینی اور لازمی ہے۔ اور اس کے تسلیم کرنے کے
 لئے صرف تین چیزوں کی ضرورت ہے :

(۱) خدا کی ہستی کا اقرار (۲) خدا کی قوتوں کا اعتراف۔

زمانہ میں یہ پیش گوئی حرف بحرف صادق آرہی ہے۔ کراچی کا خونیں اور خونچکان واقعہ ہی ہماری بے بسی، بے کسی اور کس مپرسی کے لئے کیا کم تھا کہ قدرت کے زبردست ہاتھ نے کوئٹہ اور بلوچستان کی سرزمین کو اپنی ایک ہی حرکت سے ترو بال کر دیا۔ آن واحد میں گنجان اور بارونق شہر کھنڈرات سے سربفلک عمارات اینٹوں کے ڈھیروں سے، اور انسانوں کی آبادیاں زخموں اور لاشوں کی صورت میں تبدیل ہو گئیں، خاندانوں کے خاندان بے نام و نشان ہو گئے۔ سینکڑوں اشخاص نے جو منہدم شدہ مکانات کے نیچے دب گئے تھے۔ لیکن ان کے ارواح کا تعلق ان کے اجسام کے ساتھ قائم تھا۔ آہ و بکا کرتے کرتے، امداد کے لئے چیختے چلاتے، حسرت اور ناکامی کے عالم میں، سسک سسک کر جانیں دے دیں۔ اور ابھی تک ہزاروں من چوئے اور اینٹوں کے ڈھیروں کے نیچے دبے پڑے ہیں اس سانحہ ہوش رُبا اور اس واقعہ ہدیت زاکر اگر ہم قیامت صغریٰ سے تعبیر کریں تو بالکل بجا ہے۔ جب کہ قیامت کی تمام ہولناکیاں اور قیامت کی تمام ظاہر کردہ سراپمگیاں کوئٹہ کے تباہ کن زلزلہ کو دیکھنے والوں نے برآئی العین دیکھ لیں قیامتی اصطلاح میں قیامت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے :-

يا ايها الناس اتقوا يوم انزلنا زلزلة
 الساعة شيئا عظيما يوم ترونها كأنها
 قذال كل موضة مع ما ارضعت
 وتضع كل ذات حمل حملها وترى
 الناس سكرى وما هم بسكرى
 ولكن عذاب الله شديد
 لے لوگو! پروردگار سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ
 ایک بڑی سخت چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو
 گے۔ تو دودھ پلانے والی اس سے غافل ہو جائے
 گی جسے اس نے دودھ پلایا ہے۔ اور ہر حمل والی
 اپنا حمل ڈال دے گی۔ اور تو لوگوں کو تو اسے دیکھا
 حالانکہ وہ متواری نہیں۔ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اس واقعہ کا ذکر باب چہارم میں حزب اللہ اور رفتار زمانہ کے عنوان سے کیا گیا ہے۔ وہاں دوسری حالات زمانہ کے ضمن میں موجود ہے۔

کوئٹہ کی ہولناک تباہی اور بربادی

اور

اُس کے علل و اسباب

(مذہبی نقطہ نظر سے)

وَإِذَا رَدْنَا أَنْ نَهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا
مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَا مَا تَدْمِيئُهُ
اور جب ہم چاہتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں
تو وہاں کے دولت مندوں کو پیغمبروں کے ذریعے اپنی
عبادت کا حکم دیتے ہیں پس جب وہ اس بستی
میں نافرمانی کرتے ہیں تو ہمارا عذاب ان پر ثابت ہو
جاتا ہے پس ہم اسے بالکل برباد کر دیتے ہیں۔

حضورِ مخر صاوق صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت اور علامات قیامت کے متعلق
جو پیش گوئیاں فرمائی ہیں ان میں ایک قابل ذکر امر یہ بھی ہے کہ قیامت کے نزدیک
مسلمانوں کے سروں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے اور ان کا ایک زخم ابھی
بھرنے نہ پائے گا کہ زمانہ کا جلا و ایک اور بھر پور وار ان پر کر دے گا۔ ابھی ایک
مصیبت سے پوری طرح رہائی نصیب نہیں ہوئی ہوگی کہ ایک دوسری مصیبت
سے انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ اور مسلمان آنے والے مصائب اور نوائب سے لرزہ
بر اندام ہو کر پکار اٹھیں گے۔ ہذا۔ ہذا۔ یعنی یہ کیا ہے۔ یہ کیا ہے۔ موجودہ

سے یہ کوئٹہ کے ۱۹۳۲ء کے ہولناک زلزلہ کا تذکرہ ہے حضور نے زلزلہ کے حادثات سنتے ہی یہ مقالہ لکھا۔

بربا و کوٹہ سے مقابلہ کریں اور پھر بتلائیں کہ جو کام جرمنی کی چالیس من گولہ پھینکنے والی توپیں قلعہ انٹورپ کو مسمار کرنے کے لئے مسلسل ایک ماہ تک نہ کر سکیں جو تباہی و بربادی بخت نصر اپنی تمام وزندگیوں اور سفاکیوں کے باوجود بیت المقدس کے انہدام میں نہ کر سکا اور سکندر اعظم کی بے شمار فوجیں ٹیکسلا کو پیوند زمین بنانے میں اپنی تمام قوتیں صرف کرنے کے باوجود پھر بھی ماہر آثار قدیم کے لئے ایک شغل بے کاری چھوڑ گئیں۔ لیکن وہ کونسی طاقت تھی۔ وہ کونسی فوج تھی وہ کونسا لشکر تھا۔ جس نے چند لمحوں، چند دقیقوں، چند سکندروں کے اندر بلوچستان کی زمین کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔

اب تباہ شدہ کوٹہ کو دیکھ کر کلمبتر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی کوٹہ ہے جس کے بازاروں میں پہلے پہل رہا کرتی جس کھساکنین نہایت ٹھاٹھ اور طمطراق سے زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ اور جس کے باشندے عام طور پر فلشن کے دلدادے، عیش پرست اور دنیاوی لذتوں میں انہماک رکھنے والے تھے۔ لیکن صد حیف کہ وہ دنیاوی عیش پسندی میں پڑ کر آخرت کے عیش و آرام کو بھول گئے۔ دنیا کی دلفریبیوں اور دلچسپیوں کے دلدادہ ہو کر حیات بعد الموت کو فراموش کر گئے۔ اور صنعت پسند آرٹ پر جان دینے والے اور بوڑھی اور مکار دنیا کے جھریوں والے مگر غازہ اور پوڈرٹے ہونے چہرہ کی خوبصورتی پر مٹنے والے اصناف حقیقی اور شاہد ازلی کا خیال دل سے نکال بیٹھے۔ اور نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے۔ علمائے کرام کے وعظ و نصائح جب بیکار ہو گئے۔ صرفیائے

۱۔ یہ جناب عالمگیر اول (۱۶۵۹ء) کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ بابل میں کلدانی خاندان کا مشہور بادشاہ جو ۶۰۵ ق م سے ۵۶۱ ق م تک حکمران رہا۔ حضرت سیما عبد السلام ر ۹۷۳ تا ۹۳۳ ق م کے تعمیر کردہ بیکل کو تباہ کرنے کے لئے بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تھا۔

ان مطالب کو کوٹھ کے زلزلہ سے تطبیق دے کر دیکھیں۔ کس طرح وہاں کے ستم رسیدگان پر یہ باتیں حرف بحرف صادق آ رہی ہیں۔ زلزلہ کی عظمت اور ہیبت، قدرت کے مضبوط ہاتھ سے زمین کا بے حقیقت پرکاش کی طرح مسلما جانا، مکانات کا ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جانا۔ چند سیکنڈ میں زلزلہ زوہ رقبہ کا اپنی زمینت کذائی شکل طور پر کھودینا، صرف بنی نوع انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار پر سکرات کی کیفیت طاری ہو جانا، اپنی پیاری جانوں کو بچانے کی خاطر دیوانہ وار ہر شخص کا مسکانوں سے باہر دوڑنا، نفسی نفسی کا عالم، ماں کو بیٹی کی خبر نہ رہی۔ بھائیوں کو بھائیوں کی یاد نہ رہی۔ اور خاوند کا اپنی رفیقہ حیات کو گرنے والے مکان کے نیچے چھوڑ کر بھاگ نکلنا ارباب بصیرت کے سامنے عبرت اور نصیحت کے دفاتر کھولنے والی چیزیں ہیں اور منکر قیامت کے لئے ایک ناقابل تردید استدلال اور پھر زلزلہ کی گرفت سے جو لوگ خوش قسمتی یا بد قسمتی سے نیم مردہ حالت میں بچ نکلے ہیں ان کے بشریوں پر جو اضطرابی و اضطرابی کیفیات دیکھنے میں آئیں۔ ان کے ہوش و حواس جس طرح معطل ہو رہے تھے۔ اور دیوانگی کی جو کیفیت ان کے دل و دماغ پر طاری تھی۔ وہ بعینہ وہی نمونہ پیش کر رہی تھی جس کا کہ عالم الغیب والشہادۃ نے قرآن کریم کے اندر نقشہ کھینچا ہے کہ دیکھنے والوں کو وہ مدہوش اور متوالے نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ عذاب الہی کی شدت اور ہولناکی سے اس حد تک متاثر ہوں گے کہ کچھ دیر کے لئے ان کا دماغ مختل، ان کی قوت تمیزی مفقود اور ان کے اعضا و جوارح از کار رفتہ ہو جائیں گے۔

الْعَظْمَةُ لِلَّهِ!!! کہاں ہیں قیامت کا انکار کرنے والے یوم الدین کا

مضحکہ اڑانے والے اور یوم الحساب کو ناممکن الوقوع بتلانے والے۔ وہ اب ذرا کوٹھ جانے کی زحمت گوارا کریں۔ زلزلہ سے پہلے والے آبا و کوٹھ کا موجود

مَقَامَ رِيَّتِهِ وَخَافَ وَعَيْدُهُ

سائنس اور علم طبیعیات والے لاکھ تا دہائیوں کریں۔ لاوا اور گندھک کے اُبے ہوئے چشموں کے پھوٹ نکلنے کو زلزلہ کا باعث قرار دیں۔ طبقات الارض کے باہرین خصوصی زمین کی تخلیق، اس کی بناوٹ، اس کے جسم کی ساخت، اس کے وزن، اس کی جسامت، اس کے جوت میں مختلف عناصر کی آمیزش پر سبکدوش مقالے لکھتے رہیں۔ لیکن تمام باتیں ظنی اور تخمینی ہیں۔ قیاسی اور وہمی ہیں۔ ان میں وثوق اور تحقیق نہیں، یقین اور اذعان نہیں۔ ایک پہاڑ کے اندر گندھک اور تیزاب کا مواد بکثرت موجود ہے۔ طبقات الارض والوں کے حساب سے ایک سال کے اندر یہ سیال مادہ پھوٹ کر اس کے پرچھے اڑا دے گا۔ لیکن دس سال عرصہ گزرنے کے باوجود پہاڑ بدستور قائم ہے۔ اور لاوا اس کے اندر ہی اندر سلگ رہا ہے اور چھوٹنے کا نام نہیں لیتا۔ اور ادھر ایسا پہاڑ زلزلے کے ایک جھٹکے اور زمین کے انشقاق سے جوف الارض میں چلا جاتا ہے جس کے اندر لاوے کی موجودگی کا کسی سائنس دان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ یہ روزمرہ کے قصے ہیں۔ اور کوئی اہل علم اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ زلزلہ کی آمد ہمیشہ غیر متوقع ہوا کرتی ہے۔ زلزلے نہ آئیں تو سالہا سال نہ آئیں آنے لگیں تو روز روز آتے رہیں۔ یہی حالت ان کی خفت اور شدت کی ہے۔ کہ کبھی اتنے خفیف ہوں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ اور کبھی اتنے شدید ہوں کہ سارا جہان چیخ اُٹھے۔

غایت مافی الباب اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ زلزلہ کا سبب لاوا اور گندھک ہے لیکن لاوے اور گندھک کے ذریعے زمین کو تہہ و بالا کرنے والی طاقت ضرور کوئی دوسری ہے۔ تدبیر امور ضروری اور ذات سے متعلق ہے۔ وَمَنْ يُدَبِّرْ الْأَمْرَ۔ اس پر متصرف اور حکمران لاریب ایک ذات واجب الوجود ہے۔ سبب اور مستبب،

عظام کی روحانی توجہات بے سود ہو گئیں۔ شقاوت و بدبختی نے نافرمانی اور حکم عدولی کی شکل اختیار کر لی تو خدائے قدوس قیوم کی عادت مستمرہ کے مطابق ایک لمبی ڈھیل دینے کے بعد اور عفو و درگزر کی انتہائی صورتوں کے بعد۔ اور اسی پر کتفا نہیں بلکہ آج سے تین سال پہلے ایک خفیف جیسے بے ضرر زلزلہ سے متنبہ کرنے۔ بعد قدرت کے غیر مرئی مگر محسوس ہاتھ نے پر وہ غیب سے نکل کر اپنا ایک تھپڑ محمور مخلوق پر رسید کیا اور دوسرے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ اور جو عبرتناک نماز تجویز فرمائی اس کی داستانیں پرانی ہونے والی نہیں۔ اور انسانی نسلیں اس کو ابدالاً باؤتک یاد رکھیں گی۔

آج کوئٹہ کے زلزلہ کا ذکر ہر مجلس میں ہے۔ ہر محفل میں ہے۔ بازاروں میں یہی قصے ہیں۔ گاڑیوں میں یہی حکایتیں ہیں۔ مقررین کی تقریروں کا موضوع یہی واقعہ ہے۔ اخبارات کے وارے نیارے ہیں۔ ان کی اشاعتیں بڑھ گئیں۔ ان کی مانگ زیادہ ہو گئی۔ چندہ پر گزارہ کرنے والوں کی مراد بر آئی۔ امدادی فنڈ کھولے گئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی ہمدردی کا ایک نہ تھمنے والا طوفان ہے جو کہ ہر طرف سے اُمنڈا اُمنڈ کر آرہا ہے۔ اور حادثہ کے بالمقابل ہمدردی میں بھی کوئی کمی نہیں رہی۔ با اینہم کتنے چوٹ کھائے ہوئے دل ہیں جو زلزلہ کی صرف حقیقی علت کو خاطر میں لا کر بے چین و مضطرب ہو رہے ہیں۔ کتنی آنکھیں ہیں جو کوئٹہ کی بربادی کو دیکھ کر اسٹکبار نہیں بلکہ خدا کے قہر و غضب کو اس شکل میں دیکھ کر آنسوؤں کی جھڑیاں لگا رہے ہیں۔ کتنے کان ہیں جو صرف زلزلہ کی روح فرسا خبریں اور کوائف سننے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس امر کے منتظر ہیں کہ ان میں رشد و ہدایت کی وہ آواز پڑے جس کے سننے سے کوئٹہ والوں نے انکار کر دیا تھا اور انکار کا جو خمیازہ انہیں اٹھانا پڑا وہ ہمارے سامنے ہے۔ ذَالِكَ لِمَنْ حَقَّ

کانشہ چھایا ہوا ہے وہ بہر لہو جائے۔ وہ ایک طرف خدائے جبار و قہار کی حیرت انگیز
 قوت اور گرفت کا مطالعہ کرے اور دوسرے اپنی بے ماٹگی، بے بضاعتی، کم ہمتی
 اور کمزوری پر نظر ڈالے تاکہ مجبور ہو کر اپنا سر نیاز خدائے قدوس کے آستانِ عظمت
 و جبروت پر رکھ دے۔ عبودیت اور انابت کا مظاہرہ کرے جیسا کہ اس کے آباؤ
 اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جو کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ایک سب سے
 زیادہ مستحسن اقدام ہے۔

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ وَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ

علت اور محلول کا سلسلہ دنیا کی ہر چیز میں جاری و ساری آپ کو نظر آئے گا۔ اگر ماں باپ نہ ہوں تو اولاد کیسے پیدا ہو۔ اگر بادل نہ ہوں تو مینہ کیسے برسے۔ اگر دریا نہ ہوں تو نہریں کیسے بہ سکیں۔ ان حقائق کے ساتھ ساتھ آپ مزید غور و فکر سے کام لیں تو پتہ چلے گا کہ بعض اوقات ماں باپ کی موجودگی میں اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ بادل گھر گھر کرتے ہیں۔ بجلی چمکتی ہے۔ رعد گرجتی ہے۔ مگر کسی دفعہ پانی کی ایک بوند نہیں پڑتی۔ بڑے بڑے دریا موجود ہوتے ہیں لیکن بارش نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی ایک چھوٹی سی ندی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر نہروں میں پانی کہاں سے آئے۔ غرض کہ علتوں کی موجودگی بے سود محض ہے۔ جب تک علت العطل کی کار فرمائی نہ ہو۔ اسباب بالکل بے کار ہیں اگر مسبب الاسباب انہیں بروئے کار نہ لائے۔ لاوے اور گندھک کا التہاب زلزلہ پیدا نہیں کر سکتا جب تک خالق الالہیہ اس کے اندر زلزلہ پیدا کرنے کی تاثیر نہ ڈال دیں۔ ان شواہد و دلائل کی روشنی میں آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ زلزلہ کا موجب حقیقی لاوا اور گندھک نہیں بلکہ وہ محض ایک سبب کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح کہ دنیا میں اور بہت سے اسباب موجود ہیں۔ اور زمین کا قیام و استقرار، اس کا زلزلہ و ارتعاش کسی کے امر اور حکم کے ماتحت ہے۔

باقی رہا زلزلہ کا وقوع اور ظہور اس کے متعلق آیت زیب عنوان سے آپ بخوبی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ گناہوں کی فراوانی، بے اعتدالیوں کی افراط اور جرائم و معاصی کی کثرت اس کے اصلی محرک ہوا کرتے ہیں۔ اور غافل انسان کے لئے آپ سے نازیانہ عبرت سے تعبیر کر لیں تاکہ اس کے کانوں میں غفلت کی جو رونی ٹھسی ہوئی ہے وہ باہر نکال دی جائے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جو گمراہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں وہ ہٹا دیے جائیں۔ اور اس کے دماغ میں جو غرور و تجتر، خود سری اور خود نمائی

کیا ہے۔ اور حقائق الاشیاء کا علم بخش کر اسے مسجود ملائک بنایا ہے۔

انسانی خلقت سے پہلے دنیا کی عجیب کیفیت تھی۔ سورج کی روشنی، چاند کی ضیا پاشی، ستاروں کی جگمگاہٹ اسی طرح ہوگی۔ مگر کوئی اس کا قدردان نہ تھا۔ مناظر قدرت انہی رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ جلوہ نہاتھے۔ مگر کوئی واوینے والا نہ تھا۔ اور کوئی آنکھ ان کی دید سے جلالت اندوز ہونے والی نہ تھی۔ آبشاری کا گرنا، سبزوں کی لہلہاہٹ، پھولوں کا کھلنا، کلیوں کا چٹکنا، موسم بہار کا اپنی ساری دلفریبیوں سمیت آنا، باونسیم کے جھونکے، بادلوں کا گھرنا، رعد کی کڑک، بجلی کی چمک، قوس قزح کی رنگینی، موسموں کے تغیرات چلچلاتی و صوب اور کڑکڑاتی سردی، قلعہ ہائے کوہ و تودہ ہائے برف، دریاؤں کی روانی، سمندر کی طغیانی اور ان کا مدوجز سب کچھ تھا۔ مگر محض پیکار۔ اور سوائے صانع حقیقی و خلاق ازل کوئی ان چیزوں کا قدردان نہ تھا۔ اور نہ ہی ان عجائبات و نوادر کا قدر شناس۔ بالآخر فطرت نے دنیا کے سامنے اپنا شاہکار انسانی شکل میں پیش کیا۔ اور فاطر السموات والارض نے کنت کنزاً مخفیاً فاردت ان اعرف کہ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا اور میں سچا پاکہ پہچاننے والے پیدا ہو جائیں۔ لفظ گن سے ایک نئی مخلوق کی بنیاد ڈال دی۔ دست قدرت نے خود جس کی تخلیق کی اور مشاطہ فطرت نے خود اس کی تزیین۔

فرشتے جن کا مال زندگی تمید و تمجید، تقدیس و تسبیح کے سوا کچھ نہ تھا، اس عجیب الخلق مادہ اور جسمانی کا لبد کو دیکھ حیران رہ گئے۔ اور لاعلمی اور جہالت کی بنا پر جو متفرق پیدا ہوا کرتا ہے اس کے ماتحت کچھ اعتراض کر بیٹھے۔ مگر جبروت سبح سے تھرا گئے۔ اور بالآخر سیدنا آدم علیہ السلام کے سامنے انہیں سمر اطلالت خم کرنے اور ان کے آستان پر اپنا جبین نیاز رکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔

حکومتِ الہیہ

(حضور کا حقیقی اور آخری پیغام)

علمیت کہ آوازہ منصوبہ کپن شد من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

فلسفہ حیات

اربع عناصر کے امتزاج و اعتدال اور ایک جسم اور روح کے باہمی ارتباط و اختلاط کا نام حیوان ہے۔ اور فلسفیوں کی یہ تعریف اس کے ہر نوع پر صادق آنے والی ہے کہ **جِسْمٌ نَامِ حِسَّاسٌ مُتَحَرِّكٌ بِالْإِرَادَةِ**۔ ایک جسم بڑھنے والا، احساسات رکھنے والا اور اپنے ارادہ و فتنائے کے مطابق حرکت کرنے والا اور پھر اس کے سینکڑوں اقسام ہیں جن میں سے بلحاظ شرف و مجد، بلحاظ عقل و فکر، دانش و بینش انسان سب سے ممتاز و مفتخر ہے اور باوجودیکہ دوسرے بعض حیوانات قد و قامت اور جسمات کے اعتبار سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔ مگر سب کے سب اس کے مطیع اور تابع فرمان۔ اس لئے کہ ان کی زندگی خورد و نوش، جاگنے، سونے اور بعض اضطراری حرکات پر محدود ہے۔ اور حضرت انسان کو قدرت نے حواسِ خمسہ ظاہری کے علاوہ حواسِ خمسہ باطنی بھی عطا فرمائے ہیں، فہم و ذکا، علم و بصیرت و حقیقت شناسی و معاملہ فہمی کی نعمتوں سے مالا مال

۱۔ حضور نے یہ پیغام حزب اللہ کے سترھویں سالانہ اجلاس میں دیا۔ اور مناسبت کے زیر نظر حضور نے خطبہ کے طویل پر قرآن مجید میں سے وعظِ یوسفی والی آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں

پیش نظر رکھ کر چلنا، ہوائی طیاروں کا انہیں اپنا صحیح راستہ بنانا، کم کردہ راہ مسافر
کا انہیں دیکھ کر نشان منزل ڈھونڈ لینا۔ ایسے یہی واقعات ہیں جن سے کہ فطرت
کی یہ حسین ترین مخلوق خود بھی ناواقف ہے۔

پھر یہی کیفیت آپ کو کائنات کی ہر شے میں نظر آئے گی کہ حسن تو موجود
تھا۔ مگر حسن شناس کوئی نہ تھا۔ نیچر کی خوبصورتی میں تو کیسے کلام ہو سکتا ہے مگر
اس کی مدحت سرائی کون کرنا اور نظام عالم کی ترتیب و تدوین، اس کا نظم و
نسق، منظم اور مدبر کی حیرت انگیز طاقت اور بے نظیر اقتدار تو موجود تھا۔ مگر اس کی
اس عجوبہ روزگار صناعتی اور بے مثال کاریگر ہی پر عیش عیش کرنے والا مغفوق۔ ادھر
انسان کی تخلیق ہوئی اور ادھر کائنات کے راز ہائے سر بسندہ کا انکشاف ہو گیا
اشیاء تو موجود تھیں مگر ان کی حقیقتیں مستور۔ اور انسان نے آتے ہی سب چیزوں
کا حکیمانہ تجزیہ شروع کر دیا۔ خورد و لوبیوں گھاسوں اور بن اگائے اگے ہوئے
جنتوں کو اس نے بیکار نہیں چھوڑا۔ بلکہ لکڑیوں کا ایندھن بنایا۔ ان سے مکانات
تعمیر کئے، پل بنائے اور جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کیں اور سینکڑوں امراض کا
علاج ڈھونڈ نکالا۔ زمین کا چپہ چپہ کھود کر اس نے کئی قسم کی دھاتیں سونا چاندی
لوہا سکہ پتیل وغیرہ برآمد کیں۔ پٹرول اور کوئلہ جیسی کارآمد چیزیں تلاش کر لیں۔ جن پر کہ
انسانی تمدن کا تمام دار و مدار ہے۔ پھر اس نے سمندروں کا رخ کیا اور ان کا کونہ کونہ
چھان مارا۔ اور آج غالباً گڑھ ارض کے ارد گرد محیط سمندروں میں سے کوئی جگہ بھی
ایسی نہیں جو انسانی دست برد اور تصرف سے محفوظ ہو۔ اور سمندروں کو اس نے
صرف کھنگال ہی نہیں ڈالا۔ بلکہ ان کے وسیع اور گہرے پانیوں پر بھی حضرت انسان
کو اقتدار کامل حاصل ہے۔ اور اس کی بنائی ہوئی کشتیاں اور جہاز سمندر کی سطح پر
آبی جانوروں کی طرح تیرتے نظر آتے ہیں۔ ہوائی کرہ جو کسی زمانہ میں صرف حضرت

انسان دنیا میں نو وارد ہو کر آیا مگر آتے ہی اس نے تمام کائنات میں
 بل چل چلا دی۔ سورج بیچارہ متقدمین فلاسفہ کے نظریہ کے مطابق متحرک تھا۔ یا
 موجودہ سائنس دانوں کے خیال کے مطابق ساکن۔ بہر حال اس کا کام طلوع و
 غروب، بے پناہ ضو افگنی اور چکا چوند کرنے والی روشنی کے سوا کچھ نہ تھا۔ انسان نے
 آکر اس کی کرنوں اور شعاعوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس کی گرمی سے فصل پکائے
 غریبوں نے موسم سرما میں اس سے آگ کا کام لیا۔ امریکہ والوں نے کمی ہسپتال بنا
 ڈالے جہاں کے صرف مختلف الالوان شیشوں پر سورج کی شعاعوں کا انعکاس کی قسم
 کے امراض کا واحد اور مجرب علاج ہے۔

چاند کی ہلکی چاندنی بظاہر اسی پیدا کرنے والی تھی۔ مگر مفکر انسان نے
 اس میں بھی دلچسپی کے سامان پیدا کر لئے۔ فصلوں، درختوں اور پودوں کی
 نشوونما پر اس کے خوشگوار اثرات پڑتے ہیں۔ ان سے قطع نظر فطرت کا حسن جتنا
 چاندنی رات میں دکھایا کرتا ہے۔ اور مظاہر قدرت کا جو دلفریب نظارہ
 روشن راتوں کو نظر آیا کرتا ہے۔ اس کی کیفیت وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہیں کہ
 بصارت کے ساتھ بصیرت بھی بخشی گئی ہو۔ آسمانی بجلی کے ققمے یا چمکنے والے
 ستارے رات کو اگر باہر گر چشماک زنی کرتے نظر آئیں تو یہ ان کی سرشت قدیم
 ہے۔ مگر فطرت شناسی کا صحیح مذاق رکھنے والے انسان کے سوا اور کون ہے جو
 ان کے حسن و خوبی اور رعنائی و زیبائی کا صحیح معائنہ کر سکے۔ مختلف ممالک کے مشہور
 ادیبوں اور شاعروں نے ستاروں کے متعلق جو بلیغ اور انوکھی تصویریں کھینچی
 ہیں۔ عجیب و غریب تلمیحات اور استعاروں سے کام لیا ہے اور جس قسم کی نادر
 تشبیہیں دی ہیں وہ ارباب ذوق و اصحاب معانی سے پوشیدہ نہیں۔ اور پھر
 وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ کے مطابق بحری جہازوں کا ستاروں کی سمتوں کو

رازِ کائنات

انسانی زندگی آلام و استقام سے بھرپور نظر آتی ہے۔ اور عزتِ طلالِ مصیبت اور درد کے واقعات روزِ مژہ کی باتیں ہیں۔ انسان اپنے دکھوں اور دردوں کی وجہ سے آنسو بہاتا ہے۔ تکالیف اور مصائب کی گھریاں اسے صفِ ماتم پہچانے پر مجبور کرتی ہیں۔ اعزازِ اقارب کی جدائی اس کیلئے سوہانِ روح بن جاتی ہے اور مرنے والے کی یاد میں وہ آہ و بکا، نالہ و فریاد کا عادی ہے۔ مگر دنیا میں سب سے بڑا ماتم اس کی بے راہ روی کا ماتم ہے۔ اور سب سے بڑی مصیبت اس کی غفلت اور جہالت ہے۔ اس لئے کہ ظاہری دردوں کا علاج ممکن ہے۔ لاحقہ عوارض رفع ہو سکتے ہیں۔ زخموں کا اندمال آسان ہے۔ مرنے والے مرورِ ایام کے بعد بھول جایا کرتے ہیں۔ لیکن ایک مسافر کا منزل مقصود کی طرف چلنے کی بجائے مخالف سمت کی طرف چل پڑنا کس قدر افسوسناک ہے۔ ایک پیاسا اگر دریا کی طرف قدم اٹھانے کی جگہ ایک بے آب گیاہ لوق ووق صحرا کی طرف چل نکلے تو اس کی ہلاکت کتنی یقینی ہے۔ اور ایک صحیح الدماغِ اعلیٰ ذہانت والے شخص سے بجائے عقلمندانہ گفتگو کے مجنونانہ اور غیر ذمہ دارانہ حرکات کا صدور کس حد تک طبعِ سلیم پر شاق ہوا کرتا ہے یہی کیفیت حضرت انسان کی ہے کہ جس غرض سے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ جس بلند ترین نصب العین کو لے کر وہ دنیا میں آیا تھا۔ اور قوتِ تمیزی، اوراک اور معرفت کے جن جواہر ریزوں سے اس کا سینہ معمور ہو چکا تھا۔ اس نے سب باتوں کو طاقِ نسبان پر رکھ دیا۔ تخلیق کی غرض بھول گیا۔ مقاصدِ عالیہ کو فراموش کر بیٹھا۔ اور حقائق و معارف سے منہ موڑ کر ظن و تخمین، قیاسات

سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر تصرف رہ چکا ہے۔ آج انسان نے اس پر مکمل اختیار حاصل کر لیا ہے۔ اور جہاں کہ پہلے ملکوں اور آبادیوں کی تقسیم زمین کی حدود کے مطابق ہوا کرتی تھی۔ اب اسی طریق سے ہوائی گروہ باہمہمہ تقسیم ہوا کرے گا اور آئندہ کسی ملک کی سطوت یا اقتدار کا اندازہ اس کی بری فوج کی کمی بیشی سے نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ جس حکومت کے پاس ہوائی طاقت زیادہ ہوگی۔ وہی غالب اور فاتح منصور ہوگی۔

اس کے بعد ایجادات و اختراعات پر نظر ڈالیں۔ انسانی عقل و شعور، فہم و فراست، غور و فکر کی ترقی کہاں تک جا پہنچی ہے۔ وہ انسان جو اپنے ابتدائی دور میں پہاڑوں کی غاروں اور بھٹوں میں رہا کرتا تھا جس کا گذر اوقات و شبوں کے پھل اور پتے تھے۔ جس کے بدن پر کیسے کے پتوں کے سوا کوئی لباس نہ تھا اور جو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے تیز دھار والے پتھروں کی تلاش کیا کرتا تھا۔ آج اس کی سرفینک عمارات، اس کے دسترخوان پر سینکڑوں خوش ذائقہ کھانے اور دشمن کے خلاف استعمال ہونے والے بیسیپول قسم کے آلات حرب، توپیں اور بندوقیں، مشین گنیں اور بم دیکھ کر آپ اس کی ذہنی، علمی اور عقل ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کائنات کا کونسا راز ہے جو اس سے چھپا ہوا ہے۔ اور دنیا کی کونسی شئی ہے جس کی حقیقت کو وہ معلوم نہیں کر سکا۔ مگر صحیح بات تو یہ ہے کہ یہی علم ان کی بے علمی کی دلیل ہے۔ اسی دانش و بینش نے اسے حقیقی عقل و فکر سے محروم کر دیا ہے۔ اور طرہ یہ کہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ کچھ نہیں جانتا

ولنعلم ما قیل ۷

معلوم شد کہ بیچ معلوم نشد

و مسبب والی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ پھر خدا را مجھے بتاؤ کہ یہ نظامِ عالم
 کا قیام و استحکام، یہ اوقاتِ مقررہ پر سورج، چاند، ستاروں کا طلوع و
 غروب، یہ رات اور دن کے اوقاتِ معینہ، یہ ہواؤں کا چلنا، یہ ابر کا
 گھرنا، یہ مینہ کا موسلا دھار برسنا، یہ مردہ زمینوں کا آسمان کے پانی سے زندہ
 ہو جانا، یہ گھاس کا اگنا، یہ آبشاروں کا ترنم، یہ ابلتے ہوئے چشموں کا زیرم
 و لفریب و ادیوں میں فطرت کا بناؤ سنگھار نہیں۔ بلکہ باغ کے ایک ایک
 بوٹے و درختوں کے ایک ایک پتے، ریگ روال کے ایک ایک ذرے پر
 نظر ڈالیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ کائنات کے پروردہ میں خالق الکاائنات
 کا غیر مرئی مگر محسوس ہاتھ نظر آ رہا ہے۔ ہر ایک صنعت زبانِ حال و قال
 سے اپنے صانع کی رجز خواں کہ دنیا کی ہر چیز میں روئے پار کا عکس موجود ہے
 ۷ مار پیالہ عکس رخ پار دیدہ ایم اے بے خبر ز لذتِ شربِ ملام ما فی
 موجودہ زمانہ سائنس کا زمانہ ہے۔ علوم و فنون کی ترقی کا زمانہ ہے ایسا
 عقل کی پرواز اور تک و تاز کا زمانہ ہے۔ طبیعیات، مابعد الطبیعیات، علم النفس
 تشریح الابدان، فلکیات، علم نجوم، طبقات الارض اور ہر قسم بیسیوں نئے نئے
 علوم انسانی غور و فکر کے ماتحت معرضِ ظہور میں آچکے ہیں۔ جن کی وجہ سے
 آج کا تمدن پہلے تمدن سے بجد متفاوت ہے۔ نقل و حرکت کے ذرائع وسیع
 ہو چکے ہیں۔ گاڑیوں، موٹروں اور ہوائی جہازوں کے طفیل سفر بے حد جلدی طے
 ہو رہا ہے۔ سامانِ آسائش و تعیش کی افراط ہے۔ تکلفات بڑھ چکے ہیں۔ گو
 ساتھ ہی تصویر کا دوسرا پہلو بجد دل خراش ہے۔ کہ بڑھی ہوئی تہذیب
 نے بالآخر وحشییت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اگر علاج کے طریقے نئے نئے دریافت
 ہو رہے ہیں تو بیماریوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ثروت و تمول کی ترقی کے

و توہمات کی بھول بھلیوں میں جا پڑا۔ وہ جو کائنات کا راز معلوم کرنے آیا تھا۔ خود کائنات کا محکوم ہو کر رہ گیا۔ منظر ہر قدرت کی ٹوہ لگانے والا قدرت کی صنعتوں کا ولدا وہ ہو گیا۔ اور نیچر کی لم تک پہنچنے والا طلسم مہبت و بود میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھا۔

اس میں شک نہیں کہ صنعت عجیب تھی اور جاذب توجہ مگر اس سے بڑھ کر اس کا صانع لائق ہزار ستائش و تحسین تھا۔ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ مخلوق پر مرثیے والے نے کبھی خالق کا بھی تصور کیا ہے۔ سورج کا وجود، اس کا حجم، اس کی تیز شعاعیں، اس کی حرارت و تمازت، چاند کی لطیف اور ٹھنڈک پہنچانے والی ضیاء، ستاروں کی چمک و مک درخشانی و تابانی، زمین کی وسعت، آسمان کی پہنائی، پہاڑوں کی چوٹیاں، جنگلوں کا پھیلاؤ، ریت کے ٹیلے، پانی کے چشمے، دریاؤں کا بہاؤ، سمندروں کا تلاطم، پھولوں کے مختلف رنگ، پھلوں کے مختلف ذائقے، درختوں کے مختلف اقسام، حیوان کی زندگی اور ان کا تنوع، خود نوع انسان میں عجیب و غریب تفاوت، ان کے قد و قامت، خد و خال، صورت و سیرت میں تباہ و تضاد، یہ سب چیزیں ایک کھلی ہوئی کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ مگر کبھی یہ بھی سوچا گئی ہے کہ اس شاندار کتاب کا مصنف کون ہے۔ اور یہ تمام کاریگریاں کس کاریگر پر دلالت کرنے والی ہیں؟ اگر دنیا میں صانع و صنعت، خالق و خلقت علت و معلول کا سلسلہ موجود ہے تو پھر ان اجرام سماوی کا بھی کوئی خالق ضرور ہوگا۔ اگر آپ کے گرد و پیش کی کوئی چیز بھی خود بخود وجود میں نہیں آئی۔ حتیٰ کہ آپ کے ملبوسات، مشروبات و ماکولات بھی اسی نظریہ کے ماتحت کسی صانع یا کاریگر کے محتاج ہیں۔ اور خود آپ کا سلسلہ تو والد و ناسل انہی اسباب

کرنے کی فرصت ہی نہیں اور دنیاوی معاملات میں اسے اس قدر انہماک ہو چکا ہے کہ وہ کسی دوسری طرف اپنا دھیان ہی نہیں لگا سکتا۔ اس کے حکمرانوں کے دماغ میں شخصیت و استبداد، ہوس، ملک گیری و آمریت کے خیالات جاگزیں ہیں اس کے فلاسفر انسانی آبادی کو غارت و برباد کرنے کی نئی نئی ترکیبیں سوچ رہے ہیں۔ اس کے سرمایہ دار اپنا سرمایہ بڑھانے کی دھن میں ہیں اور اس کا مزدور خون پسینہ ایک کر کے صرف قوت لایموت بہم پہنچانے کا متمنی۔

آج دنیا پر مادیت کا عفریت مسلط ہو چکا ہے اور روحانیت کو دنیا والے بھول چکے ہیں۔ اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ نوع انسانی آج وقف حزن و ملال ہے۔ سب کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ سب کے قلوب مضطرب ہیں۔ دنیا کا ہر انسان دکھی ہے۔ مسرت و اطمینان کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ اور گھبراہٹ و سرایمگی، بے چینی و اضطراب، پریشانی و فکر مندی نے ہر ایک فرد کو اپنی آہنی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ اور اس کا باعث صرف یہ ہے کہ انسان کی بے راہ روی اور غلط اقدام نے اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ وہ دنیا میں بھیجا گیا تھا محض اس غرض کے لئے کہ کائنات کے مطالعہ سے خالق کائنات پر ایمان لائے۔ مصنوعات کی ندرت اور بوقلمونی اسے صنایع کی طرف راغب کرے اور نعمتوں کی فروانی اسے منجم حقیقی کی یاد دلائے۔ مگر اس کی آنکھوں میں غفلت کے پردے پڑ گئے۔ اس کے کانوں میں گمراہی کی روئی ٹھونس دی گئی۔ اور اس کا دل پتھر سے بھی بڑھ کر سخت ہو گیا۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی کوشش اور ہمت سے اپنی زندگی کو گلزار بنائے۔ مگر وہ روز بروز خارزار ہو رہی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کے ایام حیات بے فکری اور اطمینان سے بسر ہوں۔ مگر اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ وہ آرام کا متلاشی ہے۔ اور سکون کا متمنی مگر اس کلبہ احزان اور مقامِ آلام میں آرام

ساتھ ساتھ غربت و افلاس بھی بڑھ رہا ہے۔ جہاں اصحاب دولت کے ہاں
 ماکولات و فواکھات کی بہتات ہے۔ وہاں صوبہ بنگال میں ہزاروں لوگ بھوک
 کے عذاب سے تڑپ تڑپ کر جا رہے ہیں۔ اگر ایک طرف جمعیتہ الافغان
 نے قیام امن کو اپنا منہا مقصود قرار دے رکھا تھا تو دوسری طرف موجودہ
 جنگ کی ہولناکی بھی اب کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ آپ موجودہ دور کو
 اگر ترقی کا دور قرار دیں تو آپ کی مرضی۔ ورنہ یہ تنزل و انحطاط کا دور ہے۔ یہ
 بد اخلاقی، بد تہذیبی، وحشت و بربریت، فساد و شرارت، ظلم و طغیان، جور و
 عسبیاں کا دور ہے۔ جس میں کہ بدترین اخلاق کو بہترین محاسن سے تعبیر کیا جا رہا
 ہے۔ برائیوں کو نیکیوں کا نعم البدل سمجھا جا رہا ہے۔ اور غارت گری اور خونریزی
 نے امن اور صلح کی جگہ حاصل کر لی ہے۔ انسانی عقل و شعور کی اڑان و وزنگ
 جا پہنچی ہے۔ اور اب زمین پر بسنے والوں نے آسمان والوں سے باتیں کرنی شروع
 کر دی ہیں۔ مزیح کے ساتھ گفتگو اور نامہ و پیام کے طریقے سوچے جا رہے ہیں
 چاند تک رسائی حاصل کرنے کی تدابیر نکالی جا رہی ہیں۔ رصد گاہوں میں بیٹھ کر
 منجھن نیت نئے نئے ستاروں کا کھوج لگایا کرتے ہیں۔ ادھر ہلاکت آفریں گیسوں
 اور تباہی خیز بھاری گم مموں کی ایجادات نے دنیا میں تہلکہ ڈال دیا ہے۔ کئی
 قسم کی مشینوں کے بن جانے سے بیکاری اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا
 ہے۔ اور جنگ کے بعد غالباً سرمایہ دار اور مزدور کے باہمی تصادم و تقابل کا غیر مختتم
 سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ غرض کہ انسانی توجہات اس حد تک ان ظاہری اسباب
 و سامان معاشرت کی طرف منعطف ہو چکی ہیں کہ اسے کسی دوسری طرف غور

لے یہ خطبہ ۱۹۴۷ء میں ارشاد ہوا تھا۔ تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے۔ انہی ایام میں صوبہ بنگال
 میں نہایت ہی خطرناک قحط پڑا تھا۔ ان دنوں جنگ عالمگیر دوم زوروں پر تھی۔

کی واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ ایک ہی جملہ کفایت کرنے والا ہے
یہ جامع اسرار جملہ کلمہ طیبہ یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ ہے

یکے دو استبدار الشفاٹے میکہ ہائے زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہند
پھر جب آپ نے صدق دل اور خلوص نیت سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور زبان کے اقرار کے
ساتھ آپ کے دل نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی کہ ایک ذات واجب الوجود کے سوا
نہ کوئی معبود ہے۔ نہ مقصود ہے، نہ مطلوب ہے، نہ مرغوب ہے۔ اور صوفیائے
کرام کے نظریہ کے مطابق نہ موجود ہے۔ تو پھر راز و روین پر وہ کائنات کا کاشف ہو گیا۔ کائنات
کی پیچیدہ گتھی سلجھ گئی۔ سورج کی لہم تک پہنچنے کی ضرورت نہ رہی۔ چاند کی حقیقت
خود بخود کھل گئی۔ ستاروں کی نوعیت واضح ہو گئی، آسمانوں کی عظمت اور زمین کی وسعت
کا راز سمجھ میں آ گیا۔ اب کسی دماغ باقتہ فلاسفر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں،
کسی مختل الحواس سائنس دان سے استصواب کی حاجت نہیں کسی مفکر
کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا سوال باقی نہ رہا۔ ایک ذات وحدہ لا
شریک پر ایمان لے آنا ہی سب سے بڑا فلسفہ ہے۔ اور اسے خالق
بے ہمتا مان لینے سے ہی سائنس نے جو پیچ در پیچ گریں ڈال رکھی ہیں وہ خود بخود
کھل جائیں گی۔ بجائے ظن و تخمین کے آپ کے دل میں یقین گھر کرے گا۔ تمام آلام
و احزان دور ہو جائیں گے۔ تمام تفکرات و تردوات مٹ جائیں گے۔ اور ان
کی جگہ آپ کا دل یکسوئی، دلجمعی، مسرت و اطمینان سے لبریز ہو جائے گا۔
الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِمَا كَرَّمَ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ
کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور ان کے دل مطمئن ہو چکے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اطمینان قلب
صرف یاد خدا سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

کہاں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ راز کائنات یونہی مستور رہے گا یا کبھی اس کی عقدہ کشائی بھی ہوگی۔ سائنس دان حیران ہیں کہ بے جان مادہ کے اندر اجزائے لایعجزی کی ترتیب و تشکیل سے جسم تو بن سکتا ہے۔ مگر یہ روح کہاں سے آگئی۔ مبصرین و مفکرین قدم عالم کے غلط نظریہ کی تصدیق کے باوجود ابھی شمسی شعاعوں کی حقیقت معلوم نہیں کر سکے۔ اور تدبیر امر وہ مسئلہ ہے جس کا حل انسانی تدبیر و فکر سے ہمیشہ بالاتر ہے۔ یہ لوگ یاد رکھیں۔

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمتِ این معمارا

وہ کارخانہ قدرت کا جہاں عمیق نظروں سے مطالعہ کریں گے۔ وہ ناقابل فہم ہوتا جائے گا۔ اور اس میدان میں علم کے گھوڑے دوڑانے والوں نے ہمیشہ سر کے بل ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ اپنے کمزور عقل اور ناقص فہم کے بل بوتے پر ایک نظریہ قائم کرتے ہیں۔ مگر دوسرے ہی دن اس کا بطلان ہو جایا کرتا ہے۔ آپ یورپ کے ملحدین روس کے ناستکوں، اور دنیا بھر کے مفکرین کو یہ بتلا دیں کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے سرزمین حجاز کے اندر ایک بظاہر اُمّی مگر حقیقتاً علوم الاولین والآخرین کے ماہر نے راز کائنات کو کھول کے رکھ دیا۔ وَ لِلّٰهِ دَرَمًا قَالَهُ

نگار ما کہ بہ مکتب سنت و خط نوشت بفرہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اور راز کائنات کے مخفی خزانوں کی چابی اس نے عرب کے بے آب گیاہ اور سنگلاخ قطعہ ارضی پر بسنے والے بدوؤں کے ہاتھ دے کر ساری دنیا میں یہ نعمت لازوال نہایت دریا دلی اور سیر چشمی کے ساتھ تقسیم کر دی ہے۔ شہنشاہ کونین (بابی انت وامی) کی بعثت کی غرض بھی یہی تھی کہ گم کردہ راہ دنیا والوں کی صحیح راہنمائی کریں۔ بھولے بھٹکے مسافروں کو منزل مقصود کا پتہ دیں اور مخلوق و خالق کا ٹوٹا ہوا رشتہ سہر جوڑ دیں۔ ساری کائنات کا راز ایک مختصر جملے میں مضمرب ہے۔ اور جو شخص کہ دنیا بھر

اگر آپ ذرا غور سے کام لیں تو یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑے گا کہ محض شخصیت و استبدادیت
ملوکیت و حکومت حاصل کرنے کی خاطر یہ معرکہ رستخیز ہو رہا ہے۔ چند مہذب لیڈر
اور ڈاکو، اور چند شائستہ قزاق اور چور اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل اور دائرہ حکومت
کی توسیع کی خاطر انسانی خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ یورپ اور ایشیا، افریقہ اور
امریکہ کے براعظموں میں تباہی و بربادی، غارتگری و امن سوزی کے جو خونچکان
واقعات اور مہیب مشاہدات آپ کی نظر آ رہے ہیں۔ بمبار طیاروں کی ہولناک بمباری
توپوں کی گرج، مشین گنتوں کے فائر، بندوقوں کی بارشیں، شہروں کی بربادی، عمارتوں
کا انہدام، مکانوں کی آتشزدگی، زخمیوں کی چیخ و پکار، مرنے والوں کی زنجی سسکیاں
کشتوں کے پشتے، لاشوں کے ڈھیر اور انسانی خون کی ارزانی، یہ سب کچھ محض اس
لئے ہو رہا ہے کہ ہٹلر کا نام بلند ہو، مسولینی کی تمنائیں برآئیں، ٹو جو کی سکیم کامیاب
ہو۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ باتیں کوئی نئی نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی عظیم المرتبت
انسان کے دماغ میں وحشیت کا غلبہ اور انسانیت کا فقدان ہوا، ہر قسم خونریزیوں
اور تباہ کاریاں ہوتی رہیں۔ کروڑوں نہیں اربوں جانیں محض دیو استعمار و عنقریب ملوکیت
کے بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ اور دنیا میں اکثر ایسی مہض اس لئے لڑی جاتی ہیں کہ
فلاں بادشاہ یا فلاں حاکم کو دوسروں کے مقابلہ میں فوقیت حاصل ہو۔ اور اس
کاراج اور حکومت اقصائے عالم میں پھیل جائے۔ سکندر اعظم اور نپولین بونا پارٹ
کے فتوحات کا سیلاب کیوں آیا۔ صرف اس لئے کہ سکندر کے ہوتے ہوئے پورس یا
دوسرے راجاؤں اور بادشاہوں کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اور نپولین
اپنا دائرہ مملکت وسیع کرنے کی خاطر اس زمانہ کی بہر طاقت سے زور آزمائی کرنے
لگا تھا۔

آج بھی یہی کیفیت ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کو محض اس لئے کچل رہی ہے

اِنَّ الْحَكِيمَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

دنیا میں انسان کے علاوہ اور حیوانات بھی موجود ہیں اور بعض مقامات پر وہ اجتماعی صورتوں میں گذراؤقتات کیا کرتے ہیں۔ کئی بڑے بڑے جنگلوں میں ہاتھیوں کے غول نظر آتے ہیں۔ بعض جنگلات میں شیر، بچھ اور بھیڑیوں کی ٹکڑیاں آپ کو دکھائی دیں گی۔ ہرنوں کے گلے بھی ہو کرتے ہیں۔ اڑنے والے جانور بھی لڑکیاں بنا کر اڑا کرتے ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ ان میں سے ایک ہاتھی، شیر یا بھیڑیا دوسرے جنسوں پر حکومت کر رہا ہو۔ یا ان کے درپے آزار ہو۔ جنگل کا مہیب جانور شیر دوسرے کمزور جانوروں کے شکار کا عادی ہے۔ ایک خونخوار بھیڑیا بکریوں اور بھیڑوں کے لئے ہلاکے بے درماں۔ باز اور شکرے کبوتر، فاختاؤں اور چڑھیوں پر چھٹ لگایا کرتے ہیں۔ مگر آج تک یہ سنا گیا ہے کہ کسی شیر نے شیر کا شکار کیا ہو۔ یا ایک بھیڑیا نے دوسرے بھیڑیے کو کاٹ کھایا ہو۔ یا بازوں اور شکروں نے ایک دوسرے کو چیر پھاڑ ڈالا ہو۔ سانپ سانپ کو نہیں ڈسا کرتا اور چھو بچھو کو نہیں کاٹتا۔ پھر اشرف المخلوقات انسان کا اپنے دوسرے بھائی کو اپنی غلامی پر مجبور کرنا اور ذرا سی حکم عدولی پر اسے مارنا پیٹنا، تازیانے لگانا، قید اور بند میں جکڑ دینا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں میں طوق و سلاسل ڈال دینا، اسے گولی سے اٹوینا، اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر اس کی تڑپتی لاش کا دل خراش نظارہ کر کے بجائے رحم اور ہمدردی کے مسرت کا اظہار کرنا، وحشیت اور بربریت کی ایک نہایت گھناؤنی تصویر ہے۔

یہ جو آج کل دنیا میں قیامت مچی ہوئی اور انسان انسان کو ہلاک کر رہا ہے

لے یاد رکھو کہ یہ خطبہ جنگ عالمگیر دوم میں ارشاد فرمایا گیا تھا۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کے مختلف جگہوں میں یکے بعد دیگرے حالات بدستور المناک رہے۔ جنگ ختم ہو گئی۔ لڑنے والے بچے جنسوں کا گلا کاٹنے سے باز نہ آیا۔

تو پہلے لوگوں نے اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور بالآخر اپنے عقل و فکر تدبیر و سیاست کے ترازو میں تول کر اسے بطیب خاطر قبول کر لیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانہ کی اہرمنی قوتوں، طاغوتی طاقتوں اور ابلسی حکومتوں نے حکومتِ الہیہ کے پرستاروں سے زبردست ٹکری۔ اور آخر سپاہی کا غلبہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت غالب آگئی۔ اور انسان کے کمزور ہاتھوں سے بنائی ہوئی انسان پرستی کی عمارت دھڑام سے نیچے آ رہی۔ اور خدا کے نام پر تعمیر ہونے والا قلعہ ناقابلِ تسخیر ثابت ہوا اور قیامت تک رہے گا۔ انسان نے امن اور صلح کے نام پر جو ظالمانہ اور غاصبانہ قانون بنا رکھے تھے۔ اور جن کا وجود بنی نوع انسان کے لئے باعثِ ہزار تنگ و رسوائی ہو رہا تھا، اللہ کے قانون نے آکر معقولیت و استدلال، طبعی مناسبت و اقتضائے حالات کیساتھ انہیں شکست دی۔ اور ناقص قانون کی جگہ کامل قانون نے لے لی۔ انسانی حکومت کسی حد تک ترقی حاصل کر لے مگر اس کی بنیاد بے حد کمزور ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک فاتح کی موت یا شکست ساری فوج یا قوم کے لئے پیغامِ ہلاکت ہے۔ مگر اللہ کی حکومت ان نقصانات یا کمزوریوں سے بالاتر ہے۔ اس کی ذات حق اور قیوم ہے اور اسے شکست دینے والا کوئی نہیں۔ انسان کا تجویز کر وہ قانون زمانہ حال کی پیداوار ہوا کرتا ہے۔ اور چونکہ مستقبل کے حالات سے محض بے خبر ہے۔ اس لئے آئندہ کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا۔ مگر خدا نے ہم یزید و لم یزال کا تدوین کردہ قانون تمام زمانوں پر محیط، تمام ملکوں کے حالات کے مطابق اور قوم کے لئے یکساں مفید اور کارآمد ہے۔

انسانی حکمرانوں سے غلطیوں کا امکان ایک معمولی بات ہے۔

لوگوں کی غلط روش سے دنیا نے بڑی بڑی مصیبتیں برداشت

کہ وہ اس کی غلام رہے۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے محض اس لئے لڑ رہا ہے کہ اُسے اپنا ماتحت بنائے۔ اور یہ سلسلہ کارزار اور یہ معرکہ دار و گیر اس وقت تک رہے گا جب تک انسان کا دماغ ان خیالات فاسدہ اور جذباتِ ہیمنہ سے پاک نہیں ہوگا۔ اور جب تک انسانی حکومت و اقتدار کا تخیل کلیتہً زائل نہیں ہو جائے گا۔

دنیا میں ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک کئی قومیں پیدا ہوئیں کئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اقوام و ملل کے عروج و زوال کے افسانے ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ جنگوں کے واقعات اور لڑائیوں کے حالات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر حقیقتاً ان سب میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور کسی میں بھی کوئی جدت نہیں۔ اور غایتہً مافی الباب ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص یا اس کے زیر اثر ایک قوم نے دیگر اشخاص یا اقوام پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اور انسان نے دوسرے انسانوں کے گلے میں اپنی غلامی کا طوق ڈال دیا۔ لیکن آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے ایک زوالی حقیقت کا انکشاف ہوا۔ اور دنیا والوں کو ایک عجیب و غریب تعلیم سے روشناس کرایا گیا۔ اور یہی وہ مبارک تعلیم ہے جس کے ماتحت دنیا کو دیہی امن، مستقل صلح، اور حقیقی سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ "انسان انسانی حکومت کا جو اپنی گردن سے اتار دے" اس کی غیرت و خودداری اسے اپنے جیسے انسان کے آگے جھکنے سے روک دے۔ اور وہ ظاہری حکومتوں اور طاقتوں سے بالکل باغی اور سرکش ہو کر ایک احکم الحاکمین کے ساتھ وفاداری کا عہد استوار کرے۔

یہ مبارک تعلیم جب مصلح اعظم، فخر عربِ عجم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مشرح و ايسط اور پوری وضاحت و تفصیل کے ساتھ دنیا والوں کو پیش کی

بغاوت کی یا سرکشی دکھلائی دست قدرت نے اسی کا سر نیچا کر دیا۔ فرعون و فرود،
 یامان و شداد، ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں کے قصے آچے سامنے ہیں اور آج کل پوڑے
 والوں کا حشر آپ کے روبرو ہے۔ نصرت اور فتح اس کے ہاتھ میں ہے عزت اور
 ذلت وہی دینے والا ہے: **إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ**
 کے مطابق زمین میں اس کی ملکیت ہے۔ اور وہ جسے چاہے عطا کر دے۔ اور پھر وہ
 صرف حاکم اور مختار مطلق ہی نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے
 اس نے وقتاً فوقتاً اپنے قانون مختلف کتابوں اور صحائف کی صورت میں بھیجے ہیں
 اور اس کا آخری اور مکمل قانون قرآن حکیم کی شکل میں ہمارے سامنے موجود
 ہے۔ اور جس کی موجودگی میں کسی انسان کے بنائے ہوئے قانون کی قطعاً کوئی ضرورت
 نہیں۔ **فِيهِ تَبَيِّنَاتٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ** کے مطابق اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر روشنی
 ڈالی گئی ہے۔ اس میں تمدن کے اعلیٰ اصول بھی موجود ہیں۔ تہذیب و شائستگی
 عمرائیت و مدنیت کی سب باتیں بھی مذکور ہیں۔ علم الاقتصاد کی تشریح بھی ہے اور
 علم النفس کا بیان بھی۔ معاشرتی امور بھی زیر بحث لائے گئے ہیں اور معاشیات
 پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اس میں فوجداری، دیوانی، محکمہ مال اور وزارت
 کے سب دفعت باوضاحت پائے جاتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کی
 کوئی بھی رطب یا بس، معمولی و غیر معمولی، دینی، دنیوی، سیاسی، ملکی بات ایسی
 نہیں جس پر قرآن حکیم شاید عادل نہ ہو۔

پھر آؤ ہادی اعظم، راہبر اکمل، ماہر مکمل محمد رسول اللہ ﷺ کی صحیح اتباع اور
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری تقلید کرتے ہوئے اس دور الحاد اور اس زمانہ ارتداد میں ہم
 بھی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کی حکومت کا اعلان کریں۔ اللہ اکبر کی بڑائی کی خاطر میدان عمل میں لگائیں
 اور خدا کے بنائے ہوئے قانون کو انسان کے بنائے ہوئے قانون پر ترجیح دینے اور رائج کرنے کی خاطر
 من و عن نثار کریں۔ مصدحت و بدین است کہاراں ہمکار۔ بگذارند سیر طرہ یارے گیرند

انسانی آبادیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے ہیں۔ مگر حاکم علی الاطلاق کی ذات غلطیوں سے بالکل مبرا اور منترہ ہے۔ انسانی خاتجین کو اپنے ذاتی مفادات دوسروں کے مفادات سے مقدم ہوا کرتے ہیں، مگر مالک الملک کے سامنے ذاتی سوال موجود ہی نہیں۔ وہ اپنی مخلوق پر تمام جہان سے زیادہ مہربان ہے۔ سارے لوگ اس پر متفق ہیں کہ ہم سب کا پیدا کرنے والا، ہمیں رزق دینے والا، ہماری پرورش کرنے والا، ہمیں آفات و بلیات سماوی و ارضی سے محفوظ رکھنے والا، ہمیں بیماریوں سے نفع دینے والا، ہمیں صحت اور زندگی بخشنے والا وہی ایک قادر مطلق ہے۔ پھر ہم اسے اپنا پادشاہ، فرمانروا اور حاکم کیوں تسلیم نہ کریں جبکہ اس کے صفاتی ناموں میں ملک یا بادشاہ بھی شامل ہے۔ وہ آمر مطلق ہے۔ اور اس کے ایک مقبول پیغمبر سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنے وعظ و تذکیر میں وضاحت کر دی کہ:

إِذَا الْحُكْمُ لِلَّهِ

کہ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ حاکم وہی ہوا کرتا ہے جو کہ سب سے زیادہ تصرف و اقتدار والا ہو۔ پھر آپ بتلائیں کہ اس سے بڑھ کر اور کس کا تصرف ہے۔ اور کس کا اقتدار؟

اس کے تصرف کی یہ حالت ہے کہ ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ اور اقتدار کی یہ کیفیت کہ تمام نظام عالم اس کے اشارہ اور فرمان پر چل رہا ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کا مقابلہ اس کی ذات سے ایسا ہے۔ جیسا کہ ایک دریائے بیکراں کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ یا صحرائے اعظم افریقہ کے مقابلہ میں ریگ رواں کا ایک ذرہ۔ وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ۔ انسانی حکومت اور ظاہری طمطراق کے نشہ میں آکر جس شخص نے بھی اس کے ساتھ

اور بے گناہی اور دشمن کی سنگدلی اور خوں آشامی کا اعلان کر رہے ہیں۔ ان سے قطع نظر دیکھنا یہ ہے کہ واقعی اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر بسنے والی کوئی ایسی قوم موجود ہے جس کا نصب العین حقیقی معنوں میں امن پسندی اور صلح جوئی ہو اور محمود ہو کر کسی سے لڑنے بھی لگے تو اس کا اصل منشور حرب و قتال اور جنگِ جدال نہ ہو بلکہ

حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْنَ مَارَهَا

کے مطابق جنگ کے خلات جنگ اور لڑائی کرنا ہو اور مقصود بالذات یہ کہ مظلوم اور پس پا افتادہ اقوام کی اس حد تک حمایت کی جائے کہ وہ ظالم اور جاہل اقوام کی دست برد سے بچ سکیں۔ خدا کی زمین کو فسادات اور شرارتوں سے نجات دلا کر اس میں مصالحت اور امن پیدا کیا جائے تاکہ یہ کرۂ ارض اپنے ساکنین کیلئے بجائے ناز و عجز اور روزخ کے گلزار اور جنت بن جائے چنانچہ اسلامی جہاد کی غرض یہی تھی اور مسلمان محض اس لئے دوسری قوموں سے لڑا کہ وہ انسانی شخصیتوں کا وقار قائم کرنے اور اپنا دائرہ حکومت وسیع کرنے کی خاطر لوگوں کو مجبور کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلا کہ بقتل بالمقیس :

إِنَّ الْمَلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْيُنَ أَهْلِهَا آذَانًا

کہ بادشاہ جب کبھی ظالمانہ حیثیت سے کسی ملک میں داخل ہوئے۔ وہاں انہوں نے فساد پھیلایا۔ اور شرفار اور معززین کی تحقیر و تذلیل کی گئی۔ اور مسلمان چونکہ اپنا راج قائم نہیں کرنا چاہتا اور جہاد کا مقصد شخصی اقتدار یا جماعتی تفوق ہرگز نہیں۔ بلکہ آسمانی حکومت کا قیام اور اللہ کے قانون کی ترویج ہو کرتا ہے۔ اور جس کے عملی نتائج دنیا کا امن، اخوت، مساوات و حریت، کاملہ کی شکل میں ظاہر ہوا کرتے ہیں اس لئے ان مقاصد عالیہ کے حصول کی غرض سے جو قربانی کی جائے، خدا کا نام بلند

اسلامی جہاد کی حقیقت

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ امن طلبی، صلح جوئی اور مصلحت کو شی کے لئے جو اقدام اسلام نے کیا ہے۔ وہ کسی دوسری قوم یا مذہب سے نہیں ہو سکا۔ کہنے کو تو یہ آسان بات ہے کہ تمہاری گال پر کوئی شخص تھپڑ رسید کرے تو دوسری گال بھی اس کے سامنے رکھ دو۔ مگر کیا اس نظریہ کے بانی سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے پیروکاروں نے کسی زمانہ میں بھی اس پر عمل کر کے دکھلایا ہے۔ مہاتما گاندھی کا عدم تشدد اور اہنساک کی تعلیم صرف انہی کی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اور جمعیتہ الاقوام کا پیغام امن جنگ کی ہیب گرج میں طوطی کی آواز کے مراد ہے لوگ ذاتی اغراض پر ہمیشہ اصول اور اخلاق کو قربان کیا کرتے ہیں، جب منفعت، ہوس ملک گیری، اور استعمار کے سامنے نالہ یتیم، آہ بیوہ و فریاد مظلوم کی کوئی شنوائی نہیں۔ اور ایک ملک کی آبادی کی خاطر سینکڑوں ملک برباد کر دینا ایک معمولی بات ہے۔ اور ذاتی اور شخصی اقتدار حاصل کرنے کے پیش نظر ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کی غوریزی روزمرہ کے واقعات۔

آج قیام امن کا بہانہ لے کر جس طرح بد امنی پھیلانی جا رہی ہے صلح کی اڑلے کر جنگ کے جواز کے پہلو جس دیدہ دلیری کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں اور سادہ لوح قوموں کے سامنے یورپ کے شاطر جس شد و مد کے ساتھ اپنی مقصد

۱۔ اس خطبہ کو ارشاد کرتے وقت یعنی ۱۹۴۷ء میں مہاتما گاندھی زندہ تھے۔ جنگ علیگیر کا زور تھا۔ مہاتما جی کو تقسیم ملک کے بعد ۳ جنوری ۱۹۴۷ء کو ایک مرتبہ نتھورام گاندھی نے دہلی میں قتل کر دینا اور اس طرح ان کے فلسفہ عدم تشدد کی ناکامی کا اعلان خود ان کی موت نے کیا۔

انہیں نہایت حکیمانہ طور پر فہمائش کی۔ ان کی بے راہ روی سے انہیں نہایت اخلاق آمیز طریق سے متنبہ فرمایا اور خدائے قدوس و قیوم کی عظمت و برتری کو معقول ترین دلائل و براہین سے ثابت کر دکھلایا۔ مگر جب ان کی فطرت مسخ ہو گئی، ان کے دلوں میں کفر و الحاد کے مرض نے جڑ پکڑ لی اور ہدایت کے تمام رستے ان پر مسدود ہو گئے اور قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہو یا دنیا اصنام پرستی، اوہام پرستی، اغراض پرستی اور نفس پرستی کی لعنتوں میں گرفتار رہے۔ لوگ احکم الحاکمین کے آستان جبروت و بارگاہ قدس پر چین سائی و ناصیہ فرسائی کریں یا پتھر کے گھڑے ہوئے بتوں، بعض اشخاص کے مجسموں، خود ساختہ ہیکلوں، بلند قامت اور سایہ دار درختوں، سانپوں، پھوول اور دنیا کی حیرت انگیز اور بہرہ و بہشت خیز شے کے سامنے اپنا ماتھا ٹیکنے لگیں اور اپنے ہاتھ استمداد کے لئے پھیلائے لگیں۔ تو پھر مسلمانوں نے دنیا کے سامنے لڑائی کا وہ نقشہ پیش کیا اور جنگ کی وہ طرح ڈالی جس کی نظیر اور مثال اس سے پہلے قطعاً موجود نہ تھی۔

بابہ التمزاع صرف یہ تھا کہ مسلمان چاہتا تھا۔ دنیا میں پرستش ہو تو واعدلا شریک کی، حکومت ہو تو ایک احکم الحاکمین کی، فرمانبرواری ہو تو صرف اسی کی، تمام جہاں کے لوگ باہم درجہ مساوات قائم رکھتے ہوئے غلامی کریں تو فخر اسی کی اور دنیا والے صرف اسی کے مجوزہ قانون کتاب الہی کا احترام کرتے ہوئے اس کی پوری پیروی کریں۔ اور غیر مسلم کا مطالبہ یہ تھا کہ پوجا ہو ہمارے باپ دادا کے معبود بتوں کی، حکومت ہو زید عمر و بکر کی، فرماں برداری ہو حاکم وقت کی، غلامی اختیار کی جائے اکابر و رؤسا کی، اور قانون وہ ہو جسے کوئی انسان مقصود یا قانون ساز جماعتیں ملوث نہ کریں:

کرنے کی خاطر جو اقدام کیا جائے، اس کی حکومت کو دوسری ظاہری حکومتوں پر قوتیت دینے کے لئے جو جدوجہد کیا جائے اور اس کے قانون کو دوسرے انسانی خود ساختہ قوانین پر ترجیح دینے کے لئے جو سعی عمل میں لائی جائے۔ اس کا اور صرف اس کا نام جہاد ہے:

وَقَاتِلُواهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ

کہ دشمن سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک فتنہ و فساد کا قلع قمع نہ ہو جائے اور جب تک خدا کا قانون کلیتہً دوسرے قوانین پر غلبہ حاصل نہ کر لے۔ اور لطف یہ کہ مسلمان اس وقت لڑائی کے لئے میدان میں نکلا جب اسے اس کے بغیر مفر نہ رہا۔

آج کل کے زمانہ میں متحاربین ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی مول لیا کرتے ہیں۔ اور معمولی معمولی بہانے بنا کر بلا اطلاع دوسرے ملکوں پر چڑھتے ہیں۔ حالانکہ اگر مشرکین مکہ مسلمانوں اور ان کے راہنمائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات میں خلل انداز نہ ہوتے، انہیں ہجرت کرنے پر مجبور نہ کرتے۔ انہیں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ نہ بناتے۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ مدینہ پاک پر چڑھائی کر کے وہاں سے مسلمانوں کو نکال دینے کا ہتھیہ نہ کرتے تو توہ قوس جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اس کا نام بلند کرنے کے سوا کوئی غرض لے کر دنیا میں نہیں آئی تھی۔ اسے کیا ضرورت تھی کہ کسی سے خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا کرنے لگتی۔ مگر جس صورت میں کہ عرب کے سرداروں کی گمراہی حد سے بڑھ گئی، صنایع عالم و خالق الکائنات کی جگہ انہوں نے خود تراشیدہ بتوں کی پوجا شروع کر دی، اس کی وحدانیت و حمدیت کے مقابلہ میں لات و منات، عزتی و مہل کو سراہا جانے لگا اور نعرہ تکبیر کی بجائے بتوں کے جیکارے بلند ہونے لگے۔ حضور مقرر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے

رومیوں نے ان پیش کردہ شرائط پر تمسخر اور ایرانیوں نے مضحکہ اڑایا۔
 اور بظاہر مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی، شہباز اور حقیر جیسی چٹایا کا تھا۔ مگر فتح و شکست
 خدائی رعانت کے علاوہ کچھ عزائم اور تمہتوں پر بھی انحصار رکھتی ہے۔
 رومی اور ایرانی دل کھول کر لڑے۔ بے حدود شجاعت دی۔ مگر لڑنے والوں
 کے پیش نظر یہی چند ایک جذبات تھے کہ ہمارے بادشاہوں کی خیر ہو۔ ہماری قوم
 ہزیمت اور شکست کے بعد تباہ حال نہ ہو جائے۔ اور ہم کسی دوسرے کے غلام
 اور محکوم نہ ہو جائیں۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیالات کہ ہم جس کی مخلوق ہیں،
 ہمارا جو رازق مطلق ہے، ہمارا جو پرورش کرنے والا ہے، ہماری صحت کا جو
 ضامن اور ہماری تندرستی کا جو برقرار رکھنے والا ہے، جس نے ہمیں دیکھنے کے لئے
 آنکھیں دیں، سننے کے لئے کان مرحمت فرمائے۔ بولنے کے لئے زبان بخشی،
 سمجھنے کے لئے دماغ عطا فرمایا۔ جس کے ہاتھ ہیں عزت اور ذلت ہے۔ جس کے قبضے
 میں افلاس اور ثروت ہے۔ جس کی عطا کردہ نعمتوں کا کوئی شمار نہیں۔ آج ہم
 اس کی تقدیس اور بڑائی کی خاطر سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں۔ یہ سامنے والے لوگ
 تو بھاڑ کے ٹٹو ہیں، اغراض و نفسانیت کے بندے ہیں۔ دنیوی لالچ اور طمع
 کی خاطر یہاں لڑنے آئے ہیں۔ ہمیں سوائے حصول خوشنودی رب العزت کوئی
 چیر میدان میں نہیں لانی۔ ہماری نیتوں میں خلوص ہے۔ ہمیں زر و جواہر کی پرواہ
 نہیں۔ جاہ و حشمت کی ضرورت نہیں۔ بادشاہت و سلطنت کی حاجت نہیں۔ ہم
 اپنی غلامی کا مظاہرہ اپنے آقائے بدار کے سامنے کریں گے۔ اپنی عبودیت و اخلاقی
 کیشتی کا ثبوت اپنے معبود مطلق کو دیں گے۔ اور اس کی وہ بڑائی جس کا ذکر کرتے
 کرتے ہماری زبانیں تھک گئی ہیں۔ آج ہمارے ہاتھ، تیغ و سناں، برچی اور نیزہ
 کے استعمال سے اس کا علی مظاہرہ کریں گے۔ ہمیں مرنے کا ڈر نہیں۔ جبکہ موت

الَّذِينَ آمَنُوا يقاتلون في سبيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يقاتلون في سبيلِ الطَّاغُوتِ
 کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ صرف اللہ کی بڑائی کی خاطر لڑتے ہیں اور جو خدا کے منکر
 ہیں۔ ان کا جنگ ذاتی اغراض، شیطانی ترغیبات اور نفسانی خواہشات کیلئے ہے
 ابتدائی غزوات یعنی بدر و احد و حنین میں اسی اختلاف رائے کی بنا پر
 تصادم و تقابل ہوا۔ اور ہر موقع پر خدا کے غلاموں کو شیطان کے پرستاروں پر فتح
 نصیب ہوئی۔ بعد ازاں جب اس زمانہ کی خود مراد اور خود مختار حکومتوں نے دیکھا
 کہ یہ خدا کے نام پر لڑنے والی جماعت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ اور کہیں لیس
 نہ ہو یہ مذہبی دیوانے ہماری سلطنت کی طرف رخ کرنے لگیں تو انہیں نے مسلمانوں
 پر بیخار کر دی۔ ایک طرف رومن ایمپائر کی افواج قاہرہ تھیں۔ تو دوسری طرف
 تاجدار ایران اپنے عظیم الشان عساکر لے کر میدان میں نکل آیا۔ رومی چاہتے تھے کہ
 ان کی بزرگی اور عظمت میں فرق نہ آئے۔ ایرانی خواہشمند تھے کہ عرب کے لوگ
 بدستور سابق ہمارے باجگذار ہو کر رہیں اور ان پر ہماری فوقیت قائم رہے
 ادھر مسلمانوں نے تین محیر العقول مطالبات پیش کر دیئے؛

۱- ہماری طرح تم بھی احکم الحاکمین کی غلامی اختیار کر لو۔ پھر خدا کے
 سب غلام باہمدگر شہر و شکر ہو کر رہیں گے۔ اور اندریں صورت
 تمہارے ملک اٹلاک، تمہاری حکومت و سلطنت سب تمہیں مبارک ہو۔
 ۲- اگر تمہیں اثرہ اسلام میں داخل ہونے میں کچھ مائل ہو تو پھر آسان بات
 یہ ہے کہ تمہارے بادشاہ خدا کے غلاموں کو خراج دیا کریں جب کہ
 زبردست حکومت کا مالک زیر دستوں سے جزیرہ لیا کرتا ہے۔

۳- اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو اِخْرَ الْجَيْلِ السَّيْفِ کے ماتحت تلوار
 ہی ہمارے درمیان فیصلہ کن ثابت ہوگی۔

پر چلے تو کئے مگر اعلیٰ کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر نہیں بلکہ اپنی بڑائی اور فوقیت حاصل کرنے اور اپنا دائرہ حکومت وسیع کرنے کی خاطر۔ اور اس نے عامۃ المسلمین کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش تو کی مگر بجائے حصول خوشنودی رب العالمین و النعام اُخروی کے ظاہری مال غنیمت اور زر و جواہر کالالچ و سے کر۔ اس وقت سے اسے ہر ایک حاملہ میں ناکامی ہونے لگی۔ اس کا رعب تسلط دنیا سے اٹھنے لگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر اسے اپنی غلامی سے علیحدہ کر دیا۔ اور اگر آپ مسلمانوں کے عروج و زوال، ارتقار و انحطاط پر ایک عبرانی نظر ڈالیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ :

اس کی ترقی کا حقیقی راز احکم الحاکمین کی غلامی میں مضمر تھا۔ اور اس کے تنزل کا اصلی سبب اس کا حکومت الہیہ سے اغراض و انحراف

یہ فقیر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے سینہ میں ایک در و مند اور حساس دل رکھنے والا ہے۔ اور آج پورے سترہ سال منقض ہو چکے ہیں کہ اسی جگہ آپ کو ایک تحریک موسومہ حزب اللہ سے متعارف کیا گیا تھا۔ اور اس کے اغراض و مقاصد سے آپ کو روشناس کرایا گیا تھا۔ آپ نے تحریک کے ساتھ پوری دلچسپی لے کر جو عملی بہدرومی دکھلائی ہے یہ فقیر صدق دل سے اس کا معترف اور مداح ہے اور غالباً اس تھوڑے سے وقت میں تحریک حزب اللہ کو بلحاظ نتائج و ثمرات جو شاندار کامیابی نصیب ہوئی ہے وہ شاید ہی کسی دوسری تحریک کو اتنے قلیل عرصے میں حاصل ہوئی ہو۔ لیکن حقیقت فہم لوگ سمجھتے تھے اور اصحاب فکر و امعان سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ جو کچھ ہو رہا ہے محض مبادیات کی حیثیت رکھنے والا ہے اور اصل مضمون ابھی پردہ خفا میں ہے۔ یہ ساری تیاری اور اہتمام کسی بہانہ عزیز کا پتہ دینے والے ہیں۔ اور اس منزل بہ منزل چلنے والے کارواں کی منزل مقصود

کا آنا یقینی ہے۔ اور پھر حجتی و قیوم کے راستے میں مرنے والے کب مرتے ہیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ

وہ تو زندہ جاوید ہیں۔ مراد وہ کرتے ہیں جو دنیا طلبی کے پیچھے جان دیں۔ نفسانیت اور ذاتی اغراض کے پیچھے ہلکان ہوتے پھریں۔ ہم زندہ رہیں گے تو مجاہد اور غازی کہلا کر۔ اور مرے گئے تو درجہ شہادت لے کر۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں۔ کہ فتح کس کو ہونی چاہئے تھی اور شکست کس کو؟ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے علاموں، خدا کے بندوں، وحدۃ لا شریک کے پرستاروں اور احکم الحاکمین کی رعیت نے دنیا کے بندوں، پیٹ کے علاموں اور شیطان کی جماعت پر فتح حاصل کر لی۔ اور قیصر کا تاج اور کسری کا تخت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

عود الی المقصود!

میرے عزیزو! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان جب تک الْحَبِیْبُ لِلَّهِ وَالْبَعْضُ لِلَّهِ کے زیریں اصول پر عامل رہا اس نے اپنی دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنائے رکھا اور اس نے ظاہر علانی، ظاہری تعلقات اور ظاہر و البستگیوں سے یہ تعلق مقدم اور مرتجح سمجھا۔ ہر ایک معاملہ میں کامیابی اس کے شامل حال رہی۔ اور فتح و کامرانی اسے حاصل۔ مگر دوسری اقوام و ملل کی دیکھا دیکھی جب وہ بھی بندۂ اغراض و علام ہوا و ہوس بن گیا۔ اس کے اندر خلوص، بلہیت کے جذبات باقی نہ رہے اور اس کی ذاتیات نے قومی و ملی مفادات پر غلبہ حاصل کر لیا۔ وہ لڑتا تو رہا مگر اللہ کے دشمنوں سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی دشمنوں سے۔ اس کے فاتحین نے دوسرے مالک

انبیاء علی نبینا وعلیہم السلام نے وقتاً فوقتاً اپنی امتوں کے سامنے پیش کیا۔ اور ابوالبشر
سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین،
خاتم النبیین و سید المرسلین محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے رسول
اور نبی گزرے ہیں سب کی متفقہ تعظیم یہی تھی کہ مخلوق اپنے خالق، غلام اپنے آقا
اور اپنے معبود کے سامنے عملی طور پر سر بسجود ہو جائیں۔ اس کی باوثنا
اور حکومت کو تسلیم کر لیں اور اس کے احکام و ارشادات کی تعمیل کے لئے کمر بستہ
ہو کر رہیں۔ حکومت الہیہ کا قیام تو نبی آدم کی تخلیق کے وقت سے ہی چلا آتا ہے
لیکن اس کی بدرجہ احسن تکمیل محمد رسول اللہ نے آ کر کی جبکہ اللہ تعالیٰ اس کو تمام
شیطانی حکومتوں، طاغوتی طاقتوں اور اہرمنی جماعتوں کا بزور شمشیر قلع قمع کر
دیا گیا۔ اور مسلمان اعلائے کلمۃ اللہ اور خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر اس وقت تک
لڑتا رہا جب تک نقتنہ فساد نہ مٹ گئے اور جب تک کہ تمام دنیا نے خدا کے دین
اللہ کی حکومت اور احکم الحاکمین کی باوثنا ہمت کو بلا چون و چرا تسلیم نہ کر لیا۔
تمام عبادات سے افضل، تمام نیکیوں سے بڑھ کر اور تمام جلاہیوں سے
بہتر اسلامی نقطہ نگاہ سے جہاد اور صرف جہاد ہے اور بظاہر جنگ و جدال کو نماز روز
حج، زکوٰۃ پر ترجیح کی منطق سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر آپ ذرا غور و فکر سے کام لیں تو آپ
تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس ذات باری عز اسمہ کے آگے دست بستہ کھڑا ہونے اہل
کے سامنے جھکنے اور کمال عقیدت سے اس کے آستان قدس و جلال پر سر رکھ دینے
کا نام نماز ہے۔ جس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر جھوک اور پیاس کو طیب
خاطر برداشت کرنے کا نام روزہ ہے۔ جس کی رضا جوئی اور رضا طلبی کو پیش نظر
رکھ کر مالی ایثار کرنے کا نام زکوٰۃ ہے۔ اور جس کے ارشاد کی تعمیل میں طول و طویل اور
تکلیف وہ سفر اختیار کرنے کا نام حج ہے۔ اور پھر ایک مسلمان دنیا کے سارے

عنقریب سامنے آنے والی ہے۔

ارکان و رضا کاران حزب اللہ کی اقتصادی و معاشرتی اصلاح، ان کی ترتیب و تنظیم، ان کے جذبہ عمل و جوش جہاد پیدا کرنے کے لئے امیر حزب اللہ کے پیہم و مسلسل دورے اور تقریریں، دعوتِ فکر و عمل و تحریریں ایشیا و قربانی یہ سب چیزیں محض اس لئے بروئے کار لائی گئیں کہ جماعت اس آخری نصب العین کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ جو اس کے سامنے پیش ہونے والا تھا۔ چنانچہ اس گئے گذرے زمانے میں جب کہ خدا کا نام لینا بھی ایک طرح کا جرم ہے۔ جب کہ اَسْدًا دَاہِنًا دُونَ اللّٰهِ اور اَرْبَابًا مِّنْ دُونَ اللّٰهِ نے ہر طرف ہر ملک اور ہر قوم پر اپنا تصرف و اقتدار جار کھا ہے اور دھرتیت و الحاد لوگوں کی فطرتِ ثانیہ بن چکا ہے۔ یہ فقیر کا رسازِ حقیقی، معبودِ برحق اور قادرِ مطلق سے تو نہیں پا کر اس کی تقدیس و تحمید کے بعد اس کی عظمت و بڑائی اور اس کی حکومت اور بادشاہت کا علی رؤس الاشہاد اعلان کرتا ہے۔

عمر لیت کہ آوازہ منہ صد کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و سن

جماعتِ حزب اللہ سے خطاب

ارکان و رضا کاران حزب اللہ! تمہارے سامنے سب سے پہلے یہ فقیر یہ تبرکات و تہنیت پیش کرتا ہے اور تمہیں مبارکباد کہتا ہے کہ جہاں بعض دوسری جماعتیں اور تحریکیں ابھی تک اپنا آخری نصب العین تجویز نہیں کر سکیں۔ اور محض دفع الوقتی اور لفاظی سے قوم کے مطالبات سے پیچھا چھڑایا جا رہا ہے۔ وہاں ہم نے اپنے لئے ایک بہترین نصب العین منتخب کر کے اس کے حصول کی خاطر والہانہ اقدام آج ہی شروع کر دیئے۔ اور یہی وہ مبارک نصب العین ہے جسے کہ

سُنْدَادًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ كَافٍ هُوَ اور دنیا اسُ بَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ کے سامنے
 لک رہی ہے۔ تو تمہیں کیا حق ہے کہ زبان سے ایسے الفاظ نکالو جن کے معانی
 سلطنت سے کو سوں دور ہوں۔

تم نمازیں، قیام و قعود میں، رکوع و سجود میں اللہ اکبر کہا کرتے ہو۔ اور
 معمولی معمولی باتوں پر نعرہ تکبیر بلند کرنے کے عادی ہو چکے ہو۔ مجھے بتلا سکتے ہو
 تم نے ساری زندگی میں اللہ کی بڑائی، اس کے نام کو اونچا کرنے اور اس کو وہ
 جہ دینے کی حنہ و حسرت کا وہ مستحق ہے کیا کچھ کر دکھایا؟ پھر اگر تمہارا نامہ اعمال
 اس صالح ترین عمل سے خالی ہے تو پھر تم کیوں چیخ و پکار کر گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرہ
 تکبیر بلند کرتے ہو جاؤ اور عرقِ ندامت میں ڈوب مرو۔

عبارات کی افضلیت میں کسی کو کلام نہیں۔ نمازیں پڑھنی ضروری ہیں۔
 وافر تہجد و اشراق روحانی ترقی کا باعث ہیں۔ مصلوٹوں پر بیٹھ کر تسبیح خوانی
 مستحسن ہے۔ ذکرِ خفی و حلی یادگار اسلاف ہے۔ خلوت و اعتکاف سے طمانیت و
 سکون قلبی حاصل ہوا کرتا ہے۔ مگر جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ جس کا ذکر ہر وقت
 زبوں زبان ہے۔ جس کی یاد کے بغیر صوفیاء کے نزدیک ایک سانس لینا بھی قطعاً
 حرام ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ آج دنیا میں اس کا درجہ کتنا بلند ہے؟ اس کا بادشاہت
 انسانی آبادی کے کتنے حصہ پر مستلط ہے؟ اور اس کے احکام و ارشادات کی کہا
 جاتا ہے؟ ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ اعتراض کرنا پڑتا ہے
 کہ خدا کی حکومت اس دنیا میں باقی نہیں رہی۔ اس کی بادشاہت سطحِ ارضی کے
 کسی حصہ پر بھی موجود نہیں۔ اور اس کے قانون کا احترام غیر مسلم بھائے خوش
 مسلمان بھی نہیں کر رہے۔ اندریں حالات اب دو ہی چیزیں آپ کے سامنے ہیں
 ورد و اوراد، مراقبات و مکاشفات، تسبیح و تہلیل دل پر اللہ اللہ

کام جس کی مرضی اور فشار کے ماتحت کرنے کا مکلف ہے۔ اس کے احکام کے مطابق چلنے کا نام نیکی اور اس کے فرمانوں سے گریز کا نام بدی ہے تو پھر دیکھنا ہے کہ جہاں دنیا کے بادشاہوں کے غلبہ و استیلا، ان کا وارثہ حکومت وسیع کرنے اور دوسرے حکمرانوں سے انہیں فوقیت دینے کی خاطر ان کے لشکر میدان میں نکل آتے ہیں۔ خون کے دریا بہانے لگتے ہیں۔ اور دشمن کو شکست دے کر اپنے بادشاہ کی فتح و نصرت پر بھولے نہیں سماتے۔ وہاں اگر مسلمان حقیقتاً احکام الہی المین کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لے، اس کی حکومت اور بادشاہت کا اعلان کر دے۔ اور اس امر کا ہتھیہ کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کو دنیا بھر کی حکومتوں پر غالب بنانا اس کا منہا ہے مقصود ہے۔ تو پھر اس مقصدِ عالیہ کے حصول کی خاطر اس کی جد جہاد اور تک و دو کا نام جہاد ہوگا۔ اب آپ ہی انصاف کریں کہ جس کا نام آپ ہر وقت پکارا کرتے ہیں جس کا ذکر ہر لمحہ اور ہر ساعت آپ کی زبان ہے اور جس کی تحمید و تقدیس میں ہر انسان بلکہ ہر شے رطب اللسان ہے۔ کیا آج دنیا میں اسی کا راج ہے؟ یا اس کے عملی طور پر انکار کرنے والوں کی حکومت قائم ہے اور شیطان طاقین برسر اقتدار؟ یہ جو جنگ ہو رہا ہے۔ یہ جو قیامت کے ہولناک مناظر آپ کو دکھائی سے رہے ہیں۔ اور یہ ساری تباہی و بربادی کیا اس غرض سے ہے کہ دنیا میں اللہ کی بادشاہت کا قیام ہو؟ اس کے ماتحت دنیا والے امن کا سانس لے سکیں یا اس لئے کہ نازی ازم کا غلبہ ہو۔ فسطائیت کا دور دورہ ہو اشتراکیت یا اشتیاقیت کو لوگ قبول کر لیں۔ اور مملوکیت اور سرمایہ داری کی جو نیکیں مزدوروں کا خون اسی طرح چوستی رہیں؟ حقیقت ذرا تلخ ہو کرتی ہے مگر میں تشریح مطالب کے لئے ذرا اس سے آگے جانا چاہتا ہوں کہ کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ پڑھنے والو خذرا مجھے بتلاؤ جب دنیا میں حکومت دوسرے معبودان باطل کی ہے۔ دنیا پر تسلط

لیٹیٹ وی اور جس صورت میں کہ ہم نے پھر حکومتِ الہیہ کا اعلان کرنا ہے۔ اور صرف اعلان نہیں بلکہ اس کے ماتحت آکر احکم الحاکمین کے ہر ایک حکم کی تعمیل بھی کرنی ہے پھر ایجابی صورت میں قدرتی طور پر جو سلسلی مناظر سامنے آئیں گے۔ دنیا خود بخود انہیں دیکھ لے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب دوسری چیز قابلِ غور و عمل قانونِ خداوندی کا احترام ہے۔ آج ہمارے ہندوستان میں انگریز کی حکومت ہے۔ برطانیہ کا راج ہے اور اس کے ماتحت رہنے والے لوگ اس بات پر مجبور ہیں کہ حکومتِ برطانیہ ہندوستان کی رعایا کے لئے جو قانون راج کرے وہ سب کے لئے واجب التعمیل ہو۔ چنانچہ تعزیرات ہند کے جتنے دفعات ہیں۔ عدالتیں انہیں کے مطابق فیصلہ دے رہی ہیں۔ وکلاء انہی کی تشریح و توضیح کر رہے ہیں۔ اور لوگ انہی کے مطابق اپنے معاملات کو دھکا رہے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا آخری قانون ہے۔ اور مسلمان اس امر کا مکلف ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی حکومت کے ماتحت لے آنے کے بعد اس قانون کا عملی طور پر احترام کرے اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول و صلعم کے سپرد کر دے۔ اپنے تمام تنازعات اور جھگڑوں کا فیصلہ ظاہری عدالتوں کی جگہ احکم الحاکمین کی عدالت سے کروانے اور شریعتِ عزائم کی طرف سے جو احکام سہ زوہول انہیں بلا چون و چرا تسلیم کرے۔ میں عزیزو! سب سے پہلے آج بھری محفل میں سچے دل سے اس بات کا اقرار کرو کہ آئندہ کے لئے آپ کا بادشاہ آپ کا خدا ہے آپ کا قانون اللہ کی کتاب یعنی قرآن ہے۔ اور اس سلسلہ میں امیر حزب اللہ آپ کے سامنے جو پروگرام بھی رکھے اس پر چلنے کے لئے تیار ہو جائیں کہ اس سے بڑھ کر مسلمان کے لئے نہ کوئی نعمت ہے نہ عزت۔ دنیا کی ہزار بادشاہتیں اللہ

کی ضربیں لگانی توجہ دینی اور ہا ہو چانی قطعاً ترک کر دیں۔ کیونکہ ایک کا محکوم ہو کر
 دوسری حکومت کے گن گانے خود فریبی اور اپنے آپ کو دھوکہ دینا بلکہ حقیقی معنوں
 میں خدا کو دھوکہ دینا ہے۔ یُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (آیۃ ۱۲) اپنی
 قلت و کثرت سامان مہیہ سوسامانی اور رہبران طریقت کے غلط احکام اور
 علمائے کرام کے تن آسانی پیدا کرنے والے فتوؤں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اعلیٰ
 کلمۃ اللہ کی خاطر میدان عمل میں نکل آئیں۔ اپنی جان کو ہتھیلی اور اپنے مال کو
 دوسری ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کی حکومت اور بادشاہت کا اعلان کریں۔ اس جرم
 کی پاداش میں دنیا والے جو بھی تعزیر لگائیں اس کی قطعاً پرواہ نہ کریں جو بھی ہتھیار
 دیں مروانہ وار برداشت کریں اور اس بلند ترین مقصد اور نصب العین کے حصول
 کی خاطر اپنے تمام اوقات وقف کر دیں۔ اور اس بات پر تیار ہو جائیں کہ

یا تن رسد بجاناں یا جان زین بر آید

ہم نے حکومت الہیہ قائم کر کے کسی کے خلاف لڑنا نہیں، نہ ہمیں برطانیہ کی
 طاقت سے برسہا برسہا ہونا ہے نہ اپنے اپنے وطن ہندو اور سکھوں سے مقابلہ
 کرنا ہے نہ کسی دوسری قوم پر جارحانہ اقدام پیش نظر ہے۔ جب کہ ہمیں اس
 حقیقت کا اعتراف ہے کہ انگریزوں کو طاقت اور قوت بخشنے والی وہی ذات اقدس
 ہے۔ اور جب تک اس کی مشیت اور ارادہ ہوگا ہمارے سکھ یا ہندو بھائیوں
 کے شعور و غوغا سے یہ قوم ہندوستان کو چھوڑنے والی نہیں بلکہ ہمارا یہ عقیدہ
 ہے کہ ہندوستان سے اسلامی حکومت کا جنازہ محض اس لئے نکلا کہ مسلمانوں
 نے اللہ کی حکومت سے سرتابی کی اور اپنی ذاتی حکومت قائم کرنے لگے۔ پھر
 ان کا اخراج جس طریقہ سے ہوا۔ وہ سب کو معلوم ہے۔ اور انگریز بھی اسی طریقہ
 کی ایک کڑی ہیں جو مسلمانوں کو سزا دینے کی خاطر قدرت نے ان کے ارد گرد

میرا دل خوشی سے لبریز ہے اور میرے جذبات طرب سے معمور ہیں بھائیو
 آؤ تم بھی اس وفور انبساط اور انتہائے ابتہاج میں میرے ساتھ شریک
 مسرت ہو جاؤ۔ اور آج ہم نے ہندوستان کی آزادی کا اعلان نہیں کرنا
 سو راج اور ڈومینین سٹیٹس کا اعلان نہیں کرنا بلکہ اعلان کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی
 باوثاہت کا، اعلان کرنا ہے قانون خدا کی ترویج کا، اعلان کرنا ہے اپنی غلامی اور
 محکومگی کا، اعلان کرنا ہے اپنی عبودیت اور حکم برداری کا، اور اس کے بعد اس بلند
 ترین مقصد کے حصول، اس بہترین نصب العین کے حاصل کرنے اور اعلیٰ ترین درجہ
 تک پہنچ جانے کے لئے مسلسل جدوجہد و پیہم تگ و دو کا آغاز کرنا ہے۔ مسلمان
 جو حقیقی غرض لے کر دنیا میں آیا تھا وہ پوری ہو جائے اور ہم اپنی زندگی کو اس
 شاہراہ پر ڈال دیں جو یوم الست سے ہمارے لئے تجویز ہو چکی ہے۔ سارے جہاں
 کے مسلمانوں کی عبادات، موجودہ زمانہ کے تمام صوفیان باصفا اور زاہدان متراض
 کے قال و حال، علمائے کرام کے تمام مواضع حسنہ و تقاریر و پذیر ایک طرف
 اور اللہ تعالیٰ کی باوثاہت کے اعلان کے بعد ایک ادنیٰ ترین گناہ گار سے
 گناہ گار مسلمان کا مجاہدانہ اقدام ایک طرف۔

اجعلتم سقایة الحاج و عمارة المسجد الحرام کمن امن
 بالله و الیوم الآخر و جاهد فی سبیل اللہ لایستون
 عند اللہ و اللہ لایہدی القوم الظالمین ۰ الذین امنوا
 و ہاجرنا و جاهدوا باموالہم و انفسہم اعظم درجة
 عند اللہ و اولک هم الفائزون ۰ یشیرہم ربہم
 برحمة قنہ و رضوان و جنت لہم فیہا نعیم ققیم
 خالدین فیہا ابدا ط و اللہ عندہ اجر عظیم ۰

کی ایک غلامی پر قربان ہیں۔ اور دنیا کی لاکھ نعمتیں۔ اس کی ایک نعمت پر
تصدق یہی ایک چیز تھی۔ جس کا اظہار مجھے شروع سے مطلوب تھا۔ مگر ویدہ
ووالستہ آپ کو اس حقیقت کے سمجھنے کے قابل بنانے کی خاطر کچھ دیر استعاراً
وکنایات سے کام لیا گیا۔ اور آج صاف اور صریح لفظوں میں اپنا مافی الضمیر
پیش کر دیا۔ سترہ سال کا بظاہر طویل مگر حقیقتاً کام کی نوعیت اور اہمیت کے
مقابلہ میں مختصر عرصہ آپ کے دلوں کی زمین کی درستی و اصلاح میں صرف ہوا۔
آج بھگوان اللہ کہ زمین مجھے قابل نظر آ رہی ہے کہ اس کے اندر توحید، وحدت پرستی
اور حکومت الہیہ کا بیج ڈال دیا جائے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اور اس
راستہ پر چلنے والے مسافر کے لئے تھوڑی سی غفلت اور لاپرواہی بھی منزل مقصود
سے دور کرنے والی ہے۔ واللہ در قابلہ سے

گفتم کہ خارا زپاکشم محل نہاں شد از نظر یک لحظہ غافل گشتم و صد کہ راہم دوشد
مکن ہے منزل جاناں تک پہنچنے کے لئے ابھی کچھ مزید مہلت بکار ہو اور
نصب العین حاصل کرنے کی خاطر جو جدوجہد ہونے والی ہے وہ کچھ طوالت پکڑ
جائے اور میری زندگی میں وہ مبارک گھڑیاں آئیں یا نہ آئیں جن کی مدت سے
انتظار ہے۔ اور میرے بھائیوں کو بھی بے تابی کے ساتھ منتظر رہنا چاہئے۔ مگر
سب اہم قدم ایک قوم کے لئے اپنے نصب العین کا تعین اور ایک راستہ چلنے
والے کے لئے منزل مقصود کی تجویز اور ایک ملک کی رعایا کے لئے اپنے بادشاہ
کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ سو خداوند کریم کا ہزار شکر ہے کہ ہم نے ایک نصب العین
معین کر لیا ہے۔ منزل مقصود کا کھوج لگا لیا ہے۔ اور رعایا نے اپنے بادشاہ
غلاموں نے اپنے آقا اور بندوں نے معبود کا حقیقی انتخاب کر لیا ہے۔
چھانٹا وہ دل کہ جس کی نزل سے نمود تھی۔ پسلی پھر تک اٹھی نظر انتخاب کی!

نظا

و رنجش پیدا کرنے کا سبب، غرض ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں، خداوند تعالیٰ کو بادشاہ مان لینے کے بعد آپ کے تمام عقائد و خیالات کی درستی، تمام اعمال و انما کی اصلاح اور تمام اوصاف و اخلاق کی اچھائی خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ پھر نہ کہ وعظ کی ضرورت ہے نہ کسی تقریر کی۔ دنیا میں سب سے بڑا وعظ یہی ہے۔ جو آپ کو سنایا گیا ہے۔ اور سب سے اچھی تقریر یہی ہے جو کی گئی ہے :

إِنَّ هَذِهِ تَذَكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب دوم

کلام الملک ملک الکلام
(تبرکاً و تیناً)

نعت

(صاحبزادہ والا گھر سید محمد فضل شاہ صاحب مخطوط جلالپوری)

| | |
|--|--|
| منم مشاق از وصلت چه سازم یا حبیب اللہ | منم بہیار از عشقت چه سازم یا حبیب اللہ |
| چہ سود آید چو روئے تو نہ بینم یا حبیب اللہ | بگرد کعبہ گردم بے محابا اے نجیب اللہ |
| ندارم بال و پر لیس کن کہ پرسم یا حبیب اللہ | پر پر م سوئے یثرب بال و پر دارم اگر بر خود |
| زود فرقتت بس زار نا لم یا حبیب اللہ | بہ بینم چوں روند زار بسوئے روضہ قدس |
| روائے وہ زوہل خود شفا یا ہم یا حبیب اللہ | روائے در دل واری توئی حافق طیب کن |

اے حافظند حسین صاحب ساکن کڑھی شریف نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضور نے اپنے بچپنے کی شاعری کا ذکر فرمایا
وہ ایک شعر بھی سنانے لیکن ساتھ ہی ارشاد فرمایا اب یہ شوق ختم ہو چکا ہے۔ اور پھر یہ آیت کریمہ تلاوت
فرمائی: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

لا اے کو بیاں نوواں با شیم سوئے فضل شہا
آعیان بنیم نوہ حق ز روئے فضل شہا

قصيدة استقبليها حضرت امير عرب الله تبارك وتعالى

(علامة العصر جناب مولانا مولوي محمد عالم قلندري)

الآيا أرض قرية بكم جوهوا
 عاوت على القرى عزاً وجاهاً
 وكنت صرخيرة بين البوادي
 لقد أعطاك ربك كل خير
 وما تدري بما ذنبت شرفنا
 هو الشيخ الكبير امير حزب
 هو الحبر العليم بكل علم
 شريف سيد قرم كريم
 وفي الله نسلاً بعد نسل
 له سعي لدين كل حين
 رأى جماً غفيراً بن جميعاً
 ناسف اذ راهم في الملاهي
 فقام لهديهم بالله محضاً
 فنادى ايها الناس اتقوا الله
 وقوموا وادخلوا في السليم جمعاً
 نداء كان اذ رعداً وبروتاً
 تاشركل نفس من نداء
 بفضل الله فزت بفوز عالي
 شرفت على ثوانين الاعالي
 فكبرك الاله يا نبحال
 فطبيي وافرحي بالاجتزال
 نزول الشيخ اعطاك المعالي
 هو البدر المنير على الرجال
 هو الشمس المضي بلا مثال
 خلاق محسن خير الخصال
 لهذا قد علا من كل عال
 وفيه من التكلف لا يبالى
 رهيناً بالمعاصي والضلال
 اراد لاجلهم املاح حال
 من الاعراض والاطماع خال
 وتوبوا واذكروا يوم المآل
 وخافوا من عذاب والنكال
 لقد سمع الاناث مع الرجال
 كخبر الخلق نادى للبلال

غلامِ کھتر نیم فخر دارم یا حبیب اللہ
 طلب کن بندہ را سوئے یتیم یا حبیب اللہ
 چساں آہ و بکا سازم کہ ترسم یا حبیب اللہ
 مرا ایزد و پدیر گز نہ گیرم ، یا حبیب اللہ
 وے یتیم چور وے تو بنازم یا حبیب اللہ
 چور و دوزخ جمالت را یتیم یا حبیب اللہ
 کہ و زوے جلوه رویت یتیم یا حبیب اللہ
 بوقت نزع رویت را یتیم یا حبیب اللہ

منم گرچہ ز اہل دولت ہم ز اہل تقویٰ ایک
 نہ قلم شادمان گرد و بملک ہند سے ہادی
 نہ طاقت صبر و رول من نہ قلم لائق صبر است
 اگر تخت شہنشاہی و گز تخت سلیمانی
 اگر از خاکساں جہاں باشم و گر کہتر
 بدانم روضہ رضوان و فردوس بریل آنرا
 ہزاراں خلد و صد فردوس زان دوزخ شکر
 دعائے عاصی مضطر زور گاہ خداوندی!

(رسالہ صوفی ماہ مارچ ۱۹۱۱ء)

بہر سترہ سالگی

القصيدة المدحية بتقريب ورود صاحب
الدرجات ابو البركات امير حرب ^{الله}
خلد الله امارته في قرية شاديوال

رلمولانا مولوى محمد عالم قلعدارى قرشى حنفى

| | |
|-----------------------------|--------------------------------|
| يا آيتها الخاتون طاب زمانكم | طاب الصبح مع الترواح على الورى |
| طاب البلاد واهلها واهالهم | عجبارى الدهر الفشور مراعيها |
| زال البلاء وزال كل مصيبة | جاء الشفاء وجاء نور والهدى |
| طاب الحدائق والرياض بديبة | درت عليها فى الغداة وفى المسا |
| واخضرت الاغوار ثم نجارها | طاب الحفائل والقرارة والترى |
| بسط الحشيش على سرير حديقته | من سندس خضربساطا واسعا |
| قد رشّ ظلّ فى جوانب فرشته | كالؤلؤ المكنون ماء خالصا |
| وامتزّت الازهار طابت نورة | بجماله فاليا سمين قد ازدى |
| فشائق النعمان جاء بحمرة | والورد فاح العطر فى ذاك التدى |
| والاقحوان مزين فى حلية | والأس ثم الرند فيها اوشعا |
| والدلب والدار راقا قائما | ولعرور وعرارها فرع عكلا |
| تتغرد الاطيار حول غصونها | وتتنعمت فيها البلابل بالغنا |
| والناس كلهم بعش مخضل | من كل نحو ينشدون المرحبا |
| سكن الزعازع ثم هب سجع | جاءت بمروحة لها ريح الصبا |
| فسالت باعش عيشه متعجبا | قالوا الم تشعربقيل جاءنا |

وَوَفِدُّ بَعْدَ وَفِدِّ بِالشَّوَالِي
 وَحَافُوا مِنْ جُنُوبٍ وَالشِّمَالِ
 فَيَا بُشْرَى لِهَمِّ قِنْ طَيْبِ حَالِ
 وَكُلُّ بَا يَعُوهُ بِصِدْقِ بَالِ
 فَارْسَاهُمْ عَلَيْهِ كَالْجِبَالِ
 فَصَارُوا كُلُّهُمْ خَيْرَ الرَّجَالِ
 وَحَرِضُ هُمْ بِتَحْرِيطِ الْقِتَالِ
 عَلَيْهِمْ كُلُّهُمْ نَشْرَ اللَّيْلِ
 كَأَصْحَابِ النَّبِيِّ بِدَلَامِحَالِ
 وَقَائِدُنَا أَمِيرُ ذُو جَمَالِ
 لِتَبْلِيغِ وَيَسْهَرُ فِي اللَّيَالِي
 بِمَوْعِظَةِ مَوْشَرَةِ الْمَقَالِ
 عَلَى التَّعْبِيمِ قَدْ نَشْرَ اللَّيْلِ
 سَعِيدٌ دَاخِلٌ نِي حِزْبِ عَالِي
 شَقِيٌّ كَيْفَ يَدْخُلُ نِي النَّوَالِي
 مَتَى كَانَ الْجُنُوبُ مَعَ الشِّمَالِ

فَجَاءَ إِلَيْهِ فَوْجٌ فَوْقَ فَوْجٍ
 وَجَاءَ الْجَبَّةُ مِنْ شَرْقٍ وَغَرْبٍ
 أَحَاطُوا كَالْكَوَاكِبِ حَوْلَ بَدْرِ
 فَقَدْ جَعَلُوهُ إِجْمَاعًا أَمِيرًا
 فَادَّبَهُمْ وَعَلَّمَهُمْ كِتَابًا
 وَنَقَّاهُمْ وَزَكَّاهُمْ جَمِيعًا
 وَنَوَّرَ كَالسَّجْنَجَلِ كُلَّ قَلْبٍ
 مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ
 تَرَبَّهْهُمْ كُلُّهُمْ بَرًّا تَقِيًّا
 فَهَذَا اشْرَحُ حِزْبِ اللَّهِ فِينَا
 يُسَافِرُ فِي النَّهَارِ بِكُلِّ عَامٍ
 يُبَلِّغُهُمْ بِأَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ
 سَمِعْتُ مِنَ الْأَمِيرِ شُرُوطَ حِزْبِ
 فَمَنْ يَكُ طَائِعًا لِلَّهِ طَوْعًا
 وَأَمَانًا مِنْ عَصَاةٍ وَقَدْ تَوَلَّى
 فَحَيَاةُ الْإِلَهِ مَعَ الْعِيَالِ

للصالحين فكنيت تطلب دائماً
 وتود شيخاً في الطريقة بعد ذلك
 للحافظين فكان طبعك مائلاً
 قد كنت تخدم في الغداة وفي العشا
 بل زائداً أو تبت من رب العلاء
 مستجمع الاوصاف شخصاً واحداً
 طوبى لمن قبل النصيحة واقتدى
 من يقتبسه ففاز فوزاً واهتدى
 من يعتصمه فمن عذاب قد نجا
 ولشريعة الاسلام حافظاً
 ثم ادخلوا في حزب خلاق السماء
 واجنبه من كل المصيبة والبلاء
 ما دام شمس في السماء وبالضياء
 من عالم ختم القصيدة بالدعاء

من مدة ترجو ولياً كاملاً
 من زيارة الحجاج كنت مؤلفاً
 كل وقت كنت تدعو عواظاً
 معابد دين وزاهدين وقاسين
 عطاك ربك كل ما هي تشتهي
 قد انزل الله عليك بفضله
 قوم جاء الخضر فيكم ناصحاً
 قد جاءكم نوراً وبرهان مبين
 قد جاء بالحبل المتين لتأخذوا
 قد جاء للدين المتين نصيراً
 يا ايها الحضار لبوا فارحبوا
 يا رب متعنا بطول حياتك
 احفظ لمن في بيته من اهله
 احفظ لكل محبته ومطيعه

بوقت تشریف آوری جناب ممدوح بار دوئم در قصیدہ شادریوال تحصیل
 و ضلع گجرات پنجاب بتاریخ ۲۰ یقعد ۱۳۵۱ھ میں قصیدہ پیش کردہ شد۔

حبر اديب فاضل متبحر
 نصرت بحسن نظامها امصارنا
 وهو الذي في الفضل ليس نظيره
 ندب ابو البركات سرح ماجد
 شهمة خصة اريحى فاضل
 قمر نظامى خلى ككيس
 ذوهيبة يقظ ابى باسل
 شيخ الطريقة شيطى مصقع
 للحافظين وعابدين امامهم
 بسخائه بحر محيط ذاخر
 قدحج بيت الله زار مدينة
 زان الديار واهلها بجماله
 من وعظ حزب الله قد لثرا الهدى
 يا ايها القمر المنير بنور لا
 كلف عليك وقلة ومغيبه
 ايضا يا شمس المضيئة اسمعى
 ان كان ضوءك للوجوه منيرة
 فى كل وقت ضوء لا متزائد
 لا استطاع بان يحاط بسدحه
 يا ارض شاد يوال طبيى وافرحى
 قد كنت تخرجو عالمها متورعا

متورع من اهل بيت المصطفى
 شيخ المشايخ فى البوادي والقرى
 بامير حزب الله صار ملقباً
 فضل من الله الكريم بجلا
 نداس لبيب هبر زى مقتدا
 واف اخو ثقة وضرغام الوغى
 لبق اغراروع كهف الورى
 ومعد مر فطس اما مر الاقيا
 للقانتين رئيسهم بالاقيا
 او وابل اوصيب متواترا
 فى حب دين الله طى منازل
 من حسن نور الوجه قد كشف الخ
 بجلا له وكماله ببلغ العلاء
 من وجهه تنسى بنورك ان ترى
 وله النضادة والزيارة والبقا
 ان الرجال مفضلون على النساء
 وله الضياء على قلوب اولى النهى
 ويزول ضوك من قديم فى المسا
 كيف الاحاطة بالنجوم على السماء
 فى مرة اخرى علوت على السماء
 ونجت اهل البيت عمرك قد مضى

قصیدہ خیر مقدم

(از جناب احمد حسین قریشی قلعہ داری)

الالے سر زمین چک چو بدو
 بجا باشد ترا ایل سرفرازی
 بہ گلزار تو آمد نو بہ ساری
 زمین تو بگردون ہم نشین شد
 کہ آمد در تو آل عالیجنابی
 می روشن بہ بزم دین و اسلام
 گلستان حیدر شاہ دوران
 چراغ حکمت و نور ہدایت
 تقی و متقی شب زندہ داری
 سریر آرائی ملک زہد عرفان
 ملک دین حزب اللہ امیری
 یگانہ گو بہ بحر معسانی
 جنید وقت و ابدال زمانہ
 رموز فقر و دانش نہان است
 در مشکل کشای فیض سرمد
 دو چشمش لطف پرور فیض آباد
 دنیا طلعتش در کرہ ارض
 فزون از نہ فلک شد عظمت تو
 کنون بر عرش اعظم گریبانہ
 نشاط خاطر و جاں راستاری
 سوادت رشک فروس برین شد
 بچرخ پارسائی آفتابی
 مبارک ذات سید فضل شانام
 بہار گلستان دین و ایمان
 امیر معرفت شاہ ولایت
 بمیدان شریعت شد سواری
 سراج علم و حکمت، نور ایمان
 یگانہ فاضلی گردوں سیری
 بشرع دین حق نعمان ثانی
 فقیری باشکوه خسروانہ
 تقای خضر از رویش عیان است
 دلش معمور از عشق محمد
 دل درو آشنایان را کند شاد
 ضوابط دارد در ہر جوہر و عرض

بخدمت الامیر النور حضرت امیر الشیخ سید محمد علی صاحب المآثر

ہو

صاحباً سیدی و مولائی

در کمال است خورشید یکتائی

بسر ہائے تو مبارک باد

ہم مبارک بر آنچہ فرمائی

(نوشتہ شد بیداحقر غلام جیلانی عفی عنہ بر خاتقاہ شریف کٹی)

ماہِ تمام

(عجید الغنی)

فخر زمین و آسماں سید فضل شاہِ من
 رشک جمال ہر و ماہ دیدہ نور پاش او
 درج وہاں پاک او ہیں کہ ندیدہ کہے
 روی مبارکش بہیں ماہ تمام معرفت
 پور جناب مرتضیٰ نور حضور مصطفیٰ
 ایں ہمہ رمز و اکنڈ پیش ہمہ کہ شدید لقیں
 از تہی دامن چہ غم بردر او برو کہ ہست
 فقر تنزہ کیش او جاہ و جلال پیش او
 من چہ حیم پال شوم مدح سرے آنجناب
 تازش ایں گد ابہ میں حال عمر ایں بس است

ذرہ خاک یابی او بہ ز لائی عدل،
 رنگ لب مبارکش تازش حسن صد چین
 در دل غنچہ گلے دانہ چند یا سمن
 قلب منورش بگو جلوہ ذات اوطن
 ذرہ ایں و آن جہاں زبڈہ جملہ سخن
 جملہ بیان آنجناب ہست خطائے ذوالمن
 لعل صفا و رشد را ذات مطہر ش من
 ہست خفی و ہم حالی ذات صفا ذوالمن
 لالی زبان نوریان شد ز ثنائی شاہ من
 بہر ثنائی شاہ من ہست والی زبان من

(اپریل ۱۹۵۴ء)

حیاتش را چه گویم بہر تشریح
 لبت و بہ شفیق و صاحب حال
 شہی رونق فزائی مستی و مہوش
 شد افزوں از بیان گویم بر انصاف
 چہ گویم فضل ربّ ذوالجلال است
 بگویم مرحبا و خیر مقدم
 سپاس نعمت حق می گزارم
 مدام این چشمہ تہر و کرم باد
 ز ذلتش فیض غامش در جہاں باد
 ز لطف این امیر فیض عامی
 حمیت کیش در ہر امر تسبیح
 لبش خندان ز لطف شکرین قال
 شراب معرفت را در خمش جوش
 کمال عز و جاہ اورا ہم اوصاف
 کہ شناسش بر تر از وہم و خیال است
 بہ شوق دل بہ این فضل محبت ہم
 پس آنکہ این دعائی بیش دارم
 برائی بیکساں و ایم حرم باد
 چو عمر خضر عمرش جاوداں باد
 فرو باشد بہ احمد تشنہ کامی

کہ او پامال جور روزگار است
 نگاہ لطف را امتیاد و ار است

(دسمبر ۱۹۵۰ء)

بہارِ زندگی

استقبالیہ

(جناب قاضی محمد حیات قریشی قلعہ در ضلع جھڑا)

زہے پھر رحمتِ حق کی ہوئی یوں کار فرمائی
 نسیم روح پرور سے مسرت کی کھلی کلیاں
 سحابِ فضل گھر آیا ہے نثارِ یواں کے اوپر
 کہ اس میں وہ امیر قوم و فخرِ چشتیا آیا
 جھکے تعظیم میں جس کی قبائے فقر کے آگے
 ولی اللہ نسلاً بعد نسل شان ہے جس کی
 فقیہہ صوفی و سالک امیر ملک و دیں آیا
 نوا ان کی دکھائے راستہ گم گشتہ راہوں کو
 وہ آئے جن کی آمد روح پرور جان پرور ہے
 "خمشوی دب گئی اللہ اکبر کے ترانوں میں"
 مبارک تیرا آنا ہے امیر فوجِ حزب اللہ!

تمناؤں کے گلشن میں بہارِ زندگی آئی
 تبسمِ ریزہ ہے ہر سو تمناؤں کی رحمت آئی
 خدا نے بارشِ الطافِ رحمت آج برپائی
 کہ نازاں جس پہ بہر بہبودِ ملت کا تمنائی
 شکوہ خسروی، اورنگِ خاقان، تاجِ والئی
 جہاں والوں کی دینِ حق سے کی جس نے شنائی
 جہاں علم و حکمت، شانِ عرفاں، کانِ دلنائی
 نگہ ان کی بڑھائے عزمِ ملت کی توانائی
 فضا میں ان کی آمد اک پیامِ زندگی لائی
 ہنوی خواہیدہ روحوں میں نئی ہنگامہ آرائی
 تری آمد سے اہل دل کی محفلِ خوب گرمائی

حیات! اس ملت بیضا کی تیرے لطفِ رحمت سے

تمنا ہے سدا ہوتی رہے یوں عزت افزائی

نظر خوش گزید

(شاد فاروقی)

دیدم امروز یک صاحب دلے خوش گلے، خوش منظرے، روشن لکے
 چہرہ اش از لوبہ حق چوں مشعلے مشعلے در محفلے، بے محفلے
 مشعلے تابان و براق، بچو در نے غلط گفتم چو در، بلکہ چو خور
 تابش خورشید اندر شیب او ہم یہ بیضاست اندر جیب او
 اشکارا از نگاہش راز کس " وارث علمے کہ باشد من لدن
 من کہ ہستم بندہ آگندہ ظاہر و باطن ز عصیاں گندہ
 نے ظہور قلب و نے روح و جسد صدق مولا فی خلقت فی کلبہ
 من ہی دانم کہ جائیم بیچ نیست چوں خوف ریزہ بہ ایم بیچ نیست
 لیک حضرت مولوی معنی گفت ایل رازے بہ الفاظِ حسی
 گرتوسنگ خارہ و مرمر بوی چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی
 یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
 گرتو خواہی ہم نشینی با خدا پس نشیں اندر حضور اولیاء
 در حضورت آدم بہر حضور بود کہ از فیضت کنم حاصل حضور
 گرتکابہ از کرم انداختی کار میں بے کار را بس خستی
 در حضورت آدم میں بسندہ شاد تادل ناشاد گردد از تو شاد

یک نظر از بہر خواجہ جن و انس،

(دومبر ۱۹۶۳ء)

تا کہ مستغنی شوم ز اینانے جنس

جلوہ فرمائی

جناب مظہر

جلوہ ندر ما غریب خانے میں

بادشاہ "جلالپور" ہوا

جس کے فیض قدم سے اے مظہر

ذرہ ذرہ مثال طور ہوا

جاگ اٹھے نصیب سونے ہوئے

یاس کا نقش دل سے دور ہوا

بن کے پروانے آئے حور و ملک

ایسا روشن چراغ نور ہوا

بزم حید میں کس قدر ارزاں

میکشو! بادہ ظہور ہوا

دل کی دنیا میں نفتلاب آیا

جذبہ شوق کا دفور ہوا

منے وحدت کی چھاگئی مستی

ہر کوئی صاحب سرور ہوا

شب کی تاریک ترفضاؤں میں

ماہ کامل کا بے ظہور ہوا

خانہ دل کا بچے مکس میں آیا

شاہ حید کا جانشین آیا

شبابِ انبساط

(جناب قاضی محمد حیات)

ساقیا گردش میں لا جام شرابِ انبساط!

چھیڑوے مطرب کوئی تارِ ربابِ انبساط!

سبزہ شاداب پھر انگڑائیاں لینے لگا!

گھر کے پھر کنجاہ پر آیا سحابِ انبساط!

مرحبا اہل اوسہلا کی صدا نہیں ہیں بلند

آج کے دن کی نہیں حد و حسابِ انبساط!

لائے ہیں تشریف سید فضل شاہ عالی جناب

نغمہ زن ہے ذرے ذرے سے ربابِ انبساط!

شادمانی و عقیدت کے ہیں دریا موج زن

اور ان موجوں پہ رقصاں ہیں حبابِ انبساط!

گلشنِ دل میں کھلے ہیں آرزوؤں کے جو پھول

آگیا باغِ تنہا پر شبابِ انبساط!

خدمتِ شاہ میں حیاتِ خوشنولے شوق سے

آج پھر کھولی ہے محفل میں کتابِ انبساط!

فقیر تاجدار

★ جناب قاضی محمد شایا

اے خوش قسمت کہ آئی آرزووں پر بہا
دیدنی ہے شوق سے ہر غنچہ دل کا لکھا
بھولتے ہیں پھول شاخوں پر قطار اندر قطار
عید نور و زاست و ہم رختاں جمال رونے یا

مخو درو مرحبا! خوش آمدی! ہیں شیخ و شاہ

مرحبا خوش آمدی اے سید کیواں جناب!

مرحبا اے شہسوار عرصہ زہد و تقا!
مرحبا اے تاجدار کیشور صدق و صفا!

مرحبا اے ہادی اسلام و شاہ اولیا
"ناقصاں را پیر کامل، کاملان را رہنما"

اے سپہ سالار حزب اللہ امیر کامگار!

مرحبا با فر شاہی اے فقیر تاجدار!

خندہ زن ہے آسمان پر چکچکے دھوگی زیں
سر بلندی پر ہیں نازاں فخر سے اس کے مکیں

دیکھ کر شان و شکوہ رہبر اسلام و دیں
کہ رہے ہیں شکرِ حق میں خاک پر رکھ کر ہیں

یا الہی ہر دو عالم میں طفیلِ فضل شاہ

شاد کام و کامراں ہو جائے ہر حال تباہ

فخرِ چشتیا

جناب محمد شفیع اختر

مسلمانو! مبارک ہو تمہاری خوش نصیبی سے
 تمہیں معلوم ہے؟ گوہر ہے یہ کانِ سعادت کا!
 تمہیں معلوم ہے گل ہے یہ کس گلزارِ خوبی کا؟
 نمونہ سامنے ہے آپ کے اسرارِ سنت کا
 دکھانے آئے ہیں رستہ ہمیں رشدِ ہدایت کا
 یہی وہ نورِ ہمال تازہ چمنستانِ چشتی ہے
 یہ وہ ہیں داستانیں ہیں جہاں میں جن کے ابلی
 یہ وہ ہیں جس گھرانے پر سدا رحمت برسی ہے

جو ہم تک نازشِ سادات و فخرِ چشتیا آئے
 یہ وہ ہے جس پر سایہ ہے ہمائے اوجِ عزت کا
 ملائک کو شرف ہے جن کے در کی خاکِ روئی کا
 معلم ہے شریعت کا یہ واقف ہے طریقت کا
 یہ آئے ہیں سکھانے کو ہمیں گمراہی کا
 کہ جس کی آبیاری دستِ نثارِ خیرِ خود کی ہے
 حسین ابن علی کی اور حیدرِ شہیرِ مولا کی
 یہ وہ ہیں آسمانوں کی بلندی جن کی پستی ہے

یہ وہ ہیں خوبیاں اسلاف کی ہیں مجتمع جن میں

یہ وہ قائد ہیں جن کی رہبری سے ملتی ہیں قومیں

مبارک ساعتے جب یہ امیرِ کامگار آئے
 مسرت دل میں بنے لب پر عقیدت کے ترانے ہیں
 وہ جن کی آنکھ میں توحید کی مستی چھلکتی ہے
 زپے ہم بے کسوں کے گھر یہ شاہِ ذمی قرار آئے
 سراپا بن کے جانان جہاں جانِ بہار آئے
 اسی ختمِ خانہ توحید کے یاں فے گسار آئے

عقیدت سے جھکے جاتے ہیں سرِ خواجہ کے قدموں پر

یہ وہ صہرت ہے جس کو دیکھ کر اختہ قرار آئے

مہتمم

آج یہ رونق نظر کیوں آرہی ہے سُو بَسُو
 لیلیٰ فطرت کا محل کس قدر رنگین ہے آج
 چھا رہی ہیں ابر رحمت کی گھٹائیں دہر پر
 کیا بناؤں میں تجھے تشریف لے آئے ہیں کون
 دیکھ لے وہ آگئے جن کا ہمیں تھا انتظا
 نعرہ تکبیر سے گونج اٹھے ہیں دشت و جبل
 ساتی وحدت ہیں یہ دیتے ہیں توجہ کی
 کیا کہوں اس بادۂ عرفان کی سرمستیوں
 سوز و ساز و درد و ذوق و کیف و مستی و سرور
 بندگانِ حرص کو حاصل نہ ہو گا یہ مقام
 ناچندہ لذتِ بادہ نہ حاصل ہو کبھی
 رحمتِ یزدان کے امیدواروں کے لئے
 دینے آتے ہیں مسافات و اخوت کا سبق
 ان کی درگاہ میں ہے یکساں غزنوی ہو یا ایاز
 ان کی چشمِ مست سے پُر کر کے لے جاؤ گے تم

عید سی خوشیاں منائی جا رہی ہیں کو بکو
 بے کوئی مجنوں یقیناً آج محبوبِ جستجو
 آگئی کیسی بہارِ جاں فزایوں چسپا سُو
 اکے نظارہ کرا دوں تجھ کو چل کے روبرو
 دل کو جن کی چاہ تھی، آنکھوں کو جن کی جستجو
 کس قدر پر جوش ہے یہ نغمہ "اللہ ہو"
 اس لئے یہ پھر رہے ہیں قریب قریب کو بکو
 جو سما جانے ہے رگ رگ میں کہ جیسے گل میں
 کر دیا لبریز ان سے قلبِ مومن کا سبو
 بندگانِ عشق کی ہے منزل لا تحزنوا
 پی کے دیکھو ہے اگر تم کو پیا کی آرزو
 مر وہ لائے ہیں کہ ہاں لے بندگان! اَلانْقَطَا
 ان کی نظروں میں نہیں ہے امتیاز ما و تو
 صاحبِ ذوق و یقین کی کرتے ہیں یہ آرزو
 جلد آؤ شاد لے کر اپنا تم خالی سبو

سخنور امیر حبیب اللہ

(جناب امیر زمان مظہر افسر لازمی تعلیم راولپنڈی)
 تری نظر سے ہیں مسحور طائرانِ چمن مری نوا میں کچھ ایسا کمال ہو کہ نہ ہو!
 شگفتہ کر گئی غنچوں کی تیری شبیر لطف نسیم صبح کو اس کی مجال ہو کہ نہ ہو
 ہنوز منتظرِ لطف خاص ہے کوئی،
 شبیرِ جلال کو اس کا خیال ہو کہ نہ ہو!
 گذر کے قال سے درویش بے گلیم کوئی تری نگاہِ کرم سے ہے مردِ حال ہوا
 فنا نے ہستی مرد خدا ہے ناممکن کہ جس کی خاک پہ ہے لطفِ لایزال ہوا
 کمالِ فیض کا مظہر ذراتِ شاکر
 غریبِ خاک نشین صاحبِ جلال ہوا

ملک عبدالغنی صاحب

ذرا بزمِ حیدر کی رونق تو دیکھو

ہے ذرہ درخشاں بصد ناز کیوں میں چٹک زنی کہ یہ انداز کیوں
 ہوئے آفتاب آج عالمِ فروز ہو شبنم نہ مائل بہ پرواز کیوں
 کرم ہے جنابِ فنیل شاہ کا نہ ہوں لب مرے زمزمہ ساز کیوں
 بنی ہے نگاہ ان کی عرفاں نواز سما جائیں دل میں نہ سب از کیوں
 فضا میں ترانہ ہے توحید کا خوشی سے نہ معمور ہو ساز کیوں
 ہے فیض بگر گوشہ فاطمہ در باغِ جنت نہ ہو باز کیوں
 ذرا بزمِ حیدر کی رونق تو دیکھو نہ دوں طہر رفتہ کو آواز کیوں
 غلامِ شاہِ عالم ہوں میں مقدر پہ اپنے نہ ہو ناز کیوں
 غنتی نے جو دل کی کہی انجمن میں نہ امداد سے نہ محفلِ راز کیوں

ویدار پر انوار

قبول خاطر محبوب شرط دیدار است

بحکم شوق تماشا ممکن کہ بے ادبی است

نہ حسن لالہ و گل میں نہ دیدار ماہ میں ہے
جمال روئے منور میں برق طور کا رنگ
طواف کرتے ہیں انوار ذات اقدس کا
قدم قدم پہ نمایاں ہے شان حیدر کی
ہے ان کا لطف منترہ فصاحت جبریلؑ
زباں پیام محبت، سخن شراب طہور
قدم قدم پہ ملائک درو پڑھتے تھیں
قسیم بادہ توحید ہے یہ میخانہ
بہ قدر ظرف پلاتے ہیں یاں مئے وحدت
ہیں بے نیاز عطا ئے امیر ان کے فقیر
”شہ جلال“ کے مستوں کا ہے ادب لازم
جلا پور کی ارض ہدیٰ پہ لاکھ سلام
ملا ہے مجھ کو اسی جا کی خاک اطہر سے
خلوص دل سے جو آئے وہ فیض رے جانے

کشش جو عشق کی ویدار فضل شاہ میں ہے
ظہور نور خدا ان کی جلوہ گاہ میں ہے
کہ حسن مصطفویؐ روئے رشک ماہ میں ہے
شکوہ چشت عیال فرق کج کلاہ میں ہے
مزاج خوئے نبیؐ خلق فضل شاہ میں ہے
ہزار میکہ ان کی ہر اک نگاہ میں ہے
نزول رحمت حق ان کی بارگاہ میں ہے
ریاض خلد کا در بزم فضل شاہ میں ہے
یہ جو دعام رواں شام و صبح گاہ میں ہے
”خودی کا سر نہاں“ ان کی ہر نگاہ میں ہے
کہ ان کا ذکر اقبالیم مہر و ماہ میں ہے
کہ میرا کعبہ دل اس کی جلوہ گاہ میں ہے
وہ سوز جس کی جلا قلب کی اتھا میں ہے
جو فیض جاری مدینے کی بارگاہ میں ہے

اس آستانہ عالی کی قدرے چشتی

مقام قدس سے بڑھ کر مری نگاہ میں ہے

مظہرِ انوار

جناب مظہر

آزردگی خاطر مظہر کا سبب ہے اس مظہرِ انوار کے انوار سے دُوری
مجھ کو ہی نہیں حسرتِ پابوسی حضرت ہر خاکی و توری ہے طلبگارِ حضوری
خاکی ہے یہ ہے، سورۃِ قَالَتْوَد کی تفسیر پروانہ صفت جانِ فدا کرتے ہیں نعیمی

”فیضانِ نظر“

جناب مظہر

☆ کس نے قندیلِ عشق کی روشن ہے؟
کس کے رخ کا طوان کرتے ہیں
کون آیا مثالِ ابرِ کرم؟
کس کی برکت سے خارزارِ امید
جگمگا اٹھا آج حنا نہ تن! -
عرش و کرسی، فلک، زمینِ مومن -؟
پھر تازہ ہوا ہے غسلِ کہن -؟
جو گیارہ شکِ ارغوان و سمن -؟

کس کے فیضِ نظر سے اے مظہر

دل کا ویرا نہ بن گیا ہے چمن؟

نگاہِ لطف

جناب ملك عبد الغنى ايم. اے. پی. ایچ. ڈی

| | |
|-------------------------------------|-----------------------------------|
| پھر سے جلالپور میں ہویدا بصد شکوہ | روئے منیر حیدر گزار ہو گیا |
| ظاہر ہوا جو مہر جہاں تابِ معرفت | عالم تمام مطلع انوار ہو گیا |
| گویا ہوا نگاہِ تصور پہ یہ عیال | پیدا جمال احمد تختار ہو گیا |
| مگر نیاز گنبدِ خواجہ پہ جب پڑی | حسن ازل کے نور کا دیدار ہو گیا |
| چھلکے کچھ اس طرح خم و پیمانہ جلال | پہنچا جو بزم میں وہی سرشار ہو گیا |
| بارانِ رحمت ازلی کے نزول سے | جان بہار بے خزاں ہر خار ہو گیا |
| فطرت نے رنگِ نور کو یوں عالم کر دیا | ہر ذرہ رشکِ صد گل و گلزار ہو گیا |

کس کی نگاہِ لطف کا یہ فیض عام ہے۔

سینہ غنی کا مہبطِ انوار ہو گیا

اے امیرِ ملتِ حق اے قوامِ ملکِ دین
 پھر ہوا دھڑکی طغیانیاں ہیں موجِ خیز

ہو رہی ہے آج حالتِ پھر سے ابتزو کھینا
 کروے اس ظلمات کا ہم کو شناؤ کھینا

کس قدر آلام ہیں اور یہ ذریعہ سی جان ہے
 اے مسیحا جانبِ بیمارِ پل بھر دیکھنا
 ایک اشکِ نیم جاں پلکوں پہ لڑنا ہے مگر
 یہ سبک سی چیز ہوتی ہے گراں تر دیکھنا
 شرمِ عصیاں سے چھپائے اپنا چہرہ روزِ حشر
 پھر رہا ہو گا کہیں تو یہ ثنن اگر دیکھنا
 بخیہٴ پالوش میں ذرہ چھپا ہو جس طرح
 اپنے نعلینِ مقدس میں یہ احقر دیکھنا

جناب تاج محمد تاج کنگاہ

صوتِ سرمدی

اے ضیائے مہرِ حیدرِ نازشِ شمسِ سیال
 نور آگیاں ہو گیا آمد سے تیری شاہِ دل

اے کمالِ دو دمانِ چشتیہ فرخندہٴ حنا
 تیری صوتِ سرمدی باغِ تصوف کی بہار

ہم ہوں اور سر پر ہمارے سایہ لطفِ آفریں
 ضو فلکِ تیری جبین سے نور ختمِ المرسلین

اک نظرِ ہاں اگے اے صاحبِ ملکِ عیتیں
 تیری صوتِ سرمدی باغِ تصوف کی بہار

آ رہے ہیں تیرے دیوانے قطارِ اندرِ قطار
 تاجِ کنگاہی بھی ہے بس اک نظر کا خواستگار

چاک و اماں، سینہٴ سوزاں چشمِ گریاں ہول لگا
 تیری صوتِ سرمدی باغِ تصوف کی بہار

عظمتوں کے اوج پر فرزندِ حیدر دیکھنا

ذَاكَرْتُ عَبْدَ الْغَنِيِّ

عظمتوں کے اوج پر فرزندِ حیدر دیکھنا
 نورِ عرفاں میں ہوئے جاتے ہیں سب آفاقِ کم
 ذرے ذرے کی چمک و ادھی و صحرا کی لٹک
 ہے میرا ایمان کہتا ہوں اسے میں برسلا
 آرہے ہیں ہر طرف سے کسی شیدائی قیس،
 جی رہے ہیں سارے اک نظرِ کرم کی آسن
 محفلِ توحید ہے اور میگسار ان الہیت
 ساقی میخانہ وحدت تری نظروں کی خیرا
 وسعتِ آفاق پہ تابندہ اختر دیکھنا
 آفتابِ معرفت کا روئے انور دیکھنا
 مہرِ رخشاں دیکھنا، ماہِ منور دیکھنا
 آپ کا دیدار ہم کو حج اکبر دیکھنا
 عشق کا، اخلاص کا یہ طرفہ منظر دیکھنا
 اک نظر! ہاں اک نظر، اسے بندہ پروردیکھنا
 درمیاں میں ایک شاعر ہے نواگردیکھنا
 نعرۂ مستانہ اب زندوی کے اہل دیکھنا

میر عزب اللہ جس محفل میں ہوں مستدرا
 معجزہ ہے تیرے درسِ جاہد و اکابیکماں
 تو نے ایسی روح پھونکی مردہ سینوں میں
 قریہ قریہ میں نٹائی دولت دنیا و دیں
 دل نواز و روح پر سارا منظر دیکھنا
 ذرہ ناچیز قیصر کا ہے ہم دیکھنا
 ملتِ بیمار ہوئی جس سے جانبر دیکھنا
 پیکرِ مہر و سخا یہ قوم پروردیکھنا

”زندگی گزرے تمہاری شان سے!
خاتمہ بالخیر ہو ایمان سے!
تو نے اگر یہ دیا ہم کو پیام!
میرِ حزب اللہ پر لاکھوں سلام!“

(۴۲)
سید والا نسب ابن علیؑ
قرۃ العین رسول ہاشمیؐ
قبضہ دل، کعبہ ہر خاص و عام
قابلِ صدا احترام
میرِ حزب اللہ پر لاکھوں سلام

(۵)
دین پناہ والا حشم بندہ نواز
صاحبِ دل واقفِ راز و نیاز
خوب رو و خوب خود و خوش خرام
میرِ حزب اللہ پر لاکھوں سلام

(۶)
دیکھ لو پیلِ زورِ باطل ہر طرف
مرد حق کہتا ہے مسلم لا تخف
کھینچ لے پھر لاکھوں کی تیغِ بے نیام
میرِ حزب اللہ پر لاکھوں سلام

(۷)
پھر حدیٰ خوالی ہے امیرِ کارواں
جس کے نغموں میں ہے اک سوزِ بہا
رہبر و منزل نہ ہو کیوں تیز گام!
میرِ حزب اللہ پر لاکھوں سلام

(۸)
اٹھ مسلمان رکھ حکومت کی بنا!
لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى!
تیری گوشمش رہ نہ جائے ناتمام!
میرِ حزب اللہ پر لاکھوں سلام!

جناب مظہر

میر حنیف اللہ

اک زالی شان سے دنیا میں جینے کے لئے
 وہ مسلمان ہند میں تھا جو بحال زار و خوار
 لے کے عشق مصطفیٰ سے آتش سوز بلالؓ
 درود لکھنے کو یہ مرد خدا گھر گھر پھرا
 پھر ہمیں مرزا سکھایا میر حزب اللہ نے
 اس کو کیا سے کیا بنایا میر حزب اللہ نے
 پھر چراغ اپنا جس لایا میر حزب اللہ نے
 سونے والوں کو جگایا میر حزب اللہ نے
 اس کو آساں کر دکھایا میر حزب اللہ نے
 ایک ہونا نیک بنا "تقاہت مشکل مگر"

ساتھی کو ترنکی تھی جس کی اسے نظر کشید
 پھر وہی بادہ پلایا میر حزب اللہ نے

جناب مظہر

اُمّتِ مرحوم کا شیرازہ بند

میر حسنب اللہ پر لاکھوں سلام
 اُمّتِ مرحوم کا شیرازہ بند
 جس کے دم سے ہے مسلمان سر بلند
 قوم کو جس نے سکھایا ہے نظام
 میر حسنب اللہ پر لاکھوں سلام

(۲)
 کلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ كَيْتے ہوئے
 ایک رشتہ میں پرو کر رکھ دینے
 منتشر تسبیح کے دانے تمام
 میر حسنب اللہ پر لاکھوں سلام

نذیر عقیدت

- ۱ السلام اے نازنین مصطفیٰ السلام اے مایہ علم و ہدیٰ
 السلام اے تاجدارِ اقیانیا السلام اے رازدارِ اولیاء
 السلام اے ملکِ ملت کے پلین السلام اے رہبرِ دنیا و دین
- ۲ آپ ہیں شکرِ خدا کی کے امیر آپ پر راضی رہے ربِ قدیر
 آپ ہیں چشم و چراغِ مصطفیٰ قرۃ العین علی مرتضیٰ
 اصل تو پر فضل تو آمد گواہ اسمِ پاکت شد محمد فضل شہا
- ۳ تو نے آکر پھر دیا "درسِ خودی" اور خدا سے بھی عطا کی آگہی
 ہو رہے تھے جو کبھی زیرِ وزیر کر دیا آکر انہیں شیر و شکر
 "اسوۂ شبیر" کا پیرو تھے قوتِ حق کی ترے دل میں نمو
 ہے ترا پیغامِ مسلم کو یہی جَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ
- ۴ آپ کی ذاتِ مطہرہ پر سلام آپ کی روحِ معنبر پر سلام
 آپ کے زورِ خطابت پر سلام آپ کی شانِ امارت پر سلام
 آپ کے طرزِ تبسم پر سلام آپ کے حسنِ تکلم پر سلام
- ۵ مظہرِ نورِ خدا بس یک نظر معدنِ لطف و عطا بس یک نظر
 مخزنِ جود و سخا بس یک نظر منبعِ مہر و وفا بس یک نظر
 گوہرِ صدق و صفا بس یک نظر درو منداںِ رادوا بس یک نظر
 مایہِ داریںِ اللہ یک نظر از پئےِ حسنینِ اللہ یک نظر
- ۶ یک نگاہِ لطفِ ازہرِ خدا اے طیبِ جملہ ملت ہائے ما!
 چارہ سازی کن مرا لے چارہ گر بر طفیلِ عاجز و مسکین نگہ!

”خدائی فوج“

رگ و پے میں رضا کاران حزب اللہ کے وہ خوں ہے
 کہ رعنائی ہے جس سے کربلا کے لالہ زاروں کی
 وہ یلغاروں سے جن کی لرزہ براند ام تھا باطل
 زمین پاک تھمتے منتظر اُن شہ سواروں کی
 وہ مردان مجاہد جنبش تیغ و پیکر سے
 بدل دیتے تھے گردش اپنی قسمت کے ستاروں کی
 ریٹے ہیں میں نے اُن پاؤں کو بوسے خواب میں مظہر
 جبینیں جن پہ جھکتی تھیں جہاں کے تاجداروں کی

جناب کرنل عبدالحمید آزاد کشمیر

میر حزب اللہ مدوح حق ضیائے ذوالجلال
 مشعل راہ ہدایت مظہر فضل و کمال
 حسرت دنیا کا میاں ہیں جن کے آگے پانچال
 سیر کامل ہے جو اود جو ہے مرد بے مثال

یہ معانی کلام پاک کی تفسیر ہے
 یہ بلند و خوبتر اخلاق کی تصویر ہے

اے رسول اللہ کے نائب امیر المؤمنین!
 ہو مجید بے نوا پر فضل رب العالمین
 کردعا بہر خدایک علم و عرفان کے امین!
 مرجحت ہو جائے اس کو بھی وہی حق ایقین!

جو فتنیں حاصل تھا مولا حمید کرار کو
 اور سیف اللہ بہادر خالد جبار کو

مجموعہ

باعز و نشان دائم مولا! رہیں مع خواجه

مرے گھر میں بعد مدت آئے ہیں میرے خواجه
آمد سے تیری شاہا! اہل و عیال میرے
مردکھ مٹانے والے غم دور کرنے والے!
حاصل ہوئی کرم سے ترے لازوال دولت
ترے نور سے ہو روشن مردل کی شمع خواجه!
اہل و عیال صدقے مری جان تجھ پہ قربان!
اجڑے ہوئے چمن میں گویا بہار آئی
کتنے ہیں پر مسرت کتنی خوشی منائی
ترے آنے سے امیدیں مردل کی بہن آئی
دونوں جہاں کی عزت ہے ہاتھ بچھ کر آئی
ہو مہر و ماہ سے بڑھ کر مرے دل کی رضیائی
تکلیف میری خاطر اس حال میں اٹھائی
باعز و نشان دائم مولا! رہیں یہ خواجہ

جناب سوار الدین شیدا

جذبات نیاز

تیری صدانے قوم کو ہشیار کر دیا
تھا امت رسول کا دل میں ترے جو درد
سوئے ہووے کو آن میں بیدار کر دیا
گھر گھر میں آکے اس کا اظہار کر دیا
شاہ جلال! تجھ پہ ہو انوار کا نزول
تیرے کرم نے روح کو سرشار کر دیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضمیمہ

ضلع واروہ متقا با جہاں جہاں سلسلہ دور حضرت اللہ

حضور کا ورد ہو

سالہائے دورہ ۱۹۲۷ء تا ۱۹۵۸ء

(قد آدم مطبوعہ پڑگراموں سے ماخوذ)

ضلع جہلم : جلالپور شریف - کڑی شریف - کھوکھا - طمہ عجائب نقصو والہ - چوٹالہ -
دلاور - چک جانی - چک کب - سمنوال - آدو وال - سکھر پور - سرورہ - وگہ - حسوٹ - فتح پور پنجوی -
ٹھوٹھا - دیوال - ڈھوک طور - ارڈر پور - تھٹی - سدوال - مرید - تحصیل فتوحی - غریب وال -
ساو وال - قمر - ہرن پور - پنڈ وادن خان سہو ترہ - بہٹھ - پنڈ گولہ اندازاں - مل - کوہالہ - کالس
علیا موٹہ - کال - کھوتھیاں - بھلہ - چکوال - جنگہ - لہر سلطانپور - دھریالہ کہون - کھنڈو

۱۷ نومبر ۱۹۲۷ء سے لیکر ۲۸ نومبر ۱۹۲۷ء تک ضلع کوہراوال، سرگودھا، جنگہ، رگجرات کا دورہ فرمایا۔ آپسے، چک شمالی، سیال شریف
چاندیہ فرز، کیرہ، کھوکھر، تلو، شاہ پور، چک جنوبی، کوٹ اسلام اور وٹرا پنچا نولہ شریف لے گئے۔ لوگ بے تابانہ جوق در
جوق حاضر ہوتے رہے اور باطن کی زبان بے زبانی سے جوہر جہاز یا وہ نور اورد لاشیں ہوتی تھے، فخرانہ میں کشیدگی ہوتی تھی توجید
جود عالم تقسیم ہوتی ہی۔ اللہ تعالیٰ اس ساتی کو عرصہ تک قائم رکھے۔ اور جام توجید اس طرح گردش میں رہے۔ آمین تم آمین۔

جہاں جہاں سے وہ گئے جہاں جہاں ٹہرے
 وہی مہم شامِ محبت کی جلوہ گاہ بنے

۱۸ شمالی - مروہ شریف - بلیار - چک ۳۱ جنوبی - مٹھہ ٹوانہ -

ضلع جھنگ : بٹو - چانڈیہ فراز - کلیرہ - کھوکھر - لانگ شمالی - احمد پور الہ - چک ۲۱۹ بٹو

سیل بھلیاں چھتہ - چک ۲۰۵ گھوڑا نوالی - پیر پنچہ - کلری - کوٹ عیسیٰ شاہ - بڑانہ چک ۱۳۹ جنوبی
ٹھوٹہ - دھڑکھانا نوالہ - گنڈہ تلہ - ٹھٹی خیرا - سا جھوال - مکھیانہ -

ضلع راولپنڈی : راولپنڈی - آڈرہ - میرا کھینگر - کٹاریاں - درہال - بھانا ملیاں

پٹی - ڈاوری بنیال - بہیر کلیاں - ٹھیکریاں گوجر - بیور - پنڈراہیں خورو - سوو - نگال کلاں
گوجر خان جند میلو - ترکوال - نتھ چھتر - پوٹھی - موٹہ راہیں - ڈاوری منیا ندہ - جھٹہ ہتھیال کھڈ پیر
چھتی عالمشیر چھٹل - موہن متصل ابن چک - ملک کوہ متصل ماٹری دانشمندان تختی راجگان - چکری -

نگال غرخاں - موٹہ حاجی گل جانی - چک ناہن - رامل - مسوال پھیر میر حناں - پیرالی - موٹہ ملکاں -

سامنگ - جرموٹ کلاں - گلیانہ - نارہ - پیر والیاں - بسالی - کراں - لوڈ - ڈھوک محمد علی - براؤنی چھیل

آڈرہ - گنگال - جند بخار - جیرور تال - جھنگالی گوجر - آبدی - منس - ولہی دھمیال - میرا سنگھ پال

بگاسڈال - موٹہ درہال - انجھن چک - ٹھیکریاں - موٹہ منس بھینگر محمد ال - ٹوپ کلیاں -

کوکن جند - ولہی طمہ دھمیال - ٹاہلی موہری متصل راولپنڈی پھیر میر کھنال داخلی ترلاہی کلاں -

موٹہ داخلی درہال - مل جمال - گڑہ ہانگھوٹ - سکھو - کوٹہ ملیہ - کٹاریاں - گلیانہ - ڈھونگ - آبدی

کرالی - ماٹری دانشمندان - بیور - کوٹہ - رجوعہ - رامال - ارجن - ولہی - مرہی حسن داخلی راولپنڈی

لال کڑتی داخلی راولپنڈی - ڈھوک لہال - بھال پٹی -

ضلع گجرات : آلہ - سوہا وہ - پھالیہ - رگہ - میلو کہنہ - مکیوال - قادرا آباد کٹھیالہ

شیخان - چک ۱۳۳ - ڈھواں لوک - کوٹھا - چک مہد - بوریانوالی - مرالی - کوٹ اسلام - گڑہا - بگا -

چوٹ دھیرال - بوسال بھکھی چیلیاں والہ - ما بھمی - بھابھڑہ - شاد لوال - حساب تریہ کلاں

برنالی - ڈومیاں - موہری - پنڈ مگو - ملک وال حقیقہ خورو - کھاریاں - کولیاں حبیب - ڈمیان

دھوریہ - خون - دتے وال - چانگ دھو - بھولہ - کرلیا نوالہ - بھیکھو - اجروال - مونگ

سرہی - شمس پورہ - رہتاس - مسوال - تترال - منڈی - اوڑمگھال - سرگڑھن - میانہ صحمال -
 شیرپور - دولت پور - لنگاہ - ڈھیری سیدال - بھٹی گوجر - جوہا سیدان شاہ - ٹوچہ - گتر - مذکاسن
 گوڑہ ہاتم سنگھ - مفتیاں والی - خلاص پور نلہ کلاں - خیرپور - پنڈی سید پور - چک حمید - تھوالہ
 تھوہا بہادر - ڈونگی - چک شفیع - بشارت - دہری سیدال - نیلیاں - کھیویا نوالہ - تتروٹ - لہڑ -
 ڈھوک ٹاہلیاں - سیدوال - گہورہ - لٹہ - ہتار - دھروکی - وعلوہ - خورو - کابل خلی حسوٹ
 علی پور - پرانا کوٹ - روال - گول پور - جہلم - سمناول - موئے - ماہاں - ڈھوک مل - دینہ -
 بنڈیاں - کھیوڑہ - نمک - میدان پیراں - بشندور - جند - دوہالی - بل کسر - کلہاڑ - کھلا بٹا -
 کڑی - دھنیالہ - پیکارا - بھلو والی - لنڈ پور - ساگر می - وہالی - تھریاں - تھٹی - منوال - پھم
 کھنڈوہ - کوٹیا م - گڈریام - مینیس دامو وال - نگر می پنڈی - پتھر کلاں - ملیار - نارہ مغلاں
 پنڈ سوکھ - پدھری - بکڑالہ - لہڑی - ڈھاگری مرزا - ٹلہ جوگیاں - پوٹھ -

ضلع سرگودھا :- سیال شریف - حضور پور - چاک جنوبی - چاک شمالی - چاک^{۱۹}
 شمالی - سرگودھا - عالی - احمد لوالہ - کلان پور - دودھن - چاک شمالی تھٹہ - چاک جنوبی - کوٹلی
 سیدال - چاک جنوبی - چوکیہ - شاہ پور - سوڈھی جے وانے کھسکی - کوٹ اللہ یار خان -
 چاک^{۱۴۹} اور ۱۵۰ شمالی - کلان پور زیرین چاہ راجیوالہ - نصیر پور کلان بھاڑہ - چاک جنوبی
 ٹانڈوالی - بہک لڑکا - گھوال چاک^{۲۴} - میانی - بھیرہ - منڈی پھلرون - گڑھی کالا چاک^{۲۸} جنوبی
 خان محمد وال - چاک^{۲۸} شمالی - پنڈ مکو - کوٹ مومن - چاک^{۱۳۵} شمالی - سو بھیا نوالہ - کلان پور خورد
 سالم - چاک ماہی والہ - ٹھٹی رشید - بھلو وال - سلانوالی - چاک رسالہ - چاک^{۲۳} شمالی -
 چاک شمالی - بولا بالا - چاک جنوبی - چاک کوڑی حویلی چوہدری سکندر خان - اچراہ -

سید سیال شریف حضور صرف عرس مبارک میں شرکت فرمایا کرتے تھے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے عرس سیال شریف کے احترام کی
 جو تعلیم اپنے حاصل کی تھی اس پر پیشہ عمل پیرا رہے اب کشانی سو ادبی سمجھا جب کبھی وہاں حزب اللہ کی تبلیغ کے سلسلہ میں یا ویسے کسی
 موضوع پر تقریر فرمائی تو وہ بھی حضرت خواجہ قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف کے ارشادات کی تعمیل کے طور پر ہوا کرتی تھی اور
 آپ فرمایا کرتے حضرت خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے روئے قدس کے سامنے فرط ادب سے بات کرتے ہوئے زبان پر نفل پڑ جاتے

گوڑھال دھڑ۔ اندراہ کلاں۔ بلاہ۔ مظفر آباد۔ پونچھ۔ اوڑھی۔ بھینڈی۔ جموں۔ خیر پور۔
 ضلع کیملیو: تلہ گنگ۔ پیڑہ فتحیال۔ بھال ٹھکے کلاں۔ کوٹھ کلاں۔ کالی پڑی
 ڈھلیال۔ موٹہ داخلی کالی پڑی۔ حضور۔ چکری۔ ادھوال۔
 ریاست بہاولپور: رحیم یار خان۔ بہاولپور۔ خان پور۔ ستمہ ستمہ چشتیال شریف
 چک پی۔ چک یزان۔ چک مراد۔ چک مراد۔
 متفرق مقامات: خانیوال۔ ملتان۔ گھلوٹیاں خور و ضلع سیالکوٹ میالی
 مہری۔ پشاور۔ ہوشیار پور۔ شملہ۔ لاہور۔ سرینگر۔ کراچی۔ دھلی۔

نوٹ

قبلہ حضرت امیر عرب اللہ ان مقامات پر لگاتار اکتیس سال تک
 وہ فرماتے رہے۔ ہر مقام پر بارہا تشریف لے گئے اور تقریباً اسی
 سے دلوں کو گرماتے رہے۔ یہ فقید المثال تبلیغی کار نامہ ہے۔ افسوس
 ہے بعض سالوں کے مطبوعہ پر وگرام نہیں مل سکے۔ اس لئے اگر بعض
 مقامات یہاں درج نہ ہو سکے ہوں تو معذور سمجھا جائے۔

تَمَّتْ بِالْحَيِّ

چک شیر محمد۔ وڑا پنچا نوالہ۔ سوہا وہ دیوانہ۔ چک المعروف چک۔ بانگٹ۔ سیدا۔ برینڈی
 الہانی۔ حقیقہ۔ جند شریف۔ گنجہ۔ شاہ سرمست۔ بھیرا نوالی۔ رکن۔ پانڈو وال۔ چک ہبیا۔
 چک دینا۔ حاجی والا۔ کنجاہ۔ دیہولہ۔ دھونی خورو۔ بوہت۔ مانگٹ۔ نواں کوٹ گھگوکا۔
 بھٹی چک۔ ٹھیکریاں۔ برنالی۔ منڈیر۔ کوٹھکلاں۔ موٹے متصل طاہر۔ گھر کو۔ سیکر والی۔
 رہنیاں۔ تراوینا نوالہ۔ چکوڑی۔ گھنیاں۔ ترکھا۔ دھریکاں خورو۔ ٹھٹھی مرید۔ رائیکے۔ پیکنا نوالہ
 منڈی بہاوالدین۔ برج اگر۔ جوکالیان۔ میانہ چک متصل جوڑہ۔ دھول کلاں۔ پنڈی مکھو۔
 برینڈی جھرانہ۔ سوہا وہ بولانی۔ لوہسر کلاں۔ سہارن چٹھہ۔ کوٹ بھاگا۔ برج سچر۔ بازو
 مٹویں۔ ڈنگہ۔ بھامٹہ۔ لالہ موٹے۔ چوٹ۔ پیرو شاہ۔ گاکھر اکلاں۔ مدھرے۔ ڈھولک والی
 موہڑہ بہیال۔ بولا۔ چھنی گاہنا۔ مٹو۔ ڈیرہ پیرستخ شاہ۔ چک کمال۔ کاسب جید۔
 دھول خورو۔ بھیلو وال۔ پھالیمہ۔ جلاپور جٹاں۔ کوٹ میانہ۔ ہریہ۔

ضلع لائل پور: چک کجہ بجواڑہ۔ چک ارکھہ رانج۔ چک جھرا۔ چک ۱۱۸ ہاٹھ
 چک بھلاہی۔ چک ۲۳۱ میانی۔ چک ۲۹۹ اجڑام۔ چک ۲۳۳ کٹھوہڑ۔ چک ۲۸۸ گوگیرہ رانج۔ چک ۲۵۲
 کھوڑاں۔ چک ۲۹۳ حیدر نگر سرفتو۔ چک ۲۲۲ مٹل۔ چک نمبر ۱/۶۶۰ گ۔ ب۔ چک ۱۰۵ گھیا نوالہ
 ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ چک ۳۹۵ ج۔ ب۔

ضلع شیخوپورہ: مال والی والی چک۔ چک رکھہ رانج سنگوالہ۔ ولوٹیا نوالی چک ۳۹
 قبر والی مشمولہ نوالہ۔ کھڈیوالہ۔ کوٹ بھاگا چک ۲۱۔ راموں آنہ شیخاں۔ چمی شریف۔

ضلع منٹگمری: چک ۹۶۔ چک ۱۱۳۔ چک ۵۔ چک ۱۲۱۔ چک ۱۔ چک ۲۔ چک ۱۱۳
 چک ۱۱۳۔ چک ۱۰۸۔ چک ۲۲۶۔ چک ۲۹۔ چک ۱۳۵۔ چک ۵۔ چک ۱۱۵۔ چک ۹۔ چک ۱۰۸۔ آر۔

ضلع گوجرانوالہ: گوجرانوالہ قیسے۔ پارٹیکسن۔ نواں کوٹ گھگوکا چک
 چک بھٹی۔ محمود پور۔ ریکے چٹھہ۔ چھنی چورہ۔ ٹیکھیکلی۔ بیہیانوالہ۔ حافظ آباد۔
 ریاست کشمیر (مقبوضہ آزاد) میرپور۔ پلاک۔ دھورہ۔ پنسی کلاں۔ موہڑہ موہڑیاں

تاریخ طبع امیر اللہؒ

مولوی محمد مظفر علی ابن حضرت مولانا قاضی محمد سلام اللہ مرحوم ساکن چک نمبر ضلع گجرات

سیرت امام المتقین

۱۳۸۳ھ

چور وٹے گل رخاں ہر لفظ باہش

زبے تالیف گردیدہ کتابے

مظفر گفست سال لاجوابش

مرب شد کتاب مرد عارف

۱۹۶۴ء

شہید م سال ہجری از خطابش

زہاتف میر حزب اللہ معظم

۱۳۸۳ھ

ایضاً

زکاک معنبر بصدق و صواب

مصنّف بیان کرد حالات پاک

نما شد حیات فضائل مآب

مظفر جو جستم تاریخ او

۱۳۸۳ھ

کتابتہ: احقر خادم العلماء و الفقراء عظیمی ساکن تریہ کلاں ضلع گجرات